KRIS17

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہاں کے ایّامِ اسیری

اور

عہدِ اورنگ زیبؒ

مشہور فرانسیسی سیّاح ڈاکٹر برنیر کا بارہ ۱۲ سالہ روزنامچہ (سنہ ۱۶۵۶ء - سنہ ۱۶۶۸ء)

جس میں

شاہ جہاں کے آخری دور کا حال، اورنگ زیبؒ کی بھائیوں سے
کشمکش، مغل شہنشاہیت کے پسِ پردہ واقعات، اور اس دور کی
سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کو نہایت دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے

مُترجمہ

خلیفہ سیّد محمّد حسین مرحوم
میر مُنشی ریاست پٹیالہ

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ، کراچی ۲

قیمت مجلّد بارہ روپیہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

KRIS17

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہاں کے ایّامِ اسیری

اور

عہدِ اورنگ زیبؒ

مشہور فرانسیسی سیّاح ڈاکٹر برنیر کا بارہ ۱۲ سالہ روزنامچہ (سنہ ۱۶۵۶ء - سنہ ۱۶۶۸ء)

جس میں

شاہ جہاں کے آخری دور کا حال، اورنگ زیبؒ کی بھائیوں سے
کشمکش، مغل شہنشاہیت کے پسِ پردہ واقعات، اور اس دور کی
سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کو نہایت دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے

مُترجمہ

خلیفہ سیّد محمد حسین مرحوم
میر مُنشی ریاست پٹیالہ

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ، کراچی ۲

قیمت مجلّد بارہ روپیہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جملہ حقوق محفوظ

ناشر:- چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری
مالک نفیس اکیڈیمی
بلاس اسٹریٹ، کراچی

طبع اوّل:——— نفیس اکیڈیمی، کراچی۔ اپریل سنہ ۱۹۶۰ء

کتابت:——— انوری بیگم دہلوی

مطبوعہ:——— انٹرنیشنل پریس، کراچی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عہدِ اورنگ زیبؒ کے چشم دید حالات

از محمد اقبال سلیم گاھندری

ڈاکٹر برنیر ایک فرنچ طبیب تھا جس نے محض ذوق جہاں بینی میں اپنی عمر کے بارہ سال ۱۶۵۶ء سے ۱۶۶۸ء تک مغل دربار میں گذارے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں شہاب الدین محمد شاہجہان صاحبقران ثانی کا دور حکمرانی ختم ہوتا ہے اور محی الدین محمد عالمگیر ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ زمام شہنشاہی اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے وہ عالمگیر جس کی شمشیر جہانگیر کبھی قندھار و کابل میں چمکتی ہے اور کبھی برصغیر پاک و ہند کے آخری جنوبی گوشوں میں، اور جس کی مقناطیسی طاقت حکمرانی نے تاریخ کے وسیع و طویل دور میں سب سے پہلی مرتبہ اور مابعد کے واقعات گواہ ہیں کہ سب سے آخری مرتبہ بھی اس برصغیر کے حدود متعین کئے۔ اتنے وسیع اور اس قدر عظیم الشان حدود جن کی پہنائیوں میں موجودہ دولت افغانستان، دولت پاکستان، آج کا بھارت، اور ملحقہ جزائر سب ہی داخل تھے۔

یہی وہ زمانہ ہے جس کو مغل تاریخ کا طالب علم "جنگ برادران" کے نام سے یاد کرتا ہے شاہجہاں کو نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ داراشکوہ، شجاع، اورنگ زیب اور مراد یعنی ہر چہار برادران کے مابین شاہی و شہنشاہی کے لئے آویزش ہوتی ہے۔ بڑی پرانی مثل ہے۔ "وہ فقیر در گلیے بہ خسپند و دو پادشاہ در اقلیمے نہ گنجند"

ایک کمبل میں دس فقیر تو گذران کر سکتے ہیں لیکن ایک ملک میں دو پادشاہوں کی سمائی ممکن نہیں۔ "جنگ برادران" کا حقیقی سبب تو یہی کلیہ ہے جس میں شاید چشم فلک نے بھی کبھی کوئی استثنا نہیں دیکھا۔ داراشکوہ اور عالمگیر کے مابین آویزش ایک لازمی اور لابدی چیز تھی۔ اور اس کا نتیجہ وہی نکلنا چاہیے تھا۔ اس کائنات آب و گل کے تمام حوادث کا یہی نتیجہ نکلا کرتا ہے۔ فطرت عالم ہمیشہ سے بقائے اصلح کے اصول پر قائم ہے جو سب سے بہتر ہوگا وہی کامیاب ہوگا اور وہی باقی رہے گا۔ دوسرے اور تیسرے درجہ کی ہر چیز مٹ کر بہتر اور اصلح کیلئے اس جہان میں جگہ خالی کرتی ہی رہتی ہے۔ جنگ برادران کا نتیجہ بھی یہی نکلا۔ ڈاکٹر برنیر کو بھی اس کا اقرار ہے کہ سب سے بہتر صلاحیت رکھنے والا ان چاروں بھائیوں میں شہزادہ اورنگ زیب ہی تھا۔ لیکن ڈاکٹر برنیر اپنے مزاج سے مجبور ہے وہ طبعاً کچھ حزب مخالف کی ذہنیت کا حامل ہے۔ اس لئے کامیاب و کامران فریق کی طرف سے اس کے دل میں ایک قسم کی نفرت سی ہے، اسے عالمگیر کے اعمال و افکار میں عیوب دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے سفرنامے میں جا بجا اس پر کڑی تنقید کرتا ہے۔ اس کی نظر سے اسباب و وجوہ کہیں کہیں چھپ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ محض بے رحمی اور قساوت قلبی تھی، حالانکہ حقیقت یہ نہیں تھی، بلکہ جو کچھ ہوا ان حالات میں وہی ہونا چاہیے تھا، اگر نہ ہوتا تو برا ہوتا۔

فاضل ڈاکٹر برنیر نے جو رائیں قائم کی ہیں، ان کے پیچھے علاوہ ڈاکٹر کی افتاد طبع کے ایک اور چیز بھی ہے، وہ یہ کہ وہ ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غیر ملکی اور غیر مانوس آدمی ہے۔ نہ مغل اصول حکمرانی کو جانتا ہے نہ پاک و ہند کی اجتماعی صورت حال سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہے اس لئے بھی وہ اکثر جگہ اپنی رائے قائم کرنے میں غلطی کر جاتا ہے۔ اور صحیح اسباب و وجوہ تک اس کی نظر نہیں پہنچتی پھر ایک سب سے بڑی دقت اُسے یہ بھی تھی کہ وہ مقامی زبان سے ناواقف تھا۔ بہت سی باتیں اُس کی سمجھ ہی میں نہیں آسکیں۔

لیکن بہرحال! آراء و افکار کیلئے نہیں بلکہ حوادث و واقعات کیلئے یہ سفرنامہ تاریخ پاک و ہند کے مطالعہ کیلئے انتہائی اہم اور بے مثال کتاب ہے۔ اس سفرنامہ میں ہمیں بعض ایسی جزئی تفصیلات اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات ملتے ہیں جو ملکی مورخ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک غیر ملکی مبصر کے نزدیک روزمرہ کے معمولی واقعات بھی عجیب نظر آتے ہیں اور وہ انھیں اپنی یادداشت میں نوٹ کرتا ہے حالانکہ معاصر مورخ اسی ملک کا پروردہ ہونے کے قابل اعتنا نہیں سمجھتا ہو۔ ایسے سفرنامے مطالعہ کیلئے بہت ہی کمال اور نہایت ہی کارآمد مواد مہیا کرتے ہیں اور ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں

اُردو ترجمہ بڑی مسرت ہوتی کہ اس سفرنامہ کا انگریزی سے اُردو ترجمہ جناب سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ نے کیا تھا۔ اور نہ صرف ترجمہ کیا تھا بلکہ اصل کتاب سے کہیں زیادہ قیمتی تشریحات کے فٹ نوٹ کا اضافہ بھی کیا تھا۔ یہ تشریحی نوٹ اتنے معلومات افزا اور اتنے قیمتی ہیں کہ حقیقتاً ایک اعلیٰ درجہ کی تحقیقی کتاب اپنے موضوع پر معلوم ہوتی ہے ایسے نوٹ بہ کثرت ہیں۔ اور نہایت کارآمد تفصیلات مہیا کرتے ہیں یہ کتاب مترجم کی زندگی میں دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی اور ملک کے ارباب علم و بصیرت کی نظر میں بڑا کارنامہ قرار پائی تھی۔ اب اس کے نسخے کمیاب اور کمیاب سے نایاب ہو گئے تھے۔

نفیس اکیڈیمی جس نے بہتر سے بہتر علمی کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کر رکھا ہے۔ اور جو اس سے پہلے مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی ضخیم تاریخ اسلام تین جلدوں میں آئینہ حقیقت نما، مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی اور دوسری بہت سی ضخیم اور کارآمد کتابوں کے جدید ایڈیشن بہتر لکھائی چھپائی سے مزین کر کے آپ کے سامنے پیش کر چکی ہے اب اس مشہور و کارآمد سفرنامہ کا جدید ایڈیشن بہترین طباعت و کتابت کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر رہی ہے۔

ہمیں یہ خوشی ہے کہ اہل علم جن کتابوں کے نسخے حاصل کرنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ اہل دانش کو جن کتابوں کی تلاش رہتی ہے اور اعلیٰ تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور اسکالرس جن کتابوں کے حصول کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ ہم اپنی مساعی سے ان کتابوں کو قابل حصول بنانے کی خدمت نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کے شکر گذار ہیں کہ اُس نے ہمیں توفیق عطا فرما کر اور اسباب و ضروریات مہیا کر کے ہمارے لئے یہ خدمت آسان فرمادی۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

آئندہ کے چند مہینوں میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم اسی طرح سفرنامہ ابن بطوطہ کا اردو ترجمہ، اقبال نامہ جہانگیری مصنفہ معتمد خاں بخشی کا اُردو ترجمہ، تاریخ ابن خلدون کا مکمل ترجمہ اور البرامکہ۔ و نظام الملک طوسی مصنفہ مولانا عبدالرزاق کان پوری اور خلافت اندلس، کارنامہ نواب ذوالقدر مرحوم بھی پیش کر رہے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیبؒ کی سیاسی زندگی

از جناب ڈاکٹر ریاض الاسلام ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

برصغیر ہندو پاکستان تاریخ کے آغاز سے ہی دنیا کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کی دولت کی شہرت دور دراز ممالک کے فاتحین اور تجار کو یہاں کھینچ کر لاتی تھی۔ بدھ مت کی توسیع نے ہندوستان کو ایشیا میں ایک نئی مرکزی حیثیت دی۔ چین اور دیگر ممالک سے بدھ یاتری ہزاروں میل کا دشوار گذار راستہ طے کر کے ادھر آنے لگے۔ پھر جب اسلام نے اس دیار میں قدم رکھا تو ہندوستان عالم اسلام کا حصہ ہو گیا۔ اور تمام مشرق وسطیٰ یہاں کا دیوار بیچ پڑوسی بن گیا۔ اور آمد و رفت کے تمام بحری اور بری راستے آباد رہنے لگے۔ اور جب یورپ میں بیداری کی تحریک شروع ہوئی اور وہاں کے دلیر ملاح نئے دیاروں اور نئی راہوں کی کھوج میں نکلے تو کولمبس ہندوستان کو ہی تلاش کرتا ہوا امریکہ جا نکلا۔

ہندو پاکستان سے اس عالمگیر دلچسپی کا کچھ اندازہ اس ضخیم سیاحتی ادب سے ہو سکتا ہے۔ جو یہاں کے بارے میں موجود ہے۔ میگاستھنیز اور فاہیان سے لے کر برنیر اور منوچی تک بے شمار سیاح سفیر اور تاجر یہاں آئے اور ان میں سے بہتوں نے یہاں کے حالات اور اپنے تاثرات لکھے ہیں۔ سیاحتی ادب کا ایک وقیع حصہ مسلمانوں کا ہی مرہونِ منت ہے۔ مسلمان سیاحوں کی طویل فہرست میں مسعودی اور ابن بطوطہ کے نام سب سے ممتاز ہیں۔ سیاحت نگاری کی وسیع اصلاح میں کئی قسم کی تحریرات شامل ہیں۔ اولاً وہ کتب جن میں سیاحوں نے اپنے چشم دید حالات قلم بند کئے ہیں۔ دوسرے وہ تحریرات جن میں مؤلفین نے مسافروں تاجروں اور دوسرے آنے جانے والوں سے مختلف ممالک کے حالات اہتمام اور احتیاط کے ساتھ جمع کئے اور انھیں ترتیب دیا۔ اس کی ایک اچھی مثال مسالک الابصار ہے۔ جس کا مؤلف شہاب الدین ابن فضل اللہ العمری خود ہندوستان نہیں آیا۔ لیکن اُس نے یہاں کے حالات معتبر تجار سے جو ادھر آتے جاتے رہتے تھے، جمع کئے۔ تیسرے بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو مجموعی طور سے تو نہیں البتہ ان کے بعض حصے سیاحت نگاری کے ذیل میں آتے ہیں۔ مثلاً البیرونی کی کتاب الہند اور بابر کی تزک اسی نوعیت کی ایک غیر معروف لیکن اہم کتاب بحر الاسرار ہے۔ یہ تورانی کی تاریخ ہے۔ اور ۱۶۴۰ء کے قریب لکھی گئی۔ کتاب کے آخر میں تتمہ کے طور پر اس کے مصنف محمود بن امیر ولی نے اپنے سفر کا حال لکھا ہے۔ جس کے دوران میں وہ سندھ۔ لاہور۔ دہلی۔ متھرا۔ آگرہ۔ پٹنہ۔ دکن اور لنکا وغیرہ گیا۔ اس کتاب کا ایک نادر الوجود

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔

ہند و پاکستان کے تاریخی مواد میں سیاحت ناموں کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ایران۔ توران۔ ممالک عرب شمالی افریقہ فرانس۔ اٹلی۔ انگلستان۔ روس اور چین وغیرہ سے آنے والے سیاحوں نے اپنی تحریرات میں یہاں کے متعلق بڑا متنوع اور دلچسپ مواد مہیا کیا ہے۔ ان کی تحریرات میں سیاسی تاریخ کے بعض اہم اور مفید حوالے بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے۔ کہ وہ یہاں کی معاشری اور معاشی حالات کو اُجاگر کرتے ہیں۔ رسم و رواج بود و باش کے طریقے اور مقامی حالات کے مطالعہ کے لئے ان سے اہم شاید ہی کوئی ماخذ ہو۔ عہد وسطیٰ کی لکھی ہوئی تاریخی کتب عموماً سماجی حالات کو یک سر نظر انداز کر دیتی ہیں۔ اس کمی کو سیاحتی ادب ایک حد تک پورا کر دیتا ہے۔ چنانچہ بعض یورپی سیاحوں کی تصانیف میں جنوبی ہند کے سماجی حالات کی بھرپور تفصیل ملتی ہے۔ سیاحتی ادب کے بیش قیمت مواد سے بعض جدید مورخین نے اپنی تحقیقات میں پوری طرح استفادہ کیا ہے۔

ہر عہد کے سیاحتی ادب میں بعض مشترک خوبیاں اور خامیاں ہیں سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ باتیں جو اہلِ وطن کے لئے روزمرہ دیکھتے رہنے سے لائق توجہ نہیں رہتیں، دور دیس سے آنے والوں کے لئے نادر اور عجیب ہوتی ہیں۔ اگر اہلِ وطن ان کو پائمال سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں تو غیر ملکی سیاح انھیں دلچسپی اور حیرت سے دیکھتے ہیں اور ان کی جزئیات کو بالتفصیل تحریر کرتے ہیں۔ سب سے نمایاں خرابی یہ ہے کہ سیاح اپنے مختصر دوران قیام میں عموماً صرف سطحی باتیں دیکھ پاتے ہیں اور وہ اپنے مشاہدات کو ان کے تاریخی پس منظر اور تمدنی ماحول کی روشنی میں سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ایک اور نقص جو کم و بیش سب سیاحت ناموں میں پایا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ سیاحت نگار سنی سنائی باتوں اور بازاری افواہوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے وہ مصدقہ حقیقت ہوں۔ مارکو پولو اور منوچی کے سیاحت نامے ان بے بنیاد باتوں سے بھرے پڑے ہیں ع جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ

سرزمین پاک و ہند کے اسلامی عہد میں جتنے یورپی سیاح آئے ان میں غالباً سب سے زیادہ ذہین اور باعلم شخص ڈاکٹر برنیر تھا۔ وہ سند یافتہ ڈاکٹر تھا فلسفہ سے اُسے غیر معمولی شغف تھا۔ وہ فلسفی گسینڈی کا بڑا مداح تھا۔ اسی کی صحبت میں برنیر کی صحیح معنوں میں ذہنی تربیت ہوئی تھی۔ گسینڈی کا انداز فکر ناقدانہ تھا۔ اور اس کے حلقہ میں شریک ہونے والے اس کے تنقیدی رجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ برنیر کا علم محض کتابی نہ تھا۔ وہ چل پھر کر دنیا کو دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ طبی تربیت کی تکمیل سے پہلے ہی وہ یورپ کے بیشتر ممالک کا سفر کر چکا تھا۔ دستار بندی کے دو سال بعد وہ دنیا کی سیاحت کے لئے چل پڑا۔ فلسطین۔ شام اور مصر ہوتے ہوئے وہ ۱۶۵۸ء کے اواخر میں بحری راستہ سے سورت پہنچا۔ برصغیر میں آٹھ نو سال مقیم رہا۔ اور کشمیر سے گولکنڈہ اور بنگال سے گجرات تک سب اہم مقامات اس کی نظر سے گذرے۔ ۱۶۶۷ء میں اُس نے اس سرزمین کو الوداع کہا اور ایران کے راستہ سے عازم وطن ہوا۔ ۱۶۸۸ء

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اڑسٹھ سال کی عمر میں برنیر سفر آخرت پر روانہ ہوگیا۔

برنیر جب ہندوستان پہنچا تو شاہجہاں کے بیٹوں میں تخت و تاج کی جنگ آخری مراحل میں تھی۔ دارا گجرات میں پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ برنیر کی بھی اس سے ملاقات ہوئی اور چند روز کے لئے وہ شہزادہ کے ساتھ معالج کی حیثیت سے رہا۔ برنیر نے اپنی کتاب کا آغاز اس جنگ کے بیان سے کیا ہے۔ اور ایسی تفصیل کے ساتھ کہ کتاب کا پہلا ربع اسی پر ختم ہو جاتا ہے۔ بقیہ کتاب شاہی دربار کے حالات آگرہ اور دہلی کے شہروں اور کشمیر اور بنگال کے صوبوں کے بیان، شاہی فوج کے نقشہ، سلطنت مغلیہ کے نظم و نسق اور معاشی حالات اور اہل ہنود کے رسوم و عقائد کے بیان پر مشتمل ہے۔ برنیر کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے جن معاملات سے بحث کی ہے انھیں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بعض مقامات پر وہ غیر معمولی بصیرت کا ثبوت دیتا ہے۔ انیسویں صدی کے انگریز مورخوں نے سلطنت مغلیہ کے نظم و نسق کو یورپی قرونِ وسطیٰ کے جاگیرداری نظام FEUDALISM کی اصلاحات میں بیان کیا ہے اور یہ ایک بنیادی غلطی ہے۔ بیسویں صدی کے مورخین نے اس غلطی کا ازالہ کیا۔ لیکن برنیر نے سترھویں صدی ہی میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی کہ سلطنت مغلیہ کا نظام جاگیردارانہ نہ تھا۔ ہندوستانی فوج کے نقائص، صفوی ایران کی داخلی کمزوری اور دولت عثمانیہ کے آنے والے زوال کے بارے میں بھی برنیر نے جو کچھ کہا اُسے وقت نے صحیح ثابت کر دکھایا۔ ان باتوں سے اُس کی غیر معمولی ذہانت اور تاریخی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس ذہانت کے باوجود برنیر نے معاصرانہ واقعات اور مغلیہ اداروں کو سمجھنے میں کئی جگہ ٹھوکر کھائی ہے شاہجہاں کے نجی کردار پر جو اُس نے ناروا حملے کئے ہیں وہ اب درخورِ اعتنا نہیں۔ کوئی ثقہ مورخ اب انھیں لائق توجہ نہیں سمجھتا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے سیاسی طرزِ عمل پر جو اُس نے جا بجا نکتہ چینی کی ہے ان میں سے بیشتر باتوں کا جواب مولانا شبلی نعمانی اور ظہیر الدین فاروقی دے چکے ہیں۔ اور یہاں ان کا دُہرانا بے محل ہوگا۔ سیاحت نگاروں کو بازار کی چاشنی دار افواہوں کو نمک مرچ لگا کر بیان کرنے کا جو لپکا ہوتا ہے، برنیر اُس سے یکسر بری نہیں۔ پھر بھی وہ دوسرے سیاحوں سے زیادہ محتاط تھا۔ منوچی کے من گھڑت افسانے اس کے یہاں کم ہی پائے جاتے ہیں۔ اورنگ زیب کے نام شاہِ ایران کے ملامت آمیز خط کے بارے میں افواہ بیان کر کے وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ اُسے اس پر یقین کرنے میں تامل ہے۔ شاہجہاں کے دربار میں ایرانی سفرا کی گستاخیوں کے قصے سنا کر وہ ان قصوں کی بے بنیادی کی طرف اشارہ بھی کر جاتا ہے۔ اورنگ زیب پر وہ کہیں کہیں نکتہ چینی کرتا ہے لیکن اس کی خوش خلقی اس کی تن دہی اور مدبرانہ دریا دلی کا مداح بھی ہے۔ سلطنت مغلیہ میں امن و امان کی کمی اور عمال کی بے عنوانیوں کا شاکی ہے۔ لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ یہاں دیہات میں ذخیروں اور فصلوں کی لوٹ کھسوٹ نہیں ہوتی "کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک لسبوہ زمین خاصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے۔ اور رعیت پر دست درازی اور تعدی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے و اسلام کے خلاف برنیر کو جو تعصب تھا اُس کا وہ کئی جگہ اظہار کرتا ہے۔ اس بارے میں اس کی کم نظری کو اس کی ضلالت پر محمول کر کے اُسے معذور تصور کیا جا سکتا ہے۔ ستی کی رسم، جگن ناتھ کی پوجا اور سورج گرہن کے موقعہ پر ہندوؤں کی عبادات کا ذکر کرنے کے بعد وہ ایک کلیہ بیان کرتا ہے: کیسے ہی فضول اور بے معنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہ پاتے ہی ہیں۔ لیکن اس کلیہ کا اطلاق غالباً وہ اپنے عقائد پر نہیں کرتا تھا۔ شعبدہ بازی کا برنیر سخت دشمن تھا۔ اور جب بھی اُسے پنڈتوں وغیرہ نے کوئی بات از قسم کرامات دکھائی تو وہ کھوج لگا کر معلوم کر لیتا کہ اس کے پیچھے کیا راز ہے۔ اور ان کی کرامات کو شعبدہ ثابت کر دیتا۔

مجموعی طور سے برنیر کی کتاب دنیا کے بہترین سیاحت ناموں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ تاریخ کے طلبا اور عام قارئین سب کے لئے اس میں دلچسپی کا سامان ہے۔ اصل سیاحت نامہ فرانسیسی میں ہے۔ یورپ کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی میں اس کے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اور اُردو میں اس کا ترجمہ سب سے پہلے کرنل نہری مور نے ۱۸۷۵ء میں کیا۔ یہ ترجمہ زبان کے لحاظ سے ناقص تھا۔ خلیفہ سید محمد حسین میر منشی ریاست پٹیالہ نے کرنل مور کے مسودہ کو پیش نظر رکھکر برنیر کے سفرنامہ کا از سر نو ترجمہ کیا۔ پھر اس پر مزید نظر ثانی اُن کے بھائی خلیفہ سید محمد حسن وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے کی۔ اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن دو جلدوں میں امرتسر اور مراد آباد سے بالترتیب ۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ کتاب کے اصل مترجم خلیفہ محمد حسین نے اُسے اپنے خرچ پر چھپوایا اور اس کی تمام تر آمدنی مدرسۃ العلوم (محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج) علی گڑھ کے سپرد کر دی۔ ۱۹۰۶ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے ڈیوٹی بک ڈپو نے کتاب کا دوسرا ایڈیشن آگرہ میں طبع کرا کے شائع کیا۔ یہ کتاب اب ایک عرصہ سے نایاب ہے۔ چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندی صاحب مالک نفیس اکیڈیمی تحسین کے مستحق ہیں کہ ان کی کوشش سے برنیر کا سیاحت نامہ پھر شائع ہو رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے بعد چوہدری صاحب کی توجہ ہند و پاکستان کے دوسرے مشہور سیاحت ناموں کے ترجمے شائع کرنے کی طرف منعطف ہو گی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زندہ پیر

از جناب مرزا علی اظہر بی، اے۔ بی، ایل،

ڈاکٹر فرانسس برنیر نے بارہ سال (۱۶۵۶ء تا ۱۶۶۸ء) تک ہندوستان میں رہ کر یہاں کی سیاسی اور معاشی حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہجہاں تخت طاؤس پر جلوہ افروز تھا اور آخر میں اورنگ زیب نے اپنے بھائیوں کو شکست دے کر سلطنت حاصل کر لی تھی۔ چونکہ یہ زمانہ تاریخ ہندوستان میں بہت اہمیت رکھتا ہے اس لیے برنیر کے وقایع کو بھی خاص امتیاز حاصل ہے۔

یوروپین مصنفین برنیر کے سیاحت نامہ کو زیادہ اہمیت اس لئے دیتے ہیں کہ وہ بحیثیت وقائع نویس کے تاریخی واقعات کو صحیح خدوخال میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے خاندان تیموریہ کی تاریخ پر گہری نظر ڈالی ہے اور واقعات کے مختلف عوامل کو پیش نظر رکھکر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے عادی ہیں وہ برنیر سے اکثر متفق الرائے نہیں ہو سکتے۔

برنیر کے لئے سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ وہ ہندوستان میں اجنبی تھا، ملکی زبان اور معاشرے سے بھی ناواقف تھا۔ اسی لئے باوجود ذہانت وکدوکاوش اُس نے اکثر تاریخی واقعات میں غلطیاں کی ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب پڑھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ برنیر بھی مثل دیگر اہل یورپ کے، احساس برتری میں مبتلا تھا، مشرق کے مقابلے میں مغرب کو بہتر سمجھتا تھا اور یوروپین تہذیب وتمدن کے تفوق کا داعی تھا۔ اکثر مقامات پر اُس نے واقعات کے سمجھنے میں غلطی کی اور غلط نتائج پر پہنچا۔

یہ شخص مانتا ہے کہ اورنگ زیب اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل، حوصلہ مند اور خوش فکر تھا، فطرتاً جفاکش اور دماغ سوزی کا عادی تھا اور جس کام کا بیڑا اٹھاتا تھا اُس کو انتہائی حزم واحتیاط سے انجام دیتا تھا۔ جو مہم درپیش ہوتی اُس پر ہر پہلو سے غور وفکر کر کے نقشہ تیار کرتا اور مثل ایک شاطر کھلاڑی کے دشمن کی کوئی چال ایسی نہ ہوتی جس کی کاٹ کے لئے وہ تیار نہ ہوتا۔

جذبات پر اورنگ زیب کو چونکہ پورا قابو حاصل تھا اس لئے جب کبھی دل ودماغ میں آویزش ہوتی تو دلی جذبات ومحسوسات کو کچل کر دماغی کدوکاوش اور واقعات کی منطقی رَو کا وہ ساتھ دیتا۔ اُس کے زہد وتقوے اور مذہبی عصبیت نے اُس کی سادہ زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ وہ "زاہد خشک" مشہور ہو گیا۔ بدقسمتی سے "دورِ جہانگیری"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور "عہد شاہجہانی کے بعد عالمگیر زندہ پیر" کا تخت طاؤس پر بیٹھنا قیامت ہوگیا۔

اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے میں جن قوموں نے بھی مغلوں[1] کے مقابلے میں سر اٹھایا وہ کچل دیئے گئے۔ ۱۵۵۶ء[2] (جنگ پانی پت) سے لے کر ۱۶۵۸ء تک یعنی پورے ایک سو سال تک ہندوستان میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی تھی جو مغلوں کا مقابلہ کامیابی سے کر سکتی۔ حکومت و طاقت کے ساتھ ساتھ دولت و ثروت حکمران طبقے میں سمٹ کر آگئی تھی۔ آلِ تیمور میں گھن لگ چکا تھا مگر اثرات چونکہ نمایاں نہ ہوئے تھے اس لئے روبہ انحطاط ہونے کے باوجود وہ اپنے تنزل کو محسوس نہ کرتے تھے۔ بگڑے ہوئے معاشرے میں خرابیاں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ امرا عیش پسند ہوگئے اور متوسط طبقہ نے رئیسوں کی دیکھا دیکھی اپنی بساط بھر تعیش میں زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ پورا معاشرہ رنگ رلیاں منانے لگا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں کوئی "زاہد خشک" مقبول نہیں ہو سکتا اور جب کہ وہ تختِ شاہی پر بیٹھکر ایک باجبروت بادشاہ کی حیثیت سے مسموم فضا کو درست کرنا چاہتا ہو تو خاص و عام کا ممدوح ہونا محال ہے۔

بخلاف اس کے داراشکوہ، شاہ شجاع اور مراد بخش تینوں بھائی کم و بیش اپنے زمانے کی پیداوار تھے۔ داراشکوہ ولی عہد اور پنجاب و دہلی کا صوبیدار تھا مگر اپنے والد شاہجہاں کے ساتھ رہا کرتا تھا جو ۱۶۵۷ء میں آگرے بغرض تبدیل آب و ہوا چلا آیا تھا۔ شجاع بنگال کا اور مراد گجرات کا صوبیدار تھا اور یہ تینوں شہزادے اپنے اپنے صوبے میں بیٹھکر دادِ عیش دیتے تھے۔ اُس زمانے کے مذاق کے مطابق شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے اور خاص و عام کی نظروں میں محبوب تھے۔

شاہجہاں کی علالت کی خبر سنتے ہی شہزادوں نے اپنی اپنی قسمت آزمائی کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ اورنگ زیب نے حسب عادت سوچ سمجھکر نقشہ جنگ تیار کیا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ داراشکوہ ولی عہد ہونے کی وجہ سے اُس پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور اُس کی ذاتی قوت کے ساتھ ساتھ شاہی قوت بھی اُس کی ممد و معاون ہے۔ لہٰذا داراشکوہ کو پریشان کرنے کے لئے دوسری تدبیروں کے علاوہ ایک خاص تدبیر یہ اختیار کی کہ شاہ ایران کو ورغلایا کہ وہ افغانستان پر حملہ کر دے جو اُس وقت سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ تھا۔ غرضیکہ مختلف سیاسی چالوں سے (اورنگ زیب اس مقولے پر عامل تھا کہ "جنگ و محبت میں ہر چیز جائز ہے") اور اپنی ہمت و جرأت سے جس کا اُس نے ہر میدان کارزار میں

---

[1] میں نے لفظ "مغل" یہاں انہی معنوں میں استعمال کیا ہے جو اُس زمانے میں مستعمل تھے۔ جیسا برنیر کہتا ہے۔ اب لفظ مغل اُن سب غیر ملک کے رہنے والوں پر بولا جاتا ہے جو فی زمانہ ہندوستان پر (جس کے معنی ہیں ہندوؤں یا ہندوؤں کا ملک) حکومت کرتے ہیں" (ص ۵)، ورنہ آلِ تیمور نسبتاً ترک تھے۔ مزید تحقیق کیلئے میرے مضامین "تیمور اور اُس کا نسب" مطبوعہ اخبار "ٹوان" مورخہ ۱۲ اور ۱۹ اپریل ۱۹۵۹ء ملاحظہ ہوں۔

[2] ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو میدان پانی پت میں اکبر نے تیمور کو شکست دے کر ہندوستان میں مغلوں کا جھنڈا گاڑ دیا اور ۳۱ جولائی ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب دہلی میں تخت نشین ہوا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مظاہرہ کیا، تینوں بھائیوں کو شکست دے کر ۱۳ر جولائی ۱۶۵۸ء کو دہلی میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

عام طور پر مؤرخین اورنگ زیب پر اپنے باپ کو گرفتار کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ مگر ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ شاہجہاں نے داراشکوہ کی حمایت میں کیا کچھ نہیں کیا۔ اگر اورنگ زیب مجبور ہو کر شاہجہاں کو معطل نہ کر دیتا یا یوں کہیئے کہ قلعہ میں نظربند نہ کر دیتا تو ظاہر ہے کہ داراشکوہ کی نجی فوجی طاقت اور بادشاہ وقت کی پوری پشت پناہی اورنگ زیب کو یقیناً شکست فاش دیتی جس کے معنی لازمی موت کے تھے۔ لہٰذا جب کبھی اورنگ زیب پر باپ کو گرفتار کرنے کا الزام لگایا جائے۔ راقم کے خیال میں شاہجہاں "نظربند" تھا گرفتار نہ تھا، تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ شاہجہاں کی ان حرکتوں پر بھی نظر رکھنا چاہیئے جنھوں نے اورنگ زیب کو اس اقدام پر مجبور کیا۔ ع عیب او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو،

خود برنیر جو اورنگ زیب کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا ہے کہیں کہیں ان باتوں کے ذکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اورنگ زیب بادشاہ کے ساتھ سختی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ مثلاً جب اورنگ زیب کے بیٹے محمد سلطان نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شاہی ملازمین مغلوب ہو گئے تو شاہجہاں نے نوجوان شہزادے (محمد سلطان) کو تخت اور قرآن مجید کی قسم کھا کر سلطنت کی لالچ دی اور اس کو باپ (اورنگ زیب) کے خلاف ابھارا۔ اگر محمد سلطان اس لالچ میں آجاتا تو اورنگ زیب کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ جس واقعہ نے اورنگ زیب کو شاہجہاں کی طرف سے متنفر کر دیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ بادشاہ مجھکو تباہ کرنا چاہتے ہیں وہ شاہی خط کا پکڑا جانا تھا۔ قلعہ پر محمد سلطان کے قبضہ کے بعد شاہجہاں اور اورنگ زیب میں پیام و سلام ہونے لگے۔ ایک روز اورنگ زیب اپنے باپ کے سلام کے لئے جانے لگا۔ اتفاقاً اسی روز اس کے سامنے وہ شاہی شقہ پیش ہوا، جو شاہجہاں نے اپنے ہاتھ سے داراشکوہ کے نام لکھا تھا اور چھپا کر اس کے پاس روانہ کیا تھا۔ اس خط کو دیکھتے ہی اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جو کچھ بھی لگاؤ باپ سے تھا وہ ختم ہو گیا اور شاہجہاں کی نگرانی میں زیادہ سختی ہونے لگی۔

اورنگ زیب کی زندگی پر اگر شروع سے نظر ڈالی جائے تو اس کی لیاقت، تدبر اور حکمرانی کی اہلیت تسلیم کرنا پڑتی ہے بعض وجوہ سے دس سال کی عمر میں اورنگ زیب کی تعلیم شروع ہوئی مگر فطری ذہانت کی بنا پر تھوڑے ہی عرصہ میں عربی فارسی ترکی اور ہندی میں کافی استعداد حاصل کر لی۔ قرآن و حدیث میں چونکہ خاص شغف تھا اس لئے علم القرآن و علم الحدیث میں اچھا خاصا عالم مانا جانے لگا۔ سولہ سال[1] کی عمر میں ۱۶۳۴ء میں وہ منصب دار ہوا۔ اور بندیلوں کے خلاف فوج کشی کی۔ بعد کو دکن کا صوبیدار مقرر ہوا۔ (۱۶۴۴ء-۱۶۳۶ء) اور بحیثیت سپاہی اور سیاست داں کے کافی شہرت حاصل کی۔ انتظامی امور میں بھی اس نے اپنا سکہ لوگوں پر بٹھا دیا۔ ۱۸ر مئی ۱۶۳۷ء کو اس کی شادی مرزا بدیع الزماں شاہ نواز خاں کی بیٹی دلرس بانو بیگم سے ہوئی۔ ۱۶۴۴ء میں داراشکوہ کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس نے دکن کی صوبیداری سے استعفا دیدیا۔ فروری ۱۶۴۵ء

---

[1] اورنگ زیب ۳ر نومبر ۱۶۱۸ء کو اجمیر کے قریب، جہانگیر کے عہد میں پیدا ہوا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں گجرات کا صوبیدار مقرر ہوا اور ۱۶۴۷ء تک اس عہدے پر نیک نامی کے ساتھ کام کرتا رہا۔ وہاں سے یہ بلخ[1] کی مہم پر بھیجا گیا۔ اور واپسی پر ملتان کی صوبیداری پر ۱۶۵۲ء تک فائز رہا۔ ۱۶۴۹ء میں شاہ عباس ثانی شاہ ایران نے قندھار پر، جو اُس وقت مُغلوں کی حکومت میں تھا۔ قبضہ کرلیا۔ اورنگ زیب نے[2] دو مرتبہ ۱۶۴۹ء اور ۱۶۵۲ء میں قندھار واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ شاہجہاں نے دوسری مرتبہ پھر اورنگ زیب کو ۱۶۵۲ء میں دکن بھیج دیا جہاں وہ ۱۶۵۸ء تک نہایت خوش اسلوبی سے کام کرتا رہا۔ ستمبر ۱۶۵۷ء میں شاہجہاں بیمار ہوا اُس کی علالت کی خبر سنتے ہی شہزادوں نے قسمت آزمائی کے لئے تیاریاں شروع کردیں۔

داراشکوہ میں بعض خوبیاں ضرور تھیں اسی لئے اُس کو اورنگ زیب کا سب سے بڑا حریف مانا جاتا تھا مگر بعض کمزوریاں بھی ایسی تھیں جن سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ ڈاکٹر مانکی (Manucci) جو وینس (Venice) کا باشندہ تھا اور داراشکوہ سے وابستہ تھا اُس نے اپنی کتاب میں دارا کے متعلق اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے۔ وہ صاف صاف لکھتا ہے کہ "دارا اچھائیوں اور بُرائیوں کا ایسا مجموعہ تھا کہ وہ مغل امیر کی حیثیت سے زیادہ بہتر تھا بہ نسبت سلطنت کے نظم و نسق[3] سنبھالنے کے"۔ دارا کے مذہبی عقائد کے بارے میں مانکی لکھتا ہے کہ جلاد نے اُسے آخر وقت یہ کہتے سُنا کہ "محمدؐ نے مجھے تباہ کردیا، مسیح مجھے بچائیں گے"۔

مانکی کی شہادت کے بعد، جو داراشکوہ کا خاص آدمی تھا، یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شاہجہاں کے چاروں[4] بیٹوں میں اورنگ زیب ہر لحاظ سے بادشاہت کے لئے موزوں ترین تھا۔ اگر بعض سیاسی غلطیاں اُس سے سرزد نہ ہوتیں تو شاید سلطنت مغلیہ اُس کے زمانے میں پہلے سے زیادہ مستحکم ہوجاتی۔

بہرحال برنیئر، مانکی اور ٹورنیئر کے قلم سے لکھے ہوئے ہندوستان کے حالات پڑھنے میں ایک ندرت ضرور ہے۔ اُن کے بیانات میں غلطیاں بہت ہیں مگر پھر بھی اگر فارسی تاریخوں کے ساتھ ساتھ یہ سیاحت نامے پڑھے جائیں تو ایک تجربہ کار مورخ صحیح نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔

وقائع برنیئر کے لائق مترجم نے بہت ہی قابل قدر حواشی لکھکر کتاب کی افادیت میں کافی اضافہ کردیا ہے۔

---

[1] جس وقت اورنگ زیب بلخ میں اُزبک سردار عبدالعزیز کے خلاف لڑ رہا تھا تو عین میدان جنگ میں نماز کا وقت آگیا۔ اورنگ زیب[2] گھوڑے پر سے کود پڑا اور وہیں نماز عصر ادا کی۔ جب ہی سے اُس کا نام "عالمگیر زندہ پیر" ہوگیا (؟)

[2] تیسری مرتبہ ۱۶۵۳ء میں داراشکوہ نے بھی کوشش کی مگر وہ بھی کامیاب نہ ہوا۔

[3] صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ سیاحت نامہ برنیئر (انگریزی)، کانسٹیبل ایڈیشن ۱۹۱۶ء

[4] شجاع اور مراد بخش کے حالات بخوفِ طوالت درج نہیں کئے۔ اور عام طور سے یہ مسلّمہ ہے کہ علمی استعداد و دیگر صلاحیتوں

(باقی اگلے صفحہ پر)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جہاں جہاں برنیر نے غلطی کی ہے اُس کی تصحیح مستند تاریخوں سے کر دی ہے۔

قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مترجم صاحب مرحوم یعنی مشیر الدولہ ممتاز الملک خاں بہادر خلیفہ سید محمد حسین صاحب کے ضروری حالات زندگی کا بھی اضافہ کر دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں یہ سمجھ سکیں کہ مسلمانوں کے دور انحطاط میں بھی بعض علم دوست اور ادب نواز ہستیاں ایسی تھیں جو ریاستی جھمیلوں میں پھنس کر بھی کچھ وقت علمی کاوشوں کے لئے نکال لیا کرتی تھیں۔ خلیفہ صاحب مرحوم نے چونکہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڑھ (۱۹۰۵) کی صدارت کی تھی اس لئے میں نے اپنے قدیم دوست و کرم فرما جناب سید الطاف علی صاحب بریلوی سکرٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس سے رجوع کیا اور انھوں نے ازراہ دوست نوازی حسب ذیل حالات سید محمد اسلم صاحب پٹیالوی نبیرۂ خلیفہ صاحب مرحوم[1] کے مقالے سے ماخوذ کر کے بھیج دیئے۔ میں اُن کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے اس فراخ دلی سے میری مدد کر کے اپنی علم دوستی کا ثبوت دیا۔

حالات مشیر الدولہ ممتاز الملک خان بہادر خلیفہ سید محمد حسین صاحب مرحوم

پیدائش ۱۸۳۹ء۔ وفات ۱۹۰۸ء

مرحوم خلیفہ محمد حسین صاحب کے بزرگ سید جلال الدین حسین صاحب المعروف بہ "سید جلال بخاری" بخارا سے شہر ملتان میں ۶۳۵ھ ہجری میں تشریف لائے۔ "حضرت جلال بخاری" کا مزار اُچ شریف، ریاست بہاولپور میں اس وقت تک مرجع خاص و عام ہے۔ اور ریاست کی طرف سے اس کے انتظام کے لئے ایک معقول جاگیر مقرر ہے۔ سید جلال بخاری کے پوتے سید جلال الدین ثانی المعروف بہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" نہایت باخدا بزرگ گذرے ہیں جن کے محاسن کریمہ آج تک پنجاب و ہندوستان بھر میں معروف و مشہور ہیں۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سید نظام الدین صاحب دہلی سے ۸۰۲ھ میں آکر سامانہ میں آباد ہوئے یہ ایک پرانا اور مشہور قصبہ ہے جو پٹیالہ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

انھیں بخاری سادات سامانہ میں سے حکیم سید غلام حسن جو اپنے زمانہ کے ایک مشہور طبیب گذرے ہیں خلیفہ

---

[1] خطبات عالیہ حصۂ اوّل ص ۲۵۹ تا ص ۲۶۱ (مطبوعات آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: میں اگر کوئی اورنگ زیب کا حریف ہو سکتا تھا تو وہ داراشکوہ تھا۔ اورنگ زیب کو بھی اگر فکر تھی تو داراشکوہ کی۔ اسی لئے اُس نے پوری فراست ذہانت اور تدبر سے داراشکوہ کے خلاف تیاری کی تھی۔ شجاع اور مراد کی وہ زیادہ اعتنا نہ کرتا تھا اور واقعات نے اُس کے فیصلے کو صحیح ثابت کیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سید محمد حسین کے دادا تھے۔ ان کے بیٹے حکیم سید سعادت علی صاحب عرصہ دراز تک طبیب شاہی کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی مہاراجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ کی خدمت میں بجالاتے رہے اس کے بعد مہاراجہ موصوف نے مرحوم کی علمی قابلیت اور لیاقت پر نظر کرکے ان کو اپنے ولی عہد مہاراجہ نرندر سنگھ کا اتالیق مقرر فرمایا اس نسبت سے سید صاحب موصوف کا خاندان اب تک "خلیفہ" کے لقب سے مشہور ہے۔ لفظ (خلیفہ) سے مراد اتالیق کا بیٹا ہے۔ سید سعادت علی کے بعد اتالیق کا عہدہ ان کی اولاد میں مختلف ولی عہدوں کے لئے سلسلہ وار قائم رہا اس لئے لفظ "خلیفہ" اس خاندان کے لئے عام طور سے استعمال ہونے لگا۔

خلیفہ سید محمد حسین مسلمانوں کی قدیم تہذیب اور شائستگی کا بہترین نمونہ تھے جو فضیلتِ علمی کے ساتھ نہایت باوقار اور سنجیدہ بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے نامور اسلاف کے قدم بہ قدم ریاست پٹیالہ کی اہم خدمات نہایت وفاداری اور تدبر کے ساتھ انجام دیں، جس کے صلہ میں بادفاتِ مختلف مہاراجگان سے انعامات ملے اور جاگیریں عنایت ہوئیں۔ برٹش گورنمنٹ نے بھی ان کی نمایاں حیثیت، قابلیت اور عمدہ کارگذاریوں کے اعتراف میں خطابات مشیر الدولہ، ممتاز الملک اور خان بہادری سے مخاطب کرکے سرفراز کیا۔ اور پنجاب کی سب سے پہلی لیجسلیٹو کونسل میں ریاست پٹیالہ کے بہترین عہدہ دار کی حیثیت سے کونسل مذکور کا آپ کو ممبر منتخب کیا۔

خلیفہ صاحب کو اپنی قوم کی علمی ترقی سے بدرجۂ اتم ذوق و شوق تھا۔ وہ اور اُن کے بڑے بھائی خلیفہ سید محمد حسن المخاطب وزیر الدولہ، مدبر الملک ابتدا سے سر سید احمد خاں کی تحریک تعلیمی کے دست و بازو اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے نامور ٹرسٹی تھے۔ ان کے اثر سے اور ان کی توجہ سے بیش بہا عطیات کی امداد مختلف زمانوں میں مدرسۃ العلوم کو حاصل ہوتی وہ مذہباً راسخ العقیدہ شیعہ تھے لیکن انھوں نے شیعہ سنی کے اتحاد و اخوتِ باہمی کے رشتہ کو قومی ترقی کا نصب العین سمجھ کر ہمیشہ سلوک اور اتحاد کی سخت کوشش کی۔ وہ تعصبات مذہبی کی طرف سے نہایت فراخ دل واقع ہوئے تھے۔ ان کی طبع سلیم مدت العمر نہ صرف اپنی قوم کی ہواخواہی میں گذری بلکہ پنجاب یونیورسٹی کو بھی اُنھوں نے بہت سے وظائف اور تمغہ جاتِ قابلیت اپنی طرف سے بلا امتیاز قومی عطا کئے جن سے اب تک کامیاب طلبہ فیض پا رہے ہیں۔

جب پنجاب میں سر چارلس ایچیسن لفٹیننٹ گورنر کے زمانہ میں اردو ہندی کا سوال اٹھا تو اس تجویز کی نہایت قابلیت کے ساتھ خلیفہ صاحب نے پرجوش طریقہ سے مخالفت کی اور عدالتوں میں بجائے اُردو کے ہندی کا رسم الخط جاری ہو جانے سے جو نقصان پہنچتا اُس سے ان کو محفوظ رکھا۔

جب مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں شیعوں اور سُنیوں کے واسطے جداجدا دو مسجدیں تعمیر کرنے کی تجویز اراکین کمیٹی کے سامنے پیش تھی تو اس تجویز کی خلیفہ صاحب اور اُن کے بڑے بھائی خلیفہ وزیر الدولہ نے سختی کے ساتھ مخالفت کی اور سر سید کو لکھا کہ یہ تجویز اس اتحاد و یک جہتی کے اُصول کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

منافی ہوگی جس کے قائم کرنے کے لئے ہم سب نے کالج کی بنیاد قائم کی ہے چنانچہ مذکورہ بالا رائے کا جملہ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے احترام کرکے ایک مسجد تعمیر کرنے پر اتفاق رائے کیا۔ مرحوم کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ اعجاز التنزیل، اور ترجمہ سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر دو مفید کتابیں آپ کے علمی شغف کی یادگار باقی ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں بہ عہد نواب محسن الملک ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلس کے علی گڑھ میں صدر منتخب ہوئے۔ مجلس ہذا کی ترقی سے اور اس کے ذریعہ سے ہر صوبہ کے مسلمانوں میں اتحاد باہمی کی وسعت کو دیکھکر اور عام طور پہ تعلیمی خواہش کا رجحان دیکھکر آپ کو خصوصیت کے ساتھ دلچسپی تھی اور اس لحاظ سے انھوں نے اجلاس کے لئے کانفرنس میں شریک ہونے کے واسطے باوجود کبر سنی کے لمبے لمبے اور دور دراز مقامات مثلاً ۱۹۰۶-۷ء میں پٹیالہ سے ڈھاکہ اور کراچی کے سفر کئے۔

بالآخر ہر کمالے را زوالے، بزرگوں اور بزرگ زادوں کی یہ آخری یادگار بھی جو اپنی ذاتی خوبیوں اور اوصاف انسانی کے لحاظ سے سچائی، ہمدردی، نیکی، بلند ہمتی، علمی اور عملی اخلاق کا ذخیرہ تھی۔ ۱۹۰۸ء میں لباس فنا پہن کر اس شمع حیات کو جس کے نور سے ایک عالم فیضیاب تھا ہمیشہ کے لئے بجھا دیا۔

بالآخر یہ بیان کر دینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس کتاب کا مقدمہ لکھنے کے لئے میں کیوں چنا گیا۔ میرے شفیق محترم مولانا محمد سلیمان صاحب بدایونی عجیب مجموعۂ صفات و کمالات ہیں بعد مغرب اُن کا "بیت البدایوں" مختلف مسائل پر احباب کے بے لاگ و بے لوث نقد و تبصرہ سے دانشکدہ بنا رہتا ہے۔ مخلصین کے اس جمگھٹ میں ایک روز ایک نئے چہرے پر نظر پڑی۔ تعارف پر معلوم ہوا کہ آپ محمد اقبال سلیم گاہندری مالک نفیس اکیڈیمی ہیں۔ ایک روز جناب اقبال سلیم صاحب نے وقائع برنیر کے لئے مقدمہ لکھنے کو کہا۔ اپنی بے بضاعتی و عدیم الفرصتی کا ہر چند عذر کیا مگر سلیم صاحب نے نہ مانا اور

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

معلوم نہیں اپنی ذمہ داری سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکا ہوں، مگر مجھے یقین ہے کہ اورنگ زیب کی سیاسی زندگی اور تخت و تاج کے لئے نبرد آزمائی پر جو حضرات آئندہ قلم اٹھائیں گے وہ اُن نقوش کو زیادہ اُبھار کے پیش کر سکیں گے۔ جن کی طرف میں نے صرف اشارہ کیا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دیباچہ وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

از جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی۔ بی (و) سی۔ آئی۔ ای

ترجمان ہز اکسیلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر

ڈاکٹر برنیر کے وقائع سیر و سیاحت کا اُردو ترجمہ ۱۸۷۵ء میں اس غرض سے میں نے کیا تھا کہ اس کتاب کے ذریعہ جو ایک غیر جانب دار اور محض اجنبی شخص کی عینی شہادت ہے شاید لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے پُر حوادث عہد میں سلطنت اور حکومت کا طرز اور رعایا کی حالت و کیفیت ٹھیک ٹھیک کس طرح پر اور کیا تھی۔ اورنگ زیب سلطنت کی بے حد فیاضی۔ انصاف پسندی اور رعایا کی عام خوش حالی اور فارغ البالی کی نسبت بہت سے غلط خیالات جو ملک میں پھیلے ہوتے ہیں وہ دور ہو جائیں گے جن کو اُس وقت کے مورخوں اور شاعروں اور خوشامدیوں اور بادشاہوں کے انعام یافتہ لوگوں کی تحریروں نے عوام میں اس طرح پھیلا دیا اور ان کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ وہ آج تک عوام الناس کے دلوں میں اس یقین کے ساتھ قائم ہیں کہ گویا یہ اوصاف محض اُسی سلطنت سے مختص تھے۔

ہم لوگ جو بالفعل ہندوستان پر متسلط ہیں ڈاکٹر برنیر چونکہ ہمارا ہم قوم نہ تھا اس لئے جو حالات کہ اُس نے اپنے چشم دید لکھے ہیں امید ہے کہ وہ اس زمانہ کے ہندوستانی رؤسا اور اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کے نزدیک اعتماد کے لائق سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ وہ اس قسم کے بیانات کو جو ایک ایسے غیر جانب دار اور بے غرض شخص کی طرف سے ہوں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے تو ملک کی موجودہ حالت کا اُس زمانہ کی حالت سے مقابلہ نہایت مفید اور دلچسپ ہوگا۔ منشی احمد الدین صاحب جو ایک ذی علم شخص ہیں اور اس کتاب کے ترجمہ کے وقت نواب کمانڈر انچیف بہادر سپہ سالار افواج ہند کے ترجمان فارسی کے دفتر میں مامور تھے اُنھوں نے مجھے اس کام میں بہت مدد دی تھی اور میں اُن کا بہت مرہون منت ہوں۔

جب ترجمہ ہو چکا تو میں نے اُس کی ایک نقل ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم اضلاع شمالی و مغربی کے پاس جہاں زیادہ تر اردو زبان بولی جاتی ہے روانہ کی۔ مگر اُنھوں نے مجھے یہ لکھا کہ "اگرچہ ترجمہ اچھا ہے لیکن نظر ثانی کی ضرورت ہے اس لئے مناسب ہے کہ کسی ایسے متعین زبان اردو شخص کو کہ ایسا ہو اس کا اہل ہو جیسے اہل دہلی کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُردو کہتے ہیں" میں نے اس رائے پر عمل کیا اور کتاب کو دہلی کے ایک مشہور معروف معزز شخص کے سپرد کر دیا جو اُردو کا مشہور زبان داں تھا۔ لیکن یہ کتاب اگرچہ ایک برس تک اُس کے پاس رہی۔ مگر اُس نے صرف چند ہی اوراق میں کچھ اصلاح کی اور پھر ویسی کی ویسی میرے پاس بھیج دی۔ بہ ظاہر یہ کام بسبب پیرانہ سالی وہ انجام نہیں دے سکے۔

کچھ دنوں بعد یہ تمام سرگذشت میں نے اپنے دوست خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ سے بیان کی۔ جو اُردو۔ عربی۔ فارسی اور انگریزی زبان کے جاننے میں مشہور ہیں اور جن کو کچھ عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ عالیہ قیصریہ کی حضور سے "مشیر الدولہ ممتاز الملک کا" خطاب مرحمت ہوا ہے۔ انھوں نے نہایت مہربانی سے اس کتاب پر دوبارہ نظر ڈالنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور نہ صرف اول سے آخر تک اُس کی اصلاح پر اکتفا کیا بلکہ جن مقامات کا ترجمہ میں نے مصنف کی ظنیانہ تحقیقاتیں سمجھکر اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ ناظرین اہل ہند کے لئے شاید کچھ دلچسپ نہ ہوں اُن کا بھی ترجمہ کر ڈالا۔ اور اس غرض سے کہ یہ کتاب زیادہ مشرح اور زیادہ دلچسپ ہو جائے بہت سے مفید حاشیے بھی اضافہ کر دیئے۔

جب خلیفہ صاحب موصوف جیسا کہ میں بیان کیا ہے اس کتاب کی ترمیم اور اصلاح سے فارغ ہو چکے تو میں نے ہز ایکسیلنسی سر فریڈرک صاحب بہادر" جی۔ سی۔ بی۔" "جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔" وغیرہ سے جو اُس وقت ہندوستان کے کمانڈر انچیف" تھے اور جن کے پرسنل سٹاف میں میں مامور تھا یہ درخواست کی کہ میری اس کتاب کو گورنمنٹ عالیہ ہند کے حضور میں اس غرض سے بھیج دیں کہ مجھے اتنی مدد حاصل ہو جائے جس سے میں اس کو چھپوا سکوں اور منشی احمد الدین صاحب کو اُن کے تعاون کا صلہ دے سکوں۔ اور یہ بھی عرض کر دیا کہ اس میں میں اپنی ذات کے لئے کچھ روپیہ کا متمنی نہیں ہوں۔ چنانچہ نواب ممدوح نے ازراہ کرم میری درخواست کو گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیج دیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد صاحب فارن سکرٹری گورنمنٹ موصوف نے زبانی وعدہ فرمایا کہ اس معاملہ پر توجہ کی جائے گی مگر کچھ ظہور میں نہ آیا جس کی شاید کوئی وجہ ہو گی اور غالب تو یہ ہے کہ کوئی بھی وجہ نہ ہو۔

جب میں اس طرف سے مایوس ہوا تو میں نے صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی خدمت میں تحریر کیا۔ اور صاحب موصوف نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس کتاب کو صاحبان سنڈیکیٹ پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کریں گے۔ مگر میں اس اثنا میں ایک برس کی رخصت لے کر ولایت چلا گیا۔ اور وہاں سے واپس آتے ہی مصر کی لڑائی پر بھیج دیا گیا۔ اور جب مصر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ کتاب کے بارہ میں ابھی کچھ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ حالانکہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب اس معاملہ میں ذاتی توجہ ظاہر فرماتے تھے۔ جس سے بوجہ معقول مجھکو یہ اُمید ہوتی تھی کہ سال کے اختتام سے پہلے کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔

مگر کچھ عرصہ نہیں گذرا کہ میرے عالی قدر اور نہایت صاحب فضل و کمال دوست خلیفہ سید محمد حسین صاحب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے (جو اس کتاب کی تصحیح اور نظر ثانی میں بہت ہی تکلیف اٹھا چکے تھے اور جن کو اس بات کا کامل یقین ہے کہ یہ اُن کے ہم وطنوں کے لئے مفید ثابت ہوگی اور اس کی اشاعت میں مدد دینے سے گویا وہ ایک طرح سے سرکار عالیہ قیصریہ کی ایک خدمت بجا لائیں گے) اس کی اشاعت میں زیادہ تساہل اور تامل کو گوارا نہ فرمایا اور مجھکو یہ لکھا کہ میں اس کتاب کو خاص اپنی ذمہ داری اور اپنے ہی خرچ سے چھپوانے کے لئے آمادہ ہوں۔ اس تحریر کے پہنچتے ہی میں نے اُن کی اس ہمت فیاضانہ اور ارادہ انادہ عام سے کرنل ہالرائڈ صاحب کو آگاہ کیا اور اُن کے مشورہ سے آخر یہ قرار پایا کہ کتاب خلیفہ صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دی جائے۔

کسی یورو پین زبان کی کتاب کا ایک مشرقی زبان میں ترجمہ کرنا شاید بعض لوگوں کو ایک آسان سا کام معلوم ہوتا ہو مگر ایسی صحت کے ساتھ ترجمہ کرنا کہ مطلب اور معنی تو ہو بہو وہی ادا ہو جائیں اور بایں ہمہ کھٹکھٹہ لفظی ترجمہ بھی نہ ہو اور حتی الامکان وہ زور بھی قائم رہے جو مصنف کے اصل بیان میں پایا جاتا ہو اور مشرق کے طرز انشا کی خوبی و لطافت بھی ہاتھ سے نہ جائے ہرگز آسان نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ میں طرز بیان اور اس قسم کے امور کی نسبت کہ ترجمہ کس ڈھنگ پر کرنا چاہیے اور اس میں مصنف کے الفاظ کی پابندی وغیرہ کس حد تک کرنی یا نہ کرنی چاہیے معترضین کو (جو اپنے اپنے مذاق کے موافق اعتراض کیا کرتے ہیں) مطمئن کرنا بہت مشکل ہے مگر بہرحال چونکہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر نے یہ رائے دی کہ اس ترجمہ پر ایک دفعہ اور بھی نظر ڈال لی جائے تو بہتر ہے۔ اس لئے میرے عنایت فرما جناب خلیفہ صاحب نے نہایت خوشی سے اس کو بھی منظور کر لیا ہے کہ وہ اپنے لائق فائق اور صاحب علم و فضل بھائی جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی مدد سے ایک دفعہ اس کتاب کو پھر بغور دیکھ ڈالیں۔ چنانچہ نظر ثانی کے بعد یہ کتاب ہر طرح مکمل و مرتب ہو گئی ہے اور ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کو غیر جانب دارانہ و منصفانہ مطالعہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ اُمید ہے یہ عام دلچسپی اور افادہ کا باعث ہوگی فقط

راقم

ہنری مور

دیباچہ

از خلیفہ سیّد محمد حسین میر منشی ریاست پٹیالہ

یہ کتاب جس حالت اور حیثیت میں میرے پاس پہنچی تھی وہ میرے معزز دوست جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر نے اپنے "انٹروڈکشن" میں مشروحاً لکھدی ہے۔ کرنل صاحب نے اصل کتاب کے بعض مضامین کا ترجمہ بھی نہیں کیا تھا کیونکہ مقصد زیادہ تر اُنھیں مطالب کے ترجمہ سے تھا جو سلطنت مغلیہ سے کچھ تعلق رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال یہ تھا کہ جو واقعات ہندوستان سے متعلق ہیں وہ سب ترجمہ ہو جائیں اس لئے ایسا ہی کیا گیا۔ البتہ ڈاکٹر برنیر کی ایک چٹھی کا جو اُس نے شیراز سے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اُس میں صرف مسئلہ جزلا یتجزیٰ کی فلسفیانہ اور عام بحث ہے جس کو ہندوستان سے کوئی خصوصیت نہ تھی اور چونکہ نفس کتاب میں بعض مطالب قابل تصحیح تھے۔ یا روایات مسلمہ و مشہورہ عام کے برخلاف معلوم ہونے کی وجہ سے مصنف کا بیان توثیق طلب تھا۔ یا ناظرین کی مزید واقفیت اور بصیرت کے لئے کسی تشریح و تفصیل کی احتیاج تھی یا مقابلہ کے لئے موجودہ زمانہ کی بعض حالتوں کا دکھانا مفید تھا اس لئے معتبر کتابوں اور صحیح ماخذوں سے جہاں کہیں موقع تھا حاشیوں کا لکھنا مناسب سمجھا اور چونکہ زمانہ حال کے یوروپین مصنفوں کے دستور کے موافق عبارت میں عنوانات نہ تھے جس سے کسی مضمون کی تلاش اور حوالہ دینے میں بڑی دقت تھی لہذا اس کو بھی رفع کیا گیا۔ اور نظم و ترتیب کے لحاظ سے کچھ ایسے تغیرات بھی کئے گئے کہ بعض مضامین کو ایک جلد سے دوسری جلد میں منتقل کیا گیا۔ اگرچہ ان امور کے باعث خصوصاً حاشیوں کے التزام سے محنت بہت ہی بڑھ گئی مگر الحمد للہ کہ یہ کام جناب برادر معظم وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی اعانت سے باوجودیکہ مجھے اپنے منصبی کاموں سے فرصت کم تھی انجام کو پہنچ گیا۔ اور یہ دلچسپ کتاب جس کو اُس وقت کی طرز حکومت اور حالت ملک کی ایک صحیح اور بے نظیر تصویر کہنا چاہیے نہ صرف ترجمہ بلکہ ایک طور کی تالیف کی صورت میں چھپ کر تیار ہو گئی۔ اس کی جلد ثانی اخیر ۱۸۸۵ء میں تیار ہو گئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ جلد اول کے تمام ہونے میں بسبب کم فرصتی اور حاشیوں کے التزام کے خلاف توقع ایسی تاخیر ہوئی کہ اس وقت سے پہلے تیار نہ ہو سکی۔ اس لئے بعد تکمیل اب دونوں جلدیں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

اس کتاب کے ترجمہ کرنے اور چھپوانے سے جو امور مجھکو مدنظر تھے اُن کا بیان کرنل مور صاحب بہادر نے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنے انٹروڈکشن میں مشروحاً لکھدیا ہے مگر اس کے علاوہ میرا ایک اہم مطلب یہ بھی تھا کہ اس ذریعہ سے راقم اور جناب موصوف کی خالص اور بے غرض دوستی کی ایک دیرپا یادگار قائم رہے۔ اس موقعہ پر اگر میں کچھ مختصر حال اپنے معزز دوست کا بیان کروں تو یقین ہے کہ بے محل نہ ہوگا۔

پس واضح ہو کہ جناب ممدوح فنون سپاہ گری کے علاوہ بڑے صاحب کمال زبان دان ہیں اور اُن کی لیاقت اور قابلیت اسی سے ظاہر ہے کہ اپنی انگریزی زبان کے علاوہ فرانسیسی۔ اٹالین۔ زمانہ حال کی یونانی۔ ترکی عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ سندھی۔ مرہٹی۔ اور ہندوستان کی اور مختلف چھوٹی چھوٹی بولیوں سے جو علیحدہ زبانیں تصور نہیں کی جاتیں بخوبی واقف و ماہر ہیں۔ اسوائے اس کے فن نقاشی میں بھی عمدہ دست گاہ رکھتے ہیں چنانچہ جب کبھی فرصت پاتے ہیں تو مظاہر قدرت کے نقشے بھی کھینچا کرتے ہیں۔ اور علاوہ اور جنگی کارگذاریوں کے چونکہ جنگ ایران۔ حبش۔ افغانستان۔ اور مصر کے واقعات عظیم اور مشہور ہیں وہ اپنی سلطنت کی عمدہ خدمات بجالاتے ہیں اس لئے پیش گاہ علیا حضرات ملکہ معظمہ قیصر ہند سے کمپنین آف دی موسٹ نوبل آرڈر آف دی باتھ۔ اور کمپنین آف دی موسٹ ایمی نینٹ آرڈر آف دی انڈین ایمپائر کے خطابوں سے معزز و ممتاز ہیں۔

صاحب ممدوح کا اصل تعلق بمبئی پریزیڈنسی کی افواج سے ہے مگر بہ لحاظ اپنی لیاقتوں اور کمال زبان دانی کے لارڈ نپیر آف مگڈالا اور فریڈرک ہنس اور سر ڈالمڈا سٹورٹ صاحبان کمانڈر انچیف بہادر افواج ہند کے ایام حکومت میں متواتر پندرہ برس تک ان کے پرسنل اسٹاف میں پرشین انٹرپریٹر کے عہدہ پر رہے ہیں۔ اور باوجودیکہ ہر صاحب کمانڈر انچیف کو "پرسنل سٹاف" کے عہدہ داروں کی نسبت یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پنجسالہ ایام حکومت میں جس کو وہ افسران فوج میں سے چاہیں منتخب کرکے اپنے پاس بلالیں مگر بہ لحاظ اُن کی مسلمہ قابلیت کے تینوں صاحبان موصوف الصدر نے ان ہی کو پسند فرمایا اور اپنے پاس سے علیحدہ ہونے نہیں دیا۔

لقب پرشین انٹرپریٹر کے لفظی معنی ہیں "ترجمان فارسی" شروع سلطنت انگریزی میں جب کل کاروبار زبان فارسی میں ہوتا تھا اور اس قدر اردو اور انگریزی کا زور نہ تھا اور حکام انگریز اکثر بات چیت بھی زبان فارسی ہی میں کیا کرتے تھے۔ یہ لقب اُس وقت کا مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر دراصل یہ عہدہ دار بطور پرائیویٹ اور پولیٹیکل سکریٹری کے ہوتا ہے۔ اور اس کا کام یہ ہے کہ جو مراسلات کسی مشرقی زبان میں کسی والی ملک کی طرف سے یا جو عرضی پرچہ ہندوستانی فوج کے سپاہیوں اور سرداروں کی جانب سے صاحب کمانڈر انچیف کے پاس آتے ہیں اپنے دفتر سے اُن کا ترجمہ کراکر پیش کرانا اور اُن کا جواب وغیرہ بھجوانا۔ اور رئیسوں اور امیروں کی ملاقاتیں صاحب کمانڈر انچیف سے کرانا اور اُن کے مدارج مختلفہ کے موافق اُن کے مراسم تعظیم و تکریم کا بندوبست کرنا (جو ایک بڑا نازک کام ہے) اور علاوہ اُن کے اور صاحب کمانڈر انچیف کے اُن کے لئے زبان ہندوستانی کا جاننا کوئی امر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لازمی نہیں۔ عند الملاقات ترجمانی کرنا صاحب ممدوح نہایت خوش اخلاق وسیع الملاقات خوش تقریر اور متواضع اور بڑے جفاکش شکار دوست ہیں۔ اور ہندوستانی امراء و شرفاء سے بہت محبت و ارتباط رکھتے ہیں۔ اور دل اُن کے بہی خواہ ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ صاحب ممدوح نے علاوہ اپنے اُس شوق و رغبت کے جو اُن کو مشرقی زبانوں سے ہے ہندوستان کے والیان ملک اور اُمراء و شرفاء کے فائدہ کے لئے باوجود مشاغل کارسرکار اس کتاب کے ابتدائی ترجمہ کرنے کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی تھی۔ پس خدا کا شکر ہے کہ اُن کی اور ہماری برسوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ اب یہ دعا ہے کہ میرے اہلِ وطن اور ہندوستانی والیانِ ملک عموماً جن کے لئے یہ کتاب گویا سرمایہ بصیرت ہے اِس کے مطالعہ سے فائدہ پائیں۔ اور خصوصاً بندگان حضور فیض گنجور نہر ہائینس فرزند خاص دولتِ انگلشیہ منصور زمان امیر الامراء مہاراجہ دھراج راجیشر سری مہاراجہ راجگان راجندر سنگھ مہندر بہادر فرماں روائے ریاست پٹیالہ دام اقبالہم کی نظر اشرف سے گذرے جن کے خوانِ نعمت سے میں نے اور میرے بزرگوں نے پرورش پائی ہے۔ اور جن کی قدیمی رعایا اور نمک خوار ہونے کا مجھے افتخار حاصل ہے۔ اور حضور ممدوح الشان اِس کی مورخانہ اور دلچسپ حکایات اور حکیمانہ اور عبرت خیز بیانات کے ملاحظہ سے محظوظ اور متمتع ہوں۔

خاتمہ پر ناظرین اہلِ زماں کی خدمت میں التماس ہے کہ چونکہ خاکسار نہ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور نہ دہلی کا۔ بلکہ پٹیالہ اور سامانہ میرا اور میرے بزرگوں کا مولد و مسکن ہے جہاں زبانِ اُردو صحیح طور سے بولی نہیں جاتی پس اگر کسی محاورہ میں کوئی غلطی معلوم ہو تو معذور تصور فرمائیں۔

اَلْعُذْرُ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہاں کے ایّامِ اسیری اور عہدِ اورنگ زیب

حصّہ اوّل

میں ہندوستان کس طرح پہنچا	۳۲
شاہجہاں اور اُس کا نسب	۳۳
ہندوستان میں لفظ مغل کا اطلاق	۳۴
شاہجہاں کی ضعیفی اور اُس کے بیٹوں کی باہمی آویزش	۳۵
شاہی ملازمت	۳۶
شاہجہاں کی اولاد	۳۶
اُمرائے سلطنت اور خطابات	۳۸
شاہجہاں کا بڑا لڑکا داراشکوہ	۳۹
سلطان شجاع کے عادات و خصائل	۴۱
اورنگ زیب	۴۲
شہزادہ مراد بخش	۴۳
شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم	۴۴
بیگم صاحب کا پہلا معاشقہ	۴۶
بیگم صاحب کا دوسرا معاشقہ	۴۷
روشن آرا بیگم	۴۸
شہزادوں کا دور دراز صوبوں پر تقرر	۴۸
داراشکوہ دارالسلطنت میں	۴۹
میر جملہ	۵۰
بادشاہ گولکنڈہ سے میر جملہ کی مخالفت	۵۲
میر جملہ اور اورنگ زیب کا گٹھ جوڑ	۵۳
اورنگ زیب کی گولکنڈہ کو روانگی	۵۵
گولکنڈہ کا محاصرہ	۵۶
قلعہ بیدر کی فتح	۵۷
داراشکوہ سے شاہجہاں کی خفگی کے اسباب	۵۸
گولکنڈہ پر فوج کشی کی شرائط	۶۰
شاہجہاں کی بیماری	۶۲
سازشی خطوط	۶۳
بادشاہ کے انتقال کی افواہ	۶۳
سلطان شجاع کا آگرے کی طرف کوچ	۶۴
مراد کی سورت پر فوج کشی	۶۷
میر جملہ اورنگ زیب کی قید میں	۶۸
اورنگ زیب کی سورت کو روانگی	۷۲
قلعہ سورت کا خزانہ	۷۳
قلعہ کی فتح کا راز	۷۳
مراد کو شہباز خواجہ سرا کا مشورہ	۷۴
دونوں بھائیوں کی ملاقات	۷۵
فوجوں کا آگرہ کی طرف کوچ	۷۵
شاہجہاں کی مجبوریاں	۷۶
شجاع کی پیش قدمی	۷۶
شجاع کی شکست	۷۷
سلیمان شکوہ کی واپسی	۷۹

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہی فوج کی روانگی ۷۹
اورنگ زیب کے مقابلہ میں شاہی فوج کی کارروائیاں ۸۰
اورنگ زیب کی پہلی فتح ۸۱
راجپوتوں کی سپاہ گری ۸۴
جسونت سنگھ کی رانی کا غیورانہ طرز عمل ۸۵
شاہجہاں کی مجبوری اور داراشکوہ کی خودرائی ۸۷
داراشکوہ کی فوج ۸۷
داراشکوہ کا جنگ کرنے پر اصرار ۸۸
داراشکوہ میدان جنگ کی طرف ۹۰
اورنگ زیب کی فوجی چال ۹۱
داراشکوہ کی صف آرائی ۹۵
ہندوستان کا طریقۂ جنگ ۹۷
لڑائی کا مقابلہ ۹۸
اورنگ زیب کی ثابت قدمی ۱۰۰
داراشکوہ کی شکست ۱۰۲
ہندوستان کی فوجی تنظیم ۱۰۳
اورنگ زیب کی شاطرانہ چالیں ۱۰۴
داراشکوہ کا فرار ۱۰۵
سلیمان شکوہ کی صحرانوردی ۱۰۶
اورنگ زیب آگرہ میں ۱۱۰
محمد سلطان کا قلعہ پر قبضہ ۱۱۲
شاہجہاں کی گرفتاری ۱۱۴
بادشاہ کے نام اورنگ زیب کا عریضہ ۱۱۵
اورنگ زیب کے الزام کی تحقیق ۱۱۵
امرائے سلطنت کی اطاعت ۱۱۶
مراد بخش کی گرفتاری ۱۲۵
داراشکوہ کا تعاقب ۱۳۵
داراشکوہ پناہ کی تلاش میں ۱۳۵
اورنگ زیب کا استقلال اور حسن تدبیر ۱۳۷
داراشکوہ گجرات میں ۱۳۹
اورنگ زیب اور سلطان شجاع کا مقابلہ ۱۴۰
آگرہ میں اورنگ زیب کی شکست کی افواہ ۱۴۴
محمد سلطان اور میر جملہ شجاع کے تعاقب میں ۱۴۶
شجاع کی بنگالہ واپسی ۱۴۸
شجاع کی ازسرنو تیاریاں ۱۵۰
محمد سلطان کی بغاوت ۱۵۰
سلطان محمد معظم کو اورنگ زیب کی نصیحت ۱۵۳
اورنگ زیب کی تخت نشینی ۱۵۴
داراشکوہ اجمیر کے میدان جنگ میں ۱۵۵
داراشکوہ کی رفاقت میں ایک ہولناک سفر ۱۶۰
جان بچی لاکھوں پائے ۱۶۲
سلیمان شکوہ کی طرف سے اندیشے ۱۶۳
بدنصیب داراشکوہ دہلی میں ۱۶۶
داراشکوہ کا قتل ۱۶۹
جیون خاں کا قتل ۱۷۴
سلیمان شکوہ کی گرفتاری ۱۷۴
پوست پلانے کا راز ۱۷۶
مراد بخش کا قتل ۱۷۷
سلطان شجاع کا فرار ۱۷۸
شجاع کا حسرتناک انجام ۱۸۱

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شجاع کی موت وحیات کی نسبت مختلف روایتیں ۔ ۱۸۳
شجاع کے اہل وعیال ۱۸۵
ازبک کے سفیروں کی آمد ۱۸۸
سفیروں سے میری ملاقات ۱۹۴
اورنگ زیب کی علالت ۱۹۷
داراشکوہ کی بیٹی سے سلطان اکبر کے رشتہ کی تجویز ۱۹۹
ڈچوں کے سفیر کی باریابی ۲۰۰
اصول جہاں بانی پر اورنگ زیب کی تقریر ۲۰۲
ایک خواجہ سرا کے عشق کا واقعہ ۲۰۳
مکہ، یمن بصرہ اور حبش کے ایلچیوں کی آمد ۲۰۵
دریائے نیل کا دہانہ ۲۱۲
شاہزادوں کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ ۲۱۵
شاہِ ایران کے سفیر کی آمد ۲۱۸
سفیرِ ایران اور شاہجہاں کے لطیفے ۲۲۷
اورنگ زیب کا اپنے اُستاد کے ساتھ سلوک ۲۲۹
بادشاہی منجم کی ناگہانی موت ۲۳۵
ایران کے بخوی کا لطیفہ ۲۳۶
ضبطیٔ جائداد سے متعلق لطیفے ۲۳۷
شاہجہاں کے ساتھ اورنگ زیب کا سلوک ۲۳۹
میر جملہ کی کارگذاریاں مہم آسام اور اُس کی موت ۲۴۲
شائستہ خاں اراکان کی مہم پر ۲۴۵
جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں پُرتگیزوں کا حال ۲۴۸
پُرتگیزوں کی بداعمالی ۲۵۴
شائستہ خاں کی پُرتگیزی قزاقوں پر چڑھائی ۲۵۵
اورنگ زیب کے بیٹوں کا حال ۲۶۱
مہابت خاں صوبہ دار کابل کی اطاعت ۲۶۲
قندھار پر ایران و ہندوستان کی لڑائیاں ۲۶۲
مخلص رفقاء ۲۶۴
سیواجی مرہٹہ ۲۶۵
سیواجی کی بندرگاہِ سورت پر غارت گری ۲۶۵
سیواجی کی دہلی میں حاضری ۲۶۶
جے سنگھ کی وفات ۲۶۷
ملکِ دکن کی وسعت ۲۶۸
گولکنڈہ اور بیجاپور کے فرماں روا ۲۶۸
گولکنڈہ کے سلطنتِ مغلیہ سے تعلقات ۲۶۹
ریاست بیجاپور ۲۷۲
سیواجی کی خودسری ۲۷۷
شاہجہاں کی وفات ۲۹۰
اورنگ زیب میری نظر میں ۲۹۱
ضمیمے ۲۹۳
وزیر فرانس شیورکول برٹ کے نام برنیئر کا خط ۲۹۳
ہندوستان کی وسعت ۲۹۵
ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزیں ۲۹۵
غیر ملکوں سے ہندوستان میں سونے چاندی کی کھپت ۲۹۶
شہنشاہ مغل کی دولتمندی کے ذرائع ۲۹۷
راجپوت راجاؤں کو فوج میں بھرتی کرنے کے اسباب ۳۰۳
ولایتی مغل فوج ۳۰۴
دربار مغلیہ کے امرا کی حیثیت ۳۰۴
اُمرا کے مدارج اور تنخواہیں ۳۰۵

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امرا کی تعداد اور اُن کی سواری کے طریقے ۳۰۷
امرا کی حاضری اور تسلیمات کے طریقے ۳۰۷
شاہی سواری کے ساتھ ہم رکابی ۳۰۷
منصب داروں کی تنخواہ کی تفصیل ۳۰۸
معذنیہ داروں کی تنخواہ اور خدمات ۳۰۹
عام سواروں کی تنخواہ کی تفصیل ۳۱۰
پیدل سپاہی اور گولہ انداز ۳۱۰
توپ خانہ ۳۱۱
صوبوں کی فوج اور سواروں کی فوج ۳۱۲
پیدل فوج کی اصل تعداد اور لوگوں کے غلط اندازے ۳۱۲
ٹھیک وقت پر تنخواہ نہ ملنے کے نتائج ۳۱۴
شہنشاہ مغل کے کثیر اخراجات ۳۱۵
ہندوستان ایران اور روم کے محاصل کا مقابلہ ۳۱۶
شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی مبالغہ آمیز شہرت
اور خزانے اور جواہرات کا ذکر ۳۱۶
رعایا کی غلامانہ حالت ۳۱۹
رعایا کو حق ملکیت زمین حاصل نہ ہونے کے مضر نتائج ۳۲۰
شخصی حکومت کے نتائج ۲۲۳
ہندوستانیوں کی بے علمی اور جہالت ۳۲۴
ہندوستان کی تجارت ۳۲۶
امرائے ہندوستان کی جہالت اور غرور ۳۲۷
سرکاری اخراجات کی وجہ سے رعایا کی تباہ حالی ۳۲۷
حکام کے تقرر کا عمل درآمد ۳۲۸
فرنگستان کی خوش حالی اور ترقی کے اسباب ۳۲۹
ممالک ایشیا کی کارواں سرائیں ۳۳۱

ضمیمہ نمبر ۲

کوچ بہار اور آسام پر میر جملہ کی فوج کشی ۳۳۹
میر جملہ کی راج محل میں آمد ۳۴۰
میر جملہ کی فوج کشی ۳۴۱
شہر کوچ بہار کا محل وقوع ۳۴۲
میر جملہ کی فتحیابی ۳۴۲
آسام کے عمومی حالات ۳۴۵
آسام کی حدود اور طول و عرض ۳۴۶
وادی برہم پتر کی سرسبزی و شادابی ۳۴۶
آسام کے طبعی حالات ۳۴۷
آسامیوں کی زبان اور مذہب
رہن سہن ۳۴۸
میر جملہ کا آسام میں داخلہ ۳۴۹
میر جملہ کی پیش قدمی ۳۵۱
سیل گڈھ کی لڑائی ۳۵۱
آسام کے راجہ کا فرار ۳۵۴
کھڑ گاؤں پر قبضہ اور مالِ غنیمت ۳۵۵
شہر کھڑ گاؤں کے حالات ۳۵۶
آسامیوں کی سرکشی ۳۵۷
میر جملہ کی تدبیریں ۳۶۱
میر جملہ مشکلات میں ۳۶۳
بیماری اور قحط ۳۶۵
آسامی فوجوں کا فرار ۳۶۶
میر جملہ کی بیماری ۳۶۷
راجہ کا پیغام صلح ۳۶۸

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میر جملہ کی مراجعت ۳۶۹
میر جملہ کی وفات ۳۷۰
ضمیمہ ۳ پرتگیزوں کی ہندوستان میں آمد اور اُن کا عروج و زوال ۳۷۱

حصہ دوم

ڈاکٹر برنیر کے خطوط کا مجموعہ

برنیر کے خطوط مانشیو روی مرویلسن کے نام
(جو اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر سے متعلق ہیں)

پہلا خط ۳۸۳
از دہلی مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۶۶۴ء
اورنگ زیب کی کشمیر کو روانگی ۳۸۳
دہلی سے لاہور ۳۸۴
سفر کشمیر میں فوج کی تعداد ۳۸۴
توپ خانہ ۳۸۴
قندھار پر فوج کشی کی افواہ ۳۸۵
نواب دانشمند خاں کا علمی ذوق ۳۸۵
سفر کی تیاری ۳۸۵
دہلی کی روٹی اور پانی ۳۸۷
پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب ۳۸۷
دوسرا خط
از لاہور ۲۵ر فروری ۱۶۶۵ء
جمنا کے کنارے ایک خوش گوار سفر ۳۸۹
سراپردہ شاہی ۳۹۱
زنانہ خیمہ گاہ ۳۹۳
خرگاہ ۳۹۴
شاہی ڈیوڑھی ۳۹۴
اُمرا اور فوج کا ڈیرہ ۳۹۵
خیام شاہی ۳۹۶
لشکر کے بازار ۳۹۶
اُمرا کی خیمہ گاہیں ۳۹۷
لشکر گاہ کی اراضی ۳۹۸
لشکر گاہ کی تفصیلات ۳۹۸
اکاس دیا ۴۰۰
لشکر شاہی میں چوکی پہرہ ۴۰۰
شاہی سواری ۴۰۱
ہم رکاب اُمرا ۴۰۱
توزخانہ ۴۰۲
بیگمات کی سواریاں ۴۰۳
روشن آرا بیگم کا جلوس ۴۰۴
ایک یادگار واقعہ ۴۰۵
شہنشاہ مغل شکار میں ۴۰۵
پنجاب کے دریا اور کشتیوں کے پُل ۴۰۹
شاہی لشکر کی تعداد اور رسد ۴۱۰
خیمہ گاہ کی خصوصی رسمیں ۴۱۱

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تیسرا خط - جو لاہور سے لکھا گیا

پنجاب کے دریا اور شہر ۴۱۲

دریائے راوی ۴۱۳

لاہور کی عمارتیں ۴۱۳

لاہور سے کشمیر ۴۱۳

چوتھا خط

لاہور اور کشمیر کی درمیانی منزلوں سے

راستہ کی سخت گرمی اور اُس کے اسباب ۴۱۴

پانچواں خط

کشمیر جاتے ہوئے چھٹی منزل سے

دریائے چناب اور اُس کا پانی ۴۱۴

چھٹا خط - کشمیر کی آٹھویں منزل

گرمی کی شدت ۴۱۶

ساتواں خط

سفر کشمیر! دسویں منزل صبح سویرے

زلیت سے نا اُمیدی ۴۱۶

آٹھواں خط - مقام بھمبیر سے

آگ کی بھٹی ۴۱۷

پہاڑ پر چڑھائی ۴۱۸

بار برداری ۴۱۹

نواں خط کشمیر جنت نظیر سے تین ماہ بعد

سرزمین کشمیر ۴۲۰

ولایت کشمیر کا طول و عرض ۴۲۰

مویشی، شکار اور شہد ۴۲۱

چشمے اور دریا ۴۲۲

سرسبزی اور شادابی ۴۲۲

شہر اور ڈل ۴۲۳

عمارتیں ۴۲۳

ہری پربت ۴۲۴

تخت سلیمان ۴۲۴

سرسبز ٹاپو ۴۲۵

خوش منظر پہاڑ ۴۲۵

شالامار باغ ۴۲۵

کشمیر میری نظر میں ۴۲۷

ایک مشاعرہ ۴۲۷

کشمیریوں کی خصوصیات ۴۲۹

کشمیری شال ۴۲۹

حسنِ کشمیر ۴۳۰

تاک جھانک ۴۳۱

شوقِ دیدار ۴۳۱

دلچسپ کوہستانی سفر ۴۳۲

حیرت انگیز آبشار ۴۳۳

دردناک حادثہ ۴۳۳

بچھو کا منتر ۴۳۴

پیر پنجال کے عجائبات ۴۳۵

گرمی اور سردی کا اتصال ۴۳۵

دو مخالف ہوائیں ۴۳۵

پیر پنجال کا درویش ۴۳۵

چشموں کی سیر ۴۳۶

سوندبراری ۴۳۶

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جوشندہ چشمہ	۴۳۸
طلائی مچھلیاں	۴۳۹
بارہ مولا کا مقبرہ	۴۳۹
تیرتا ہوا مکان	۴۴۱
اُترتا چڑھتا چشمہ	۴۴۲
برفانی جھیل	۴۴۲
سنگ سفید کے پُربہار پھول	۴۴۲
قرب وجوار کے پہاڑی ملک	۴۴۳
چھوٹی تبت کے فرماں روا کی آمد	۴۴۵
بڑی تبت کے سفیر کی حاضری	۴۴۶
تبت کے طبیب سے ملاقات	۴۴۷
کشمیر سے چین تک تجارتی راستے	۴۴۹
ملک کاشغر	۴۵۰
کاشغر سے چین کو کاروانی راستے	۴۵۱
پانچ سوال اور اُن کے جواب	۴۵۲
پہلا سوال:۔ کشمیر میں یہودی	۴۵۲
دوسرا سوال:۔ ہندوستان میں موسم برسات	۴۵۲
تیسرا سوال:۔ بحر شرقی سمندروں کی آب وہوا	۴۵۲
چوتھا سوال:۔ بنگالہ کی زرخیزی	۴۵۳
پانچواں سوال:۔ دریائے نیل کی طغیانی	۴۵۳
پہلے سوال کا جواب	۴۵۳
دوسرے سوال کا جواب	۴۵۵
تیسرے سوال کا جواب	۴۵۸
چوتھے سوال کا جواب	۴۶۰
بنگالہ کی پیداوار	۴۶۱
بنگال کی ارزانی	۴۶۱
بنگال کی روئی اور ریشم	۴۶۲
بنگال کی ناموافق آب وہوا	۴۶۳
بنگالہ سے راج محل تک	۴۶۴
خلیج بنگال کے جزیرے	۴۶۴
ایک یادگار دریائی سفر	۴۶۵
قمری قوس وقزح کا نظارہ	۴۶۶
عجیب وغریب روشنیاں	۴۶۸
شدت طوفان اور بارش	۴۶۸
پانچویں سوال کا جواب	۴۶۹
دریائے نیل	۴۶۹
الثوپیا کے سفیروں کا بیان	۴۷۷
دریائے نیل کی گذرگاہ	۴۷۷
دریائے نیل کا منبع	۴۷۷
نیل کی طغیانی کا راز	۴۷۹
مصریوں کے اوہام	۴۸۰
شبنم اور طاعون	۴۸۱
دیگر طاعونوں کا بیان	۴۸۲
سینار کے حبشیوں کا بیان	۴۸۲
دریائے گنگا کی طغیانی	۴۸۲
نیل اور گنگا مصر اور بنگال	۴۸۳
سندھ اور مصر	۴۸۳
خط بنام چیپ لین از شیراز (ایران)، ہندوؤں کے عقائد توہمات اور رسومات کا بیان"۔ ارجون ۱۶۶۶ء	۴۸۴

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سورج گہن ۴۸۴
فرانس والوں کے توہمات ۴۸۴
دہلی میں سورج گہن کا نظارہ ۴۸۵
ہندوؤں کی رسومات اور سلاطین مغلیہ ۴۸۷
گہن کے موقعہ پر پوجا پاٹھ ۴۸۸
جگن ناتھ کی رتھ جاترا ۴۸۸
جاتریوں کا ہجوم ۴۸۸
جگن ناتھ کی رتھ اور مورت ۴۸۹
جگن ناتھ کے درشن ۴۹۰
نادانوں کی خوش عقیدگی ۴۹۰
جگن ناتھ کی دہلی ۴۹۰
بے حیائی کے مظاہرے ۴۹۱
سادھو اور کسبیاں ۴۹۷
ستی کی رسم ۴۹۷
ستی سے روکنے کا قصہ ۴۹۹
ستی کا ایک دردناک واقعہ ۵۰۱
ستی ہونے کا اصل سبب ۵۰۴
ستی کا حیرت انگیز واقعہ ۵۰۴
سورت کی ایک عورت چتا پر ۵۰۵
جبراً ستی کرنے کے واقعات ۵۰۶
چتا سے بھاگ نکلنے کی سزا ۵۰۶
ایک کمسن لڑکی کا حسرتناک واقعہ ۵۰۷
لیٹن کے اشعار کا خلاصہ ۵۰۸
زند در گور ۵۱۰
ہندوؤں کا اپنے مردوں سے سلوک ۵۱۰
قریب المرگ بیمار کی غرقابی ۵۱۰
ہندو فقیروں کا حال ۵۱۰
گردیا مہنت ۵۱۱
جوگیوں کی خوفناک زندگی ۵۱۱
ناگے فقیر ۵۱۲
صوفی سرمد کا قصہ ۵۱۳
جوگیوں کی عبادت و ریاضت ۵۱۵
تپسیا کا پھل ۵۱۶
ضمار سیدہ جوگی ۵۱۸
جوگیوں کا گیان دھیان ۵۱۹
شعبدہ باز جوگی ۵۲۰
جین مت کے سادھو ۵۲۱
ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون ۵۲۳
چار شاستر ۵۲۴
چار برن ۵۲۴
تناسخ ارواح کا عقیدہ ۵۲۵
گاؤکشی کی ممانعت کا حکم ۵۲۵
ترکال سندھیا اور اشنان ۵۲۶
دیوتاؤں کی پیدائش ۵۲۶
برہما اور مسئلہ تثلیث ۵۲۶
دیوتاؤں کی حقیقت ۵۲۶
ہندوؤں کے اوتار ۵۲۷
مذہب ہنود پر تحریریں ۵۲۹
اوتار اور دیوتا کا مفہوم ۵۲۹
تصور آتما ۵۳۰

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آتما اور پرآتما ۵۳۰
ہندو علوم وفنون پر کتابیں ۵۳۰
ہندوؤں کا دارالعلوم شہر بنارس ۵۳۱
بنارس کے پنڈت ۵۳۲
سنسکرت اور اُس کی قدامت ۵۳۲
پوران اور بید ۵۳۳
فلسفہ کی تعلیم ۵۳۴
گوتم شاستر کے پیرو ۵۳۴
بدھ مت اور اُس کے پیرو ۵۳۴
موجودات کے بارے میں ہندوؤں کے مذاہب ۵۳۵
ناقابلِ تقسیم اجزاء ۵۳۵
مادہ اور صورت ۵۳۶
عناصر اربعہ اور آکاش ۵۳۶
نور و ظلمت ۵۳۶
عدم مطلق ۵۳۶
اصول و مبادی اشیاء ۵۳۷
ہندو طب کی کتابیں ۵۳۷
ہندو طریقہ علاج ۵۳۷
مسلمان طبیب اور ہندو طریق علاج ۵۳۷
فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت ۵۳۹
ہندوؤں کا علم ہیئت ۵۳۹
چاند گہن کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ۵۴۰
خیالی پہاڑ سمیر ۵۴۰
علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفیت ۵۴۰
ہندوؤں کے علوم کے متعلق میری رائے ۵۴۱
بنارس کے چند پنڈتوں سے ملاقات ۵۴۱
دنیا کی عمر پنڈتوں کے خیال میں ۵۴۱
پنڈتوں کے نزدیک دیوتاؤں کی حقیقت ۵۴۲
لنگ شریر کا مسئلہ ۵۴۴
وحدت الوجود ۵۴۵
حرفِ آخر ۵۴۸
خط بنام مانشیوروی لاما تھی لی وے از دہلی "دہلی اور آگرہ کے شہر اور شہنشاہ مغل کا دربار"
یکم جولائی ۱۶۶۲ء
یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کا فرق ۵۴۹
شہر دہلی ۵۵۰
دہلی کا حصار ۵۵۱
جھوٹے غیب داں ۵۵۴
دہلی کے بازار ۵۵۵
رہائشی مکان ۵۵۶
دہلی کی دکانیں ۵۵۸
مچھلی اور پرندے ۵۶۰
بادۂ فرنگ ۵۶۱
صناعی اور کاریگری ۵۶۳
لال قلعہ ۵۶۴
قلعہ کے دروازے ۵۶۴
کارخانہ جات قلعہ ۵۶۷
عام وخاص اور نقارخانہ ۵۶۷
داد رسی ۵۷۱
خوشامد لجاجت ۵۷۲
خلوت خانہ ۵۷۲
شاہی محل سرا ۵۷۴
دربار اور تخت طاؤس ۵۷۵
جشنِ شاہانہ ۵۷۹
مینا بازار ۵۸۰
ہاتھیوں کی لڑائی ۵۸۳
جامع مسجد دہلی ۵۸۴
کاروان سرا ۵۸۷
پیرس اور دہلی کا تقابل ۵۸۷
امراء کی سواری ۵۸۸
مضافاتِ شہر ۵۸۹
دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستے ۵۹۱
شہر آگرہ عرف اکبرآباد ۵۹۱
عیسائی گرجا اور کالج ۵۹۷
عیسائی مبلغ ۵۹۸
ڈچ تاجروں کی کوٹھی ۶۰۰
روضۂ تاج محل ۶۰۱

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر برنیر کی ہندوستان میں آمد
شاہجہاں، اُس کی اولاد اور اُسکے بیٹوں کی باہمی لڑائیاں
اورنگ زیب کی تخت نشینی کے دلچسپ حالات

میں ہندوستان کس طرح پہنچا

چونکہ دنیا کی سیر کا مجھے نہایت شوق تھا۔ اس لئے ملکِ شام اور مصر کے دیکھ لینے کے بعد میں نے اپنے دل میں یہ ٹھیرایا کہ اپنی اِس سیاحت کو کچھ اور وسعت دوں اور دریافت و تحقیق حالات کے لئے اس سرے سے اُس سرے تک بحرِ احمر کا سفر کروں۔ چنانچہ اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے کے لئے ملک مصر کے دارالسلطنت قاہرہ[1] سے کہ جہاں میں ایک برس سے زیادہ مقیم رہا تھا روانہ ہوا اور بتیس گھنٹے کے عرصہ میں (کارواں کے سفر کے حساب سے) شہر سوئیز میں آپہنچا اور یہاں سے ایک جہاز پر سوار ہوکر سترہ دن میں بمقام جدہ جو مکہ (معظمہ) سے قریب دو پہر کی مسافت پر ہے پہنچ گیا۔ میرا یہاں پہنچنا توقع کے برخلاف تھا۔ اور اُس وعدہ کے بھی جو مجھے بحرِ احمر کے ترکی حاکم[2] کی طرف سے دیا گیا تھا۔ پس بمجبوری میں مسلمانوں کی اُس مقدس زمین پر جہاز سے اترا جہاں کوئی عیسائی تاوقتیکہ غلام نہ ہو قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ الغرض ایسی حالت میں اُس جگہ پانچ ہفتے قیام کرکے میں ایک چھوٹے سے جہاز پر سوار ہوکر یمن کو جارہا تھا

---

[1] اس شہر کو ۳۵۸ھ تین سو اٹھاون ہجری مطابق ۹۶۱ء نو سو اکتالیس عیسوی میں المعز لدین اللہ خلیفہ فاطمی مغربی کے سپہ سالار جوہر نے (جن کی سلطنت پہلے پہل افریقہ کے شہر قیروان میں قائم ہوئی تھی اور جو اپنے خاندان میں تیسرا خلیفہ تھا) آباد کیا تھا۔ اور مصر کو قہر و غلبہ سے فتح کرنے کی وجہ سے قاہرہ نام رکھا تھا۔ س م ح

[2] اصل کتاب میں بای آف دی ریڈ سی ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سوار ہو لیا اور پندرہ دن کے عرصہ میں بمقام مخا جو آبنائے باب المندب کے نزدیک ہے پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میرا یہ قصد تھا کہ مصوع اور ارکی کو کے جزیروں سے جو راستہ میں لیں گے گذرتا اور اُن کو دیکھتا بھالتا ملکِ حبش کے پائے تخت گونڈار کو چلا جاؤں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ حبش میں رومن کیتھلک مذہب والوں کے لئے (جس کے ہم فرانسیس پیرو ہیں) سخت خطرہ ہے۔ یہاں یہ صورتِ حال اُس وقت سے پیدا ہوئی جب سے کہ بادشاہ حبش کی ماں نے اپنی کارسازیوں سے پرتگیزیوں کو قتل کرا دیا تھا اور باقی ماندہ کو فرقہ جیسوئیٹ[1] کے اس بڑے پادری سمیت جس کو پرتگیز گوا[2] سے اپنے ساتھ لائے تھے خارج کرا دیا تھا۔ اس وقت سے حبش میں رومن کیتھولک محفوظ اور بے خطر نہیں رہے تھے۔ بلکہ میں نے یہ بھی سُنا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ بمقام سواکن ایک بیچارے بدنصیب رومن کیتھلک درویش تک کا اس جرم میں سر کاٹا گیا۔ کہ اُس نے اُس ملک میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے یہ تدبیر مناسب اور کم خطر معلوم ہوئی کہ میں ایک یونانی یا ارمنی[3] کا

---

[1] جیسوئیٹ کے معنی ہیں منسوب بہ جی زس یا جی سس جو فرنگی زبانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ یہ ایک شاخ فرقہ رومن کیتھلک کی ہے۔ جس کو ۱۵۳۴ء میں ہسپانیہ کے رہنے والے اگناتیوس لائلا نامی ایک مشہور شخص نے جو ۱۴۹۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۵۶ء میں مرا تھا قائم کیا تھا۔ س م ح

[2] گوا ہندوستان کے ساحل مالابار پر بمبئی سے جنوب کے رخ تقریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو کئی سو برس سے معہ مختصر سے علاقہ کے پرتگیزوں کے قبضہ میں ہے اور جس کو آج کل انگریزی اصطلاح میں پورچگیز انڈیا یعنی ہندوستان مقبوضہ اہلِ پرتگال کہتے ہیں۔ یہاں اِن کا ایک گورنر رہتا ہے۔ اور ان کی نسبت اسی کتاب کے ایک اور مقام میں مفصل ذکر آئے گا۔ س م ح

[3] میرے دوست کرنل ہنری مور صاحب بہادر جنھوں نے اس ملک کو دیکھا ہوا ہے میرے نام کی ایک چٹھی میں مصنف کے اس ارادہ کی نسبت اپنا خیال یوں لکھتے ہیں کہ اگرچہ حبش کے نصرانیوں کو کلیسائے ارمنی یا یونان سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ حبشی کلیسا پندرہ سو برس سے بجائے خود علیحدہ چلا آتا ہے مگر چونکہ ارمنی عیسائی تجارت پیشہ ہونے کے سبب سے ممالک مشرقی میں کہیں نہ کہیں ہمیشہ دکھائی دیتے رہے ہیں اور زمانہ دراز تک فرنگیانہ لباس بھی نہیں پہنتے تھے اس وجہ سے کسی فرنگستانی لباس والے یورپین عیسائی کی طرح ایسے اجنبی مقامات میں مشتبہ یا تعجب انگیز نہیں ہو سکتے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھیس بنالوں۔ جب بادشاہ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ میں اُس کے واسطے کچھ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہوں تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ مجھے کچھ زمین دے دیگا اور حسبِ مقدور میں غلام خرید کر اس کا بندوبست کر سکوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ اس صورت میں مجھے وہاں شادی بھی ضرور کر لینی پڑے گی جیسے کہ ایک یورپین راہب کا جس نے اپنے آپ کو ایرانی باشندہ اور طبیب ظاہر کیا تھا جبراً بیاہ کر دیا گیا تھا اور پھر اس حالت میں مجھے اس ملک کے چھوڑنے کی اُمید قطع کر لینی ہوگی۔

ان اندیشوں اور چند وجوہ کی بناء پر جن کا ذکر آگے کیا جائے گا، میں نے گونڈار جانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہو کر آبنائے باب المندب کی راہ سے بائیس دن میں بمقام سورت جو سلطنت مغلیہ میں ہندوستان کی ایک بندرگاہ ہے آپہنچا۔

شاہجہاں اور اُس کا نسب

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بادشاہ وقت کا نام شاہجہاں ہے جو جہانگیر کا بیٹا اور اکبر کا پوتا اور ہمایوں کا پڑپوتا ہے اور ہمایوں سے اوپر اُس کا سلسلۂ نسب تیمور لنگ سے جا ملتا ہے جس کو ہم فرنگستانی عموماً تمرلین کہتے ہیں۔ شاہجہاں سلسلہ وار تیمور سے دسویں پشت میں ہے۔

لہ یعنی شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی کا باپ نور الدین محمد جہانگیر۔ اُس کا جلال الدین محمد اکبر اُس کا نصیر الدین محمد ہمایوں اُس کا ظہیر الدین محمد بابر اُس کا عمر شیخ مرزا اُس کا سلطان ابو سعید مرزا اُس کا سلطان محمد مرزا اُس کا جلال الدین میراں شاہ مرزا اُس کا امیر تیمور گورگان صاحب قران اول جو تیمور تیمر اور تمرلنگ مشہور ہے۔ اس کے لنگڑے ہونے کی وجہ کتاب مجاتب المقدور فی احوال التیمور میں جو اُس کی ایک سخت ہجو آمیز تاریخ ہے یہ لکھی ہے کہ ابتدائے حال میں کسی شخص کی بکری کی چوری کرتے ہوئے تیر کے زخم سے اُس کی ایک ٹانگ لنگڑی ہو گئی تھی۔ اور چونکہ اُس نے ترکوں کے اکثر خاندانوں میں اپنی شادیاں کر لی تھیں اس لئے اُس کے ہم قوم اُس کو گورگان کہنے لگ گئے تھے جو ترکی میں داماد کو کہتے ہیں ــــ اور تمر کے معنی ہیں لوہا۔ اور صاحب قران کہلانے کی یہ وجہ تھی کہ اس کے بادشاہ ہو جانے کے بعد خوشامدیوں نے اس کا زائچہ طالع بنا کر اس میں یہ لکھدیا تھا کہ زہرہ و مشتری جو بخومیوں کے عقیدے میں دو بڑے سعد ستارے ہیں اپنے طالع میں قران کی حالت میں ہیں۔ س م ح

ت م رل ــ ن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوستان میں لفظ مغل کا اطلاق

تیمور جس کی ملک گیری کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔ اُس نے اپنی ایک رشتہ دار عورت یعنی اُس بادشاہ کی اکلوتی بیٹی سے شادی کرلی تھی جو اُس وقت تاتاریوں کی اس نامور قوم کا جن کو مغل کہتے تھے فرماں روا تھا[1]۔ مگر اب لفظ مغلی اُن سب غیر ملک کے رہنے والوں کے

---

[1] کتاب ظفر نامہ میں جو تیمور کی ایک نہایت خوشامد آمیز تاریخ ہے اُس کے عروج کا حال یوں لکھا ہے کہ ۱۳۳۳ء میں کیورا خلن کا بیٹا قزان سلطان جو چغتائی خاں کی اولاد سے تھا ترکستان اور ماوراء النہر میں ایک ایسا جابر اور خوں ریز بادشاہ تھا کہ سردار لوگ دربار میں جاتے ہوئے گنبد والوں کو وصیتیں کرکے رخصت ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ آخر کار امیر قزغن نے جو اس کے سرداروں میں ایک نہایت قابل اور دانا شخص تھا تنگ آکر اولوس یعنی قبیلہ چغتائی کے امیروں وغیرہ سے اتفاق کرکے بغاوت کی اور ۱۳۴۷ء میں فتحیاب ہوکر اُسے مار ڈالا۔ مگر سلطنت کی یہ صورت رہی کہ اگرچہ حقیقتاً حکومت امیر قزغن اور اُس کی اولاد کے قبضہ میں تھی۔ لیکن تاہم بادشاہی خاندان میں سے برائے نام کسی کو خان یعنی بادشاہ بنائے رکھتے تھے مگر جب قزغن کے بیٹے عبداللہ نے اپنے ہم عصر نام نہاد بادشاہ کو بے گناہ قتل کرڈالا اور اسی علت میں خود بھی تباہ و برباد ہوا تو ملک میں کچھ عرصہ طوائف الملوکی کی صورت رہی۔ مگر امیر قزغن کا پوتا امیر حسین جو امیر مسلا کا بیٹا تھا پھر ایک ذی اقتدار فرماں روا ہوگیا۔ اور اپنے دارالحکومت شہر بلخ کے پاس ایک پرانے قلعہ کو جو قلعہ ہندوان کے نام سے مشہور تھا از سر نو تعمیر کرکے اُس میں رہنا شروع کیا۔ اور چونکہ اُس کی بہن کی شادی تیمور سے ہوئی تھی۔ ابتدائے حال میں اُس کا اور تیمور کا نہایت اتحاد تھا مگر رشک و حسد کے باعث آخر کار عداوت ہوگئی۔ اور چونکہ امیر حسین کی بہن بھی مرچکی تھی تیمور نے اپنی جائے قیام کش معروف بہ شہر سبز سے جو سمرقند کے قریب اب روسیوں کے قبضہ میں ہے قلعہ ہندوان پر فوج کشی کی اور امیر حسین ۷۷۱ھ میں گرفتار ہوکر معہ اپنے دو بیٹوں کے قتل ہوا۔ اور باقی دو بیٹے ہندوستان کو بھاگ آئے۔ اور تیمور نے اُس کی زوجہ سرائے ملک خانم دختر قزان سلطان اور تین اور بیگموں کو غالباً ذی وقعت قبائل ترک کی بیٹیاں سمجھکر مصلحتاً گھر میں ڈال لیا۔ اور اُس کی بڑی بیگم کو معہ اس کی بیٹیوں اور بیگموں کے اپنے بڑے بڑے سرداروں میں تقسیم کردیا اور قلعہ ہندوان اور اُس کے محلات وغیرہ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے اور اس طرح امیر حسین کا نام و نشان مٹا کر خود بادشاہ بن گیا اور آخر کار ایسا نامور ہوا کہ آج تک اُس کا نام مشہور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ برنیر نے اپنی تحریر میں غالباً اسی سرائے ملک خانم زوجہ سابق امیر حسین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اُس کو کتاب حبیب السیر میں خان زادہ یعنی شاہزادی اور دختر قزان سلطان لکھا ہے ورنہ تیمور کے اٹھارہ بیبیوں اور بائیس حرموں کی تفصیل میں جو بہت سے ترک اور مغل سرداروں کی بیٹیاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لئے بولا جاتا ہے جو فی زمانہ ہندوستان پر (جس کے معنی ہیں ہندوؤں یا ہندیوں کا ملک) حکومت کرتے ہیں۔ مگر یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ سلطنت مغلیہ میں بڑے بڑے معزز اور معتبر منصب صرف مغلوں ہی کو ملتے ہیں یا صرف یہی لوگ فوج میں عہدے پاتے ہیں۔ بلکہ یہ منصب اور عہدے مغلوں اور سب ولائتوں کے نو وارد مسلمانوں کو بلا کسی امتیاز و خصوصیت کے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تو ایرانیوں کو اور بعض بعض عربوں کو اور کچھ ترکوں کو۔

جن لوگوں کو آج کل یہاں مغل کہا جاتا ہے اُن کی پہچان کے واسطے یہ نشان کافی ہے کہ چہرہ کا رنگ گورا ہو اور مذہب اسلام۔ اور یورپ کے عیسائیوں کی جن کو یہاں فرنگی کہتے ہیں یہ پہچان ہے کہ رنگ سفید ہو اور مذہب عیسائی۔ اور ہندوؤں کی یہ علامت ہے کہ رنگ[1] گندمی ہو اور مذہب بت پرستی۔

شاہجہاں کی ضعیفی اور اُس کے بیٹوں کی باہمی آویزش

مجھے یہاں آکر یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہجہاں کی عمر اس وقت قریب ستر برس کے ہے اور اُس کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور چند سال ہوئے کہ اُس نے چاروں بیٹوں کو اپنی نیابت اور قائم مقامی کے طور پر ہندوستان میں بڑے بڑے چار صوبے جن کو سلطنت کے حصے کہنا چاہیئے دے دیئے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ ایک سال کے عرصہ سے اتنا بیمار رہتا ہے کہ جس سے اُس کی زندگی کو خطرہ ہے۔ اور اُس کے بیٹوں نے باپ کی یہ حالت دیکھکر حصولِ سلطنت کے لئے منصوبے باندھنے اور چالیں چلنی شروع کر رکھی ہیں اور اُن کی باہمی جنگ و جدال جاری ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھیں خان زادہ کا لفظ اور کسی کی نسبت نہیں لکھا۔ مگر ہرنیر کی تحریر سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تیمور کی اس بیگم کا باپ جو تمام تاتاریوں کا بادشاہ تھا۔ جن کو مغل کہتے تھے۔ اُس وقت کی تاریخوں سے غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس زمانہ میں بلخ اور بخارا وغیرہ میں قران سلطان خاں فرماں روا تھا اُسی زمانہ میں ماسی تیمور خاں ترکوں اور مغلوں کی قوم جُنبی میں علیحدہ بادشاہی کر رہا تھا اور ایران میں سلطان ابوسعید بہادر خاں جو مغلوں کے ابوالآبا چنگیز خاں کی اولاد سے تھا بہت بڑا بادشاہ تھا اور یہ اشارہ بھی غلط پایا جاتا ہے کہ تیمور لنگ اس مذکورہ بالا رشتہ کے سبب سے مغلوں کی قوم میں داخل ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ اُلوس جغتائی کی شاخ برلاس سے تھا جو اپنے تئیں سلسلہ نسب میں مغلوں سے علیحدہ نہیں سمجھتے۔ س م ح

[1] اصل انگریزی میں لفظ براؤن ہے۔ یعنی کھورا
س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہی ملازمت

چونکہ میں اس ملک میں پہنچ کر غارت گروں کے ہاتھوں لٹ جانے اور پانچ ہفتہ کے سفر کے کثیر اخراجات کی وجہ سے بمورت سے آگرہ اور دہلی تک پہنچنے میں پیش آئے تھے، تنگ دست ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے طبیبوں کی ذیل میں سرکار شاہی میں نوکری اختیار کر لی تھی اور پھر تھوڑی بہت بعد دانشمند خاں کی سرکار سے میرا تعلق ہو گیا جو اول میر بخشی کے عہدہ پر مامور تھا۔ اور نہایت ذی اقتدار اور ممتاز ترین امرائے دربار میں سے ہو گیا تھا۔ یہ شخص تمام ممالک ایشیا میں بہت بڑا عالم و فاضل سمجھا جاتا تھا۔ آٹھ برس کے طویل تعلقات کے سبب سے جو دربار مغلیہ سے رہے تھے۔ میں نے اس جنگ و جدال کے بعض اہم واقعات بچشم خود دیکھے ہیں اس لئے میں اُن کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

شاہجہاں کی اولاد

شاہجہاں کے بڑے بیٹے کا نام دارا شکوہ، دوسرے کا سلطان شجاع تیسرے کا اورنگ زیب، چوتھے کا مراد بخش اور دو لڑکیاں بیٹیوں میں سے بڑی کا نام بیگم صاحب[1] اور چھوٹی کا روشن آرا بیگم تھا۔ اس ملک میں یہ دستور ہے کہ خاندان شاہی کے سلاطین اور بیگمات کے نام ایسے رکھتے ہیں جو شان و شوکت سلطنت پر دلالت کریں۔ چنانچہ شاہجہاں کی بیگم جو حسن و جمال میں مشہور تھی اس کا نام تاج محل[2] تھا، جس

---

[1] شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد کی فارسی کتابوں میں دانشمند خاں کا نام اُن صاحب کمال لوگوں کی فہرست میں لکھا ہوا ہے جو اُس وقت اس سلطنت میں علم و فضل کے لئے مشہور تھے۔ یہ ایرانی عالم شہر یزد کا رہنے والا تھا اور کمال علمی کے باعث ملا شفیعا نے یزدی کے نام سے مشہور تھا۔ اور ہندوستان میں تجارت کی تقریب سے آیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہ اپنے وطن کو واپس جانے لگا تو شاہجہاں نے اُس کے علم و فضل کا چرچا سُن کر از راہ قدردانی بندر سورت سے واپس بلا کر امرا کے دربار میں داخل کر لیا۔ اور تا عہد سلطنت اورنگ زیب بہت معزز و مکرم رہا اور ۱۰۷۱ھ میں مر گیا۔ یہ شخص فلسفہ ہیئت اور ہندسہ میں بہ تخصیص مشہور تھا۔ اور ایسا عالم تھا کہ نعمت خاں عالی سا شخص اس کا شاگرد تھا۔

[2] عہد شاہجہاں کے مورخوں نے اس کا نام جہاں آرا بیگم بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بیگم صاحبہ بخطاب بیگم

[3] یہ نام نہ تھا بلکہ خطاب تھا جس کو مصنف نے عوام کے محاورہ کے موافق ممتاز محل کی جگہ تاج محل لکھدیا ہے۔ اور نام ارجمند بانو بیگم تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا وہ عالی شان اور بے نظیر روزگار مقبرہ آگرہ میں ہے جس کے مقابلہ میں اہرام مصر[1] جو منجملہ عجائبات دنیا سمجھے جاتے ہیں محض ناتراشیدہ پتھروں کے ڈھیر اور ناموزوں

---

[1] مصر کی مخروطی نما چوپل مینار اہرام کہلاتے ہیں۔ ان پر جو لکھے ہیں وہ ایسے حروف میں ہیں جن کو اس زمانہ میں ہر شخص نہیں پڑھ سکتا۔ اور مصر کے قدیمی باشندے ان کو اپنی مقدس چیزوں میں استعمال کرتے یا اسرار الٰہی سمجھ کر چھپاتے تھے اگرچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ اہل عرب ان میناروں کو بہ لحاظ ان کے نہایت درجہ سال اور پرانا ہونے کے اہرام کہتے ہیں جو ہرم سے مشتق ہے اور جس کے معنی بڑھاپے کے ہیں مگر محیط المحیط میں جو لغت عربی کی ایک نو تالیف مستند کتاب ہے، لکھا ہے کہ اہرام ہرم کی جمع ہے بر اصطلاح اہل ہیئت و ہندسہ میں کسی ایسی مخروطی شکل کی عمارت کو کہتے ہیں جس کا قاعدہ مربع یا مثلث یا کثیر الاضلاع ہو۔ ان میں سے تین مینار بہت مشہور ہیں جن میں ایک چھوٹا اور دو بڑے ہیں۔ دونوں بڑے مینار جن کو عرب بہ صیغہ تثنیہ الہرمان کہتے ہیں چی آپس اور کیفرینس کے نام پر مشہور ہیں۔ اور چی آپس والا مینار تو ایسا عمدہ ہے کہ دنیا کی عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عمارت ایک چوکھونٹے چبوترے پر بنی ہوئی ہے جس کا ہر ایک ضلع سات سو بیس فٹ لمبا اور چار فٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اس کے اوپر کچھ گھٹا کر ایک اور چبوترہ ہے۔ اور اسی طرح دوسرے تین چبوترے اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ یہ مینار ساڑھے سولہ بیگھہ زمین میں ہے اور اس کی بلندی چار سو چھیاسی فٹ اور چوٹی دس گز مربع کا چبوترہ ہے مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس جو سنہ عیسوی سے چار سو برس پیشتر مصر کی سیر کو آیا تھا لکھتا ہے کہ یہ مینار چی آپس بادشاہ کے عہد میں بیس برس کے عرصہ میں تیار ہوا تھا۔ اور اس پر ایک لاکھ آدمی کی مدد ہمیشہ لگی رہتی تھی۔ اور اس پر مصری حروف میں لکھا ہوا ہے کہ کاریگروں کی صرف لہن پیاز کی چٹنی میں ڈھائی لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا" اصل میں یہ مینار مصری بادشاہوں کے مقبرے ہیں جن میں ان کی لاشیں اب تک پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ خلیفہ مامون عباسی جب (سنہ ۲۰ھ) میں مصر میں آیا تو اس کو اس چی آپس والے مینار کے اندر کی عمارت کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا اور اس نے فولادی ٹانکیاں بنوا کر پتھر کو کھدوایا۔ اور ایک راہ پائی اور جب اس میں گئے تو ایک چوکونٹی بادلی ملی جس کے چاروں طرف کی دیواروں میں کمروں کے دروازے تھے۔ اور ایک کمرے میں بہت سی لاشیں کتان میں خوشبوؤں سے لپٹی ہوئی جسے مومیا کہتے ہیں رکھی ہوئی تھیں۔ پھر اور ایک کمرے میں اس کے اوپر پتھر کے صندوق میں آدمی کی ایک مورت ملی جس کے سینہ پر جواہر سے جڑا ہوا سونے کا سینہ بند رکھا تھا۔ اور سونے کے پترے پر ایسے حروف کندہ تھے۔ جن کو کوئی نہ پڑھ سکا۔ بعض محققوں نے اس بڑے مینار کی پیمائش کے وقت یہ بھی دریافت کیا ہے کہ اس مینار کے چاروں پہل بنانے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو وہ ہائے سنگ نظر آتے ہیں۔ علی ہذا القیاس جہانگیر کی بیگم کا نام اول نور محل[1] تھا۔ پھر نور جہاں بیگم ہوا جس نے مدت تک اپنے شوہر کی ایسی حالت میں کہ بجز شراب خوری اور عیش پسندی کے اُس نے سب کاموں کو چھوڑ رکھا تھا امورِ سلطنت اور ملک داری کو خود انجام دیا۔

اُمرائے سلطنت اور خطابات

ہندوستان میں جو یہ بڑے بڑے اور ممتاز نام اعیان خاندان شاہی اور امرا کے رکھے جاتے ہیں اور فرنگستان کی طرح ایسے خطاب نہیں دیئے جاتے جو اراضیات و ممالک کے قبضہ و مالکیت سے مشتق و منسوب ہوتے ہیں۔ اُس کا سبب یہ ہے کہ یہاں تمام ملکیت کی زمینیں خالصہ شریفہ یعنی ملک سرکار شاہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے فرنگستان کی طرح یہاں کوئی لارڈ یا مارکوئس یا ڈیوک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امرائے دربار کو خواہ جاگیر خواہ نقد جو کچھ دیا جاتا ہے وہ صرف بطور پنشن اور ذاتی مدد معاش کے دیا جاتا ہے جس کا مقرر کرنا صرف بادشاہِ وقت کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اُس میں کمی یا بیشی کر دیتا ہے۔ یا ضبط کر لیتا ہے۔ اس لئے یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ امرائے سلطنت پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) والوں نے دنیا کی چاروں سمتوں کے ٹھیک مقابل بنائے ہیں۔ جس سے وہاں کا نصف النہار نہایت صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا مینار جو کیفرنیس والا کہلاتا ہے اُس کے نیچے کے چبوترے کا ہر ایک ضلع چھ سو چوراسی فٹ لمبا اور بلندی چوٹی تک چار سو چھپن فٹ ہے۔ اس مینار پر چڑھکر دیکھنے سے دکن کی طرف دریائے نیل اور اُتر کی جانب پہاڑ اور ریگستان اور پچھم کے رخ نیون کا جنگل اور پورب کی سمت مقام جیزہ اور فسطاط کے برج اور شہر قاہرہ کا مینار اور سلطان صلاح الدین کا قلعہ سب عجیب لطف سے دکھائی دیتے ہیں۔ پرانے زمانہ کے مورخوں نے اول الذکر مینار کے بانی کے نام اپنے اپنے لہجہ کے موافق مختلف لکھے ہیں جن میں سے ایک نام یہاں لکھدیا گیا ہے۔ اور یہ بادشاہ دو ہزار تین سو باون برس قبل مسیح علیہ السلام کے تھا۔ اور نہایت ہی خوں ریزی اور سفاکی کے ساتھ پچاس برس تک حکمران رہا تھا۔ اور اسی طرح دوسرے مینار کے بانی کے نام بھی کئی طور پر لکھے ہیں اور اس کو بعض مورخوں نے پہلے مینار کے بانی کا بیٹا اور بعض نے بھائی اور جانشین بتایا ہے اور یہ بھی ویسا ہی ظالم اور خوں ریز تھا اور چھپن برس تک بادشاہ رہا تھا۔ س م ح

ماخوذ از ترجمہ تاریخ اقوام قدیم مصنفہ ڈاکٹر رالن مطبوعہ حسین ٹیفک سوسائٹی علی گڑھ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا وغیرہ

[1] اس کا نام مہرالنسا بیگم تھا۔ اور نور محل اور نور جہاں خطاب تھے س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شکوہ اور شان دار خطابات سے مشرف و ممتاز کئے جائیں۔ مثلاً کوئی شیر افگن خاں! کوئی صف شکن خاں، کوئی رعد انداز خاں، کوئی برق انداز خاں، اور علیٰ ہذا القیاس دیانت خاں دانشمند خاں فاضل خاں وغیرہ وغیرہ۔

شاہجہاں کا بڑا لڑکا داراشکوہ

داراشکوہ گفتگو میں بہت شیریں زبان، حاضر جواب، نہایت خوش خلق اور بے حد فیاض اور دریا دل تھا۔ مگر بااین ہمہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا اور اُس کو یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام کر سکتا ہوں۔ اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دے سکے۔ وہ اُن لوگوں سے جو اُسے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے تھے۔ تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا۔ چنانچہ اِس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اُس کے دلی خیر خواہ بھی اُس کے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی سازشوں سے اُسے آگاہ نہ کر سکے۔ وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اُمرا کو بُرا بھلا کہہ بیٹھتا اور اُن کی ہتک کر ڈالتا تھا۔ لیکن اُس کا غصہ اور بدمزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی۔ یہ شہزادہ اگرچہ شعائر مذہب اسلام کی بجا آوری کے موقعوں میں ہمیشہ شریک ہوتا رہتا تھا اور اِس مذہب کے متبع اور پیرو ہونے کا بھی علانیہ اقرار کرتا تھا۔ لیکن بس وہ پیدائشی مسلمان ہی تھا۔ کیونکہ وہ اپنے اوقاتِ تخلیہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں میں عیسائی تھا۔ چنانچہ پنڈتوں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔ اور اُن کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ ان حالات سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اِن لوگوں ہی کے اثر صحبت سے اُس کے عقیدۂ اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس بارے میں ہم اپنی رائے اُس موقعہ پر بیان کریں گے جہاں ہندوؤں کے طریق عبادت اور پرستش کا ذکر لکھیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ دنوں تک پادری بوزی صاحب مقتدائے فرقہ جیسوئیٹ کے مواعظ دینیہ کو بھی بہت رغبت سے سنتا رہا تھا اور اُن مواعظ کی خوبیوں اور صداقت پر کچھ اعتقاد بھی رکھنے لگا تھا۔ مگر بعض یوں کہتے ہیں کہ درحقیقت وہ کسی مذہب کا بھی معتقد نہ تھا۔ اور یہ سارا دکھاوا اُس نے محض دل لگی اور شوق تحقیقات کے لئے اختیار کر رکھا تھا۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ کبھی جو وہ اپنے عیسوی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میلان کا مظاہرہ کرتا تھا تو اُس میں یہ مصلحت تھی کہ وہ عیسائی جو اُس کے توپ خانہ میں بھرتی تھے اور جن کی تعداد بھی ذرا زیادہ تھی اُس کو پسند کریں۔ اور اپنی ہندو یت ظاہر کرنے سے اُس کی یہ غرض تھی کہ باج گذار ہندو راجاؤں کی تالیفِ قلوب کر کے اپنی محبت اُن کے دل میں پیدا کرے۔ اور حقیقت میں ذی اقتدار راجاؤں سے باخلاق و محبت پیش آنا وہ ضروری سمجھتا تھا۔ تاکہ ضرورت کے وقت اُن کا تعاون اور رفاقت حاصل کر سکے۔ لیکن عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذاہب اور عقائد کی طرف میل کرنے کے یہ جھوٹے حیلے کسی طرح اُس کے منصوبوں کی کامیابی میں کارآمد اور مفید نہ ہوئے بلکہ برخلاف پڑے۔ چنانچہ اس تاریخ[1] کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اورنگ زیب نے جو اُس کا قتل جائز ٹھیرایا تھا تو اُس کی وجہ یہی ظاہر کی تھی کہ وہ کافر اور لامذہب ہو گیا ہے۔

---

[1] عالمگیر نامہ میں جس کے مسودے بادشاہ کے ملاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے اور جس میں مورخوں کے شیوہ کے برخلاف عالمگیر کے مخالفوں کا ذکر جا بجا نہایت ہی سخت کلامی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ داراشکوہ کے مذہب کی نسبت جس طرح پر لکھا ہے اُس کے بہت سے نا ملایم اور مکرر الفاظ کو چھوڑ کر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے قولہ واز شنایع اطوار آں برگشتہ روزگار (یعنی داراشکوہ) کہ عنقریب بہ وبال آں گرفتار آید و باعث التہاب نوایر قہر و انتقام ایں خدیو اسلام (یعنی اورنگ زیب) بیشتر ہماں شد ایں بود کہ در اواخر حال از برگشتہ بختی باظہار مراتب اباحت والحاد کہ در طبع او مرکوز بود و آں را تصوف نام مے نہاد اکتفا ننمودہ بدیں ہندواں مائل شدہ بود۔ ہموارہ با برہمنان و جوگیان و سناسیان صحبت می داشت۔ و آں گروہ را مرشدانِ کامل و عارفاں بحق واصل می دانست و کتاب آنہا را کہ بہ بید موسوم است کتاب آسمانی می دانست و مصحف قدیم می خواند و از کمال اعتقادے کہ بہ بید می داشت برہمنان و سناسیان را از اطراف واکناف بسعی ہائے بلیغ و رعایت ہائے عظیم جمع آوردہ در صدد ترجمہ آن شد و ہموارہ اوقاتش مصروف ایں شغل ناصواب و تفکر و تدبر در مضامین آں کتاب می شد و بجائے اسمائے حسنہ الٰہی اسمائے ہندوی کہ ہنود آں را پرمیشور نامند و اسم اعظم می دانند بخط ہندوی برنگینہ ہائے جواہر کہ می پوشید منقش کردہ بآں تبرک می جست و چوں متقدش آں بود کہ تکلیف عبادات ناقصاں راست و عارف کامل را عبادت درکار نیست و کریمہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ را بمشرب ملاحدہ فراگرفتہ دلیل این معنی می ساخت و بنا بریں عقیدہ فاسدہ نماز و روزہ و سایر تکالیف شرعیہ را خیر باد گفتہ بود و ایں خدیو دین پرور پاک اعتقاد را ہمیشہ حمایت دین مبین نصب العین ضمیر منیر است از آثار این عقاید رویہ و اطوار باطلہ ارزن بے سعادت عرق سمت دیں بحرکت می آید الخ ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سُلطان شجاع کے عادات وخصائل

شاہجہاں کا دوسرا بیٹا سلطان شجاع اپنی وضع و عادات میں اپنے بھائی داراشکوہ کے مشابہ تھا لیکن یہ زیادہ فہیم اور اپنے عزم اور ارادوں میں زیادہ قائم و مستقل اور داراشکوہ کی نسبت حسن تمیز اور ہوشیاری اور ایسے اوضاع واطوار میں جو شاہزادوں کے لئے زیبا ہیں بڑھا ہوا تھا۔ سازشوں اور زیرزمین کارروائیوں میں بڑا ماہر تھا۔ اور بڑے بڑے ذی قدرت امرائے دربار خصوصاً بڑے بڑے ذی اقتدار راجاؤں مثلاً جسونت سنگھ[1] وغیرہ کو مخفی طور پر انعامات دے کر اُن کی دوستی حاصل کرنے کا گُر بھی اُسے خوب آتا تھا۔ مگر باوجود اِن اوصاف کے نہایت عیّاش اور عشرت پسند تھا اور جب اپنی بے شمار حرموں اور ارباب نشاط وغیرہ کے جلسہ میں ہوتا تو تمام دن اور رات رقص وسرود اور شراب نوشی میں بسر کرتا اور کوئی مصاحب جس کو اپنی جان پیاری ہوتی ایسے اوقات میں اُس کو اِن حرکات سے روکنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اُس کے امور سلطنت اکثر درہم وبرہم رہتے تھے اور اُس کی محبت رعایا کے دل میں بہت کم تھی۔ اگرچہ اُس کا باپ اور بھائی تُرکانِ روم یعنی اہلِ سنّت وجماعت کا مذہب رکھتے تھے۔ مگر سلطان شجاع ایرانیوں کے عقاید یعنی مذہب شیعہ کا علانیہ معتقد اور مقر تھا۔ واضح ہو کہ دینِ اسلام میں بہت سے فرقے ہیں جیسا کہ کتاب گلستاں کے نامور مصنف شیخ سعدی کے ایک شعر کے ترجمہ سے جو ذیل میں درج ہے دریافت ہوتا ہے۔ ترجمہ بیت "میں[2] ایک درویش بادہ نوش اور شخص رند مشرب ہوں اور بہتر فرقے مجھکو خوب جانتے ہیں" منجملہ ان فرقوں کے دو فرقے ایسے ہیں جن کا باہمی تعصب اس درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ دونوں آپس میں جانی

---

[1] مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور والی جودھپور مراد ہے جس کو شاہجہاں کے عہد میں بادشاہ کے ننہال میں ہونے کی وجہ سے بڑا اقتدار اور خطاب مہاراجگی حاصل ہو گیا تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں بھی یہ ریاست اُسی خاندان میں قائم ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح مصنف کے زمانہ میں اس ریاست کے فرماں روا کا نام جسونت سنگھ تھا مترجم کے زمانہ کے فرماں روا کا نام بھی جسونت سنگھ ہی ہے۔ اس ریاست کی خالص آمدنی سوائے جاگیروں اور معافیات کے بموجب کتاب تاریخ جلسہ قیصری واقع دہلی مصنفہ مالباشی ویلر صاحب اب پچیس لاکھ روپیہ اور رقبہ پینتیس ہزار چوکہ سو ستر میل مربع اور آبادی بیس لاکھ آدمی کی ہے۔ س م ر

[2] یہ شعر باوجود تلاش دستیاب نہیں ہو سکا۔ س م ر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دشمن ہیں۔ ایک اُن میں سے تُرک یعنی رومی ہیں جن کو ایرانی لوگ عثمانی یعنی پیروانِ عثمان کہتے ہیں اور یہ عثمان کو اپنے پیغمبر کا سچا اور اصلی قائم مقام اور خلیفہ سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خلیفہ (یعنی سب اہل اسلام کا فرمان فرمائے) علیٰ جو تاویلات الفاظ قرآنی اور اجتہاد کر سکتا ہو اور فیصلہ قضایا اور مباحث اور تنازعات شرعیہ کا استحقاق رکھتا ہو) صرف وہی ہے۔ دوسرا فرقہ ایرانیوں کا ہے جس کو ترک لوگ رافضی یا شیعہ اور علی مردان کہتے ہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہیں ایک ایسا فرقہ جو عام فرقۂ اہل اسلام سے خارج ہو یا بدعتی اور طرف دارانِ علیؓ۔ کیونکہ ایرانی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خلافت و امامت صرف علی کا حق تھا جو پیغمبر کے داماد تھے۔ سلطان شجاع نے جو مذہب شیعہ قبول کر لیا تھا۔ بظاہر اس میں یہ حکمت تھی کہ اس بات کو اپنے امورِ سلطنت کی مطلب براری کا ذریعہ جانتا تھا کیونکہ شاہجہاں کی سلطنت میں ایرانی بڑے بڑے مقتدر عہدہ دار اور دربار میں بے حد صاحبِ اختیار تھے۔ اور شجاع کو یہ اُمید تھی کہ جب کبھی کوئی معرکہ آن کر پڑے گا اور موقعہ پیش آئے گا۔ تو مجھے اِن سے بوقتِ ضرورت ہر قسم کی مدد مدد ملے گی اور فائدہ پہنچے گا۔

اورنگ زیب

تیسرا بھائی اورنگ زیب اگرچہ اُس قدر خوش اخلاقی اور کشادہ روئی اور فراخ مزاجی کی صفات سے جو دارا شکوہ میں موجود تھیں موصوف نہ تھا۔ لیکن نہایت مردم شناس تھا۔ چنانچہ اُس کی رائے ایسے معتمد اور وفادار اشخاص کے انتخاب میں جو اُس کی خدمات کو نمک حلالی اور قابلیت کے ساتھ بجا لانے کی

لہ مصنف کی یہ معلومات جو اکثر غلط ہیں بعینہٖ ترجمہ کی گئی ہیں۔ ترکان روم کو عثمان لو یا عثمان لی صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس سلطنت کا فرمان روا خاندان سلطان عثمان خاں کی اولاد سے ہے جو دراصل سلطان علاؤالدین سلجوقی کا ایک ملازم تھا اور اپنی لیاقت کی وجہ سے اول سپہ سالاری اور پھر اس بادشاہ کی دامادی کے درجہ تک پہنچا۔ اور آخر کار اُس کے بے اولاد مر جانے پر سنہ بارہ سو نناوے عیسوی مطابق سنہ چھ سو نناوے ہجری میں رضامندی عام سے اُس کا جانشین ہوا تھا۔ کتاب سنین اسلام میں لکھا ہے کہ یہ بادشاہ ایسا کریم اور سپاہ پرور تھا کہ ایک حبہ اپنے پاس نہ رکھتا تھا۔ اور جو اُس کو ملتا تھا۔ سپاہ پر خرچ کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے مرنے کے بعد سوائے ایک خفتان اور کمر بند اور تلوار کے کوئی شے جواہرات۔ سونا چاندی وغیرہ کی قسم سے اُس کے پاس برآمد نہ ہوئی اور اُنہتر ۶۹ برس کی عمر میں ۱۳۲۶ء مطابق ۷۲۷ھ میں مرا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بہت زیادہ لیاقت رکھتے تھے۔ نہایت سلیم اور صائب تھی۔ اور اگرچہ انعام و اکرام یہ بھی کثرت سے دیا کرتا تھا لیکن موقع اور امتیاز سے، اور صرف اُن لوگوں کو دے دیتا تھا جن کی رضامندی اور تالیف و ترغیب ضروری سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بھید کو چھپانے پر پوری طرح قادر تھا۔ اور ظاہرداری و چالاکی میں تو کامل اُستاد تھا۔ چنانچہ جب اپنے باپ کے دربار اور دارالسلطنت میں حاضر و موجود ہوتا تو بناوٹ سے عابدانہ وضع قطع اختیار کرلیتا اور دنیاوی جاہ و حشمت سے نفرت ظاہر کرتا۔ حالانکہ اپنی شوکت اور سربلندی کے لئے درپردہ راستہ نکالنے میں بڑی دل جمعی کے ساتھ کوشاں رہتا۔ یہاں تک کہ جن دنوں اُس کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تب بھی اہلِ دربار کو بھی جتلاتا رہا کہ اگر مجھے ترکِ دنیا اور درویشی کی اجازت مل جاتی تو زیادہ خوش ہوتا کیونکہ میری دلی تمنا یہی تھی کہ باقی زندگی ریاضت اور عبادت ہی میں صرف کروں۔ اور افکارِ دنیوی اور امورِ سلطنت کی ذمہ داری میں اُلجھنا مجھے نامرغوب اور ناپسند ہے۔ حالانکہ اُس کی ساری عمر سازشوں اور منصوبوں ہی میں گذری۔ وہ اپنی چال اس عقلمندی سے چلتا تھا کہ دربار میں سوائے اُس کے بھائی دارا شکوہ کے ہر ایک نے اُس کے رویہ کو سمجھنے میں دھوکا کھایا۔ شاہجہاں کے حسنِ ظن پر جو اُس کو اپنے اِس چھوٹے بیٹے کی نسبت تھا۔ دارا شکوہ کو بہت حسد ہوتا تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی اپنے ہمدرد مصاحبوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے سب بھائیوں میں کسی سے اندیشہ اور خوف ہے تو بس انھیں نمازی اور دیندار حضرت سے ہے۔

شہزادہ مرادبخش

مرادبخش جو شاہجہاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اپنے بڑے بھائیوں سے دانائی اور ہوشمندی میں کم تھا۔ اور صرف خوش خوری اور شکار ہی کا اُس کو زیادہ شوق تھا۔ مگر تاہم وہ سخی اور خلیق بھی تھا اور اکثر یوں شیخی بگھارا کرتا تھا کہ ہمیں بھید اور رازداریوں سے سروکار نہیں ہے وہ سازشوں اور تخلیوں کو حقیر و خوار سمجھتا تھا۔ اور اس بات کا اعلان و اشتہار اُس کو منظور خاطر تھا کہ میں صرف تلوار اور قوتِ بازو پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور فی الواقع مرادبخش شجاعت اور دلیری کا پُتلا تھا۔ اور شجاعت کے ساتھ اگر کسی قدر بیداری اور ہوشیاری بھی اُس میں ہوتی تو غالباً اپنے تینوں بھائیوں پر غالب آتا۔ اور بے خلش ہند کا فرماں روا ہو جاتا۔[1]

---

[1] اورنگ زیب نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی خصلت کی نسبت جو کچھ خود لکھا ہے مناسبت مقام کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہان کی بڑی بیٹی شاہجہان کی بڑی بیٹی بیگم صاحب بے حد حسین اور خوش اندام اور باپ کی نہایت پیاری تھی۔ ایسے غیر طبعی میلان کی افواہ کی نسبت اشارہ کرنا ایک بہت، ناگوار واقعہ ہے کہتے ہیں کہ وہ عذر بے گناہی و برائت جس پر شاہجہان کے دل کو اس معاملہ میں اطمینان ہو گیا۔ ملا اور فقہ کے لوگوں کا وہ جھوٹا فتویٰ[1] تھا جو اس تمہید سے دیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اس درخت کے میوے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ (وجہ سے بطور خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطان محمد معظم کو جو محمد سلطان کی وفات کے بعد اورنگ زیب کے بیٹوں میں سب سے بڑا وہی تھا۔ لکھتا ہے "مہین پور خلافت باوجود سلامت نفس فتح اللہ خاں راچرانا خوش کردید ما درایام پادشاہزادگی با امرا ہم چو سلوک می کردیم کہ ہمہ ماضی بود ند ودر حضور و غیبت بہ خوش دلی تعریف و توصیف ما می کردند بل با وصف اقتدار برادر نامہربان (یعنی داراشکوہ) بعضے ہا رفاقت او کردہ ملازمت ما اختیار کردند چہ جائے کہ با شارہ برادر نامہربان حرکات ناملائم کردہ حرفہائے بے ادبانہ بزبان آوردند بہ تازیانہ اغماض و تحمل تنبیہ شدہ از سر انصاف اقرار بہ صاحب حوصلگی ما کردند تا نقش سرداری و بہادری ما بر لوح خاطر اشرف اقدس اعلیحضرت (یعنی شاہجہان) مرتسم گشت و کارہائے درست بستہ بزور بازوئے ایں مرد ضعیف صورت گرفت

ایک دوسرے رقعہ میں سلطان محمد اعظم کو لکھتا ہے "فرزند عالی جاہ روزے اعلیحضرت در خلوت بداراشکوہ ارشاد نمودند کہ در حق امرائے بادشاہی کج خلق و بدگمان نباشد و ہمہ را مشمول عواطف و الطاف دارد و عرض غرض آمیز سخن سازان در حق ایں جماعت نشود کہ ایں حرف وقتے بکار خواہد آمد از بسکہ دل می سوزد حرف ناگفتنی می گویم نفاق با مردم کار ضائع کاریست" (پھر ایک اور رقعہ میں محمد اعظم کو لکھتا ہے" فرزند عالی جاہ ایں نقل زبانی شخصے معتبر بگوش رسیدہ بود در رشتہ تحریر کشیدہ شد کہ بگوش آں فرزند ہم برسد روزے اعلیحضرت علی مردان خاں و سعداللہ خاں را در خلوت خاص طرز اخطہا بخشیدہ از زبان گوہر فشاں فرمودند کہ بعضے اوقات اندیشہ بخاطر راہ می یابد کہ مہین پور خلافت (یعنی داراشکوہ) اگرچہ اسباب شان و شوکت و سامان تجمل و صولت ہمہ دارد لیکن عدوے نیکوان و دوست بدان واقع شدہ بنجاح مراد سیر چشمی وصفے ندارد۔ و مراد بخش مجہول الکیفیت باکل و شرب ساختہ دائم الخمر است مگر فلانی یعنی ایں عاجز فانی ذی عزم و آل اندیش بنظر می آید۔ اغلب کہ متحمل امر خطیر ریاست تواند شد"

(ماخوذ از کتاب کلمات طیبات معروف بہ رقعات عالمگیری) س م ح

[1] یہ افواہ خواہ اصل میں صحیح ہو یا غلط مگر جو لوگ اس ملک کی راہ و رسم سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ ایسے معاملہ میں کوئی بے حیا سے بے حیا شخص بھی ایسا استفتا نہیں کر سکتا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

متمتع ہونا جس کو اس نے خود لگایا ہے جائز اور درست ہے۔ شاہجہاں کو اپنی اس منظور نظر دختر پر بے حد اعتماد تھا اور وہ اُس کی سلامتی کی محافظ اور نگہبان تھی اور یہاں تک احتیاط رکھتی تھی کہ کسی قسم کا کھانا کیوں نہ ہو جب تک خاص اُس کے روبرو تیار نہ ہوتا تھا بادشاہ کے دسترخوان پر نہیں لگایا جاتا تھا۔ پس بیگم صاحب کو امور شاہجہانی میں اس قدر اقتدار و اختیار کا حاصل ہونا اور بادشاہ کے مزاج کی باگ اُس کے ہاتھ میں ہونا اور سلطنت کے بڑے اور اہم معاملات میں اُس کی قدرت اور اختیارات کا ایسا کامل ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں ہے۔

اس شاہزادی نے اپنے کثیر المقدار شاہی جاگیروں اور وظیفوں سے جو اس کے لئے مقرر تھے اور اُن بے بہا پیش کشوں اور نذرانوں سے جو چاروں طرف سے بطور نذر اور شکرانہ اُن بے شمار معاملات کی درستی کے اُس کے پاس آتے تھے جو صرف اُسی کی رائے پر انتظام و انصرام پاتے تھے بہت کچھ دولت جمع کی تھی[1]۔ یہاں تک کہ اُس کے بھائی داراشکوہ کے معاملات کی کامیابی اور سرسبزی بھی اُسی کے وسیلے سے تھی اور بادشاہ کی مہربانی اور نظر عنایت صرف اسی وجہ سے اُس کو حاصل تھی کہ بیگم صاحب نہایت مستعدی اور سرگرمی سے اُس کی حمایت کرتی تھی اور خود کو علانیہ اُس کا طرف دار ظاہر کرتی تھی اُدھر داراشکوہ کے دل پر بھی بیگم صاحب کی رفاقت اور امداد کا نقش بخوبی جم گیا تھا چنانچہ اکثر لوگ یہ خیال کیا کرتے تھے کہ اس کے عوض میں اُس نے بیگم صاحب سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اپنی تخت نشینی کے وقت میں آپ کو نکاح کر لینے کی اجازت دے دوں گا۔ داراشکوہ کا یہ وعدہ سلاطین ہندوستان کے آئین کے برخلاف تھا جس کی رو سے شاہزادیوں کی شادی بالکل ممنوع[2] ہے۔ اس ممانعت کی وجہ اول تو یہ ہے کہ

---

[1] بیگم صاحب کا یہ بے حد اقتدار و اختیار اور اُس کا شاہجہاں کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ عزیز ہونا اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں سے بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی نہایت بڑی آمدنی کی جاگیر ہی سے دو اٹھ لاکھ روپیہ سال تھی یہ بات بخوبی ثابت ہے۔ س م ح

[2] شاہزادیوں کا ممنوع ہونا تو صحیح نہیں ہے کیونکہ اسی خاندان کی کئی شاہزادیوں کی شادی کا اس خاندان کے بعض شاہزادوں اور بعض شائع زادوں کے ساتھ ہونا اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں میں مشروحاً درج ہے۔ مگر ہاں اکثر یہ عادت بھی تھی جو مصنف نے بیان کی ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئی شخص بادشاہی خاندان کے رشتہ اور قرابت کے لایق نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری یہ کہ یہ کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں شاہزادی کا شوہر اس تقریب سے اقتدار پاکر تاج و تخت کی جستجو اور حرص نہ کرنے لگ جائے۔

میں اس جگہ دو داستانیں جو اس شاہزادی کی عشق بازی سے متعلق ہیں بیان کرنی چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ کوئی شخص میری نسبت یہ گمان نہ کرے گا کہ میں نے ان مضامین کو افسانہ طرازی اور اعجوبہ نگاری کے شوق میں بیان کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں کارآمد ہیں۔ اور میرا خاص مدعا اور مطلب یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کے صحیح اور درست حالات بیان کروں۔

عشق و محبت کے واقعات اگرچہ ہر ملک میں مذموم اور جرم ہیں مگر جس شدت سے ممالکِ ایشیا میں خطرناک ہیں اس قدر فرنگستان میں نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک فرانس میں ایسی حرکتوں کے تذکرے اگرچہ چند روز کے لئے لوگوں کی ہنسی اور خوش طبعی کا ذریعہ رہتے ہیں جس کو تھوڑے عرصہ میں سب بھول جاتے ہیں۔ لیکن مشرقی ملکوں میں ایسی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں کہ جن میں عشقیہ تعلقات سے بدانجام واقعات اور نہایت ہیبت ناک مصائب اور حرکات سرزد نہ ہوتی ہوں۔

بیگم صاحب کا پہلا معاشقہ کہتے ہیں کہ بیگم صاحب اگرچہ محل سرا میں حسب معمول محصور رہتی تھی۔ اور محل کی اور مستورات کی طرح اس کی بھی نگہبانی ہوتی تھی۔ مگر کسی مخفی طور سے اس کے پاس ایک نوجوان شخص کی آمد و رفت ہوگئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر حسین بہت تھا۔ لیکن ظاہر ہے اس بات کا سہیلیوں اور محافظوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا۔ اور جب کہ عورتیں بیگم صاحب کے رشک و حسد سے پہلے ہی جل رہی تھیں تو محل کی اکثر خواصوں پر اس بھید کا کھلنا لازمی تھا۔ الغرض شاہجہاں بھی بیگم صاحب کی خطا و لغزش سے واقف ہوگیا۔ اور حقیقتِ حال معلوم کرنے کے خیال سے ناگہاں محل میں چلا گیا۔ چونکہ بادشاہ کے آنے کی خبر بیگم صاحب کو جلدی نہ مل سکی کہ وہ اس شخص کو کسی مناسب جگہ چھپا دیتی اس لئے مجبوراً اسے اپنے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپانا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پڑا۔ اس واردات پر بادشاہ کے چہرہ سے نہ تو کچھ تعجب ہی کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناخوشی ہی معلوم ہوئی بلکہ بیٹی سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کسی قدر بات چیت کے بعد کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے آج حسب معمول غسل نہیں کیا: حمام کرنا چاہیے اور خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دیگ کے نیچے آگ جلائیں۔ اور جب تک کہ انھوں نے اُسے یہ یقین نہ دلا دیا کہ وہ قسمت کا مارا بدنصیب جل کر خاک ہو گیا ہے وہاں سے نہ ہلا۔

بیگم صاحب کا دوسرا معاشقہ چند مدت بعد بیگم صاحب نے ایک اور مشغلہ پیدا کیا۔ جس کا نتیجہ اور انجام بھی ایسا ہی دردناک ظہور میں آیا یعنی آپ نے اپنی خانسامانی کے عہدہ کے واسطے ناظر خاں[1] یا نذیر خاں نامی ایک ایرانی نوجوان کو جو مشہور و معروف صاحب جمال اور نہایت قابل و دانشمند اور بے حد شجاع و صاحب حوصلہ امیر تھا۔ اور جس کو تمام اہل دربار عزیز رکھتے تھے پسند فرمایا۔ چونکہ اورنگ زیب کا ماموں شائستہ خاں بھی اس کو بہت اچھا اور معقول شخص سمجھتا تھا اس لئے اُس نے جان پر کھیل کر بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ شخص اس قابل ہے کہ بیگم صاحب کا عقد اس سے کیا جائے۔ مگر شایستہ خاں کی اس تجویز کو شاہجہاں نے نہایت ناشائستہ اور ناپسندیدہ سمجھا اور چونکہ وہ پہلے ہی سے کسی قدر کھٹکا ہوا تھا کہ اس کے اور شاہزادی کے درمیان کسی قسم کا ناجائز تعلق ہے اس سے اُس کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ اور یہ سنتے ہی بادشاہ نے اُس بے چارے نوجوان کو اس دنیا سے چلتا کرنے کے لئے کسی بڑی تدبیر یا زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہ سمجھی اور فوراً اظہار مہربانی کے طور پر دربار عام میں اپنے ہاتھ سے ایک پان کا بیڑہ اس صاف باطن جوان کو جس کے دل میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ تھا عنایت کیا۔ چونکہ اس سلطنت میں یہ رسم ایک نہایت اعزاز و امتیاز کی علامت ہے۔ اس لئے وہ اس پان کو لے کر دستور کے موافق چبانے لگا۔ اور کم بخت نے ذرا بھی خیال نہ کیا کہ مجھے اس منحوس مکھ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے زہر دیدیا ہے۔ بلکہ اس خیال باطل میں کہ غالباً اب بادشاہ کی نظر الطاف سے

---

[1] انگریزی رسم الخط میں ناظر خاں اور نذیر خاں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے مگر غالباً نذیر خاں صحیح ہوگا کیونکہ ناظر خاں محاورے کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ من مرتب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے لئے روز افزوں ترقیاں ہونے والی ہیں مسرور و محظوظ دربار سے رخصت ہو کر اپنی پالکی میں سوار ہوا۔ مگر زہر کی تیزی اور سرعت اس درجہ تھی کہ وہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی دوسرے گھر پہنچ گیا۔

ہندوستان کے لوگ پان میں ایک چیز کے کچھ باریک اور نازک سے ورق اور تھوڑا سا چونہ جو کوڑیوں سے بنتا ہے اور کچھ اور مصالحہ ملایا کرتے ہیں۔ اور پان کھانے سے منہ معطر اور خوشبودار اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔

روشن آرا بیگم شاہجہاں کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم اگرچہ بہن سے حسن و جمال میں کم اور خوش فہمی میں بھی کچھ ایسی مشہور نہ تھی۔ مگر باوجود اس کے وہی زندہ دلی اس کے مزاج میں بھی موجود اور ویسی ہی عیش پسند تھی اور جس قدر بیگم صاحب دارا شکوہ کی طرف دار تھی ——— اتنی ہی یہ اورنگ زیب کی مخلص جانب دار اور اُن دونوں کی علانیہ دشمن تھی۔ اور یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس نہ تو اُتنی دولت ہی تھی اور نہ امور سلطنت ہی میں اُس قدر اختیار اور دخل تھا۔ مگر پھر بھی چونکہ محل میں بود و باش کی شریک اور فن فریب میں کامل تھی جاسوسوں کی معرفت کام کی باتیں اور ضروری خبریں اورنگ زیب کے پاس پہنچاتی رہتی تھی۔

شہزادوں کا دور دراز صوبوں پر تقرر لڑائی سے چند سال پہلے شاہجہاں کا دل اپنے مفسد مزاج بیٹوں کی طرف سے خوف اور اضطراب میں تھا۔ اور اگرچہ وہ چاروں عاقل و بالغ اور صاحب اہل و عیال تھے۔ لیکن برادرانہ سلوک اور ایسے مضبوط رشتہ کی رعایت کو بالائے طاق رکھکر سلطنت کی ہوس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو رہے تھے یہاں تک کہ دربار میں اُن کے طرف داروں کے بھی جدا جدا دھڑے بندھ گئے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر بادشاہ جو اپنی سلامتی ہی کے لئے لرزتا کانپتا رہتا تھا جب ان کی ایسی ناگوار حرکتیں مشاہدہ کرتا (جن کے خمیازے آخر کار اُس کو خود اٹھانے پڑے) تو خود کو ایک عجیب طرح کے عذاب میں گرفتار سمجھکر نہایت آرزو کے ساتھ یہ چاہتا تھا کہ اِن کو گوالیار کے قلعہ میں جو بڑا مضبوط اور مستحکم اور ایک بلند اور کڑے چٹان دار پہاڑی پر بنا ہوا ہے۔ اور جس کا فتح کرنا مشکل ہے۔ اور جس میں بادشاہی خاندان کے سلاطین وغیرہ اکثر مقید اور نظر بند رہا کرتے ہیں قید کر دے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن اُس نے سوچ سمجھ کر آخرکار اپنے دل میں اس بات کو مان لیا تھا کہ حقیقت میں یہ اب ایسے زبردست ہوگئے ہیں کہ اُن سے اس قسم کا سلوک کرنا ایک سرسری امر نہیں رہا اُس کو اِن کی طرف سے رات دن یہی تردد اور تفکر لاحق رہتا تھا۔ کہ اگر یہ باہم بھڑ گئے تو اپنے لئے علیحدہ علیحدہ مستقل سلطنتیں قائم کرلیں گے یا پائے تخت کو میدانِ جنگ بنا کر خلق خدا کی خوں ریزی اور قتل و غارت کے بعد اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ اُس نے اِن پیش آنے والی آفتوں اور قضیوں سے بچنے کے لئے یہ تجویز نکالی کہ چاروں کو چار دور دراز صوبوں کی حکومتیں دے کر الگ الگ کر دیا جائے پس سلطان شجاع کو بنگالہ۔ اورنگ زیب کو دکن۔ مراد بخش کو گجرات۔ اور داراشکوہ کو ملتان اور کابل کا حاکم مقرر کیا[1]

داراشکوہ کے سوا یہ سب شاہزادے بلاتوقف اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے۔ مگر وہاں پہنچتے ہی اپنی مفسد طبیعتوں کے بخار نکالنے لگے۔ اور خودسر بادشاہوں کی سی حکمرانیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ ملک کی آمدنی اپنے ذاتی امور میں صرف کرنے لگے۔ اور ہر ایک نے بڑی بڑی مہیب فوجیں اس بہانہ سے بھرتی کرلیں کہ پائے تخت کی کمک اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور حدود و ممالک غیر پر رعب و داب کے لئے اُس کی ضرورت ہے۔

داراشکوہ دارالسلطنت میں

لیکن داراشکوہ نے جو سب سے بڑا اور اسی وجہ سے تخت نشینی[2] کا متوقع تھا پائے تخت کو نہ چھوڑا اور

---

[1] میر عسکری المخاطب بہ عاقل خاں جو اورنگ زیب کے مشہور امیروں میں سے تھا لکھتا ہے کہ ۱۰۶۲ھ میں جب کہ شاہجہاں کابل میں مقیم تھا اُس نے دور اندیشی کی راہ سے ان شاہزادوں کو اُن کے نامزد کئے ہوئے صوبوں کو رخصت کیا اور کابل سے چل کر جب شجاع اور اورنگ زیب آگرہ میں پہنچے تو داراشکوہ کے ضرر سے بچنے کے لئے آپس میں بڑے بڑے مستحکم عہد و پیمان کئے اور کہا کہ اگر ہم باہم ملے رہیں تو داراشکوہ کے شر سے جو ہمارے خون کا پیاسا ہے بچے رہیں گے اور اس معاہدے کے مزید استحکام کے لئے شجاع نے اپنی بیٹی اورنگ زیب کے بیٹے محمد سلطان سے منسوب کی اور اورنگ زیب نے اپنی لڑکی کا رشتہ شجاع کے بیٹے سلطان زین العابدین سے کیا۔ س م ح

[2] فارسی زبان کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں نے داراشکوہ کو حقیقتاً اپنا ولیعہد مقرر کر کے شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا تھا۔ اور صاحب سیر المتاخرین نے بضمن وقائع ۱۰۶۷ھ لکھا ہے کہ آخر میں اس کے سالانہ مواجب دو کروڑ ساڑھے سات لاکھ روپیہ مقرر ہو گیا تھا۔ یعنی تینتیس کروڑ دام۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہاں نے بھی اُس کو احکام شاہی کے اجرا کے اختیارات سپرد کر دیئے تھے اور یہ بھی اجازت دیدی تھی کہ ایک چھوٹے تخت پر جو بادشاہی تخت سے نیچا ہو خود بادشاہ کے سامنے دربار میں جلوس کیا کرے۔

ایک ہی وقت میں دو مساوی الاختیار فرماں روا دربار میں جلوہ گر نظر آنے لگے۔ ان باتوں سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ ہی دارا شکوہ کی امیدوں کی تائید کرتا تھا۔ لیکن اس بات کے باور کر لینے کی معقول وجہ موجود ہے کہ اگرچہ دارا شکوہ باپ کے ساتھ ادب و محبت کے طریقوں سے پیش آتا تھا۔ مگر شاہجہاں ریاکاری اور دورنگی برتتا تھا۔ اور اس کہن سال بادشاہ کو برابر یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں مجھ کو زہر نہ دیدیا جائے۔ اور ظن غالب ہے کہ بادشاہ کی پوشیدہ خط و کتابت اورنگ زیب سے جاری رہتی تھی جس کی نسبت اُس کو ہمیشہ یہ اعتماد تھا کہ سلطنت اور ملک داری کے لئے یہ لڑکا بہت لایق و فایق ہے۔

اس کتاب کے اُن مطالب کی توضیح و تشریح کے لئے جن کا ذکر آئندہ آنے والا ہے بطور تمہید شاہجہاں اور اُس کے بیٹوں کی باہمی حالت اور اسی طرح اُس کی دونوں بیٹیوں کا بھی کچھ کچھ حال درج کر دینا ضروری تھا۔ کیونکہ یہ بھی ان دردناک واقعات میں بڑی حصہ دار تھیں۔ واضح رہے کہ ہندوستان اور قسطنطنیہ اور اور ایشیائی ملکوں میں بڑی بڑی سنگین اور اہم وارداتیں اکثر عورتوں کے اختیار و اقتدار کے باعث سرزد ہوتی رہی ہیں۔ اور اکثر لوگ اُن کے وقوع کے اصل اسباب سے ناواقف ہوتے ہیں اور اُن کا باعث بعض اور باتوں کو سمجھ لیا کرتے ہیں۔

میر جملہ

اب شاہجہاں کے بیٹوں کے جنگ و جدال کے واقعات لکھنے سے پہلے اگر اسی طرح کچھ حالات اورنگ اور شاہ گولکنڈہ اور اُس کے وزیر میر جملہ کے بھی مجمل طور پر لکھ دیئے جائیں تو امید ہے کہ ناظرین کو مطالب کتاب کے سمجھنے میں زیادہ آسانی اور غالباً اُس شخص کی چالاکیوں اور فیلسوفیوں کی نسبت جو اس تمام تاریخی کارنامہ کا رستم اور ہندوستان کا آئندہ بادشاہ ہے ایک بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

میر جملہ نے جن تدبیروں اور حکمتوں سے شاہجہاں کے فرزند ثالث کے اقتدار اور سلطنت کی بنیاد قائم کی اُس کی تفصیل یہ ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جس وقت اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری سپرد کی گئی تھی میر جملہ[1] شاہ گولکنڈہ کا وزیر اور اُس کی تمام فوج کا سپہ سالار اور تمام ہندوستان میں ایک مشہور و معروف شخص تھا اور اگرچہ خاندانی اور پشتینی امیر نہ تھا۔ لیکن نہایت ہی قابل اور لائق انسان تھا اور جیسا کہ سپاہ گری میں کامل تھا ویسا ہی معاملات تجارت کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی دولت جو بہت زیادہ تھی صرف گولکنڈا کی متمول سلطنت کی وزارت کے وسیلہ سے نہیں بلکہ اپنی وسیع تجارت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں جاری تھی اور ہیروں کی کانوں کے ٹھیکوں سے۔ جو اور شخصوں کے ناموں سے لے رکھے تھے حاصل کی تھی۔ ان کانوں کی کھدائی اَن تھک محنت اور سرگرمی سے جاری رہتی تھی اور ہیروں کی برآمد اس کثرت سے تھی کہ اُس کے ہاں یہ قاعدہ اور معمول تھا اُن کا شمار نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہیروں سے بھری ہوئی ٹاٹ کی تھیلیوں کو گنوا لیا جاتا تھا۔[2]

---

[1] اصل کتاب کے حاشیہ اور بعض فارسی زبان کی تاریخوں میں اس نامور شخص کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ قوم کا سید اور ایران کا باشندہ تھا اور اردستان میں جو نواح اصفہان میں ہے پیدا ہوا تھا۔ اس کے والدین اگرچہ خاندانی تھے مگر بہت ہی غریب تھے بہرحال اُس نے کسی طرح کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور ایک جوہری کے پاس جو تجارت کے لئے اکثر گول کنڈا کو آیا کرتا تھا گماشتہ بن گیا۔ بعض کا تو یہ قول ہے کہ نوکری چھوڑ کر گولکنڈا کی سلطنت میں بطور خود تجارت کرنے لگ گیا تھا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ وہ سوداگر اپنی وفات کے وقت اپنا سب مال و دولت اسی کو دے گیا تھا۔ خواہ کوئی صورت ہو یہ نوجوان بہرحال اسی تجارت کے ذریعہ نہایت مالدار ہو گیا اور کچھ روپیہ خرچ کر کے سلاطین قطب شاہی کے دربار میں جو ملک تلنگانہ اور گولکنڈہ کے بڑے حصہ کے بادشاہ تھے ایک عہدہ حاصل کر لیا۔ اور اس عہدہ کے فرائض ایسی خوبی سے انجام دیئے کہ بادشاہ نے نہایت خوش ہو کر ترقی منصب تلنگانہ پر مامور فوج کا اُس کو اعلیٰ افسر مقرر کر دیا اور آخر کار سلطان عبداللہ قطب شاہ والی گولکنڈا کا وزیر مقرر ہوا اور میر جملہ یعنی سردار کل کا خطاب پایا۔ س۔م۔ح

[2] مترجم انگریزی نے اس موقعہ پر بطور حاشیہ یہ لکھا ہے کہ "ہیرے زیادہ تر سلطنت گولکنڈا بیجاپور بنگالہ اور جزیرہ بورنیو میں دستیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک کان تو راول کنڈا میں ہے جو گول کنڈا سے پانچ منزل پر ہے۔ دوسری گانتی میں جسے گولور بھی کہتے ہیں گول کنڈا سے مشرق کی طرف سات منزل پر ہے۔ بنگالہ میں قصبہ سلیم پور کے نزدیک جو گوبل نامی ایک ندی ہے اُس کے ریت میں سے بھی ہیرے نکلتے ہیں اور اس لئے سلیم پور کی جگہ اس کان کو گوبل والی کہنا زیادہ مناسب ہے اور جزیرہ بورنیو میں سکاون ندی میں سے ہیرے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ صرف اپنے بادشاہ کی فوج ہی کا سپہ سالار نہ تھا بلکہ خاص اپنے خرچ سے اپنی جرار فوج معہ ایک توپ خانہ کے جس میں اکثر عیسائی لوگ ملازم تھے ہمیشہ تیار رکھتا تھا تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اُس کا رعب و داب اور اختیار و اقتدار کس قدر بڑھا ہوا ہوگا۔ اور یہاں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ اس نے ملک کرناٹک کی فتح کا بہانہ بنا کر وہاں کے ہندوؤں کے تمام مندروں اور قدیمی عبادت خانوں کو لوٹ لیا تھا۔ اور اس طرح اپنی دولت و حشمت بے قیاس حد کو پہنچا لی تھی۔

بادشاہ گولکنڈا سے میر جملہ کی مخالفت

میر جملہ کی اس طاقت و شوکت کو دیکھکر شاہ گول کنڈا کے دل میں رشک و حسد کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ چنانچہ اُس نے بڑی سرگرمی سے لیکن نہایت خفیہ اور پوشیدہ طور پر اُس کے قتل کرانے یا اپنے ہاں سے نکال دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔ کیونکہ بجائے ایک مطیع نوکر کے وہ اب اس کو ایک خطرناک رقیب سمجھنے لگا تھا۔ اور وزیر کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۔ نکلتے ہیں اور اب سے ایک سو برس پہلے تک بجز ہندوستان یا اُس کے جزیروں کے اور کسی جگہ ہیرے کی کان معلوم نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ایک کان ۱۸۲۸ء میں ملک برازیل میں جو جنوبی امریکہ میں ہے دریافت ہوئی ہے۔" اب اس زمانہ میں بندیل کھنڈ کی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سوا ہندوستان میں ہیرے کسی جگہ برآمد نہیں ہوتے۔ اور وہاں بھی بہت کم اور بہت چھوٹے چھوٹے نکلتے ہیں اور غیر ملکوں کا یہ حال ہے کہ افریقہ کے ایک حصہ یعنی کیپ آف گڈ ھوپ میں بھی چند سال سے ہیرے نکلنے لگے ہیں اور بڑے بڑے اور بہت کثرت سے نکلتے ہیں۔ مگر رنگت اکثر زردی مائل ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی پرانی کانوں کے سفید ہیروں کے برابر خوشنما اور بیش قیمت نہیں سمجھے جاتے اور تراشنے میں بھی ویسے سخت نہیں ہیں۔ اور اگرچہ فن طب کی خواص ادویات کی عربی اور فارسی زبان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جزیرہ قبرص (سائپرس) اور مقدونیہ میں بھی ہیرا نکلتا تھا۔ مگر مسٹر ایڈون سٹیرس بیش بہا کتاب سے جو خاص جواہرات کے باب میں بہت عمدہ اور حکیمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہیرا ہندوستان اور اس کے قریب کے جزائر سماٹرا اور بورنیو اور ملک برازیل واقع جنوبی افریقہ اور جزیرہ اسٹریلیا کے کوہستان بورال ہی میں نکلتا ہے۔ اور بقول ان کے صرف سفید اور زرد ہی نہیں ہوتا بلکہ سبز اور نیلا اور سرخی مائل اور داغ دار اور لوہے کے رنگ کا بھورا اور شفاف اور غیر شفاف دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ س م ع

ق ب رس - اے ڈون س ٹ دے ٹ رس م اٹ را - ی ورال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خیر خواہ اور جاں نثار لوگوں کی وجہ سے جو اُس کے گرد و پیش موجود رہتے تھے اپنے اس ارادہ کو احتیاطاً بہت مخفی رکھتا تھا۔ لیکن ایک موقعہ پر جب کہ پہلی دفعہ اُس کو یہ خبر ملی کہ میر جملہ اور اُس کی والدہ کے درمیان[1] صاحب حسن و جمال تھی ایک نامناسب تعلق ہے وہ عداوت جو اُس کے دل میں پہلے سے تھی پوشیدہ نہ رہ سکی اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اس زبردست مجرم سے اس حرکت کا انتقام لینا ضروری ہے۔ میر جملہ اگرچہ اس وقت کرناٹک میں تھا لیکن اس سبب سے کہ دربار کے سب بڑے بڑے عہدہ دار اس کے رشتہ دار تھے۔ اس خطرناک واقعہ کی اس کو بہت جلد خبر پہنچ گئی اس لئے اس چالاک اور حیلہ ساز وزیر نے پہلے تو یہ کام کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے محمد امیر خاں[2] کو جو بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا اس مضمون کا خط لکھا کہ جس حیلہ اور بہانہ سے ممکن ہو اس مہم میں اپنے شریک ہونے کی ضرورت شدید ظاہر کرکے فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ اور جب بادشاہ کی سخت نگرانی کی وجہ سے اُس کے وہاں سے بچ کر نکل آنے سے مایوس ہو گیا تو فوراً ہی اُس کے بے باک ذہن نے وہ تدبیر اختیار کی جس نے شاہ گول کنڈا کو بربادی اور تباہی کے کنارے پہنچا دیا۔ عقلمندوں نے سچ کہا ہے کہ "جو بادشاہ اپنے بھید اور مشورے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا وہ اپنی سلطنت کو نہیں بچا سکتا۔"

میر جملہ اور اورنگ زیب کا گٹھ جوڑ میر جملہ نے اورنگ زیب کو جو دولت[3] آباد میں تھا۔ اس مضمون کا عریضہ لکھا۔ کہ "میں نے بادشاہ

---

[1] یہ بات ہندوستان کی کسی فارسی زبان کی تاریخ میں راقم کی نظر سے نہیں گذری۔ س۔م۔ح

[2] صحیح نام محمد امین خان ہے اس لئے آئندہ اس ترجمہ میں اس کو اسی نام سے لکھا جائے گا۔ س م ح

[3] اس کا قدیم نام دیوگڈھ تھا جس کو غلطی سے اکثر مسلمان مصنفوں نے دیوگیر لکھا ہے۔ چنانچہ بدر چاچ جو محمد شاہ تغلق کے دربار کا ایک مشہور شاعر تھا اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے شعر "تو دیوگیر مخوانش کہ دولت آباد ست کہ چار طاق دراد ہست ہشت باب جناں" اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ راجہ بھوج کے زمانہ میں اس کا نام دھارا نگری تھا۔ بہرحال محمد شاہ تغلق نے جو ۷۲۹ھ میں ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تھا) جب اس کو ہندوؤں سے فتح کیا تو دولت آباد نام رکھدیا جس کے قریب گوداوری کے کنارے اورنگ زیب نے اپنی حکومت دکن کے زمانہ میں اورنگ آباد بسایا جو خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے نام سے سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں اگرچہ دولت آباد کی نمود باقی ہے مگر حاکم جانشین کا مقام اورنگ آباد ہی ہے۔ جہاں ریاست حیدرآباد کی طرف سے ایک حاکم صدر تعلقہ دار کے لقب سے رہتا ہے۔ س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گول کنڈا کی جو جو خدمات انجام دی ہیں ان کو سارا زمانہ جانتا ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ میرا ممنون ہوتا میری اور میرے خاندان کی بربادی اور بیخ کنی کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اس لئے میں آپ کی پناہ لینا اور آپ کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ اور اس درخواست کی قبولیت کے شکرانہ میں کہ جس کی پذیرائی کی آپ کی جانب سے کامل اُمید ہے ایک منصوبہ پیش کرتا ہوں کہ جس کے ذریعہ سے آپ بآسانی اس بادشاہ کو گرفتار کر کے اُس کے ملک پر قبضہ کر سکیں گے۔ آپ میرے اس وعدہ کی سچائی پر اعتبار اور بھروسہ فرمائیں۔ اور یہ مہم انشاء اللہ نہ تو کچھ مشکل ہی ہوگی اور نہ کچھ خطرناک ہی۔ آپ پانچ چار ہزار چیدہ سواروں کے ساتھ بہت جلد اور بلا توقف کوچ کرتے ہوئے گول کنڈا کی طرف چلے آئیں جس میں صرف سولہ دن لگیں گے۔ اور یہ مشہور کر دیں کہ شاہجہاں کا سفیر شاہِ گول کنڈا سے بعض ضروری معاملات میں گفتگو کرنے کے لئے بھاگ نگر[1] جاتا ہے اور یہ فوج اُس کی اردلی میں ہے۔ اور چونکہ "دبیر" جس کے توسط سے ہمیشہ ایسے اُمور کی اطلاع بادشاہ کو ہوا کرتی ہے۔ میرا قریبی رشتہ دار ہے اور اُس پر مجھے کامل بھروسہ ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایسا حکم جاری ہو جائے گا کہ جس کی وجہ سے کوئی شرک و شبہ پیدا ہوئے بغیر آپ بھاگ نگر کے دروازہ پر پہنچ جائیں گے اور گول کنڈا والے آپ کو سفیر کے سوا کوئی اور شخص نہ سمجھیں گے۔ پس جب بادشاہ معمول کے مطابق شاہی فرمان کے استقبال کے لئے سفیر کے پاس آئے۔ تو آپ اُس کو بآسانی پکڑ کر جو کچھ مناسب جانیں اُس کی نسبت تجویز کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مہم کا کل خرچہ میں آپ کو دوں گا اور

---

[1] صاحب تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے جس کے ہاں ایک ہزار کسبیاں ناچنے گانے کے لئے نوکر تھیں نو سو پچاس ہجری سے کچھ پہلے اپنی معشوقہ بھاگ متی کے نام پر جو انھیں میں سے ایک پاتر یعنی ہندو کسبی تھی۔ بھاگ نگر آباد کیا تھا۔ لیکن پھر کچھ پشیمان ہو کر یہ نام بدل دیا اور حیدر آباد نام رکھدیا" مگر اب ہمارے اس زمانہ میں وہ پہلا نام بالکل محو ہو گیا ہے۔ اور صرف حیدر آباد ہی مشہور ہے اور گول کنڈا کا قلعہ بھی اب تک قائم ہے اور دونوں ریاست حیدر آباد دکن کے قبضہ میں ہیں جو اس وقت ہندوستانی ریاستوں میں سب سے بڑی اور سلطنت مغلیہ کے طرز نظم و نسق اور طور و طریق کا گویا ایک نمونہ ہے اور جس کا رقبہ بموجب بیان مسٹر ٹالبائے ویلیہ صاحب مولفہ تاریخ جلسۂ قیصری واقع دہلی تقریباً اٹھانوے ہزار میل مربع اور آبادی تقریباً دو کروڑ اور آمدنی تین کروڑ اکتیس لاکھ ہے اور جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد سے نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر صوبہ دار دکن کی اولاد کے قبضہ میں چلی آتی ہے۔

س ا م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس کے اختتام تک پچاس ہزار روپیہ روز دیتا رہوں گا۔"

اورنگ زیب کی گولکنڈہ روانگی

اورنگ زیب جو ہمیشہ ایسے ہی منصوبوں میں لگا رہتا تھا میر جملہ کی استدعا کے موافق فوراً تیاری کر کے گول کنڈا کی طرف چل کھڑا ہوا اور ایسی ہوشیاری سے اس تدبیر کو بجالایا کہ بھاگ نگر پہنچ گیا اور کسی نے نہ جانا کہ یہ زبردست فوج سفیر کی ہم رکابی کے سوا کسی اور مقصد سے آئی ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ اس دستور کے موافق جو ایسے سفیروں کی آمد سے متعلق مقرر تھا اس مصنوعی ایلچی کی ملاقات کے واسطے اپنے باغ سے سوار ہو کر روانہ ہوا۔ مگر وہ جب بغیر کسی وسوسے کے اپنے دغاباز دشمن کی طرف جا رہا تھا اور قریب تھا کہ اس تدبیر کے بموجب جو پہلے سے گانٹھی ہوئی تھی اس کو دس بارہ غلام گرفتار کر لیں اور اورنگ زیب کا منصوبہ چل جائے اس کی خوش قسمتی سے ایک امیر نے جو اس راز سے واقف اور اس میں شریک تھا ناگہاں پشیمانی اور ترحم کی وجہ سے چلا کر کہہ دیا کہ "جہاں پناہ جھٹ پٹ نکل جایئے ورنہ آپ پھنس جائیں گے یہ اورنگ زیب ہے ایلچی نہیں" اس موقعہ پر بادشاہ کو جو حیرانی اور پریشانی لاحق ہوئی اس کا کیا کہنا، پس وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بگٹٹ قلعہ گولکنڈا کی طرف جو اس کی معمولی قیام گاہ بھاگ نگر سے صرف ایک فرسنگ کے قریب تھا بھاگا اور اس میں جا داخل ہوا۔[1]

---

[1] عاقل خاں نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ جب میر جملہ نے اپنے آقا کو ناراض دیکھا تو اورنگ زیب سے مدد چاہی۔ اس نے شاہجہاں کو اطلاع دی وہاں سے فرمان صادر ہوا کہ جس طرح ہو سکے اس کو عبداللہ قطب شاہ کے ہاتھ سے بچا کر ہمارے پاس بھیج دو۔ اس حکم کے آنے پر اورنگ زیب نے اس مضمون کا ایک نشان (اس وقت کی اصطلاح میں بادشاہوں کی تحریر کو "فرمان" اور شاہزادوں کی تحریر کو "نشان" کہتے تھے) قطب شاہ کے نام لکھا کہ محمد سلطان اپنے چچا شجاع کے پاس اڑیسہ کی راہ سے بنگالہ کو جانا چاہتا ہے (کیونکہ بقول الفنسٹن صاحب راستہ کی صورت یہ تھی کہ اورنگ آباد سے بنگالہ کو مچھلی پٹن کے پاس اس طرح چکر کھا کر جاتا تھا کہ گونڈوانہ کے جنگل بیچ میں نہ پڑیں حاصل یہ کہ اورنگ زیب کی راہ گولی کنڈا کے دارالسلطنت بھاگ نگر سے تھوڑے فاصلہ پر رہ جاتی تھی) آپ خاطرداری سے اپنے ملک سے گذر کرا دیں اب اُدھر وہ بیچارہ تو اس پیغام کو واقعی سمجھکر مہمان داری اور خاطر تواضع کی تیاری میں مصروف ہوا اور ادھر محمد سلطان لڑائی کے ساز و سامان سے خوب درست ہو کر کوچ بہ کوچ روانہ ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے خود حضرت بھی چل کھڑے ہوئے اور قطب الملک کو اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گولکنڈے کا محاصرہ

اورنگ زیب اگرچہ اپنے شکار سے ناامید ہو گیا۔ لیکن اُس نے خیال کیا کہ اب ڈرنے کا موقعہ نہیں ہے بلا خوف و خطر اس کی گرفتاری کے واسطے کوشش اور تدبیر جاری رکھنی چاہیئے۔ پس سب سے پہلے یہ کام کیا کہ بھاگ نگر کے تمام شاہی محلوں کو لوٹ لیا۔ اور کل قیمتی اور بیش بہا اجناس و اسباب پر قبضہ کر لیا۔[1] لیکن محل کی عورتوں کو مشرقی بادشاہوں کے دستور کے مطابق

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵۔ فریب کی اُس وقت خبر ہوئی کہ جب محمد سلطان بھاگ نگر کے بہت قریب جا پہنچا اور وہ تباہ سراسیمگی اور اضطراب کی حالت میں بقدر گنجائش وقت جو کچھ جواہرات اور عمدہ چیزیں ساتھ لے سکا لے کر گرتا پڑتا قلعہ حیدرآباد یعنی گول کنڈا میں جا داخل ہوا۔ اور یہ مصیبت ایسی ناگہانی تھی کہ مارے گھبراہٹ کے اُس کی بیگمیں بیچاری پاپیادہ بلکہ ننگے سر اور ننگے پاؤں بھاگ کر قلعہ میں پہنچیں۔ اور محمد سلطان نے آکر بھاگ نگر پر قبضہ کر لیا اور بعض مورخوں نے صرف اتنا ہی لکھدیا ہے کہ پہلے قاضی عارف کشمیری کو اورنگ زیب نے قطب شاہ کے پاس میر جملہ کے باعزت و آبرو رخصت کر دینے کے لئے معہ فرمان شاہی بھیجا تھا ابھی وہ پہنچے نہیں پایا تھا کہ قطب شاہ نے میر جملہ کے بیٹے محمد امین خاں کو قید کر کے اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ اور اس سبب سے شاہجہاں کی طرف سے اُس کے نام ایک اور خفگی آمیز فرمان جاری ہوا اور اورنگ زیب کے نام حکم صادر ہوا کہ اگر قطب شاہ ارشاد شاہی کی تعمیل میں توقف کرے تو اس کو سزا دو اس حکم کے آنے پر اورنگ زیب آگے آگے محمد سلطان کو روانہ کر کے پیچھے سے خود بھی چل پڑا اور چونکہ قطب شاہ کے لوگوں کی طرف سے محمد سلطان کے بھاگ نگر پہنچ جانے کے بعد کچھ "حرکات شوخی" ظہور میں آئی تھیں اسی سبب سے محمد سلطان اور اورنگ زیب نے بھاگ نگر کو تاخت و تاراج کر کے گولکنڈا کو گھیر لیا تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخوں نے اورنگ زیب کی ان دھوکے بازی کی چالوں کا ذکر جن کا حال برنی اکبر اور عاقل خاں نے لکھا ہے واقعتہ چھوڑ دیا ہے۔ س م ح ۱۲

[1] عاقل خاں اس لوٹ کی نسبت یہ لکھتا ہے "کہ شاہزادہ فیروزمند (محمد سلطان) در کمال عظمت و استقلال بہ بھاگ نگر درآمدہ رایت اقتدار برافراشت و اکثر کارخانہ جات و بیوتات قطب الملک عرض نہب و غارت ساخت و کتب نفیسہ و چینی آلات و دیگر اشیا و اجناس افزوں از اندازہ شمار و قیاس بہ سرکار سلطنت رسید و از عقب مندگاں حضرت جہاں پناہی (اورنگ زیب) بدولت و اقبال تشریف آوردہ طنطنہ عظمت و جلال آنحضرت در زمین و زماں پیچیدہ بسیارے از اسباب و آلات غریبہ کہ از تحف روزگار بود از اموال قطب الملک بسرکار عالم مدار ضبط شد۔ کثرت و افزونی ذخائر و اشیا و اسباب و مواد کمنت و ثروت آں دولتمند (قطب الملک) بمرتبہ بود کہ بعد از کوچ فرمودن ہمچنان خانہا و مخزہا مالا مال گذاشتند و اصلا محسوس نمی شد کہ دست کسے بایں خزائن و ذخائر رسیدہ باشد و نقصے دراں راہ یافتہ و حالانکہ ازیں جہت در سرکار سلطنت سامان ثروت و سرانجام کمنت پدید آمد" س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑی حفاظت سے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ اگرچہ توپوں کے نہ ہونے کے سبب سے ناچار تھا۔ مگر تاہم یہی ٹھان لیا کہ قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں بادشاہ کو رسد وغیرہ کے نہ پہنچنے کے سبب سے دیر تک بچاؤ کرنا مشکل ہوگا، لیکن محاصرہ سے دو مہینے بعد شاہجہاں کی طرف سے اس مضمون کا قطعی حکم پہنچا کہ مہم سے ہاتھ اٹھا کر بلا توقف دکن کو لوٹ جاؤ اُس کو بخوبی علم تھا کہ یہ حکم دارا شکوہ اور بیگم صاحب کی تحریک و ترغیب سے صادر ہوا ہے (کیونکہ وہ دور اندیشی اور عاقبت بینی سے اُن کو یہ خیال ہوگیا تھا کہ اگر اورنگ زیب کو بادشاہ گولکنڈا کی نسبت اپنے منصوبوں کے عمل میں لانے کی اجازت مل جائے گی تو وہ بہت زبردست ہو جائے گا) اور اس وجہ سے دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا۔ لیکن نہایت درجہ اطاعت دکھانے کی غرض سے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا مگر محاصرہ اٹھا لینے سے پہلے فوج کشی کے اخراجات کا ایک بڑا معاوضہ اور حرجانہ شاہ گولکنڈا سے وصول کیا اور یہ عہد و پیمان لیا کہ میر جملہ کو اپنے خاندان اور مال و اسباب اور فوج سمیت صحیح سلامت چلے جانے کی اجازت دی جائے اور گولکنڈا کے روپیہ پر شاہجہاں کا سکہ لگا کرے اس کے علاوہ محمد سلطان[1] کی شادی بادشاہ کی بڑی بیٹی سے کرلی۔ اور جبراً یہ وعدہ بھی لیا کہ شاہزادہ موصوف اب سے سلطنت گولکنڈا کا ولی عہد[2] سمجھا جائے گا اور جہیز میں رام گڈھ کا قلعہ بھی معہ اُس کے تمام توابع اور متعلقات کے لے لیا۔

قلعہ بیدر کی فتح اورنگ زیب نے دکن کو واپس جاتے ہوئے میر جملہ کے اتفاق سے جو اُس کی پناہ میں آچکا تھا اول[3] بیدر کے قلعہ کو جو بیجاپور کے ملک میں ایک مستحکم جگہ ہے گھیر کر فتح کر لیا۔ اور پھر دونوں دولت آباد پہنچ کر اتحاد اور محبت کے ساتھ رہنے اور آیندہ شوکت و عظمت کے لئے بڑے بڑے منصوبے باندھنے لگے۔ چنانچہ اِن کے اِس اتفاق کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم اور قابل یادگار واقعہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو شہرت عظمت اور سلطنت جو کچھ حاصل ہوا وہ سب اسی اتفاق کی بدولت تھا۔

---

[1] اصل کتاب میں غلطی سے جابجا اس کو سلطان محمود لکھا ہے اور صحیح نام محمد سلطان ہے۔ س م ح

[2] عاقل خاں اور خافی خاں نے اس شرط اور سکہ جاری کرنے کی شرط کا ذکر نہیں لکھا۔ س م ح

[3] فارسی کتابوں میں اکثر اس قلعہ کا نام بے در (رب بے در) لکھا ہے۔ س م ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دولت آباد پہنچتے ہی میر جملہ نے اپنی حسنِ تدبیر سے ایسے منصوبے تیار کئے کہ شاہجہاں کی طرف سے حاضرِ دربار ہونے کے لئے متواتر پیغام پہنچے اور آخر کار وہ پائے تخت آگرہ میں جا پہنچا۔ اور بادشاہ کے لئے نہایت عجیب و غریب پیش کش اپنے ساتھ لایا۔ کیونکہ اُس کو اُمید تھی کہ اس ذریعہ سے شاہجہاں کو گولکنڈا اور بیجاپور اور پرتگیزوں سے لڑائی شروع کر دینے کی ترغیب دے سکوں گا۔ چنانچہ جب دربار میں حاضر ہوا تو وہ الماس نذر کیا جو مقدار اور خوبصورتی میں عموماً بے نظیر سمجھا جاتا ہے اور گولکنڈا کی فتح کے بہت سے فوائد بیان کئے اور عرض کیا کہ گولکنڈا کے جواہرات قندھار کے پتھروں اور چٹانوں کی بہ نسبت جہاں حضور آج کل مہم روانہ کرنا چاہتے ہیں یقیناً زیادہ لحاظ اور شاہانہ توجہ کے قابل ہیں۔ اور یہ بھی گذارش کی کہ حضور کو گولکنڈا کی سمت میں اپنی جنگی تدبیریں اُس وقت تک کہ تمام ملک راس کماری تک فتح نہ ہو جائے برابر جاری رکھنی چاہئیں[1]۔

کچھ بعید نہیں کہ ہیروں کے لالچ نے شاہجہاں کے دل پر یہ تاثیر کی ہو کہ اُس نے میر جملہ کی تجویزوں کو قبول کر لیا۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اصل میں شاہجہاں نے اس مہم میں نئی فوج کی بھرتی کو دارا شکوہ کی روز افزوں بے ادبیوں کی روک تھام کے لئے ایک معقول بہانہ سمجھا اور میر جملہ کی صلاح مان لی تھی۔ بہرحال شاہجہاں کا کچھ ہی مطلب و مدعا ہو مگر اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ دکن کی طرف ایک فوج میر جملہ کی سپہ سالاری میں بھیجی جائے۔

دارا شکوہ سے شاہجہاں کی خفگی کے اسباب دارا شکوہ سے شاہجہاں کے ناراض ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے خود سر اور مختار مطلق بن جانے کے لئے ان دنوں بعض علانیہ کوششیں کی تھیں بلکہ ایک ایسی حرکت کی تھی کہ جس کے باعث شاہجہاں کو اس سے سخت نفرت اور خوف ہو گیا تھا۔ اور اُس کی اِس خطا کے معاف کرنے پر مائل نہ تھا یعنی سعد اللہ خاں کو جسے شاہجہاں تمام ممالک ایشیا میں ایک بڑا ہی قابل اور لایق وزیر سمجھتا تھا اور جس سے اس قدر الفت رکھتا تھا کہ تمام دربار میں اُس کی محبت ضرب المثل ہو گئی تھی مروا ڈالا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا جرم تھا جس کے سبب سے دارا شکوہ نے اُسے واجب القتل تصور کیا۔ اس کا یہ خیال ہو گا کہ شاہجہاں

[1] گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا حال اس کتاب کے خاتمہ کے قریب متن اور حاشیہ میں دیکھنا چاہیئے س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے گذر جانے پر اپنے اقتدار کی وجہ سے یہ امر اس کے اختیار میں ہوگا کہ جسے چاہے تخت پر بٹھا دے۔ یا بادشاہت کا تاج سلطان شجاع کے سر پر رکھدے۔ کیونکہ وہ اُس کا حامی اور طرف دار معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کے دل میں لوگوں کی بعض افواہوں نے جو سعد اللہ خاں کے ارادوں کی نسبت مشہور تھیں اثر کیا ہو۔ مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی غور کے قابل ہے سعد اللہ خاں جو نسل کے اعتبار سے ایک ہندی الاصل شخص[1] تھا۔

---

[1] سعد اللہ خاں کو عہد شاہجہاں کے مورخوں میں سے بعض نے لاہور اور بعض نے چن یوٹ کا رہنے والا بیان کیا ہے جو پنجاب کے ضلع جھنگ میں ایک پُرانا قصبہ ہے۔ لیکن میرے ایک دوست جو جھنگ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں بعد تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ "اصل میں وہ پترا کی کا رہنے والا تھا۔ جو چن یوٹ سے پانچ کوس شمال کی طرف ایک موضع ہے۔ مگر اپنے ایام امارت میں اُس نے چن یوٹ کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اگرچہ اس ملک میں اُس کی اولاد میں سے کوئی نہیں ہے مگر اُس کی بنائی ہوئی ایک بہت عالی شان مسجد اور اُس کے محلوں کے کھنڈر چنیوٹ میں موجود ہیں۔ اس کے زمانہ کے مورخوں نے اُس کی قومیت کا کچھ ذکر نہیں لکھا البتہ خافی خاں نے اُس کو شیخ سعد اللہ خاں لکھا ہے جو ہندوستان میں اکثر نو مسلم لوگوں کو یہی لکھا اور بولا جاتا ہے مگر اس کے وطن داروں کا یہ بیان ہے کہ وہ تہیم تھا جو ایک ایسی قوم ہے کہ وہاں کی مسجدوں اور مکتبوں کے مُلّا اکثر اسی ذات کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ میرے نزدیک تو ظن غالب یہی ہے کہ یہ کوئی ہندی الاصل قوم ہے۔ مگر چونکہ ان کے میراسی ان کے سلسلہ نسب میں کچھ عجیب و غریب نام بیان کرکے پھر اُس کو کھینچ تان کر ملک عرب تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے میرے ایک اور دوست جو بالفعل خاص چنیوٹ کی منصفی کے عہدہ پر مامور ہیں اور جنھوں نے براہ مہربانی تکلیف فرماکر میری خواہش کے موافق اس کی تحقیق کی تھی یہ خیال کرتے ہیں کہ "شاید یہ لفظ تہیم کی خرابی ہو جو عرب کے مشہور قبیلہ بنی تہیم کے نام کا ایک جزو ہے۔ اور ان گنواروں نے اپنی جہالت اور بے علمی کی وجہ جو فی زمانہ ان اضلاع میں عموماً ہے بگاڑ کر اور اُس میں سے ایک لفظ حذف کرکے تہیم بنالیا ہو" سعد اللہ خاں جو لاہور میں تحصیل علوم کے سبب سے ملا سعد اللہ لاہوری کے نام سے معروف تھا۔ سنہ ۱۰۵۱ھ میں شاہجہاں کے جلوس کے چودھویں سال کے شروع میں سید موسوی خاں صدر یعنی وزیر اوقاف کی سفارش سے بادشاہ کے حضور میں پہنچا تھا۔ مگر چار ہی برس کے اندر اپنی لیاقت اور کمال کی وجہ سے ہندوستان کا وزیر اعظم بن گیا۔ اور ساتویں برس ہفت ہزاری کے منصب پر جس سے بڑا کوئی اس وقت تک منصب نہ تھا فائز ہوا۔ اور شاہجہاں کے مزاج میں یہاں تک دخل پایا اور اعتماد حاصل کیا کہ کوئی چھوٹا یا بڑا کام اس کی رائے بغیر ہونا دشوار تھا اور مرتے دم تک اسی اعتماد اور اقتدار کے ساتھ اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس سے ایرانی اُمرا کو بڑا حسد تھا چنانچہ اُن افواہوں میں سے جو اُس کی نسبت اُڑادی گئی تھیں ایک افواہ یہ تھی کہ اُس نے یہ منصوبہ باندھ رکھا ہے شاہجہاں کی وفات کے بعد اولاد تیمور کو تخت سے محروم کرکے یا تو پٹھانوں[1] کے شاہی خاندان کو پھر قائم کرے گا یا خود تخت نشین ہوجائے گا یا اپنے بیٹے کو بادشاہ بنائے گا اور اِس افواہ کی تائید کے لئے یہ قرینہ تھا کہ سعداللہ خاں کی بیوی قوم کی پٹھانی تھی اور ایک یہ بات بھی گھڑی گئی تھی کہ اُس نے پٹھانوں کے کئی مستعد دستے اپنے منصوبہ کی تائید کے واسطے متفرق مقامات میں لگا رکھے ہیں[2]

گولکنڈہ پر فوج کشی کی شرائط

داراشکوہ خوب جانتا تھا کہ یہ بڑی فوج جو دکن کو بھیجی جارہی ہے اس سے اورنگ زیب کی طاقت بڑھ جائے گی۔ اس لئے اُس نے اس معاملہ میں بہت کچھ بحث مباحثہ کیا۔ اور ہر حکمت اور حیلہ سے جو اُس سے بن سکا اس منصوبہ کو روکنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ بادشاہ کو اس سے باز رکھنا ناممکن ہے تو آخر کار کچھ سمجھا بجھا کر یہ شرطیں مقرر کرادیں۔

اول یہ کہ اورنگ زیب اس معرکہ میں کسی قسم کا دخل نہ دے۔

---

[1] شیر شاہ کا خاندان مراد ہے جس نے شاہجہاں کے پردادا ہمایوں کو ہندوستان سے مار کر نکال دیا تھا اور خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ س م ح

[2] ان افواہوں اور داراشکوہ کے سعداللہ خاں کو مروا ڈالنے کا فکر اورنگ زیب کے طرف دار مورخوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا حالانکہ داراشکوہ کی کسی بُرائی کا چھپانا اُن کے مدعا کے خلاف تھا بلکہ سب نے سیدھے اور صاف طور سے اُس کا مرنا تولنج کے مرض سے بیان کیا ہے جس میں وہ کئی مہینے تک مبتلا رہ کر ۱۰۶۶ھ میں سینتالیس برس کی عمر میں مرا تھا اور حکیم داؤد مخاطب بہ تقرب خاں شاہجہاں کا طبیب خاص اس کا معالج تھا اور لکھا ہے کہ خود بادشاہ کئی بار اُس کی عیادت کو گیا تھا۔ اور خافی خاں نے اگرچہ اُس کی نسبت داراشکوہ کے نہایت درجہ رشک وحسد اور بیجاپور کا دشمنوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ صاف لکھا ہے کہ باوجود قرب ولی عہدی اور اختیار سلطنت کے سعداللہ خاں کے مرتے دم تک اُس کی جان یا آبرو کو ضرر نہیں پہنچا سکا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر ایشیائی اہل دربار کی عادت ہے کہ کسی اپنی ناجائز غرض سے کسی بڑے آدمی کی موت کو اکثر زہر وغیرہ سے منسوب کردیا کرتے ہیں اُسی طرح یہ شہرت ہوگئی ہوگی جس کو برنی اگرنے اجنبی ہونے اور اس ملک کے لوگوں کی عادت سے بخوبی واقف نہ ہونے کی وجہ سے صحیح سمجھ کر لکھ ڈالا اور غالباً یہی وجہ ہوگی کہ الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں باوجودیکہ جابجا برنی اگر کی تحریر کے حوالہ سے اکثر باتیں درج کی ہیں اُس کی اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دوسرے یہ کہ وہ اپنا قیام بالکل دولت آباد میں رکھے۔

تیسرے یہ کہ جو ملک اُس کے سپرد ہے اُس کے نظم ونسق کے سوا اورنگ زیب کو اس مہم سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ فوج کی سپہ سالاری وحکومت اور جزوکل کا اختیار صرف میر جملہ کے ہاتھ میں رہے مگر وہ تمام اپنے اہل وعیال کو اپنی وفاداری کی کفالت کے طور پر دربار میں چھوڑ جائے۔

یہ پچھلی بات اگرچہ میر جملہ کو نہایت ناگوار تھی لیکن شاہجہاں نے یہ سمجھا کر راضی کر لیا کہ یہ صرف دارا شکوہ کی خوشی خاطر اور رفع وساوس کے لئے ہے۔ اور بخوبی مطمئن کر دیا کہ تمھارے اہل وعیال عنقریب تم سے آملیں گے۔ الغرض میر جملہ اس جرار فوج کا سپہ سالار بن کر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں سے بلا توقف کوچ کر کے بیجاپور کے ملک میں جا داخل ہوا۔ اور کلیانی کا محاصرہ شروع کر دیا جو ایک بڑی مضبوط اور مستحکم جگہ ہے[1]۔

---

[1] ان واقعات کو عاقل خاں اور خافی خاں نے جس طرح پر بیان کیا ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ میر جملہ جب اورنگ زیب کے پاس پہنچ گیا تو شاہجہاں نے اس کو وہیں معظم خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب اور ایک بڑا بھاری خلعت عطا فرما کر حضور میں طلب فرمایا اور ۱۰۶۶ھ میں جب مقام شاہجہاں آباد حاضر ہوا تو اسد خاں بخشی نے استقبال کیا اور اُسے حضور میں لایا اور اُس نے ایک خوان اشرفیوں کا اور دو خوان جواہرات کے اور عمدہ عمدہ چیزیں نذر گذرانیں اور چونکہ سعد اللہ خاں کے انھیں دنوں میں انتقال کر جانے کے سبب سے وزارت خالی تھی اس لئے اس عہدہ کا مرصع قلمدان چھ ہزاری چھ ہزار سوار کا منصب اور "خلعت خاص با شمشیر مرصع" اور شاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں میں سے دو سو گھوڑے اور ایک ہاتھی اور ایک تخت معہ سونے چاندی کے ساز کے اور پانچ لاکھ روپیہ عنایت ہوا اور بقول صاحب سیر المتاخرین خطاب میں لفظ عمدۃ الملک بھی بڑھایا گیا۔ مگر چونکہ اُس نے دکن میں نشو ونما پائی تھی اور وہاں کی آب وہوا کا خوگر تھا اور اس کے اور اورنگ زیب کے باہم آئندہ کے منصوبوں کی نسبت بھی کئی طرح کے مخفی عہد وپیمان تھے۔ اس لئے ہمیشہ واپس جانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ اب حسن اتفاق سے جو بیجاپور کے بادشاہ علی عادل شاہ نے لاولد قضا کی اور اورنگ زیب نے باپ کو اطلاع دی کہ لوگوں نے سکندر نامی ایک مجہول النسب لڑکے کو جس کو عادل شاہ نے فرزند کے طور پر پالا تھا تخت پر بٹھا دیا ہے تو شاہجہاں نے بھی اورنگ زیب کو بیجاپور پر فوج کشی کا حکم دیدیا اور اُس کے مہم سے واپس آنے تک شائستہ خاں کو دولت آباد پہنچ کر صوبہ داری کا کام کرنے کی ہدایت ہوئی میر جملہ نے موقعہ دیکھکر ایک بڑی بھاری پیش کش (جس کی کل قیمت پندرہ لاکھ روپیہ جانچی گئی تھی) اور جس میں دو سو سولہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہاں کی بیماری اس وقت جب کہ سلطنت کا یہ نقشہ تھا اور شاہجہاں کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی وہ ایسی بیماری میں[1] مبتلا ہو گیا جس کی حقیقت کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ایک ایسی عمر کے آدمی کے لئے یہ بہت نازیبا ہے کہ احتیاط کے ساتھ حفاظت کرنے کے بجائے اپنی باقی ماندہ طاقت اور توانائی بھی برباد اور تلف کر دے۔

بادشاہ کی اس بیماری سے تمام قلمرو میں ایک سخت پریشانی اور تہلکہ پڑ گیا چنانچہ دہلی اور آگرہ میں جو پائے تخت سلطنت ہیں۔ داراشکوہ نے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی اور بنگالہ میں شجاع نے ایسی ہی تیاریاں کیں اُدھر دکن اور گجرات میں اورنگ زیب اور مراد بخش نے ایسی فوجیں بھرتی کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُن کا کیا ارادہ ہے۔ اور چاروں نے ہر طرف سے اپنے اپنے رفیق اور مددگار بلا کر جمع کئے اور اِدھر اُدھر خط لکھ بھیجے اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۔ رتی وزن اور دو لاکھ سولہ ہزار روپیہ قیمت کا ایک ہیرا اور چار ہتنیاں اور ساٹھ ہاتھی سونے کے ساز کے اور سولہ ہتنیاں چاندی کے ساز کی تھیں گذرانی۔ اور عرض کیا کہ بیجاپور گیا بلکہ دکن کا تمام ملک آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے۔ اور اس کا ذمہ میں لیتا ہوں اور اس طرح مہابت خاں اور راد ستر سال وشاہنواز خاں و بخابت خاں وغیرہ "کمکی" افسروں کے ہمراہ بیس ہزار مغل اور راجپوت فوج کا سپہ سالار بن کر رخصت ہوا تاکہ اورنگ زیب کے تحت اس مہم کو سرانجام دے اور محمد امین خاں کو حکم ہوا کہ باپ کی جگہ وزارت کا کام بہ اتفاق رائے رایاں رگھناتھ نائب وزیر انجام دیتا رہے۔ میر جملہ اورنگ آباد پہنچا، اور وہاں سے معہ اورنگ زیب کے بیجاپور کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ اور کلیانی اور دوسرے قلعوں کو جا گھیرا۔ ۱۲ ع

[1] مترجم انگریزی نے حاشیہ میں بحوالہ تحریر کرنل ڈو صاحب یہ لکھا ہے کہ "شاہجہاں کی طاقت و توانائی میں بسبب افراط و بے ہنگام شوق عیاشی کے نہایت خلل آ گیا تھا چنانچہ اسی سبب سے سترھویں ستمبر ۱۶۵۶ء کو ناگہاں اُسے فالج ہو گیا اور اُس کے ساتھ سوزاک کا بھی خلل تھا اور کئی دن تک حالت بیہوشی اُس پر طاری رہی تھی مگر فارسی کتابوں سے فالج کا ہونا غلط معلوم ہوتا ہے اور ان کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ شروع ماہ ذی الحجہ ۱۰۶۶ھ کو بمقام دہلی ستر سٹھ برس کی عمر میں شاہجہاں کا پیشاب بند ہو گیا اور اعضائے اسفل پر ورم ہو کر ایک ہفتہ تک نہایت سخت بیمار رہا اور کچھ تخفیف ہو گئی تھی کہ اُسی حالت میں داراشکوہ اپنے بھائیوں کے منصوبوں کے روکنے کے واسطے دہلی کی بہ نسبت اکبرآباد کو ایک بہتر مقام سمجھکر لیسواری کشتی اُس کو وہاں لے گیا۔ اور اگرچہ یہ سفر ایک مہینے میں ختم ہوا مگر مرض میں بھی بہت کچھ افاقہ ہو گیا۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے بڑے وعدے اور عہد و پیمان کئے اور طرح طرح کی بندشیں اور سازشیں کرنی شروع کیں۔

سازشی خطوط اگرچہ دارا شکوہ نے ان سازشوں کے تحریری ثبوت باپ کو دکھائے اور بھائیوں کی سخت شکایتیں کیں۔ اور بیگم صاحب نے بھی موقعہ دیکھکر بہت سا لگا و بجھا و کیا۔ لیکن بادشاہ کو دارا شکوہ پر بالکل اعتبار نہ تھا یہاں تک کہ اُسے کامل شبہ تھا کہ وہ اُسے زہر دلوانے کی فکر میں ہے اور اس سبب سے کھانے پینے میں بہت ہی احتیاط برتتا تھا۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے اورنگ زیب سے بھی کچھ خط و کتابت کی تھی جس کی خبر پاکر اور طیش میں آکر دارا شکوہ نے باپ کو بہت دھمکایا تھا۔

بادشاہ کے انتقال کی افواہ اس عرصہ میں بادشاہ کی علالت اس قدر بڑھ گئی کہ اُس کے مرنے کی افواہ اُڑ گئی۔ اور تمام دربار درہم برہم ہو گیا۔ اور آگرہ میں یہاں تک خوف و خطر پھیلا کہ بازاروں میں کئی روز تک ہڑتال رہی اور چاروں شاہزادے علانیہ کھل کھیلنے لگے۔ اور صاف کہہ دیا کہ اب اس مقدمہ کا فیصلہ صرف تلوار ہی سے ہوگا اور واقعی ان کا اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا کیونکہ فتح یابی کی حالت میں تو تخت کی امید تھی اور شکست کی صورت میں جان جانے کا یقین کلی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت اور جس طرح شاہجہاں[1] خاص اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر تخت نشین ہوا تھا اُسی طرح ان کو یقین واثوق تھا کہ اگر ہم

[1] جب ۱۰۳۶ھ میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے جہانگیر کا انتقال ہو گیا اور نور جہاں بیگم نے جہانگیر کے بھتیجے سلطان شہریار کو جس سے نور جہاں کی بیٹی جو اس کے پہلے خاوند سے تھی بیاہی ہوئی تھی اور جو بیماری کے سبب سے رخصت لے کر پہلے ہی لاہور پہنچ گیا تھا سلطنت کے لئے اُبھارا اور نور جہاں کے بھائی آصف خاں وزیر نے اپنے داماد شاہجہاں کو بنارسی نامی اپنے ایک نہایت معتمد ہندو قاصد کی معرفت تنگیٔ وقت کی وجہ سے عریضہ کی جگہ اپنی مہر حوالہ کر دی تھی خفیہ پیغام بھیج کر بلایا۔ اور نور جہاں کی سازشوں کی روک تھام کے لئے شاہجہاں کے دکن سے آگرہ میں پہنچنے تک جہاں وہ باپ سے باغی بنا پھر رہا تھا جہانگیر کے پوتے سلطان داور بخش عرف مرزا بلاقی خلف سلطان خسرو کو جو اراوت خاں کے سپرد تھا برائے نام پادشاہ بنا کر لاہور کی طرف کوچ کیا اور نور جہاں کو اپنے خیمہ میں لاکر قابو میں کر لیا۔ اور لاہور پہنچ کر شہریار کو جو بادشاہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنی امیدوں میں ناکام رہیں گے تو غالب اور فتح یاب حریف حسد کے مارے ہم کو ضرور قتل کرادے گا۔

سلطان شجاع کا آگرہ کی طرف کوچ

پس سب سے پہلے سلطان شجاع (جس نے کچھ تو بعض راجاؤں کو برباد کرکے اور کچھ اور لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر اپنے صندوق بھر لئے تھے اور اس سبب سے ایک فوج کثیر کا جمع کرلینا اُس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا اس کے علاوہ اپنے ہم مذہب ایرانی اُمرائے دربار کی اعانت اور امداد پر بھی اُسے پورا بھروسہ تھا) فوج و لشکر جمع کرکے نہایت سُرعت کے ساتھ آگرہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اور یہ مشہور کیا کہ "چونکہ بادشاہ کو داراشکوہ نے زہر دے کر مار ڈالا ہے اس لئے ہم اس خونِ ناحق اور حرکت ناشائستہ کا انتقام لیں گے اور تخت سلطنت پر جو خالی ہے جلوس کریں گے" اگرچہ شاہجہاں نے داراشکوہ کی صلاح سے بہت جلد اس افواہ کی جو اُس کی موت کی نسبت مشہور ہوگئی تھی تردید کی اور صاف لکھا کہ علاج و معالجہ سے بیماری کو افاقہ ہوتا جاتا ہے اور بتاکید حکم دیا کہ تم اپنے صوبہ کو فوراً لوٹ جاؤ۔ لیکن اس بنا پر کہ اُس کے ہواخواہ برابر یہ خبریں بھیج رہے تھے کہ بادشاہ کی بیماری لاعلاج ہے وہ آگرہ کی طرف بدستور بڑھا چلا آیا۔ اور یہ حیلہ بنایا کہ مجھے بندگان والا کی سلامتی کی خبر پر یقین نہیں آتا۔ اور بالفرض اگر وہ زندہ اور سلامت ہیں تو قدم بوسی حاصل کرنی اور ارشاد و احکام سے سرفراز ہونے کی مجھے بڑی تمنا ہے۔

اورنگ زیب نے بھی اسی طرح اپنے اشتہار جاری کئے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور ٹھیک اُنھیں دنوں میں جب کہ سلطان شجاع نے کوچ کیا تھا اُس نے بھی آگرہ کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کی ہوس میں لاہور کے بادشاہی خزانہ کا بچھتر لاکھ روپیہ خراب کرکے پندرہ ہزار فوج کی جمعیت سے صرف اوجی تک مقابلہ کیلئے آیا تھا گرفتار کرکے قلعہ لاہور میں قید کردیا اور داور بخش کو تخت پر بٹھادیا تو شاہجہاں کا خاص اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ حکم آصف خاں کے پاس پہنچا کہ مناسب اور مصلحت وقت یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو داور بخش اور اُس کے بھائی گرشاسب اور مرزا دانیال کے تینوں بیٹوں شہریار اور طہمورث اور ہوشنگ کو اندھا کرکے ہمارے پاس لے آؤ۔ ورنہ پانچوں کے پانچوں کو چلتا کرو۔ تو آصف خاں نے ارادت خاں اور خواجہ ابوالحسن وغیرہ اُمرا کے اتفاق سے سکہ و خطبہ شاہجہاں کے نام کا جاری کردیا۔ اور ان بیچارے پانچوں بیگناہوں کو رات کے وقت دنیا سے رخصت کردیا۔ اور اُدھر آٹھویں جمادی الثانی ۱۰۶۳ھ کو شاہجہاں نے آگرہ پہنچ کر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

طرف بڑھنے کا عزم کیا اور اگرچہ اس کو بھی وہی اتنائی احکام بادشاہ اور داراشکوہ کی طرف سے پہنچے۔ اور داراشکوہ نے تو یہاں لکھدیا تھا کہ اگر تم دکن سے حرکت کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ مگر شجاع کی طرح اس نے بھی وہی حیلہ بنا کر اسی عذر سے جواب روانہ کیا اور چونکہ اس کی آمدنی بہت زیادہ نہ تھی اور فوج بھی بہ نسبت اوروں کے کم تھی[1] اس لئے اس نے چالاکی سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو صرف اس کی تلوار اور قوتِ بازو سے غیر ممکن تھی۔ اور چونکہ مراد بخش اور میر جملہ ہی دو ایسے شخص تھے جو آسانی کے ساتھ اس کے دام میں آ سکتے تھے۔ اس لئے اس نے مراد بخش کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "بھائی تم کو اس بات کے یاد دلانے کی کچھ حاجت نہیں کہ امورِ سلطنت کی محنت اٹھانی میرے اصلی مزاج اور طبیعت کے کس قدر مخالف ہے اور اس وقت جب کہ داراشکوہ اور شجاع نہایت سرگرمی سے حصولِ سلطنت کے لئے کوشش اور سعی کر رہے ہیں تو میں صرف ایک جانِ زاری کی حفاظت اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے کی فکر میں ہوں۔ اور سلطنت کے حق حقوق اور دعووں سے میں بالکل دست بردار ہوں۔ تاہم آپ میرے قدیمی اور نہایت گرامی عزیز ہیں تم کو اس رائے اور خیالات سے مطلع کرنا واجب جانتا ہوں کہ یہی نہیں کہ داراشکوہ فرماں روائی کے اوصاف سے خالی ہے۔ بلکہ لامذہب اور کافر ہونے کی وجہ سے بالکل تاج و تخت کے لائق نہیں اور بڑے بڑے امرائے سلطنت اور ارکانِ دولت سب اس سے متنفر ہیں اور علی ہذا القیاس شجاع بھی سلطنت کے قابل نہیں کہ رافضی مذہب اور ہندوستان کا دشمن ہے۔ پس اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرماں روائی کے لائق صرف آپ ہی ہیں۔ اور یہ رائے صرف میری ہی نہیں۔ بلکہ اس میں پائے تخت کے مشیر اور امیر جو آپ کے بے بدل شجاع ہونے کے بدل قائل و معترف ہیں سب متفق الرائے اور ہم زبان اور دارالخلافت میں آپ کی رونق بخشی کے منتظر ہیں اور میری بابت تو یہ تصور کر لیجئے کہ اگر آپ کی طرف سے موثق اور مستحکم طور پر مجھے یہ وعدہ مل جائے گا کہ جب بفضل خدا آپ پادشاہ ہو جائیں گے تو مجھے اپنی قلمرو میں کوئی خلوت کے موقعہ کا گوشۂ عافیت باطمینان خاطر عبادتِ الٰہی بجا لانے کو عنایت فرما دیجئے گا تو میں فوراً آپ کی طرف داری میں خدمت بجا لانے کو آمادہ اور تیار ہوں۔

---

[1] عاقل خاں نے لکھا ہے کہ اس وقت اورنگ زیب کے پاس تیس ہزار سوار جرار تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور صلاح و مشورہ سے۔ اپنے دوستوں اور رفیقوں سے۔ اپنی تمام فوج آپ کے تحت حکم کر دینے سے۔ غرض کسی قسم کی مدد دینے سے کبھی۔ مجھے دریغ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بالفعل آپ کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھیجتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ اس کو بطور نذر قبول فرمائیں کہ یہ میری ترقی اخلاق اور خوشی کا باعث ہوگا۔ اور اب ہنر آزمائی اور جوہر نمائی کا وقت ہے۔ پس آپ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیجئے اور موقعہ کو غنیمت سمجھئے۔ اور جلدی سے سورت[1] کے قلعہ پر جہاں مجھے خوب معلوم ہے کہ بہت سے بادشاہی دفائن و خزائن مدفون و مخزون ہیں قبضہ کر لیجئے[2]

---

[1] فارسی زبان کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ اس وقت شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب کی جاگیر میں تھی۔

[2] اورنگ زیبی چالوں اور ہتھکنڈوں پر خیال کرنے سے تو ظاہر اڈاکٹر برنیئر ہی کا لکھنا صحیح پایا جاتا ہے کہ مراد بخش نے جو کچھ کیا وہ اورنگ زیب کی تحریک و ترغیب سے کیا مگر اس وقت کی فارسی تاریخوں سے بالاتفاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مراد بخش نے جب باپ کے سخت بیمار ہونے کی خبر پائی تو اُس کا مرجانا فرض کر کے خود بخود شورش کی۔ اور صوبہ گجرات کے بادشاہی دیوان سید علی نقی کو جو اس کی خرابیوں کی اصلاح کے لئے مامور تھا اپنا بدخواہ سمجھکر بے جرم و خطا خود اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا اور بادشاہ بن کر تخت پر بیٹھ گیا۔ اور دستور خاندان کے مطابق اپنا شاہانہ لقب مروج الدین مقرر کر کے سکہ اور خطبہ بھی جاری کر دیا۔ اور ساز و سامان کی درستی کے لئے نہ صرف شاہی خزانہ پر تصرف کر لیا بلکہ گجرات کے سوداگروں اور دولت مندوں سے بھی بہت سا روپیہ جبراً وصول کیا۔ اورنگ زیب ان سب حالات کو دیکھ رہا تھا مگر از راہ احتیاط ایک برس کے قریب تک خاموش رہا۔ مگر جب شجاع نے بھی بنگالہ سے کوچ کر دیا تو زیادہ توقف مصلحت نہ دیکھکر اس نے بھی چڑھائی کرنے کی ٹھان لی اور بقول عاقل خاں جس کے بیان اکثر ناطرف دارانہ اور صاف ہیں یہ خیال کر کے کہ مراد بخش جو تخت نشین ہونے کی بھی حرکت کر چکا ہے ایسے باحوصلہ شخص کا دارالحکومت دکن سے آگرہ کی طرف میرے چلے جانے کی صورت میں ایسے قریب مقام میں رہنا مناسب نہیں ہے اس لئے سخت سخت قسموں کے ساتھ مراد بخش سے یہ معاہدہ کیا۔ کہ ہم تم متفق ہو کر آگرہ پر حملہ کریں۔ اور بصورت فتح کل مال غنیمت میں سے ایک ثلث تمھارا اور دو ثلث میرے اور سلطنت میں سے کابل اور کشمیر اور سندھ اور ملک پنجاب تمھارے تصرف میں آئے گا۔ اور اُس میں سکہ و خطبہ اور حکومت شاہانہ تمھاری رہے گی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مراد کی سورت پر فوج کشی

مراد بخش جس کی دولت اور قوت بہ نسبت اوروں کے کم تھی بھائی کی اس درخواست سے جس کے ساتھ ایک بڑی رقم بھی آئی تھی بہت ہی خوش ہوا اور اُس کی اُمیدوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس اُمید سے کہ جوان اور سپاہی پیشہ لوگ اس کے مضمون سے واقف ہو کر فوج میں بھرتی ہونے پر زیادہ راغب اور آمادہ ہوں گے اور اس خبر کو سُن کر سوداگر لوگ زیادہ رضامندی سے بڑی بڑی رقمیں قرض دینے پر مائل ہو جائیں گے۔ جو اُن سے وہ بہ سختی طلب کرتا تھا۔ یہ خط جا بجا[1] دکھایا گیا۔ اور اب اُس نے سچ مچ سارے کروفر اور شان و تزک شاہانہ بنا لئے اور لوگوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام کا متوقع کیا۔ اور حسنِ اتفاق سے اِن سب باتوں میں اُس کی تدبیریں اور منصوبے ایسے بن پڑے کہ بہت جلد ایک خاصی فوج جمع ہو گئی اور مراد نے سب سے پہلے تین ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ زیرِ حکومت شاہ عباس خواجہ سرا جو بڑا بہادر اور سپاہی منش تھا قلعہ سورت کے محاصرے کے لئے بھیج دیا گیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۔ اور سیر المتاخرین میں یوں لکھا ہے کہ سلطنت اور مال و دولت کی تقسیم نصف نصف ٹھیری تھی اور منشی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تاریخ ہند میں مکتوبات عالمگیری سے اِس عہد نامہ کا خلاصہ یہ لکھتے ہیں کہ ہمارا دوست آپ کا دوست اور ہمارا دشمن آپ کا دشمن اور بعد انفصال تمام جھگڑوں کے صوبجات لاہور، کشمیر، کابل، ملتان، ٹھٹہ، بہکر اور تمام اضلاع خلیج عمان تک تم کو دیئے جائیں گے۔ س م ح

[1] عاقل خاں نے اس خط کا مضمون بیان نہیں کیا مگر الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں خافی خاں کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ "میں تمھارا خیر خواہ اور برادر مخلص ہوں اور تخت نشینی تم کو مبارک ہو باقی میرا تو یہ ارادہ ہے کہ میں مکہ کو جاؤں اور کنج عزلت میں بیٹھکر خدا کی یاد کروں اور دنیا کو چھوڑوں اور باوصف اُس کے لامذہب دارا شکوہ کے مقابلہ پر تمھارا ساتھی بھی ہوں اور اب تک کہ ہمارا باپ جیتا جاگتا ہے تو ہم کو چاہیئے کہ اُس کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر وہ ہم سے بعنایت پیش آئے تو اُس کو اس ناواجب رعب و داب سے بچائیں جو دارا شکوہ نے اُس پر ڈال رکھا ہے اور اُس کی غلط فہمی کی معافی چاہیں اور اب اِسی عرصہ میں ہمکو یہ مناسب ہے کہ ہم اپنی فوجیں اکٹھی کریں اور کافر جسونت سنگھ سے بمقابلہ پیش آئیں جو ہمارے روکنے کے لئے روانہ کیا گیا ہے۔ س م ح۔

[2] عاقل خاں کی تاریخ سے صحیح نام شہباز خاں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ شخص پنج ہزاری کے منصب کا ایک امیر تھا اور آیندہ اس ترجمہ میں شہباز خاں ہی لکھا جائے گا س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میر جملہ اورنگ زیب کی قید میں

جب مراد بخش کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اورنگ زیب نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو (جس کی شادی شاہ گولکنڈا کی بیٹی سے ہوئی تھی) میر جملہ کے پاس بھیجا کہ "بڑا ہی ضروری کام ہے۔ آپ فوراً یہاں آکر ذرا مجھ سے مل جائیں" لیکن میر جملہ اپنی فراست سے اس ضروری کام کو فوراً تاڑ گیا اور جواب دیا کہ کلیانی کا محاصرہ چھوڑ کر اور فوج سے علیحدہ ہو کر میرا دولت آباد آنا ممکن نہیں اور آپ یقین فرمائیں کہ میں نے آگرہ سے ابھی تازہ خبر پائی ہے کہ شاہجہاں ہنوز زندہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے۔ جب تک میرے اہل و عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا بلکہ میرا اصل منشا تو یہ ہے کہ میں اس ہنگامہ میں کسی کا بھی طرف دار نہ ہوں۔

جب محمد سلطان نے دیکھا کہ میر جملہ میرے ساتھ جانا نہیں چاہتا تو وہ نہایت ناراض ہو کر دولت آباد کو چلا گیا۔ لیکن اس ناکامی سے اورنگ زیب کسی طرح ناامید نہ ہوا اور اپنے دوسرے بیٹے سلطان معظم کو پھر اس کے پاس بھیجا اور اپنی پہلی خواہش کا اعادہ کیا۔ اس شاہزادہ نے اپنے پیام و سلام کو اس خوبی سے ادا کیا اور سابقہ محبت و اتحاد کو اس قابلیت سے جتایا کہ میر جملہ اس کی درخواستوں سے انکار نہ کر سکا اور اس نے کلیانی کے محاصرہ کو اس قدر سخت اور شدید کیا کہ مخالفوں نے ناچار ہو کر آخر کار قلعہ خالی کر دیا۔ اور فتح کے بعد یہ اپنی چیدہ فوج ساتھ لے کر نہایت عجلت کے ساتھ دولت آباد کو چلا آیا۔ چنانچہ بوقت ملاقات اورنگ زیب نہایت مہربانی اور گرم جوشی سے پیش آیا اور گفتگو میں بابا اور باباجی وغیرہ بہت بڑے بڑے تعظیمی الفاظ کے ساتھ اس سے مخاطب ہوا اور اس مبارک مہمان کو کئی بار گلے لگایا اور پھر خلوت میں لے جا کر یہ کہا کہ "مجھے معلوم ہے کہ آپ نے جو محمد سلطان سے انکار کیا تھا وہ مجبوری کے باعث سے تھا اور بے شک میرے سب فہمیدہ اور دور اندیش اہل دربار کی بھی یہی رائے ہے کہ جب تک آپ کے اہل و عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں آپ کو علانیہ اور بملا کوئی ایسی حرکت ہرگز نہ کرنی چاہیے جو بظاہر ہمارے حق میں مفید نظر آتی ہو۔ لیکن آپ جیسے عقیل شخص کو سمجھانے کی کیا حاجت ہے کہ دنیا میں ہر مشکل کام کی آخر ایک تدبیر ہے۔ چنانچہ ایک منصوبہ میرے خیال میں آیا ہے جس سے بظاہر اگرچہ آپ حیران ہوں گے لیکن جب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کے نشیب و فراز پر بخوبی غور کریں گے تو بے شبہ آپ کے اہل و عیال کی سلامتی کے لئے ایک یقینی ذریعہ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ بظاہر قید ہو جانا گوارا کریں اس سے تمام جہان کو میری آپ کی دشمنی کا یقین کامل ہو جائے گا اور اس حکمت سے ہم اپنی تمام خواہشوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ کوئی شخص ہرگز ایسا گمان بھی نہ کرے گا کہ آپ جیسے رتبہ کا کوئی آدمی اس طرح اپنی خوشی سے قید ہو جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی میں آپ کی فوج کا ایک حصہ جس وضع اور حیثیت سے آپ کو پسند اور مناسب معلوم ہو نوکر رکھ لوں گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جس طرح پہلے آپ بارہا مجھ سے وعدے کرتے رہے ہیں اس وقت کچھ روپیہ دینے سے بھی انکار نہ کریں گے۔ کیونکہ مجھے روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور آپ کے اس روپیہ اور لشکر سے میں اپنی بخت آزمائی کروں گا پس اجازت ہو تو میں آپ کو اسی وقت قلعہ دولت آباد میں پہنچا دوں۔ اور اس جگہ میرا ایک بیٹا آپ کا نگرانِ حال رہے گا اور اس کے بعد ہم اور آپ اس مہم کو سرانجام دینے کی تدبیر پر باہم غور و فکر کر سکیں گے اور اس صورت میں ہرگز میرے خیال اور قیاس میں نہیں آتا کہ دارا شکوہ کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو اور وہ ایسے شخص کے اہل و عیال سے کوئی بدسلوکی کرے جو بظاہر میرا اس قدر دشمن ہو۔

ہم معتبر سند سے بیان کر سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کی تقریر کا مدعا یہی تھا۔ اور اگرچہ وہ خیالات اور حالات جن کو سوچ سمجھکر میر جملہ نے ان خواہشوں کا جواب دیا ہوگا بخوبی معلوم نہیں ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اُس نے ان سب باتوں کو قبول کر لیا تھا یعنی وہ اس پر بھی راضی ہو گیا تھا کہ اپنی فوج کو اورنگ زیب کے زیرِ حکومت کر دے۔ اور روپیہ کا دینا بھی قبول کر لیا۔ اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ اُس کی مرضی کے مطابق سچ مچ قید ہو کر قلعہ دولت آباد میں چلا گیا!

اب اس معاملہ کی نسبت بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ میر جملہ کو اورنگ زیب نے سمجھا بجھا کر فی الواقع اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ آپ کے بہ رضامندی قید ہو جانے سے بہت فائدے ہوں گے۔ اور چونکہ پہلے سے آپس میں دوستی اور اتحاد تھا۔ اس وجہ سے اورنگ زیب نے اُسے قید ہو جانے پر حقیقتاً راضی کر لیا تھا۔ اور بعض کی یہ رائے ہے (جو غالباً زیادہ معقول اور قرینِ قیاس ہے) کہ اُس نے صرف ڈر کے مارے ان باتوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کے دو جوان بیٹے ایک سلطان معظم دوسرا محمد سلطان اس ملاقات اور سوال و جواب کے وقت سر پر کھڑے تھے اور اگرچہ سلطان معظم کا مسلح ہونا بھی زبان حال سے گویا یہی کہہ رہا تھا کہ انکار کی حالت میں بہت ہی برا ہوگا مگر محمد سلطان تو بیچ بیچ تلوار لئے ہوئے موچھوں کو اس طرح تاؤ دے رہا تھا کہ بس مار ہی ڈالے گا۔ اور چونکہ اسی ملاقات کے معاملہ میں میر جملہ کی طرف سے اس کی کافی توہین و تحقیر ہو چکی تھی اور اس کا چھوٹا بھائی اپنی سفارت میں سرخ رو اور کامیاب ہوا تھا۔ اس لئے اُس کو اپنی رنجش پوشیدہ رکھنے کی کچھ پروا بھی نہ تھی[1]۔

---

[1] فارسی زبان کی تاریخوں سے اس کی گرفتاری کے واقعہ کی تفصیل و تشریح یوں پائی جاتی ہے کہ جب مہابت خاں و میر جملہ وغیرہ بادشاہی امیروں نے جو بیجاپور کی مہم میں اورنگ زیب کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ اول قلعہ بیدر (بدر) اور پھر کلیانی کے بھی نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ کو سخت مقابلہ کے بعد بیجاپوریوں سے چھین لیا۔ اور شاہجہاں نے اورنگ زیب کی عرائض فتح ملاحظہ فرما کر بیدر کا مفتوحہ ملک معہ قلعہ رام گڑھ اورنگ زیب کو حسنِ خدمت کے صلہ میں بخش دیا اور اُس کی تنخواہ بارہ کروڑ دام یعنی ایک کروڑ سالانہ علاوہ اوطنوں کے مقرر کر دی اور معظم خاں۔ شہنواز خاں۔ مہابت خاں۔ نجابت خاں وغیرہ امیروں کو بھی جنھوں نے اس مہم میں نمایاں کام کئے تھے اضافہ مناصب اور عطائے خلعت وغیرہ سے سرفراز کیا گیا۔ اور دلاور حبشی قلعہ دار کلیانی قلعہ چھنوا کر جب بیجاپور پہنچا۔ اور بیجاپور والوں کو یقین ہو گیا کہ اب بغیر اطاعت کے چارہ نہیں انھوں نے اپنا ایک معتمد شاہزادہ اورنگ زیب کے پاس بھیج کر امان چاہی۔ اور آخر الامر یہ ٹھیر گیا کہ ایک ایسی بھاری پیش کش داخل کریں جو جواہرات اور ہاتھی اور نقدی وغیرہ ملا کر ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی تعداد سے کم نہ ہو۔ اور قلعہ پرینڈا مع مضافات اور ملک کونکن کے تمام قلعے اور کچھ اور محالات بھی بادشاہی عہدہ داروں کے حوالہ کریں۔ اور جب یہ سب حال اورنگ زیب نے بادشاہ کو لکھا اور اُس نے بیجاپوریوں پر رحم کر کے پیش کش کی تعداد میں پچاس لاکھ کی تخفیف کر دی اور شاہزادہ کے نام فرمان لکھا گیا کہ قاضی نظاما کو تحصیل پیش کش کے لئے مامور کر کے خود دولت آباد کو چلا جائے اور معظم خاں جب ملک مفتوحہ کے قلعوں کے قرار واقعی بندوبست سے فارغ ہو جائے تو بیجاپور کی پیش کش جو قاضی نظاما لے کر آئے اُس کو ساتھ لے کر حضور میں حاضر ہو جائے ابھی ان شرطوں کی تعمیل نہیں ہوئی تھی اور اورنگ زیب قلعہ گلبرگہ کو گھیرے ہوئے تھا کہ اسی اثناء میں بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اور دارا شکوہ نے ایسے بڑے امیروں کا اورنگ زیب کے پاس اس وقت موجود رہنا اپنے حق میں بہتر نہ سمجھکر مہابت خاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بسلسلہ صفحہ گذشتہ۔ راو ستر سال وغیرہ کے نام بادشاہی فرمان جاری کرادیئے کہ اُس کی اجازت اور عدم اجازت کی مطلق پروا نہ کرکے بلا توقف آگرہ کو چلے آئیں۔ چنانچہ سوائے بخابت خاں اور شاہنواز خاں اور میر جملہ کے سب چلے آئے۔ بلکہ میر جملہ کو تو عہدہ وزارت سے معزول کرکے حاضر دربار ہونے کا حکم بھیجا گیا (کیونکہ اورنگ زیب کا متوسل خاص سمجھا جاتا تھا) اور محمد امین خاں کو جو باپ کی جگہ نیابتاً وزارت کرتا تھا کام سے علیحدہ کیا گیا اور رائے رایان دیوان رگھناتھ سرانجام کار کے لئے قائم مقام کے طور پر مامور ہوا داراشکوہ نے ان امیروں کے واپس بلانے کے لئے یہ بہانہ بنایا تھا کہ شجاع نے بنگالہ سے بہ ارادہ فاسد کوچ کر دیا ہے۔ اس لئے ان کا معہ ان کی فوجوں کے پائے تخت میں حاضر ہو جانا مناسب ہے۔ ان امیروں کے چلے آنے سے اورنگ زیب کو نہایت دقت پیش آئی۔ کیونکہ اول تو بادشاہ کی سخت بیماری ہی کی خبریں سن کر بیجاپوریوں کے دل بہت بڑھ گئے تھے۔ اور اس پر ایسے نامور اور صاحب فوج امرا کے چلے جانے سے اُن کو اور بھی زیادہ دلیری ہوگئی۔ اور اورنگ زیب کے لشکر میں جو ہنوز گلبرگہ کو گھیرے ہوئے تھا بہت ابتری اور کمزوری پھیل گئی مگر وہ حسب معمول اپنی ثابت قدمی اور استقلال طبع سے نہایت متانت اور وقار کے ساتھ جس طرح بن پڑا بندوبست مناسب کرکے عزت اور نیک نامی کے ساتھ دولت آباد میں واپس آگیا۔ اور جب اُس نے سُنا کہ میر جملہ بھی جواب تک پیش کش کی تحصیل اور مفتوحہ قلعوں کے نظم ونسق سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ مہابت خاں اور ستر سال کی طرح آگرہ کو جانے والا ہے۔ تو اُسے یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر ایسا دولت مند باتدبیر صاحب فوج ولشکر امیر ایسے وقت میں داراشکوہ کے پاس جا پہنچا تو میری ساری اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی پس اُس کے پھانسنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ اُس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ ہم آپ کو اپنا دلی ہوا خواہ اور خیر اندیش جانتے ہیں اگر آپ ہم سے مل کر اور رخصت ہوکر آگرہ کو جائیں تو مناسب ہے۔ اور جب اُس نے آنے سے پہلوتہی کی اور لکھا کہ میرے نام فرمان آچکا ہے اس لئے مجبور ہوں۔ تو اورنگ زیب نے اس کے قابو میں لانے کے لئے اس مرتبہ اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ چونکہ آپ حضور میں حاضر ہونے کو جاتے ہیں اس لئے بعض ضروری باتیں تخلیہ میں آپ سے کہنی سنی واجبات سے ہیں اور اس صورت میں آپ کا ہم سے مل کر جانا ہماری نہایت ہی خوشی کا باعث ہوگا۔ اور محمد سلطان نے باپ کی فہمائش کے موافق ایسی چکنی چپڑی باتیں بنائیں اور ایسا مطمئن کیا کہ وہ بلا دغدغہ خوش خوش ملنے کو چلا آیا۔ اب چونکہ یہاں پہلے ہی سے سب تیاری کی ہوئی تھی اور یار لوگ تواضع کے لئے منتظر تھے جوں ہی اُس نے خلوت خانہ میں قدم رکھا جناب امارت مآب فوراً گرفتار کر لئے گئے اور اُس کے عمر بھر کے جمع کئے ہوئے خزانے اور مال و اسباب اور سامان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

القصہ جب میر جملہ کی گرفتاری کی خبر عام ہوگئی تو اُس کی فوج کے اُس دستہ نے جو بیجاپور سے اُس کے ساتھ آیا تھا بڑے زور سے کہا کہ ہمارے سردار کو چھوڑ دیا جائے اگر اورنگ زیب اپنی حکمت عملی سے فوراً اُن کی تسلی تشفی نہ کر دیتا تو بے شبہ وہ اپنے سردار کو چھڑا لیتے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اُن کے بڑے بڑے سرداروں کو تو یہ سمجھا کر کہ وہ بالکل اپنی خوشی اور مرضی سے نظر بند ہوا ہے اپنا رفیق بنا لیا۔ اور اُن کے ذہن نشین کر دیا کہ یہ محض ایک حکمت اور منصوبہ ہے جو اصل میں ہماری اور امیر کی بہتری کی صلاح ہی سے تجویز ہوا ہے۔ اور سپاہ کو خوب دل کھول کر انعام واکرام دینے یعنی سرداروں سے تو آئندہ ترقی کے صرف بڑے بڑے وعدے ہی کئے مگر سپاہیوں کی تنخواہ حقیقتاً بڑھا دی بلکہ بطور ثبوت صداقت اپنے وعدوں اور اظہار سیر چشمی کے فوراً تین مہینے کی تنخواہ بطور پیشگی دیدی اور اس تدبیر سے میر جملہ کی فوج اُس مہم میں شریک ہونے کو راضی ہوگئی جو اورنگ زیب کے مدِ نظر تھی اور اب اُس کے پاس لڑنے بھڑنے کے لائق اچھی خاصی جمعیت ہوگئی۔

اورنگ زیب کی سورت روانگی

اس کے بعد اورنگ زیب نے سورت کی طرف کوچ کیا کیونکہ اہل قلعہ خلاف توقع اب تک مراد بخش کی فوج سے مغلوب نہ ہوئے تھے اور اورنگ زیب کا مدعا یہ تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ قلعہ فتح ہوجائے لیکن اُس نے کوچ سے چند روز بعد یہ خبر پائی کہ وہ فتح ہوگیا۔ پس اُس نے مبارک باد کا خط مراد بخش کو تحریر کیا اور اُس میں میر جملہ کے ساتھ گذرے ہوئے واقعات تحریر کئے اور لکھا کہ میں نے ایک جرار فوج جمع کرلی ہے اور خزانہ بھی بافراط موجود ہے اور عمائد وامرائے دربار شاہی سے بھی سب طرح پختہ وپز ہوچکی ہے اور برہم[1] پور اور آگرہ کی طرف چل پڑنے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ثروت وحشمت سب قابو میں کرلیا گیا اور اُس کے نوکر چاکر اور فوج نوکر رکھ لی گئی اور ان خزانوں اور مال اور سپاہ کے ہاتھ آجانے سے اورنگ زیب بخوبی اس بڑی مہم کے انجام دینے کے قابل ہوگیا۔ اور چونکہ اُس نے اب تک پردہ نہیں اُٹھایا تھا باپ کو یہ لکھ بھیجا کہ ندوی کو معظم خاں کے اوضاع واطوار سے بے وفائی اور روگردانی کی بو آتی تھی اس لئے میں نے اُس کو پکڑ کر قید کر دیا ہے اور اگر ایسا نہ کرتا تو بے شبہ وہ بھاگ کر پھر دکن کے سرداروں سے جا ملتا۔ (ماخوذ از سیر المتاخرین و تاریخ مآثر خان) س م ع

[1] اصل کتاب میں جا بجا برہم پر لکھا ہے مگر صحیح نام برہان پور ہے۔ اس لئے آئندہ اس ترجمہ میں برہان پور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اب میری طرف سے کچھ دیر نہیں ہے اور التجا کی کہ آپ کوچ میں دیر نہ کیجئے اور دونوں لشکروں کے مل جانے کے لئے کوئی جگہ قرار دے کر جلد مطلع کیجئے۔

قلعہ سورت کا خزانہ قلعہ سورت میں خلاف مراد تھوڑا سا خزانہ ملنے سے مراد بخش بہت ناامید ہوا۔ اس کمی کا سبب یا تو یہ تھا کہ محض مبالغہ آمیز افواہوں سے اُس کی اس قدر کثرت مشہور ہو گئی تھی یا یہ وجہ تھی (جیسا کہ عموماً لوگوں کو شبہ تھا) کہ وہاں کے قلعہ دار نے بہت سا خرد برد کر لیا تھا بہرحال، جو روپیہ مراد بخش کے ہاتھ لگا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ اُس سے فقط اُن سپاہیوں کی تنخواہ دے سکا جو اس طمع پر نوکر رکھ لئے گئے تھے کہ سورت سے بہت سا مال و دولت ہاتھ آئے گا۔

قلعہ کی فتح کا راز سورت کے محاصرے اور اُس کے فتح کرنے کی تدبیروں میں مراد بخش کی کوئی جنگی لیاقت ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ باوصف اس کے کہ قلعہ کی فصیلیں جیسی چاہئیں جنگی قاعدہ کے مطابق خوب مستحکم نہ تھیں۔ پھر بھی باوجود بہت بڑی کوششوں اور عرق ریزیوں کے اہل قلعہ ایک مہینے تک برابر لڑا کئے اور جب تک کہ ڈچ قوم کے فرنگیوں نے سرنگ لگانے کی حکمت نہ سکھلائی محاصرہ وغیرہ سے کچھ فائدہ نہ ہوا البتہ جب اُن کی پہلے[1] ہی پہل کی سکھائی ہوئی تدبیر سے قلعہ کی فصیل کا ایک بڑا حصہ اُڑا دیا گیا تو محصوروں نے متحیر ہو کر اور بعض شرطیں لے کر قلعہ حوالہ کر دیا۔

اس فتح سے مراد بخش کا بڑا نام ہو گیا اور جو باتیں اُس کے پیش نظر تھیں اب اُن کی درستی میں بڑی آسانی ہو گئی اور چونکہ سرنگ لگانے کی تدبیر سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف نہ تھے اس لئے مراد بخش کی اس نئی حکمت نے لوگوں کے دلوں پر بہت ہی عجیب اثر کیا۔ اس کے علاوہ یہ بات علی العموم مشہور ہو گئی کہ سورت کا بہت سا دفینہ مراد بخش کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- لکھا جائے گا۔ یہ شہر اس وقت صوبہ خاندیس کا دارالحکومت تھا اور دکن کا دروازہ سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں ناگپور کی چیف کمشنری میں ضلع منہاڑ کے متعلق ایک تحصیل کا مقام ہے یہ دریائے تاپتی کے کنارے آباد ہے۔ اور قریب تیس ہزار کی آبادی ہے۔ س م ع۔

[1] یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے چھبیس سال پہلے ایک ہزار بیالیس ہجری میں شاہجہاں کے سرداروں نے بدنگیزوں پر بمقام ہوگلی سرنگ ہی اڑا کر فتح پائی تھی جس کا حال ہم آئندہ ایک اور مقام پر کتاب بادشاہ نامہ سے نقل کریں گے۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہاتھ آگیا ہے۔

مراد کو شہباز خواجہ سرا کا مشورہ

لیکن باوجود اس تمام شہرت اور ناموری کے جو اس فتح سے حاصل ہوئی تھی اور باوصف اورنگ زیب کے بہت سے خوشامدآمیز اور بلہ فریب وعدوں کے شہباز خواجہ سرا مراد بخش کو یہی سمجھاتا رہا کہ آپ بھائی صاحب کی فضول باتوں پر ہرگز بھروسہ اور اعتبار نہ کریں اور جلد بازی کر کے ان کے قابو میں نہ آجائیں اور اس خیرخواہ خواجہ سرا نے صاف کہہ دیا کہ "آپ اب بھی میری صلاح مان لیں اور اگر آپ کی ایسی ہی مرضی ہے تو خیر اورنگ زیب کو چکنی چپڑی باتوں میں پھسلاتے رکھیں لیکن فوج اور لشکر سمیت اُس سے جاکر شامل ہو جانے کا ارادہ ہرگز نہ فرمائیں اور بالفعل آگرہ کی طرف اُس کو اکیلا ہی جانے دیں رفتہ رفتہ جب ہم کو بادشاہ کی صحت اور مرض کی پختہ خبریں اور صحیح حالات معلوم ہو جائیں گے تو اُس وقت جو مصلحت معلوم ہو گی اُس پر عمل کیا جائے گا اور اس عرصہ میں آپ قلعہ سورت کا استحکام کرلیں جو ان اطراف میں سب سے زیادہ کارآمد مقام ہے۔ اور اس جگہ کے قابو کر لینے سے ایک وسیع سیر حاصل اور زرخیز ملک کی حکومت آپ کے ہاتھ آجائے گی اور پھر تھوڑی سی تدبیر سے شہر برہان پور بھی جو صوبہ دکن کا دروازہ اور نہایت کارآمد مقام ہے آپ کے قبضہ میں آجائے گا۔" مگر چونکہ مراد بخش کے پاس اورنگ زیب کے خطوط برابر چلے آتے تھے اُس نے اپنا ارادہ ترک نہ کیا اور بیچارے شہباز کی صلاح نہ مانی۔ یہ دانا اور دوراندیش امیر نہایت ہی سچا ناصح اپنے آقا کا دلی خیرخواہ تھا۔ پس اس جوان شاہزادہ کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا اگر اُس کی معقول صلاح کو مان لیتا۔ لیکن اول تو بادشاہ بن جانے کے بے حد شوق ہی میں مراد بخش اندھا ہو رہا تھا۔ اور اس پر اُس کے مکار بھائی کے خط جو جاں فشانی اور ہواخواہی کے وعدوں کے اظہار میں روزمرہ چلے آتے تھے بڑے محرک تھے اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی سوچا کہ یہ مہم جس میں بادشاہی اور سلطنت حاصل ہو جانے کی اُمید ہے۔ مجھ سے اکیلے انجام نہ پا سکے گی۔ اس لئے اُس نے احمدآباد سے جہاں وہ ڈیرے ڈالے پڑا تھا کوچ کر دیا۔ اور گجرات سے روانہ ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں کا سیدھا راستہ اختیار کیا تاکہ جلدی سے اس جگہ پہنچ سکے جہاں اورنگ زیب چند روز پہلے سے اُس کے انتظار میں ٹھیرا ہوا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دونوں بھائیوں کی ملاقات

القصہ جب دونوں لشکر[1] مل گئے تو بڑی خوشیاں اور جشن منائے گئے۔ اور اورنگ زیب نے اپنی محبت کے پائدار اور مستحکم اقرار از سرِ نو تازہ کئے اور اپنی کمال بے غرضی اور بے طمعی کا اظہار کیا۔ اور دونوں بھائی کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوتے تھے اور اورنگ زیب بار بار یہی جتاتا تھا کہ بادشاہی اور سلطنت کی تو مجھے ذرا بھی ہوس نہیں اور یہ فوج کشی میں نے صرف اس واسطے کی ہے کہ جس طرح بن پڑے داراشکوہ سے جو میرا اور آپ کا کھلا دشمن ہے۔ لڑ بھڑ کر آپ کو تختِ سلطنت پر جو خالی پڑا ہے بٹھا دوں جس زمانے میں دونوں فوجیں تخت کی طرف جا رہی تھیں۔ اورنگ زیب ہمیشہ حاضر و غائب خاص و عام کے روبرو جس طرح پر کہ یہاں کی رعایا کے لوگ بادشاہ کو حضرت کہکر بولتے ہیں۔ مراد بخش کو یہی لفظ کہکر مخاطب کرتا تھا اور ہر موقعہ پر بڑی تعظیم اور تکریم سے پیش آتا تھا۔ اور فی الواقع یہ بات نہایت عجیب ہے کہ مراد بخش نے اورنگ زیب کے خلوص نیت پر کچھ بھی شبہ نہ کیا اور وہ علانیہ دغابازی جو گولکنڈا کے معاملہ میں وہ ابھی کر چکا تھا ایسی صریح بات سے بھی اُس کے دل پر ذرا اثر نہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ یہ شاہزادہ اپنی خیالی سلطنت کی ہوس میں ایسا اندھا ہو رہا تھا اور عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اتنی موٹی بات بھی اُس کی سمجھ میں نہ آئی کہ جو شخص کل اس قدر بے ایمانی کے ساتھ ایک سلطنت کے چھین لینے کے لئے کوشش کر چکا ہے۔ آج کس طرح ممکن ہے کہ اُس کے خیالات ایسے بدل گئے ہوں کہ بجز فقیرانہ گذران کرنے کے اُس کی کچھ اور آرزو ہی نہیں ہے۔

فوجوں کا آگرہ کی طرف کوچ

اب ان متفقہ فوجوں نے ایک بڑی شان و شوکت پیدا کی اور اُن کے کوچ کی خبریں سُن کر پائے تخت میں ایک

---

[1] فارسی زبان کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ شاہجہاں کی بیماری کے شروع سے ایک برس بعد یکم جمادی الاول ۱۰۶۸ھ ہجری میں اورنگ زیب نے باپ کی عیادت کے بہانے سے دولت آباد سے برہان پور کی طرف کوچ کیا تھا اور مراد بخش کو ساتھ لینے کی نسبت یہ حیلہ بنایا تھا کہ سکہ اور خطبہ وغیرہ جاری کرنے کی بے ادبی جو اُس سے ہو گئی ہے اس لئے اُس کو خطا معاف کرانے کی خاطر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اور یہ دونوں شاہزادے بمقام تالاب دیال پور اُجین سے تقریباً بیس فرسنگ کے فاصلہ پر ملاقی ہوئے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تہلکہ پڑ گیا۔ اور داراشکوہ تو اس قدر مشوش اور مضطرب ہوا کہ جس کی انتہا نہیں۔ اور انجام کار پر نظر کر کے شاہجہاں بھی ڈر گیا۔ اور اگرچہ اپنے خیال میں اس فساد کے حالیہ نتائج کی نسبت اُس نے کچھ ہی اندازہ کیا ہو۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ اورنگ زیب کی قابلیت اور دانائی اور مراد بخش کے تہور اور شجاعت کے متفق ہو جانے سے ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو ناممکن الوقوع ہو۔

شاہجہاں نے ہرچند اُن کے پاس قاصد بہ قاصد یہ پیغام دے کر روانہ کئے کہ مابدولت کو اب آرام اور افاقہ ہے۔ اور اگر تم اپنے صوبوں کو لوٹ جاؤ گے تو تمھاری اس حرکت سے چشم پوشی کی جائے گی اور داخل نافرمانی نہ سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ سب تحریریں اور احکام بے فائدہ تھے اور متفقہ فوجیں برابر بڑھی چلی آتی تھیں۔ اور چونکہ بادشاہ کی علالت واقعی مہلک سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے یہ اپنے وہی عذر اور بہانے کئے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خط خطوط شاہی مُہریں لگ کر آتے ہیں وہ جعلی اور بالکل داراشکوہ کی بناوٹ اور ایجاد ہیں۔ اور "حضرت" یا تو مر چکے یا قریب المرگ ہیں۔ اور بالفرض اگر ہماری خوش نصیبی سے وہ زندہ ہیں تو ہم اُن کی قدم بوسی کے مشتاق ہیں۔ اور داراشکوہ نے جو اُنھیں ہر طرح سے بے بس اور بے اختیار کر رکھا ہے اِس حالت سے بھی ہم اُن کو نکالنا چاہتے ہیں۔

شاہجہاں کی مجبوریاں

ان دنوں شاہجہاں کا فی الواقع بہت بُرا حال تھا اور علاوہ شدائد اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتاً داراشکوہ کے پنجہ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اُدھر تو داراشکوہ کے دل میں قہر و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور لڑائی کے سوا کچھ خیال ہی نہ تھا اور مستعدی کے ساتھ تیاری کر رہا تھا اور اُدھر شاہجہاں کے دوسرے بیٹے باپ کے تاکیدی اور متواتر احکام پر مطلقاً لحاظ اور التفات نہ کر کے برابر آگرہ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے اور ایک طرف بیچارے بادشاہ کو یہ فکر تھی کہ اگر میرے جمع کئے ہوئے دفینے اور خزانے ان نوجوان شاہزادوں کے ہاتھ آجائیں گے تو خدا جانے کس کس طرح اڑا کر برباد اور تلف کر دیں گے۔

شجاع کی پیش قدمی

غرض کہ جب اس بڈھے بادشاہ کو کوئی چارہ باقی نہ رہا تو اُس نے مجبور ہو کر اپنے وفادار جنگ آزمودہ اور کارآگاہ سرداروں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو اپنے پاس طلب کیا۔ اگرچہ یہ امرا دارا شکوہ سے اکثر ناموافق تھے اور بادشاہ کو بھی اُس کی بہ نسبت اپنے تینوں حملہ آور بیٹوں سے زیادہ محبت تھی۔ لیکن مصلحتِ وقت کا کچھ اور تقاضہ تھا۔ اس لئے انھیں امیروں کو جو اکثر اُس سے ناراض تھے اپنے باغی بیٹوں کے مقابلہ پر سرلشکر بنا کر بھیجنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس بات کا لحاظ کر کے کہ جدھر سے شجاع بڑھا چلا آتا تھا اُدھر کا زیادہ اندیشہ تھا۔ ایک فوج تو فوراً اُس کے مقابلہ کے واسطے روانہ کی گئی اور ایک دوسری فوج اس غرض سے تیار اور جمع کی گئی کہ بشرط ضرورت اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوج سے جنگ کرے۔ چنانچہ دارا شکوہ کا بڑا بیٹا سلیمان شکوہ اس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو شجاع کے مقابلہ کے واسطے بھیجی گئی تھی۔ اس کی عمر قریب پچیس برس تھی اور بڑا خوبصورت اور وجیہ اور سخی شاہزادہ تھا۔ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے اور قابلیت و لیاقت میں بھی بہت خاصہ تھا۔ شاہجہاں کو بھی اپنے اس پوتے سے بہت محبت تھی اور اُس نے کئی بار اس کو بہت سا مال و دولت دیا تھا بلکہ یہ ارادہ تھا کہ دارا شکوہ پر اس کو ترجیح دے اور اپنا ولی عہد مقرر کرے۔

شجاع کی شکست چونکہ شاہجہاں کا اصل مطلب یہ تھا کہ اس غیر طبعی اور ناحق کے فساد میں حتی الامکان خونریزی نہ ہونے پائے اس لئے اُس نے ایک مسن راجہ کو جس کا نام جے سنگھ[1] ہے اور جو اس وقت کے راجاؤں میں سب سے زیادہ دولت مند اور غالباً ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ قابل شخص ہے بطور مشیر خاص اپنے پوتے کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اُس کو پوشیدہ طور پر یہ ہدایت کی کہ حتی الامکان جنگ نہ ہونے دینا اور شجاع کو بجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا کہ وہ اپنے متعلقہ صوبہ کو لوٹ جائے بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اُس سے کہہ دینا کہ "ارشاد شاہی کے مطابق واپس چلے جانا تم پر صرف فرض و واجب ہی نہیں بلکہ فن حکومت و سلطنت کی رو سے بھی یہ امر نہایت ضروری ہے کہ تم سردست اپنے زور و طاقت کا اظہار نہ کرو اور جب تک کہ ایک ٹھیک اور مناسب

---

[1] راجہ جے سنگھ کچھواہا رئیس جے پور سے مراد ہے جس کو لفظ راجہ کے علاوہ شاہی خاندان کے شاہزادوں کی طرح مرزا کا معزز خطاب بھی ملا ہوا تھا واضح ہو کہ جے پور کی ریاست ہمارے اس زمانہ میں بھی کچھواہا قوم ہی کے راجپوت خاندان میں قائم ہے اور خالص آمدنی اس ریاست کی سوائے جاگیروں اور معافیات کے سینتالیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے اور پچیس ہزار دو سو بیاون میل مربع رقبہ ہے جس میں تقریباً بیس لاکھ آدمی بستے ہیں۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

موقعہ اس کام کا نہ آجائے یعنی تاوقتیکہ ہماری بیماری منجر بہ ہلاکت نہ ہو جائے یا اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوجوں کا کچھ انجام نہ معلوم ہو چکے ایسی جلد بازی تمہارے لئے مصلحت نہیں ہے "

لیکن جے سنگھ کی کوششیں انسداد جنگ کے باب میں سب بے سود رہیں۔ کیونکہ ادھر تو سلیمان شکوہ بلند حوصلگی اور نوجوانی کے نشہ میں جنگ جوئی کی اُمنگ اور ناموری کے شوق سے بیتاب ہو رہا تھا۔ اُدھر شجاع کو یہ خیال تھا کہ اگر کوچ میں دیر کروں گا تو احتمال ہے کہ اورنگ زیب دارا شکوہ کو مغلوب کر کے دارالسلطنت آگرہ اور دہلی پر قابض ہو جائے، پس جوں ہی دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں فوراً دونوں طرف سے دنادن گولہ اندازی شروع ہو گئی۔

لیکن میں اس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس لڑائی کے حالات بہ تفصیل بیان کروں۔ کیونکہ اس دوسری لڑائی کے واقعات جو اس سے زیادہ اہم ہیں بیان کرنے ہیں اور ناظرین کے لئے یہاں پر صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ دونوں طرف سے بڑی سختی اور سرگرمی سے حملے ہوئے اور ایک بڑی کوشش کے بعد سلطان شجاع کو ایسا مغلوب ہونا پڑا کہ آخر کار سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلا۔ اور یقین ہے کہ اگر جے سنگھ اور اُس کا دلی دوست دبیر خاں[1] پٹھان جو بڑا بہادر سپاہی تھا قصداً پیچھے نہ ہٹے رہتے تو فوج مخالف بالکل تباہ ہو جاتی بلکہ خود شجاع بھی گرفتار ہو جاتا۔ لیکن راجہ نے از راہ دانائی مناسب نہ جانا کہ شاہی خاندان کے شاہزادے اور اپنے آقا کے بیٹے پر ہاتھ ڈالے اور یہ بھی ہے کہ اُس نے شجاع کو بھاگ جانے کی مہلت دینے میں بادشاہ کی ہدایتوں پر

---

[1] فارسی زبان کی تاریخوں میں جے سنگھ کے ساتھ دوسرے امیر کا نام بہادر خاں لکھا ہے اور دبیر خاں تو صریح غلط ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں کی جگہ غلطی سے دبیر خاں چھپ گیا ہے۔ کیونکہ انگریزی میں حرف لام اور بے کی شکل قریب قریب ہے۔ مرزا محمد کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ باقی بیگ المخاطب بہ بہادر خاں جو دارا شکوہ کے عمدہ نوکروں میں سے تھا اُس کو اس مہم میں دارا شکوہ نے سلیمان شکوہ کے ساتھ بطور اتالیق کے بھیجا تھا۔ اور اپنی کل فوج کی سرداری بھی اُسی کے حوالہ کی تھی۔ اور اُسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں بھی ایک امیر منجملہ اُن نامور اُمرا کے تھا جو اس مہم میں سلیمان شکوہ کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عمل کیا۔ اس شکست میں اگرچہ شجاع کا کچھ زیادہ نقصان نہ ہوا تھا۔ لیکن چونکہ میدان سلیمان شکوہ کے ہاتھ رہا اور چند توپیں بھی اُس کے قبضہ میں آگئی تھیں اس لئے دربار شاہی میں یہ خبر عام ہوگئی کہ سلیمان شکوہ نے کامل فتح پائی اور اس سے سلیمان شکوہ کی نیک نامی اور شجاع کی بڑی بدنامی ہوئی اور اُن ایرانی امرائے دربار کی سرگرمی اور دل سوزی پر بھی جو شجاع کی طرف داری کرتے تھے اوس پڑ گئی۔

سلیمان شکوہ کی واپسی سلیمان شکوہ ابھی شجاع کے تعاقب میں لگا ہوا تھا کہ خبر ملی کہ اورنگ زیب اور مراد بخش بڑی مستعدی اور استقلال سے آگرہ کی طرف بڑھے آتے ہیں۔ اب چونکہ اس کو اپنے باپ کی عقل و دانش کا اندازہ بخوبی معلوم تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کے گرد و پیش پوشیدہ دشمن جمع ہیں اس لئے کمال دور اندیشی سے آگرہ کو واپس آنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ ظن غالب یہی تھا کہ دارالسلطنت کے آس پاس ہی کہیں نہ کہیں داراشکوہ اُن سے لڑے گا۔ سب لوگ متفق الرائے ہیں کہ سلیمان شکوہ کی یہ تجویز بہت ہی دانائی اور ہوشیاری کی تھی اور اگر یہ نوجوان شہزادہ اپنی فوج سمیت بروقت پہنچ جاتا تو اورنگ زیب ان کی ایسی بڑی فوجوں سے ٹکر لینے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا بلکہ شاید مقابلہ ہی نہ کرتا۔

شاہی فوج کی روانگی باوجود اس کامیابی کے جو سلیمان شکوہ[1] کی سپاہ کو بمقام الہ آباد (جہاں جمنا اور گنگا باہم ملتی ہیں) حاصل ہو چکی تھی

---

[1] عالمگیر نامہ میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے اور اُس وقت کی اور کتابوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کچھواہا جو شجاع کے مقابلہ کو چوتھی ربیع الاول ۱۰۶۸ ہجری کو آگرہ سے روانہ ہوئے تھے اُنھوں نے کوچ بہ کوچ بہادر پور میں پہنچ کر جو بنارس سے ڈھائی کوس آگے گنگا کے کنارہ پر ایک گاؤں ہے شجاع کے لشکر سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ڈیرہ کیا تھا جو بنگالہ کے لوازمے یعنی کشتیوں کے بیڑہ کو ساتھ لئے ہوئے دریا کے کنارے ٹھیرا ہوا تھا اور فوج کو ذرا آرام دے لینے کے بعد دھوکا دینے کی غرض سے یہ مشہور کر کے کہ لشکر کی جائے قیام بدلنا چاہتے ہیں اکیسویں جمادی الاول کو علی الصباح شجاع کے لشکر پر ناگہاں حملہ کر دیا اور چونکہ اُس نے غفلت کے سبب سے اپنی فوج کی صف بندی بھی نہ کی تھی خفیف سے مقابلہ کے بعد لڑائی ہار گیا۔ اور لوازمے میں بیٹھکر پیچھے کو بھاگا اور تمام مال و اسباب لُٹ گیا۔ اور اس کے بعد سلیمان شکوہ نے اول پٹنہ اور پھر مونگیر سے نکال دیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہاں آگرہ کی طرف معاملات کی کچھ اور ہی صورت تھی۔ یعنی جب دارالسلطنت میں یہ خبر پہنچی کہ اورنگ زیب برہان پور کے پاس دریا کے پار اُتر آیا ہے۔ اور اُن دشوار گزار پہاڑوں کی گھاٹیوں کو بھی بزور طے کر چکا ہے جن پر ہر طرح سے مزاحمت اور بچاؤ کا بہت بڑا بھروسہ تھا تو دربار میں بڑی گھبراہٹ اور حیرانی پیدا ہوئی اور فوج کی تیاریاں شروع ہوئیں مگر بڑی جلد بازی کے ساتھ سب سے پہلے فوراً ایک دستہ اس مقصد سے اُجین بھیجا گیا کہ جلدی سے پہنچ کر دریا کے گھاٹ[1] کو روک لیں اور مخالفوں کو پار اُترنے سے روکیں اور اس پیش رو دستہ کی سرداری کے واسطے دو امیر جو نہایت با اقتدار اور لایق و فائق تھے انتخاب کئے گئے۔ ان میں سے ایک کا نام قاسم خاں تھا جو بڑا ہی مشہور و معروف سپاہی اور شاہجہاں کا دلی خیرخواہ تھا۔ لیکن یہ چونکہ دارا شکوہ سے متنفر اور بیزار تھا اس لئے اُس نے یہ سرداری بخوشی اختیار نہیں کی تھی۔ بلکہ شاہجہاں کے حکم کی تعمیل تھی۔ دوسرا سردار راجہ جسونت سنگھ تھا جو درجہ اور اقتدار میں جے سنگھ سے کم نہ تھا۔ یہ راجہ اُس زبردست[2] رانا کا داماد تھا جو اکبر کے زمانہ میں سب راجاؤں کا مہاراجہ گنا جاتا تھا۔ دارا شکوہ نے ان دونوں سرداروں سے نہایت تملق اور شیریں زبانی سے گفتگو کی اور جب وہ لشکر میں جانے لگے تو بڑے بڑے بھاری خلعت اُن کو دیئے مگر شاہجہاں نے جو ہدایتیں شجاع کے بارہ میں راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں کو کی تھیں ویسے ہی احتیاط سے کام کرنے کی بابت ان کو بھی کیں۔

اورنگ زیب کے مقابلہ میں شاہی فوج کی کارروائیاں

لیکن جب کہ اس طرف اس قسم کے تامل و تذبذب ہو رہے تھے اورنگ زیب کی طرف مستعدی کے ساتھ لڑائی کی پوری تیاری تھی چنانچہ بادشاہ کی نصیحت اور ہدایت کے مطابق جو قاصد متواتر یہ پیام دے کر اُس کے پاس بھیجے جاتے رہے کہ آپ کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- اور وہ مجبور ہو کر اپنے اصلی صوبہ یعنی بنگالہ کو چلا گیا۔ اور مونگیر سے پٹنہ تک دارا شکوہ کا قبضہ ہو گیا۔ لکھا ہے کہ ان لڑائیوں میں شجاع کے نوکروں میں سے جو لوگ قید ہو گئے تھے دارا شکوہ نے اُن کو آگرہ میں منگوا کر اول تشہیر وغیرہ سے بے عزت کیا اور پھر اُن کے ہاتھ قلم کرا دیئے جس کے باعث سے کتنے ہی بیچارے اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ع

[1] اس دریا سے شیپرا ندی مراد ہے جس کا اصل سنسکرت زبان کا نام گھشیپرا ہے۔ س م ع

[2] اودے پور کا رانا امر سنگھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دکن کو لوٹ جانا چاہیئے اُن میں سے کوئی بھی واپس آنے نہ پایا۔ بلکہ واپسی کے بجائے اُس کی فوج یکایک ایک بلند ٹیلہ پر جو دریا[1] سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ آنمودار ہوئی۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اور سخت دھوپ پڑتی تھی اور اس وجہ سے دریا پایاب ہو رہا تھا۔ قاسم خاں اور راجہ نے یہ خیال کرکے کہ اورنگ زیب پار اُترنا چاہتا ہے، لڑائی کی تیاری کردی، لیکن واقع میں اورنگ زیب کی پوری فوج ابھی پیچھے تھی۔ اور اس تھوڑی سی سپاہ کو آگے بھیج دینا بالکل ایک دھوکا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں بادشاہی فوج دریا کے پار نہ اُتر آئے جس سے ہمارا پانی بند ہو جائے اور وہ ہماری تھکی ماندی فوج پر حملہ کردے اور اس طرح پر جنگ کا مفید موقعہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور اُس کا یہ اندیشہ حقیقت میں درست تھا۔ کیونکہ اُس وقت اُس کی فوج مقابلہ کے لائق نہ تھی اور اگر قاسم خاں اور راجہ حملہ کردیتے تو بآسانی غالب ہو سکتے تھے۔

میں اس موقعہ پر بذات خود موجود نہ تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اس لڑائی کو دیکھا ہے خصوصاً وہ فرانسیسی افسر جو اورنگ زیب کے توپ خانہ میں ملازم تھے اُن سب کی یہی رائے ہے۔ مگر یہ سردار ایسا کس طرح کرتے کیونکر بادشاہ کے مخفی احکام کے باعث صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ دریا کے وار اپنا مورچہ جمائیں اور اگر اورنگ زیب دریا سے بزور اُترنا چاہے تو روکیں۔

اورنگ زیب کی پہلی فتح

القصہ جب اورنگ زیب کی فوج نے دو تین روز دم لے لیا تو دریا سے بزور اُترنے کی تیاری کردی۔ چنانچہ پہلے تو اُس نے اپنا توپ خانہ ایک بلند جگہ پر قائم کیا۔ اور پھر فوج کو حکم دیا کہ توپوں کی پناہ میں آگے بڑھے۔ مگر ان کی پیش قدمی روکنے کے لئے اس طرف سے بھی توپیں چلنی شروع ہوئیں اور اگرچہ ابتدا میں سخت جوش و خروش اور سرگرمی سے مزاحمت کی گئی۔ اور جسونت سنگھ نہایت ہی شجاعت اور دانائی کے ساتھ حملہ آوروں کو ہر ہر قدم پر روکتا رہا مگر قاسم خاں نے باوجودیکہ اُس کی سپاہ گری اور بہادری میں کسی کو کلام نہیں اس موقعہ پر نہ تو کچھ بہادری ہی دکھائی اور نہ کچھ سپاہیانہ دانائی ہی ظاہر کی بلکہ اُس پر دغابازی اور سازش کا شبہ[2]

---

[1] مصنف نے دریا کا نام نہیں لکھا مگر مترجم انگریزی نے حاشیہ میں نربدا لکھدیا ہے جو صریح غلط ہے کیونکہ اجین کے پاس تو وہی شپرا ندی ہے۔ جس کا ذکر ہم ابھی ایک حاشیہ میں کر چکے ہیں۔ س م ح

[2] خافی خاں کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ س۔ م۔ ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ کیونکہ اس نے لڑائی سے پہلے ہی رات کے وقت اپنا بہت سا بارود گولہ ریت میں چھپا دیا تھا جس کے سبب سے صرف چند باڑیں چلانے کے بعد فوج کے پاس یہ سامان نہ رہا۔ خیر اس کی اصل خواہ کچھ ہی ہو مگر لڑائی بہرحال بہت سخت ہوئی اور گھاٹ کے روکنے میں سپاہ نے بڑی شجاعت دکھائی۔ اُدھر اورنگ زیب کی فوج کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے جو دریا کے پاٹ میں تھے اس کو سخت تکلیف پہنچی اور کناروں کی بے ڈھب بلندی کے باعث سے اوپر چڑھنا سخت مشکل تھا۔ مگر مرادبخش کی تیزی اور شجاعت ان سب دشواریوں پر غالب آئی۔ اور وہ اپنی خاص فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر آیا اور آخرکار باقی سپاہ بھی پیچھے سے بہت جلد آپہنچی۔ اس وقت قاسم خاں بڑی بدنامی کے ساتھ میدان سے بھاگ نکلا۔ اور جسونت سنگھ کو صریح جان جوکھوں میں چھوڑ گیا۔ اب اگرچہ اس بہادر راجہ پر چاروں طرف سے دشمن کی فوج ٹوٹ پڑی۔ مگر اس کے شجاع اور بہادر راجپوتوں نے اسے اپنی جانیں لڑا کر بچا لیا۔ اور ایسا جان توڑ کر لڑے کہ آٹھ ہزار میں سے لڑائی کے خاتمہ پر صرف پانچ سو کے قریب باقی رہ گئے۔

اس واقعہ کے بعد راجہ نے آگرہ جانا مناسب نہ جانا اور ان بچے کھچے وفادار سپاہیوں کے ساتھ سیدھا اپنی ریاست کو چلا گیا۔[1]

---

[1] ہندوستانی مورخوں نے ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ جب مرادبخش کے بادشاہ بن بیٹھنے کی خبر آگرہ میں پہنچی تو اس کو گجرات کی صوبہ داری سے معزول کئے جانے اور ملک بہار میں جو پہلے سے اورنگ زیب کی جاگیر میں تھا (غالباً دونوں کے بھڑانے کی خاطر) جاگیر دے کر صرف اس پر قناعت کرنے کا حکم دارا شکوہ نے بادشاہ سے دلوا دیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی قاسم خاں میر آتش اس کی جگہ گجرات کی صوبہ داری پر نامزد کیا گیا تھا۔ اور چونکہ مالوہ کا صوبہ دار شائستہ خاں (وہی جو ان چاروں شاہزادوں کا حقیقی ماموں تھا) اورنگ زیب کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا تھا اس کا بھی اجمیر میں مکن کے راستہ پر رہنا مناسب نہ جان کر اس کی جگہ اپنے دلی خیر خواہ مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور جودھپور والے کو اس مراد سے بھجوا دیا تھا کہ اورنگ زیب جو اس وقت تک بظاہر خاموش تھا اگر وہ بھی (جیسے کہ دارا شکوہ کو اس سے توقع تھی) کچھ حرکت کرے تو راجہ قاسم خاں کی مدد سے اس کا سدراہ ہو۔ اور اگر بدستور خاموش رہے تو قاسم خاں مرادبخش کو گجرات سے برار کی طرف نکال دے اور جسونت سنگھ بشرط ضرورت اس کی مدد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کرے ۔ چنانچہ ان دونوں کو اب تک یہی خبر تھی کہ مراد بخش گجرات سے مالوہ کے راستہ آگرہ کی طرف بڑھا آرہا ہے اور اس خیال میں اجمیر سے بائیں بیلہ کے راستہ روانہ ہوکر بمقام کاچ رودہ بہ زعم خود اس کا راستہ روکے بڑے تھے ۔ اور اگر چہ اورنگ زیب خاندیس کی دارالحکومت برہانپور سے بھی چل کر اور اکبر پور کے گھاٹ بذریعہ پایاب اتر کر مالوہ میں داخل ہوگیا اور دیال پور کے قریب مراد بخش بھی اس سے آملا مگر راستوں اور گھاٹوں کو جو اس نے نہایت ہوشیاری سے روک رکھا تھا اس نے ان کو مطلقاً اس کے ایسے نزدیک پہنچ جانے کی خبر تک نہیں ہوئی ۔ بلکہ اس نے پادشاہی سپاہ کی کثرت کے اندیشہ سے جو مراد بخش کو یہ لکھ بھیجا تھا کہ میرے آنے تک جلدی کرکے ان سے بھڑ نہ جانا ۔ اور وہ اس وجہ سے کاچ رودہ سے صرف اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر پہنچ جانے کے بعد پیچھے کو ہٹ کر دیال پور کی طرف چلا گیا تھا تو انھوں نے اپنے خیال میں اس کو اس کے بھاگ جانے پر محمول کرکے بادشاہ کو مبارکباد کی عرضی کردی تھی اور بادشاہ بھی کسی قدر مطمئن ہوکر اٹھا رجب ۱۰۶۸ھ کو معہ داراشکوہ تبدیل آب و ہوا اور آگرہ کی گرمی سے بچنے کے لئے اپنے طبیبوں کی صلاح کے موافق و مگر داراشکوہ کی مرضی کے برخلاف دہلی کو چلا گیا تھا ۔ مگر جب یہ دونوں لشکر آن کر باہم مل گئے اور راجہ شیورام گوڑ نے جو قلعہ مانڈو میں تھا اور داراشکوہ کے ان نوکروں نے جو دھار کے قلعہ سے اورنگ زیب کے نزدیک آپہنچنے سے خوف زدہ ہوکر مہاراجہ کے لشکر میں بھاگ آئے تھے جسونت سنگھ کو اطلاع دی تو اس وقت اس کی آنکھیں کھلیں اور گاچ رودہ سے پیچھے ہٹ کر دھرمات پور کے متصل جو اجمیر سے سات کوس کے قریب ہے اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس کے فاصلہ پر اس کا راستہ آروکا ۔ اب چونکہ اورنگ زیب کا اصل مقصود یہ تھا کہ اگر ہوسکے تو راجہ کو بھی اپنے ساتھ ملالے ۔ اور پیغام سلام کے حیلہ سے اپنے تھکے ماندے لشکر کو ذرا آرام دے لے ۔ اس نے کب رائے کو جو ایک ہوشیار اور فہیم برہمن تھا اس کے پاس بھیج کر پیغام سلام شروع کئے اور وہی معمولی حیلہ کہ ہم بادشاہ کی خدمت میں صرف عیادت اور حصول ملازمت کی خاطر جاتے ہیں اور ظاہر کیا کہ "اول تو مناسب یہ ہے کہ تم ہمارے پاس حاضر ہوجاؤ اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو راستہ چھوڑ کر اپنے وطن جودھپور کو چلے جاؤ" مگر جب راجہ نے کوئی بات بھی نہ مانی اور لشکر نے بھی ذرا دم لے لیا تو بائیسویں رجب ۱۰۶۸ھ ہجری مطابق اپریل ۱۶۵۸ء کو لڑائی کے قصد سے چڑھ آیا اور سخت لڑائی ہوئی ۔ جس میں اس شمار کے موافق جو اورنگ زیب نے فتح کے بعد کرایا تھا قریب چھ ہزار کے سپاہی جو زیادہ تر راجپوت ہی تھے کام آئے اور بہت سے بڑے بڑے نامی راجپوت سردار مارے گئے اور جسونت سنگھ خود بھی زخمی ہوا

لہ ب ان س ب رل ہ ۔ ۲ ک ۔ اج رودہ ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

راجپوتوں کی سپاہگری

لفظ راجپوت کے معنی ہیں راجہ کا بیٹا۔ یہ لوگ پشت ہا پشت سے سپاہی پیشہ ہیں اور ابتدائے عمر سے یہی تعلیم پاتے ہیں اور اِن کے راجہ معاش کے لئے اس شرط پر ان کو جاگیریں دیا کرتے ہیں کہ جنگی ضرورت کے وقت اپنے آقا کی خدمت کے لئے حاضر ہو جائیں لارڈ وغیرہ موروثی اُمرا سے فرنگستان کی طرح ان راجپوت ٹھاکروں کو بھی اُس ملک کے خاندانی سردار کہا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اُن کی جاگیریں ناقابل ضبطی اور موروثی ہوں۔ یہ لوگ ابتدائے عمر سے افیون کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کو افیون کے بڑے بڑے انٹے کھاتے دیکھکر مجھے سخت حیرت ہوتی۔ اور لڑائی کے دن تو یہ معمول سے دوگنی افیون کھا کر ایسے مدہوش سے ہو جاتے ہیں کہ بے فکر واندیشہ اپنے آپ کو ہر ایک جان جوکھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر کوئی راجہ خود بھی بہادر ہو تو اُس کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ میرے راجپوت کبھی کسی مشکل میں میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ لڑائی کے وقت یہ لوگ شاید اتنی بات کے تو محتاج ہیں کہ کوئی اِن کا پیش رَو اور لڑانے والا ہو۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے رئیس کے سامنے جان دے دینا اپنا فخر سمجھتے ہیں اور اُس کو دشمن کے ہاتھ میں کبھی نہیں چھوڑ دیتے۔ میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے جب یہ افیون کے نشہ میں جھومتے ہوئے مرنے کے یقین سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رخصت ہوا کرتے ہیں تو یہ تماشا عجیب دلچسپ اور قابلِ دید ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں محل تعجب نہیں ہے کہ یہ مغل بادشاہ اگرچہ مسلمان اور بُت پرستوں کے مخالف مذہب ہیں۔ لیکن بہت سے راجاؤں کو ہمیشہ اپنی ملازمت میں اور اکثر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرتے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: بلکہ لکھا ہے کہ کچھ خفیف زخم قاسم خاں کے بھی آیا۔ مگر ان مورخوں نے باوجود راجپوتوں کی بہادری کی تعریف و توصیف کرنے کے اس شکست کو زیادہ تر راجہ کی سوئے تدبیری اور ناواقفیت فنِ جنگ سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس نے اپنے لشکر کو ایسی اونچی نیچی جگہ میں قائم کیا تھا۔ اور ندی سے کچھ پانی کاٹ کر لشکر کے اردگرد کیچڑ کر دی تھی جس سے اُس کی سوار فوج لڑائی کے وقت اچھی طرح کام نہ دے سکی۔ خافی خاں نے اس لڑائی کا ہونا شیپرا نامے ندی کے کنارے بیان کیا ہے اور جغرافیہ کے نقشوں میں بھی اس ندی کا نام شیپرا ہی لکھا ہے۔ مگر عالمگیر کے خاص مورخ مرزا محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں اس کا نام نالہ چورنئرنا لکھا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں جیسے کہ اپنے مسلمان امیروں اور سرداروں کے ساتھ۔ اور مسلمان امیروں کی مانند ان کو بھی فوج کی حکومتوں اور سرداریوں پر مقرر اور مامور کرتے ہیں۔

جسونت سنگھ کی رانی کا غیورانہ طرز عمل اس موقعہ پر جسونت سنگھ کی رانی جس سلوک سے اپنے شوہر کے ساتھ پیش آئی وہ بھی سننے کے لائق ہے یعنی رانی نے جب سنا کہ راجہ پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ معرکہ سے جان بچا کر نکل آیا ہے تو اس نے بجائے اس کے کہ اس آفت سے بچنے کی مبارک باد دیتی اور تسلی کرتی فوراً حکم دیا۔

"قلعہ کے دروازے بند کردو ایسے بے غیرت نامرد کو میں قلعہ میں ہرگز نہ آنے دوں گی! ایسا شخص اور میرا شوہر، میرے باپ کا داماد اور ایسا بے غیرت! میں ہرگز اس کا منہ دیکھنا نہیں چاہتی، جو شخص ایسے نامور رانا کا رشتہ دار ہو چاہیئے کہ اس کی شجاعت اور نیک نامی کی تقلید اور پیروی کرے۔ اور اگر فتح نہ پا سکے تو بہادری سے جان دیدے۔"

اور اس سے تھوڑی دیر بعد اس کے دل میں کچھ اور خیالات گذرے اور کہا کہ میرے لئے ابھی چتا تیار کرو مجھے دھوکا ہوا۔ میرا شوہر حقیقت میں مارا گیا۔ اور یہی سچ ہے پس اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔ اور تھوڑے عرصہ بعد پھر غصہ میں آکر بدستور لعن طعن کرنے لگی اور اسی حالت میں اس کو آٹھ دن گذر گئے اور شوہر کا منہ نہ دیکھا۔ لیکن آخر جب اس کی ماں اس کے پاس آئی تب کچھ تسلی تشفی کر کے سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں۔ راجہ ذرا دم لے کر اور از سر نو فوج جمع کر کے اورنگ زیب پر پھر حملہ کرے گا۔ اور اپنی شجاعت اور بہادری کے نام کو بدستور قائم رکھے گا۔

اس حکایت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک کی عورتوں کے دل میں حفظ ننگ وناموس اور عزت کا کس قدر خیال ہے۔ چنانچہ میں اس قسم کی مثالیں اور بھی بیان کر سکتا ہوں کیونکہ میں نے بہت سی بیبیوں کو اپنے خاوندوں کی لاش کے ساتھ جلتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے۔ لیکن ان واقعات کو میں کسی اور مقام پر لکھوں گا جہاں بیان کروں گا کہ انسان کے دل پر اپنی امیدوں اور کثرت رائے اور کسی عام عقیدے اور عزت و حرمت کے خیالات کا کیسا زبردست اور قوی اثر ہوتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جس وقت داراشکوہ آجین کی اس نامبارک اور غمناک واردات سے مطلع ہوا تو غیظ وغضب کے مارے اس کی یہ حالت تھی کہ اگر نصیحت اور فہمائش سے شاہجہاں ذرا ٹھنڈا نہ کرتا تو خدا جانے اس وحشت اور جلد بازی میں کیا کر بیٹھتا اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر قاسم خاں اس کے قابو میں آجاتا تو اس کا سر ضرور کٹوا دیا جاتا اور چونکہ میر جملہ کی نسبت بھی اس کو یہ گمان تھا کہ اورنگ زیب کو اپنی فوج اور روپیہ دے کر وہی اس سارے فتنہ و فساد کا اصل اصول اور بانی مبانی ہوا ہے اس لئے قریب تھا کہ اس کے بیٹے محمد امین خاں کو بھی مروا ڈالے اور اس کی بیوی اور بیٹی کو بازاری عورتوں کے چکلہ میں بھیج دے مگر بادشاہ کی فہمائش بلیغ کے باعث آخرکار اس کا جوش غضب فرو ہوا اور میر جملہ کے اہل و عیال کی عزت اور جان بچ گئی۔ یعنی بادشاہ نے اس کو سمجھایا کہ یہ امر ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میر جملہ اورنگ زیب سے سازش رکھتا ہو اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسا دوراندیش اور دانا آدمی ایسے شخص کے فائدہ کے واسطے جس سے وہ کچھ الفت و محبت نہیں رکھتا اپنے اہل و عیال کو ایسے شدید خطرہ میں ڈال دے بلکہ برخلاف اس کے یہ امر ظاہر ہے کہ وہ خود اورنگ زیب کے دام فریب میں پھنسا ہوا ہے۔

ادھر جملہ آدمیوں کا یہ حال تھا کہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور یہ گھمنڈ

لہ فارسی تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ داراشکوہ میر جملہ کا سخت مخالف تھا مگر شاہجہاں کو اس کے حال پر توجہ تھی چنانچہ پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ شاہجہاں کے شروع مرض کے دنوں میں جب داراشکوہ نے مہابت خاں اور راو ستر سال وغیرہ امرا کو بیجاپور کی مہم سے آگرہ میں واپس بلایا تو میر جملہ کو بھی اورنگ زیب کے ساتھ سازش رکھنے کے شبہ میں عہدہ وزارت سے معزول کرا کر دکن سے طلب کیا تھا۔ اور اس کے بیٹے محمد امین خاں کو بھی ممانعت کر دی تھی کہ باپ کی جگہ کام نہ کرے اور اول رائے رایان راجہ رگھناتھ قائم مقام وزیر مقرر ہو کر بعد ازاں جعفر خاں مستقل وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ مگر شاہجہاں نے پھر بھی محمد امین خاں کو دانشمند خاں کی جگہ جس نے میر بخشی کے نہایت بڑے عہدہ سے انھیں دنوں استعفا دے دیا تھا مقرر کر دیا تھا اور جب جسونت سنگھ کی شکست کی خبر داراشکوہ کو پہنچی تو اس نے محمد امین خاں کو اپنے مکان پر بلا کر قید کر لیا۔ اور اگرچہ دو چار روز کے بعد شاہجہاں کے سمجھانے سے قید سے چھوڑ دیا۔ مگر میر بخشی کے عہدہ پر نہ رہنے دیا۔ چنانچہ داراشکوہ اور اورنگ زیب کی لڑائی کے وقت بادشاہی فوج کا میر بخشی عمدۃ الملک خلیل اللہ خاں تھا س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو گیا تھا کہ ہم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اور کوئی ایسا مشکل کام نہیں جس کو ہم انجام نہ دے سکیں اور فوج کی ہمت و جرأت بڑھانے کو اورنگ زیب علانیہ کہتا تھا کہ داراشکوہ کی فوج میں تیس ہزار مغل ہمارے لئے اپنی جانیں لڑا دینے کو تیار ہیں۔ اور اُس کی یہ لاف زنی چنداں بے اصل بھی نہ تھی کیونکہ ناظرین کتاب جلد معلوم کرلیں گے کہ داراشکوہ سے فی الواقع بعض اُمرا نے دغا بازی کی اب مراد بخش اگرچہ تیز مزاجی سے قیام کا متحمل نہ تھا۔ اور اُس کا شوق یہی چاہتا تھا کہ آگے بڑھے چلے۔ لیکن اورنگ زیب نے روکا اور کہا کہ اس خوش نما دریا (نربدا[1]) کے کنارے ٹھیر کر ذرا دم لینا اور آرام کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اِس صورت میں ہم کو اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے خط و کتابت کر کے دارالسلطنت کے حالات جانچنے اور معلوم کرنے کا موقعہ ملے گا۔ غرض کہ اب ان کا کوچ آہستہ آہستہ ہوتا تھا۔ اور آگرہ سے جو خبریں آتی تھیں اُن پر غور کر کے آگے کو بڑھتے تھے۔

شاہجہاں کی مجبوری اور داراشکوہ کی خودرائی

اس وقت شاہجہاں ایک عجیب ناامیدی اور غم میں مبتلا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ دیکھتا تھا کہ اب یہ دونوں کسی طرح دارالسلطنت میں داخل ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ دوسری جانب داراشکوہ کو لڑائی کی بڑی بڑی تیاریاں کرتے دیکھکر اُسے سخت اضطراب ہوتا تھا کیونکہ خوب جانتا تھا کہ جن آفتوں کو وہ طرح طرح کی تدبیروں سے ٹالنا چاہتا تھا اب اس خاندان پر آنے والی ہیں۔ مگر داراشکوہ کی خواہشوں کو روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اوّل تو بیماری کی سختیوں ہی سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا اس کے علاوہ داراشکوہ کی منہ زوریوں سے مجبور ہو کر فوج اور ملک کے کام سے ہاتھ اُٹھا بیٹھا تھا اور اُمرا اور وزرا کو کہہ چکا تھا کہ اُس کی اطاعت اور فرماں برداری کریں۔ غرض کہ ان دنوں اُس کی یہ حالت تھی کہ گویا داراشکوہ تو بادشاہ اور حاکم تھا اور وہ نوکر اور محکوم۔

داراشکوہ کی فوج

اس لئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ داراشکوہ نے بآسانی اس قدر فوج جمع کرلی جو ہندوستان میں کسی لڑائی کے موقعہ پر شاذ ہی کبھی ہوئی چنانچہ ایک لاکھ سوار[2] اور بتیس ہزار پیدل اور اسّی توپیں اور بے انتہا نوکر چاکر اور بنجارے بقال اور مزدور

---

[1] انگریزی میں نربدا ہی لکھا ہے مگر یہ ترجم کی غلطی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔ س م ح

[2] عاقل خاں لکھتا ہے کہ قریب صد ہزار سوار کرا راز امرائے نامدار و دیگر بندھائے سرکار عالم مدار و ملازمان سرکار خویش فراہم آوردہ" س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور حمال جو رسد رسانی اور اور کاموں اور خدمتوں کے لئے صلح ہو یا جنگ۔ بہر حال درکار ہوتے ہیں جمع ہو گئے۔ پس اکثر مورخ جو یہ لکھدیا کرتے ہیں کہ فلاں جگہ تین چار لاکھ آدمی کا لشکر تھا مجھے شک ہے کہ وہ غلطی سے۔ بھیر کے لوگوں کو بھی لڑنے والے سپاہیوں کے شمار میں داخل کر لیتے ہیں۔

اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ دارا شکوہ کی فوج اس قدر زیادہ تھی کہ بظاہر اورنگ زیب کی سی دو تین فوجوں پر غالب آسکتی تھی کیونکہ اول تو اُس کی سب قسم کی فوج چالیس ہزار سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ اور پھر تیز دھوپ اور گرمی میں کڑے کڑے کوچ کئے چلے آنے سے اکثر تھکی ماندی تھی، مگر اس پر بھی کسی کو اُس کی کامیابی کا یقین نہ تھا اس لئے کہ جن سپاہیوں اور سرداروں کی نسبت یہ بھروسہ ہو سکتا تھا کہ نمک حلال اور وفادار رہیں گے وہ صرف وہ لوگ تھے جو سلیمان شکوہ کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ اور دربار کے جتنے بڑے بڑے امیر تھے اُن کی طرف سے ایسے آثار ظاہر تھے کہ اُن کو نہ تو کچھ اُس سے محبت ہی ہے اور نہ کچھ اُس کا فائدہ ہی چاہتے ہیں۔

دارا شکوہ کا جنگ کرنے پر اصرار

اس لئے اُس کے خالص خیر خواہوں نے نہایت منت اور سماجت سے یہ صلاح دی کہ آپ اس خطرناک لڑائی کی سلسلہ جنبانی نہ کریں اور خود شاہجہاں کی بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ یہی رائے تھی بلکہ باوجود ضعف و نقاہت کے اُس نے یہاں تک کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اورنگ زیب کے مقابلہ کو بذات خود جاؤں اور فی الواقع یہ تدبیر نہایت ہی عمدہ اور معقول تھی اور ضرور لڑائی ٹل جاتی اور اورنگ زیب جو نہایت ہی مغرور ہو رہا تھا اس طریق سے اُس کی کامیابی بے شک رُک جاتی اور اول تو اورنگ زیب اور مراد بخش باپ کے ساتھ غالباً مقابلہ سے پیش ہی نہ آتے۔ اور اگر ایسی حرکت کر بھی بیٹھتے تو یقیناً تباہ اور برباد ہو جاتے۔ کیوں کہ اورنگ زیب اور مراد بخش کے سب سردار اور اہل فوج بادشاہ کے دل سے گرویدہ تھے اور جب اُس نے کسی طرح سے بھی اُن کی اس صلاح کو نہ مانا تو مجبوراً اُنھوں نے یہ سمجھایا کہ سلیمان شکوہ جو آپ کی امداد کے لئے بہت جلد چلا آرہا ہے اُس کے آجانے تک توقف کیجئے۔ اور فی الواقع یہ بھی ایک اچھی اور مفید صلاح تھی کیونکہ اس نوجوان شاہزادہ سے اکثر لوگ راضی تھے اور محبت رکھتے تھے اور وہ اپنے ساتھ ایک ایسی فوج

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لئے آتا تھا جس میں اکثر داراشکوہ کے ذاتی ملازم تھے اور سلطان شجاع پر ابھی فتح پا چکی تھی۔ لیکن اس کو بھی نہ مانا کیونکہ اُس نے یہی ایک بات ٹھان لی تھی کہ اپنے اس ارادہ پر قائم رہ کر جس طرح بن پڑے اورنگ زیب سے سبقت لے جانا چاہیے۔ اگر داراشکوہ خوش نصیب ہوتا اور موقعہ شناسی سے کام کرتا تو غالباً بازی لے جاتا[1]۔

جن خیالوں سے اُس نے ان تجویزوں کو نہ مانا اور جلدی سے بھڑ جانا ہی پسند کیا ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ اُس نے سوچا کہ اس وقت بادشاہ یہاں تک میرے قابو میں ہے کہ اُس کی ذات خاص پر بھی مجھے اختیار کلی حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ بادشاہی خزانہ سب میرے قبضہ میں ہے۔ تیسرا یہ کہ کل بادشاہی فوج میرے تحتِ حکومت ہے۔ چوتھا یہ کہ سلطان شجاع نے ایسی شکست کھائی ہے کہ گویا تباہ ہی ہو چکا ہے اور اورنگ زیب اور مراد بخش جو ایک کمزور اور تھکی ماندی فوج لے کر آئے ہیں گویا "بپائے خود بگور آمد" کا مصداق بننے کے لئے آتے ہیں اور اس حالت میں اگر ان کو ایک بار شکست مل جائے گی تو پھر کہیں ان کا ٹھور ٹھکانا نہ رہے گا اور اس طرح سے روز روز کا قصہ ایک ہی دفعہ پاک ہو کر بلا شریک و سہیم سلطنت کا مالک اور بادشاہ بن جاؤں گا۔ اور یہ بھی خیال کیا کہ اگر خود بادشاہ کو مقابلہ کے لئے جانے دوں گا تو ضرور صلح ہو جائے گی اور سب

---

[1] عاقل خاں لکھتا ہے کہ چونکہ داراشکوہ کو ناتجربہ کاری کی وجہ سے لڑائی بھڑائی کے کام کی بالکل لیاقت نہ تھی اور اُس کی اکثر تدبیریں نامناسب اور خلاف عقل ہوتی تھیں اس لئے اس خاندان کے خیر خواہوں نے ہر چند عرض کیا کہ یہ آگ جو بھڑکی ہے آبِ تدبیر کے بغیر بجھنی مشکل ہے اور حضرت (بادشاہ) کو ایک فریق بنانا مناسب نہیں اورنگ زیب اور مرادبخش کو آنے دینا چاہیے اور جب حضرت کے ارشاد سے بادشاہی اُمرا اُن سے علیحدہ ہو جائیں گے تو اُن میں خود ہی مقابلہ کی طاقت نہ رہے گی اور جو کچھ حضور فرمائیں گے اورنگ زیب کو اُس کی مخالفت ناممکن ہوگی۔ مگر جب تک بادشاہی اُمرا اُن کی رفاقت میں ہیں کوئی تدبیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی اس رائے کو نہایت پسند کیا۔ مگر داراشکوہ نے راد سترسال اور رام سنگھ کے اغوا سے منظور نہ کیا۔ بلکہ نفاق پر محمول کر کے علانیہ کہہ اُٹھا کہ "من عنقریب ایں کوتہ پایچوں ہارا (یعنی شرعی پائچوں والے مسلمان لیڈروں کو) در جلیب (اردلی) سترسال خواہم دانید" (سترسال تک دوڑاؤں گا) اور اس بات کے سننے سے سب امرا کیا تورانی اور کیا ایرانی بے دل ہو کر دیرہ طرف ثانی کے جانب دار ہو گئے۔ س م ح ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھائی اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے جائیں گے۔ اور بادشاہ جو پہلے کی بہ نسبت تندرست ہوتا جاتا ہے عنانِ حکومت پھر اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اور امورِ سلطنت جس صورت پر پہلے تھے اُسی شکل پر پھر ہو جائیں گے اور سلیمان شکوہ کے انتظار کرنے کی نسبت اُس نے یہ سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کے آنے تک بادشاہ میری خرابی کے لئے کوئی منصوبہ باندھ لے یا اورنگ زیب ہی سے کوئی ایسا عہد و پیمان کرلے جو میرے حق میں مضر ہو اور یہ بھی خیال کیا کہ اگر اُس کے آنے تک صبر کیا جائے اور بالفرض اس کے آنے کے بعد لڑائی میں فتح بھی حاصل ہو جائے تو لوگ اس کو سلیمان شکوہ ہی سے منسوب کریں گے جس کی بہادری کی پہلے ہی بہت کچھ دھاک بیٹھ گئی ہے اور اس حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس دل چلے اور نوجوان لڑکے کی طبیعت پر لوگوں کی تعریف و توصیف سے کس قسم کا اثر پیدا ہوگا اور جب کہ خاص دادا اور اُمرائے دربار تحسین و آفرین کریں گے تو کیا معلوم ہے کہ اُس کے خیالات کہاں تک بلند پرواز کریں اور باپ کی محبت اور ادب کا کچھ لحاظ باقی رہے یا نہ رہے۔

داراشکوہ میدانِ جنگ کی طرف

غرض کہ ان توہمات سے دارا شکوہ بہک گیا۔ اور اپنے خیر خواہوں اور دوستوں کی نیک اور عاقلانہ صلاح بالکل نہ مانی اور فوج کو لڑائی کے لئے تیار ہو کر کوچ کرنے کا حکم دیا اور رخصت ہونے کو قاصد بیگم بادشاہ کے پاس آیا۔ اور یہ بوڑھا باپ اول تو بیٹے سے بغل گیر ہو کر بے اختیار رونے لگا مگر پھر ذرا سنبھل کر بولا کہ "خیر بیٹا تم نے اپنی مرضی کا کام کیا۔ خدا تم کو اس میں سرخ رو اور کامیاب کرے۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر لڑائی بگڑ گئی تو پھر آکر مجھے کیا منہ دکھاؤ گے" مگر اُس نے ان باتوں کی کچھ پروانہ کی اور جھٹ پٹ رخصت ہو کر چنبل کی طرف جو آگرہ سے قریب بیس فرسنگ کے ہے کوچ کر دیا اور اس خیال سے کہ مخالف فوج یہیں سے گذر کرے گی دریا کے گھاٹ روک کر مورچے جما دیئے[1]

---

[1] داراشکوہ نے اگرچہ اس دریا کے معروف گھاٹ سب ہی روک لئے تھے مگر دھول پور کے گھاٹ کو، جہاں سے گوالیار اور دکن کا عام راستہ ہے خصوصیت کے ساتھ روکا تھا۔ یہ مقام اُس زمانہ میں خاص بادشاہی عملداری میں تھا۔ مگر ہمارے اس وقت میں پرولیا گوت کے جاٹ قوم کے اُن رئیسوں کا دارالحکومت ہے جو یہ زمانہ سابق گوہد کے رانا کہلاتے تھے۔ اور گوالیار بھی انھیں کی عملداری میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب کی فوجی چال

لیکن وہ تیز نظر اور سیاست داں فقیر[1] جس نے ہر جگہ جاسوس اور مخبر لگا رکھے تھے اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اس قدر مخالف فوج کی موجودگی میں دریا سے اُترنا کس قدر دشوار ہے۔ مگر بہرحال اُس نے اپنے ڈیرے خیمے اُس پار آن لگائے۔ اور عمداً ایسے نزدیک قائم کئے کہ دارا شکوہ اُن کو دیکھ سکے اور اس کے ساتھ ہی یہ تدبیر کی کہ چمپت[2] نامی ایک راجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ تھا۔ مگر مرہٹوں کے زور کے زمانہ میں وہ ریاست ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے عوض سرکار انگریزی کی اعانت سے دھول پور کی نئی ریاست قائم ہوگئی جس کا رقبہ ایک سو ساٹھ میل مربع اور آبادی قریب دو لاکھ اور آمدنی دس اور گیارہ لاکھ کے اندر ہے۔ نوجوان رئیس حال مہاراج رانا نہال سنگھ صاحب بہادر عالی شان خاندان پٹیالہ کے نواسے ہیں۔ اور یہ بااختیار ریاست ہے اور گورنمنٹ قیصریہ کی طرف سے رئیس کے لئے پندرہ توپ کی سلامی مقرر ہے۔ س م ح

[1] چونکہ شاہزادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب ریاکاری سے اپنی نسبت اکثر فقیر کا لفظ استعمال کیا کرتا تھا اس لئے مصنف کہیں کہیں طنزاً اس لفظ کا اعادہ کرتا ہے۔ س م ح

[2] یہ بھدادر کا راجہ تھا جو باشندوں کی قوم کے نام کی مناسبت سے آگرہ کے قریب چنبل کے دونوں طرف کے اُس قطعہ ملک کو کہتے ہیں جس میں بھدوریہ گوت کے راجپوتوں کی آبادی ہے۔ اس خاندان میں ریاست کی صورت کسی قدر اب تک بھی قائم ہے اور گورنمنٹ عالیہ قیصریہ کی طرف سے کچھ تو گاؤں معاف ہیں اور کئی ہزار روپیہ نقد عنایت ہوتا ہے جو مل جل کر قریب ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی ہوجاتی ہے۔ اور موضع کچورا جس کو عموماً گھاٹ کا گاؤں کہتے ہیں آج کل ان کا ریاست گاہ ہے جو دریائے جمنا کے کنارے پرگنہ باہ پناہٹ ضلع آگرہ میں واقع ہے۔ اور اگرچہ اختیار فرماں روائی حاصل نہیں ہے مگر رئیس کو مہاراجہ کا خطاب ہے اور عزت و آبرو اب بھی بہت خاصی ہے۔ چنانچہ ایک بڑے دربار میں جو نومبر ۱۸۶۶ء میں لارڈ لارنس صاحب بہادر وائسرائے و گورنر جنرل کشور ہند نے بمقام آگرہ نہایت شان و شوکت سے کیا تھا اور جس میں میں خود بھی موجود تھا مہاراجہ بھدادر کی کرسی سندھیا جے پور۔ جودھپور وغیرہ بڑے چھوٹے چوبیس فرماں روا رئیسوں اور چھ مغلیہ خاندان کے شاہزادوں۔ اور مہاراجہ ویانگرام (رئیس بے اختیار متعلقہ احاطہ مدارس) اور مہاراجہ بلرام پور اودھ کے تعلقدار اعلیٰ کے بعد تینتیسویں نمبر پر اور بہت سے بے اختیار راجاؤں اور سرداروں سے اوپر تھی۔ اورنگ زیب چنبل کے جس گھاٹ سے پار اُترا تھا۔ باوجود کوشش کے اُس کا پتہ نہیں لگ سکا مگر عاقل خاں کی تاریخ اور عالمگیرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھدادر کے راجہ نے نواح گوالیار میں حاضر ہوکر اس خدمت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو کچھ انعام واکرام اور وعدے وعید دے کر یہ بندوبست کر لیا کہ فوج اُس کے علاقہ میں سے گذر کر فوراً اُس گھاٹ کو جا لے جو پایاب تھا۔ اور اس راجہ نے اُس بَن اور کوہستان کے مشکل راستہ سے جس کی نسبت داراشکوہ کو شاید یہ گمان تھا کہ اس طرف سے اورنگ زیب نہ آسکے گا خود ساتھ ہو کر عبور کرا دینے کا ذمہ لیا۔ اور اس تجویز کے موافق مخالفوں کو دھوکا دینے کے لئے ڈیرے خیمے بدستور کھڑے چھوڑ دیئے اور خود معہ فوج چل دیا۔ اور دشمن کو خبر ہونے سے پہلے چنبل سے اُتر آیا۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے بجالانے کا ذمہ لیا تھا اور اورنگ زیب نے کارخانہ جات شاہی کو کواری کی سرائے میں چھوڑ کر اس ملک کے پچیس کوس کی مسافت کو دو منزلوں میں طے کر کے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ ۱۰۶۸ھ ہجری کو ایک غیر مشہور گھاٹ سے جو گوالیار سے دھول پور کی طرف آتے ہوئے داہنے ہاتھ تھا۔ عبور کیا تھا۔ س م ع

[1] اس موقعہ پر بیگم صاحب نے جو خط اورنگ زیب کو لکھا تھا (جس کو خود شاہجہاں کی طرف سے سمجھنا چاہیئے) اور اس کے جواب میں جو عریضہ اس نے باپ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ دلچسپ سمجھکر تاریخ عاقل خاں سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں "للہ الحمد والمنت کہ ذات مقدس شاہنشاہ معدلت پژوہ دقیقہ رس اعلیٰ حضرت ظل سبحانی منظور انظار عنایات ربانی صاحب قران ثانی از سایر عوارض وامراض جسمانی کہ لازمہ نشاۃ بشریت وطبیعت انسانی است منزہ ومبراست وتوجہ عالم آرا در باب رفاہیت برایا کہ ودایع بدایع الٰہی اند وانیت ملک بہ وجہ اتم مبذول وبہ مقتضائے طبع نصفت آگین اشرف ہیچ تنفسے را نمی پسندند کہ مصدر حرکتے ومظہر امرے کہ مستلزم بے جمعیتی خلایق ومتضمن ضرر وضیر طوائف انام باشد گردد خاصتہ از فرزندان نام دار وابنائے کام گار سیما دریں ایام کہ خاطر مقدس بہ تدارک وتلافی وہن وفتورے کہ بسبب بیماری آں برگزیدۂ انفس وآفاق بحال کافۂ برایا وعامہ رعایا راہ یافتہ باقصی غایت متوجہ ومتعلق است التہاب نوایر فتنہ وفساد و اشتعال آتش کیں وعناد کہ مورث ویرانی بلاد وخرابی عباد است معاذ اللہ موجب مزید آزار خاطر ہمایوں وسبب کثرت حزن وملال طبع مقدس خواہد بود بہ تخصیص ظہور ایں نشاۃ ناپسندیدہ ووقوع ایں امر نامرغوب ازآں برادر ہوشمند بیدار مغز کہ آراستہ بمزایائے لطیفہ واخلاق کریمہ وصاحب آداب حمیدہ وطبع سلیمہ است بغایت زشت ونازیبا۔ لاجرم بنا بر خیر طلبی ایں چند کلمہ کہ ہر آئینہ متضمن فوائد عظیمہ وموجب تنزیہ وتقدیس ساحت باطن وتصفیہ طریق معاد از خس وخاشاک امور رویہ وشیوں ذمیمہ است حسن نگارش پذیرفت اگر غرض آں برادر والا گہر از ہیجا توجہ بہ تہیج غبار فساد وعناد والتہاب نوایر حرب وقتال است خود انصاف

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ فرمایند کہ دربرابر مرشد وقبلہ حقیقی کہ رضائے او موجب خوشنودی خدائے عزوجل ورضامندی رسول اوست ۔ ہنگامہ جنگ وجدال وحرب وقتال آراستن وبر سفک دماے بے گناہان ہمت گماشتن وبر روئے آنحضرت تیر وتفنگ انداختن بچہ مایۂ ناشایان است وثمرۂ آں درین نشار جنبدنامی ودرآں نشا غیر بدسرانجامی نیست واگر آرائش ہنگامہ مخاصمہ ومقاتلہ از بہر شاہ بلند اقبال (دارا شکوہ) است نیز درآئین دیں وخرد صواب گزیں پسندیدہ نباشد زیرا کہ برادر بزرگ شرعاً وعرفاً حکم پدر دارد وایں معنی را بامرضیات خاطر مقدس حضرت ظل الٰہی ومتعلیات طبع والائے شہنشاہی مباینت تامہ متحقق است۔ بالجملہ انبعاث غبار ہیجا وایقاد نوایر وغا وترتیب اسباب رزم وخوں ریزی وتصمیم عزیمت حرب وفتنہ انگیزی ازاں برادر ہوشمند والاگہر کہ بہ محامد اوضاع ومحاسن اطوار ومکارم اخلاق موصوف ومعروف جہان گشتہ پیوستہ وراستر ضائے خاطر اقدس خاقان خجستہ منظر وشاہنشاہ فرشتہ سیر میکوشند ہیچ وجہ وبا ہیچ کس پسندیدہ نیست چہ توقف چند روزہ دریں دار بے ثبات وقرار ومستلذات ابلہ فریب ایں سرائے مستعار کہ باعث ارتکاب چنیں امر مذموم وناپسندیدہ باشد موجب ملالت نشاء ابد وطراز سامت سرائے مخلد است ع کمن کمن کہ نکو گوہران چنیں نکنند ۔ مناسب آنست کہ آں برادر نامدار ازیں امور رویہ وافعال شنیعہ کہ تلخ سوئے خاتمت وشمر وخامست عاقبت ست اجتناب لازم شمردہ وراستر ضائے خاطر قدسی مناظر شاہنشاہ دیں پرور وخاقان معدلت گستر ناممکن ومقدور سعی نمایدہ وخوشنودی آنحضرت را از موجبات حصول سعادت دارین فراگرفتہ ازارائہ م متابعان حضرت خاتم النبیین در ماہ مبارک رمضان محترز باشد احکام مرشد ومولی نعمت ووالی سلطنت را بجان ودل امتثال نماید کہ فی الحقیقت بہ مقتضائے اُولی الامر منکم امتثال امر شاہنشاہ حقیقی است وقدم در راہ خلاف خلیفہ الٰہی سپردن مخالفت فرمان مالک الملک نمودن است واگر مطلبے وغرضے غیر ازیں مرکوز خاطر عزیز بودہ باشد ۔ پس پسندیدۂ عالم خرد آنست کہ درسر زمینے کہ معسکر خیام شدہ باشد توقف اختیار نمودہ ہر مطلبے کہ مکنوز خاطر گرامی است مرقوم گردانند تا بعرض اقدس وارفع رسانیدہ مطابق ابتغائے خاطر عزیز وتمنائے طبع گرامی سرانجام دادہ آید ودر اسعاف وانجاح مقاصد ومآرب آں قرۂ باصرہ سلطنت وجہاں بانی سعی واجتہاد وافی بہ تقدیم رسانیدہ شود۔"

اورنگ زیب نے کسی مصلحت سے بہن کو تو اس کا جواب نہ لکھا مگر خود باپ کے نام مندرجہ ذیل عرضی بیگم صاحب کے بخشی محمد فاروق کو جو یہ خط لایا تھا دیدی اور آگرہ کی جانب کوچ کر دیا۔

"دریں ایام زمام مہام سلطنت ودارائے وعنان امور ملکی ومالی از قبضہ اختیار حضرت بیروں رفتہ و

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اعلام تغلب و اقتدار شاہزادہ کلاں (داراشکوہ) در قبض و بسط امور سلطنت و فرماں دہی بنہایتے ارتفاع پذیرفتہ کہ اندازۂ آں بہ حوصلۂ تقریر و تحریر نمی آید و داد بنا بر قدرت و کمنت خویش ہمت باستیصال نہال وجود اخواں مقصور گردانیدہ روز بروز سعی و اجہادش دریں باب بمہت تزایدی پذیرد ۔ چنانچہ سلیماں شکوہ را با فواج گراں بر سر شاہ شجاع کہ پسر رشید آں حضرت است تعین کردہ ناموس و نام نشی و دو سالہ را (کیونکہ یہ واقعہ شاہجہاں کے بتیسویں سال جلوس میں ہوا تھا) بباد فنا دادہ و آنجناب (شاہ شجاع) چہ مایۂ مذلت و خفت از تواسہ پرویز (شاہجہاں کے ایک سوتیلے بھائی کا نام تھا جس کی بیٹی سلیماں شکوہ کی ماں تھی) کشیدہ در پیش اہل جہاں شرمسار و خجل گردیدہ و ہم چنیں بہ ہوائے نفس و خواہش طبع خویش بنائے کار برآں نہادہ پیوستہ در تنقیص و تضییق احوال و تضیع و تخریب مہام ایں نیاز مند بذل جہدی نماید و ہمیشہ کارہائے مبایں دین و ملت کہ متلزم فساد امور بلاد و عباد باشد از و بظہور می رسد و ابواب منافع و مداخل بر روے روزگار ایں خیر خواہ مسدود گردانیدہ انواع منقصت و اقسام مضرت رسانیدہ در ایامے کہ حسب الاشارہ اقدس بر ولایت بیجاپور لشکر کشیدہ بہ تسخیر بعضے از قلاع آں ولایت می پرداخت و امرا و سپاہ بہ محاصرہ اشتغال ورزیدہ داد جاں نثانی می دادند و مخالفان از اطراف و جوانب ہجوم آوردہ در صدد ممانعت و مدافعت بودند و اخبار موحشہ بیاری ذات مقدس شیوع یافتہ باعث تحیر و تفکر اولیاء دولت گردیدہ و شوخی اعداشدہ بود و محصوران گلبرگہ کہ جاں بازاں موکب اقبال بعد از تسخیر قلعہ بیدر و کلیانی بہ محاصرۂ بلدہ مذکور پرداختہ بودند در مضیق محاصرہ دل تنگ تر از غنچہ شدہ کار بداں قریب گشتہ بود کہ صورت افتتاح رو نماید و مسند آرائے بیجاپور از ترک تاز بہادران اقلیم ستان بستہ آمدہ در فکر آں فرو افتادہ بود کہ پیش کشے لایق سرانجام دادہ ولایت خود را از صدمہ سپاہ فیروزی دست گاہ مصئون گرداند و الا بیم آں داشت کہ دلاوران موکب اقبال او را عنقریب متاصل ساختہ ولایتش را ضمیمہ ممالک محروسہ گردانند در خلال ایں حال شاہزادہ کلاں ملازماں خود را بطلب امرائے بادشاہی و تسلی و استمالت حاکم بیجاپور تعین نمود ۔ آں ہا پیغام ہائے عنایت آمیز و مہربانی انگیز بہ والی بیجاپور رسانیدہ او را دردادی لجاج و عناد نسبت بایں مرید دلیر تر ساختند و سرداران بادشاہی را بہ مبالغہ و اہتمام تمام از پیرامون بلدہ گلبرگہ کہ کارش نزدیک بہ کشایش رسیدہ بود برداشتہ در رواں کردن و بردن آں ہا بداں غایت مراتب تاکید و اجہاد بظہور رسانیدن کہ فرصت رخصت و مجال وداع نیافتہ و ایں خیر خواہ را ندیدہ بر جناح استعجال عازم درگاہ جہاں پناہ شدند ازیں جہت تا فیہ وقت بریں نیاز مند بغایت تنگ گشتہ ۔ لورطۂ تحیر و تفکر در افتادہ بحکم ضرورت کار صورت یافتہ و با انجام رسیدہ را برہم زدہ محض نہ نیروے اقبال بے زوال خود را ازاں سیہ چال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

داراشکوہ کی جلدبازی اب دلاشکوہ کو بھی مجبوراً اپنے مورچے چھوڑ کر اُس کا تعاقب کرنا پڑا جو چنبل سے اُتر کر بڑی سرعت کے ساتھ جمنا کے کنارے پہنچ گیا اور فوج کو آرام دینے کی غرض سے مورچے جمائے دیکھ رہا تھا کہ داراشکوہ کب آتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ خطر برآوردہ بہزاراں جر تقبیل واصابہ تدابیر ازمیان انبوہ فتیم برآمدہ سالما بما منے رسید۔ عیاذ باللہ اگر چشم زخمی می رسید در اکناف واطراف جہاں شہرت یافتہ کہ مدنامی خال خفت ومذلت سالہائے دراز بر روئے دولت پائدار می ماند وبر جماند روزگار ثبت می گردید وپیداست کہ تدارک وتلافی آں بواسطہ عدم دور بینی وناعاقبت اندیشی شہزادۂ کلاں کہ محض روائی کار خویش مطمح نظر داشتہ اگر عالمی راآب فرو برو غمے ندارد از دائرہ امکاں وحیز قدرت بند ہائے بادشاہی بیروں بود ایں مرید از بس ممارست در امر جاں بازی ومہارت در کار نبرد وپیکار وآشنائی باشیوہ ستیزہ دراں ایں دیار از ہجوم واز دحام اعدا حسابی نہ گرفتہ بہ پتھاق جلادت فرق مخالفان کوفتہ بااستظہار اقبال لشکر راازاں گرداب شورش وفساد درضماں سلامت بیروں آورد وغریب تر آنکہ بایں بے مددی وخسارت وکارشکنی وخصومت کدرایران وتوران اشتہار پذیرفتہ اکتفا نہ کردہ محال بزار را ایں ہمہ بزار رجونی زمانہ ریاست حیدرآباد دکن کا ایک جزو مگر گورنمنٹ انگریزی کے زیر انتظام ہے) بے سابقہ تقصیر وکوتاہی از جاگیر ایں خیرخواہ رضا طلب کہ جز ارادت واعتقاد امرے دیگر را بخاطر راہ ندادہ تغیر کردہ باپنجہاں ناخلفی زیادہ سری (مراد بخش) کہ پا از حد بیروں نہادہ مرتکب انواع گستاخی ومصدر تقصیرات عظیم گشت ولوائے بے اعتدالی وافسادو رعونت بلند وعناد برافراشتہ تنخواہ نمود وکیفیت حال دامی بواسطہ خواہش نفس خویش بخلاف واقع بعرض اشرف رسانیدہ بہ محض بہتان وافترا ذیال حال ایں خیراندیش راغبار آلود جراسم دلوث آمود ذمایم وانمود وبالحاح تمام جسونت سنگھ را بالشکر گران بر سر ایں داعی گماشت ومطمح نظر آں داشت کہ در ہیں ضمن ولایتے مختصر (یعنی صوبہ داری دکن) کہ از پیش گاہ عاطفت واشفاق حضرت بایں مرید مرحمت شدہ بہر بہانہ کہ میسر آید انتزاع نماید وایں فدوی را آوردہ فیافی بیکسی وغربت وآسیمہ سر صحرائے محن وکربت گرداند وبسکہ از راہ ودمدمہ دوستان در مزاج اقدس تصرف کردہ حضرت قول اورا تصدیق فرمودہ بار فرزندان اخلاص طینت را دشمن دولت فراگرفتہ ودرحق ایں سرگرداناں سراب گاہ حیرت ہرچہ او تخویز می نماید بے تامل حکم می فرمایند وقطعاً تفحص وتفتیش حال ایں بے گناہاں توجہ وغور در امور ملکی ومالی نفرمودہ زمام رتق وفتق مہام جزوی وکلی بکف اختیار وقبضہ اقتدارش باز گذاشتہ اند داد خود بے فائلہ شک وشائبہ ریبت داد۔ خون ایں بے گناہاں است۔ چوں کار بایں حد رسیدہ وصورت حال بدیں منوال انجامیدہ حفظ جان وپاس ناموس خود از مہمات عالم ومہمات نشاء خرد دانستہ عازم استلام شدہ سدرہ منزلت سپہر احتشام گردید تا صورت حال بہ حج وبراہین معقولہ در خدمت عاکفان پایۂ اورنگ جہانبانی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(یہ جگہ جہاں اُس نے اپنے مورچے قائم کیے تھے آگرہ سے قریب پندرہ میل کے ہے اور اس کا نام پہلے سوگڈھ تھا اور اب اس وجہ سے کہ اورنگ زیب نے یہاں فتح پائی تھی فتح آباد کہا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ مکشوف گرداند فرد عدل سلطان گرپرسد حال مظلومان عشق ۔ گوشہ گیران راز آسایش طمع بارہ بدید ۔ چوں ایں خیرخواہ قطع مسافت نمودہ بحوالی اُجین فایز گردید جسونت سنگھ باشارہ شاہزادہ کلاں بانیا و آزار ایں خیرخواہ مامور بود بہ سلسلہ جنبانی جہل و نادانی سنگ راہ گشتہ بہ قدم ممانعت پیش آمد وبے ملاحظہ آداب وحقوق دلیرانہ تحکم نمود چند انکہ مردم ہوشمند سخن داں فرستادہ بعنوان معقول آں جھول را بارادہ خود آگاہی بخشید و تصریح نمود کہ ممتنع سعادت حضور فائض النور و محروم طواف کعبہ آمالی بندگان نزدیک و دورست چرا مانع سعادت می شود ۔ آں ناعاقبت اندیش اصلا بمعقولیت آشنا نہ شدہ بہ تکلیف جہالت و غرور بیشتر در مراتب منع افزود ولاجرم پنبہ جہل دپندار پوچ از گوش ہوش او دہ کردن و ظلوم جھول را از پیش راہ برداشتن بہ حکم ضرورت بر ذمہ ہمت عقیدت تہمت واجب گردید واگر غیر از تحصیل سعادت زمین بوس اشرف واعلی مرے دیگر مرکوز خاطر می بود بر ضمیر خورشید تنویر ہمایوں روشن و ہویدا ست کہ اسیر کردن اور رفقائش کہ چنیں شکست فاش یافتہ بحال منکسر اسیمہ گرد وادی انہزام گشتہ بودند چندان تعدے نداشت واکنوں کہ شاہزادہ کلاں خود با سپاہ گراں تا دھول پور تشریف آوردہ معابر چنبل و مسالک راہ مسدود ساختہ وجا بجا مردم خود گماشتہ باعتقاد خویش! راہ عبور بریں خیراندیش بستہ بودند ۔ چوں ایں مرید را غیر از ادراک دولت حضور پر نور باہیچ کس سر مقابلہ و پیکار نبود و نیست ۔ از راہ بھدامد از آب چنبل عبور نمودہ عازم زمین بوس اقدس گشت وچنیں شنیدہ می شود کہ آنجناب (دارا شکوہ) حرماں ایں ارادت سرشت اخلاص کیش از سعادت خاک بوس ہمایوں خواستہ قصد اشتعال نائرہ قتال پیش نہاد ہمت دارند ۔ چوں آنجناب را باچوں من مریدارادت پرست بمقابلہ و ممانعت پیش آمدن و ہنگامہ حرب و مصارف آراستن عقلاً و نقلاً سنجیدہ میزان استحسان نیست لازم کہ از سلوک مسلک عناد و اعتساف انحراف نمودہ از اقدام برامرے کہ نتیج اختلال احوال خلایق باشد اجتناب و احتراز نمایند واگر بنا بر توغل در لجہ غرور و استکبار و نظر بر کثرت اعوان و بسیاری انصار خواہ مخواہ با فروختن آتش کارزار و گرم نمودن بازار پیکار ہمت گماشتند ۔ فدوی عقیدت گزیں نیز بحکم الضرورت تبیح المحظورات صرفہ نخواہد کرد پسندیدہ عالم صواب آنست کہ بزرگی را کار فرمودہ بساط کرد فرود نورد و بالفعل بہ صوب ولایت پنجاب کہ در جاگیر آنجناب مقرر است شتافتہ چندے خدمت حضور ہمایوں را بایں خیرخواہ سراپا اعتقاد واگزارند بعد ازاں ہرچہ در مرآت رائے جہاں آرا جلوہ ظہور فرماید شرف بزور خواہد یافت ۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جاتا ہے) پس وہ بھی. جھٹ پٹ آن پہنچا اور اورنگ زیب کے لشکر اور آگرہ کے مابین جمنا کے کنارے ڈیرے آن لگائے۔ مگر تین چار روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے اسی طرح چپ چاپ پڑے رہے اور اس عرصہ میں اگرچہ شاہجہاں نے خط پر خط بھیجے اور لکھا کہ سلیمان شکوہ قریب پہنچ گیا ہے خبردار سوئے تدبیری سے بے موقعہ جلدی نہ کر بیٹھنا بلکہ مناسب یہ ہے کہ آگرہ سے کسی قدر اور قریب ہو جاؤ اور سلیمان شکوہ کے آجانے تک لشکر کو کسی مناسب جگہ ٹھیرا کر اردگرد خندق کھدوا لو اور مورچے باندھ لو مگر اُس نے ان کے جواب میں صرف اتنا ہی لکھ بھیجا کہ حضور کچھ اندیشہ نہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ تین دن گذرنے نہ پائیں گے کہ اورنگ زیب اور مراد بخش کو ہاتھ پاؤں باندھ کر حاضر کر دوں گا اُس وقت حضور کو اختیار ہے کہ جو مناسب ہو ان کو سزا دیں اور یہ جواب روانہ کر کے لڑائی کی تیاری شروع کر دی[1]

دارا شکوہ کی صف آرائی چنانچہ سب سے آگے توپ خانہ قائم کیا اور آہنی زنجیروں سے توپوں کو اس طرح باہم جکڑ دیا کہ دشمن کے سواروں کو حملہ کر کے گھس آنے کی گنجائش نہ رہی اور اُس کے پیچھے زنبورخانہ کے رسالوں کا پرا جمایا جن کے اونٹوں کی پیٹھ پر زنبورک جو ہمارے جہازی جزائلوں سے مشابہ ہیں کسے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ لوگ اُن کو اونٹ پر چڑھے چڑھائے بآسانی بھر کر چلا سکتے ہیں اور ان کے پیچھے بہت سی صفیں پیدل بندوقچیوں کی تھیں اور باقی فوج سواروں کی تھی جن کے پاس یا تو تلواریں اور برچھیاں تھیں یا تلواریں اور تیر کمان۔ چنانچہ برچھی تو راجپوتوں کا ہتھیار ہے۔ اور تیر و کمان عموماً مغلوں کا۔ اور یہ بات میں پہلے لکھ ہی چکا ہوں کہ آج کل ہندوستان میں گورے رنگ کے سب نو وارد مسلمانوں کو خواہ عرب ہوں خواہ رومی۔ ایرانی ہوں خواہ تورانی مغل ہی کہتے ہیں۔

اس کے بعد دارا شکوہ نے فوج کے تین حصے قرار دیئے چنانچہ دائیں پرے کا سردار خلیل اللہ خاں کو بنایا جس کے تحت میں نیف و ہزار مغل تھے اور بائیں پرے کی سرداری رستم خاں

---

[1] شاہجہاں نے جو حتی الامکان لڑائی کو روکنا چاہتا تھا باوجود ضعف و نقاہت اور سخت گرمی کے یہ چاہتا تھا کہ خود جا کر دونوں لشکروں کے مابین اُتر پڑے یہاں تک کہ پیش خیمہ بھی بھیج دیا تھا۔ اور بیماری و کمزوری کی وجہ سے بہ سواری کشتی موقعہ فساد پر پہنچنا چاہا تھا۔ مگر اُس وقت کے مورخوں نے لکھا ہے کہ دارا شکوہ نے اس تجویز کو اپنے مدعا کے برخلاف سمجھکر عمل میں نہ آنے دیا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دکھنی کو جو بڑا شجاع اور نامور سردار تھا تفویض ہوئی اور راؤ ستر سال (ہاڑہ) اور رام سنگھ (راٹھور معروف روٹھلہ) کو اس کے شامل کر دیا۔ خلیل اللہ خاں کو دانشمند خاں کی جگہ (جس کی کچھ دنوں بعد میں نے ملازمت اختیار کر لی تھی) سواروں کی فوج کا بخشی یعنی سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اور اس کی یہ وجہ تھی کہ دانشمند خاں کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ کوئی شخص شاہجہاں کے شاہانہ اختیارات میں مداخلت کرے اور چونکہ یہ امر دارا شکوہ کی ناراضی کا باعث تھا اس لئے اس نے اپنے منصب سے استعفا دیدیا تھا۔

اورنگ زیب اور مراد بخش نے بھی قریبًا اسی قاعدہ سے اپنی فوج کو میدان میں کھڑا کیا البتہ یہ بات زیادہ کی کہ امرا کی فوجوں میں جو دونوں طرف یعنی دائیں بائیں تھیں کچھ ہلکی توپیں پوشیدہ طور پر لگا دیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حکمت میر جملہ کی بتائی ہوئی تھی جس کا نتیجہ کسی قدر اچھا ہی نکلا۔

ہندوستان کا طریقۂ جنگ

مجھے معلوم نہیں کہ اس لڑائی میں کوئی اور جنگی حکمت بھی کی گئی ہو بجز اس کے کہ مقابل کی صف کے اکثر حصوں سے ایک قسم کے بان دونوں طرف کے سواروں پر چلائے جاتے تھے۔ جن سے اکثر گھوڑے بھڑک جاتے تھے اور کبھی کبھی کچھ آدمیوں کا بھی نقصان ہو جاتا تھا۔ مگر میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہاں کے سواروں کی چلت پھرت بہت اچھی ہے اور لڑائی کے وقت گھوڑوں کو بہ آسانی پھرانے اور چکر وغیرہ دینے میں بہت مشاق ہیں۔ اور تیر اندازی تو ایسی عجیب سرعت کے ساتھ کرتے ہیں کہ جتنی دیر میں برقنداز دو بندوقیں چھوڑے سوار چھ تیر چلا سکتا ہے۔ اور نہایت اچھی طرح سے صف بندی قائم رکھتے اور بخوبی مجتمع رہتے ہیں۔ خصوصًا حملہ کے وقت دشمن پر خوب اکھٹے ہو کر گرتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ میں ان کو لڑائی کے فن میں فرنگستان کی فوج سوار کے مانند قابل اور ہوشیار نہیں سمجھتا۔ اور اس کا سبب اس کتاب کے ایک اور مقام میں بیان کروں گا۔

لڑائی کا مقابلہ

اب لڑائی کی کیفیت سنئے کہ جس وقت دونوں طرف بخوبی تیاریاں ہو چکیں تو یہاں کے دستور کے مطابق اول گولہ چلنا شروع ہوا اور پھر تیر اس کثرت سے برسنے لگے کہ گویا بادل چھا گیا مگر لڑائی کی گرما گرمی میں یکایک مینہ کا ایک ایسا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چھینٹا پڑا کہ لڑائی جو خوب سرگرمی سے ہو رہی تھی تھوڑی دیر کے لئے ذرا ٹھنڈی پڑ گئی۔ مگر بارش کے رکتے ہی پھر توپیں چلنے لگیں اور دارا شکوہ اس وقت سراندیپ کے ایک خوبصورت ہاتھی پر سوار ہو کر نکلا اور سب طرف سے دھاوا کرنے کا حکم دیتا ہوا بذات خود سواروں کی ایک فوج کے ساتھ دشمن کی توپیں چھین لینے کو بڑی جرأت سے بڑھا۔ مگر مخالفوں نے ایسی مستعدی اور استقلال سے مقابلہ کیا کہ دارا شکوہ کے ارد گرد آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور نہ صرف وہ فوج جو اس کے ساتھ تھی بلکہ بہت سی اور بھی، جو پیچھے سے آن ملی تھی سب تتر بتر کر دی لیکن دارا شکوہ ایک عجیب استقلال کے ساتھ میدان میں قائم اور ہاتھی پر بیٹھا چاروں طرف بڑی دلیری اور بے باکی سے برابر نظر ڈالتا ہوا لڑائی سنبھالنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ اس کی دیکھا دیکھی اہل فوج بھی دلیر ہو گئے اور نامستقل مزاج اور تھڑدلے سپاہی جو جگہ چھوڑ گئے تھے، پھر اپنے اپنے موقعہ پر آن جمے اور دارا شکوہ نے اگرچہ پھر کئی متواتر حملے کئے مگر اورنگ زیب تک نہ پہنچ سکا کیونکہ دشمن کے توپ خانہ نے اس قدر نقصان پہنچایا اور ایسا زور باندھا کہ بعض سپاہیوں کے دل چھوٹ گئے بلکہ کچھ بھاگ بھی نکلے لیکن دارا شکوہ کی شجاعت و دلیری نے ایسا اثر کیا کہ اکثر سپاہیوں نے منہ نہ موڑا اور اپنے بہادر سپہ سالار کی رکاب میں اس تیزی سے بڑھے کہ آخر کار توپوں تک جا ہی پہنچے اور ان کی زنجیریں کھول ڈالیں اور دشمن کی خیمہ گاہ میں جا گھسے اور زنبور خانہ کے رسالوں اور پیادوں کی فوج کو مار کر بالکل بھگا دیا۔ مگر اس وقت سواروں کی فوجوں کے باہم نہایت ہی زور شور سے لڑائی ہوئی اور اس کثرت سے تیر برسے کہ آسمان کا دکھائی دینا دشوار ہو گیا یہاں تک کہ خود دارا شکوہ نے اپنا ترکش خالی کر ڈالا۔ مگر ان تیروں سے فریقین کا چنداں نقصان نہیں ہوا۔ کیونکہ دس میں سے نو تیر یا تو نشانہ تک پہنچتے ہی نہ تھے یا ادھر ادھر جا گرتے تھے جب ترکش خالی ہو چکے تو تلواروں کی نوبت آئی اور فریقین اس شدت سے لڑے کہ جس قدر سپاہی مارے جاتے تھے اسی قدر جوش بڑھتا جاتا تھا اور دارا شکوہ بڑی شجاعت سے پکار پکار کر اہل فوج کو برابر تسلی اور بڑھاوے دیئے جاتا اور حملہ پر حملے کئے جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار دشمن کے سواروں کو بھی بھگا دیا اور اورنگ زیب نے جو ہاتھی پر سوار اور نزدیک ہی تھا ہر چند سپاہ کے قائم رکھنے میں بہت کوشش کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا اور اگرچہ اپنے خاص الخاص سواروں سے بھی چاہا کہ دارا شکوہ کو روکیں لیکن اُن کو بھی میدانِ جنگ سے نہایت ابتری کے ساتھ بھاگنا ہی پڑا۔ مگر واہ رے اورنگ زیب تیری دلاوری! جب دیکھا کہ تمام فوج بھاگ گئی اور جو لوگ اب تک صحیح وسالم اور حاضر رکاب ہیں وہ بھی ایک ہزار سے زیادہ نہیں۔ (بلکہ میں نے سُنا ہے کہ قریب پانچ سو ہی کے تھے) اور اس حالت پر بھی غور کیا کہ بلا لحاظ زمین کی ناہمواری اور نشیب و فراز کے (جو دونوں لشکروں میں حائل تھی) دارا شکوہ اب ہماری اس تھوڑی سی باقی ماندہ فوج پر ضرور حملہ کرے گا تو ذرا بھی نہیں ڈرا بلکہ اپنے سرداروں کو نام لے لے کر پکارا کہ

"بہادرو خدا پر نظر رکھو! بھاگنے سے کیا ہوگا؟ خدا سب جگہ ہے کیا تم نہیں جانتے کہ ملک دکن کس قدر دور ہے؟"

اورنگ زیب کی ثابت قدمی

اور اپنا یہ عزم جتانے کو کہ خواہ کچھ ہی ہو میدان سے ہرگز نہ ٹلوں گا یہ عجیب[1] حکم دیا کہ "ہمارے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو" حقیقت یہ ہے کہ اگر اُس کے حاضر رکاب رفقا اور جاں نثار سردار اس نازک وقت میں وفاداری اور ہمت میں کچھ کمی کرتے تو ہاتھی کے پاؤں میں ضرور زنجیر ڈال دی جاتی مگر ان لوگوں نے بالاتفاق اپنی جاں نثاری اور وفاداری کے مضبوط وعدوں سے اورنگ زیب کو ایسا نہ کرنے دیا اور دارا شکوہ نے اگرچہ نہایت کوشش کی کہ جس طرح ممکن ہو اورنگ زیب کو جا لے۔ لیکن زمین کے نشیب و فراز اور دشمن کے شکست یافتہ سواروں کی وجہ سے جو اب تک میدان میں اور ٹیلوں پر ادھر ادھر موجود تھے (گو بے ترتیب طور پر پھر رہے تھے) اُس تک نہ پہنچ سکا۔ دارا شکوہ کا یہ خیال بے شک صحیح تھا کہ اورنگ زیب کے مارے یا پکڑے جانے کے بغیر فتح ناقص ہے اور چونکہ اورنگ زیب اب مقابلہ کے قابل نہ رہا تھا اس لئے اُس کو فی الواقع ایسا ہی کرنا واجب تھا کہ فوراً حملہ کر کے اپنے اس خوفناک رقیب کو بہ آسانی پامال کر دیتا۔ لیکن بعض واقعات کے سبب سے جن کا ذکر میں ابھی کرتا ہوں دارا شکوہ کا خیال ایک اور طرف رجوع ہو گیا اور اورنگ زیب

---

[1] ہندوستان کے بہادر سردار کڑے وقت میں بھاگنے کی بہ نسبت جان دے دینے کو بہتر سمجھکر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو کھوں سے بچ گیا۔ یعنی دارا شکوہ کو اس خطرناک موقعہ پر اپنی فوج کے بائیں پرے میں بڑی ہل چل نظر آئی۔ اور اُس کا ایک مصاحب یہ خبر لایا کہ رستم خاں اور ستر سال کام آئے اور رام سنگھ روٹھلہ جو بڑی شجاعت کے ساتھ دھاوا کر کے دشمن کی فوج میں جا گھسا تھا گھر گیا ہے۔ پس اورنگ زیب پر دھاوا کرنے کا ارادہ چھوڑ کر اُسے اپنے بائیں پرے کی مدد کو نہایت جلدی کے ساتھ جانا پڑا اور دارا شکوہ کے بذاتِ خود پہنچ جانے کی وجہ سے ایک سخت چپقلش کے بعد لڑائی کا رنگ پھر بدل گیا۔ اور چاروں طرف سے فوج مخالف کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔ لیکن اُنھوں نے ابھی ایسی شکست نہیں کھائی تھی کہ دارا شکوہ کو بالکل بے فکری ہو جاتی۔ اس مار دھاڑ میں رام سنگھ روٹھلہ نے ایک بے نظیر شجاعت کے ساتھ مراد بخش کو جا زخمی کیا اور کمال دلیری سے اُس کی عماری کے چند رسّوں[1] کو کاٹ ڈالا اور قریب تھا کہ حریف کو ہاتھی سے گرا لے۔ مگر مراد بخش کی پھرتی اور شجاعت کے باعث ناکام رہا۔ مراد بخش اگرچہ زخمی[2] اور راجپوتوں کے نرغہ میں تھا لیکن ڈھال سے اپنے سات برس کے بچے کو جو پہلو میں بیٹھا ہوا تھا بچاتے ہوئے بڑے استقلال سے بدستور لڑتا رہا اور تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہ بہادر راجہ وہیں کھیت رہا۔ دارا شکوہ کو اگرچہ اس خبر سے بہت رنج ہوا۔ مگر چونکہ اُس نے سُنا کہ اپنے مالک کے مارے جانے کی وجہ سے راجپوتوں نے نہایت غیظ و غضب کے ساتھ مراد بخش کو گھیرا ہوا ہے۔ اس لئے باوجود چند طرح کی مشکلوں کے اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ مراد بخش پر حملہ کیا جائے۔ اور اس صورت میں اگرچہ اورنگ زیب گرفتاری سے بچ جاتا تھا اور یہ ایک غلطی تھی مگر مراد بخش کے ہاتھ آجانے کو بھی وہ اورنگ زیب کے پکڑے جانے سے

---

[1] رام سنگھ کا مراد بخش پر حملہ کرنا اور مراد بخش کے تیر سے اُس کا مارا جانا تو صحیح ہے مگر اُس کے ہاتھی کے کچھار بند کو کاٹنے کے لئے کوشش کرنا درست نہیں کیونکہ فارسی تاریخوں سے بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دلیرانہ حملہ خود اورنگ زیب کے ہاتھی پر ہوا تھا اور جس نے یہ حملہ کیا تھا وہ مہاراجہ جسونت سنگھ جودھپور یہ کا چچیرا بھائی راجہ روپ سنگھ راٹھور تھا۔ جو اورنگ زیب کے منع کرتے کرتے جوش کی اس بے مثل بہادری کی وجہ سے اُس کو بچانا چاہتا تھا لڑائی کے ہڑبونگ میں اورنگ زیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا۔ س م ح

[2] تیروں کے زخم منہ پر لگے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ کم نہیں سمجھتا تھا۔

داراشکوہ کی شکست

لیکن خلیل اللہ خاں کے دغا دینے سے بازی بگڑ گئی۔ اور یہ دغابازی ایسی عجیب تھی کہ ایک آن کی آن میں داراشکوہ کی دائمی بربادی کا سبب ہو گئی۔ یہ شخص دائیں پرے کا سردار تھا جس میں تیس ہزار مغل تھے۔ اور یہ ایسی اچھی فوج تھی کہ اورنگ زیب کی تمام سپاہ کے شکست دینے کو صرف یہی کافی تھی۔ مگر جب کہ داراشکوہ بذاتِ خود بائیں پرے کی فوج کو بڑی شجاعت اور کامیابی سے لڑا رہا تھا یہ مطلقاً اُس کا شریک نہ ہوا۔ اور یہ بہانہ بنائے رکھا کہ

"ہماری فوج کے لئے تو یہ حکم ہے کہ بطور کمک اپنی جگہ قائم رہے۔ اور جب تک کوئی شدید ضرورت پیش نہ آئے ایک قدم آگے بڑھنے اور ایک تیر تک کے چلانے کا حکم نہیں۔"

مگر اصل یہ ہے کہ اُس کا اس طرح پر الگ تھلگ رہنا پرلے سرے کی بے ایمانی اور دغابازی پر مبنی تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اب سے چند سال پیشتر داراشکوہ نے اُس کی کچھ بے عزتی کر ڈالی تھی۔ اور اس کینہ کی آگ اُس کے دل کو جلاتے رکھتی تھی۔ پس اُس نے خیال کیا کہ بدلہ لینے کا اب وقت ہے مگر داراشکوہ کا جو نقصان اُس نے اپنے الگ رہنے میں سوچا تھا وہ نہ ہوا۔ کیونکہ دائیں پرے والوں کی مدد کے بغیر ہی وہ دشمن پر غالب آگیا تھا۔ مگر اس دغاباز نے اب ایک اور چال چلی یعنی جب کہ داراشکوہ مرادبخش کے دبالنے کو اپنی سپاہ کی امداد کے لئے جا رہا تھا یہ مکار، معہ اپنے چند رفیقوں کے گھوڑا دوڑائے آیا۔ اور دور سے پکار کر کہا۔

"مبارک باد حضرت سلامت! الحمدللہ الحمدللہ حضور کو بخیر و سلامتی بادشاہی اور فتح مبارک ہو! لیکن حضور یہ تو فرمائیں کہ ایسے خطرناک موقعہ پر جب کہ عماری کے سائبان سے کئی گولیاں اور تیر پار ہو چکے ہیں اتنے بڑے ہاتھی پر کیوں سوار ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان بے شمار تیروں اور گولیوں میں سے کوئی جسم مقدس کو چھو جائے تو ہم لوگوں کا کہاں ٹھکانا ہے۔ خدا کے واسطے جلد اُتریئے اور گھوڑے پر سوار ہو لیجئے۔ اور اب کیا رہ گیا ہے۔ صرف اتنی ہی بات باقی ہے کہ ان چند بھگوڑوں کا زیادہ تر چستی اور مستعدی سے تعاقب کیا جائے۔"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اب حضور ان کو اس قدر مہلت نہ دیں کہ بھاگ سکیں"

اگر دارا شکوہ ہاتھی پر سے اُترنے کو نقصان سمجھتا اور یہ سوچتا کہ اس ہاتھی ہی کی بدولت آج میں کیسے کیسے کام کر سکا ہوں اور فوج کو میرے دکھائی دیتے رہنے سے کیسا کچھ فائدہ ہوا ہے تو وہ ہی تمام بادشاہت کا مالک ہوتا۔ لیکن زود اعتقاد اور سادہ شاہزادہ فریب میں آگیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُس کو شک ہوا۔ اور پوچھا کہ خلیل اللہ خاں کہاں ہے۔ مگر وہ اب کہاں تھا۔ اور کب اُس کے ہاتھ آتا تھا۔ اور دارا شکوہ اگرچہ اُس کو بہت بُرا بھلا کہتا رہا اور یہ بھی کہا کہ میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ لیکن اُس کا یہ غصہ اور دھمکیاں سب بیکار اور بے فائدہ تھیں۔ کیونکہ سپاہ نے جب دیکھا کہ ہمارا مالک ہاتھی پر نہیں ہے تو فوراً اُس کے مارے جانے کی افواہ اُڑ گئی۔ اور تمام فوج اس دھوکے میں پڑ کر حواس باختہ ہو گئی۔ اور عام تہلکہ پڑ گیا۔ اور سب کو اورنگ زیب کے قہر و غضب کے اندیشہ سے اپنی اپنی جان کی پڑ گئی۔ اور چند لمحہ میں تمام فوج تتر بتر ہو گئی۔ اور عجب انقلاب ہوا کہ غالب مغلوب اور مغلوب غالب ہو گیا۔ اور عجیب ماجرا ہے کہ اورنگ زیب نے صرف پاؤ گھنٹے ہاتھی پر سوار رہنے سے یہ نتیجہ پایا کہ تمام ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا۔ اور دارا شکوہ کو چند لمحہ قبل از وقت اپنے ہاتھی پر سے اُترنے کا یہ پھل ملا کہ ہاتھی سے کیا اُترا گویا اوج سلطنت سے گر گیا۔ اور بدبخت بادشاہوں اور شہزادوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ دیکھئے انسان کیا کوتاہ اندیش ہے۔ اور ایک چھوٹی سی بات سے اس دنیا میں کیسے کیسے بڑے نتیجے پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کی فوجی تنظیم

اگرچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لشکروں سے بڑے بڑے نمایاں کام بن پڑتے ہیں۔ لیکن فوج کی کثرت میں یہ بڑی خرابی ہے کہ ایک بار ابتر ہو جائے تو پھر اُس کو حالتِ سابقہ پر لانا مشکل ہو جاتا ہے اور جیسے کوئی بڑا دریا اُچھل کر کناروں سے باہر بہہ نکلتا اور اُس کا پانی پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح ابتری کے بعد بڑے لشکروں کو قابو میں لانا ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ میں جب اِن بے انتظام[1] فوجوں کو دیکھتا تھا

---

[1] ہندوستانی مغل فوج کی تنظیم قدیم ترک فوج کی تنظیم کے اصول و قواعد پر ہی قائم تھی اور یہی وہ فوجی تنظیم ہے جس نے قسطنطنیہ پر پوری فوج کے ٹڈی دل کے چھکے چھڑا دیئے تھے یہ متعصب فرنج سپاہ صلیبی جنگوں اور عثمانی ترکوں کے مقابلہ کو بھول گیا ہے ورنہ وہ پرنس کانڈی اور مارشل تورین کا نام لیتے ہوئے شرماتا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ جیوانوں کے گلوں کی مانند چلتی ہیں تو ہمیشہ یہ خیال آتا تھا کہ ہمارے صرف پچیس ہزار کارآزمودہ سپاہی زیر حکم پرنس کانڈی یا مارشل تورین ہندوستان کی فوج پر جو کتنی ہی کیوں نہ ہو غالب آسکتے ہیں اور جب میں کتابوں میں پڑھتا ہوں کہ یونانیوں کی دس ہزار سپاہیوں نے جو سکندر کے ساتھ تھے ایران کے بادشاہ دارا کے چھ سات لاکھ آدمیوں کے لشکر کو شکست دی تھی (بشرطیکہ یہ بات سچ بھی ہو کہ دارا کی فوج بھیڑ کے سوا فی الواقع اتنی ہی تھی) تو باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجوں کی حالت پر لحاظ کرنے کے بعد مجھے ان روایتوں کی صحت پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ اور میری دانست میں فرانسیسی سپاہ دشمن کے حملے کو اپنے معمولی استقلال سے رد کرکے ہر ایک ہندوستانی فوج کو سخت تہلکہ میں ڈال سکتی یا سکندر کی طرح دشمن کی صف کے ایک خاص حصہ پر اپنا تمام زور ڈال کر باقی سپاہ میں اپنا سخت خوف اور عام بدنظمی اور انتشار پھیلا سکتی ہے۔

اورنگ زیب کی شاطرانہ چالیں

اورنگ زیب جو اپنی مطلب براری کے واسطے ہر شاطرانہ حرکت اور فن وفریب کے لئے ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا یہ غیر مترقب اور خداداد فتح پاکر اور یہ سمجھکر کہ میرے معمولی ہتھکنڈوں کے کام میں آنے کا اب موقعہ ہے اپنی مکاری کی چالوں اور توڑ جوڑ میں مصروف ہوگیا۔ چنانچہ سب سے پہلے دغاباز خلیل اللہ خاں آن موجود ہوا اور تسلیم بجالاکر عرض کیا کہ بجا آوری خدمات کے لئے حاضر ہوں۔ اور جس قدر فوج سردست اُس طرف سے پھٹ کر میرے ساتھ آسکی ہے وہ بھی حاضر ہے۔ چنانچہ شہزادہ (اورنگ زیب) نے بے حد اظہار عنایت کیا اور بڑے بڑے وعدے دیئے۔ مگر احتیاطاً سب وعدے مرادبخش کی طرف سے کرتا رہا۔ اور اُس کے پاس لے گیا۔ اور موقعہ وقت کے موافق اُس نے بھی بہت ہی کچھ آؤ بھگت اور خاطرداری کی اور اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مرادبخش کو برابر شاہ ہندوستان کہکر گفتگو کرتا رہا اور خلیل اللہ سے کہا کہ

> صرف حضرت ہی تخت نشینی کے لایق ہیں۔ اور یہ فتح محض انھیں کی قابلیت اور شجاعت سے حاصل ہوئی ہے۔ مگر باطن کا یہ حال تھا کہ شب و روز امرائے سلطنت کو تحریریں بھیج بھیج کر بندریج اپنی طرف متوجہ اور رجوع کرتا جاتا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان دنوں اورنگ زیب کا ماموں شائستہ خاں بھی اپنے اس بھانجے کے حق میں بہت کچھ کوشاں تھا۔ اور فی الحقیقت اُس کی مدد سے اورنگ زیب کو فائدہ بھی بہت ہی پہنچا۔ کیونکہ شائستہ خاں ایک چست و چالاک اور نہایت مدبر اور ذی اقتدار امیر تھا اور تمام ہندوستان میں اُس کے یہ اوصاف مشہور تھے کہ حُسنِ تقریر اور خوبی انشا و تحریر و فصاحتِ بیانی اور شیریں زبانی سے بڑے بڑے کام نکال سکتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ کسی حقیقی یا خیالی تحقیر کے باعث جو دارا شکوہ کی طرف سے اُس کی نسبت ظہور میں آئی تھی یہ اُس سے نہایت نفرت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے دارا شکوہ کی بربادی کے لئے اس موقعہ کو اس نے بھی غنیمت سمجھ لیا تھا[1]

باوجود اس فتح کے حضرت اورنگ زیب بہادر اپنی وہی چال چلے جاتے تھے۔ یعنی بے غرضی اور خلوص نیت کے لباس میں حصول سلطنت کے منصوبہ کو پوشیدہ کئے ہوئے تھے اور جو کچھ پیام و سلام اور وعدے وعید اور کارروائیاں کی جاتی تھیں وہ سب مراد بخش کے نام سے ہوتی تھیں۔ اور اُسی کو بادشاہ بنا رکھا تھا اور اپنے تئیں صرف اس کا نائب اور ایک فرماں بردار خیرخواہ بیان کرتا اور ایسی باتیں بناتا تھا کہ سلطنت کی شان و شوکت اور کروفر گویا اُسے مرغوب ہی نہیں بلکہ فقیرانہ گذران کرنا اور حالت فقیری ہی میں مرجانا اُس کی دلی مراد اور عین تمنا ہے۔

دارا شکوہ کا فرار

اس وقت دارا شکوہ خوف و خطر کے دریا میں ڈوبا ہوا سخت ناامید تھا۔ اگرچہ وہ فوراً آگرہ چلا آیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ الفاظ اُس کو یاد تھے جو شاہجہاں نے لڑائی پر جاتے وقت کہے تھے۔ اس لئے بادشاہ کے سامنے نہ ہو سکا مگر شاہجہاں نے بہرحال ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اس بدنصیب شہزادہ کی تسلی اور تسکین کے لئے یہ کہلا بھیجا کہ

"میں اب بھی تم کو ویسا ہی چاہتا ہوں اور تمہاری اس مصیبت کا مجھے بہت رنج ہے۔ بلکہ یہ بھی کہلا بھیجا کہ ابھی سلیمان شکوہ کی فوج اور لشکر

---

[1] اورنگ زیب سے سازش رکھنے کے شبہ میں مالوہ کی صوبہ داری سے تو پہلے ہی معزول ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ایک حاشیہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ مگر اس کے بعد جاگیر بھی ضبط ہو گئی تھی۔ بلکہ دو چار روز قید رہنے کی بے عزتی کا بھی صدمہ اٹھا چکا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سب صحیح و سلامت ہے نا اُمید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور ہماری صلاح یہ ہے کہ بالفعل تم دہلی کو چلے جاؤ صوبہ دار کو حکم بھیج دیا گیا ہے وہ تم کو بادشاہی اصطبل میں سے ایک ہزار گھوڑا اور خزانہ اور ہاتھی دے گا۔ اور آگرہ سے دور نہ جانا چاہیئے۔ بلکہ ایک ایسے معقول فاصلہ پر ٹھیرنا مناسب ہے کہ جہاں ہماری تحریریں تم کو بآسانی ملتی رہیں۔ اور ہم کو اب تک یہ اُمید ہے کہ ہم اورنگ زیب کو قابو میں لا سکیں گے بلکہ سزا دے سکیں گے۔"

مگر دارا شکوہ ایسا شکستہ خاطر اور اس قدر غمگین تھا کہ ان محبت آمیز باتوں کا کچھ جواب نہ دے سکا بلکہ معقول طور پر اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ آپ کا پیغام میرے پاس پہنچ گیا۔ اور اس کے بعد بیگم صاحب کے پاس چند پیغام بھیج کر آدھی رات کے وقت معہ اپنی بیگم اور بیٹوں اور اپنے فرزند سپہر شکوہ اور قریب تین چار سو آدمیوں کے دہلی کی طرف چل دیا۔

سلیمان شکوہ کی صحرانوردی

اب ہم دارا شکوہ کے دہلی جانے کے احوال کو کہ وہ کس غم گینی اور شکستہ دلی سے روانہ ہوا یہیں چھوڑتے ہیں۔ اور اورنگ زیب کے اس جوڑ توڑ کا حال لکھتے ہیں جو اُس نے بڑی دور اندیشی اور حسنِ تدبیر سے آگرہ پہنچ کر کئے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ تدبیر کی کہ سلیمان شکوہ کے لشکر میں نا اتفاقی کا بیج بویا بلکہ بعض سرداروں کو اپنی طرف کر بھی لیا۔ اور اس تدبیر سے دارا شکوہ کی امیدوں کا بالکل خاتمہ کر دیا یعنی راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں جو سلیمان شکوہ کے لشکر کے سب سے بڑے سردار تھے۔ اُن کو لکھا کہ دارا شکوہ بالکل تباہ ہو گیا ہے اور وہ بڑا لشکر جس پر اُس کو اس قدر گھمنڈ تھا شکست فاش کھا کر ہمارا مطیع ہو گیا ہے اور وہ ایسی بے سروسامانی سے بھاگا ہے کہ سواروں کا ایک رسالہ تک ساتھ نہیں۔ اور اُمید ہے کہ ہم بہت جلد اُس کو گرفتار کر لیں گے۔ اور حضرت شاہجہاں اس قدر علیل ہیں کہ صرف چند روز کے مہمان اور چراغ سحری ہیں۔ پس اس حالت میں اگر تم ہم سے مقابلہ کرو گے تو نتیجہ بجز خرابی اور ہلاکت کے کچھ نہ ہوگا۔ دارا شکوہ کی اس ابتر حالت میں اُس کی طرف داری کرنا نہایت ہی نادانی ہے۔ اور تمھارے حق میں اب یہی بہتر ہے کہ ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ۔ اور سلیمان شکوہ کو جو بآسانی گرفتار ہو سکتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے پکڑ کر ساتھ لیتے آؤ۔

جے سنگھ اور دلیر خاں اگرچہ چند سے مناسل اور متردد رہے۔ کیونکہ اب تک شاہجہاں اور دارا شکوہ سے ڈرتے تھے اور شاہزادہ پر ہاتھ ڈالنے سے بھی اس وجہ سے خوف کرتے تھے کہ ایسی حرکت بالفعل یا آئندہ کسی دن ہمارے حق میں مضر اور موجب سزا ہو سکتی ہے۔ اور عجب نہیں کہ خود اورنگ زیب ہی کے ہاتھ سے سزا مل جائے۔ اور یہ بھی خوب معلوم تھا کہ سلیمان شکوہ کیسا عالی دماغ و غیور اور بلند حوصلہ و دلیر شاہزادہ ہے اور بے شک جان دے دے گا مگر قید کبھی نہ ہوگا۔ مگر آخر کار دونوں نے یہ ٹھہرایا کہ راجہ جے سنگھ سلیمان شکوہ کے خیمہ میں جائے اور اورنگ زیب کی تحریریں دکھا کر اپنی رائے سے اس کو مفصل اور پوست کندہ مطلع کر دے۔ چنانچہ راجہ نے شہزادہ سے جا کر کہا کہ جس خطرناک حالت میں آپ پڑے ہوئے ہیں مناسب نہیں کہ میں اس کو آپ سے پوشیدہ رکھوں۔ اور معاملات کی حالت ایسی بدل گئی ہے کہ اب آپ کو نہ تو دلیر خاں ہی پر اعتماد کرنا چاہیئے اور نہ داؤد خاں اور اپنی فوج ہی پر۔ اور اگر آپ اپنے باپ کی امداد کے ارادہ سے ذرا بھی آگے بڑھیں گے تو بے شک تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ پس مناسب یہ ہے کہ آپ سری نگر کے پہاڑوں کو چلے جائیں۔ وہاں کا راجہ یقیناً آپ کو بہت خاطر داری سے رکھے گا اور ملک کے دشوار گذار ہونے کے باعث اورنگ زیب سے اس کو کچھ ڈر بھی نہیں ہے۔ اور اس محفوظ جگہ میں کچھ دنوں ٹھہر کر آپ حالات اور واقعات پر نظر رکھیں اور جب موقعہ معلوم ہو تو باسانی وہاں سے آکر مقتضائے وقت کے موافق عمل کر سکتے ہیں۔

شہزادہ یہ گفتگو سنتے ہی سمجھ گیا کہ اب نہ تو جے سنگھ ہی اپنا ہے اور نہ لشکر ہی اور سب برگشتہ ہیں۔ اور یہاں ٹھہرنا جان جوکھوں میں پڑنا ہے پس ناچار فوج و لشکر کو وہیں چھوڑ کر اپنے چند نمک حلال اور خالص رفیقوں کے ساتھ جو اکثر منصب دار اور ذات کے سید تھے۔ اور جنھوں نے اس کی رفاقت کا ترک کرنا خلافِ شرافت سمجھا کوہستان کی طرف چل دیا۔ مگر جے سنگھ اور دلیر خاں ایسے کمینے نکلے کہ کچھ سپاہی بھیج کر اس بیچارے کا مال و اسباب لوٹ منگایا۔ جس میں اشرفیوں سے لدا ہوا ایک ہاتھی بھی تھا۔ اور ان کی اس نالائق حرکت کے باعث سلیمان شکوہ کے بہت سے ہمراہی شکستہ خاطر ہو کر اس سے جدا ہو گئے۔ اور جو باقی رہے ان کو اکثر دیہاتی گنواروں نے لوٹ کھسوٹ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کر تباہ کر دیا بلکہ ان کے ہاتھوں سے بہتیرے مارے بھی گئے مگر جس طرح بن پڑا یہ گرتا پڑتا اپنی بیگم اور اہل و عیال کو ساتھ لئے ہوئے سری نگر جا پہنچا اور وہاں کا راجہ اُس کے رُتبہ کے لائق تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور تسلی کی کہ جب تک آپ اس ملک میں ہیں میری تمام سپاہ آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے اور آپ کو کچھ خوف و خطر نہیں ہے[1]

---

[1] عالمگیر نامہ میں سلیمان شکوہ کے سری نگر جانے کے حالات کو بہت طوالت سے لکھا ہے مگر ہم اُس کا خلاصہ یہاں لکھتے ہیں کہ "جب سلیمان شکوہ الہ آباد سے تین منزل اس طرف آ پہنچا۔ تو لڑائی کے چوتھے دن باپ کی شکست کی خبر ملی۔ اور اس تشویش کی حالت میں جو راجہ جے سنگھ سے صلاح پوچھی تو اُس نے یہ مشورہ دیا کہ اول تو جس طرح بنے دہلی پہنچ کر اپنے باپ کے ساتھ شامل ہو جایئے۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو ہٹ کر الہ آباد جا ٹھیریئے اور موقع وقت کا انتظار کیجئے۔ اور جب وہ الہ آباد جانے کو تیار رہا تو رفاقت سے جواب دیدیا۔ بلکہ عین روانگی کے وقت اپنے دوست دلیر خاں کو بھی اونچ نیچ سمجھا کر ساتھ جانے سے روک لیا۔ اور اس حالت کو دیکھکر اور سرداروں نے بھی اُسی کی پیروی کی۔ اور اگرچہ شہزادہ کی ذاتی رائے دہلی پہنچنے کی تھی۔ مگر اُس کا اتالیق بہادر خاں اُس کو الہ آباد لے گیا۔ کیونکہ یہاں کا مستحکم قلعہ دارا شکوہ کے ایک معتمد ملازم سید قاسم عرف سید کاسو بارہ والے کے قبضہ میں تھا۔ اور چند روز ٹھیر کر لکھنؤ کی راہ سے قصبہ نگینہ کی طرف (جو دارا شکوہ کی بڑی بہن معروف بیگم صاحب کی جاگیر میں تھا اور جس کو اس کتاب میں ندیہ چاند پور کر کے لکھا ہے) روانہ ہوا تاکہ گنگا کے کسی گھاٹ سے اُتر کر اور پھر سہارن پور کے قریب بوڑیہ کے گھاٹ سے دریائے جمنا کو عبور کر کے پنجاب کو باپ کے پاس چلا جائے۔ مگر جب دشمن کے مقرر کئے ہوئے سرداروں کی مزاحمت کے باعث اس طرف سے گنگا کو عبور نہ کر سکا تو مراد آباد کے نواح سے ہوتے ہوئے ہردوار کے قریب وہاں کے راجاؤں خصوصاً راجہ سری نگر کی مدد سے اس دریا سے اُترنا چاہا۔ اور اس ارادہ سے بمقام چانڈی پہنچ کر (جس کو صاحب عالمگیر نامہ نے "محاذی ہردوار متصل ملایت سری نگر" لکھا ہے) بھوانی داس نامی اپنے دیوان "بیوتات" کو جو پہلے بھی دارا شکوہ کا بھیجا ہوا وہاں ہو آیا تھا کچھ تحایف دے کر سری نگر کے راجہ کے پاس کشتیوں کے بہم پہنچانے میں مدد کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر اتنے میں جو امیر الامرا شایستہ خاں اور فدائی خاں بہت سی فوج کے ساتھ سامنے آ موجود ہوئے اور بجز سری نگر جانے کے کچھ چارہ نہ رہا تو چانڈی سے اُٹھ کر بمقام کانتال جو سری نگر کی حد میں داخل تھا جا ڈیرہ کیا۔ اور یہاں سے راجہ کے اہل کار پہاڑ پر لے گئے اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ چار منزل راجہ خود آگے آیا اور سری نگر لے گیا۔ اور کہا کہ آپ مختصر طور پر یہاں تشریف رکھ سکتے ہیں ۔ مگر ان ہاتھی گھوڑوں اور فوج و لشکر کی میرے اس پہاڑی اور چھوٹے سے ملک میں گنجائش نہیں ۔ اب بہادر خاں تو مرض الموت کے سبب اجازت لے کر شہزادہ سے کیا گیا بلکہ پہاڑ سے اترتے ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ اور باقی ماندہ سردا جو نا امیدیوں کے باعث ادھر اُدھر کھسک جانا چاہتے تھے مگر شہزادہ کی مرضی اور راجہ کے ملازموں کی رہنمائی کے بغیر اس پہاڑی ملک میں سے نکل نہیں سکتے تھے انھوں نے کچھ جھوٹ سچ بول کر اُس کو پھر الہ آباد جانے کے لئے آمادہ کیا تاکہ شجاع کے ساتھ شامل ہو جائے (کیونکہ اپنی شکست کے بعد داراشکوہ نے بذریعہ خط و کتابت مصالحہ کر کے اُس کو آگرہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی) الغرض شہزادہ راجہ کا شکریہ ادا کر کے اور کچھ تحفے تحائف دے کر رخصت ہوا۔ مگر نگینہ میں واپس پہنچتے ہی یہ دغا باز اور خود غرض خیر خواہ اس کو چھوڑ کر ادھر اُدھر چل دیئے اور بہ ناچاری پھر سری نگر کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور اب سوائے سید احمد کے جس کا بھائی سید قاسم اب تک قلعہ الہ آباد کو تھامے ہوئے تھا اور اُس کے کوکے محمد شاہ اور دو تین اور سرداروں اور بیچاری مصیبت زدہ بیگم اور چند اور عورتوں اور سترہ نوکر چاکروں اور ہمراہیوں کے اُس تمام فوج و لشکر میں سے کوئی بھی ساتھ نہ رہا۔ اور چونکہ اس کے پہاڑ سے اُترنے کی خبر سُن کر اورنگ زیب کے بعض سردار پھر اُس کا راستہ روکنے کے لئے آپہنچے تھے ۔ اس لئے یہ خوف زدہ شہزادہ گھبراہٹ میں جس قدر جواہرات اور اشرفیاں ساتھ لے سکا لے کر راتوں رات نگینہ سے چل کھڑا ہوا اور خوف کے سبب معمولی راستہ چھوڑ کر راجہ کے آدمیوں کی رہنمائی سے ایک اور راستہ سے سری نگر کو چلا گیا جہاں شہر سے نیچے آکر راجہ اُسے اپنے ہاں لے گیا۔

واضح ہو کہ شہر سری نگر معہ ان پہاڑی علاقوں کے ایک حصہ کثیر کے جو اس وقت کمایوں اور سری نگر کے راجاؤں کی خود سر حکومتوں میں تھے۔ اِس زمانہ میں گورنمنٹ انگلشیہ کے ماتحت اور کمشنری کمایوں کا جس کا صدر مقام الموڑہ ہے ایک جزو اور اُن کئی برفستانی نالوں میں سے جو کوہستان ہمالہ سے نکلنے کے بعد دریائے گنگا کہلاتے ہیں الکھ نندا نامے ایک نالہ کے کنارہ سطح سمندر سے سترہ سو انچاس فٹ بلند اور ایک یورپین اسسٹنٹ کمشنر کا جائے قیام ہے۔ اس عیسوی صدی کے شروع میں جو کوہستان نیپال کے رہنے والے گورکھا لوگ ہندوستان کے مغربی اور شمالی پہاڑوں پر بہت دور تک قابض ہو گئے تھے تو اُنھوں نے یہاں کے راجہ کو بھی حکومت سے خارج کر دیا تھا۔ مگر جب سرکار انگریزی نے اُن کو اُن سب پہاڑوں سے نکال دیا تو ۱۸۱۵ء میں وہاں کے خارج شدہ راجہ شودرشن شاہ کو گڑھوال کا علاقہ دے کر ریاست پر پھر بحال کر دیا۔ لیکن اُس کے قدیمی ملک میں سے وہ حصہ جو الکھ نندا اور منڈاکنی کے مقام اتصال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب آگرے میں

اب ہم اُن واقعات کا ذکر پھر شروع کرتے ہیں جو آگرہ کی طرف وقوع میں آئے سموگڈھ کی لڑائی کے تین چار روز بعد دونوں شاہزادوں نے ایک باغ میں جو آگرہ کے سامنے قریب نین میل کے ہے ڈیرے آن لگائے اور ایک خواجہ سرا کو جو اورنگ زیب کا نہایت معتمد علیہ اور چالاکی و عیاری میں گویا خود اورنگ زیب ہی تھا شاہجہاں کے حضور میں بھیجا اور اُس نے اس بڈھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ادائے تسلیمات کے بعد اپنے آقا کی طرف سے بے حد ادب و تعظیم اور محبت و فرماں برداری کا اظہار کیا اور عرض کی کہ

سے اوپر کی جانب شرقی کی طرف تھا معہ علاقہ دیرہ دون اور پرگنہ رام گڈھ کے اپنے قبضہ میں رہنے دیا۔ چنانچہ ریاست مذکور کا صدر مقام اب ٹہری نامے ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جو چونتیس درجے تیئیس دقیقے عرض شمالی اور اٹھتر درجے اٹھائیس دقیقے طول شرقی پر سمندر سے دو ہزار فٹ بلند گنگا کی ایک شاخ بھاگیرتھی نامی کے بائیں کنارے سری نگر کے سامنے قریب دو منزل کے فاصلہ پر آباد ہے اور راجہ سورج بنسی راجپوت خاندان کے قوم سے ہے۔ اور اُس کے نام کے اخیر میں نیپال کے فرمان روا خاندان کے راجاؤں کی طرح شاہ کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ مثلاً رئیس حال جس کا نام پرتاب شاہ ہے بھوانی شاہ کا بیٹا اور سودرشن شاہ کا پوتا ہے اور بقول مسٹر ٹالبائے وہیلر مولف تاریخ جشن تیسری دہلی واقع یکم جنوری ۱۸۷۷ء رقبہ چار ہزار ایک سو اسی میل مربع اور آمدنی اسی ہزار اور آبادی ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی ہے۔ اُس راجہ کا نام جس نے سلیمان شکوہ کو پناہ دی تھی فارسی زبان کی تاریخوں میں پرتھی سنگھ اور پرتھی پت لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا لفظ سلاطین مغلیہ کے ادب کے منافی سمجھکر لفظ سنگھ اور پت کے ساتھ دانستہ بدل دیا ہے۔ جیسا کہ گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کو بجائے قطب شاہ قطب الملک اور بجائے عادل شاہ عادل خاں لکھتے تھے۔ اور ناظرین تاریخ کے لئے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں جو مقامات ایسے دشوار گذار اور بے ڈھب سمجھے جاتے تھے کہ اُن کے دشمن اور باغی وہاں کے آزاد مطلق راجاؤں کے پاس جاکر بے تکلف پناہ لیتے تھے سرکار عالیہ انگریزی کی کوششوں سے وہی مقامات بلکہ اُن سے بھی بہت آگے اور دور تک عمدہ سڑکوں اور پلوں کے بن جانے کی وجہ سے ایسے سہل العبور ہو گئے ہیں کہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ سے ہر سال ہزاروں جاتری مرد اور عورت بدوی نارائن وغیرہ تیرتھوں کے درشن کو جو ہمالہ کے برفانی اور سر بفلک پہاڑوں میں واقع ہیں اسی سری نگر اور ٹیہری کے راستہ سے بہت آرام کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ س ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"یہ جو کچھ گذرا صرف داراشکوہ کی کج رائے اور بے جا جاہ طلبی کے خیالات کے باعث ہوا۔ اورنگ زیب نے حضور کی خدمت میں حصولِ صحت کی مبارک باد عرض کی ہے۔ اور اِن واقعات کے وقوع میں آنے کا اُس کو نہایت ہی رنج وافسوس ہے۔ اور اُس کا آگرہ آنا محض اس غرض سے ہے کہ جو کچھ ارشاد ہو وہ بسروچشم اُس کی تعمیل کرے۔"

جس کے جواب میں شاہجہاں نے بھی اپنے فرزند سعادت مند کے طور وطریق کی نسبت ایسی ہی ظاہرداری اور تملق کے ساتھ اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ "اس کی سعادت مندی اور ایسی فرماں برداری سے ہم نہایت راضی اور خوش ہیں۔" اگرچہ شاہجہاں اورنگ زیب کی مکاری اور شوق جہاں داری سے بخوبی واقف تھا۔ اور اُس کی ان ظاہری باتوں پر اُس کو ہرگز اعتماد نہ تھا۔ مگر باوجود اس کے اُس نے صفائی کے ساتھ معاملہ کو یک سو نہ کیا یعنی اگرچہ یہ ضروری تھا کہ دربار میں امرا اور ارکان دولت کو جمع کرکے خود اُس کے مقابلہ کو نکلتا اور اس طرح خلایق کی نظر میں اُس کو علانیہ باغی ثابت کرتا حالانکہ ان اُمور کے لئے اب تک موقعہ تھا۔ مگر کچھ نہ کیا اور اس کے عوض صرف چالاکی اور دم بازی سے اورنگ زیب جیسے شخص، پر جو ایسی باتوں میں دنیا بھر سے تیز تھا غالب آنا چاہا۔ پس اُس کا خود اس جال میں پھنس جانا جو بیٹے کے لئے بچھایا تھا کچھ تعجب کی بات نہیں اور اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ شاہجہاں نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ

"بے شک داراشکوہ نے جو کچھ کیا وہ سب نامناسب تھا اور اُس کی بے سمجھی اور نالایقی کی باتیں یاد دلاکر کہا کہ تم پر تو ہم ابتدا ہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پس تم کو ہمارے پاس جلد آنا چاہیئے تاکہ تمھارے مشورہ سے ان امور کا انتظام کیا جائے جو اس افراتفری کے باعث خراب اور ابتر پڑے ہوئے ہیں۔

مگر اس محتاط شہزادہ نے بیگمانی سے بادشاہ پر اعتماد کرکے قلعہ میں چلے جانے کی دلیری نہ کی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ بیگم صاحب کسی وقت بادشاہ سے جدا نہیں ہوتی اور اُس کے مزاج پر اس قدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے۔ اور یہ پیغام اُسی کا ایک چکمہ ہے۔ اور اُس نے قلماقنیوں[1] میں سے جو محل سرا میں چوکی پہرہ کے کام پر متعین

[1] اصل کتاب میں "تاتاری عورتیں" ہے۔ مگر چونکہ وہ ترک قوم کی عورتیں جو محل کے چوکی پہرہ کا کام دیتی ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رہتی ہیں کچھ قوی ہیکل اور مضبوط اور مسلح عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہو تو فوراً اُس پر آن پڑیں۔ اور اگرچہ اُس نے بارہا اپنی حاضری کی تاریخیں اور دن معین کئے لیکن کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹالتا ہی رہا۔ اور ادھر اپنی معمولی کارروائیاں کرتا رہا یہاں تک کہ اکثر بڑے بڑے ذی اقتدار امیروں کا عندیہ دریافت کر لیا۔ اور جب سب بندوبست ہو گیا تو یکایک اُس کا بیٹا محمد سلطان آکر قلعہ پر قابض ہو گیا جس سے سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ اس جاں باز اور عالی ہمت جوان نے کچھ سپاہی پہلے سے قلعہ کے آس پاس لگا رکھے تھے۔ پس اس بہانہ سے کہ بادشاہ کی خدمت میں کچھ پیغام لے کر جاتا ہے یکایک اُن سپاہیوں پر آ پڑا جو قلعہ کے دروازے پر متعین تھے اور جو سپاہی ادھر اُدھر گھات میں لگائے ہوئے تھے جھٹ پٹ آ پہنچے اور اہل قلعہ کو مغلوب کر کے جن کو اس کا کچھ وہم و گمان بھی نہ تھا قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت شاہجہاں کو جس قدر خوف و اضطراب ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے پس جس شخص کے پکڑ لینے کے لئے وہ اتنے دنوں سے گھاتیں لگا رہا تھا اب خود ہی اُس کا قیدی بن گیا۔

محمد سلطان کا قلعہ پر قبضہ کہتے ہیں کہ اس بدنصیب بادشاہ نے قید ہوتے ہی محمد سلطان کو یہ پیغام بھیجا کہ

> میں تم سے تخت[1] کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور قرآن مجید میرے تمہارے درمیان ہے کہ اگر تم اس وقت مجھ سے ایمان داری برتو تو میں تمھیں کو بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ اور اس موقعہ کو غنیمت جان کر ہاتھ سے نہ دو اور فوراً چلے آؤ اور دادا کو قید سے چھڑا دو اور یاد رکھو کہ اس سے تم کو ثواب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ایک دائمی نیک نامی حاصل رہے گی۔

لوگوں کا قول ہے کہ اگر محمد سلطان ذرا جرأت کر کے شاہجہاں کے کہنے کو مان لیتا تو غالباً

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = اُن کو قلماقنیاں کہتے تھے اس لئے ترجمہ میں وہی لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قلماق بھی ایک تاتاری ہی قوم ہے۔ س م ع

[1] اصل کتاب میں تاج کا لفظ ہے جس کی جگہ ہم نے ہندوستان کے محاورہ کے بموجب تخت کا لفظ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ہم کو یاد ہے کہ دہلی کے خاندان شاہی کے اکثر لوگ غدر ۱۸۵۷ء تک بھی (جس میں اس خاندان کا نام و نشان ہی مٹ گیا) بات بات پر تخت ہی کی قسم کھایا کرتے تھے حالانکہ نہ کچھ تخت ہی رہا نہ تاج مطلب یہ کہ تخت کی قسم اس خاندان میں بہت ہی موکد اور مقدس سمجھی جاتی تھی۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہی سب کچھ ہوجاتا۔ کیونکہ اب تک یہی لوگوں کے دل میں شاہجہاں کا ادب اور لحاظ بہت کچھ باقی تھا۔ اور اگر یہ شہزادہ اُسے قلعہ سے نکلنے دیتا اور یہ بڈھا بادشاہ کچھ فوج لے کر بذات خود اورنگ زیب پر حملہ کرتا تو غالباً کل فوج اُس کی فرماں برداری کرتی اور ذی اقتدار امیر نمک حلالی اور وفاداری سے پیش آتے۔ اور اس بات پر بھی سب لوگ متفق الرائے ہیں کہ اس موقعہ پر محمد سلطان سے ویسی ہی غلطی سرزد ہوئی جیسی کہ سموگڈھ کی لڑائی کے بعد شاہجہاں سے ہوئی تھی۔

اب چونکہ اس جگہ بادشاہ کی غلطی رائے کا پھر ذکر آگیا ہے تو انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی نسبت یہ بھی ظاہر کردوں کہ تمام حالات پر نظر کرکے بہت سے ذی رتبہ مدبر لوگوں کی بالاتفاق یہ رائے تھی کہ داراشکوہ کی شکست کے بعد اس بوڑھے بادشاہ کو قلعہ ہی میں رہنا اور اورنگ زیب کو فریب ہی سے گرفتار کرنا مناسب تھا۔ اور اُن کا قول تھا کہ خلایق کا یہ قاعدہ ہی ہے کہ نتیجہ کے ظہور کے بعد کسی تدبیر کو بُرا یا بھلا بتلایا کرتے ہیں اور اکثر اوقات جب کہ نہایت ہی کچے منصوبے چل جاتے ہیں تو لوگ اُن کی بھی تعریف و توصیف کیا کرتے ہیں۔ پس شاہجہاں کا الفت و محبت اور صفائی نیت جتا کر اورنگ زیب کو گرفتار کرلینا کچھ ناممکن نہ تھا اور اس صورت میں اس کے فہم و فراست کی ویسی ہی تعریف اور ناموری ہوجاتی جیسے کہ اب سب بُرا کہتے اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ عقل سے خارج بادشاہ ایک ایسی عورت (بیگم صاحب) کے کہنے پر چلنے سے اس حال کو پہنچا جو صرف کینہ اور عداوت کے جوش سے اندھی ہورہی تھی اور بے عقلی سے یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ سیانا کوّا اورنگ زیب قلعہ میں ہم سے ملنے کو آئے گا اور اُس جانور کی طرح جو خود بخود پنجرہ میں آن پھنسے گرفتار ہوجائے گا۔

اب محمد سلطان کی سنئے۔ اُس کی نسبت عموماً اس ملک کے مدبر لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاج شاہی اس کو مفت ہاتھ آتا تھا۔ مگر اس سے لیا نہ گیا حالانکہ اس میں بموجب قول مشہور "ہم خرما وہم ثواب" سلطنت اور دادا کے قید سے چھڑا دینے کی نیک نامی دونوں حاصل ہوتی تھیں۔ پس اگر وہ ایسا کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ نوجوان شہزادہ بجائے اس کے کہ قلعہ گوالیار[1] میں پڑا زندگی کے دن گنا کرتا ہے کل امور سلطنت کا وہی مالک و مختار ہوجاتا۔ اور اگرچہ چند شخص یہ

---

[1] یہ محمد سلطان کے قید میں ڈالے جانے پر اشارہ ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خیال کرتے ہیں کہ اُس نے باپ کی اطاعت اور حق پدری پر نظر کر کے بادشاہ کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ مگر ظنِ غالب یہ ہے کہ اُس کو شاہجہاں کے عہد و پیمان پر سچائی کا بھروسہ نہ ہوا اور اُس نے یہ بھی سوچا کہ ایسے عقلمند اور شجاع شخص سے جیسا کہ اورنگ زیب ہے لڑائی مول لینا محض بے فائدہ اور سراسر خطرناک ہے۔ بہرحال شہزادہ کا خیال خواہ کچھ ہی ہو مگر خلاصہ یہ ہے کہ اُس نے اس بدنصیب بادشاہ کی تجویز نہ مانی بلکہ پاس جانے سے بھی یہ عذر پیش کر کے انکار کر دیا کہ

مجھے اورنگ زیب کی طرف سے حضور میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ تاکیدی حکم یہ ہے کہ قلعہ کے کل دروازوں کی کنجیاں خود اپنی سپردگی میں لے کر میں یہاں سے نہایت جلد واپس جاؤں کیونکہ وہ حضور کی قدم بوسی کے ازبس مشتاق ہیں اور صرف اتنی ہی دیر ہے کہ اس امر سے اطمینان ہو جائے تو فوراً حاضر ہو جائیں۔

اب دو دن تک تو شاہجہاں کنجیوں کے دینے میں ہیر پھیر کرتا رہا۔ لیکن جب اُس نے دیکھ لیا کہ سب لوگ اُسے چھوڑے جاتے ہیں خصوصاً یہ سن کر کہ تھوڑی سی فوج جو دریچہ خاص کی محافظ تھی وہ بھی چل دی۔ اور اب بچاؤ کی کوئی امید باقی نہیں ناچار قلعہ کی کنجیاں حوالے کر دیں اور بتاکید کہلا بھیجا کہ

"اورنگ زیب کو اب تو آنا ہی چاہیئے۔ اور لازمہ دانائی یہی ہے کہ وہ جلد ہم سے ملنے کو آئے۔ کیونکہ سلطنت کے بعض ضروری اسرار ہم اُس کو سمجھانا چاہتے ہیں"

شاہجہاں کی گرفتاری لیکن وہ سیاست داں فقیر اپنی چال سے چوکنے والا نہ تھا چنانچہ بجائے اس کے کہ اس ارشاد کی تعمیل کرے فوراً اعتبار خاں نامی اپنے ایک معتمد خواجہ سرا کو قلعدار مقرر کر دیا[1]

جس نے پہنچتے ہی سب بیگموں، بیگم صاحب اور خود شاہجہاں کو قید کر دیا۔ بلکہ قلعہ کے اکثر دروازے تک چنوا دیئے۔ اور بادشاہ اور اُس کے خیرخواہوں

---

[1] عالمگیر نامہ سے ظاہر ہے کہ اعتبار خاں اس وقت دکن میں تھا۔ اُس کو نہیں بلکہ ذوالفقار خاں کو قلعہ دار بنایا گیا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے باہم آمد و رفت تو کیسی خط کتابت اور سلام پیام کے تمام ذریعے بھی مسدود کر دیئے۔ اور شاہجہاں کو اتنی بھی اجازت نہ رہی کہ قلعدار کی اطلاع کے بغیر اپنے کمرے سے باہر نکل سکے۔

بادشاہ کے نام اورنگ زیب کا عریضہ اب اورنگ زیب نے باپ کو ایک عریضہ لکھا جو روانہ کرنے سے پہلے "قصداً سب لوگوں کو سنایا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ" یہ بے ادبی مجھ سے اس لئے سرزد ہوئی ہے کہ حضور ظاہرا میری نسبت اظہار اُلفت و مہربانی فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم داراشکوہ کے طور و طریق سے سخت ناراض ہیں مگر مجھے پختہ خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرفیوں سے لدے ہوئے دو ہاتھی اُس کے پاس بھیجے ہیں۔ جن سے وہ نئی فوج تیار کرے گا۔ اور اس خوں ریز لڑائی کو طوالت دے گا۔ پس حضور ہی غور فرمائیں کہ یہ حرکتیں جو فرزندوں کے معمول اور طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتی ہیں مجھ سے ان کے سرزد ہو جانے کا باعث کیا صرف داراشکوہ کی خود سری اور عناد ہی نہیں ہے، بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرف قدم بوسی سے میری محرومی اور حضور کے خلاف توقع فرزندانہ خدمات کی بجا آوری میں اس قدر تاخیر کا باعث محض وہی ہے۔ اور میں حضور سے بکمال معذرت یہ التجا کرتا ہوں کہ میرے اس بظاہر حیرت انگیز طرز عمل سے صرف نظر کر کے اس نمدوال آزادی کو جو صرف چند روز کے لئے ہے تحمل کے ساتھ گوارا فرمالیں اور جب داراشکوہ امن و امان میں خلل انداز ہونے اور حضور کو اور مجھکو ایذا دینے کے قابل نہ رہے گا تو میں فوراً قلعہ کی طرف از خود دوڑا چلا آؤں گا اور حاضر ہو کر دست بستہ عرض کروں گا کہ اب کچھ روک ٹوک نہیں ہے۔

اورنگ زیب کے الزام کی تحقیق اگرچہ میں نے سنا ہے کہ شاہجہاں نے فی الواقع یہ اشرفیاں اُسی رات کو داراشکوہ کے پاس بھیجی تھیں جب کہ وہ پنجاب کی طرف روانہ ہوا تھا اور اس کی خبر روشن آرا بیگم نے اورنگ زیب کو پہنچائی تھی اور یہ خبر بھی اُسی نے دی تھی کہ قلعہ میں آؤ گے تو قلماقنیاں تم پر حملہ کریں گی اور یہ بھی کہتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں کہ شاہجہاں کے کئی خط جو اس نے داراشکوہ کے نام روانہ کئے تھے اورنگ زیب کے ہاتھ آگئے تھے۔ مگر اکثر دانشمند اور فہمیدہ لوگ ان باتوں کی صحت سے انکار کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ کاغذ جو سر عام سنایا گیا تھا محض بے اصل اور صرف لوگوں کے دھوکا دینے اور شاہجہاں کے خیر خواہوں اور طرف داروں کی طفل تسلی اور زبان بندی کے لئے تھا جو اورنگ زیب کی اس ناشائستہ حرکت کا چرچا کرتے تھے۔

امرائے سلطنت کی اطاعت

خیر یہ باتیں صحیح ہوں یا غلط، لیکن یہ بات بالکل سچ ہے کہ جب بادشاہ ایسے سخت طور سے قید ہو گیا تو قریباً تمام امرا اورنگ زیب اور مراد بخش کے دربار میں تسلیمات کے لئے جا حاضر ہوئے۔ اور میں جب یہ سوچتا ہوں کہ اس بیچارے بڈھے اور مظلوم بادشاہ کی حمایت میں کسی امیر نے ذرا بھی ہاتھ پاؤں نہ ہلائے اور کسی کے چھوٹے منہ سے بات تک بھی نہ نکلی! تو مجھے نہایت ہی رنج ہوتا اور غصہ آتا ہے۔ افسوس، یہ لوگ اُن ظالموں کے آگے سر جھکانے کو جاتے تھے جنھوں نے ان کے آقا اور مالک پر ایسی سختی کی۔ حالانکہ ان کے موجودہ مرتبے اور درجے اور دولت و حشمت سب کچھ صرف اُسی کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ اور اس دربار کی رسم کے موافق اُس نے اُن کو ادنیٰ ادنیٰ درجوں سے مراتب اعلیٰ پر پہنچایا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے ان میں سے ایسے تھے جو غلامی کی حالت سے امارت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ مگر ہاں چند شخص ایسے بھی تھے۔ مثلاً دانشمند خاں[1] جنھوں نے کسی کی بھی جانب داری اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن ان کے سوا اور سب کا عموماً یہ حال تھا کہ اب اورنگ زیب ہی کا دم بھرتے تھے مگر اُمرا کی اس حالت پر جب میں غور کرتا ہوں تو ان کے اس کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کی نسبت لعن طعن کرنے کا جوش کچھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یعنی ہندوستان کے امرا چونکہ فرانس وغیرہ ممالک یورپ کے اُمرا کی طرح کسی جائداد زمینداری وغیرہ کے مستقل مالک نہیں ہیں۔ اس وجہ سے ان کی آمدنیوں کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جس کو بادشاہ وقت سے کچھ تعلق نہ ہو۔ بلکہ جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں ان کی آمدنیاں صرف وہ

---

[1] داراشکوہ کی مخالفت کے باعث میر بخشی کے عہدہ سے استعفا دے کر اس وقت تک یہ دہلی ہی میں خانہ نشین تھا اور عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اورنگ زیب داراشکوہ کے تعاقب میں آگرہ سے دہلی کے قریب پہنچا تو یہ خضر آباد کے مقام پر جو پرانی دلی کے پاس تھا، اُس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روزینے ہوتے ہیں جن کا تعین محض بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور اُن کا جاری رکھنا یا بند کرنا صرف اُسی کے اختیار میں ہے اور جب یہ وظائف بند ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ بالکل تباہی میں آجاتے ہیں یہاں تک کہ تھوڑا سا قرض بھی ان کو کہیں سے نہیں مل سکتا[۱]

---

[۱] باپ بیٹے کی منافقانہ کارروائیاں۔ امرا کا اورنگ زیب کے پاس حاضر ہو جانا۔ اور آخرکار شاہجہاں کا قید ہونا۔ ان سب واقعات کو عالمگیر نامہ تاریخ عاقل خاں۔ عمل صالح۔ اور سیر المتاخرین میں جس تفصیل و ترتیب سے لکھا ہے اُس کا خلاصہ، اُس خط و کتابت کی مکمل نقل کو جو باپ بیٹے کے درمیان ہوتی رہی مفید اور دلچسپ سمجھکر اُسی ترتیب سے اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔ اس خط و کتابت کی نقلیں جو عمل صالح اور تاریخ عاقل خاں میں درج ہیں اُن کے الفاظ مختلف اور مطلب واحد ہے۔ مگر عاقل خاں جو اورنگ زیب کے خاص امیروں میں سے تھا اس کی تحریروں کو زیادہ مستند سمجھکر سب نقلیں اُسی کتاب سے لی گئی ہیں بجز ایک عرضی کے۔ جو اس میں نہ تھی اور عمل صالح سے لی گئی۔

اگرچہ اورنگ زیب کی وہ تحریر جس کو برنیر نے نقل کیا ہے ان دونوں کتابوں میں نہیں ہے مگر عالمگیر نامہ میں (جس کے مسودات خود اورنگ زیب کے ملاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے) داراشکوہ پر فتح یابی کے دوسرے دن بمقام عماد پور (عرف سموگڈھ) اورنگ زیب کے قیام کے تذکرہ کے بعد یہ عبارت تحریر کی ہے کہ

"دریں روز خجستہ معذرت نامہ مشتمل بر صورتِ حال۔ واعتذار وقوع صف آرائی و قتال کہ باعثِ بربادیِ آں داراشکوہ بے خرد مغرور بود۔ وجنود منصور بحکم شرع و فتوائے عقل در اقدام برآں معذور نگاشتہ کلک ادب دانی ساختہ بخدمت اعلیٰ حضرت فرستادند"

اور لڑائی سے تیسرے دن شہر آگرہ کے قریب جب باغ نور منزل معروف باغ دھرہ میں ڈیرہ ہوا تو اُس کے اس معذرت نامہ کے جواب میں شاہجہاں نے جو شفقت اپنے قلم خاص سے لکھا تھا اُس کا خلاصہ بقول عاقل خاں یہ ہے۔

"چوں بمقتضائے مشیت بے چونی درمیان آں قرہ باصرۂ سلطنت وجہاں بانی وغرہ ناصیۂ فطنت وکامرانی وشاہِ بلند اقبال صحبت بہ کدورت وملال انجامید وآنچہ در پردۂ غیب و حجاب تقدیر مستور بود بر روئے بروز افتاد ازاں جا کہ در فرمانِ قضا و قدر وارداتِ خالقِ خیر و شر چون و چرائے بشر را مدخلے نیست اغماض عین ازاں از متممات نشار خود شناسی و خدا دانی دانستہ باظہار امرے کہ اکنوں انشراحِ خاطر وانبساط طبع اقدس بداں متعلق ومنوط آمدہ بذل توجہ والا ناگزیر شرف وقوع پذیرفت وغرض از تبیین ایں مقولہ آنکہ تقاضائے باطن وتمنائے خاطر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بہ تماشائے جمال لقائے فرحت انتمائے آں فرزند ہوشمند بیدار خرد کہ چراغ ضیا بخش و فروغ افزائے این دودمان دولت و اقبال است بقا یتے است کہ حوصلہ تقریر و بیان اندازہ آں را برنمیتابد خاصتہً کہ آں درۃ التاج خلافت و دارائے وشین فریدۂ زینت افزائے اکلیل فرماں روائے رابنا بر ارادت لم یزلی پس از روزگار دراز و زماں طویل بایں ہمہ قرب مکان و محل قریب اتفاق نزول افتادہ و ما را پس ازآں چناں امراض متضادہ شدیدہ کہ رشتہ امید توقف دریں نشار اہل سوز حوادث اندوز قطعًا مفقود و منقطع بود از شفاخانہ عنایت حکیم علی الاطلاق شربت گوارائے صحت کرامت وصول پذیرفتہ فی الحقیقت حیات تازہ زندگی دوبارہ عطا گردید التہاب بیران شوق و لوا بر اشتیاق باقصٰی نہایت رسیدہ یقین کہ خواہش قلبی و آرزوئے باطنی آں فرزند نیک اختر والا گہر نیز دریں باب از باب غلیساں نشار محبت و کیفیت طلب عزیز مصر بلقائے بزرگ کنعاں خواہد بود چوں زیادہ بریں حوصلہ طاقت بار انتظار را برنمی تابد پسندیدۂ عالم استحسان آنست کہ آں ادب داں خرد و رسم شناس عقل بزودی ہرچہ تمامتر مرہم راحت بر جراحت ترصد تہادہ خاطر اقدس را بمشاہدۂ جمال لقائے بہجت افزائے خود فرحت آگیں و مسرت آمود سازد ؏

"زود آ و دلِ تنگ مرا مونسِ جاں باش"

اس شقہ کے پہنچنے پر اورنگ زیب نے تملق کی راہ سے نہایت ہی ادب اور فرماں برداری کا اظہار کیا اور فاضل خاں میر سامان اور سید ہدایت اللہ صدر یعنی منتظم اوقاف کو جو یہ شقہ اور الفت و محبت اور اور شوق ملاقات کے پیغام زبانی لے کر آئے تھے بڑے بھاری خلعت عنایت کئے اور جواب میں یہ عرضی حوالہ کر کے بہت خاطر و مدارات کے ساتھ رخصت کیا۔

"مراسم سجدہ و سلام و لوازم تعظیم و تکریم بجا آوردہ بعرض می رساند کہ فرمان فرخندہ عنوان مشتمل بر کیفیت آرزومندی خاطر فیض مظاہر و زود رسیدن ایں پروردۂ نعمت و برآوردۂ تربیت بہ زمیں بوس حضور فائض النور شرف صدور و عز ورود یافتہ۔ از دریافت مضمون اشفاق مشحون آں جریدۂ فیض کہ ہر کلمہ اش سرمایہ دو الوار برکات و ہر نقرہ اش پیرایہ پیرائے حیات بود سرتاسر صفحہ خاطر زینت جمعیت و طراز شگفتگی یافتہ رو کش نسخہ رنگین بہار گردید و فروغ ایں آیات رحمت و شموس سمائے عاطفت از سر لوح پرتو بر بام و طارم دماغ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گستردہ سرشار نشۂ مسرت وطراوت ساخت۔ شکر ایں عنایات تازہ ومرحمت بے اندازہ کہ از ظرف طاقتِ تحریر وتقریر بیرون است از تنگیِ دست گاہ لفظ ومعنی چگونہ بہ تقریر زبان کز مژہ بیان راست آید ع ہم مگر لطف شما پیش نہد گامے چند۔ الحمد للہ والمنتہ کہ خاصیت صدق ارادت مضمر وخلوصِ عقیدت مکنون در ضمیر منیر آں حضرت کار خود کردہ تازگی فروغ ظہور از نہان کدہ باطن بر روئے بروز انداخت وسلسلہ جنبانی اقبال آسمانی وفیضِ خواہش جبلی وجانی بفور کمال عنایت حضرت ظل سبحانی رسیدہ گلشن امید ومراد را شگفتہ وخنداں ساخت اکنوں کار از اظہار عواطف رسمی ومراحم ظاہری گذشتہ بخواہش حقیقت رسید فاتحہ التفاتِ معنوی بمشام آرزو فائز گشتہ باعث مزید حیات گردیدہ امیدوار است کہ اسباب مواصلتِ ایں دور افتادہ در وقت مسعود وساعت سعادت آمود دست بہم دہد واز فیضِ قدم بوس مبارک آں حضرت کہ فی الحقیقت برکت روزگار وآیۂ رحمت پروردگار اند روزگاران انتظار ایں وقت وآرزوے روزی شدن ایں روز داشت بر مراد خاطر فیروز گشتہ او تجلی دیدار فایض الانوار روز نہ منظر دیدہ را روکش دریچۂ مشرق مہر انور سازد۔ زیادہ ازیں دراز نفسی کوتہ اندیشی می داند۔"

اگرچہ اورنگ زیب کے ہتھکنڈوں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ تعین وقت مسعود ساعت سعادت آمود کا اظہار اس دیر وتوقف میں اپنے انتظامات پورا کرنے کے لئے محض ایک حیلہ تھا۔ کیونکہ اس عرصہ میں بادشاہی سردار اور امیر روز بروز اس کے پاس حاضر ہوتے جاتے تھے اور اس حالت میں بادشاہ کے پاس جانے سے بجز ضرر کے کوئی فائدہ متصور نہ تھا۔ اور بقول صاحب سیر المتاخرین حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کرنے کی وجہ صرف اتنی ہی تھی کہ لوگوں کی زبانِ طعن دراز بند رہے۔ مگر عاقل اور صاحب عمل صالح کے بیان سے (جو اورنگ زیب کے خوشامدی مورخ نہیں ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ فی الحقیقت باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تھا۔ مگر فاضل خاں کے چلے جانے کے بعد بعض امرا نے اُسے خوب بہکایا اور شاہجہاں کے پاس جانے سے ڈرا دیا۔ چنانچہ فاضل خاں جب اگلے روز اس اُمید میں کہ باپ بیٹے کی ملاقات اب جلد ہونے والی ہے۔ خوش خوش پھر آیا اور بادشاہ کی طرف سے بطور علامت اُس کی رضامندی اور خوشنودی کے بعض عمدہ تحائف معہ ایک مشہور تلوار کے جس کا نام عالمگیر تھا (جس کی نسبت مورخ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب اور اُس کے رفیقوں نے اُسے ایک ایسی فال مبارک سمجھا تھا کہ آخر کار تخت نشینی کے وقت اس لفظ کو اپنے القاب شاہی کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس نے ایک جز بنالیا) لایا اگرچہ اورنگ زیب نے ادب اور اطاعت کی ظاہری باتیں تو اب بھی بہت سی بنائیں مگر شاہجہاں کے پاس حاضر ہونے کی اصل بات پہ نہ آیا۔ جس کو فاضل خاں نے بھی تاڑ لیا اور بادشاہ سے جاکر صاف کہدیا۔ ناچار شاہجہاں نے دوسرے روز پھر ایک رقعہ لکھا بلکہ اورنگ زیب کی بدگمانی رفع کرنے کے خیال سے خلیل اللہ خاں کو بھی فاضل خاں کے ساتھ بھیجا اور وہ یہ تھا۔ نقل شقہ ثانی۔

"باوجود حقوق پرورش نیاز و نعیم و ترتیب و تلقین و تعلیم و بہ نوازشات بیکراں و عنایات بے پایاں اختصاص بخشیدن و بمناصب بلند و مراتب ارجمند فائز گردانیدن و باایں ہمہ حقوق ابوت و اولوالامری کہ بفرمان شاہنشاہ علی الاطلاق اطاعت و امتثال حکم لازم و واجب است از کلام ربانی و کتاب آسمانی بدان ناطق اذان فرزند سعادت مند کہ آراستہ حسن اعتقاد و مجموعہ دانش و بینش خداداد ست و پیوستہ عمر گرامی را بہ رضاجوئی و نیک نامی و حق شناسی و خدا دانی صرف کردہ بسیار بعید می نماید کہ قدر مہربانی و رتبہ شوق و خواہش خاطر اقدس را بہ دریافت دیدار فرحت آثار خویش ندانستہ بنابر اغوا و اضلال صاحب اغراض فاسدہ چند بیت ادور شوندار بدماغے رسند باد شوندار بہ چراغے رسند۔ از احراز سعادت حضور باز ایستد و بواسطہ دوست کامی مشتے بے مہر بد طینت مارا دشمن کام پسند و دخصت مارا در فرمان فرمایاں جہان و اہل روزگار تجویز کردہ از وخامت عاقبت نیندیشد و برائے دو روزہ زندگی ایں سرائے حادثہ را شرم ساری و خجالت ابد در پیش خدا و رسول بر خود گوارا و آسان گیرد۔ زنہارا ے فرزند بکارے جرات منماکہ آخر منتج ندامت و پشیمانی گردد و ندامت سود ندہد۔ ابیات

اے خلف از راہ مخالف بتاب — تیغ بیفگن کہ منم آفتاب
گرز خود ایں نقش گرفتی بدست — سوئے خدا بین و مشو خود پرست
ور زبد آموز شد ایں رہ پدید — گفت بد آموز نباید شنید
گرچہ کنی دعوی دانش و لیک — نیک بدانم کہ ندانی تو نیک
چوں تو شب و روز ادب افزوں کنی — بے ادبی یا جوئے چوں کنی
گرچہ جوانی ہمہ فرزانگی است — ایں نہ جوانی است کہ دیوانگی است
اے پسر ار چہ بسری در خوری — لیک کمن با پدران سروری
[illegible] یاد نکنی کہ کہ گرگ زادہ

تحریر شاہجہاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خون منی ودل من مہر جو ست جوشش بسیار کمن زیر پوست

چنانچہ جب یہ دونوں امیر اورنگ زیب کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو صرف خلیل اللہ خاں جو پہلے ہی سے ادھر ملا ہوا تھا اندر بلا لیا گیا جس نے جاکر اورنگ زیب سے کہا کہ آپ ہرگز نہ جائیے وہاں آپ کی نسبت برے ارادے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اُس نے بادشاہ کو قید کر لینے کی صلاح دی اور رفع بدنامی کے لئے خود اپنی درخواست سے بہ ظاہر نظر بند ہو کر وہیں رہ گیا۔ اور اورنگ زیب نے فاضل خاں کی زبانی بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مجھے وہاں جانے میں کئی طرح کا خوف اور اندیشہ ہے اس لئے بالفعل حاضر ہونے سے معذور ہوں۔ بادشاہ نے جب فاضل خاں سے یہ سب ماجرا سُنا اور دیکھا کہ میرے ہی امرا اُسے بہکاتے ہیں تو اس اندیشہ سے کہ ایسا نہ ہو کہ یکایک مجھ سے کچھ اور سلوک کر بیٹھیں قلعہ کے دروازے بند کرا دیئے جس کی خبر پہنچتے ہی ذوالفقار خاں اور بہادر خاں اورنگ زیب کے سرداروں نے آن کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اگرچہ اُنھوں نے رات کو قلعہ کی فصیل کے نزدیک پہنچ کر بقول عاقل خاں بہت سا "کروفر" دکھایا مگر یہ قلعہ ایسا نہ تھا کہ وہ ایسی آسانی سے اُس پر قابض ہو جاتے اس باعث سے اورنگ زیب کے سردار اور سپاہی قلعہ کے نزدیک کے مکانوں اور درختوں اور دیواروں کی آڑ میں اُتر پڑے اور دونوں طرف سے توپ اور بندوق کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اگرچہ بادشاہ کی طرف سے بعض چھوٹے سردار اور بندوقچی پیادے نمک حلالی اور بہادری سے بخوبی مقابلہ اور مدافعت کرتے رہے۔ مگر اکثر بڑے امرا اور منصب دار پہلے ہی روز یہ بہانہ بنا کر چمپت ہوتے کہ دریچہ کے راستہ دریا سے پانی لانے والوں کی مدد کو جاتے ہیں۔

چونکہ گرداگرد کی عمیق خندق کی وجہ سے اس قلعہ میں نہ تو سرنگ ہی لگ سکتی تھی اور نہ حملہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس لئے اہل قلعہ کو پیاسا مار کر مغلوب کرنے کے قصد سے دوسرے دن اورنگ زیب کے لوگ ذرا جرأت کر کے خضری دروازہ تک جا پہنچے اور قلعہ میں پانی پہنچنے کا راستہ بند کر دیا۔ وہ لو کا موسم اور آگرہ کی سخت گرمی بے چارے اہل قلعہ لاچار ہو گئے۔ پس اس بیمار اور بڈھے بادشاہ نے یہ حادثہ دیکھکر بجز غیر مشروط اطاعت کے (جس کو ان فارسی تاریخوں میں "مصالحہ" لکھا ہے) اور کوئی صورت نہ دیکھی اور پھر اپنے اُسی دلی خیر خواہ بیچارے فاضل خاں کو فرزند بلند اقبال کی خدمت میں ایک اور تحریر دیکر روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

"مالک الملک تعالیٰ شانہ کہ مملکتش از تغیر و زوال مصئون است کوکب اقبال فرزند برومند قوی طالع را چوں کوکب جہاں فروز فروغ بخش شبستان دولت وضیا افزائے ساحت جہاں دارد۔ از کجبازی سپہر نیرنگ ساز و ناسازی روزگار شعبدہ باز امریکہ اصلاً بحیطہ تصور و چیز

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تعقل ورنمی آمد بعین الیقین مشاہدہ فتاد۔ آں فرزند اقبال مند طالع بلند بیک بارگی مہر فرزندی بریدہ برآتش شوق کہ درکانون دروں اقدس سمت التہاب پذیرفتہ نظرے نیفگند و چشم از حقوق ابوت و تربیت عمرے پوشیدہ مراد شمن کام پسندیدہ و ایذا و آزار ما را کہ موجب بدنامی دنیا و مورث ناکامی عقبیٰ است سہل و آسان انگاشتہ از پرس روز شمار غافل و بے خبر افتادہ اما در یوم "یقوم الحساب" ازیں جرأت و ارتکاب حق شکنی چہ جواب خواہد داد۔ نظم

پیش کہ گویم ز خودت شرم باد — کز پئے خون خودم اندر فتاد
بندہ کہ باشاہ بود کینہ جو — خلق چہ گویند تو ہم خود بگو
درز تو در قلب من آمد غبار — ہم تو شوی در رخ خود شرمسار
باش بکامم کہ بکام توام — زندہ و نازندہ بنام توام
بہر خدا صورت خویشم نما — روئے بگردان و بترس از خدا

لائق آنست کہ آں قرہ باصرہ دولت و دارائے برصف شکنی و کشور کشائی خود مغرور بودہ تکیہ و اعتماد بر سازگاری زمانہ و رفاقت روزگار نکند کہ ایں چرخ پر نیرنگ و جہاں دورنگ اصلا اعتماد را نشاید و ازیں پیماں شکن بد عہد قطعاً وفا نیاید و دریں صورت شائستہ خرد آنست کہ کارے کہ موجب وہن و فتور ایں دودمان عالی شان گردد و از ارتکاب آں اجتناب واجب شمردہ در حفظ ناموس سلطنت چندیں سالہ ما کہ طنطنۂ عظمت و شکوہ کمنت و اقتدار ایں دولت در ساحت زمیں و زماں پیچیدہ و سائر فرماں روایاں روئے زمیں از آں شمارے بری گرفتند کوشیدہ آنچہ از فرزنداں قابل توقع باشد بہ ظہور آرد کہ نام نیک و اسم قابلیت آں تو بادۂ گلشن جاہ و جلال در صحیفۂ روزگار و صفحہ لیل و نہار ثابت و پائدار بماند۔"

جس کے جواب میں اورنگ زیب نے یہ عریضہ لکھا۔

"للہ الحمد و المنۃ کہ ایں نیاز مند درگاہ شاہنشاہ بے مثل و مانند از بدو اظہار رواج عقل و تمیز الی الآن باندازہ امکان بشری و طاقت انسانی در تمہید قواعد ارادت و اعتقاد و تشیید مبانی صدق و سداد خود را مقصر نساختہ و در ضبط سررشتہ استرضائے خاطر ہمایوں کوشیدہ از صراط مستقیم عبودیت و جاں فشانی انحراف جائز نداشتہ و نمی دارد و در راہ بندگی و عقیدت ثابت و راسخ است۔ لیکن از مر ظہور ایں مقدمات کہ بنا بر ارادت ازلی و مشیت لم یزلی درمیان آمدہ بمقتضائے طبیعت بشری مغلوب واہمہ و ہوس گشتہ جرأت آں نماندہ کہ باطمینان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قلب وجمعیت باطن عازم احراز سعادت حضور پرنور تواند شد والا از روئے خاطر فاتر ایں
مستمند سراپا ارادت واخلاص بہ نیلِ دولت استلام سدرہ سپہر التیام زیادہ از آنست کہ حوصلہ
تقریر وتبیین آں را برتابد وزبان از شکرِ عنایاتِ سرشار ومراحم واشفاق بے شمار اقدس قاصر
اگر آئین مریدنوازی مرعی فرمودہ حکم والا بشرف نفاذ رسانند کہ بعضے از مردم ایں مریدنخست
بقلعہ بار یافتہ بجائے جمعے از ملازمان سرکار عالم مدارکہ بہ محافظت مداخل ومخارج مامور ند
قرار گیرند واز پیش گاہ عنایت خسروانی بجراست ابواب قلعہ امتیاز واختصاص یابند ایں فدوی
جاں سپار بخاطر جمع وسکونِ باطن واطمینانِ دل بحضور اقدس رسیدہ سعادت زمین بوس
اشرف حاصل نماید وزبانِ عقیدت بیان بعذر تقصیرات بکشاید غایت مریدنوازی خواہد بود۔"

اس کاغذ کے پہنچنے پر شاہجہاں نے ناچار حکم دیدیا کہ سب بادشاہی ملازم قلعہ سے باہر چلے جائیں اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور شاہزادہ محمد سلطان معہ ذوالفقار خاں اور شیخ میر اور بہادر خاں اور اسلام خاں کے روز جمعہ گیارھویں رمضان ۱۰۶۸ھ کو داخل قلعہ ہو گئے۔ اور جب سب جگہ اپنا بندوبست کر چکے اُس وقت محمد سلطان اسلام خاں کے ساتھ کورنش کے لئے دادا جان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اب بیچارہ بادشاہ قلعہ بھی حوالہ کر چکا۔ مگر جب اس پر بھی حضرت اورنگ زیب ملاقات کو نہ آئے تو اگلے روز شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب باپ کی طرف سے ملاقات وغیرہ کے پیغام لے کر اورنگ زیب کے لشکر کو خود گئی۔ مگر اُس طرف سے اُس کے اعزاز واحترام کے مقررہ دستور کے برخلاف اُس کا استقبال وغیرہ نہ کیا گیا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ آپ محل سرا میں چلیں، میں وہیں آتا ہوں۔ اور جب وہ محل سرا میں پہنچ گئی تو اورنگ زیب نے کسی قدر اعزاز واکرام سے ملاقات کی بیگم صاحب نے پہلے تو باپ کی طرف سے اپنے فتح مند بھائی کی نسبت اظہار عنایت اور شوقِ دیدار بیان کیا۔ بعد اس کے یہ بے موقعہ پیغام دیا کہ حضرت ظل سبحانی کی شاہانہ مرضی اس طرح پر ہے کہ ملک پنجاب معہ اُس طرف کے اور اضلاع کے داراشکوہ کو عنایت فرمائیں اور گجرات پر مرادبخش اور بنگالہ پر شجاع کا بدستور تصرف رہے اور ملک دکن محمد سلطان کو عطا ہو اور شاہ بلند اقبال کا خطاب اور باقی کل ممالک محروسہ کی ولی عہدی کا منصبِ عالی آپ کو مبارک ہو۔ پس آپ قبول کیجئے۔ اور غرض مند لوگوں کی باتوں پر نہ جایئے۔ بغیر دغدغہ اور وسواس کے حضرت کی خدمت میں چل کر اپنے دیدار سے اُن کی خاطر مشتاق کو مسرور کیجئے اورنگ زیب نے اس کے جواب میں داراشکوہ کی خصومت کی سخت شکایتیں کر کے ان باتوں کی قبولیت سے انکار کیا اور صاف کہہ دیا کہ داراشکوہ کا معاملہ یک سُو ہونے تک حضور میں حاضر ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیگم صاحب یہ جواب لے کر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ واپس ہوئی۔ اور سب اندوہناک ماجرا بادشاہ سے عرض کیا۔ اس کے بعد پھر اسی طرح پیام و سلام ہوتے رہے۔ اور جب آخر کار بہت سی گفت و شنید کے بعد اورنگ زیب تیسرے دن شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر کے باغ نور منزل سے سوار ہو کر چل پڑا تو یکایک شائستہ خاں اور شیخ میر نے سامنے سے آ کر عرض کیا کہ

"حضور کہاں جاتے ہیں! یہ ارادہ عقل اور دور اندیشی کے برخلاف ہے۔ خدا کے واسطے اس سے احتراز فرمائیے۔ اور جب خدا کے فضل سے قلعہ میں حضور کا عمل و دخل خاطر خواہ ہو چکا ہے اور اعلیٰ حضرت کا اختیار و اقتدار کچھ بھی نہیں رہا تو بلا ضرورت اندیشے اور خطر کی جگہ میں جانے سے اب کیا حاصل؟"

ان باتوں سے اورنگ زیب کی طبیعت میں پھر ایک تذبذب سا پیدا ہو گیا اور وہ اپنے ڈیرے کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کے پاس جانے نہ جانے کی نسبت ابھی گفتگو میں درمیان ہی میں تھیں کہ اسی اثنا میں ناہروں نامی ایک چیلے نے شاہجہاں کا ایک شقہ جو اس نے داراشکوہ کے نام اپنے ہاتھ سے لکھکر بڑے اہتمام اور احتیاط سے اس کو سپرد کر کے یہ ہدایت کی تھی کہ نہایت جلد دہلی پہنچ کر اس کا جواب لائے۔ پیش کیا۔ خلاصہ اس کاغذ کا عاقل خاں نے یہ لکھا ہے کہ

"داراشکوہ در شاہجہاں آباد ثمات قدم ورزد۔ کمی خزانہ و لشکر در آنجا نیست۔ زنہار از انجا پیشتر نگذرد کہ ما بدولت دریں جا مہم را فیصل می فرمائیم"

اس آخر فقرہ کا پڑھنا تھا کہ اورنگ زیب کو اپنے خیر خواہوں کی باتوں کا یقین ہو گیا۔ اور اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا اور چونکہ بیگم صاحب کے آنے کے بعد جعفر خاں وزیر۔ حکیم تقرب خاں (جو قرب و منزلت میں وزیر سے کم نہ تھا) اور رائے رایان راجہ رگھناتھ دیوان سلطنت بھی مع عملۂ دیوانی حاضر ہو چکے تھے اب شہزادوں کے دستور کے موافق بیشست مینہ منعقد کر کے سب امرا اور منصب داروں کی نذریں (شاہانہ طور پر) لیں اور بعد ازاں بڑے طمطراق اور کروفر کے ساتھ بہ سواری فیل قلعہ کے دروازے کے آگے سے گذر کر داراشکوہ کی حویلی میں جا ڈیرہ کیا۔ اور محمد سلطان نے باپ کے حکم سے تمام بادشاہی خزانوں کارخانوں توشہ خانوں کو ضبط کر کے سربمہر کر دیا۔ اور اکیسویں رمضان سنہ مذکور سے شاہجہاں ایسی سخت قید میں رہا کہ حرم سرائے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ رہی۔ بلکہ بقول مصنف عمل صالح مدت تک بجز چند خادمہ عورتوں کے کوئی خدمت گار تک پاس پھٹکنے نہ پاتا تھا۔

ذوالفقار خاں آگرہ کا قلعہ دار اور شاہجہاں کا محافظ مقرر ہوا۔ اسلام خاں کو آگرہ کی صوبہ داری ملی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گئی۔ اور آپ صرف تین روز دارا شکوہ کی حویلی میں ٹھہر کر دلی کو کوچ کر دیا اور اگرچہ سیاسی مصلحتوں کے لحاظ سے اپنی غیبت میں محمد سلطان کو بھی آگرہ رہنے کا حکم دیا مگر نہ تو اُس کو فوج وغیرہ پر اختیار کلی ہی دیا نہ قلعہ میں رہنے کی اجازت دی بلکہ اسلام خاں کو اس پر اتالیق مقرر کرکے یہ حکم دیا کہ دارا شکوہ کی حویلی میں قیام رکھے۔ اور اگرچہ بادشاہ کے قید اور بے بس کر دینے کے لئے ایک طرف تو مذکورہ بالا اہتمام وانتظام تھے مگر ظاہرداری سے ان حرکتوں پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچنے کی خاطر دلی کو کوچ کرنے سے پہلے فاضل خاں میر سامان کو بادشاہ کی خدمت گذاری اور "پرداخت مہمات بیوتات وانتظام کارخانہ جات خاصہ شریفہ" کے لئے (جو اکثر وہیں تھے) مقرر کیا۔ اور تقرب خاں کو جو شاہجہاں کا مزاج داں معالج تھا۔ رہے ہے امراض کے علاج کے لئے مقرر کرکے تین ہزاری شریفیوں کے انعام اور عنایات "خلعت خاص وجمدہر مرصع باعلاقہ مروارید" سے سرفراز کیا۔ اور جب آگرہ سے چل کر پہلا ڈیرہ بہادرپور میں ہوا تو اپنے فرزند ثالث محمد اعظم کو بھی سلام کے لئے روانہ کیا جس نے جدامجد کو پانچ سو مُہریں اور چار ہزار روپیہ نقد نذر کیا اور بادشاہ نے بھی تملق اور ظاہری پیار محبت کے بعد بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا۔ شاہجہاں کی قید کے پُر عبرت واقعہ کا مادۂ تاریخ جو نہایت ہی حسبِ حال ہے عاقل خاں نے یہ لکھا ہے۔ واعتبروا یا اولی الابصار۔ س م ح

مراد بخش کی گرفتاری

القصہ دونوں شاہزادوں نے باپ کے معاملہ سے فارغ ہو کر اُمرا کی نذریں لیں اور اپنے ماموں شائستہ خاں[1] کو آگرہ کا صوبہ دار بنا کر اور خزانہ شاہی سے اخراجات ضروری کا انتظام کرکے دارا شکوہ کے تعاقب میں کوچ کیا۔ اور جب فوج آگرہ سے کوچ کرنے والی تھی تو مراد بخش کے مخلص ہواخواہوں خصوصاً شہباز خواجہ سرا نے اُس کو بہت سمجھایا کہ

"آپ کو معہ اپنے لشکر کے آگرہ یا دہلی سے دور جانا نہیں چاہیئے اور غایت درجہ کا ادب وآداب اور بے حد میٹھی باتیں جو اورنگ زیب کر رہا ہے فریب اور دغا بازی کا نشان ہیں۔ اور جب کہ خاص وعام بلکہ خود وہ بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اب بادشاہ آپ ہیں تو پھر یہ کیوں کر مناسب ہے کہ آپ آگرہ اور دہلی کے نزدیک نہ رہیں اور کہیں دور چلے جائیں۔ پس آپ اُسی کو دارا شکوہ کے

---

[1] پچھلے حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ اس وقت اسلام خاں کو آگرہ کا صوبہ دار بنایا گیا تھا البتہ شائستہ خاں بھی آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا مگر اس سے کچھ عرصہ بعد۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تعاقب میں جانے دیجئے۔"

چنانچہ میری دانست میں اگر وہ یہ معقول صلاح مان لیتا تو اورنگ زیب بڑی مشکل میں پڑ جاتا لیکن اُس نے ایک نہ مانی اور بھائی کے ساتھ دہلی کو چل کھڑا ہوا کیونکہ اُس کے موکد اور مستحکم وعدوں اور اُن بیہودہ قسموں پر جو بارہا قرآن درمیان رکھکر کھائی ہوئی تھیں اُس کو پورا بھروسہ تھا۔ لیکن جب دونوں نے متھرا پہنچ کر مقام کیا جو آگرہ سے قریب تین چار منزل کے ہے تو مراد بخش کے خیر خواہوں نے جو اس عرصہ میں بہت کچھ دیکھ اور سُن چکے تھے ناچار ہوکر آپس میں یہ صلاح کی کہ ایک دفعہ تو اس کو پھر سمجھانا چاہیئے آگے وہ جانے۔ مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ انھوں نے اُس سے کہا کہ

"ہم کو متعدد ذرائع سے پختہ خبریں ملی ہیں کہ اورنگ زیب کا کچھ بُرا ارادہ ہے اور کسی خوفناک منصوبہ کے لئے بہت کچھ بندشیں ہوچکی ہیں اس واسطے اُس کی ملاقات کو خاص اُس کے لشکر میں آپ کا جانا مناسب نہیں اور زیادہ نہیں تو آج کی رات تو ہرگز نہ جایئے۔ اور اس آفت کے ٹال دینے کی بہت آسان سبیل یہ ہے کہ ناسازی طبیعت کا بہانہ کر لیجئے اور وہاں نہ جایئے۔"

یہ سُن کر جیسا کہ معمول ہے اورنگ زیب خود ہی چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آجائے گا۔

لیکن نہ تو ان تقریروں اور دلیلوں ہی نے کچھ اثر کیا اور نہ منت وسماجت ہی کچھ کارگر ہوئی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی حالت میں تھا گویا کسی نے اُس پر جادو کیا ہوا ہے چنانچہ اورنگ زیب کی ظاہری اطاعت اور دکھاوے کی محبت سے فریب میں آکر اپنے رفیقوں اور خیر خواہوں کی ممانعت کے باوجود اورنگ زیب کے لشکر میں، جہاں میر خاں اپنے تین چار محرم راز مصاحبوں کے مشورہ سے گھات میں لگا ہوا اس کے آنے کا منتظر تھا۔ ضیافت کھانے چلا گیا۔ اور جب یہ سادہ لوح شہزادہ وہاں پہنچا تو اورنگ زیب نے معمول سے زیادہ بڑھ چڑھ کر تعظیم وتکریم کی اور اس قدر خوشی کا اظہار کیا کہ آنکھوں سے چند آنسو بھی نکال دیئے اور خاص اپنے ہاتھ سے مراد بخش کے چہرہ کی گرد صاف کی اور پسینہ پونچھا اور جب کھانا کھانے کو بیٹھے تو نہایت ہی گرم جوشی دکھائی اور اظہار مسرت کے لئے ہنسی اور مذاق کی بے حد باتیں بنائیں اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب عمدہ کابلی اور شیرازی شراب پیش ہوئی تو آہستہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"حضرت کو معلوم ہے کہ میں اپنے مذہبی خیالات کے باعث اس صحبت عیش و نشاط میں حاضر رہنے سے قاصر ہوں اگرچہ میں رخصت ہوتا ہوں لیکن یہ سب لوگ جو اس پر لطف جلسہ کے شریک ہیں اور میر خاں[1] اور میرے مصاحب آپ کی خدمت گذاری کے لئے حاضر ہیں"۔

پس مراد بخش شراب دو دست تو تھا ہی اُس پر یہ طرہ کہ ایسی عمدہ صحبت اور ایسی لطیف شرابیں۔ غرض خوب پی اور یہاں تک پی کہ بالکل سرشار ہو گیا اور اورنگ زیب کا جو یہ مدعا تھا کہ وہ مدہوش ہو کر سو جائے پورا ہو گیا۔ پس اول تو مراد بخش کے نوکروں کو اس حیلہ سے رخصت کر دیا گیا کہ اُس کے خواب راحت میں خلل نہ آئے۔ اور اس کے بعد میر خاں نے اُس کی تلوار اور جمدھر کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد اورنگ زیب اُس کو اس ناز بیا خواب سے جگانے کے بہانہ سے خیمہ میں آیا اور اس تمام مصنوعی ادب و لحاظ کو خیرباد کہہ کر اس خفتہ بخت کے اول تو چند ٹھوکریں ماریں اور جب اُس نے ذرا آنکھیں کھولیں تو یہ دو فنون! ملامت کی راہ سے بولا کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ

"تم بادشاہ ہو کر ایسے غافل اور بے خبر ہو جاؤ۔ بھلا دنیا کے لوگ تم کو بلکہ مجھ کو بھی کیا کہیں گے۔ اور لوگوں کو اشارتاً کہا کہ اس بدمست و مخمور کے ہاتھ پاؤں باندھ کر خلوت خانہ میں لے جاؤ کہ نشہ کے اُترنے تک اس بے شرمی کا سونا وہاں سوئے"۔

پس تعمیل حکم میں کیا دیر تھی فوراً پانچ چھ مسلح شخصوں نے آن دبایا اور مراد بخش ہر چند چلاتا اور زور کرتا رہا۔ لیکن اس کے پاؤں میں بیڑی اور ہاتھوں میں ہتکڑی ڈال ہی دی اور قیدی بنا کر ایک علیحدہ جگہ میں ڈال دیا۔

یہ سختی اور بدسلوکی خواہ کیسی ہی مخفی طور پر کی گئی تھی مگر مراد بخش کے اُن ملازموں پر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو باہر بھیج دیئے گئے تھے پس جب اُنھوں نے اس کی بھنک سُنی تو کسی قدر شور و غوغا مچایا اور چاہا کہ بزور اندر گھس آئیں لیکن مراد بخش کے میر آتش علی قلی نے جس کو اورنگ زیب نے کچھ دے کر پہلے سے گانٹھا ہوا تھا سمجھا اور دھمکا کر خاموش

---

[1] شیخ میر اور سید میر دونوں بھائی تھے ان میں سے سید میر اورنگ زیب کا بے تکلف مصاحب تھا اور غالباً اس جگہ وہی مراد ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرا دیا۔ اسی طرح اُس کے لشکر میں بھی اگرچہ کچھ شور و شر شروع ہو گیا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ یکایک چڑھ نہ آئے لیکن رات ہی کو کچھ لوگ بھیج دیئے گئے جنھوں نے جا کر یہ مشہور کر دیا کہ اورنگ زیب کے ڈیرہ میں جو ماجرا گذرا ہے وہ کچھ بڑی بات نہیں ہے کیونکہ ہم بھی وہیں تھے اور بات صرف اس قدر ہے کہ مراد بخش شراب ذرا زیادہ پی گیا تھا اور یہاں تک بدکلامی کرنے لگ گیا تھا کہ اور تو کوئی کیا خود اورنگ زیب کو بھی مغلظات گالیاں دیں اور ایسا اودھم مچایا کہ ناچار خلوت خانہ میں بند کرنے کی ضرورت پڑی۔۔۔ بہرحال تشویش کی کوئی بات نہیں ہے صبح کو جب نشہ اُتر جائے گا تو وہ صحیح و سلامت اپنے لشکر میں آجائے گا۔

اب ادھر تو اہل سپاہ کو یہ دم دے کر چپ کرایا گیا اور اُدھر راتوں رات بڑی بڑی رشوتیں اور بڑے بڑے وعدے دے کر لشکر کے بڑے سرداروں کو الگ گانٹھ لیا گیا اور معًا تمام فوج کی تنخواہ بڑھا دی گئی غرضکہ وہ شورش اور ہنگامہ جو برپا ہوا تھا صبح ہوتے اُس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے تھے جو یہ نہ سمجھتے ہوں کہ مراد بخش کسی بلا میں پھنسنے والا ہے ورنہ اُس کے سب سردار اور سپاہی اس بات کو بخوبی جانتے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ ضرور پھنس جائے گا۔

جب یہ سب بندوبست ہو چکا اور اطمینان ہو گیا کہ اب کچھ اندیشے کا مقام نہیں ہے تو اس نامراد کو ایک زنانی عماری میں بند کر کے دہلی کو چلتا کیا اور قلعہ سلیم گڈھ میں جو جمنا میں بنا ہوا ہے قید کیا گیا[1]

---

[1] مسٹر اورنگ براک صاحب اصل کتاب کے مترجم انگریزی نے کرنل ٹوڈ صاحب کی تاریخ ہندوستان سے اس موقعہ پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

قولہ "جب مراد بخش کیمپ میں جو متھرا کے قریب تھا آ پہنچا تو اُس سے اگلے دن سلطان مراد بخش نے اورنگ زیب کو ضیافت کا پیغام بھیجا اور چونکہ وہ طبعًا کشادہ مزاج اور رنگین طبع شخص تھا اس وجہ سے اورنگ زیب نے بغیر کسی طرح کے شک و شبہ کے اُس کی دعوت کو قبول کر لیا جب دونوں بھائی دسترخوان پر بیٹھ گئے اور شہباز نے جو مراد بخش کے محلات کا ناظر اور اس دعوت کے اصلی منصوبہ کا رازدار تھا یکایک کان میں آ کر کہا کہ "عمدہ پوشاک میں چاک کرنے کا اب وقت ہے" یعنی اورنگ زیب سے یہیں سمجھ لینا چاہیئے تو اورنگ زیب جو لوگوں کی صورتوں اور چہروں سے دلوں کے بھید سمجھ لیتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا اس سرگوشی اور بھائی کی بناوٹی رنگینیوں سے جو اس وقت دکھا رہا تھا اصل مدعا کو تاڑ گیا۔ مگر تحمل اور متانت کی راہ سے خاموش ہو رہا اور جب مراد بخش نے سمجھا کر شہباز کو رخصت کر دیا کہ فلاں علامت اور اشارہ کا منتظر رہے تو اورنگ زیب نے یہ سمجھکر کہ اس وقت میرے قتل کا منصوبہ ہے یکایک یہ ظاہر کیا کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہے اور مجلس سے اٹھکر جھٹ پٹ باہر چلا آیا اور اپنے اہالی موالی اور ہم رکاب سپاہیوں کے پاس جو ڈیوڑھی پر حاضر تھے آپہنچا اور وہاں سے سیدھا اپنے لشکر میں آگیا۔ اور اس تمارض کی چال کو ایسی خوبصورتی سے چلا کہ مراد بخش یہی خیال کرتا رہا کہ وہ فی الواقع بیمار ہے اور اُس کو گمان بھی نہ ہوا کہ وہ اس منصوبہ کو سمجھ گیا ہے۔ چنانچہ آخر تین روز کے بعد جب اورنگ زیب کا مصنوعی دردِ شکم جاتا رہا تو مراد بخش نے بہت خوشیاں منائیں اور بڑے تپاک سے مبارکباد دیں اور اس سے اگلے دن اورنگ زیب نے دعوت کی تیاری کی اور پیغام دیا کہ آپ کی تفریح طبع کے لئے ایسی حسین و جمیل ارباب نشاط بلائی گئی ہیں جو اپنے حسن و جمال اور لطافت و نزاکت اور گانے بجانے کے فن میں ایسی بے نظیر ہیں کہ ایسے کمالات کی رنڈیاں اس سے پہلے کبھی ہندوستان بھر میں نہیں دیکھی سُنی گئیں۔ اور اس مضمون کو ایسی آب و تاب سے بیان کیا گیا کہ مراد بخش جو بالطبع عیش و عشرت کا پُتلا اور راگ رنگ کا شیدا تھا ہزار جان سے اُن کا مشتاق ہو گیا اور اپنے تمام خیر خواہوں میں سے کسی کی بھی نہ سُنی اور اپنے مکار بھائی کے خیمہ گاہ میں چلا ہی گیا۔ چنانچہ جب بادشاہ سلامت رجیسا کہ اورنگ زیب اُس کے بیوقوف بنانے کو کہا کرتا تھا) خیمہ گاہ میں داخل ہوئے تو وہ نازنین اُس کو ایک اور اندر کے خیمہ میں لے گئیں اور یہ مغلوب النفس شہزادہ اُن کے حیرت افزا حسن و جمال کو دیکھکر جو فی الواقع بے مثال تھا بالکل لٹو ہو گیا۔ الغرض ناچ رنگ شروع ہوا اور عیش و نشاط کا وہ سماں بندھا کہ مراد بخش نے مزے میں آکر شراب شیرازی منگائی۔

اب دور چل رہا ہے اور "بادشاہ سلامت" پریوں کے اکھاڑے میں راجہ اندر بنے بیٹھے ہیں اور اورنگ زیب بھی اپنے معمولی تقویٰ و طہارت سے ہاتھ دھوئے اس بزم شراب میں شریک ہے۔

آخر جب حضرت کے ہوش و حواس رخصت ہونے لگے تو اورنگ زیب نے شیرازی خمام شراب کی جگہ تیز شراب کے پیالوں کی اور بھی بھرمار شروع کر دی۔ جس سے وہ تھوڑی ہی دیر میں بیہوش ہو کر ایک نازنین کی بغل میں سر دے کر سو گیا۔ اور چونکہ اورنگ زیب نے اپنے سرداروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جو اُمرا وغیرہ مراد بخش کے ساتھ آئے ہیں اُن کی تواضع بھی اسی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
تکلف سے کی جائے اس لئے اس کے باڈی گارڈ کے لوگوں تک کو بھی شرابیں پلا پلا کر مدہوش کردیا گیا اور اس تدبیر سے وہ بدبخت شہزادہ بالکل بے حفاظت رہ گیا۔ اور اورنگ زیب نے موقع پاکر نظر جنگ اور تین امیروں کو حکم دیا کہ خیمہ میں جاکر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ لیں۔ چنانچہ وہ عورت توان کو آتے دیکھکر کھسک گئی اور انھوں نے آکر مراد بخش کو جو پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ اور جس کے ہتھیار تلوار اور خنجر وغیرہ اورنگ زیب نے چالاکی سے پہلے ہی اٹھوا لئے تھے آن گھیرا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ باندھنے شروع کردیئے۔ پس اس حرکت سے مراد بخش چونک پڑا اور جھنجھلا کر باندھنے والوں کے کچھ لاتیں وغیرہ مارنے لگا۔ جس سے وہ ذرا ڈر گئے اور شہزادہ پکار پکار کر اپنی تلوار مانگنے لگا۔ اب اورنگ زیب نے جو اس کارروائی کے وقت خیمہ کے دروازے پر کھڑا تھا پردہ کے پیچھے سے سر نکالا اور اپنے امیروں کو خوب ڈانٹ کر کہا کہ اگر یہ کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے تو ابھی قتل کرڈالو۔ جس کو سن کر مراد بخش نے کچھ برا بھلا تو کہا۔ مگر آخر کار چپ ہوکر ہاتھ پاؤں بندھوا لئے۔ اور ناظر شہباز جو اس کا دلی رفیق اور خیر خواہ اور عمدہ مشیر تدبیر تھا اس کو بھی اسی وقت اس طرح سے قید کرلیا گیا۔ کہ وہ شامیانہ جو میر بخشی کے ڈیرہ کے آگے لگا ہوا اور یہ اس کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اشارہ ہوتے ہی اس کی چاروں چوبوں کی طنابیں یک لخت کاٹ کر گرادیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ اس ناگہانی الجھیڑے سے اپنے تئیں نکال سکے پکڑ لیا گیا۔ اور باقی امرا کو مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ اور اورنگ زیب کے حضور میں حاضر کئے گئے جنھوں نے فرمانبرداری قبول کرلی۔

اس واقعہ سے اگرچہ خفیف سا چرچا مراد بخش کے لشکر میں پھیلا مگر اس سے کوئی ضرر پیدا نہیں ہوا۔ اور اہل فوج تھوڑی دیر کے بعد اس طرح سے چپ چاپ ہوگئے جیسے کوئی شخص خواب پریشاں سے ذرا چونک کر پھر سو جاتا ہے۔

جب سلطان مراد بخش کو قید کیا گیا تھا۔ اس وقت کچھ زیادہ رات نہیں گئی تھی اور دن نکلنے سے پہلے ہی اس کو اور اس کے رفیق کو ایک ہاتھی پر زنانی عماری میں بند کرکے بحفاظت کامل آگرہ کو روانہ کردیا گیا تھا۔ (انتہے کلامہ)

مگر واقعات کی ترتیب اور ان چالوں اور منصوبوں کی تفصیل جو دارا شکوہ پر فتح پانے سے مراد بخش کے قید ہونے اور اس کے سلیم گڑھ میں بھیج دینے تک اورنگ زیب اپنے اس سادہ لوح بھائی کی نسبت عمل میں لاتا رہا جس طرح پر کتاب عالمگیر نامہ۔ عمل صالح۔ اور سیر المتاخرین

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں بطور مجمل اور عاقل خاں کی تاریخ میں مفصل درج ہے (اور ڈو صاحب کی تحریر سے آمادہ اعتماد کے لائق ہے) خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ جب اورنگ زیب دارا شکوہ پر فتح پا چکا تو مراد بخش کے ساتھ بہت ہی چرب زبانی اور ملائمت سے پیش آیا۔ اور چونکہ اس لڑائی میں اُس نے زخم کھائے تھے اس لئے۔ اطبا یانِ حاذق و جراحانِ ماہر اس کے علاج کے واسطے مامور کئے۔ اور جب دونوں بھائی آگرہ کے قریب پہنچ کر باغ نور منزل میں ڈیرہ کر چکے تو اب اورنگ زیب نے چاہا کہ بغیر مراد بخش کی شرکت کے شہر آگرہ (یعنی دارالسلطنت) پر خاص اپنا قبضہ کرے اس لئے اس بہانہ سے کہ اہلِ شہر اس ہنگامہ اور شور و شر کے باعث بہت خوف زدہ ہو رہے ہیں اور مراد بخش کی سپاہ کے لوگ اپنے آقا کی بے پروائی کے سبب سے براہ خود سری حکم کے خلاف شہر میں داخل ہو کر دست درازیاں اور بے اعتدالیاں کرتے ہیں رعایا کی تسلی اور انتظام کا حیلہ بنا کر اپنے بیٹے محمد سلطان کو معہ اپنی سپاہ کے شہر میں بھیج کر اپنا عمل دخل کر لیا اور جب بادشاہ کے قید کر لینے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں خود داخل ہوا تو اُس روز بھی مراد بخش کو اس حیلہ سے کہ آپ کے زخم ابھی کچے ہیں! سواری وغیرہ کی حرکت مناسب نہیں۔ وہیں باغ نور منزل میں پڑا رہنے دیا! اور خود دارا شکوہ کی حویلی میں (جو ولی عہد سلطنت اور مدعی بادشاہت کی حویلی تھی) آڈیرہ کیا۔ مگر میاں مراد بخش باوجود ان تمام حالتوں کے اپنے خیال میں بدستور بادشاہ بنے ہوئے تھے اور تخت و چتر وغیرہ سلطنت کا سارا سوانگ گجرات سے لے کر اب تک اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا مورخوں کا قول ہے کہ اب اس کے دل میں اورنگ زیب کا یہ عروج دیکھکر کچھ تو خود ہی حسد ہوتا تھا اور کچھ اس کے سردار اور امیر خواہ از راہ خیر خواہی خواہ از راہ خود غرضی اُس کو سمجھاتے تھے کہ اورنگ زیب کے قول و قسم اور عہد و پیمان پر بھروسہ نہ کر کے اپنا بندوبست کرنا چاہیئے۔ چنانچہ کچھ نئے سپاہی بھی بھرتی کئے جاتے تھے اور سرداروں اور امیروں کو بھی فضول رعایتیں دے کر اپنی طرف ملانے کی کوششیں کی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ قریب بیس ہزار سوار کے مراد بخش کے لشکر میں جمع ہو گئے۔ بلکہ بعض سردار اور سپاہی عالمگیر سے بھی جدا ہو کر اس کے لشکر میں جا شامل ہوئے۔

جب اورنگ زیب نے آگرہ سے بائیسویں رمضان ۱۰۶۸ھ کو کوچ کر کے پہلا ڈیرہ بہادر پور میں کیا اور وہاں سے چوبیسویں کو سامی گھاٹ پہنچ کر وہاں بھی دو روزہ مقام کیا تو اُس کو خبر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملی کہ مراد بخش جس نے اب تک آگرہ سے کوچ نہیں کیا تھا اس مہم میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔ پس اورنگ زیب کو نہایت اندیشہ ہوا اور اُس نے اس امر کو اپنے مدعا کی خرابی کا باعث سمجھ کر معتمدوں کی زبانی مراد بخش سے ترکِ رفاقت کا سبب دریافت کیا اور جب اُس نے اس کے جواب میں اپنی ناداری اور اس وجہ سے فوج کی پریشان حالی کا اظہار کیا تو ایک لاکھ روپیہ بھیج دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بالفعل اُس کو اپنی اور اپنی فوج کی ضروریات میں خرچ کیجئے۔ اور جیسا کہ آپ کے ساتھ قرار پا چکا ہے کہ تیسرا حصہ خزانہ اور لوٹ کا مال آپ کو دیا جائے گا وہ بھی جلد پہنچ جائے گا۔ اور خدا نے چاہا تو بعد اتمام مہم داراشکوہ کے ملک پنجاب اور کابل اور کشمیر اور ملتان بے شک آپ کو ملے گا۔ پس اس معاملہ کی طرف سے مطمئن رہیئے اور جلد تشریف لایئے۔ تاکہ بالاتفاق اس مہم عظیم کو جو درپیش ہے حسب دل خواہ انجام کو پہنچایا جائے۔ اور جب تک داراشکوہ کا معاملہ درمیان ہے اس تکرار کا موقعہ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مراد بخش دم میں آکر آگرہ سے سوار ہو آیا مگر اب بھی اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس پیچھے ڈیرہ کیا اور اسی طرح آگے پیچھے اُترتے ہوئے جب متھرا پہنچے تو اس سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ پر قیام کیا۔

پس اُس کے ان اوضاع و اطوار کو دیکھکر یہ صلاح ٹھہری کہ مراد بخش کو قید کر لینا چاہیے۔ چنانچہ پہلے تو طرح طرح کے لالچ اور وعدے دے کر اُس کے مقربوں اور بڑے بڑے امیروں کو گانٹھ لیا اور پھر مشورہ اور صلاح کے بہانہ سے مراد بخش کو اپنے ہاں بلانا چاہا مگر وہ اپنے بعض خیراندیش اور ہواخواہوں کے منع کرنے سے کچھ بہانہ بنا کر اُس روز نہ آیا۔ چونکہ اورنگ زیب اُس کا کھٹکا مٹانے میں زیادہ تاخیر کو مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس لئے متھرا میں (کہ جہاں حسن اتفاق سے عیدالفطر کا بنا بنایا عمدہ حیلہ بھی موجود تھا) مقام کیا اور اس کے پھسلانے کی غرض سے کبھی تو تنہا ہی شوق ملاقات ظاہر کیا جاتا تھا اور کبھی معاملات ملکی میں صلاح مشورہ کا حیلہ پیش کیا جاتا تھا۔ غرض کہ جب مراد بخش اپنی صاف دلی سے جانے کو تیار ہوا تو اُس کے ہواخواہوں اور خیراندیشوں نے جو اس فریب کی بھنک پا چکے تھے پھر روکا اور کہا کہ ہم کو اورنگ زیب کی طرف سے نہایت کھٹکا ہے ایسا نہ ہو کہ دغا کرے اور پھر پچھتانا کچھ کام نہ آئے۔ مگر بدقسمتی سے مراد بخش نے اُن کی بات پر یقین نہ کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

"این محض واہمہ است کہ بر طبیعت قمار غالب گشتہ و با وجود عہد و پیمانِ موکدہ خلافِ ایمان ازاں حضرت (اورنگ زیب) این واہمہ را بخاطر راہ دادن از طریقہ مسلمانی نباشد"۔

مختصر یہ کہ وہ دن بھی یوں ہی گذر گیا۔ اورا اورنگ زیب نے اس معاملہ کو ادھورا چھوڑ کر آگے کو کوچ کرنا کسی طرح سے مناسب نہ جانا۔ اور ہر روز کئی کئی دفعہ یہ کہہ کر بھیجتا رہا کہ چونکہ بڑے بڑے معاملات درپیش ہیں اور بغیر آپ کی صلاح و مشورہ کے آگے کو کوچ نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ کے تشریف لانے کا انتظار حد سے زیادہ گذر گیا ہے پس اگر تشریف لائیں تو ملاقات کی خوشی کے علاوہ پیش نظر مہم پر مشورہ بھی ہو جائے مراد بخش سادہ لوحی سے اس کے ان فقروں کو سچ مان کر ملاقات کرنے پر رضامند تو ہو ہی گیا تھا اس پر یہ واقعہ پیش آیا کہ علی الصبح وہ سیر و شکار کے ارادہ سے جب باہر گیا تو واپس آتے ہوئے نورالدین نامی اُسی کا ایک ملازم خاص جو اورنگ زیب سے ملا ہوا تھا۔ سامنے سے گھوڑا دوڑائے آیا۔ اور عرض کیا کہ

"اورنگ زیب کے پیٹ میں یکایک سخت درد پیدا ہو گیا ہے اور وہ بستر پر پڑا لوٹ رہا ہے۔ اور محبت کے سبب سے بار بار آپ کو یاد کرتا ہے۔ پس ایسی حالت میں بہت جلد اُس کے پاس تشریف لے جانا ہی مناسب ہے"!

مراد بخش جو بیچارہ ایک سیدھا سادا اور مکر و فریب سے محض ناآشنا تھا اُس کے قول کو سچ سمجھ کر وہیں سے اورنگ زیب کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ اور صرف چند خدمت گاروں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ گھوڑا دوڑائے بپائے خود بگور آمد کا مصداق بن گیا۔ اور اورنگ زیب کے چالاک ملازم جو منصوبے سے واقف تھے نہایت اچھی طرح استقبال کر کے اُس کے خیام خاص میں رجوکئی ڈیوڑھیوں کے اندر محل سرا کے قریب بیماری کا بہانہ بنائے پڑا تھا لے گئے۔ اور جگہ کی تنگی کے عذر سے اُس کے ملازموں کو باہر ٹھیرا لیا۔ اور اندر پہنچنے پر خود اورنگ زیب نہایت ہی شوق و اشتیاق اور تعظیم و احترام سے پیش آیا۔ اور حد سے زیادہ مسرت اور خوش دلی کا اظہار کیا۔ کیونکہ سموگڈھ کی لڑائی کے بعد اس تمام عرصہ میں مراد بخش کا اُس کے پاس آنا نہیں ہوا تھا۔ غرض کہ بہت سے تکلفات کے بعد اپنی خلوت گاہ خاص میں اور بھی اندر لے گیا۔ اور کہا کہ اب تو حاضری تناول فرمانے کا وقت ہو گیا ہے اول کچھ ماحضر نوش فرما کر ذرا قیلولہ اور استراحت فرمایئے اور قیلولہ سے فارغ ہو کر معاملات سلطنت میں فراغ خاطر سے گفتگو اور مشورہ کیا جائے گا۔ چنانچہ مراد بخش

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کچھ کھانا کھا کر پلنگ پر لیٹ گیا اور اورنگ زیب بھی اب یہ دیکھکر کہ سب کام ٹھیک ہو گیا۔ استراحت کے بہانے سے حرم سرا کو چلا گیا۔ اور اورنگ زیب کے خدمت گار مراد بخش کی چپی وغیرہ کرنے لگے۔ اور اورنگ زیب کا جو اس تمام تدبیر سے یہ مدعا تھا کہ مراد بخش اپنے ہتھیار کھول ڈالے وہ پورا ہو گیا۔ یعنی اُس بیوقوف نے نہایت بے تکلفی سے ہتھیار بھی کھول کر رکھدیئے اور اپنے نصیب کی طرح سو گیا۔ جوں ہی مراد بخش کی ذرا آنکھ لگی اورنگ زیب کے اشارے سے خدمت گار تو باہر چلے گئے۔ اور ایک لونڈی اندر سے آکر اُس کی تلوار اور ہتھیار اٹھا کر لے گئی۔ اور شیخ میر اور بعض اور لوگ جو اسی امر کے منتظر تھے فوراً خواب گاہ میں آن گھسے "اُن کے پاؤں کی آہٹ اور شیخ میر کی ڈھال کے اتفاقاً کھڑک جانے کی آواز سے جو آنکھ کھلی تو عجیب صحبت دیکھی۔ متحیر ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جب ہتھیاروں کا پتہ نہ پایا تو اب سمجھا کہ معاملہ کیا ہے۔ پس نا امیدی سے ٹھنڈی سانس بھر کر بولا کہ

"آخر باہمچو منے درست اخلاص صاف باطن چنیں کردید۔ وحق عہد و پیمان درست کہ قرآن مجید ضامن طرفین بود چنیں بجا آورید"

جس کو حضرت اورنگ زیب نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ

"برادر عزیز چونکہ تم سے ان دنوں میں کچھ ایسی باتیں سرزد ہوئیں جن سے فتنہ و فساد اور خلقت اور ملک کی بربادی کا گمان ہوتا تھا اور چند احمق اور شریر لوگوں کے بہکانے سے جو تمہارے گرد و پیش جمع تھے تمہارے دماغ میں کچھ ایسا غرور اور نخوت سما گئی تھی کہ عقلمند اور سمجھدار لوگوں کو ملک کے امن و امان میں خلل پڑنے اور سلطنت کے انتظام میں فتور آجانے کا یقین ہو گیا اس لئے تمہارے مزاج کی اصلاح اور ملک و سلطنت کی مصلحت کے لئے کچھ دنوں تم کو گوشۂ عافیت میں بٹھانا اور زمانہ کی کشمکش سے علیحدہ رکھنا لازم ہوا ورنہ خدانخواستہ کوئی ایسا امر کہ جو آپ کی پیاری جان کے اندیشہ کا باعث ہو ہمارے دل میں نہیں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اُس عہد و پیمان میں جو آپ کے ساتھ کیا گیا ہے کسی طرح کا خلل و فتور نہیں آیا۔ اور تمہاری جان عزیز خدا کے حفظ و حمایت میں ہے پس مقتضائے عقل یہی ہے کہ اس کو اپنے لئے موجب بہتری سمجھ کر حزن و ملال کو طبیعت میں جگہ نہ دیجئے۔ ع ورطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست"

غرض کہ یہ بیچارہ سیدھا سادا شہزادہ متھرا میں شوال کی چوتھی ۱۰۶۸ھ کو اپنے پُرکار بھائی کے دام تزویر میں پھنس گیا۔ اور اُسی وقت دلیر خاں اور شیخ میر کی حفاظت میں ہاتھی پر بٹھا کر شاہجہاں آباد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

داراشکوہ کا تعاقب

اب بجز شہباز خواجہ سرا کے جس کے ساتھ اورنگ زیب کو کسی قدر وقت اٹھانی پڑی مرادبخش کے ہمراہیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے اورنگ زیب کی ملازمت اور اطاعت قبول نہ کرلی ہو۔ پس اُس کی فوج کو بھی اپنی سپاہ میں شامل کرکے داراشکوہ کے تعاقب میں جو نہایت تیزی کے ساتھ لاہور کو بھاگا جارہا تھا روانہ ہوا۔ کیونکہ داراشکوہ کا یہ ارادہ تھا کہ اس شہر کی مورچہ بندی کرکے اپنے رفیقوں اور خیرخواہوں کو وہاں جمع کرے۔ لیکن اُس کا یہ مستعد دشمن ایسی چستی سے پیچھے لگا چلا آتا تھا کہ اُس کے مستحکم کرنے کی مہلت نہ ملی اور اُس نے وہاں سے ملتان کا راستہ لیا۔ مگر اورنگ زیب کے مستعدانہ تعاقب نے وہاں بھی پاؤں جمنے نہ دیئے۔ اورنگ زیب جس چستی اور چالاکی سے اس مہم میں کام کرتا تھا اُس کی کچھ تعریف نہیں ہوسکتی۔ یعنی موسم اگرچہ نہایت گرم تھا لیکن اُس کی فوج رات دن برابر کوچ کرتی تھی اور وہ خود سپاہ کی جرأت اور ہمت بڑھانے کے لئے صرف چند آدمیوں کے ساتھ اکثر چار پانچ کوس فوج سے آگے رہتا تھا اور ایک ادنیٰ سپاہی کی مانند بُرے بھلے پانی اور روکھی سوکھی روٹی پر قناعت کرکے رات کو پلنگ اور امیرانہ فرش فروش کے بغیر صرف زمین پر بستر جما کر لیٹ رہتا تھا۔

داراشکوہ پناہ کی تلاش میں

ہندوستان کے دانا لوگوں کی یہ رائے ہے کہ داراشکوہ کے لئے لاہور سے کابل جانا مناسب تھا۔ اُس کے خیرخواہوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کو ایسی جلدی اور سرعت کے ساتھ چلتا کیا کہ اُس کی فوج کو جو قریب بیس ہزار سوار جرار کے تھی اُس روز مطلقاً خبر نہ ہوئی۔ اور صرف اُس وقت معلوم ہوا کہ جب موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور یہ قصہ مشہور عام ہوگیا۔ پس بناچاری فوج نے بھی اورنگ زیب کی اطاعت اور نوکری قبول کرلی اور اُس کے بعض ملازم جو ساتھ آئے تھے مثل شہباز خاں خواجہ سرا کے جو پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا۔ اور دو تین اور سردار وہ بھی اُسی وقت گرفتار کرلئے گئے۔ فقط

کرنل ڈو صاحب کی منقولہ بالا تحریر میں اکثر باتیں تو صریحاً غلط ہیں مگر کھانے کے وقت جلد غافل کرنے کے لئے شراب پلانے اور خواب گاہ میں کسی عورت کے پہنچا دینے کا مضمون خواہ وہ رنڈی ہو یا لونڈی قریب القیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شراب کے بغیر اُس کو جلد غافل بنانا مشکل تھا اور کسی عورت کے بغیر اُس کے مصاحب اور خدمت گار بلا اندیشہ بدگمانی الگ کرکے باہر نہیں بھیجے جاسکتے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے بھی ہر چند اُس کو وہاں جانے کے لئے کہا مگر یہ معمہ کسی پر نہ کھلا کہ اُس نے ایسی دانشمندانہ صلاح کیوں نہ مانی۔ کیونکہ مہابت خاں جو امرائے ہندوستان میں ایک بڑا پرانا اور زبردست امیر تھا اور جس کی اورنگ زیب کے ساتھ ہمیشہ سے اَن بن چلی آتی تھی وہاں کا صوبہ دار تھا۔ اور افغانوں اور ازبکوں اور ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے دس ہزار سے زیادہ فوج موجود تھی۔ اور چونکہ اُس کے پاس روپیہ بھی کافی تھا۔ یہ تمام فوج اور خود مہابت خاں بہ خوشی مدد دینے کو تیار ہو جاتا اور ان فوائد کے علاوہ سرحد ایران اور ملک ازبک سے بھی نزدیک ہو جاتا۔ اور اغلب تھا کہ وہاں کے فرماں روا بہت کچھ مدد دے سکتے اور اُس کو یاد کرنا چاہیئے تھا کہ ہمایوں نے شیر خاں سے شکست کھانے کے بعد جو پٹھان قوم کا بادشاہ تھا۔ اور جس نے اُسے ہندوستان سے نکال دیا تھا۔ ایرانیوں ہی کی مدد سے پھر اپنی سلطنت حاصل کر لی تھی[1]۔ لیکن بدنصیب داراشکوہ کی قسمت میں ہمیشہ یہی لکھا ہوا تھا کہ خواہ کیسی ہی نیک صلاح اُس کو دی جاتی وہ اس پر التفات ہی نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا کہ کابل کے عوض سندھ چلا گیا اور قلعہ ٹھٹھہ میں جا کر پناہ لی جو دریائے سندھ کے وسط میں ایک مشہور مستحکم مقام ہے۔

جب اورنگ زیب کو معلوم ہو گیا کہ داراشکوہ کا ارادہ کابل جانے کا نہیں ہے اور اطمینان ہو گیا کہ اب معاملہ چنداں مشکل نہیں تو خود اُس کے تعاقب میں جانا غیر ضروری خیال کیا اور سات آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے کو میر بابا شیخ میر کو داراشکوہ کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کے لئے مامور کر دیا اور اس اندیشہ سے کہ نہ معلوم پیچھے کیا کیا فتور برپا ہو جائیں ویسی ہی جلدی سے جیسی کہ داراشکوہ کے تعاقب میں کی تھی آگرہ کو لوٹ آیا[2]۔

---

[1] شہر شاہ سے ہمایوں کا شکستیں کھا کر ہند سے ایران جانا اور شاہ طہماسپ صفوی فرمانروائے ایران کی امداد سے پھر ہند کو آنا۔ اور دوبارہ تسلط ہونا نہایت مشہور واقعہ ہے۔ س م ح

[2] ان واقعات کو جس طرح عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے روانہ ہونے سے پہلے خلیل اللہ خاں اور بہادر خاں کو داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔ بعد ازاں متھرا سے دہلی پہنچ کر باغ اعزآباد متصل شہر دلی سے ذیقعدہ کی ساتویں ۱۰۶۸ھ کو مطابق ستر ھویں امرداد بہادر کے پنجاب کو خود روانہ ہوا۔ داراشکوہ نے کرنال انبالہ کے معمولی راستہ سے تلون کے گھاٹ جو اس زمانہ میں پہلور کی طرح ستلج کا مشہور گھاٹ تھا عبور کر کے تعاقب کرنے والوں کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کو یہ خدشہ تھا کہ مبادا جسونت سنگھ یا جے سنگھ سا کوئی زبردست راجہ شاہجہاں کو قید سے چھڑا دے یا سری نگر کے راجہ کی مدد سے سلیمان شکوہ سیلاب کی طرح پہاڑوں سے یکایک اُتر آئے یا موقعہ دیکھکر سلطان شجاع ہی پھر آگرہ کی طرف چڑھائی کر دے۔

اورنگ زیب کا استقلال اور حسنِ تدبیر

اب میں ایک مختصر سے واقعہ کا جو اورنگ زیب کو اسی سفر میں پیش آیا تھا ذکر کرتا ہوں جس سے اس کتاب کے پڑھنے والے یہ اندازہ کر سکیں گے کہ وہ کسی ناگہانی مشکل کے پیش آجانے پر کیسی چستی سے اُس کا فی الفور انتظام کر لینے کی صلاحیت رکھتا تھا ملتان سے واپسی کے وقت جب کہ وہ حسب معمول سرعت کے ساتھ کوچ کرتا چلا آتا تھا راجہ جے سنگھ کو چار پانچ ہزار جرار راجپوتوں کے ساتھ آتا دیکھکر حیرت میں آگیا۔ یہ اس وقت حسب معمول تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اپنی فوج سے آگے تھا اور راجہ کا شاہجہاں کے ساتھ جو گہرا تعلق تھا وہ اس سے مخفی نہ تھا۔ پس بآسانی خیال میں آسکتا ہے کہ اُس نے خود کو سخت خطرے کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: روکنے کے لئے یہ بندوبست کر دیا تھا کہ اُس کا نامی سردار داؤد خاں پنی ملوں کے اُس پار اور اسی طرح سپہر شکوہ بیاس کے دوسرے کنارے کچھ عرصہ تک ٹھہر کر اور کشتیوں کو جلوا کر اور غرق کرا کر لاہور آکر اُس سے مل جائیں۔ اس لئے جب اورنگ زیب کو کرنال میں خلیل اللہ خاں کی عرضی سے یہ حال معلوم ہوا تو وہاں سے روپڑ کو ہو لیا اور کشتیوں کی قلت کی وجہ سے کئی دن میں لشکر کو ستلج سے پار اتار کر ماچھی واڑہ۔ راہوں۔ گڈھ شنکر کو ہوتا ہوا گوئیندوال کے گھاٹ دریائے بیاس سے بھی پار ہو گیا۔ اور پچیسویں ذی الحجہ کو قصور جا پہنچا۔ چونکہ دارا شکوہ لاہور سے ملتان کو بھاگ گیا تھا۔ اور وہ سردار جو تعاقب میں مامور تھے کچھ سستی کرنے لگ گئے تھے۔ اس لئے "یلغار" کے طور پر نہایت تیزی کے ساتھ بلا توقف کوچ کرتا ہوا ملتان کو روانہ ہوا اور ساتویں محرم کو جب کہ دارا شکوہ ملتان سے سندھ کی طرف بھاگ چکا تھا۔ ملتان جا پہنچا اور اس جگہ سے اوّل صف شکن خاں کو معہ چند اور سرداروں کے اور بعد ازاں اس خیال سے کہ اب بھی دارا شکوہ کے پاس بارہ چودہ ہزار سوار اور ایک اچھا توپخانہ اور بہت سا مال و دولت موجود تھا۔ شیخ میر کو بھی جو اورنگ زیب کے نہایت محل اعتماد ہونے کے علاوہ بڑا صاحب تدبیر اور شجاع امیر سمجھا جاتا تھا اور جس کو برنی اور میر بابا لکھتا ہے دادا کر کے خود واپس ہو پڑا۔ اور معمولی منزلیں کرتا ہوا چوتھی ربیع الاول ۱۰۶۹ھ کو دلی پہنچ گیا پس جس غیر معمولی چستی اور جفاکشی کی بزنیئر نے تعریف کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس "ایلغار" سے مراد ہے جو اُس نے قصور سے کی تھی۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حالت میں پایا اور طبعًا اُس کو یہی اندیشہ ہونا چاہیئے تھا کہ جے سنگھ اپنے محترم آقا کو اس قید بے جا کی تکلیف سے جھٹ پٹ چھڑا لینے اور ایسے بے رحم اور ناخلف فرزند کو سزا دینے کے اس عمدہ موقعہ کو جس کے ہاتھ سے اُس پر بلا وجہ ظلم وستم ہوا ہرگز ضائع نہیں کرے گا اور یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ فی الواقع راجہ کا آنا صرف اسی ارادہ سے تھا کہ اورنگ زیب کو گرفتار کرلے اور اس رائے کے قرار دیئے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اورنگ زیب کو تھوڑی ہی دیر پہلے خبر لگ چکی تھی اور وہ یقین کئے ہوئے تھا کہ راجہ دہلی میں ہے مگر اُس نے ایسی عجیب سرعت سے ایسی بعید مسافت طے کی کہ لاہور اور ملتان کے راستہ میں آملا۔ لیکن اورنگ زیب کی ہوشیاری اور متانت نے اُسے اس بڑی جوکھوں سے بچالیا۔ چنانچہ اُس نے مطلق کچھ خوف واضطراب ظاہر نہ کیا بلکہ یہ دکھانے کو کہ اُس کا آنا اس کی بڑی ہی خوشی کا باعث ہے گھوڑا دوڑا کر نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ہاتھ سے جلد آیئے، جلد آیئے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھا اور پکار کر کہا۔

"سلامت باشید راجہ جی! سلامت باشید باباجی!" اور جب دونوں ذرا نزدیک پہنچے تو پھر کہا خوش آمدید۔ خوش آمدید۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے آپ کے آنے کا کس قدر انتظار تھا۔ بہت ہی خوب ہوا کہ آپ آگئے مگر لڑائی ختم ہوگئی اور داراشکوہ تباہ وبرباد خاک چھانتا پھرتا ہے اور میں نے میر بابا کو اُس کے پیچھے بھیج دیا ہے اور اغلب ہے کہ جلد گرفتار ہوجائے گا۔ اور نہایت مہربانی اور التفات کے اظہار کی غرض سے موتیوں کی مالا جو پہنے ہوئے تھا اُتار کر راجہ کے گلے میں ڈال دی اور کہا کہ ہماری فوج بہت تھکی ہوئی ہے اس لئے آپ کو بہت جلد لاہور پہنچ جانا چاہیئے۔ مبادا وہاں کچھ بے انتظامی اور شورش ہوجائے اور میں آپ کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کرتا ہوں اور کل اختیار نظم ونسق دیتا ہوں اور میں بھی جلد آپ کے پاس پہنچتا ہوں لیکن رخصت کرنے سے پہلے میرے لئے ضروری ہے کہ سلیمان شکوہ کے معاملہ میں جو آپ نے کارگذاری دکھائی ہے اُس کا شکریہ ادا کروں۔ مگر آپ نے دلیر خاں کو کہاں چھوڑا؟ میں اُس کو خوب سزا دوں گا۔ آپ جلدی لاہور تشریف لے جایئے۔ خدا حافظ[1]

[1] خدا جانے مصنف نے یہ کیا بے سروپا قصہ لکھدیا ہے کیونکہ عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان شکوہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

داراشکوہ گجرات میں

جب داراشکوہ ٹھٹھہ میں پہنچا تو اُس نے ایک خواجہ سرا کو جو دانشمندی اور شجاعت دونوں میں مشہور تھا وہاں کا قلعہ دار بنایا اور بہت سے پٹھان اور پرتگیز اور انگریز اور فرانسیس اور ملک جرمنی کے رہنے والے فرنگی توپ خانہ میں نوکر رکھ لئے اور اُن سے وعدہ کیا کہ اگر ہم بادشاہ ہو جائیں گے تو تم کو امارت کے درجے دیئے جائیں گے۔ اور اس طرح پر قلعہ کا بندوبست کر کے اپنا خزانہ وہاں چھوڑ دیا۔ کیونکہ اب تک اُس کے پاس اشرفی اور روپیہ بہت تھا اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے کنارے شان و شوکت سے کوچ کرتا ہوا راجہ کچھ کی عملداری سے گذر کر گجرات میں پہنچ گیا اور احمد آباد کے باہر جا ڈیرہ کیا۔ یہاں کا صوبہ دار شاہ نواز خاں جو اورنگ زیب کا خسر تھا اگرچہ مسقط کے سلاطین سابق کے خاندان سے تھا اور بہت مہذب اور نہایت ذی لیاقت شخص تھا مگر سپاہی منش نہ تھا بلکہ عیش دوست تھا احمد آباد میں شاہی فوج بہ تعداد کثیر موجود تھی اور خوب مقابلہ کر سکتی تھی لیکن اس کی کم ہمتی یا داراشکوہ کے ناگہاں آ پہنچنے سے شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور شاہ نواز خاں بڑی تعظیم و تکریم اور نہایت ادب سے پیش آیا[1] اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اُس کی اس قدر خاطرداری اور تعظیم

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کی رفاقت چھوڑ کر اول دلیر خاں متھرا کے قریب بمقام سلیم پور اور پھر چار پانچ روز بعد راجہ جے سنگھ خاص متھرا میں اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ ستلج سے عبور کرنے کے بعد یہ دونوں سردار بہادر خاں اور خلیل اللہ خاں کی مدد کے لئے جو اورنگ زیب کی سپاہ خاص کے آگے آگے داراشکوہ کے تعاقب میں لاہور کو جاتے تھے بھیجے گئے تھے ۔ س م ح

[1] شاہ نواز خاں جس کا نام میرزا بدیع الزماں تھا ایران کے بادشاہ شاہ سلیمان صفوی کی اولاد سے تھا اور اُس کا باپ مرزا رستم جو بہت خوش سلیقہ اور شاعر شہزادہ قندھار سے آ کر شاہجہاں کا ملازم ہو گیا تھا۔ اور شرافت اور علو خاندان کی وجہ سے شاہجہاں نے اپنے بیٹے سلطان شجاع کی شادی اُس کی بیٹی اور اورنگ زیب اور مراد بخش کی شادی اُس کی دو پوتیوں یعنی شاہ نواز خاں کی بیٹیوں سے کر دی۔ چنانچہ اورنگ زیب کا تیسرا بیٹا محمد اعظم اور مشہور و معروف بیٹی زیب النسا بیگم اسی بیگم سے تھی جس کا نام دلرس بانو بیگم تھا پس مصنف کی یہ غلطی ہے کہ اس کو سلاطین مسقط کے خاندان میں سے بتایا ہے۔ کیونکہ خاندان صفوی کا مسقط سے کچھ تعلق نہ تھا بلکہ اُس کا نشو و نما اردبیل سے ہوا جو ملک ایران کا ایک مشہور شہر ہے اور اپنے بزرگ شاہ صفی کے نام کی مناسبت سے جو قوم کا سید اور صوفی مشرب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وتکریم کی کہ اُس نے اُس کو اپنا خیر خواہ اور طرف دار سمجھ لیا اور اگرچہ لوگوں نے اُس کو اُس کی خیانت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن شہزادہ نے دھوکہ میں آکر بے احتیاطی سے بھروسہ کر لیا اور اپنے تمام منصوبے اور ارادے اور راز اُس پر ظاہر کر دیئے اور جسونت سنگھ اور دوسرے خیر خواہ لوگ جو سپاہ جمع کر کے مدد کی تیاریاں کر رہے تھے اُن کے خط وغیرہ سب اُس کو دکھا دیئے

اورنگ زیب اور سلطان شجاع کا مقابلہ

اورنگ زیب کو جب یہ خبر لگی کہ داراشکوہ نے الہ آباد لے لیا تو وہ نہایت حیران اور مضطرب ہوا کیونکہ جانتا تھا کہ داراشکوہ کے پاس روپیہ پیسہ ابھی بہت ہے اور اگر وہاں اُس کے قدم جم گئے تو نہ صرف اُس کے متوسل اور خیر خواہ بلکہ وہ لوگ بھی جو کسی سبب سے مجھ سے ناراضمند ہیں سب کے سب ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آکر اُس کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ داراشکوہ کو زیر کرنے کے لئے اس کا بذات خود جانا نہایت ضروری ہے لیکن اُس نے سوچا کہ شاہجہاں کو آگرہ میں پیچھے چھوڑ کر اس قدر دور چلے جانا اور اپنے لشکر کو ایسے صوبہ (راجپوتانہ) میں سے لے جانا جہاں جے سنگھ اور جسونت سنگھ جیسے بڑے بڑے راجاؤں کے علاقے ہیں، خطرناک اور خلاف مصلحت ہے اس کے علاوہ شجاع کی طرف سے بھی جو ایک بڑی فوج ساتھ لئے ہوئے تیزی سے بڑھا چلا آرہا تھا اُس کو سخت تردد تھا اور سلیمان شکوہ کی طرف سے بھی کھٹکا تھا جو سری نگر کے راجہ کے تعاون اور مدد سے فوج کشی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ غرض کہ وہ اس وقت چند در چند مشکلات اور خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ لیکن اُس نے سوچ سمجھ کر یہی طے کیا کہ سردست داراشکوہ اور شاہ نواز خاں کے معاملہ کو چھوڑ کر شجاع کی خبر لینی چاہیئے جو الہ آباد کی طرف دریائے گنگا کے پار اُتر آیا تھا۔ سلطان شجاع

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ تھا صفوی مشہد ہوا۔ اور اُس وقت کی فارسی تاریخوں میں اُس کے داراشکوہ سے مل جانے کی اصل وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ جب اورنگ زیب دکن سے چڑھائی کر کے برہان پور سے آگرہ کی طرف چلنے کو تھا تو شاہنواز خاں یہ خیال کر کے کہ خدا جانے انجام اس مہم کا کیا ہو اُس کی رفاقت سے بچنا چاہتا تھا اس وجہ سے اورنگ زیب نے ناراض ہو کر قلعہ برہان پور میں اُس کو قید کر دیا تھا مگر جب سموگڈھ کی لڑائی میں داراشکوہ پر فتح پائی تو قید سے چھوڑ کر گجرات کا صوبہ دار کر دیا۔ مگر وہ اپنی اس بے عزتی کو ہنوز بھولا نہیں تھا۔ اور اس وجہ کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ فوج بھی اُس کے پاس کچھ زیادہ نہ تھی کہ جس سے داراشکوہ کا مقابلہ کر سکتا۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے اپنا کیمپ موضع کجوہ[1] میں جو ایک بڑے تالاب کے کنارے نہایت عمدہ موقعہ پر تھا قائم کیا اور اس بات کو مناسب سمجھا کہ یہیں ٹھہر کر اورنگ زیب کے حملہ کا انتظار کیا جائے۔ اورنگ زیب نے آکر اپنا لشکر دریائی شاخ کے ایک کنارے مخالف فوج سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر قائم کیا۔ چنانچہ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک بہت وسیع میدان تھا جس میں دونوں طرف کی فوجیں لڑائی کے وقت بخوبی دوڑ دھوپ کر سکتی تھیں۔ اور چونکہ اورنگ زیب یہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو لڑائی کا خاتمہ کیا جائے اس لئے لشکرگاہ میں پہنچتے ہی بار بردار دستوں کو دریا کے اسی کنارے چھوڑ کر خود حملہ کے ارادہ سے اُس پار جا اُترا دوسرے ہی دن لڑائی شروع ہونے سے پہلے صبح کے وقت میر[2] جملہ بھی دولت آباد سے آکر شامل ہو گیا تھا۔ داراشکوہ کے بھاگ جانے کے بعد اُس کے اہل و عیال قید سے رہائی پا ہی چکے تھے اور اورنگ زیب کی مصلحتوں کے لحاظ سے بھی اُس کا مزید قید میں رہنا ضروری نہیں رہا تھا لڑائی بڑے جوش و خروش سے شروع ہوئی اور اورنگ زیب کی فوج نے بے حد شجاعت اور سرگرمی سے حملے کئے لیکن شجاع اپنے مورچوں سے ہرگز آگے نہ بڑھا اور اپنی ہی جگہ قائم رہ کر حملہ آوروں کو بڑے نقصان کے ساتھ پسپا کرتا رہا اُس کی اس تدبیر نے اورنگ زیب کو نہایت ہی پریشان کیا۔

شجاع کی اس تدبیر کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر ہم بدستور اپنے مورچوں میں قائم رہ کر لڑے جائیں گے تو گرمی[3] کے مارے تھوڑی دیر کے بعد اورنگ زیب خود ہی دریا کی طرف ہٹنے

---

[1] فارسی تاریخوں میں اس جگہ کا نام کجوہ کا تالاب لکھا ہے جو قصبہ کوڑا اور جہاں آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ضلع فتحپور قسمت الہ آباد میں ہے۔ یہاں جمنا اور گنگا کا ایک بہت ہی تنگ دوآبہ ہے اور یہ سب مقامات اُسی میں ہیں۔ س م ح

[2] داراشکوہ کی شکست کے چند روز بعد میر جملہ کو اورنگ زیب کے احکام کے بموجب سلطان محمد معظم نے جو باپ کی نیابت میں دکن کا منتظم تھا رہا کر دیا اور تمام مال و متاع واپس دیدیا تھا اور اس وقت وہ خاندیس کی صوبہ داری کے عہدہ پر برہان پور میں تھا اور حسب الطلب وہیں سے آکر اس لڑائی میں جو داراشکوہ کی شکست سے آٹھویں مہینے ہوئی تھی شامل ہوا تھا۔ س م ح

[3] پانچویں جنوری ۱۶۵۹ء کو یہ لڑائی ہوئی تھی جو عین جاڑے کا موسم تھا۔ پھر معلوم نہیں ہوتا کہ مصنف نے گرمی کا ذکر کیوں کیا ہے۔ شاید یہ وجہ ہو کہ لڑائی لڑنے والوں کو پانی کی ضرورت ہر موسم میں ہوتی ہے س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پر مجبور ہوگا اور اُس وقت ہم کو اُس کی فوج کے پچھلے حصے پر حملہ کرنے کا موقع ملے گا۔ اورنگ زیب بھی بھائی کی اس حکمت کو خوب سمجھے ہوئے تھا اور اس لئے وہ برابر آگے بڑھے جانے پر زور دے رہا تھا۔ لیکن ایسے نازک وقت میں یہ ناگہانی حادثہ پیش آیا کہ راجہ جسونت سنگھ نے جو بظاہر بڑے خلوص کے ساتھ اُس سے آن ملا تھا اُس کی پچھلی فوج پر یکایک ایسا حملہ کر دیا کہ وہ شکست کھا کر بھاگ گئی اور اُس نے تمام خزانہ اور اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا اور چونکہ یہ خبر بہت جلد تمام لشکر میں پھیل گئی اس لئے ایشیائی فوجوں کے دستور کے مطابق اورنگ زیب کی سپاہ بہت ہی ہراساں اور بے دل ہو گئی۔ اس ناگہانی حملہ سے اورنگ زیب کے خطرات اور بڑھ گئے۔ لیکن اُس کی مستقل مزاجی میں ذرا بھی فرق نہ آیا وہ خوب جانتا تھا کہ اگر پیچھے ہٹا تو سب اُمیدیں خاک میں مل جائیں گی اس لئے اُس نے جس طرح کہ داراشکوہ کے مقابلہ میں یہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو میدانِ جنگ میں قائم رہ کر نتیجہ کو دیکھنا چاہیئے اُسی طرح اب بھی جمے رہنے کا پکا ارادہ کر لیا اور اگرچہ اُس کی فوج میں دم بدم پریشانی بڑھتی جاتی تھی اور شجاع نے اس حالت کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا سخت حملہ کیا اور اتفاقاً ایک تیر لگ کر مہاوت کے مارے جانے سے اورنگ زیب کا ہاتھی ایسا بے قابو ہو گیا کہ وہ گھبرا کر اس پر سے اُترنا چاہتا تھا مگر میر جملہ نے جو قریب تھا اور جس کی جرأت اور بہادریوں کو دیکھ کر سب اہل فوج دنگ ہو رہے تھے پکار کر کہا "دکن کو، دکن کو"! یعنی خیال کرو کہ دکن کہاں ہے اور کیا غضب کرتے ہو کیا اب بھاگ کر دکن جاؤ گے؟ اور اس بہادرانہ نصیحت سے اُس کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔

اگرچہ اورنگ زیب کی تباہی میں اس وقت کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور اُس کی مشکلات کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ اب کوئی دم میں دشمن کے پنجہ میں پھنس جاؤں گا۔ مگر قسمت کا پھیر بھی ایک عجیب چیز ہے کہ اس فکر و تردد کے باوجود یہ فتحیاب ہو گیا اور جس طرح سموگڈھ کی لڑائی میں ایک ادنیٰ حرکت کے باعث داراشکوہ کو اپنی جان بچا کر میدان سے بھاگنا پڑا تھا۔ شجاع کو بھی وہی حادثہ پیش آیا یعنی وہ بھی اورنگ زیب کی بھاگی ہوئی فوج پر زیادہ چستی کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے اپنے ہاتھی سے اُتر پڑا اور اگرچہ یہ تحقیق نہیں ہے کہ اس کو بھی یہ صلاح بدنیتی سے دی گئی تھی یا خیرخواہی سے۔ مگر اس میں شک نہیں ہے کہ الہ وردی خاں نے جو اس کا ایک بڑا سردار تھا اس وقت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑی ہی التجا سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جایئے اور جو لفظ خلیل اللہ خاں نے سموگڈھ کی لڑائی میں کہے تھے اس کے لفظ بھی بعینہ ویسے ہی تھے یعنی دست بستہ ہو کر بڑی منت سے یہ کہا کہ "حضور! اس بڑے ہاتھی پر ایسی جان جوکھوں میں کیوں بیٹھے ہیں کیا ملاحظہ نہیں فرماتے کہ دشمن بھاگے جاتے ہیں اور اب چستی سے اُن کا تعاقب نہ کرنا سخت غلطی ہے پس جلدی گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کا پیچھا کیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ ہندوستان کا تخت آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور آپ ہندوستان کے بادشاہ ہیں"۔

چنانچہ اس حرکت سے جو حادثہ دارا شکوہ کو پیش آیا تھا وہی شجاع کو پیش آیا یعنی جوں ہی وہ فوج کی نظر سے غائب ہوا سب کے دل میں شبہ گذر گیا کہ یا تو مارا گیا یا کہیں فریب سے پکڑا گیا اور اُس کی فوج ایسی بے انتظام اور تتر بتر ہو گئی کہ دوبارہ جمع کرنا ممکن نہیں رہا[1]

---

[1] شاہجہاں کی بیماری کی خبر پا کر جب شجاع نے بنگالہ سے فوج کشی کی تھی اُس وقت الہ وردی خاں بہار کا صوبہ دار تھا۔ جب شجاع پٹنہ پہنچا اُس نے لڑے بھڑے بغیر ہی اُس کی اطاعت کر لی اور اُس وقت سے یہ اُس کے پاس بہ حیثیت وزیر کے تھا اور وہ اس کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ ہمیشہ اُس کو "خان بھائی" کہتا تھا عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ سنجر نامی اس کا بڑا بیٹا کجوہ کی شکست کے بعد شجاع سے جدا ہو کر اورنگ زیب کے پاس حاضر ہو گیا تھا۔ اور جب ان واقعات کے بعد شجاع نے میر جملہ اور محمد سلطان کے قریب پہنچ جانے کی وجہ سے مونگیر سے پیچھے راج محل کی طرف کوچ کر دیا تو الہ وردی خاں فوج مخالف میں آملنے کی نیت سے مونگیر میں ٹھیر گیا۔ اور بعض اور دلے لوگ بھی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ چونکہ ایسے بڑے سردار کے علیحدہ ہو جانے سے نہایت اندیشہ تھا۔ اس لئے شجاع واپس آکر مونگیر کے باہر اپنے باغ میں آکر ٹھہرا اور چند چند سردار اور کچھ سپاہ الہ وردی خاں کو حاضر کرنے کے لئے جو مقابلہ پر آمادہ ہو بیٹھا تھا مامور کئے جو ڈرا دھمکا کر اُس کو پکڑ لائے اور شجاع نے اُس کو اور اس کے بیٹے سیف اللہ کو تہ تیغ کرا دیا۔

پس ان حالات پر خیال کرنے سے تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے بھی ہاتھی سے اُتر پڑنے کی صلاح خیانت ہی سے دی ہو۔

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آگرہ میں اورنگ زیب کی شکست کی افواہ

جسونت سنگھ نے جب دیکھا کہ معاملہ برعکس ہوگیا تو لوٹ کا مال سمیٹ کر فی الفور اس ارادہ سے آگرہ کو چل دیا کہ وہاں سے اپنے وطن کو چلا جائے اور چونکہ آگرہ میں یہ افواہ اڑ گئی تھی کہ اورنگ زیب شکست کھا کر قید ہو گیا ہے اور شجاع بھاری فوج لئے ہوئے آگرہ کو آرہا ہے۔ یہ افواہ یہاں تک پھیل گئی تھی کہ شائستہ خاں نے بھی اس کو سچ جان لیا چنانچہ یہ سن کر کہ جسونت سنگھ جس کی دغا بازیوں سے وہ خوب واقف تھا شہر کے قریب پہنچ گیا ہے ایسا مایوس ہوا کہ زہر کا پیالہ پی کر مرجانے پر آمادہ ہوگیا اور بے شک پی ہی لیتا اگر اس کی مستورات اس پر نہ آگرتیں اور پیالہ چھین کر نہ پھینک دیتیں۔ لڑائی کے اصل حال سے آگرہ والے دو دن تک اس قدر بے خبر تھے کہ اگر جسونت سنگھ ذرا جرأت کر کے لوگوں کو دھمکاتا وعدوں اور ترغیبوں سے کام لیتا تو بے شبہ شاہجہاں کو قید سے چھڑا لیتا۔ لیکن حقیقت حال اس پر روشن تھی اس لئے آگرہ میں زیادہ ٹھہرنا یا ان بکھیڑوں میں پڑنا اس نے مناسب نہ جانا اور صرف شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے ملک کو چلا گیا[1]

---

[1] جب اورنگ زیب نے دارا شکوہ کو مغلوب کر کے شاہجہاں کو قابو میں کر لیا تو سب سے پہلے اس نے یہ کام کیا کہ شجاع کے ساتھ اپنا قدیمی حسن سلوک جتانے کے لئے بادشاہ سے بڑے اصرار کے ساتھ اس مضمون کا فرمان حاصل کیا کہ صوبہ بنگالہ کے علاوہ صوبہ بہار بھی جس کا سلطان شجاع نہایت خواہشمند تھا اور سلیمان شکوہ سے شکست کھانے کے بعد دارا شکوہ نے بادشاہ سے اپنے نام کرا لیا تھا شجاع کو دیا جائے اور اس کو اپنے ایک نہایت پُر تپاک اور محبت آمیز خط میں لفوف کر کے اس کے پاس بھیجا جس میں دارا شکوہ کی شکست اور تباہی اور اپنے قدیمی اتحاد کی یاددہانی کے علاوہ یہ چلتا ہوا فقرہ بھی درج تھا کہ فی الحال آپ اس طرح پر اپنے اس نقصان کا تدارک کیجئے جو سلیمان شکوہ کے مقابلہ میں اٹھا چکے ہیں۔ اور جب دارا شکوہ کے معاملہ سے فارغ ہو کر میں پنجاب سے واپس آؤں گا تو ملک اور مال دونوں میں آپ کے حقوق کا پورا پورا لحاظ کیا جائے گا۔ اس خط کو پا کر وہ بہت ہی شکر گذار ہوا۔ مگر پٹنہ میں آکر جب اس نے دیکھا کہ اورنگ زیب دارا شکوہ کے پیچھے پنجاب کی طرف بہت دور نکل گیا ہے تو آگرہ پہنچنے اور سلطنت ہتیا لینے کے قصد سے بنارس اور الہ آباد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ چونکہ دارا شکوہ کے پنجاب بھاگنے سے پہلے بذریعہ خط و کتابت شجاع سے صلح کر لی تھی۔ اور اورنگ زیب کی چال بگاڑنے کے لئے پٹنہ سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ الہ آباد تک اپنے تمام قلعداروں کے نام اُس کی اطاعت کرنے کے احکام بھیج دیئے تھے۔ اس سبب سے وہ بلا مزاحمت الہ آباد پر قابض ہو گیا۔ ادھر اورنگ زیب کا یہ حال تھا کہ وہ دو طرفہ لڑائی سے بچنے کے لئے یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح شجاع لڑے بھڑے بغیر ہی واپس چلا جائے اور آگے نہ بڑھے۔ اس لئے پنجاب سے جلد دلی پہنچ کر اول شاہزادہ محمد سلطان کو آگرہ سے جواب تک وہیں مامور تھا اُس کی راہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ اور بعد ازاں سو قدم سے قریب رہنے کی خاطر شکار کھیلنے کا حیلہ کر کے خود بھی "سواروں" میں جوالہ آباد کے رخ گنگا کے کنارے ایک جگہ ہے جا پہنچا۔ اور اس عرصہ میں شجاع کے پاس کئی بار نصائح آمیز خط اور پیغام بھیجے۔ مگر جب اُس نے نہ مانا اور الہ آباد سے بھی کھجوہ تک بڑھ آیا تو سترھویں ربیع الاول ۱۰۶۹ھ مطابق تیسری جنوری ۱۶۵۹ء کو محمد سلطان کے لشکر سے کوڑہ میں جا ملا۔ جو شجاع کے لشکر سے قریب چار کوس کے تھا۔ اور انیسویں ربیع الاول کو خیمہ گاہ اور کارخانہ جات شاہی کو اسی جگہ چھوڑ کر لوہے ہزار سواروں کے ساتھ لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔ اگرچہ طرفین سے لڑائی ہوتی رہی لیکن دور دور سے صرف توپوں کی لڑائی ہو رہی تھی۔ جب شام کو لڑائی بند ہوئی تو شجاع نے یہ غلطی کی کہ اُس کا توپ خانہ جو اونچی جگہ پر تھا۔ اور اس وجہ سے اچھا کام دیتا رہا تھا اپنے لشکر گاہ کے قریب بلا لیا اور میر جملہ نے موقعہ پا کر اُس کی جگہ اپنی توپیں جا جمائیں۔ اور چونکہ شجاع کی سپاہ اور توپ خانہ کے پیچھے ہٹ جانے سے اس طرف والوں کو شب خون کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اورنگ زیب پیچھے ہٹ کر اپنے لشکر گاہ کو نہ گیا بلکہ اُس کی کل فوج اور تمام امیر جس ترتیب سے میدان جنگ میں قائم تھے وہیں اُتر پڑے۔ اور حکم دیا گیا کہ گھوڑوں کے زین اور سپاہیوں کی کمریں اُسی طرح بندھی رہیں۔ علاوہ بریں ہوشیار اور خبردار رہنے کے لئے میر جملہ امرا اور سرداروں کو بہت تاکیدیں کرتا پھرا۔ اور بعد نماز عشا جب اورنگ زیب اپنے مختصر سے خیمہ گاہ میں جو میدان جنگ ہی میں لگا دیا گیا تھا جا کر سو رہا۔ تو آخر شب کو ایک عجیب ہنگامہ برپا ہوا جس سے اُس کے لشکر کو بڑا نقصان پہنچا۔ یعنی مہاراجہ جسونت سنگھ جس کی تقصیر معاف کر کے اورنگ زیب دہلی سے اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ اور اس وقت وہ اُس کے لشکر کے دائیں بازو کا سردار تھا شجاع کو یہ خبر بھیج کر کہ ادھر میں فساد اور شور و شر برپا کرتا ہوں اُدھر سے آپ آئیں اور اس طرح اورنگ زیب کو تباہ کر ڈالیں۔ بڑے بڑے راجپوت امیروں کو جو اُس کی کمان میں تھے ہمراہ لے کر میدان جنگ سے پیچھے کی طرف سے نکل بھاگا اور اول محمد سلطان کے کیمپ کو جو سر راہ تھا۔ اور بعد ازاں اور امیروں اور خود اورنگ زیب کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

محمد سلطان اور میر جملہ شجاع کے تعاقب میں

اورنگ زیب کو جسونت سنگھ کے کرتوتوں کا بڑا کھٹکا تھا اور خیال تھا کہ آگرہ سے شورش کی کوئی نہ کوئی خبر آئے گی اس لئے شجاع کا زیادہ پیچھا نہیں کیا اور تمام لشکر لے کر تیزی سے دارالسلطنت کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر اس کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ غنیم کے لشکر کا اس لڑائی میں کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ شجاع کی دولت مندی اور فیاضی کی شہرت کے باعث وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لشکر گاہ اور کارخانہ جات شاہی کو بے دھڑک لوٹتا ہوا چلا گیا۔ اس حادثہ سے ایک عجیب پریشانی اور ابتری پھیل گئی۔ اور بہت سے لوگ رات ہی کو شجاع سے جا ملے مگر ابھی کچھ رات باقی تھی کہ اورنگ زیب اس حال کی خبر پاکر تخت رواں پر سوار ہو کر کمال استقلال سے اپنے خیمہ کے باہر آن کھڑا ہوا۔ اور ہنس ہنس کر اپنے رفیقوں اور امیروں کو اس طرح تسلی دیتا رہا۔ کہ خوب ہوا کہ ہمارا لشکر منافقوں کے خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔ اگرچہ اس ناگہانی فساد کے سبب سے نصف فوج رہ گئی تھی۔ مگر بڑے استقلال سے باقی ماندہ سپاہ کو از سر نو جا بجا جنگی ترتیب سے پھر ما مور کیا۔ اور اس غرض سے کہ فوج اس کو اور یہ فوج کو دیکھتا رہے اپنے معمول کے موافق صبح کو ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر اور شہزادہ محمد اعظم کو ساتھ بٹھا کر لڑائی کے لئے نکلا۔ چنانچہ اول توپوں اور بانوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ پھر دونوں لشکر دست بدست ٹکرانے لگے۔ شجاع کے لشکر نے اس کی فوج کے دائیں بازو کو شکست دے کر ہٹا دیا۔ جس سے بڑی پریشانی ہوئی۔ اور بہت سے سپاہی دشمنوں سے جا ملے اور بعد ازاں انھوں نے فوج کے قلب کو جہاں اورنگ زیب خود موجود تھا خوب دبایا اور کئی دفعہ اس کی جان پر بن گئی۔ چنانچہ ایک جنگی ہاتھی تو اس کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ اگر اورنگ زیب کا ایک بندوقچی جو ساتھ کے ہاتھیوں کے ایک ہودے میں بیٹھا ہوا تھا اس کے فیلبان کو گولی سے نہ اڑا دیتا تو خدا جانے اورنگ زیب پر کیا گذرتی غرض اورنگ زیب اپنے استقلال سے ہر خطرناک موقعہ پر غالب آیا اور دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور ایک سو چودہ توپیں اور بہت سے ہاتھی ہاتھ آئے۔ اور تالاب کھجوہ پر جہاں شجاع کا لشکر مقیم تھا جا کر ڈیرہ کیا۔ اور اسی روز محمد سلطان کو شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اور پھر میر جملہ کو "ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار" کا منصب دے کر اس کی مدد کو بھیجا۔ اور خود آگرہ ہوتا ہوا اجمیر کو چلا گیا۔ کیونکہ داراشکوہ گجرات سے اور مہاراجہ جسونت سنگھ اپنے وطن جودھپور سے بالاتفاق اجمیر پر چڑھ کر آنے والے تھے۔ (ماخوذ از عالمگیر نامہ وغیرہ)

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سب راجے جن کی ریاستیں گنگا کے دونوں کناروں پر ہیں اُس کی مدد کے لئے اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں اور اُس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہ بھی اطلاع پہنچی ہے کہ وہ الہ آباد میں اپنے پاؤں جمانا چاہتا ہے تاکہ گنگا کے اس مشہور گھاٹ کو جو حقیقت میں صوبہ بنگالہ کا دروازہ ہے ہاتھ سے نہ جانے دے پس اُس نے سوچا کہ صرف دو شخص اس قابل ہیں جو ان مشکلات میں مجھے مدد دے سکتے ہیں ایک محمد سلطان دوسرا میر جملہ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فکر بھی تھی کہ جو شخص بھی کوئی نمایاں خدمت بجالاتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خواہ اُس کو کیسا ہی صلہ کیوں نہ دیا جائے وہ اُسے اپنی خدمت کے مقابلہ میں بے حقیقت ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھتا تھا کہ محمد سلطان کو میری اطاعت ابھی سے ناگوار ہے۔ اور قلعہ آگرہ پر قابض ہو جانے اور شاہجہاں کو قید کر لینے کی وجہ سے بڑی دون کی لیتا ہے۔ اب رہا میر جملہ۔ اگرچہ وہ اُس کی کمال دانائی سنجیدگی اور دلاوری کا قائل تھا لیکن اُس کے انھیں اوصاف سے ڈرتا بھی تھا۔ کیونکہ ایک تو اُس کی دولتمندی کا بڑا شہرہ تھا اُس کے علاوہ تمام ہندوستان میں ایک ایسا دانا اور دور اندیش اور کامل وزیر سمجھا جاتا تھا کہ مشکل سے مشکل معاملات کو اپنے حسن تدبیر سے بخوبی سرانجام دے سکتا ہے ان وجوہ سے اورنگ زیب اس کی حیرت انگیز شخصیت کو بھی اُس کی حوصلہ آزمائی اور جاہ طلبی کی وجہ سے محمد سلطان سے کچھ کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا۔ یہ مشکلیں ایسی تھیں جو ایک معمولی عقل کے آدمی کو ضرور دقتوں میں پھنسا دیتیں۔ لیکن اورنگ زیب نے ایسی حکمت اور ہوشیاری سے کام لیا کہ دونوں کو دارالسلطنت سے چلتا بھی کر دیا اور دونوں میں سے کوئی شاکی بھی نہ ہونے پایا۔ یعنی ایک بڑی فوج سپرد کر کے ان کو شجاع کے مقابلہ پر روانہ کر دیا اور رخصت کے وقت میر جملہ کو تو یہ سمجھا کر راضی کر دیا کہ فتح کے بعد بنگالہ کے زرخیز صوبہ کی حکومت مدت العمر کے لئے آپ ہی کے واسطے ہے بلکہ آپ کے بعد آپ کا بیٹا بھی اس صوبہ داری کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اور اگرچہ آپ کی خدمات بہت سی عنایتوں کے قابل ہیں مگر اُن میں سے فی الحال یہ ایک ہے۔ اور جب آپ شجاع پر فتح پالیں گے تو امیر الامرا[1] کا خطاب جو ہندوستان میں سب سے بڑا خطاب ہے آپ کو عطا کیا جائے گا اور محمد سلطان سے یہ کہا کہ بیٹا

---

[1] فارسی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شجاع کی بربادی کے بعد میر جملہ کے لئے خانخاناں سپہدار بنگالہ خطاب لکھا جاتا تھا اور امیر الامرا کا خطاب شائستہ خاں کو دیا گیا تھا۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خیال کرو کہ میری اولاد میں تم سب سے بڑے ہو اور اپنے ہی کام بہ جاتے ہو اور بے شک تم نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو ابھی کچھ بھی نہیں کیا کیونکہ تا وقتیکہ شجاع کو جو ہمارے مخالفوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے شکست دے کر پکڑ نہ لاؤ سارے ہی کام ادھورے ہیں۔ اس فہمائش کے بعد اورنگ زیب نے دونوں کو حسب معمول بڑے قیمتی "سراپا" یعنی خلعت دیئے۔ اور چند گھوڑے اور ہاتھی عمدہ ساز و سامان سمیت عنایت کئے۔ اور جس طرح سے ہو سکا محمد سلطان کی بیگم اور میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو ان کے ساتھ نہ جانے دیا یعنی محمد سلطان کی بیگم کو تو جو شاہ گولکنڈا کی بیٹی تھی اس حیلہ سے ٹھہرالیا کہ ایسی عالی خاندان شہزادی کا لڑائی کے وقت لشکر کے ساتھ جانا کسی طرح زیبا اور مناسب نہیں۔ اور محمد امین خاں کو اس بہانہ سے روک لیا کہ ابھی یہ بہت کم سن ہے اور ازراہ شفقت ہم چاہتے ہیں کہ خاص اپنے زیر نظر رکھکر اس کو تعلیم و تربیت دیں۔ لیکن دراصل ان دونوں کو یرغمال بنا رکھا تھا تاکہ شہزادے اور میر جملہ سے کسی بے وفائی کا اندیشہ نہ رہے

شجاع کی بنگالہ واپسی اب شجاع کا حال سنیئے کہ چونکہ اس کو برابر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ مبادا زیریں بنگالہ کے وہ راجہ جو میری چھینا جھپٹیوں اور زیادتیوں سے دل میں ناراض ہیں کسی کے بہکانے سے پیچھے فساد کر بیٹھیں اس وجہ سے جب اورنگ زیب کی ان کارروائیوں سے مطلع ہوا تو فوراً الہ آباد سے ڈیرہ ڈانڈا اٹھا بنارس اور پٹنہ کی طرف کوچ کر گیا۔ کیونکہ اسے یہ اندیشہ تھا کہ غالباً میر جملہ بجائے الہ آباد کے کسی اور گھاٹ سے گنگا عبور کر کے بنگالہ کی واپسی راستہ کو روکنا چاہے گا۔ چنانچہ انھیں اندیشوں سے بنارس اور پٹنہ سے بھی پیچھے مونگیر کو چلا گیا جو گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے اور ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب جنگل اور دریا ہونے کی وجہ سے ایک محفوظ مقام اور بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اس نے مورچہ بندی کر لی اور شہر اور دریا کے کنارے سے لے کر پہاڑ تک ایک بڑی گہری خندق[1] کھدوالی۔ چنانچہ اس واقعہ کے کئی سال

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ مونگیر کے ایک طرف جو قدرتی پہاڑ اور دوسری جانب دریائے گنگا ہے افغانوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں پہاڑ سے لیکر دریا تک سوا کوس لمبی دیوار کھنچوا کر اس کے مقابل کی سمت میں خندق کھدوا دی تھی۔ شجاع نے ان باہمی فساد کے دنوں میں اس دیوار کی مرمت کرا کر ہر نیم گز پر ایک ایک برج بنوایا تھا اور خندق کو پانی تک گہرا کرا دیا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بعد اس خندق کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ غرض اس مستحکم مقام میں گنگا کے گھاٹ کو روکے ہوئے وہ فوج مخالف کے حملہ کا منتظر تھا۔ کہ یکایک اُسے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ وہ لشکر جو بتدریج دریا کے کنارے کنارے بڑھا آتا تھا صرف دھوکا دینے کی غرض سے تھا اور میر جملہ اُس میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُن راجاؤں کو جن کی ریاستیں دریا کے دائیں کنارے کوہستان میں ہیں اپنا معاون بنا چکا ہے اور پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا محمد سلطان اور اپنی چیدہ و منتخب سپاہ کو لئے ہوئے راج محل کی طرف اس غرض سے جا رہا ہے کہ ہمارے پیچھے ہٹنے کا راستہ روک کر ہم کو بنگالہ کے اندر جانے نہ دے۔ چنانچہ یہ خندق اور مورچے جو اتنے اہتمام سے تیار ہوئے تھے یوں ہی چھوڑ دینے پڑے۔ مونگیر اور راج محل کے درمیان گنگا اس طرح حائل ہے کہ کئی چکر اور پھیر کھا کر گذرتی ہے اس سبب سے اسے بڑی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں مگر پھر بھی میر جملہ سے کئی روز پہلے راج محل میں جا پہنچا بلکہ کچھ مورچے باندھ لینے کی بھی فرصت مل گئی۔ کیونکہ میر جملہ اور محمد سلطان یہ دیکھکر کہ اس کو اب راج محل پہنچنے سے روکنا ناممکن ہے اپنے باقی ہاتھ بعض نہایت دشوار گذار راستوں سے گذرتے ہوئے اس غرض سے گنگا کے رخ ہو گئے کہ اپنے بھاری توپ خانہ اور بقیہ فوج اور بار بردار دستوں کو جو دریا کے راستہ سے آ رہے تھے اپنے ساتھ شامل کر لیں اور جب ان کا یہ مدعا حاصل ہو گیا تو راج محل پہنچ کر لڑائی شروع کر دی پانچ روز تک شجاع خوب جم کر لڑا مگر جب دیکھا کہ میر جملہ کے توپ خانہ کی متواتر ضرب میرے مورچوں کو جو درختوں کی شاخوں اور لکڑیوں سے بُرج کی صورت میں مٹی اور ریت بھر کر بنا لئے گئے تھے برباد کئے جاتی ہے۔ اور اس خیال سے بھی کہ برسات کا موسم قریب آ گیا ہے اُس وقت اُن کو اور بھی زیادہ نقصان پہنچے گا راتوں رات وہاں سے نکل گیا مگر دو توپیں جو بہت بھاری تھیں یہیں چھوڑ گیا۔ اور میر جملہ اس خوف سے اُس کا پیچھا نہ کر سکا کہ شب خون کے ارادے سے کہیں وہ ہماری گھات میں لگا ہوا نہ ہو اور شجاع کی خوش نصیبی سے صبح ہونے سے پہلے اس زور کا مینہ برسا کہ اُس کے تعاقب کے لئے راج محل سے کوچ کا خیال تک کرنا ناممکن

۱؎ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے پہلے وہاں اکثر آگ لگتے رہنے کے سبب سے عوام الناس اس جگہ کو آگ محل کہنے لگے تھے جب راجہ مان سنگھ بنگالہ کا صوبہ دار ہوا اُس نے اپنے رہنے کے لئے وہاں نیٹ مٹی سے ایک مستحکم حصار تیار کرا کر اُس کا نام راج محل رکھدیا بعد ازاں اس جگہ کا نام بادشاہی دفتروں میں اکبر نگر لکھا جاتا رہا اور اب بدستور راج محل مشہور ہے۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوگیا۔ یہ بارش نہایت ہی شدید اور برسات کا آغاز تھی جو بنگالہ میں جولائی سے اکتوبر تک بہت ہی کثرت سے ہوا کرتی ہے۔ اور راستے ایسے خراب ہو جاتے ہیں کہ کسی حملہ آور فوج کے سفر کے قابل نہیں رہتے۔ پس میر جملہ کے لئے ناگزیر ہوگیا کہ وہ برسات کے ختم ہونے تک راج محل میں ٹھیر کر اپنی فوج کو شجاع کی سپاہ کے مکانوں میں آرام لینے دے۔

شجاع کی از سر نو تیاریاں

برسات کی وجہ سے شجاع کو بڑی مہلت مل گئی کہ جس جگہ مناسب سمجھا وہاں ٹھیر کر اپنے حسب حال تدبیریں کرتا رہا۔ اور بہت سی نئی فوج نوکر رکھ لی۔ جس میں بہت سے پرتگیز بھی تھے۔ جو معہ چند توپوں کے بنگالہ کے اُن ضلعوں سے آگئے تھے۔ جو نیچے کی طرف ہیں۔ واضح رہے کہ ملک کی انتہائی زرخیزی کے باعث اکثر اہل فرنگ اس نواح میں بسے ہوئے ہیں۔ اس آڑے وقت میں فی الحقیقت یہ شجاع کی خوش تدبیری اور دانائی تھی کہ اُس نے اِن اجنبی لوگوں کی ہمت افزائی اور خاطرداری کی اور اُن کو اپنی سپاہ میں بھرتی کر لیا۔ کیونکہ پرتگیز اصیل اور دغلے سب ملا کر اس وقت کم سے کم نو دس ہزار یہاں موجود تھے۔ اور فی الواقع اُس کو بڑی مدد دے سکتے تھے۔ اُس نے اس موقعہ پر خصوصیت کے ساتھ اُن کے پادریوں کی بہت دل داری اور تالیف قلوب کی اور انعام واکرام کے وعدوں کے علاوہ یہ وعدہ بھی کیا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہو اپنے گرجا بنا لینا۔

محمد سلطان کی بغاوت

اس عرصہ میں میر جملہ کے لشکر میں نہایت پریشان کن حالات پیدا ہو گئے کیونکہ اُس میں اور محمد سلطان میں سخت نا اتفاقی ہوگئی جس کی وجہ محمد سلطان کی یہ آرزو تھی کہ کل لشکر کی حکمرانی میرے اختیار میں ہو۔ دوسرے وہ میر جملہ کے ساتھ توہین و تحقیر سے پیش آتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات باپ کی نسبت بھی کچھ ایسے الفاظ کہہ بیٹھتا تھا جو نہ فرزندانہ اطاعت اور ادب ہی کے شایاں تھے اور نہ باپ کے شاہانہ منصب ہی کے، علانیہ کہہ دیا کرتا تھا کہ آگرہ کی تسخیر میں میں نے وہ وہ کام کئے ہیں کہ حضرت کے لئے ضروری ہے کہ اپنی کامیابی کے لئے میرے ممنون ہوں۔ اِن حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے باپ کو سخت ناراض کر لیا اور جب اُس کی ناراضگی کی خبریں سنیں تو اس ڈر کے مارے کہ مبادا میر جملہ کے پاس میری گرفتاری کا حکم آجائے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور وہ مجھے قید کرے صرف گنتی کے آدمیوں کے ساتھ راج محل سے چل دیا[1] اور سلطان شجاع کی خدمت میں اطاعت ظاہر کرکے بجاآوری خدمات کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی لیکن شجاع کو ان باتوں پر کچھ یقین نہ آیا بلکہ یہ شبہ کرتا رہا کہ شاید اورنگ زیب اور میر جملہ نے مجھے بیوقوف بنانے کے لئے کوئی چال چلی ہے چنانچہ اُس کے بڑے بڑے وعدوں اور قسموں پر اعتبار کیا اور نہ اپنی فوج کا کوئی بڑا عہدہ اُسے سپرد کیا بلکہ ہمیشہ اس پر نگرانی قائم رکھی۔ اس طرز سلوک کا انجام یہ ہوا کہ وہ تھوڑے ہی دنوں میں شجاع سے بھی متنفر ہو گیا۔ آخر کار چند مہینوں کے بعد نا اُمید ہو کر پھر میر جملہ کے پاس چلا آیا اور میر جملہ نے خاطر داری اور کسی قدر اعزاز و اکرام کے ساتھ اسے لشکر میں اُتار لیا۔ اور کہا کہ اگرچہ آپ نے بہت بڑا قصور کیا ہے مگر خیر میں بادشاہ سے سفارش کرکے معافی کی درخواست کروں گا۔

میں نے بہت لوگوں سے سُنا ہے کہ یہ عجیب حرکت جو محمد سلطان سے ظہور میں آئی تھی حقیقت میں اورنگ زیب کا ایک منصوبہ تھا جو یہ چاہتا تھا کہ میرا بیٹا خواہ اپنے آپ کو کسی خطرناک کام ہی میں کیوں نہ ڈال دے مگر سلطان شجاع تباہ ہو جائے[2]۔ بہرحال اصل حقیقت خواہ کچھ ہی ہو مگر جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ وہ راج محل کو لوٹ آیا ہے تو موقعہ دیکھکر کہ اب محمد سلطان کو بھی کسی حراست کی جگہ بھیج دینے کا خاصہ بہانہ ہاتھ آگیا ہے واقعی یا بناوٹی خفگی کے ساتھ اُس کو ایک تاکیدی فرمان بھیجا کہ فوراً بلا توقف دہلی کو چلا آئے۔ اب بدنصیب شاہزادہ تعمیل حکم سے سرتابی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ پس جوں ہی گنگا کے اس پار اُترا لوگوں کے ایک مسلح گروہ نے گرفتار کر لیا اور زبردستی ایک

---

[1] یہ عجیب اتفاق تھا کہ اٹھتیسویں رمضان ۱۰۶۹ھ کو ادھر تو یہ شہزادہ باغی ہوا اُدھر داراشکوہ اور سپہر شکوہ ٹھیک اسی تاریخ میں ملک جیون کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ س م ح

[2] فارسی تاریخوں سے محمد سلطان کی بغاوت کا سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو شہزادگی اور ولیعہدی کا غرور تو تھا ہی اس پر میر جملہ کی ماتحتی اور بھی ناگوار تھی اور کوتہ اندیش مصاحبوں کی ترغیبیں اور سلطان شجاع کے دم جمانے اور اپنی لڑکی سے شادی کر دینے کا وعدہ جس کا ذکر پیچھے ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے سب مل کر اس حرکت کا باعث ہوئے تھے چنانچہ جب شجاع کے پاس جا پہنچا تو بمقام ٹانڈہ جہاں مونگیر اور راج محل کے چھن جانیکے بعد شجاع نے برسات کا موسم بسر کیا تھا اُس لڑکی سے اس کی شادی کر دی اور اُس کے واپس آنے کا سبب شجاع کی سرد مہری تھی بلکہ روزمرہ کی شکستوں سے جب اُس نے دیکھ لیا کہ شجاع کی بہبودی کی کوئی اُمید نہیں ہے تو مایوس اور نادم ہو کر آٹھ مہینے سے کچھ زیادہ اُسکے پاس رہکر واپس چلا آیا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عماری میں بٹھا کر گوالیار کو لے گئے اور یقین ہے کہ اُس کی عمر کا خاتمہ اب اسی جگہ ہوگا۔[۱]

---

[۱] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ محمد سلطان اول پانچویں شعبان ۱۰۶۹ھ کو سلیم گڈھ میں قید کیا گیا اور پھر پچیسویں جمادی الاول ۱۰۷۰ھ کو یہ اور سلیمان شکوہ جو سری نگر سے گرفتار ہو کر آیا تھا دونوں گوالیار بھیج دیئے گئے تھے۔ مگر ۱۰۸۱ھ میں ملتفت خاں کو بھیج کر محمد سلطان اور دارا شکوہ کے دوسرے بیٹے سپہر شکوہ کو وہاں سے بلا لیا اور کچھ دنوں پھر سلیم گڈھ میں۔ یہ حراست رکھکر تقریباً چودہ برس کی قید کے بعد شروع ۱۰۸۳ھ میں خلعت وغیرہ دے کر چھوڑ دیا۔ اور مراد بخش کی بیٹی دوست دار بانو بیگم سے نکاح کر دیا اور اپنے ہاتھ سے موتیوں کا سہرا باندھ کر قلعہ کے اندر کی مسجد میں سلام کرانے لے گیا۔ اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کر دیا۔ اور جشن عید اضحیٰ کے موقعہ پر ایک گوسفند کی تو خود قربانی کی اور ایک اونٹ محمد سلطان سے ذبح کرایا اور ۱۰۸۷ھ میں کشتواڑ کے راجہ کی بیٹی اِلی بھوپ دیبی نامی سے اس کا نکاح کیا گیا اور سات لاکھ روپیہ کا زیور عطا ہوا۔ اور کتاب مآثر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۸۵ھ میں درۂ خیبر کے پٹھانوں کی بغاوت کی وجہ سے جب اورنگ زیب کو ایک عرصہ تک بمقام حسن ابدال رہنا پڑا تھا محمد سلطان کو بست ہزاری دو ہزار سوار کا منصب معہ خلعت کے اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور نقارہ و نشان وغیرہ عطا ہو گیا تھا۔ اور وہاں سے لوٹنے کے بعد اگلے برس سات لاکھ روپیہ نقد عنایت ہوا۔ مگر باوجود اس کے نہیں معلوم ہوتا کہ قید سے چھوٹنے کے بعد کس جگہ کی صوبیداری ملی ہو یا اس کے اور بھائیوں کی طرح اُس کو کسی مہم میں سرلشکر بنا کر بھیجا گیا ہو بلکہ ایسا پایا جاتا ہے کہ بادشاہ کی سرد مہری اپنے اس بیٹے کی نسبت چلی ہی جاتی تھی۔ کیونکہ جب یہ شہزادہ اڑتیس برس دو مہینے ہو کر ۱۰۸۷ھ میں مرا ہے اس کی نسبت اسی کتاب زمانہ عالمگیری میں یہ عبارت لکھی ہے کہ

"پادشاہزادہ را مرض شدید عارض شد۔ مدتے بستر گزیں بیتابی بودند در مقام خاص شکار خبر علالت اثر رسید کہ صرصر فنا آن نخل باغ مجد و علا را از باغ دنیا برداشتہ بحدیقہ عقبیٰ نشاند۔ باوجود قوت حوصلہ حضرت را از استماع ایں واقعہ ناگزیر پائے قرار از جا رفتہ دل پر غم و دیدۂ پر نم شد و بروح اللہ خاں خانساماں و سیادت خاں و عبدالرحیم خاں و شیخ نظام و ملا محمد یعقوب فرمان رفت کہ در روضۂ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی برحمت حق سپارند"۔

جس سے بہرحال یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجود اُس کے مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بھی اورنگ زیب نے اُس کو جا کر نہیں دیکھا۔ بلکہ سیر و شکار میں مصروف رہا اور اسی کتاب میں عالمگیر کی اولاد ذکور کے ذکر میں مصنف نے اس شہزادہ کی لیاقت اور قابلیت کی نسبت یہ عبارت لکھی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سلطان محمد معظم کو اورنگ زیب کی نصیحت

اس طرح پھر اپنے بڑے بیٹے کا خرخشہ مٹا کر اورنگ زیب نے شہزادہ محمد معظم سے فرمایا کہ

"ایسا نہ ہو کہ کہیں تم بھی بھائی کی تقلید کر بیٹھو اور وہی معاملہ تم کو بھی پیش آئے جو اُس کو پیش آیا ہے۔ یاد رکھو کہ جہاں بانی ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ بادشاہوں کو اپنے سایہ سے بھی حسد اور بدگمانی ہو جاتی ہے پس یہ خیال کبھی نہ کرنا کہ اورنگ زیب بھی بیٹوں کے ہاتھ سے وہی کچھ دیکھ سکتا ہے جو جہانگیر نے شاہجہاں[1] کے ہاتھوں دیکھا تھا۔ جس طرح شاہجہاں نے تخت و تاج کھو دیا اورنگ زیب بھی اسی طرح کھو سکتا ہے"

لیکن سلطان محمد معظم کے طور و طریق پر نظر کرتے ہوئے میری تو یہ رائے ہے کہ اورنگ زیب کا اُس کی طرف سے کسی بُرے ارادہ کا شبہ کرنا بے وجہ ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک ادنیٰ غلام سے بھی زیادہ فرماں برداری کرتا ہے اور مطیع سے مطیع شخص سے بھی یہ ممکن نہیں کہ غیر قانع اور حریص طبیعت کے جوش و ولولہ پر اپنے اقوال و افعال سے پردہ ڈال رکھے۔ چنانچہ خود اورنگ زیب بھی حصول اختیار و اقتدار کے معاملہ میں کبھی اس قدر بے پروا نہیں نظر آیا۔ اور نہ خیرات اور عبادات ہی میں اتنا مصروف دکھائی دیا۔ مگر بااین ہمہ اکثر ہوشیار لوگوں کی یہ رائے ہے کہ بمقتضائے (اَلْوَلَدُ سِرُّ اَبِیْہِ) اس کی بناوٹ ہے اور حصول سلطنت کے خیالات اُسی طرح دل میں چھپائے ہوئے ہے جس طرح اس کا باپ چھپائے ہوئے تھا[2]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

"اولیں فروغ دودمان مجد احسان پادشاہزادہ محمد سلطان ولادت ایشاں از بطن نواب بائی چہارم رمضان ۱۰۴۹ھ وقوع یافت بشرائف آداب و محاسن اوصاف متصف و بحفظ کلام حمید و اکثر کمالات و خواندن و نوشتن عربی و فارسی و ترکی پہرہ وافی داشتند و در محاربات کہ آنحضرت را پیش از جلوس با اعادی دولت اتفاق افتاد مصدر تردد ات شائستہ شدہ داد شجاعت و دلیری دادند و در سنہ بست و یک جلوس حضرت اعلیٰ خاقانی بسیر ریاض آخرت رفتند" س م ح

[1] جہانگیر سے شاہجہاں کی اکثر ان بن ہی رہتی تھی اور جب وہ مرا ہے تب تو یہ دکن میں علانیہ باغی تھا۔ س م ح

[2] محمد سلطان اور محمد معظم دونوں ایک ہی ماں سے تھے اور محمد معظم قریب چار سال کے اس سے چھوٹا تھا اور اورنگ زیب کے بعد یہی بادشاہ ہوا تھا۔ اور اپنی چند سالہ بادشاہی کے مختصر زمانہ میں ایک نیک سیرت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب کی تخت نشینی اب بنگالہ کا حال سنئے وہاں لڑائی بدستور جاری تھی۔ مگر کسی قدر سستی کے ساتھ شجاع حتی المقدور مقابلہ کئے جاتا تھا اور اُس کا ہوشیار دشمن میر جملہ گنگا سے اُترنے اور بے شمار ندی نالوں کے طے کرنے میں جو اُس ملک میں بکثرت ہیں جس جس طرح سے مناسب اور مصلحت وقت جانتا تھا عمل کرتا تھا اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لکھا ہے کہ یہ بچپن ہی میں قرآن مجید کا حافظ ہو گیا تھا اور فن قرأت اور تجوید سے خوب واقف تھا اور علم حدیث، فقہ میں تو ایسا کامل تھا کہ ہم عصر علما بھی مانتے تھے اور مسائل مبہمہ کا استنباط و استخراج خود قرآن و حدیث سے کر سکتا تھا۔ عربی ایسی بولتا تھا کہ فصحائے عرب پسند کرتے تھے اور ترکی اور فارسی تو گویا اُس کے گھر کی دو باندیں تھیں خوش نویسی میں بھی کامل تھا اور کئی طرح کے خط لکھنے جانتا تھا۔ نیک اوقات ایسا تھا کہ راتیں نماز و وظائف اور تلاوت قرآن مجید اور مطالعہ کتب تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف میں بسر کرتا تھا اور صبح کی نماز ہمیشہ اول وقت ادا کر کے کچھ دن چڑھے تک اوراد و وظائف پڑھتا۔ اور اس کے بعد منتظران دیدار کے لئے "جھروکہ درشن" میں بیٹھتا اور مستغیثوں اور فریادیوں کی داد دیتا پھر وہاں سے اُٹھکر دیوان خاص یا عام میں بیٹھکر ملکی و مالی معاملات سنتا اور نماز ظہر کے بعد محل سرا میں جاکر کھانا کھاتا۔ اور کسی قدر سوتا۔ اور نماز عصر پڑھکر پھر فریادیوں کی دادرسی کرتا۔ اور لوگوں کا سلام سجرا لیتا۔ اور نماز مغرب کے بعد درود و وظائف میں مصروف رہتا۔ اور قریب ڈیڑھ پہر رات گذرے نماز عشا پڑھکر محل سرا میں چلا جاتا تھا۔ مگر باوجود ان تمام صفات حمیدہ اور کمال اطاعت کے آخر کار اُس کو بھی بدگمان باپ کے قہر و غضب کا نشانہ بننا ہی پڑا۔ یعنی جب اورنگ زیب نے سکندر عادل شاہ نابالغ والی بیجاپور کی بربادی کے لئے معظم کے سوتیلے بھائی محمد اعظم شاہ کو اور ابوالحسن تانا شاہ والی حیدرآباد دکن کی بیخ کنی کے لئے اس کو مامور کیا تو اعظم شاہ اور دوسرے لوگوں کی دراندازی سے اورنگ زیب کو یہ شبہ ہو گیا کہ والی دکن سے اسکی سازش ہے۔ اور باوجودیکہ خود بادشاہ کے بعض معتمدان خاص نے اُسکی بے جرمی کی شہادت دی مگر بدگمانی رفع نہ ہوئی اور ۱۰۶۹ھ میں اس کو بیوی بچوں اور متوسلوں سمیت نہایت ذلت اور سختی سے قید کر دیا اور پانچ برس سے زیادہ تک قید رکھا اور تمام مال و اسباب و جاگیر وغیرہ ضبط کی گئی یہانتک کہ اُس کی زوجہ نورالنسا بیگم کے کانوں اور گلے کے زیور تک چھین لئے گئے اور اُس کو اور اُس کے بیٹوں کو حجامت بنوانے ناخن کٹوانے ٹھنڈا پانی پینے گرم روٹی کھانے اور مناسب حال لباس پہننے سے مدتوں ممانعت اور کڑی رہی اور لطف یہ ہے کہ مآثر عالمگیری میں جس کا مصنف التزام کے ساتھ بڑے ادب اور اعتقاد سے ہمیشہ اورنگ زیب کی تعریف لکھتا ہے، لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت اورنگ زیب کو اُسکی قید کے زمانہ میں اس امر کا بھی اقرار تھا کہ ہمارے ہاتھ سے اس پر ظلم ہوا ہے۔ مگر فرماتے تھے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خداوند کریم ہمارے دل کو اُس کے حال پر مہربان کرے (ماخوذ مآثر عالمگیری و سیر المتاخرین)

س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس عرصہ میں اورنگ زیب آگرہ کے نواح میں مقیم تھا۔ مگر آخر کار جب مراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیج چکا تو دہلی جاکر اُن سب دھوکے کی ٹٹیوں کو جو اب تک لوگوں کو فریب دینے کے لئے بنا رکھی تھیں اُٹھا ڈالا اور تخت سلطنت پر جلوس کرکے بادشاہ بن بیٹھا[1]

دارا شکوہ اجمیر کے میدان جنگ میں

اب اورنگ زیب کی تمام توجہ دارا شکوہ کو گجرات سے نکالنے کی تدبیروں پر لگی ہوئی تھی لیکن اُن وجوہ سے جو پہلے بیان کی جاچکی ہیں اس دلی مدعا کا حاصل ہونا آسان نہ تھا مگر آخر کار اُس کی عجیب و غریب ہنرمندی اور

---

[1] دارا شکوہ کے تعاقب میں پنجاب کو جاتے ہوئے اگرچہ سرسری طور پر تخت نشینی کی رسم بمقام باغ انور آباد جو شاہجہاں آباد کے قریب لاہور کے راستہ پر تھا پہلی ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ کو عمل میں آچکی تھی۔ مگر باقاعدہ جلوس اُس وقت کیا گیا تھا جب کہ شجاع کو بمقام کجوہ شکست دینے کے بعد مراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیج دیا گیا۔ اور دارا شکوہ کو بمقام اجمیر انتیسویں جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ کو دوبارہ شکست ہوئی اور وہ اُلٹے پاؤں احمد آباد کی طرف نہایت بے سروسامانی کے ساتھ بھاگ گیا۔ اس تخت نشینی کو مصنف نے دارا شکوہ کی شکست کے واقعہ سے پہلے خدا جانے کس طرح لکھدیا ہے اور یہ جلوس چوبیسویں رمضان سنہ مذکور کو قلعہ شاہجہاں آباد میں (جس میں اب تک یہ داخل نہیں ہوا تھا) ہندو اور مسلمان نجومیوں کے مجوزہ صورت کے موافق جب کہ شمسی حساب سے اس کو اکتالیسواں برس تھا معمولی تکلفات کے ساتھ کیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے اپنا لقب حسب ذیل قرار دیا۔

"ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی" اور بے ادبی کے خیال سے سکہ میں کلمہ طیبہ اور خلفائے اربعہ کے ناموں کی جگہ سونے اور چاندی کی مناسبت سے باختلاف نقطہ و بدر یہ بیت تجویز ہوئی۔ ؎

سکہ زد در جہاں بحسن و نیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر

اور اگرچہ کسی کتاب تاریخ میں نہیں دیکھا گیا مگر مشہور ہے کہ جب خطیب دستور کے موافق اس کے بزرگوں کو کسی کو جنت آشیانی اور کسی کو خلد مکانی وغیرہ وغیرہ کہکر گننے لگا اور جہانگیر کے نام پر پہنچا تو اورنگ زیب نے فراست سے معلوم کیا کہ یہ اس امر میں حیران ہے کہ جیتے جاگتے شاہجہاں کا کیا کہکر نام لے۔ فوراً اس کی طرف مخاطب ہوکر قیدی باپ کے لئے یہ حسب حال اور لطیف لقب تجویز کردیا اور کہا کہ خطیب بگو "تارک تاج و سیم ثانی سلطان ابراہیم شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ غازی صاحبقران ثانی" س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روز افزوں خوش اقبالی سب مشکلوں پر غالب آگئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جسونت سنگھ نے گھر پہنچتے ہی اُس مال و دولت سے جو کھجوہ سے لوٹ کر لایا تھا ایک مضبوط فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اور داراشکوہ کو لکھ بھیجا کہ آپ بلا توقف آگرہ چلے آئیے میں اپنی تمام فوج کے ساتھ راستہ میں آن ملوں گا۔ اب چونکہ شہزادہ نے بھی ایک فوج کثیر[1] جمع کر لی تھی اگرچہ بہت عمدہ نہ تھی پس اس اُمید پر کہ جب میں ایسے نامی راجہ کو ساتھ لیے ہوئے دارالسلطنت کے قریب پہنچ جاؤں گا تو میرے منتشر شدہ ہواخواہوں کو بھی میرے نشان کے نیچے آکر جمع ہو جانے کی جرأت ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے احمد آباد سے کوچ کر دیا اور بہت سُرعت کے ساتھ اجمیر میں آپہنچا جو آگرہ سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ پر ہے لیکن جسونت سنگھ اپنے عہد پر قائم نہ رہا۔ وجہ یہ ہوئی کہ راجہ جے سنگھ نے یہ خیال کر کے کہ لڑائی کے تمام رنگ ڈھنگ سے اورنگ زیب ہی کے غلبہ کی اُمید ہوتی ہے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے جسونت سنگھ کو داراشکوہ کی طرف داری چھوڑ دینے کا مشورہ قرین مصلحت جان کر اُس کو لکھا کہ

تم نے اس میں ایسا کیا فائدہ سوچا ہے کہ ڈوبتے کے ساتھی بنتے ہو اور اگر تم اسی بات پر قائم رہو گے تو اُس کا کچھ فائدہ ہونا تو معلوم ہوگا مگر ہاں تمھارا خاندان اور تم بے شک برباد ہو جاؤ گے۔ اور اورنگ زیب تم کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ اور چونکہ میں بھی راجپوت راجہ ہوں اس لیے بمنت التماس کرتا ہوں کہ بیچارے راجپوتوں کا خون کرانے سے باز آؤ اور اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ اورراجہ بھی تمھارے شریک ہو جائیں گے کیونکہ یہ میں کبھی نہ ہونے دوں گا۔ اور چونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہر ایک ہندو کی سلامتی سے تعلق رکھتا ہے اس لیے آپ کو ایسی آگ کے بھڑکانے کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے جو تمام ملک میں پھیل جائے اور پھر کبھی بھی اُس کو بجھایا نہ جا سکے اور اگر تم داراشکوہ کو بحال خود چھوڑ دو گے تو اورنگ زیب تمھاری پچھلی خطائیں سب معاف کر دے گا۔ اور اُس شاہی خزانہ کا بھی مطالبہ نہ کرے گا جو تم نے کھجوہ کی لڑائی میں لوٹ لیا تھا۔ بلکہ نوراً گجرات کی صوبیداری پر

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ گجرات میں داراشکوہ کے پاس بائیس ہزار سوار اور ایک اچھا توپ خانہ موجود ہو گیا تھا اور کھجوہ کی لڑائی میں جسونت سنگھ کی بغاوت سے جو افواہیں اڑی تھیں اُن کو سُن کر جلد بازی سے جسونت سنگھ کی عرضیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اجمیر کو چل پڑا تھا۔ س۔ م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سرفراز کئے جاؤ گے اور ایسے صوبے کی حکومت میں جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے جو فوائد ہیں وہ آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہاں آپ بغیر کسی طرح کے خوف وخطر کے نہایت آرام سے رہیں گے اور ان وعدوں کا کامل طور سے پورا کرانا میرے ذمہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جسونت سنگھ اس امر پر مائل ہوگیا کہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے[1] اور اورنگ زیب معہ اپنی تمام فوج ولشکر کے اجمیر میں دارا شکوہ کی فوج کے سامنے آن موجود ہوا۔

اب ایسا کون شخص ہوگا جو اس تاریخ کو پڑھے گا اور اس بات پر افسوس نہ کرے گا کہ بدنصیب دارا شکوہ کو لوگوں نے کیسی کیسی اُلٹی تدبیریں بتائیں اور آخرکار دغا کی جسونت سنگھ کی بدعہدی کا حال اگرچہ دارا شکوہ پر کھل گیا مگر اس کے ہولناک نتیجوں کا اب کیا علاج تھا۔ وہ بے شک اپنی فوج کو احمد آباد لے جاتا مگر گرمی کی شدت اور پانی کے قحط کی وجہ سے جو اس موسم میں راجپوتانہ میں ہو جاتا ہے یہ امر سخت دشوار تھا کہ پینتیس روز تک اُن راجاؤں کے ملک میں سفر کرے جو جسونت سنگھ کے رفیق اور دوست ہوں اور اس پر طرہ یہ ہو کہ اورنگ زیب سا مستعد دشمن ایسی بڑی اور تازہ دم فوج کے ساتھ نہایت سرگرمی سے اُس کا پیچھا کرے۔ اس لئے اُس نے سپاہیانہ موت سے مرجانا ہی بہتر سمجھا اور اگرچہ جانتا تھا کہ برابر کی لڑائی نہیں ہے مگر تاہم یہی ٹھان لی کہ یا دشمن کو مار لیا یا آپ مر گئے مگر اب تک اُس کو اپنی مصیبت کی انتہا معلوم نہ تھی کیونکہ جن لوگوں پر خیانت اور دغابازی کا کچھ بھی شک وشبہ نہ تھا سب کچھ وہی کرنے کو موجود اور گھات میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بدذات شاہنواز خاں جس پر دارا شکوہ کامل بھروسہ کئے ہوئے تھا اُس کی خط وکتابت اورنگ زیب سے برابر جاری تھی اور وہ اس کے سب منصوبوں سے اُس کو مطلع کرتا رہتا تھا۔ لیکن اپنی بے ایمانی کی سزا اُس نے جلد ہی پالی یعنی اسی لڑائی میں تلوار سے قتل کیا گیا۔ چنانچہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ خود دارا شکوہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ مگر طبع غالب یہ ہے دارا شکوہ کے اُن مخفی طرف داروں نے جو اورنگ زیب کے لشکر میں تھے اس خوف سے اُسے مار ڈالا کہ اگر یہ زندہ رہا تو ہم سب کا

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ جے سنگھ نے اورنگ زیب کی خواہش کے موافق اپنے خط کے ساتھ اسی مضمون کا پاونتا ہی یہاں بھی اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ جسونت سنگھ کے پاس بھیجا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ وہ جودھپور سے سوار ہو آیا تھا مگر راستہ سے اُلٹا پھر گیا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھید کھول دے گا۔ اور اُن سب عرضیوں کا حال اُس سے کہدے گا جو ہم دارا شکوہ کی خدمت میں بھیجتے رہے ہیں۔ لیکن اس دغابازی کی حرکت سے اب کیا فائدہ تھا کیونکہ دارا شکوہ کو لازم تو یہ تھا کہ جس روز سے اُس نے احمد آباد کو لیا تھا اُسی روز سے اس کے بارے میں اپنے خیر خواہوں کی دانشمندانہ صلاح سنتا اور وہ جس بے اعتباری اور بے عزتی کے لائق تھا اُس سے اُسی طرح پیش آتا۔ الغرض قریب پہر دن چڑھے لڑائی شروع ہوئی اور دارا شکوہ کے توپ خانہ سے جو ذرا اونچی اور مناسب جگہ پر قائم تھا اگرچہ خالی آوازیں تو بڑے زور شور کی سُنائی دیں مگر کہتے ہیں کہ دغابازی کا جال یہاں تک پھیلا ہوا تھا کہ توپوں کی تھیلیوں میں گولے نہیں تھے وہ صرف بارود سے بھری ہوئی تھیں۔ اس لڑائی کی۔ بشرطیکہ اس کو لڑائی کہا جائے تفصیل لکھنی بے فائدہ ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ پہلے گولے کے چلتے ہی جے سنگھ ایک ایسے مقام پر آ کھڑا ہوا جہاں سے دارا شکوہ اُس کو دیکھ سکے اور اپنے ایک سردار کو یہ پیغام دے کر دارا شکوہ کے پاس بھیجا کہ

"اگر گرفتاری سے بچنا چاہتے ہو تو فوراً میدانِ جنگ سے علیحدہ ہو جاؤ۔"

اس پیغام سے اس بیچارے شہزادہ پر ایسا ناگہانی خوف طاری ہوا اور ایسی حیرت چھا گئی کہ فوراً اُس کی صلاح مان لی اور ایسا سراسیمہ ہو کر بھاگا کہ اپنی خیمہ گاہ اور باربرداری کے متعلق بھی کوئی حکم نہیں دیا اور فی الواقع اس وقت وہ ایسی ہی آفت میں مبتلا تھا کہ اُس نے اتنی ہی مہلت کو غنیمت جانا کہ اپنے اہل و عیال کو اس تہلکہ سے نکال لے جائے۔ کیونکہ بلاشبہ وہ اُس وقت جے سنگھ کے قابو میں آ چکا تھا۔ اور راجہ کے اس اغماض کا سبب یہ تھا کہ وہ ہمیشہ یہ سمجھکر کہ کسی شاہزادہ سے بدسلوکی کرنا کسی نہ کسی دن سخت خطرہ کا باعث ہے شاہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ بہت ادب اور لحاظ سے پیش آتا تھا۔[1]

---

[1] اس لڑائی کا حال عالمگیر نامہ میں یوں لکھا ہے کہ نواح اجمیر میں جو پہاڑیاں ہیں چونکہ اُن کی سب گھاٹیاں روک کر مورچہ بندی اچھے طور سے کی گئی تھی اور دارا شکوہ کا توپ خانہ بھی مناسب جگہ قائم کیا گیا تھا اس لئے اورنگ زیب کے امیروں کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ حملہ کریں یہاں تک کہ تین دن یوں ہی گذر گئے اور صرف توپ بندوق سے دور دور کی لڑائی ہوتی رہی آخر اورنگ زیب نے مجبور ہو کر ان کو غیرتیں بھی دلائیں اور ڈرایا دھمکایا بھی اور انعام و اکرام کے وعدہ بھی کئے مگر پھر بھی یہی حالت بدستور رہی۔ اتفاق سے راجہ رام روپ جموں والے کے کوہستانی سپاہی "کوکلہ" پہاڑی کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیچھے ایک ایسی جگہ دیکھ آئے کہ جہاں سے پیادہ سپاہی چڑھ کر مخالف کے مورچے پر حملہ کر سکتے تھے راجہ نے اورنگ زیب کو اس حال کی اطلاع کر کے کچھ اپنے سپاہی اس پہاڑی کو روانہ کئے اور خود بھی اپنی باقی ماندہ فوج لے کر اُن کی مدد اور نگہبانی کے طور پر مخالف کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔ چونکہ اتفاقاً اس وقت اورنگ زیب کے توپ خانہ سے توپیں چلنی بند ہو گئیں تھیں اس باعث سے ذرا دلیر ہو کر دارا شکوہ کی فوج میں سے کوئی ایک ہزار سوار راجہ راجروپ پر حملہ کرنے کو اپنے مورچوں سے باہر نکل آئے۔ اس پر اورنگ زیب کے مسلمان امیروں میں سے اول دلیر خاں اور پھر شیخ میر نے اپنی اپنی فوجیں ساتھ لے کر ایسے زور سے حملے کئے کہ اُن کے مورچوں تک جا پہنچے۔ اور اس طرح پر ایک اچھی لڑائی ہو پڑی جس میں شیخ میر جو ہاتھی پر سوار اپنی سپاہ کو لڑاتا تھا بندوق کی گولی سے مارا گیا۔ مگر اُس کا ایک ہم قوم سید جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا اُس نے ہوشیاری سے اُس کی لاش کو اس طرح تھامے رکھا جس سے دشمنوں کو بلکہ خود اُس کی سپاہ کو لڑائی کے خاتمہ تک اُس کے مرنے کا علم نہ ہوا اور دلیر خاں تو جرأت کر کے دارا شکوہ کے مورچوں ہی میں جا گھسا اور اُس کے ایک نامور سردار کو خاص اپنے تیر سے ہلاک کر دیا اور خود بھی زخمی ہوا ان حملوں میں اُس طرف سے شاہنواز خاں اور کئی اور نامی سردار بھی مارے گئے۔ اتنے میں راجروپ کے کوہستانی پیدلوں نے کوکلہ پہاڑی پر اپنا نشان جا گاڑا۔ اور راجہ جے سنگھ بھی اپنی فوج لے کر ان سب سرداروں کی مدد کو جا پہنچا۔ دارا شکوہ کی سپاہ راجروپ اور دلیر خاں کی جرأت اور دلیری سے پہلے ہی ہمت ہار چکی تھی اور خود دارا شکوہ کا تو یہ حال تھا کہ اُس نے مایوسی کے مارے اپنی بیگمات کو اول ہی ہاتھیوں پر سوار کرا کر اور ضروری مال و اسباب اور روپیہ اشرفی اونٹوں اور خچروں پر لدوا کر آناساگر تالاب کے کنارے میدان جنگ سے کچھ فاصلہ پر ٹھیرا دیا تھا۔ مگر جب رات ہو گئی تو ساری اُمیدیں قطع کر کے اس قدر سراسیمہ ہو کر بھاگا کہ اپنی بیگموں کو ساتھ لینا تو درکنار اُن کو اپنے بھاگنے کی خبر بھی نہ کر سکا۔ اور جن کو اُس کا ایک معتمد خواجہ سرا یہاں سے لیجا کر دوسرے دن بمشکل اس سے مل سکا۔ اور سوائے فیروز خاں میواتی کے اور کسی رفیق نے اُس کا ساتھ نہ دیا یہاں تک کہ جو راجپوت اُس کے مال و دولت کے لدے ہوئے اونٹوں اور خچروں کے محافظ تھے اور جن پر اُس کو وفاداری کا بہت بڑا بھروسہ تھا وہی اُن کو ہانک کر اپنے اپنے گھروں کو لے گئے۔ اس طرح لڑائی سے تیسرے دن باوجود اورنگ زیب کے اُمرا کی کم ہمتی کے جس کو عالمگیر نامہ میں مفصل لکھا ہے اس کو اپنے خیمہ میں بیٹھے بٹھائے ۲۹ جمادی الآخر ۱۰۶۸ھ کو ایسی فتح حاصل ہو گئی کہ جس سے وہ اب بے کھٹکے بادشاہ ہو گیا۔ اگرچہ اور امیر بھی مثل شائستہ خان و ہوشدار خاں وغیرہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

داراشکوہ پناہ کی تلاش میں

آفت رسیدہ اور برباد شدہ داراشکوہ جس کی جاں بری صرف احمد آباد پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے میں منحصر تھی ایسے دور دراز ملک میں سے گذرنے پر مجبور تھا جو قریباً سب کا سب مخالف راجاؤں کے قبضہ میں تھا اور ایسی بے سروسامانی تھی کہ خیمہ تک پاس نہ تھا اور زیادہ سے زیادہ دو ہزار آدمی ہمراہ تھے گرمی بہت سخت پڑتی تھی اور اس پر یہ ایک اور آفت تھی کہ کولی لوگ رات دن پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور اُس کے سپاہیوں کو اس قدر لوٹا اور قتل کیا تھا کہ صرف چند قدم پیچھے رہ جانا بھی نہایت خطرناک تھا۔ یہ کولی اس ملک کے کسان ہیں اور بڑے ہی لیڑے اور ہندوستان بھر میں ایک ہی بدذات ہیں۔ پس اگرچہ ان سب مشکلوں اور آفتوں سے بچ کر داراشکوہ ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا جہاں سے احمد آباد صرف ایک منزل تھا اور اُسے اب یہ اُمید تھی کہ کل کو احمد آباد میں جا داخل ہوں گا اور پھر ایک فوج بھرتی کرلوں گا۔ لیکن بدنصیب اور شکست خوردہ لوگوں کی اُمیدیں کبھی سرسبز نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اُس شخص نے جس کو داراشکوہ احمد آباد میں قلعہ دار اور حاکم بناکر پیچھے چھوڑ آیا تھا یہ بے وفائی اور باغی پن کیا کہ اورنگ زیب کے دھمکانے یا اُمیدوار کرنے کے باعث اپنے آقا سے پھر گیا اور یہ لکھ بھیجا کہ شہر کے نزدیک نہ آیئے دروازے بند اور لوگ مقابلہ کے لئے مسلح اور تیار ہیں۔

داراشکوہ کی رفاقت میں ایک ہولناک سفر

اس وقت میں بھی تین دن سے داراشکوہ کی ہمراہی میں تھا۔ اور یہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب اتفاق تھا کہ میں اُسے راستہ میں مل گیا اور کسی طبیب کے ہمراہ نہ ہونے کی وجہ سے اُس نے جبراً مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ احمد آباد کے حاکم کے کاغذ کے پہنچنے سے ایک دن پہلے کا ذکر ہے کہ دارا شکوہ نے مجھ سے فرمایا کہ مبادا تمھیں کولی مار ڈالیں اور اس لئے باصرار مجھ کو اس کاروانسرا میں لے گیا جہاں خود ٹھہرا ہوا تھا اور اب اُس کا یہ حال تھا کہ خیمہ تک اُس کے پاس نہ تھا اور اُس کی بیگم اور اور عورتیں صرف ایک قنات کی آڑ میں تھیں جس کی رسیاں میری سواری کی بہلی کے پہیوں سے جس میں آرام کرتا تھا باندھی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ہندوستانی اُمرا اپنی مستورات کے پردہ کے معاملہ میں کس قدر مبالغہ کرتے ہیں ۔۔۔ وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اپنی اپنی فوجیں ساتھ لے کر لڑنے کو گئے تھے مگر عالمگیر نامہ میں اس فتح کو صرف راجہ راجروپ شیخ میر بہادر خاں اور راجہ جے سنگھ ہی کی کارگذاری سے منسوب کیا گیا ہے ۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے اس بیان پر اعتبار نہ کریں گے۔ مگر میں نے یہ واقعہ اُس دردناک حالت کے ثبوت میں لکھا ہے جس میں یہ شہزادہ اس وقت مبتلا تھا۔

اسی شب کو پو پھٹنے کے قریب احمد آباد کے حاکم کا جب مذکورہ بالا پیغام آیا تو مشورات کی گرمجوشی نے ہم سب کو رُلا دیا۔ اس وقت ایک عجیب پریشانی اور مایوسی چھا رہی تھی اور ہر کوئی خوف سے خاموش ایک دوسرے کا منہ تکتا تھا اور کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ دم بھر میں کیا ہو جائے گا۔ داراشکوہ زنانہ میں سے باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ مُردہ کی سی حالت تھی اور کبھی اس سے اور کبھی اُس سے کچھ کہتا — اور ایک ادنیٰ سپاہی کے پاس بھی کھڑا ہو کر پوچھتا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ ہر ایک کے چہرہ سے خوف کے آثار نمایاں ہیں تو یقین ہو گیا کہ غالباً ان میں سے ایک بھی میرا ساتھ نہ دے گا اور نہایت حیران تھا کہ اب کیا ہو اور مجھے کدھر جانا چاہیئے۔ اور توقف کی حالت میں تو سراسر بربادی ہی بربادی نظر آتی تھی۔

اِس تین دن کے عرصہ میں جب کہ میں اس شاہزادہ کے ہمراہ تھا رات دن بلا توقف ہم کو کوچ کرنا پڑا اور گرمی اس شدت کی تھی اور اس قدر گرد و غبار اڑتا تھا کہ دم گھٹا جاتا تھا اور میری بہلی کے تین عمدہ اور قدآور گجراتی بیلوں میں سے ایک مر چکا تھا اور ایک قریب المرگ تھا اور ایک اس قدر تھک گیا تھا کہ چلنے سے مجبور تھا اور اگرچہ دارا شکوہ بہت چاہتا تھا کہ میں اُس کے ہمراہ رہوں خصوصاً اس وجہ سے کہ اُس کی ایک بیگم کی ٹانگ میں ایک بہت بُری طرح کا زخم تھا لیکن وہ ایسی لاچاری کی حالت کو پہنچ گیا تھا کہ دھمکانے اور منت سماجت کرنے پر بھی کسی نے اُس کو میری سواری کے لئے کوئی گھوڑا یا بیل یا اونٹ نہ دیا۔ اور جب کوئی سواری میسر نہ آئی تو بناچاری میں پیچھے رہ گیا۔ اور چار پانچ سو سواروں کے ساتھ اُسے جاتے دیکھکر جو گھٹتے گھٹتے اب صرف اسی قدر رہ گئے تھے میں بے اختیار رو پڑا مگر اب تک بھی دو ہاتھی اُس کے ساتھ تھے اور لوگ کہتے تھے کہ اُن پر روپے اور اشرفیاں لدی ہوئی ہیں اور اس وقت میں سمجھتا تھا کہ وہ ٹھٹھہ کی طرف جائے گا اور حالات موجودہ کے لحاظ سے یہ تجویز شاید بُری بھی نہ تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُدھر بھی مصیبت تھی اور اِدھر بھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور مجھے ہرگز یہ اُمید نہ تھی کہ وہ اُس ریگستان سے جو احمد آباد اور ٹھٹھہ کے بیچ میں ہے سلامت گذر جائے گا۔ چنانچہ واقعی ایسا ہی ہوا کہ اُس کے ہمراہیوں میں سے اگرچہ عورتیں بھی بہت سی مرگئیں مگر مردوں پر تو یہ مصیبت گذری کہ بھوک پیاس۔ اور بے رحم کولیوں کے ہاتھ سے کوئی زندہ بچا ہو تو بچا ہو۔ کاش اس پُر آفت سفر میں اگر دارا شکوہ خود بھی مرجاتا تو میں اُس کو بڑا ہی خوش نصیب کہتا۔ لیکن وہ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتا مرتا آخر کار کچھ کے علاقہ میں جا پہنچا اور کچھ کا راجہ اُس سے بڑی مہمان نوازی سے پیش آیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کردیں تو میری تمام فوج آپ کی مدد کو حاضر ہے۔ لیکن جس طرح جے سنگھ کا منتر جسونت سنگھ پر اثر کر گیا تھا ویسا ہی اس پر بھی چل گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُس کے تیور بدلے ہوئے نظر آنے لگے اور دارا شکوہ کو بعض معقول وجوہ سے جب یہ اندیشہ ہوا کہ یہ وحشی میری جان ہی لینے کی فکر میں ہے تو فوراً ٹھٹھہ کی طرف چل دیا۔

جان بچی لاکھوں پائے

اب اگر میں اپنا کل ماجرا جو میرے اور اُن بدذات کولیوں کے باہم گذرا اور جس ڈھنگ سے میں نے اُن کو اپنی نسبت مہربان بنایا اور تھوڑا سا روپیہ جو میرے پاس تھا بچایا بیان کروں تو غالباً اس کتاب کے پڑھنے والے دق ہو جائیں گے پس مختصر یہ ہے کہ میں نے اپنی طبابت کی بڑی تعریفیں کیں اور میرے دو نوکروں نے بھی جو اُسی خوف میں مبتلا تھے جس میں میں تھا اُن کو یہی جتایا کہ ہمارے آقا کی برابر کوئی حکیم دنیا میں نہیں ہے اور دارا شکوہ کے سپاہیوں نے اس کو ایسا ستایا ہے کہ جو کچھ قیمتی مال و اسباب اس کے پاس تھا وہ سب چھین لے گئے ہیں۔ قصہ مختصر ہماری بڑی ہی خوش نصیبی تھی کہ ہمارے اس کہنے سننے سے اُن کے دل کسی قدر پسیج گئے اور ہم کو سات آٹھ روز تک روکے رکھنے کے بعد آخر کار ایک بیل ہماری گاڑی میں جوت کر ہم کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سے احمد آباد کے بُرج نظر آتے تھے اور اس شہر میں میری ایک امیر سے ملاقات ہوگئی جو دہلی کو جاتا تھا اور میں اُس کی پناہ میں یہاں تک چلا آیا۔ اور راستہ میں آدمیوں، ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور بیلوں کی لاشیں ہم کو جا بجا پڑی ہوئی نظر آئیں جو دارا شکوہ کی تباہ شدہ فوج کی مصیبتوں کا قصہ گویا زبان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حال سے سُنا رہی تھیں۔

سلیمان شکوہ کی طرف سے اندیشے جس زمانہ میں داراشکوہ ٹھٹھہ کے پُر مصیبت سفر میں مصروف تھا بنگالہ میں لڑائی بدستور جاری تھی اور سلطان شجاع اپنے دشمنوں کی اُمید سے بہت بڑھ کر ہمت اور کوشش دکھا رہا تھا۔ لیکن اورنگ زیب کو اُدھر کے معاملات کا چنداں اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ میر جملہ کی دانشمندی اور خوش تدبیری اُس کو بخوبی معلوم تھی اور بنگالہ اور آگرہ کے بُعد مسافت کی وجہ سے بھی یہ معاملہ سردست زیادہ اہم نہ تھا البتہ جس بات کا اُسے نہایت کھٹکا تھا وہ یہ تھی کہ سلیمان شکوہ نزدیک تھا اور یہ چرچا پھیلا ہوا تھا کہ سری نگر سے جہاں سے آگرہ آٹھ روز سے بھی کم کا راستہ ہے وہ اور راجہ فوج سمیت اُترنے والے ہیں اور اورنگ زیب ایسا غافل نہ تھا کہ ایسے دشمن کو حقیر سمجھتا۔ اُس کو اب زیادہ تر اسی بات کی فکر تھی کہ کسی طرح سے سلیمان شکوہ کو اپنے قابو میں لائے۔ پس سب سے بہتر تدبیر اُس نے یہ خیال کی کہ راجہ جے سنگھ ہی کی معرفت اس راجہ سے بھی کچھ بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ جے سنگھ نے اُس کو اس مضمون کے خط پر خط لکھے کہ اگر آپ سلیمان شکوہ کو پکڑ کر بھیج دیں تو بڑے بڑے انعام ملیں گے ورنہ آپ کے حق میں بہت ہی بُرا ہوگا۔ مگر اُس نے ان کا یہی جواب دیا کہ خواہ میرا تمام ملک چھن جائے مگر میں کبھی ایسی بے عزتی اور نامردی کی حرکت کا مرتکب نہ ہوں گا۔ پس جب اورنگ زیب نے دیکھ لیا کہ خواہ دھمکایا جائے یا لالچ دیا جائے یہ کسی طرح بھی اپنے اس عزم سے پھرنے والا نہیں تو اپنی فوج کو دامنِ کوہ کی طرف روانہ کیا اور بے شمار پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ ہموار اور فراخ کرنے کے لئے لوگوں کو مامور کیا۔ لیکن راجہ مخالفوں کی ان بیہودہ کوششوں کو جو اُس کے ملک میں داخل ہونے کے لئے کی جا رہی تھیں عبث اور بچوں کا کھیل سمجھ کر ہنستا تھا اور فی الواقع اُس کا ہنسنا بجا تھا۔ کیونکہ اگر اورنگ زیب جیسے چار بادشاہ بھی جمع ہو کر اُس کو ہستان پر چڑھائی کرتے تو ان دشوار گذار پہاڑوں میں رسائی ناممکن تھی۔ آخر کار ایسا ہی ہوا کہ لاحاصل غصہ دکھانے کے بعد فوج واپس بُلا لی گئی۔

اس عرصہ میں داراشکوہ ٹھٹھہ کے نزدیک جا پہنچا تھا اور صرف دو ہی تین منزلیں باقی رہ گئی تھیں اور مجھ کو اُن فرانسیسیوں اور کئی اور اہل فرنگ کی زبانی جو اس قلعہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی فوج میں تھے معلوم ہوا کہ یہاں پہنچ کر داراشکوہ کو یہ خبر ملی کہ میر بابا نے جو مدت سے قلعہ کو گھیرے ہوئے تھا محصوروں کو یہاں تک تنگ کر دیا ہے کہ آدھ سیر گوشت یا چاول ڈھائی روپیہ سے زیادہ میں فروخت ہوتے ہیں اور باقی اجناس کی بھی سخت گرانی ہے۔ لیکن بہادر قلعہ دار اب تک ہمت باندھے مقابلہ پر جما ہوا ہے۔ بلکہ اکثر اوقات قلعہ سے باہر نکل کر دشمنوں پر اچھے خاصے حملے کر جاتا ہے۔ اور ہر طرح سے دانائی شجاعت نمک حلالی اور ہمت کے ساتھ میر بابا کے سخت حملوں کو رد کرتا ہے اور اورنگ زیب کی دھمکیوں اور وعدوں کو ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے اس قابل تعریف کام کی اُن بہت سے اہل فرنگ نے بھی جو اُس کی فوج میں تھے تصدیق کی۔ اور مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب اُس کو داراشکوہ کے قریب پہنچ جانے کی خبر ملی تو زیادہ داد و دہش کرنے لگا اور اس طرح پر سپاہیوں کا دل ایسا ہاتھ میں کر لیا کہ تمام اہل قلعہ محاصرین کو ہٹا کر داراشکوہ کے قلعہ میں لے آنے کے واسطے بخوشی اپنی جانیں لڑا دینے کو تیار تھے۔

اس کے علاوہ اس ذی ہوش سردار نے کئی طرح کی عمدہ تدبیروں سے بہت ہوشیار جاسوسوں کو میر بابا کے لشکر میں بھیج کر محاصرین کو یہ یقین دلا دیا کہ داراشکوہ ایک جرار فوج ساتھ لئے ہوئے محاصرہ اٹھا دینے کے ارادہ سے جلد پہنچنے والا ہے اور اس میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ہم داراشکوہ اور اُس کی فوج کو بچشم خود دیکھ کر آئے ہیں۔ چنانچہ یہ چال ایسی کارگر ہوئی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے اور کچھ شک نہیں کہ اگر داراشکوہ اس وقت آپہنچتا تو میر بابا کا لشکر ضرور تتر بتر ہو جاتا۔ بلکہ اُن میں سے بعض لوگ اُس سے آن ملتے۔ لیکن اُس کی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا کہ کسی مہم میں بھی سرسبز نہ ہو۔ پس یہ سمجھکر کہ ان چند آدمیوں کے ساتھ محاصرہ کا اٹھا دینا ناممکن ہے۔ پہلے تو اُس کا یہ ارادہ ہوا کہ دریائے سندھ سے اُتر کر ایران کو چلا جائے۔ اگرچہ اس تجویز کا عمل میں آنا بھی بہت ہی مشکل تھا۔ کیونکہ پٹھانوں اور بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ملک میں سے جانا پڑتا جو نہ ایران ہی کے مطیع ہیں اور نہ ہندوستان ہی کے اور بیچ میں ایسا بیابان حائل تھا کہ جس میں پانی میسر آنا بھی مشکل تھا۔ لیکن ان امور سے قطع نظر اُس کی بیگم نے ایک ضعیف اور واہیات سی بات کہکر اُس کا یہ ارادہ ترک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرادیا یعنی یہ کہہ دیا کہ اگر آپ ایران کا قصد کریں گے تو خوب سمجھ لیجئے کہ مجھ کو اور میری بیٹی دونوں کو شاہ ایران کی لونڈیاں بننا پڑے گا؛ اور یہ ایک ایسی بے عزتی ہے کہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو بھی گوارا نہ ہوگی۔ اور اس بات کو بیگم اور داراشکوہ دونوں بھول گئے کہ ہمایوں جب ایسی ہی مصیبتوں میں مبتلا ہوکر ایران گیا تھا اور اس کی بیگم بھی ساتھ تھی تو کوئی نازیبا سلوک اُس سے نہ ہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی تعظیم و تکریم اور خاطر و مدارات ہوئی تھی۔ القصہ داراشکوہ کو اس شش و پنج اور تذبذب کی حالت میں یہ خیال آیا کہ جیون خاں پٹھان کے پاس جانا بہتر ہے جو کسی قدر ذی شہرت اور باوقعت سردار ہے۔ اور اس کا علاقہ چنداں دور بھی نہ تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے شاہجہاں نے دو مرتبہ اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اور دونوں ہی دفعہ صرف داراشکوہ کی سفارش سے جان بچی تھی اور اس کے پاس جانے سے مقصود یہ تھا کہ کچھ فوج کی مدد لے کر میربابا کو قلعہ ٹھٹھہ سے ہٹائے اور وہ خزانہ جو وہاں کے قلعہ دار کی تحویل میں تھا اُس کو لے کر قندھار چلا جائے اور وہاں سے بہ آسانی کابل پہنچ جائے اور اُس کو یقین تھا کہ میرے وہاں پہنچ جانے پر مہابت خاں صوبہ دار کابل (جو ایک بڑا مقتدر امیر تھا اور کابل والے اُس سے بہت مانوس تھے) بلا تامل اور بڑی سرگرمی سے میری رفاقت اختیار کرلے گا۔ اور چونکہ کابل کی صوبہ داری اُس کو اُسی کی وساطت سے ملی تھی۔ اس لئے یہ توقع کچھ بے وجہ بھی نہ تھی کہ وہ خلوص اور صداقت سے پیش آئے گا۔ لیکن داراشکوہ کی مشورات اُس کے عزم سے بہت ہی مضطرب اور فکرمند ہوئیں اور انھوں نے بہزار منت وزاری اس کو سمجھایا کہ ملک جیون کے ہاں جانا مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ بیگم اور اُس کی بیٹی اور بیٹے سپہر شکوہ نے پاؤں پر گر کر اور رو رو کر اس ارادہ سے باز آنے کے لئے التجا کی۔ اور کہا کہ یہ پٹھان ایک مشہور سرکش اور لٹیرا ہے ایسے شخص پر بھروسہ کرنا اپنی موت آپ خریدنا ہے اور یہ بھی سمجھایا کہ ٹھٹھہ کا محاصرہ اٹھانا کچھ ایسا ضروری نہیں ہے۔ اس مہم کی جوکھوں میں پڑے بغیر بھی آپ کابل کی راہ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ یقین ہے کہ میربابا ٹھٹھہ کا محاصرہ چھوڑ کر آپ کا راستہ روکنے نہ آئے گا۔ لیکن داراشکوہ کی اُلٹی سمجھ ہمیشہ ہی سیدھی راہ سے اُس کو بھٹکا دیتی تھی یہ معقول باتیں بالکل اُس کی سمجھ میں نہ آئیں اور بولا کہ کابل کا سفر نہایت خطرناک اور مشکل ہے (جو فی الواقع سچ تھا) اور کہا کہ جس شخص کی جان میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے اس طرح سے بچائی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ایسی خیانت کرے؟ پس باوجود اُن کی اس قدر التجا اور منت وزاری کے اُس کے ہاں چلا[1] ہی گیا! اور یہ بات بہت جلد ثابت ہوگئی کہ بدذات آدمی اپنی غرض کے لئے کسی بدنامی کی مطلق پروانہ کرکے اپنے محسنوں اور خیرخواہوں کی جان لینے کے لئے کس طرح بلادریغ تیار ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ یہ پٹھان جب تک یہ سمجھتا رہا کہ داراشکوہ کے ساتھ ایک بڑا لشکر آتا ہوگا اُس وقت تک تو بظاہر تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔ اور شاہزادہ کے ہمراہی سپاہیوں کو لوگوں کے مکانوں میں اُتروادیا۔ اور بہت تاکید کی کہ جو کچھ اِن کو درکار ہو حاضر کریں۔ اور برادرانہ اور دوستانہ سلوک سے پیش آئیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہوگیا کہ دو تین سو آدمی سے زیادہ ساتھ نہیں ہیں تو فوراً آنکھیں بدل لیں۔ اور یہ امر تحقیق نہیں ہوا کہ اُس نے یہ حرکت اورنگ زیب کی ترغیب سے کی یا خود ہی اس سخت خیانت کا مرتکب ہوا۔ مگر ظنِ غالب یہ ہے کہ اشرفیوں سے لدی ہوئی چند خچریں جو قزاقوں کی روزمرہ کی لوٹ مار سے اب تک بچی ہوئی تھیں اُن کو دیکھکر اُسے لالچ آگیا۔ بہرحال اُس نے یہ بدذاتی کی کہ رات کے وقت بہت سے ہتھیار بند آدمی جمع کرکے اول سب روپیہ پیسہ مستوعات کے زیور اور جواہرات سمیت چھین کر قابو کرلیا۔ اور پھر داراشکوہ اور سپہر شکوہ پر حملہ کیا۔ اور جن لوگوں نے اُن کو بچانا چاہا اُنھیں قتل کرڈالا۔ اور داراشکوہ کو باندھ کر ہاتھی پر چڑھادیا۔ اور ایک جلّاد اس غرض سے پیچھے بٹھادیا کہ اگر وہ یا اُس کا کوئی طرف دار ذرا بھی ہاتھ پاؤں ہلائے۔ تو فوراً شہزادہ کا سر اُڑادے۔ اور ایسی بے عزتی کے ساتھ میربابا کے لشکر میں جو ٹھٹھہ کو گھیرے ہوئے تھا لاکر اُس کے سپرد کردیا۔ میربابا[2] نے حکم دیا کہ اُس کو لاہور کے راستہ دہلی لے جایا جائے۔

بدنصیب داراشکوہ دہلی میں | الغرض جب بدنصیب داراشکوہ دہلی کے قریب پہنچا تو

---

[1] داراشکوہ کو جب داور میں ملک جیون کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو اس کا بڑا سبب ایک یہ بھی تھا کہ جب داراشکوہ اس نواح میں پہنچا تو ملک جیون کی اکثر عرضیاں اس کے پاس باظہار تابعداری وحقوق جاں بخشی کی یاددہانی کے سلسلہ میں آئی تھیں۔ س م ح

[2] اس سے پہلے حاشیہ میں لکھا جاچکا ہے کہ شیخ میربابا جس کو مصنف جابجا میربابا لکھتا ہے داراشکوہ کے مقابلہ میں بمقام اجمیر اس سے پہلے ہی مارا جاچکا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب نے اپنے اہل دربار سے اس امر میں مشورہ کیا کہ قلعہ گوالیار میں بھیجنے سے پہلے اُسے تشہیر کرانا چاہیئے یا نہیں؟ پس بعض کی تو رائے یہ تھی کہ ایسی حرکت مناسب نہیں۔ کیونکہ اول تو ایسا امر خاندانِ شاہی کی عزت کے برخلاف ہے۔ دوسرے اس میں شورش اور فساد کے ہو جانے کا احتمال ہے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ لوگ اُسے چھڑا لیں۔ لیکن اکثر کی یہ رائے ہوئی کہ نہیں ضرور تشہیر کرانا چاہیئے تاکہ لوگوں کو خوف اور عبرت ہو اور اُن کے دل پر بادشاہ کی شوکت اور دبدبہ کا نقش ثبت ہو جائے۔ اور بعض اُمرا اور لوگوں کو جو اُس کے گرفتار ہو جانے کے باب میں اب تک شبہ ہے وہ رفع ہو جائے اور اُس کے مخفی جانب داروں کی امیدیں بھی ٹوٹ جائیں۔ چنانچہ اورنگ زیب نے بھی اسی رائے کو مناسب جانا اور تشہیر کا حکم دیا پس یہ بدنصیب قیدی اور اُس کا بیٹا سپہر شکوہ دونوں ایک ہی ہاتھی پر برابر بٹھائے گئے اور جلاد کی جگہ بہادر خاں کو پیچھے بٹھایا گیا اور تشہیر کیا گیا۔[1]

---

[1] عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے گجرات کو جاتے ہوئے ایسی کڑی منزلیں کی تھیں کہ آٹھ دن کے عرصہ میں احمد آباد کے قریب پہنچ گیا تھا۔ مگر چونکہ اُس کی شکست کی خبر سُن لینے کی وجہ سے سردار خاں نامی ایک منصب دار نے اُس کے مقرر کئے ہوئے حاکم سید احمد بخاری کو گرفتار کر لیا اور مقابلہ کے لئے تیار ہو بیٹھا تو اُس کو بنا چاری کانہہ جی نامی کولی سے جو بقول صاحب سیر المتاخرین رہزنوں کا سرغنہ اور احمد آباد کے نزدیک ہی کا رہنے والا تھا ملتجی ہونا پڑا۔ اور اُس نے یہ آدمیت کی کہ ساتھ ہو کر کچھ کے راجہ کے ملک میں پہنچا دیا۔ مگر وہاں کے راجہ نے جو پہلے اس قدر اطاعت سے پیش آیا تھا کہ اپنی لڑکی بھی سپہر شکوہ سے منسوب کر دی تھی ایسی رُکھائی دِکھائی کہ ملاقات تک کو نہ آیا اور فیروز خان میواتی بھی کھسک کر اورنگ زیب کے پاس چل دیا تو وہ صرف دو روز وہاں ٹھیر کر بھکر کی طرف چلا گیا اور دریائے سندھ سے اُتر کر ایک سرحدی رئیس کے علاقہ میں جس کو عالمگیر نامہ کے نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں علی اختلاف النسخ "ولایت چاند خاں یا چاندیاں" لکھا ہے جا پہنچا جہاں کے لوگوں نے اس کو خوب لوٹا کھسوٹا اور پکڑ لینے کے درپے ہوئے لیکن ابھی اس کے پاس کچھ جمعیت باقی تھی اس لئے لڑتا بھڑتا ایک اور سرحدی سردار کے علاقہ میں جس کو "ولایت مکسیاں" کے نام سے لکھا ہے جہاں سے قندہار دس بارہ منزل تھا جا داخل ہوا۔ اور "میر رائے مکسی" وہاں کا رئیس استقبال کر کے اپنے ہاں لے گیا۔ اور بہت خاطر داری کی۔ اور ساتھ ہو کر قندہار پہنچا دینے کا ذمہ دار ہوا۔ مگر دارا شکوہ نے بدقسمتی سے ملک جیون رئیس دادر کو جو جیکب آباد سندھ کی چھاؤنی سے پرے مقام سیبی کے نزدیک درہ بولان کے راستہ پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مگر یہ وہ سراندیپ یا پیگو کا ہاتھی نہ تھا جس پر دارا شکوہ ایک نہایت عمدہ اور زرق برق عماری میں سواری کیا کرتا تھا اور اس پر زرین جھول اور سونے کا ساز پڑا ہوا ہوتا تھا۔ بلکہ ایک نہایت ہی سڑیل اور میلا کچیلا جانور تھا اور خود اُس کے گلے میں بھی اب نہ وہ بڑے بڑے موتیوں کی مالا ہی تھی جو ہندوستان کے بادشاہ اور شاہزادے پہنا کرتے ہیں اور نہ وہ مکلف اور عمدہ پگڑی اور قبائے زربفت ہی۔ بلکہ باپ بیٹا دونوں میلے اور موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور ایک کشمیری ادنی کپڑے کا بہت حقیر سا عمامہ جو ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے پہننے میں آتا ہے سر پر تھا۔ غرضکہ اس حال سے تمام شہر اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ اور بار بار مجھ کو یہ وہم ہوتا تھا کہ غالباً اب یہاں کچھ کشت و خون ہو جائے گا۔ اور سخت متعجب تھا کہ ایسے شاہزادے کے لئے جس کو عوام الناس نہایت عزیز جانتے ہیں ایسی بے عزتی تجویز کرنے کی جرأت اہلِ دربار کو کیوں کر ہوئی۔ اور حفاظت کے لئے کچھ مسلح فوج ساتھ نہ دیکھکر اور بھی تعجب ہوتا تھا خصوصاً اس حالت میں کہ اورنگ زیب کی ناشائستہ اور خلاف انسانیت حرکتوں سے سب لوگ کچھ عرصہ سے بالکل ناراض تھے۔ یعنی اول باپ اور بیٹے (محمد سلطان) اور پھر بھائی (مراد بخش) کو قید کر لینے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں نہایت نفرت اور بیزاری پیدا ہو گئی تھی۔

یہ نامعقول تماشہ دیکھنے کے لئے ایک بھیڑ جمع ہو گئی تھی اور لوگ جا بجا رو رہے تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ واقع ہے) جان بخشی کے احسانوں کا ممنون اور خیر خواہ سمجھ کر لکھ بھیجا تھا کہ میں چند روز تیرے ہاں ٹھہر کر آرام لوں گا اس لئے اُس نے ایوب نامی اپنے ایک معتمد کو اس کے لینے کو سرحد پر بھیج دیا۔ اور ایک کوس تک خود استقبال کر کے اپنے ہاں لے گیا۔ چنانچہ یہ اپنی بیگم کی نعش ساتھ لئے ہوئے جو سل کی بیماری سے مر گئی تھی۔ اُس کے گھر پہنچا اور چونکہ اُس نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو میاں بدخشی کے مزار واقع لاہور میں جن کو دارا شکوہ اپنا پیر سمجھتا تھا دفن کرنا۔ ملک جیون کی وفاداری کے بھروسہ پر اپنے بہادر اور وفادار نوجوان سردار گل محمد اور معقول نامی خواجہ سرا اور اُن ستر جان نثار سواروں کو جو تمام فوج سے اب صرف وہی باقی رہ گئے تھے بیگم کی نعش کے ساتھ لاہور کو بھیج دیا۔ اور آپ صرف چند خدمت گاروں اور خواجہ سرا کو پاس رکھکر قندھار جانیکے ارادہ سے وہاں ٹھہر گیا۔ مگر ملک جیون نے یہ پاجی پن کیا کہ انتیسویں رمضان ۱۰۶۹ھ کو قندھار کی راہ میں گھیر کر گرفتار کر لیا اور باقر خاں فوج دار بہکر اور بہادر خاں اور راجہ جے سنگھ کو جو اُس کے تعاقب میں بہکر کے قریب پہنچ گئے تھے لکھ بھیجا اور بہادر خاں نے ملک سندھ کی گرمی اور باد سموم کے باوجود ایغار کرتے ہوئے دادو پہنچکر اُسے اپنی تحویل میں لے لیا اور اپنے اور جے سنگھ کے لشکر میں جو اس وقت بہکر کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لے آیا۔ س م ت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور داراشکوہ کی بدقسمتی پر ترس کھا رہے تھے چنانچہ میں بھی شہر کے سب سے بڑے بازار میں ایک اچھے موقعہ پر معہ اپنے دو رفیقوں اور دو خدمت گاروں کے عمدہ گھوڑے پر چڑھا کھڑا تھا۔ اور ہر طرف سے رونے اور چلانے کی آواز آرہی تھی۔ اور عورتیں اور مرد اور بچے اس طرح چلا چلا کر رو رہے تھے کہ گویا اُن پر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑی ہے۔ اور جیون خاں گھوڑے پر سوار بدنصیب داراشکوہ کے برابر جاتا تھا اور چاروں طرف سے اُس پر گالیوں اور لعن طعن کی بوچھاڑیں پڑ رہی تھیں بلکہ کئی ایک فقیروں اور غریب آدمیوں نے تو اس پاجی پٹھان پر پتھر بھی پھینکے۔ لیکن پیارے اور عزیز شاہزادے کے چھڑا لینے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

داراشکوہ کا قتل جب یہ نازیبا سواری شہر میں گشت کر چکی تو بیچارہ قیدی اُسی کے ایک باغ میں جس کا نام حیدر آباد[1] ہے قید کیا گیا۔ مگر اُس کی تشہیر کی ناشایستہ حرکت کا جو اثر عام خلائق کے دل پر ہوا اور لوگ جیون خاں پر جس قدر غضبناک ہوئے۔ اور اُس کو پتھر مار مار کر مار ڈالنا چاہا۔ اور شورش اور بلوائے عام ہو جانے کا اندیشہ ہوا وہ اورنگ زیب نے جلد سُن لیا۔ اور اس لئے پھر ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اور اس امر میں مشورہ ہوا کہ پہلی تجویز کے موافق گوالیار بھیج دینا چاہیئے یا فوراً قتل کر ڈالنا بہتر ہے۔ پس بعض کی رائے تو تھی کہ قتل کی کوئی ایسی ضرورت نہیں۔ اور گوالیار بھیج دینے میں بشرطیکہ حفاظت کے لئے کافی جمعیت ساتھ ہو کوئی اندیشہ نہیں۔ چنانچہ دانشمند خاں نے باوجود اُس نااتفاقی کے جو داراشکوہ کے ساتھ چلی آتی تھی بڑے اصرار اور بہت سے دلائل کے ساتھ اُس کے گوالیار بھیج دینے ہی پر زور دیا مگر آخرکار اتفاق رائے اسی پر ہوا کہ اس کو قتل کیا جائے اور سپہر شکوہ کو گوالیار

---

[1] صحیح نام خضر آباد ہے۔ یہ جگہ دہلی اور آگرہ کی درمیانی شاہراہ پر واقع تھی۔ کتاب آثار الصنادید مصنفہ سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی اور آرچیولاجی آف دہلی مصنفہ مسٹر کارمیٹیفن صاحب بہادر سے جو اُس کے بعد لکھی گئی ہے اصلیت اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ خضر خاں سید بادشاہ دہلی نے جو ۱۴۱۴ء سے ۱۴۲۱ء تک بادشاہ رہا تھا اُس جگہ سے جہاں ہمایوں کا مقبرہ ہے۔ قریب دو میل جنوب مشرق کی طرف جمنا کے کنارے اس نام کا ایک شہر آباد کرنا چاہا تھا۔ مگر اب اس کا کوئی نشان بجز ایک ٹوٹے ہوئے مقبرہ کے جو عوام میں "خضر کی گمٹی" کے نام سے مشہور ہے باقی نہیں ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھیج دیا جائے۔ اس موقعہ پر روشن آرا بیگم نے بھی وہ دلی عداوت جو اُس کو اپنے اس بے بس بھائی تھی۔ نہایت شدت سے ظاہر کی۔ چنانچہ دانشمند خاں کی رائے کو برابر رد کرتی اور اورنگ زیب کو اس بے رحمانہ اور خلاف انسانیت قتل کے لئے اُبھارتی رہی اور خلیل اللہ خاں اور شائستہ خاں جو دونوں داراشکوہ کے قدیمی دشمن تھے یہ بھی اُسی کی رائے کی تائید کرتے تھے اور تقرب خاں جس کا نام حکیم داؤد تھا اور کسی الزام کی وجہ سے ایران سے بھاگ کر یہاں آگیا تھا۔ اور جو ابتدا میں صرف ایک طبیب تھا اور اُمرا کے دسترخوانوں پر خوشامدی ٹکڑے کھایا کرتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں سے امارت کے درجہ کو پہنچا تھا۔ پوری طرح ان کا ہم داستان تھا۔ چنانچہ اس نے اس مجلس میں سب سے بڑھ کر سخت زبانی کی اور بڑے دعوے کے ساتھ یہ الفاظ منہ سے نکالے کہ

"داراشکوہ کو زندہ چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں اور سلطنت کی سلامتی اور حفاظت اسی میں ہے کہ فوراً گردن ماردی جائے اور مجھے تو اُس کے قتل کی صلاح دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیونکہ وہ علانیہ بے دین اور کافر اور مرتد ہے۔ اور اگر ایسے شخص کے قتل سے کچھ گناہ عائد ہو تو میری گردن پر"

چنانچہ انتقام الٰہی ملاحظہ کیجئے کہ جیسا اس کے منہ سے نکلا تھا فی الواقع ویسا ہی ہوا یعنی یہ خون ناحق اسی کے سر پڑا اور جلد بے عزت اور ذلیل ہو کر آخر کار بڑے عذاب سے مارا گیا۔[1]

القصہ اس ناشائستہ اور نہایت بے رحمانہ قتل کے لئے نذیر[2] نامی ایک غلام جو

---

[1] کتاب عمل صالح میں لکھا ہے کہ حکیم داؤد ابن حکیم عنایت اللہ شاہ عباس صفوی بادشاہ ایران کا طبیب خاص اور اس کا مقرب تھا۔ مگر جب شاہ کا انتقال ہو گیا تو کچھ دنوں خانہ نشین رہ کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو چلا گیا اور پھر وہاں سے لاہری بندر واقعہ ملک سندھ کی راہ سے شاہجہاں کے سترھویں سال جلوس مطابق ۱۰۵۳ھ ہجری میں یہاں چلا آیا۔ فن طبابت میں کامل ہونے کی وجہ سے فتہ رفتہ یہاں تک تقرب حاصل کیا کہ پنج ہزاری کا منصب اور تقرب خاں کا خطاب پایا۔ مگر اس کے بے عزت اور ذلیل ہو کر قتل ہونے کا حال جیسا کہ مصنف نے متن میں لکھا ہے باوصف تلاش ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا۔ س۔ م۔ ح

[2] فارسی کتابوں میں نذیر بیگ چیلہ لکھا ہے۔ اور واضح ہو کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد میں کئی ہزار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہجہاں کا پروردہ اور کسی بدسلوکی کے باعث داراشکوہ سے رنجیدہ تھا مقرر ہوا۔ چنانچہ زہر دیدینے کے اندیشہ سے وہ اور سپہر شکوہ اپنے ہاتھ سے بیٹھے دال پکا رہے تھے کہ یکایک یہ چار اور بدذاتوں کو ساتھ لئے ہوئے پہنچا جنھیں دیکھکر داراشکوہ نے سپہر شکوہ کو پکار کر کہا کہ لو بیٹا! "ہمارے قاتل آپہنچے" اور یہ کہکر اُس نے باورچی خانے کی ایک چھوٹی سی چھری اُٹھالی کیونکہ کوئی اور ہتھیار پاس نہ تھا۔ مگر ان جلادوں میں سے ایک نے تو سپہر شکوہ کو قابو کرلیا اور باقی اس کو لپٹ گئے اور زمین پر گراکر تین نے پکڑے رکھا اور نذیر نے سر کاٹ لیا! اور فوراً اورنگ زیب کے پاس لے گیا! اور اُس نے ایک طشت میں رکھواکر چہرہ کا خون دھلوایا! اور جب دیکھ لیا کہ حقیقت میں اُسی کا سر ہے تو آنکھوں سے آنسو نکال کر بولا "اے بدبخت" اور پھر کہا کہ اچھا اس دردانگیز صورت کو میرے سامنے سے جلدی جاکر ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کردو۔ اب داراشکوہ کے کنبہ کا حال سنئے کہ اُس کی بیٹی تو اُسی رات کو محل میں بھیج دی گئی جو کچھ دنوں بعد شاہجہاں اور بیگم صاحب کی التجا سے اُن کے سپرد کردی گئی۔ اور اُس کی بیگم نے پہلے ہی یہ سوچ کر کہ ہم پر کیسی آفتیں پڑنے والی ہیں راستہ ہی میں بمقام لاہور اپنی زندگی کا خاتمہ زہر سے کرلیا تھا؛ رہا سپہر شکوہ سو اُسے گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا گیا[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ غلاموں کو جن کو "بندہ ہائے پادشاہی" کہا جاتا تھا آزاد کرکے چیلہ کا لقب دیدیا تھا اور اُس کا قول تھا کہ خدا کے بندوں کو اپنا بندہ کہنا مناسب وشایاں نہیں ہے۔ اور غالباً لفظ چیلہ اس لئے اختیار کیا گیا ہوگا کہ اس زمانہ میں ان بادشاہوں کو تحریر و تقریر میں اکثر پیر و مرشد کہا جاتا تھا۔ س م ح

[1] داراشکوہ کی بیگم کا دادر کے قریب پہنچ کر سل کی بیماری سے مرنا پہلے لکھا گیا ہے زہر کھاکر مرنا صحیح نہیں ہے اور اب داراشکوہ کی تشہیر اور قتل کا حال جس طرح عالمگیرنامہ اور سیرالمتاخرین میں لکھا ہے اُس کا اس جگہ تحریر کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ عالمگیرنامہ کا بیان اس واقعہ کے جزئیات اور اورنگ زیب کے دلی خیالات کی نسبت کسی قدر رُکا رُکا ہے اس لئے سیرالمتاخرین کی عبارت جو واضح تر ہے اور جس کا بڑا ماخذ تاریخ خافی خان اور تاریخ مراۃ العالم ہے جو اورنگ زیب کے ایک بڑے معتمد خواجہ سراالمختار خاں کی تصنیف ہے یہاں بعینہٖ نقل کی جانی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے وہو ہذا۔ "ہمدریں ایام بہادر خاں کہ داراشکوہ را با سپہر شکوہ از نختیار خاں (ملک جیون) گرفتہ تقید بسلاسل بآئین ناسزا حسب الامر آقامی آورد بنظاہر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ دارالخلافہ رسید نذیر بیگ چیلہ از فرط خوشی معین شد کہ پیش رفتہ داراشکوہ را بصورتیکہ عالمگیری خواہست دیدہ بیاید۔ شانزدہم ذی الحجہ چیلۂ مذکور برگشتہ دولت زمین بوس دریافت و حقیقت حال آں بیچارہ باز نمودہ باز مرخص شد و سہ شنبہ ہفت دہم ذی الحجہ حکم فرمود کہ داراشکوہ را مسلسل با پسرش در حوضۂ سرکشادہ بر ہ فیل نشانیدہ بیارند و نذیر بیگ چیلہ در عقب فیل نشستہ باشد و بہادر خان با فواج ہمراہ گشتہ داخل شہر سازند و از میان شہر و بازار یہ دلی کہنہ بہ خضر آباد رسانند و در جائے محفوظے در عمارات خواص پورۂ آں کہ برائے بودنش قرار یافتہ نگاہدارند و بموجب حکم بہ عمل آمد۔ روز دوم کہ بختیار خاں داخل شہر شد بعضے از نوکران شاہجہاں آں تیرہ کار را دیدہ از خود در رفتند و بازاریاں شہر نیز از عمل او نفرت نمودہ بشوریدند و بے اختیار بر سراو و افاغنۂ ہمراہش ریختہ بزیر چوب و سنگ گرفتند تا آنکہ چند کس ازاں سیاہ رویاں انپائے در آمدند و برخے مجروح و خستہ و سر و گرون شکستہ گشتند و نزدیک بود کہ فتنۂ عظیمی بلند شود۔ کوتوال شہر با جمعیتِ خود رسیدہ آشوب را فرو نشانید و بختیار را با ہمراہیانش بہ قلعہ رسانید پادشاہ حق پرست! معدلت کیش! از علمائے مذہب خویش فتویٰ طلبید۔ علمائے سُو حکم نمودند کہ خوں چنیں ملحد کہ (در رسائل نوشتہ خود کفر و اسلام را برابر قوام خواندہ و گفتہ است "کفر و اسلام در ریش پویاں ۔ وحدہٗ لاشریک لہ گویاں") وکسانیکہ خوبی او بر خلاف رضائے خلیفہ خواہند درست است: بادشاہ دین پرور! حق شناس! استحکام اساس سلطنت خود در قتل آں بیچارۂ سراسریاس دیدہ حکم بقتل او و دست دارانش کہ بر سر بختیار خاں ریختہ بودند داد و داراشکوہ آخر روز چہار شنبہ بست و یکم ذی الحجہ مطابق ہژدہم شہریور (آسوج) مقتول گشت دلاش او را بعد تشہیر در مقبرہ ہمایوں دفن کردند و سپہر شکوہ را برہ در قلعہ گوالیار محبوس داشتند و بعضے از احدیان پادشاہی کہ بادیِ فتنہ و شورش بر بختیار خاں شدہ بودند در پیش گاہ عدالت رسیدہ حسب الامر علمائے دیندار! از قید دنیائے ناپائیدار رہائی یافتند۔

اور عالمگیر نامہ میں یہ عبارت زیادہ لکھی ہے "آخر روز چہار شنبہ بست و یکم ماہ مذکور مطابق ہژدہم شہریور کہ ہماں روز قضیۂ او باشان شہر رو دادہ بود فرمانِ قہرمانِ جلال صادر شد کہ آں خیم العاقبت۔ (داراشکوہ) را در خضر آباد از قید ہستی برآرند و باہتمام سیف خاں و نذیر جنگ چیلہ و چندے دیگر از چیلہ ہائے معتمد اوایلِ شب پنجشنبہ ۱۰۶۹ ہجری چراغ زندگی او خاموش شدہ بہ نہاں خانۂ عدم شتافت و باشارۂ معلیٰ پیکر فتنہ سرشتِ پرشور و شرش را بمقبرۂ حضرت جنت آشیانی ہمایوں پادشاہ نقل کردہ در تہ خانہ کہ زیر گنبد مرقد آنحضرت است و شاہزادۂ دانیال و شاہزادہ مراد پسران حضرت عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر آنجا مدفون اند دفن نمودند۔ و روز دیگر زمان جہاں مطاع بنفاذ پیوست کہ سیف خاں سپہر شکوہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ، را بقلعہ گوالیار رسانیدہ بجا رسانِ آن حصنِ عالی اساس سپارد و بمستقر الخلافہ اکبر آباد معاودت نمودہ بہ صوبہ داری آنجا از تغیر مخلص خاں کہ بہ بنگالہ تعین یافتہ بود قیام نماید بست و سوم راجہ جے سنگھ کہ از بہادر خاں در عقب ماندہ بود رجو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بدنامی کے موقعہ سے دانستہ بچ جاتا تھا) جمدساحتے تتبہ سپہر آمد اگشت و ملک جیون کہ قبل ازیں منصب ہزاری و دو صد سوار و خطاب نجابت خانی کامیاب عنایت شدہ بود باضافہ صد سوار و مرحمت خلعت و خنجر مرصع و اسپ عربی بازیں و ساز مطلا و یک زنجیر فیل باساز مینا کار مشمولِ مراحم گوناگوں گردید و چوں حکم جلیل القدر از پیش گاہ معدلت بہ تحقیق منشائے قضیہ شعور انگیزی او باشناں شہر کہ نسبت با افغانان اوروئے نمود صادر شدہ بود بعد از تحقیق و تفحص بہ ثبوت پیوست کہ ہیبت نام فتنہ جوئے از خیل احدیانِ پادشاہی بادے ایں جرأت و محرک سلسلہ فساد بودہ است لہذا شحنہ شہر او را گرفتہ بہ پیش گاہ عدالت حاضر ساختہ و ازیں جہت کہ منشائے ایں قسم جسارتے شدہ باعث ہلاک جمعی از مسلمانان گشتہ بود مورد انظار قہر و عتاب بادشاہانہ گردیدہ حکم شد کہ او را بیاسا رسانند۔"

صاحب عالمگیر نامہ بے دارا شکوہ کی تشہیر کی وجہ تو اگرچہ صاف صاف لکھدی ہے کہ "تا ہمگی خلائق آں رمیدہ بخت را بے شائبہ شک و ریب برای العین مشاہدہ نمایند و می بعد ژاژ خایان بیہودہ گو و واقعہ طلبان فتنہ جو را جائے سخنان لاطائل و مجال تصورات باطل نماند و در حدود و اطراف مملکت او باشاں را بہانہ و فساد و دستاویز شورش بہم نرسد و بموجب حکم جلالت اثر آں سیہ روز برگشتہ اختر را با پسرش بہ یک حوضہ فیل نشانیدہ آشکارا براہ بازار داخل شہر کردند و از پائے قلعہ مبارکہ گذرانیدہ بنوعے کہ ہمہ کس دیدند واحدے را در وجود بے سود او شک و شبہ نماند بشہر کہنہ بردند۔"

مگر اس کتاب میں ہاتھی پر ڈال کر اس کی نعش کی تشہیر کا ذکر جس کو صاحب سیر المتاخرین نے بہت وضاحت سے اور بہ تکرار لکھا ہے تحریر نہیں کیا۔ اور تاریخ عمل صالح میں لکھا ہے کہ

"دارا شکوہ کو نیلا لباس پہنا کر دہلی میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اُسی لباس سے دفن کیا گیا۔"

چونکہ اس شاہزادہ کی پیدائش ۱۰۲۴ھ کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پینتالیس برس کی عمر میں قتل کیا گیا۔

س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جیون خاں کا قتل

ان دردناک واقعات کے بعد جیون خاں فوراً حضور میں بلایا گیا اور اسے انعامات دے کر دہلی سے رخصت کیا گیا۔ لیکن یہ شخص بھی اپنی بدکرداری کا نتیجہ پائے بغیر نہ رہا۔ یعنی جب کہ وہ دہلی سے واپس ہو کر ایسی جگہ پہنچ گیا تھا کہ جہاں سے اُس کا علاقہ دس بارہ ہی کوس کے فاصلہ پر تھا تو چند آدمیوں نے جو پہلے سے ایک جنگل کے اندر گھات میں لگے ہوئے تھے اُسے مار ڈالا ــــ

افسوس! اس جنگلی شخص نے یہ نہ سوچا کہ اگرچہ ظالم لوگ اپنی مطلب براری کے لئے بڑے سے بڑے گناہوں کی نسبت بھی بظاہر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن دل میں اُس کے عمل میں لانے والوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں اور جب مطلب نکل آتا ہے تو اُن کے اعمال کی سزا دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کیا کرتے۔

داراشکوہ کے قتل سے کچھ عرصہ پہلے اُس سے اس بہادر اور وفادار خواجہ سرا کے نام جو اس کی طرف سے ٹھٹھہ میں لڑ رہا تھا جبراً اس مضمون کا ایک حکم نامہ حاصل کر لیا گیا تھا کہ فوراً قلعہ حوالہ کر دے۔ لیکن اُس نے کچھ جلدی نہ کی بلکہ اس بات پر اڑا رہا کہ قلعہ کے خالی کرنے سے پہلے حفظ عزت وغیرہ کی چند معقول شرطیں دی جائیں۔ جن کو میر بابا نے دغابازی اور بے ایمانی سے بلا قصد ایفا بہت خوشی سے قبول کر لیا اور شہر میں داخل ہو گیا مگر جب اپنے تھوڑے سے بہادر رفیقوں کے ساتھ یہ نمک حلال شخص لاہور میں آیا تو خلیل اللہ خاں نے جو اس وقت یہاں کا صوبہ دار تھا نہایت بُری طرح سے سب کو تہِ تیغ کر ڈالا۔ اس ظالمانہ فعل کا سبب یہ تھا کہ اگرچہ بظاہر یہی کہتا تھا کہ ہم یہاں سے دہلی کو جائیں گے (کیونکہ اورنگ زیب اس کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے اُسے دیکھنا چاہتا تھا) لیکن اصلی ارادہ یہ تھا کہ ہمراہیوں سمیت سری نگر پہنچ کر سلیمان شکوہ سے جا ملے۔ اس کے رفیقوں میں بہت سے اہل فرنگ بھی تھے جن کو معہ اپنے اور رفقا کے اُس نے بہت سے انعام واکرام دیئے تھے۔

سلیمان شکوہ کی گرفتار

داراشکوہ کے خاندان میں اب صرف سلیمان شکوہ باقی رہ گیا تھا اور اگر راجہ کو اپنے وفائے عہد اور ایمان داری کا خیال ہوتا تو اُس کا سری نگر سے نکالنا آسان نہ تھا۔ لیکن جے سنگھ کے منصوبوں اور اورنگ زیب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے وعدوں اور دھمکیوں اور دارا شکوہ کے قتل۔ اور قرب وجوار کے راجاؤں کی جنگی تیاریوں نے اس چھوٹے دل کے راجہ کو آخر کار ڈرا دیا چنانچہ جب سلیمان شکوہ یہ دیکھکر کہ یہاں اب کچھ بھروسہ نہیں ہے باوجود اس کے کہ راستہ ایک ایسے بے ڈھب اور بے موقعہ ملک میں تھا جہاں سوائے ویران پہاڑوں کے کچھ نہ تھا تو تبت کی طرف چلے جانے کے قصد سے نکل بھاگا لیکن راجہ کے بیٹے نے پیچھا کرکے آن لیا اور زخمی کرکے گرفتار کرلیا۔ بعد میں اسے دہلی پہنچا دیا گیا۔ اور قلعہ سلیم گڈھ میں جہاں پہلے سے مراد بخش قید تھا قید کیا گیا[1] اور اورنگ زیب نے تصدیق کی غرض سے جس طرح دربار میں دارا شکوہ کا سر منگوایا تھا اُسی طرح اور اُسی غرض سے سلیمان شکوہ کے لئے حکم دیا کہ دربار کے وقت تمام امرا کی موجودگی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ میں بھی اس نازیبا تماشے کے دیکھنے کو گیا تھا اور جس شوق اور تعجب سے میں نے اُسے دیکھا اُس کا بیان کرنا دشوار ہے۔ یعنی دربار میں لانے سے پہلے بیڑی تو نکال دی گئی تھی لیکن ہتھکڑی جس پر سنہری ملمع کیا ہوا تھا بدستور موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس سرو قد اور نہایت حسین وجمیل جوان کو دیکھکر اکثر اہل دربار کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور وہ بیگمیں بھی جن کو دیوار کی جالیوں میں سے دیکھ لینے کی اجازت دی گئی

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ سلیمان شکوہ کا قابو میں آجانا بحسب ظاہر ایک "امر بدیع" تھا۔ لیکن بادشاہ کی خوش اقبالی سے یہ مشکل یوں حل ہوگئی کہ سری نگر کا راجہ اپنے ملک کی تباہی کے اندیشہ سے کیونکہ ترتیب خاں۔ رحمداد خاں وغیرہ کئی امیر اُس کی تسخیر کے لئے مامور تھے راجہ جے سنگھ کی معرفت سلیمان شکوہ کے سپرد کردینے کا وعدہ کرکے معافی کا خواستگار ہوا۔ اور بادشاہ نے سلیمان شکوہ کے لانے کے لئے جے سنگھ کے بیٹے کنور رام سنگھ کو سری نگر روانہ کردیا۔ چنانچہ اُس نے رام سنگھ کے پہنچنے کی خبر سنکر سلیمان شکوہ کو گرفتار کرلینے کے لئے جہاں وہ رہتا تھا اپنے آدمی بھیج دے۔ شاہزادہ مقابلے پر آیا اور اُس کا کوکہ محمد شاہ (جس کا نام بعض نسخوں میں محمد شاہ اور بعض میں محمد شاکر لکھا ہے) اور کئی اور رفیق خوب بہادری سے لڑکر مارے گئے۔ اور وہ خود گرفتار ہوگیا۔ اور پانچویں جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۷۰ھ کو راجہ پرتھی سنگھ نے اپنے بیٹے مہیندر سنگھ کے ساتھ رام سنگھ اور تربیت خاں اور رحمداد خاں کے پاس پہاڑ سے نیچے بھیج دیا اس خبر کے آنے پر دربار میں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور راجہ جے سنگھ کا بہت اعزاز واکرام ہوا اور جب مذکورہ بالا امرا اُس کو دہلی میں لے کر آئے تو شاہزادہ محمد سلطان کے پاس قلعہ سلیم گڈھ میں قید کیا گیا۔

س ام ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی بہت ہی غمگین ہوتیں۔ بلکہ اورنگ زیب نے بھی بھتیجے کی بدبختی پر افسوس کیا۔ اور ظاہرا شفقت سے بولا کہ

"خدا پر نظر رکھو اور مطمئن رہو کہ تم کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا اور مہربانی کی جائے گی۔ اور تمہارا باپ تو صرف اس وجہ سے قتل ہوا ہے کہ وہ کافر اور لامذہب ہو گیا تھا"

اس پر شاہزادہ نے تسلیمات کی یعنی ہندوستان کی رسم کے موافق ادائے شکر کی علامت کے طور پر تا بمقدور جھک کر اپنے دونوں ہاتھ سر تک لایا۔ اور اس کے بعد بڑے استقلال سے یہ عرض کیا کہ

"اگر حضور کا یہ منشا ہو کہ مجھے پوست پلائے جایا کریں تو بہتر ہے کہ ابھی قتل کرا دیا جاؤں!"

جس کے جواب میں اورنگ زیب نے بطور مستحکم وعدہ کے پکار کر کہا کہ:۔

"نہیں تم کو پوست ہرگز نہیں پلائے جائیں گے بالکل اطمینان رکھو"

جس پر اہلِ دربار کے کہنے سے اُس نے دوبارہ تسلیمات کی۔ اور اس کے بعد جب بادشاہ کی خواہش کے موافق اُس ہاتھی کے معاملہ میں چند باتیں پوچھ لی گئیں جس پر اشرفیاں لدی ہوئی تھیں اور سری نگر جانے کے وقت اُس سے چھن گیا تھا تو اُس کو دیوانِ عام سے لے گئے اور اگلے روز گوالیار کو روانہ کر دیا۔

پوست پلانے کا راز "پوست" سے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا یہ مراد ہے کہ خشخاش کے چھلکے کو پانی میں بھگو کر اور مَل کر نچوڑ لیا جاتا ہے۔ اور ایک بڑا سا پیالہ بھر کر ہر روز نہار منہ اُن شہزادوں کو پلایا جاتا ہے۔ جو اس وجہ سے گوالیار کے قلعہ میں قید کئے جاتے ہیں کہ اُن کا علانیہ سر کٹوا دینا بادشاہ خلاف مصلحت جانتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ تا وقتیکہ اُسے نہ پی لیں اُن کو کھانا نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ یہ پوستوں کا عرق اِن بیچارے قسمت کے مارے مظلوموں کو رفتہ رفتہ بالکل نچوڑ ڈالتا اور عقل و توانائی دونوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور آخرکار گئے گذرے اور حواس باختہ ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس پوست کے پیالہ ہی سے سپہر شکوہ اور مراد بخش کے پوتے اور سلیمان شکوہ کو موت کا کڑوا گھونٹ پلایا گیا تھا[1]

---

[1] کتاب عمل صالح میں بھی سلیمان شکوہ کی وفات کی نسبت اسی مضمون مندرجۂ متن کی تائید پائی جاتی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مراد بخش کا قتل

مراد بخش اگرچہ قید تھا لیکن لوگوں کو اُس سے اب بھی بہت محبت تھی۔ اور اُس کی شجاعت اور سپہ سالاری کی تعریف میں شعرا اکثر اشعار اور قصیدے کہا کرتے تھے اس لئے اورنگ زیب کی مصلحت ملکی کا یہ اقتضا ہوا کہ اس کی بھی علی الاعلان گردن ماری جائے۔ تاکہ اُس کے کسی طرف دار کے دل میں یہ اُمید باقی نہ رہے کہ ابھی وہ زندہ ہے۔ اور چونکہ پوست پلا پلاکر مخفی طور پر جان لے لینے سے یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ تدبیر نکالی گئی کہ کوئی الزام قائم کرکے اُس کی سزا کے طور پر علانیہ قتل کرا دیا جائے۔ اور یہ امر کچھ مشکل ہی نہ تھا کہ اس بدنصیب شاہزادہ کی نسبت کوئی الزام پیدا کر لیا یا گھڑ لیا جائے۔ چنانچہ ایک سید کے لڑکے رجن کے باپ کو اُس کے مال و دولت کے لالچ میں مراد نے احمد آباد میں اس وقت مروا ڈالا تھا جب کہ اس لڑائی کے لئے تیاریاں کر رہا تھا) دربار میں استغاثہ کو آن موجود ہوئے جو پکار پکار کر اور دُہائی دے دے کر انصاف مانگتے اور یہ عرض کرتے تھے کہ قصاص کے طور پر اُس کا سر کاٹا جائے۔ اور کسی امیر میں یہ جرأت کہاں تھی کہ ان فریادیوں کو ہٹا سکے۔ کیونکہ ایک تو وہ بے گناہ مقتول سید اولاد رسول تھا جن کی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں۔ دوسرے ہر کسی کو معلوم تھا کہ انصاف کے پردہ میں رقیب کی ہلاکت کے لئے یہ ایک بادشاہی منصوبہ ہے۔ پس مقتول سید کے بیٹوں کا دعویٰ مسموع اور قبول ہوا اور بغیر کسی قسم کی کارروائی اور ضابطۂ عدالت کے فوراً حکم دیا گیا کہ قصاص میں قاتل کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ہے جس کی پیچ دار عبارت بعینہٖ یوں ہے کہ "در شہر شوال ۱۰۷۲ھ در سن سی سالگی سلطان سلیمان شکوہ نیز بسبب محافظان از مطمورۂ زندان بفراخ نائے عالم بقا انتقال نمودہ و باجل طبعی درگذشتہ۔ متصل شاہزادہ مراد بخش مدفون شد" اور مآثر عالمگیری میں بذیل واقعات ۱۰۷۲ھ مطابق سنہ پندرہ جلوس عالمگیری سلطان مراد بخش کے بیٹے ایزد بخش کی نسبت لکھا ہے کہ گوالیار سے بلوا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی مہر النسا بیگم کے ساتھ اُس کا عقد کیا اور محمد سلطان اور سپہر شکوہ کو کہ وہ بھی وہاں سے بُلائے گئے تھے سلیم گڈھ میں رکھنے کا حکم ہوا اور اگلے برس محمد سلطان کا مراد بخش کی بیٹی دوست دار بانو بیگم اور سپہر شکوہ کا خود اورنگ زیب کی بیٹی بدر النسا بیگم سے نکاح کیا گیا اور محمد سلطان کا بارہ ہزار اور سپہر شکوہ کا چھ ہزار اور ایزد بخش کا چار ہزار روپیہ سالانہ گذارہ مقرر ہوا پس جب کہ مراد بخش کے بیٹے ہی کی جان بخشی ہو کر خود اورنگ زیب کی بیٹی سے اُس کا عقد ہو چکا تھا تو پوتے کی نسبت کسی زیادہ بدسلوکی کا گمان جیسا کہ ڈاکٹر برنیر نے کیا ہے درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی کتاب میں میری نظر سے گذرا ہے کہ یہ لڑکا اپنی طبعی موت سے مرا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سر کاٹا جائے اور مستغیث یہ حکم لے کر گوالیار چلتے ہوئے [1]

سلطان شجاع کا فرار اب یہ درد بھری کہانی خاتمہ کے قریب آپہنچی ہے۔ کیونکہ خاندان شاہی میں سے اب صرف سلطان شجاع ہی ایک ایسا شخص باقی رہ گیا تھا جو اورنگ زیب کو دہشت اور فکر میں ڈالے رکھتا تھا۔ اور اب تک بڑی ہمت اور جواں مردی دکھاتا رہا تھا۔ مگر اب اُس نے بھی دیکھ لیا کہ اورنگ زیب کی طاقت اور اقبال کا مقابلہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میر جملہ کے پاس برابر کمک پہنچتی رہتی تھی اور اُس کی فوجوں نے شجاع کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پس جان بچانے کی خاطر ڈھاکہ کو بھاگ گیا جو سمندر کے کنارے بنگالہ کا سب سے اخیر شہر ہے۔ اب یہاں اُس کے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی تھا کہ سمندر پار چلا جائے اور نہ یہ جانتا تھا کہ پناہ کی خاطر کس طرف جائے۔ اس لئے اُس نے اپنے بڑے بیٹے سلطان باقی [2] ملک اراکان [3] رجسے

---

[1] کتاب عمل صالح میں لکھا ہے کہ "پسران علی نقی را کہ مدعی خون پدر بودند ہمراہ خواجہ بہلول بہ گوالیار فرستادہ امر فرمودند کہ بعد از ثبوت شرعی مراد بخش را بقصاص رسانند۔ چوں مدعیاں در آنجا رسیدہ بحضور قاضی گوالیار گفتگو آغاز نہادند شاہزادہ مجیب گشتہ بزبان آورد کہ اگر حضرت خلافت مرتبت پاس عہود و وفائے موعود در نظر داشتہ از خون ایں مرادی گذشتند نقصانے بدولت و سلطنت والا نداشت۔ اگر خواہ نخواہ توجہ اشرف مصروف بریں ست کہ وجود بے بود ایں ضعیف درمیاں نباشد مواجہ باین قسم مردم کم مایہ چہ لطف دارد ہر چہ می خواہند بکنند آنگاہ باشارہ قاضی آخر روز چہار شنبہ بست و یکم ربیع الثانی ۱۰۷۱ھ دو نفر چیلہ بہ دو زخم شمشیر آن شاہزادہ رفیع الشان را از تنگنائے ساحت زندان نجات دادہ جسدش را بقلعہ گوالیار بخاک سپردند" واضح ہو کہ سید علی نقی دیوان گجرات کے قتل کا حال ہم ایک حاشیہ میں مفصل لکھ آئے ہیں۔

[2] سیر المتاخرین میں اس کے بیٹوں کے نام زین الدین و بلند اختر و زین العابدین لکھے ہیں۔ غالباً یہ نام اُس کے بڑے بیٹے زین الدین کا اسم ثانی یعنی عرف ہوگا۔ کیونکہ فارسی تاریخوں سے ظاہر ہے کہ شاہزادہ زین الدین ہی نے اراکان کے راجہ سے پناہ لینے کا بندوبست کیا تھا۔ اور اصل کتاب انگریزی میں اس نام کو جس تہجی سے لکھا ہے اُس کو یا تو باقی پڑھ سکتے ہیں یا بانکے اور کچھ تعجب نہیں ہے کہ وہ سلطان باقی کے دعائیہ نام یا مرزا بانکے کے لاڈلے لقب سے مشہور ہو۔ س م ح

[3] چونکہ فارسی مورخوں نے اس ملک کا نام زخنگ لکھا ہے اور انگریز اراکان کہتے ہیں اس وجہ سے یہ بات تحقیق طلب تھی کہ لفظ اراکان کو بگاڑ کر اُنھوں نے زخنگ بنا لیا تھا یا انگریزوں نے زخنگ کو اراکان بنا دیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اس لئے صاحب کمشنر بہادر اراکان سے اس کے صحیح کر دینے کی استدعا کی گئی تھی ۔ ہم نہایت ممنون ہیں مسٹر جی ڈی برجس صاحب کمشنر اراکان کے کہ انھوں نے محض براہِ اخلاق و علم دوستی نہایت ہی عمدہ اور محققانہ جواب بھیجا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اس ملک کا نام اراکانیوں کے تلفظ کے موافق دراصل راکینگ ہے اور برہما والے اس کو حرف رے کی جگہ یے کے ساتھ یاکینگ کہتے ہیں ۔ اور لفظ اراکان انگریزوں کا اختراع ہے ۔ اور سر آرتھر فیر نے اپنے مسودہ تاریخ اراکان مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں اور اپنی تاریخ برہما مطبوعہ ۱۸۸۳ء کے پانچویں باب میں لفظ راکینگ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ لفظ راکینگ (یعنی راکچھس کا بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پالی زبان کے لفظ یاکھا سے نکلا ہے جس کے معنی ایسے آدم خور دیو کے ہیں جو نصف حیوان اور نصف انسان ہو اور جس زمانہ میں بدھ مذہب کے واعظ ہندوستان سے اس ملک میں پہنچے تو انھوں نے اس ملک کا نام یاکھ پورہ (یعنی راکچھس پورہ) رکھدیا ۔ یا تو اسی وجہ سے کہ انھوں نے وہاں پہنچ کر یہ روایتیں سنی ہوں گی کہ قدیم زمانہ میں ایسے دیو سیرت لوگ وہاں رہتے تھے جو ملک کو تباہ اور برباد کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ انھوں نے میام ماقوم کے لوگوں کو بھوتوں اور دیووں کی پرستش کرتے دیکھا ہوگا ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آدم خور دیووں کے وجود کی نسبت یہ روایتیں اس طرح پیدا ہوئی ہوں کہ جب میام ماقوم کے لوگ اراکان میں پہلے پہل دخیل ہوئے تو اُس وقت اس ملک کے وحشی خصال باشندوں کی عادتوں کی نسبت اُنھوں نے مبالغہ آمیز باتیں سنی ہوں" سر آرتھر فیر صاحب کے اِن اقوال کو نقل کر کے مسٹر برجس بطور اپنی رائے کے یہ لکھتے ہیں کہ "اس ملک کے نام راکھینگ کو لفظ راکھشا یا ۔ یاکھش سے مشتق سمجھنا ایک قیاسی بات ہے ۔ اور اراکان کے باشندوں سے جو تحقیق کیا گیا تو کوئی شخص قابل اطمینان جواب نہیں دے سکا اور حقیقت یہ ہے کہ مرور زمانہ کے باعث اس کے اشتقاق کی اصلیت محو اور فراموش ہو گئی ہے"۔

پس ظاہر ہے کہ لفظ رخنگ درست اور اصلیت کے قریب تھا اور جس طرح انگریزوں نے اُس کے ہمسایہ ملک کا نام صحیح لفظ میام یا مرم ما کی جگہ برہما بنا لیا ہے اسی طرح کا یہ بھی ایک تصرف ہے جو غیر ملک کے لوگ اکثر کر لیا کرتے ہیں ۔ بہر تقدیر یہ ملک ۱۷۸۴ء تک خود سر اور آزاد تھا ۔ مگر سنہ مذکور میں برہما والوں (یعنی آوا اور پیگو کے بادشاہ) نے اس کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا ۔ اور مارچ ۱۸۲۴ء میں سرکار انگریزی نے جو برہما والوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر اُن پر پہلی دفعہ فوج کشی کی تو چوبیسویں فروری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بت پرستوں کا ملک بھی کہتے ہیں) اس درخواست سے روانہ کیا کہ اگر تم چند روز ہمیں پناہ دے سکو تو ہم تمھارے پاس آجائیں۔ اور جب ہوائے موافق کے چلنے کا موسم آجائے تو مخا تک پہنچ جانے کے لئے ایک جہاز ہم پہنچا دو تاکہ ہم اول مکہ اور پھر وہاں سے روم یا ایران کو چلے جائیں۔ راجہ نے یہ درخواست قبول کی اور بہت مہربانی سے پیش آیا۔ چنانچہ سلطان باقی بہت سی کشتیاں (جن کے ملاح اہل فرنگ یعنی گوا وغیرہ سے بھاگے ہوئے دہ پرتگیز اور اور آوارہ گرد عیسائی تھے جنھوں نے اس راجہ کی نوکری کرلی تھی اور جن کا بڑا پیشہ بنگالہ کے اُن ضلعوں کو لوٹتے رہنا تھا جو ڈھاکہ اور اراکان کی جانب سمندر کے قریب ہیں) ساتھ لے کر واپس آیا۔ اور شجاع اپنی بیگم[1] اور تینوں بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ اُن پر سوار ہو کر اراکان کو چلا گیا۔ اور راجہ نے اگرچہ اُس کی خاطر تواضع کچھ بہت بڑھ کر تو نہ کی مگر ضرورت کی معمولی چیزیں مہیا موجود کرا دیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۱۸۲۶ء کے صلح نامہ کی رو سے سرکار ممدوح کے قبضہ میں آگیا۔ اور اب تو نہ صرف اراکان بلکہ اس سے آگے شاہ برہما کا بھی کل ملک جو باشندوں کی اوضاع و اطوار اور آب و ہوا کی خاصیت کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی طور کی سرزمین ہے۔ (معہ ملک مفتوحہ سابق و مفتوحہ سال حال ۱۸۸۶ء) چین کی حد تک گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں صاحب چیف کمشنر برہما کے ماتحت ہے سلطنت مغلیہ کے مورخوں نے اراکان کو "ذلیل ترین معمورہ ہائے عالم" اور ایک "قطعہ جہنم" لکھا ہے اور وہاں کے لوگوں کو نہایت ہی وحشی اور حیوانوں سے بدتر اور ملک کو "مسکن دام و دد" بتایا ہے اور اس کے راستہ میں اُن کے نزدیک فن جہاز رانی کی ناواقفیت کے باعث "لجہ ہائے خونخوار" حائل تھے مگر انگریزوں کی عقل و دانش اور حسن انتظام سے وہی وحشی انسان بنتے جاتے ہیں۔ اور وہی قطعہ جہنم ایک سرسبز اور شاداب اور بہت زرخیز علاقہ ہے۔ اور اس شہر میں اکیاب وغیرہ بعض مقامات نہایت عمدہ تجارت گاہ ہیں۔ س م ح

[1] عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری وغیرہ سے شجاع کی بیگم یا بیٹیوں کا ساتھ جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹانڈہ سے بھاگنے کے وقت جس کو راج محل کے بعد اُس نے اپنا جائے قیام بنایا تھا اُس کے محل کی عورتیں اور مستورات وہیں رہ گئی تھیں۔ جن کو میر جملہ نے بڑی احتیاط اور احترام کے ساتھ شجاع کے خزانہ اور جواہر خانہ اور مال و اسباب سمیت اخلاص خاں نامی ایک سردار کی حفاظت میں اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا تھا۔ لیکن تعجب نہیں کہ اپنی خاص بیگم اور بیٹیوں کو وہ ساتھ لے گیا اور وہ عورتیں جن کا ذکر کتب مذکورہ میں کیا گیا ہے اُس کی خواصیں وغیرہ ہوں۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شجاع کا حسرتناک انجام اب یہاں اگرچہ کئی مہینے گذرے اور ہوائے موافق کا موسم بھی آگیا مگر مخا جانے کے لئے جہاز بہم پہنچا دینے کا کسی نے ذکر تک نہ کیا۔ حالانکہ شجاع صرف اتنی بات کا خواستگار تھا کہ ایک جہاز کرایہ پر مل جائے کیونکہ اُس کے پاس زر و جواہر کافی موجود تھے۔ بلکہ غالباً اُس کی ہلاکت کا بڑا باعث یہ دولت ہی ہوئی۔

اصل یہ ہے کہ یہ وحشی بادشاہ اور راجہ سچی مروت اور فیاضی کو جانتے ہی نہیں اور اپنے وعدوں کی پابندی اور ایفا کا شاذ و نادر ہی خیال کرتے ہیں بلکہ اپنی غرض کو مقدم سمجھ کر اُسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اور اس شیطنت اور قساوت کے نتیجوں کی طرف سے جو اکثر خود انھیں کو بھگتنے پڑتے ہیں مطلقاً بے پروا نظر آتے ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ سے یا تو مفلسی بچا سکتی ہے۔ یا اس قدر زور جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔

غرض شجاع کی طرف سے مخا جانے کے لئے بڑی التجائیں ہوئیں۔ لیکن یہ جنگلی راجہ قطعاً ملتفت نہ ہوا بلکہ یہاں تک بے مروت اور گستاخ ہو گیا کہ شہزادہ کی نسبت عتاب ظاہر کیا کہ اب تک ہم سے ملنے کو کیوں نہیں آیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ شجاع نے کس شان کے خیال سے اس بُت پرست سے ملاقات نہیں کی تھی یا اس خوف سے اُس کے مکان پر نہیں گیا تھا کہ مبادا گرفتار کرلے اور سب مال و اسباب لوٹ لے۔ اسی اثنا میں راجہ کو میر جملہ نے بھی شجاع کے پکڑ کر حوالہ کر دینے کی شرط پر اورنگ زیب کی طرف سے بہت سے فائدوں اور زر کثیر کے حاصل ہونے کی طمع دلا دی تھی۔ بہرحال راجہ کی خفگی رفع کرنے کو اگرچہ سلطان شجاع خود اب بھی اُس کے مکان پر نہ گیا۔ مگر سلطان باقی کو بھیج دیا۔

کہتے ہیں کہ جب یہ شہزادہ راجہ کے محل کے قریب پہنچا تو سواری پر سے غریب غربا کی طرف بہت سے روپے اور اشرفیاں[1] پھینکیں۔ اور جب راجہ کے پاس پہنچا تو بہت سے زر نفیس

---

[1] اب سے پچاس برس پہلے تک ہندوستان میں یہ عموماً رواج تھا کہ امرا کی سواری کے وقت روپیہ اشرفی وغیرہ لٹایا کرتے تھے اور اس رسم کا یہاں تک رواج تھا کہ وہ فرانسیسی افسر جو اب سے اسّی برس پہلے مرہٹوں کی طرف سے ہمارے اس ملک میں براہ شتلج آئے تھے اظہار امارت و شان و شوکت کے لئے وہ بھی اپنے ہاتھی پر سے کچھ روپیہ اشرفی اور سونے کی تھیں لٹاتے تھے بلکہ ریاست حیدرآباد دکن جس میں ہندوستانی درباروں کی پرانی رسمیں اب تک بھی بہت کچھ زندہ ہیں طوی سواریوں کے موقعہ پر وہاں اب بھی یہ رسم کچھ کچھ جاری ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وغیرہ کے تھان اور مرصع زیور پیش کش کئے اور اپنے باپ کے بذات خود حاضر نہ ہونے کی نسبت یہ عذر کیا کہ وہ علیل ہیں۔ اور بڑی التجا سے درخواست کی کہ وہ جہاز جس کے بہم پہنچا دینے کے لئے اتنے دنوں سے وعدے ہوتے رہے ہیں بہت جلد عنایت ہو۔ مگر اس ملاقات سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور پہلی درخواستوں کی طرح یہ درخواست بھی بیکار گئی اور اس وحشی نے اپنا وعدہ مطلق وفا نہ کیا بلکہ اُس عالی منزلت پناہ گزیں کی پریشانی اور رنج بڑھانے کے لئے اس سے پانچ ہی چھ روز بعد صاف صاف یہ پیغام بھیجا کہ اپنی بیٹی کی شادی ہم سے کر دو۔ اور شجاع کے اس سے انکار کرنے پر ایسا غضب ناک ہوا کہ شاہزادہ کی حالت نہایت پُرخطر ہو گئی۔ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا گویا ہلاکت کا منتظر رہنا تھا اور سفر کا موسم گذرا جاتا تھا اس لئے کوئی نہ کوئی آخری بات قرار دینی ضروری تھی پس اُس نے ایک ایسی تدبیر سوچی جس سے فضول تر کوئی حرکت نہ تھی اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی نا اُمیدی کس حالت کو پہنچ گئی تھی اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اراکان کا راجہ بُت پرست ہے لیکن مسلمان بھی وہاں بہتیرے ہیں جو یا تو بخوشی آن بسے ہیں یا وہ پرتگیز جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور جو سمندر کے کناروں کے ضلعوں میں لوٹ مار کیا کرتے ہیں اُن کو پکڑ کر اور غلام بنا کر یہاں لے آتے ہیں۔ پس شجاع نے اُن کو گانٹھ لیا اور اُن کو اپنے دو تین سو آدمیوں کو جو بنگالہ سے ساتھ آئے تھے ملا کر اس تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ یکایک راجہ کے محل پر حملہ کر کے اُس کو اور اُس کے خاندان کو تہ تیغ کر ڈالے اور خود فرمان روا بن جائیے۔ یہ جسارت اگرچہ احتیاط کے خلاف اور ایک متہورانہ حرکت تھی۔ لیکن میں نے بعض پرتگیزوں اور مسلمانوں اور ڈچوں سے جو خاص وہاں موجود تھے سُنا ہے کہ اِس تدبیر کی کامیابی چنداں محال اور امکان سے خالی نہ تھی مگر اس منصوبہ کے عمل میں لانے کے لئے جو دن مقرر ہوا تھا اُس سے ایک روز پہلے یہ راز افشا ہو گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے رہے سہے کام ہی نہیں بگڑے

لہ عالمگیر نامہ اور ماثر عالمگیری اور سیر المتاخرین سے تو بالاتفاق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مصیبت کے وقت میں اُس کے رفیقوں اور نوکروں میں سے سوائے سید عالم بارہ اول اور سید قلی اُزبک کے جن کے ساتھ سادات بارہ میں سے شماری دس سید اور بارہ مغل تھے اور چند اور سپاہیوں اور خدمت گاروں وغیرہ کے سوا چالیس آدمی بھی بنگالہ سے اُس کے ہمراہ نہ آئے تھے۔ س م ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بلکہ سارا کنبہ ہی ہلاک ہوگیا۔ چنانچہ اس راز کے کھل جانے پر اُس نے چاہا کہ پیگو کو بھاگ جانے لیکن اس ارادہ کا عمل میں لایا جانا قریب ناممکن تھا کیونکہ راہ میں ایسے سخت پہاڑ اور دشوار گذار جنگل اور بن حائل تھے کہ اُن میں سے ہو کر کوئی ایسا رستہ بھی ہوا ہی نہیں جس سے مسافر آتے جاتے رہے ہوں غرض کہ تعاقب کیا گیا اور بھاگنے سے آٹھ پہر بعد لوگوں نے اُسے جالیا اور جیسی کہ اس اسم بامسمّٰی شجاع شاہزادہ سے توقع ہونی چاہیئے یہ ویسی ہی شجاعت سے لڑا اور بہت سے وحشی خاص اُس کی تلوار سے قتل ہوئے۔ مگر آخر کار دشمنوں کے ہجوم سے جو پیچھے سے لگاتار آتے جاتے تھے مغلوب ہو کر ایسی لڑائی سے جو کسی طرح بھی برابر کی نہ تھی دست بردار ہوگیا۔

سلطان باقی جو باپ سے ذرا پیچھے رہ گیا تھا وہ بھی ویسا ہی لڑا جیسے کہ بہادر لڑا کرتے ہیں لیکن دشمنوں نے چاروں طرف سے اس قدر پتھر مارے کہ تمام بدن چور چور اور لہولہان ہوگیا۔ اور آخر یہ جنگلی اُسے اور اُس کی والدہ اور دونوں چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو پکڑ کر لے گئے۔

شجاع کی موت و حیات کی نسبت مختلف روایتیں اب اس سے آگے اُس کی بابت کوئی ایسی ٹھیک بات جو زیادہ بھروسہ کے لایق ہو معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے نکل کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا تھا اور اُس کے ہمراہ ایک خواجہ سرا اور ایک عورت اور دو شخص اور تھے۔ اور سر میں پتھر کا ایک ایسا زخم لگا ہوا تھا کہ وہاں پہنچ کر گر پڑا مگر جب اُس زخم کو اُس خواجہ سرا نے اپنی پگڑی سے باندھ دیا تو اُٹھکر جنگل میں جا گھسا۔

اس کے علاوہ چار روایتیں اور سُنی ہیں اور اگرچہ اُن لوگوں کی زبانی ہیں جو عین موقعہ پر موجود تھے۔ مگر باوجود اس کے ایک دوسری سے نہیں ملتی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے مجھے اس امر کا یقین دلایا کہ اُس کی لاش مُردوں میں ملی تھی۔ لیکن صورت پہچاننی مشکل تھی اور ڈچوں کے کارخانے کے ایک افسر اعلیٰ کی چٹھی میں نے بچشم خود دیکھی ہے اُس میں بھی یوں ہی لکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جیسا کہ چاہیئے یقینی بات کوئی نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے دہلی میں کئی بار ایسی افواہیں اُڑتی رہیں کہ جن سے خواہ مخواہ لوگوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے کان کھڑے ہو گئے[۵۱]۔ چنانچہ ایک بار تو یہ قتل ہوا کہ شجاع مچھلی پٹن پہنچ گیا ہے اور گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں نے اُس سے یہ عہد اور اقرار کر لیا ہے کہ اپنی اپنی تمام فوج سے آپ کی مدد کریں گے اور پھر بڑے وثوق سے یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ دو جہازوں پر جن پر سرخ نشان چڑھے ہوئے تھے سورت کے سامنے سے ہو کر گذرا ہے اور یہ جہاز اُس کو شاہ پیگو بادشاہ سیام نے دیئے ہیں۔ پھر ایک یہ چرچا ہوا کہ وہ ایران پہنچ گیا ہے اور شیراز میں لوگوں نے دیکھا ہے۔ اور کچھ دنوں بعد اِن افواہ اُڑانے والوں نے اُسے قندھار پہنچا دیا اور مشہور کر دیا کہ وہاں سے کابل پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دفعہ اورنگ زیب نے کہا کہ شجاع تو آخر حاجی ہو گیا" یعنی مکہ جا پہنچا۔ مگر اس کا یہ کہنا غالباً ظرافت کے طور پر تھا۔ اور اب تک بہتیرے آدمی اس بات پر یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ استنبول میں کچھ عرصہ رہ کر اور وہاں سے بہت سا مال و دولت لے کر ایران میں آ گیا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب افواہیں محض بے بنیاد ہیں۔ اور وہ چٹھی قابل اعتماد ہے جو ڈچوں کے کارخانہ تجارت کے افسر اعلیٰ کی طرف سے تھی اور جس میں یہ لکھا تھا کہ شجاع اراکان سے بھاگنے کی حالت میں مارا گیا۔ چنانچہ اُس کے ایک خواجہ سرا نے جس کے ساتھ میں بنگالہ سے مچھلی پٹن گیا تھا اور ایک اور شخص نے جو اُس کے توپ خانہ کا سردار تھا اور اب شاہ گولکنڈا کا ملازم ہے مجھ سے کہا کہ فی الحقیقت ہمارا آقا مر چکا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل مجھ سے بیان کرنی نہیں چاہی۔ اور بعض فرانسیسی سوداگروں سے جو سیدھے اصفہان[۵۲] سے آئے تھے۔ دہلی میں میری ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے کہا کہ ایران میں ہم نے کبھی اُس کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ اس کے سوا اُس کے زندہ نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شکست کے ساتھ ہی اُس کی تلوار اور خنجر

---

[۵۱] مآثر عالمگیری میں بضمن وقایع ۱۲ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۷۸ھ ہجری لکھا ہے کہ" عالمگیر کے حضور میں یہ خبر پہنچی کہ مورنگ میں یعنی آسام اور کوچ بہار کے مابین ایک مصنوعی شجاع نے شورش برپا کی ہے جس پر نہایت تاکید کے ساتھ وہاں کے حکام ابراہیم خاں اور فدائی خاں کے نام فرمان جاری ہوئے کہ اگر وہ کسی طرف سر نکالے تو سر کاٹ کر حاضر کرو۔ جس سے ثابت ہے کہ فی الواقع اُس کی تباہی سے نو برس بعد تک بھی لوگوں کو اس کی موت و حیات میں شک ہی تھا۔ س م ح

[۵۲] اصفہان اُس زمانہ میں ایران کا دارالسلطنت تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پڑا ہوا ملا تھا اور اگر وہ واقعی جنگل میں بھاگ گیا ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا ادعا ہے تو اس صورت میں بھی جاں بر ہونے کی بہت کم اُمید ہے۔ کیونکہ وہاں یا تو چوروں اور رہزنوں وغیرہ نے قطعاً مار ڈالا ہوگا یا شیر اور ہاتھی وغیرہ جیسے درندہ جانوروں نے جو وہاں کے جنگلوں میں بکثرت ہیں چیر پھاڑ ڈالا ہوگا۔

شجاع کے اہل وعیال بہرحال سلطان شجاع کی موت وحیات کی نسبت خواہ کچھ ہی شکوک اور احتمالات ہوں۔ لیکن اُس کے کنبہ کے لوگوں پر جو جو آفتیں اور مصیبتیں پڑیں اُن کے متعلق روایتوں کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے چنانچہ ان بیچاروں کی مصیبتوں کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب ان کو قید کرکے واپس لائے تو کیا مرد کیا عورتیں کیا بچے سب کے سب قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ اور نہایت ہی بے رحمی اور سختی کی گئی۔ مگر کچھ مدت بعد اُن کو چھوڑ دیا گیا۔ اور کسی قدر مہربانی کی گئی۔ شجاع کی بڑی بیٹی سے راجہ نے شادی کرلی اور اُس کی ماں سلطان باقی سے خود اپنا عقد کر لینے کی بڑی خواہشمند تھی کہ اتنے میں سلطان باقی کے چند نوکر اُنھیں مسلمان لوگوں سے مل کر جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے پھر اُسی قسم کے منصوبہ کی فکر میں پڑ گئے۔ لیکن اُن میں کا ایک بے احتیاط اور جلد باز شخص جو غالباً شراب پی کر اور بھی زیادہ بے عقل ہو گیا تھا نشہ کی ترنگ میں اس راز کو مخفی نہ رکھ سکا اور عین حملہ کے روز اُس سے یہ بھید کھل گیا۔ اور اگرچہ اس قصہ کی نسبت بھی ہزاروں روایتیں سننے میں آئی ہیں۔ لیکن جو بات اطمینان اور اعتماد کے ساتھ بیان کی جا سکتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس حرکت سے راجہ ایسا برہم اور غضب ناک ہوا کہ شجاع کے تمام کنبہ کے قتل کا حکم دے دیا یہاں تک کہ وہ شہزادی جس سے اُس نے عقد کرلیا تھا باوجودیکہ حاملہ تھی اس کے وحشیانہ حکم سے وہ بھی قتل کی گئی اور سلطان باقی اور اُس کے بھائیوں کے سر کند کلہاڑی سے کاٹے گئے اور اس بدبخت کنبہ کی باقی ماندہ عورتیں اپنے اپنے مکانوں میں ایسی سختی سے قید کی گئیں کہ فاقوں کے مارے وہیں ہلاک ہوگئیں۔

الغرض یہ لڑائی کی آگ جو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر چاروں بھائیوں کے باہم بھڑکی تھی پانچ یا چھ سال کے اندر یعنی تقریباً ۱۶۵۵ء[1] سے لے کر

---

[1] چونکہ ۱۰۶۷ھ کے اخیر میں شاہجہاں سخت بیمار ہوا تھا۔ اور اُس کی بیماری کی خبر پاکر سب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سنہ ۱۶۶۰ء یا اکسٹھ تک اس طرح خاتمہ کو پہنچی اور اورنگ زیب اس عظیم الشان سلطنت کا اکیلا ہی مالک بن گیا[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ بھائیوں سے پہلے مراد بخش نے گجرات میں بغاوت کی تھی اور آخر کار شجاع کے اراکان میں چلے جانے کے بعد سلیمان شکوہ سری نگر سے قید ہو کر دہلی میں پچیسویں جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۷۰ ہجری کو پہنچا تھا۔ اس حساب سے یہ لڑائی بھڑائی تین برس سے زیادہ نہیں رہی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس قصہ کا شروع اُس وقت سے لیا ہے جب کہ شاہجہاں نے فساد کے اندیشہ سے شہزادوں کو علیحدہ علیحدہ صوبے دے کر کابل سے روانہ کیا تھا۔ س م ح

[1] شجاع کی شکستوں اور اراکان کو جانے کا حال جس طرح پر بلا اختلاف عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ مونگیر سے بھاگنے کے بعد اُس نے ٹانڈہ کو اپنا محل و مرکز قرار دیا اور برسات یہیں بسر کی اور جب میر جملہ کی آمد آمد سے ڈر کر یہاں بھی ٹھکانا نہ دیکھا تو اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں اور قریب تین سو نوکروں چاکروں کے دو کشتیوں میں بیٹھکر راج محل کو بھاگ گیا جہاں پہلے سے اُس کا بڑا بیٹا زین الدین اس غرض سے گیا ہوا تھا کہ وہاں کے حاکم رشید خاں نامی نے جو نمک حرامی کر کے میر جملہ سے سازش کر لی تھی اور اس کی تحریک سے راج محل کے رئیس معصوم خاں کے بیٹے منور خاں نے کسی قدر فساد برپا کر رکھا تھا اُس کو فرو کرے۔ چنانچہ رشید خاں کو تو اُس نے جاتے ہی جب کہ وہ سلام کو حاضر ہوا عین دربار میں قتل کرا دیا تھا۔ اور بلحاظ اپنی تنگ حالت کے اراکان کے راجہ سے پیام و سلام کر کے اور تحفے تحائف بھیج کر منور خاں کی سرکوبی کے لئے اُس کی بہت سی جنگی کشتیاں منگا لی تھیں اور انھوں نے اُس کے ساتھ ہو کر منور خاں کو شکست دینے میں اپنی عادت کے موافق راج محل کی رعیت کو بھی بہت تباہ کیا اور اکثر لوگوں کو جن میں بہت سے مسلمان بھی تھے قید کر کے ساتھ لے گئے اور زین الدین نے اس مدد کے صلہ میں اُن کو بہت سا نقد و جنس دے کر رخصت کیا اور راجہ سے یہ ٹھیرا لیا کہ اگر شجاع کو مجبوراً اراکان میں آنا پڑے تو اُس کی کچھ فوج راج محل میں آ کر اُس کو وہاں لے جائے۔ چنانچہ راجہ نے اپنے رشتہ دار چاٹگام کے حاکم کو جو اُس وقت تک یہ مقام ملک اراکان میں داخل تھا یہ حکم بھیج دیا تھا کہ جب شجاع طلب کرے تو کچھ فوج اُس کی مدد کو بھیج دے۔ پس جب شجاع راج محل میں پہنچا تو ناچار اپنے چند معتمد شخصوں کو فوج لانے کو بھیجا تاکہ ساتھ ہو کر اُس کو اراکان لے جائے اور ایک مہینے تک اس کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن چونکہ میر جملہ برابر اُس کے تعاقب میں چلا آتا تھا اس لئے اپنے تینوں بیٹوں اور دو چار سردابوں اور چند سپاہیوں اور خواجہ سراؤں وغیرہ کے ساتھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جواب کا انتظار چھوڑ کر کشتیوں میں بیٹھے وہاں چل دیا۔ راج محل چھوڑنے کے تیسرے دن وہ لوگ جو زین الدین نے اب سے تین مہینے پہلے راجہ اور چاٹگام کے حاکم کے پاس روانہ کئے تھے معہ اراکانی اور فرنگستانی کشتیوں کے جو مسلح اور ساز و سامان سے بخوبی درست تھیں اور جن کو چاٹگام کے حاکم نے راجہ کے منشا کے موافق روانہ کیا تھا۔ راجہ اور چاٹگام کے حاکم کی تحریروں کے ساتھ عین رہ روی کی حالت میں آملے۔ مگر اراکانی سرداروں نے یہ کہا کہ اگرچہ ہم آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں اور راجہ کا خود بھی ارادہ تھا کہ کمک کے لئے چاٹگام میں آکر ٹھیرے اور پیچھے سے جنگی کشتیوں کا اور بھی زیادہ مضبوط "لواڑھ" یعنی بیڑہ روانہ کرے اور خشکی کی راہ سے بھی کچھ مدد بھیجے لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں تھا کہ آپ راج محل یعنی اپنے ملک میں ٹھیر کر میر جملہ کے مقابلہ کا سامان کرتے اور آپ کے اراکان میں لے جانے کا ہم کو حکم نہیں ہے۔ اب چونکہ یہاں سے قریب ہی موضع بہلوہ میں (جو غالباً وہی مقام ہے جس کو حال کے انگریزی نقشوں میں بھلوا لکھا ہے۔ اور ڈھاکہ سے نیچے تقریباً ڈھاکہ اور چاٹگام کے وسط میں دریا کے کنارے ہے۔ انتہائے سرحد پر بادشاہی قلعہ اور تھانہ تھا اس لئے شجاع کا ارادہ ہوا کہ اس پر قبضہ کرلے اور وہاں ٹھیر کر اراکانیوں کی مدد سے آئندہ کے لئے کچھ بندوبست کرے مگر جب قلعہ پر تصرف نہ ہوسکا تو شجاع نے اراکان والوں سے خشکی پر اتر کر قلعہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے معمول کے برخلاف ہے۔ البتہ پانی پر ٹھیر کر توپ بندوق سے آگ برسانے کو ہم حاضر ہیں۔ اور شجاع کے اصرار سے ناراض ہوکر آخر کار روکھے پھیکے بن گئے۔ اور صاف کہہ دیا کہ اگر قلعہ آپ کی کوشش سے ہاتھ آجاتا تو مضائقہ نہ تھا کہ ہم آپ کو اس میں بٹھا کر آپ کے ایک لڑکے کو اراکان لے جاتے اور راجہ آئندہ کے لئے جو حکم دیتا وہ کرتے۔ لیکن اب تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود اراکان کو تشریف لے چلیں۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہوگیا۔ اور چھٹی رمضان ۱۰۷۱ھ کو وہاں چلا گیا۔ اور سوائے اُن چالیس رفیقوں کے جن کا حال پیچھے ایک حاشیہ میں لکھا جاچکا ہے۔ اس آفت میں اور کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اور جس وقت سے وہ وہاں پہنچا اور جو مصیبتیں وہاں پیش آئیں اُن کی نسبت صاحب عالمگیر نامہ نے مجملاً یوں لکھا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

"بعد از قطع مراحل ادبار و طے لجہ ہائے خونخوار بہ جزیرہ زخنگ کہ از ازل معمورہ ہائے عالم و مسکن کفرہ ضلالت شیم است رسیدہ از تیرہ بختی و بدفرجامی بادو و دام آن سرزمین محشور شدو و خامت حال و سوئے مآلش باعث عبرت ہمگنان شد و سرانجام کار آن بدعاقبت بعد از وصول بآن ولایت ضلالت نہیاد و ملاقات با سرگروہ آن قوم بدنژاد کہ بہزاراں ہزار مرحلہ از شہرستان آدمیت و کشور انسانیت دور و از حلیہ دین و دانش و شعار مروت و مردمی مہجور ند بعد ازیں در محل خود مشروح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ازبک کے سفیروں کی آمد لڑائی کے ختم ہوتے ہی ازبک قوم کے تاتاریوں نے بڑی عجلت کے ساتھ اپنے سفیر اورنگ زیب کے پاس بھیجے۔ جس زمانہ میں شاہجہاں نے اُس کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر خانِ سمرقند[1] کی مدد کو جو خانِ بلخ سے لڑ رہا تھا بھیجا تھا یہ بہت سی لڑائیوں میں اُس کی بہادری اور جنگی لیاقتیں دیکھ چکے تھے اور اس سبب سے ڈرتے تھے کہ مبادا اُس کو اُن کی وہ دغابازی یاد

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ وند کور خواہد شد۔"

مگر اس مصنف نے اپنے اس وعدہ کے موافق کوئی تفصیلی حال اس بدنصیب کا آگے کہیں بیان نہیں کیا۔ اور نہ کسی اور کتاب میں میری نظر سے گذرا۔ س م ح

[1] امام قلی خاں اور نذر محمد خاں ازبک قوم کے دو بادشاہ اور سگے بھائی تھے اور ان کے باہم ملک اس طرح پر تقسیم تھا کہ سمرقند اور بخارا امام قلی خاں اور بلخ و بدخشاں نذر محمد خاں کے پاس تھا۔ لیکن جب امام قلی خاں زوال بصارت کی وجہ سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گیا تو سمرقند اور بخارا بھی نذر محمد خاں کے قبضہ میں آگیا۔ مگر اس کی سخت گیری اور موئے تدبیری سے اُمرا نہایت تنگ آگئے اور اُنھوں نے اس کے بڑے بیٹے عبد العزیز خاں کو بخارا اور سمرقند کا علیحدہ بادشاہ بنا لیا اور صرف وہی بلخ اور بدخشاں اس کے پاس رہ گیا۔ لیکن چونکہ وہاں بھی بے انتظامی اور ابتری پھیل گئی تو مجبور ہو کر اُس نے یہ حماقت کی کہ شاہجہاں سے امداد کا طالب ہوا جو بلخ و بدخشاں و سمرقند و بخارا کو اپنا ملک موروثی سمجھکر اُس کو اپنے قبضہ میں لانے کا نہایت آرزومند تھا اور اس کی اُس حرکت کو بھی نہ بھولا تھا جو اس نے جہانگیر کا مرنا سنتے ہی کابل کو آن گھیرا تھا پس اُس نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر شہزادہ مراد بخش اور امیر الامرا علی مردان خاں کو امداد کے حیلہ سے بلخ کو روانہ کیا اور خود بھی لاہور سے کابل کو کوچ کر دیا۔ چنانچہ جب بلخ سے ایک منزل پر نذر محمد خاں نے اپنے دو بیٹوں بہرام اور سبحان قلی کو شہزادہ کے استقبال کے لئے بھیجا تو بہت سی خاطر و مدارات کے بعد اُن کو یہ پیغام دے کر واپس بھیج دیا گیا کہ آپ اطمینان رکھیں ہم بے شمار لشکر کے ساتھ آپ کی مدد کے لئے آن پہنچے ہیں مگر جب اگلے روز بلخ پہنچا تو امداد کی جگہ قلعہ پر قابض ہو جانا چاہا اور یہ دیکھکر نذر محمد خاں معہ اپنے ایک بیٹے کے مجبوراً ایران کو بھاگ گیا اور اُنھوں نے بارہ لاکھ روپیوں اور جڑاؤ اور طلائی چیزوں اور ڈھائی ہزار گھوڑوں اور تین سو اونٹوں پر جو قلعہ میں تھے قبضہ کر لیا اور اُس کے دو بیٹوں اور تین لڑکوں کو شاہجہاں کے پاس کابل بھیج دیا جن میں سے بہرام کو مصلحتاً پنج ہزاری کا منصب عطا ہوا اور عبد الرحمن کو تربیت کے لئے داراشکوہ کے سپرد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو کہ جب وہ دشمن کے تخت گاہ بلخ پر قبضہ کر لینے کو تھا تو انھوں نے باہم صلح کر کے اس کی سپاہ کو اپنے ہاں سے نکال دینے کے لئے اس وجہ سے بالاتفاق کوششیں کی تھیں کہ کہیں دونوں ہی کا ملک اس طرح نہ چھن جائے جس طرح اکبر نے کشمیر چھین لیا تھا[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیا گیا اور لڑکیوں کو بادشاہ کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے بہت اعزاز سے اپنے پاس رکھا مگر جب مراد بخش چند عرضیاں بھیج کر بلا انتظار حکم کے واپس چلا آیا۔ اور سعد اللہ خاں وزیر سے بھی وہاں کا بخوبی نظم و نسق نہ ہو سکا تو شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بھیجا جو جمادی الاول ۱۰۵۶ھ ہجری کی پہلی تاریخ کو وہاں پہنچ گیا اور نذر محمد خاں کے بیٹے عبد العزیز خاں والی بخارا و سمرقند اور ازبک سرداروں سے جو نہایت ہجوم کئے ہوئے تھے خوب لڑائیاں ہوئیں اور اورنگ زیب نے وہ چستی و چالاکی اور جواں مردی دکھائی کہ دشمن بھی دنگ ہو گئے چنانچہ ایک روز جب کہ ازبکوں نے اپنی زبردست کمانوں سے تیروں کا مینہ برسا رکھا تھا فوج کا دل بڑھانے کو اپنی زرہ اُتار ڈالی اور ڈھال کھول کر پھینک دی اور کہا آج اسی طرح لڑیں گے۔ اور ایک اور لڑائی میں جب کہ مخالفوں نے نہایت ہی انبوہ کر رکھا تھا سواری سے اُتر کر ایسی بے فکری اور اطمینان کے ساتھ نماز ظہر با جماعت ادا کی کہ جس کی کیفیت سننے سے عبد العزیز خاں کو اُس کے آگے سر جھکانا اور شاہجہاں کے حضور میں حاضر ہونا ہی پڑا اور نذر محمد خاں نے بھی اورنگ زیب کی خدمت میں اپنا خط متضمن اطاعت و اخلاص بھیج کر اس کے ذریعہ سے امن اور صلح کی درخواست کی جس کو شاہجہاں نے نہایت مصلحت مندی کر کے اس وجہ سے قبول کر لیا کہ چار کروڑ روپیہ اب تک خرچ ہو چکا تھا اور فائدہ کچھ بھی نہ تھا۔ اور اورنگ زیب اُسی طرح ملک کو خالی کر کے واپس چلا آیا۔

[1] ۷۱۵ھ میں ایک شخص ساہو نامی جو اپنے کو گرشاسپ کی نسل سے (یعنی ایرانی نژاد گنگا تھا) راجہ سہدیو فرماں روائے کشمیر کا (جس کو بعض کتابوں میں شاید رسم الخط کی غلطی سے مہدیو اور اولاد راجہ ارجن پانڈو سے لکھا ہے) ملازم ہو کر عہدہ خدمتوں کے باعث رفتہ رفتہ نہایت صاحب اقتدار ہو گیا تھا چنانچہ ۷۲۷ھ میں جب سہدیو کا بیٹا جو برائے نام راجہ تھا مر گیا تو اُس کا مقتدر اور مسلط وزیر شاہ میر جو اس ساہو کا بیٹا تھا سلطان شمس الدین لقب مقرر کر کے خود ہی راجہ بن بیٹھا۔

اس طرح پر ہندو راجاؤں کی حکومت کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اور دو سو تیرہ برس تک شمس الدین کی اولاد کے لوگ متواتر حکمرانی کرتے رہے۔ مگر جب اس سلسلہ کے اخیر بادشاہ حبیب شاہ ابن نازک شاہ کو (جو سہدیو کے بیٹے کی طرح صرف برائے نام بادشاہ تھا) ۹۶۴ھ میں اُس کے کشمیری وزیر غازی خاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چک نے بے دخل کر دیا تو سلطنت چکوں کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور غازی خاں کی وفات کے بعد (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
جو اُس کے بھائی حسین شاہ اور علی شاہ نوبت بنوبت بادشاہ ہوئے تو حسین شاہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی خدمت میں تحفہ تحائف بھیج کر اظہار اطاعت کرتا رہا اور علی شاہ نے تو یہاں تک تابعداری اختیار کی کہ اکبر کا خطبہ اور سکہ بھی جاری کر لیا اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے لئے اپنی بیٹی کا ڈولہ بھی روانہ کیا۔

جس واقعہ کا ڈاکٹر برنیر اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب سید مبارک خاں نامی ایک کشمیری سردار نے علی شاہ کے بیٹے یوسف شاہ کو کشمیر سے خارج کر دیا اور وہ مرزا سید یوسف خاں مشہدی صوبہ دار پنجاب کے ذریعہ سے استمداد کے لئے بمقام فتحپور سیکری اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے مرزا مذکور اور راجہ مان سنگھ والیِ جودھپور کو اس کی مدد کے لئے مامور فرمایا اور ۹۸۶ھ میں خفیف مقابلہ کے بعد کشمیر پھر اُس کے قبضہ میں آ گیا۔ ۹۸۹ھ میں اکبر نے کابل سے آتے ہوئے جلال آباد سے ایک ایلچی معہ فرمان کے روانہ کیا اُس نے فرمان کا استقبال کیا اور حیدر خاں عرف یعقوب اپنے بیٹے کو بہت سے تحفہ تحائف کے ساتھ اکبر کی خدمت میں بھیج دیا یہ شہزادہ ایک برس تک حاضر دربار رہا۔ مگر کمبختی جو آئی کسی باعث سے گھبرا کر بلا اجازت کشمیر کو چلا گیا۔ اب اکبر کو ملک پر قبضہ کر لینے کے لئے خاصہ بہانہ مل گیا اور یوسف شاہ کے نام ایک سخت فرمان جاری ہوا کہ خود حاضر ہو یا اپنے بیٹے کو حاضر کرے۔ مگر جب تعمیل میں (جیسی کہ پہلے ہی سے توقع تھی) حیلے بہانے ہوئے تو کشمیر کو فوج بھیج دی گئی۔ اور جب یوسف شاہ معہ اپنے بیٹے کے جو اس مصیبت کا باعث ہوا تھا مرزا شاہ رخ اور راجہ بھگونت داس امرائے شاہی مامورہ مہم کے لشکر میں حاضر ہو گیا تو کشمیریوں نے جو اپنی آزادی کو قائم رکھنا چاہتے تھے اُس سے ناراض ہو کر حسین چک کو اپنا حاکم بنا کر مقابلہ کی تیاری کر دی۔ مگر یعقوب باپ کو چھوڑ کر پھر کشمیر کو بھاگ گیا اور کشمیریوں نے اُسے شاہ اسمٰعیل کا لقب دے کر بادشاہ بنا لیا۔ لیکن ایک سخت لڑائی کے بعد کشمیری سردار مغلوب ہو کر حاضر ہو گئے اور ۹۹۳ھ میں اکبر کا سکہ خطبہ پھر جاری ہو گیا۔ اور زعفران اور ریشم اور شکاری پرندے بطور خراج مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد اگرچہ یوسف شاہ بادشاہ کی خدمت میں بذات خود حاضر تھا مگر یعقوب اب بھی جیسی چاہیئے اطاعت نہیں کرتا تھا اس لئے پھر فوج کشی ہوئی وہ اور شمس چک کچھ عرصہ تک مقابلہ کرتے رہے مگر آخر کار شمس چک وغیرہ کشمیری سردار سب حاضر ہو گئے اور ملک کشمیر ضمیمہ سلطنت مغلیہ ہو کر مرزا یوسف خاں مشہدی جو لیاقت اور دانشمندی میں مشہور شخص تھا صوبہ دار مقرر ہو گیا۔ اور اب کشمیری ایسے مغلوب ہو گئے اور اُن کا یہ کوتاہ اندیش بادشاہ یعقوب اس حالت کو پہنچ گیا کہ ۹۹۷ھ میں جب شہنشاہ کشمیر کی سیر کو گیا تو دربار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چونکہ یہ اُن تمام واقعات سے جو ہندوستان میں گذرے تھے اور اورنگ زیب کی فتوحات اور سلطنت کے دوسرے دعوے داروں کی کامل بربادی اور موت سے خوب واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگرچہ شاہجہاں زندہ ہے مگر فی الواقع اُس کے بیٹے کے بادشاہ ہونے کو سب نے مان لیا ہے اس لئے انتقام کے خوف یا جبلی طمع اور طبعی لالچ کی تحریک سے اس اُمید پر کہ شہنشاہ ہندوستان کے ہاں سے عمدہ عمدہ تحفے ہاتھ آئیں گے مبارکباد کہنے اور خدمت کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے کو اُنھوں نے اپنے اپنے ایلچی روانہ کئے مگر فتح کے بعد یہ پیغام جس قدر کے قابل تھے اورنگ زیب اُس سے بخوبی واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ صرف سزا کے خوف یا مال کی طمع سے ان کو بھیجا ہے۔ لیکن تاہم مناسب طور پر اُن کا استقبال اور خاطر تواضع عمل میں آئی اور چونکہ اُس روز دربار میں میں بذات خود موجود تھا اس لئے ہر ایک بات کو صحیح طور پر بیان کرسکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ انھوں نے دربار ہندوستان کی رسم ادب کے موافق کسی قدر فاصلہ سے بادشاہ کو سلام کیا۔ یعنی سر جھکا کر اور تین دفعہ اپنے ہاتھ زمین تک لے جاکر اور پھر پیشانی تک لاکر تین بار سلام کیا اور اس کے بعد اگرچہ وہ اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ اورنگ زیب خود اُن کے ہاتھ سے خریطے لے سکتا تھا۔ لیکن یہ رسم ایک امیر کی معرفت ادا ہوئی۔ یعنی اُس نے ان سے لے کر کھولے اور پھر بادشاہ کو دیئے۔ اور اُس نے بڑی متانت اور وقار سے پڑھکر حکم دیا کہ ہر ایک سفیر کو "سراپا" (جس کے معنی ہیں سر سے پاؤں تک کا لباس) عنایت ہو۔ چنانچہ زربفت کی ایک ایک قبا اور ایک ایک پگڑی اور ایک ایک زردی کا ریشمی پٹکہ عطا ہوا اور اس کے بعد جو تحائف وہ اپنے اپنے "خان" کی طرف سے لائے تھے پیش ہوئے۔ یعنی نہایت عمدہ لاجورد[1] کے بنے ہوئے کئی صندوقچے اور لمبے لمبے بالوں والے کئی اونٹ اور چند نہایت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ عیدالفطر کے روز مرزا یوسف خان کی سفارش سے جو اُس کی تقصیر معاف ہوئی تو اکبر نے بجائے تاج بخشی کے اُس کو اپنی پاپوش عطا کی! جس کو وہ اپنی پگڑی پر باندھ کر دربار میں حاضر ہوا (ماخوذ از سیر المتاخرین و گلزار کشمیر وغیرہ) س م ح

[1] کتاب مخزن الادویہ میں لکھا ہے کہ کاشغر واقع ترکستان کا سنگ لاجورد سب سے بہتر ہوتا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خوبصورت ترکی گھوڑے (اگرچہ وہاں کے گھوڑوں کی زیادہ تعریف اصالت ہی کی ہے)، اور کبھی اونٹوں کے بوجھ کی مقدار میں تازہ میوے مثل سیب۔ ناشپاتی۔ انگور اور سردہ وغیرہ جو دہلی میں اکثر اُسی ملک سے آتے اور جاڑے بھر بکا کرتے ہیں اور اسی قدر خشک میوے مثل آلو بخارا۔ خوبانی اور کشمش اور دو قسم کے سفید اور سیاہ انگور جو بہت بڑے بڑے اور نہایت لذیذ تھے جن کو ملاحظہ فرما کر اورنگ زیب نے سفیروں سے فرمایا کہ خان صاحبوں کے ان تحائف سے ہم بہت خوش ہوئے۔ اور میووں کی خوبی اور اونٹوں اور گھوڑوں کی عمدگی کی بڑے مبالغے سے تعریف کی۔ پھر اُن کے ملک کی زرخیزی کا کچھ ذکر کر کے سمرقند کے مدرسۂ اعظم کی بابت چند باتیں پوچھ کر کہا کہ اچھا اب آرام کیجئے۔ اور گاہ گاہ دربار میں آتے رہیے۔ ہم آپ کی ملاقات سے خوش ہوں گے۔ چنانچہ جس طرح ان ایلچیوں کا استقبال وغیرہ ہوا اُس سے یہ بہت خوش اور رضامند دربار سے رخصت ہوئے اور ہندوستان کے طرز سلام سے جو فی الواقع ایک ذلت ہے کچھ رنجیدہ نہ تھے۔ اور نہ اس سے کچھ ناراض تھے کہ خود بادشاہ نے ہمارے ہاتھ سے خریطے کیوں نہ لئے اور مجھے یقین تھا کہ اگر اُن سے آداب زمین بوس[1] بجالانے یا اس سے بھی زیادہ کسی اور رسم انکسار کے ادا کرنے کی خواہش کی جاتی تو یہ اُس کو بھی بلا عذر قبول کر لیتے لیکن یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر یہ اپنے ملک کے دستور کے موافق سلام کرنے یا بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے خریطے دینے کی استدعا کرتے تو یہ منظور بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ رعایتیں صرف ایران ہی کے سفیروں کے ساتھ ملحوظ رہتی

---

[1] شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے جس نے لباس اور رسوم دربار وغیرہ میں تالیف قلوب کے لئے بہت کچھ ہندو راجاؤں کا طرز اختیار کر لیا تھا لوگ جس طرح راجاؤں کو ڈنڈوت کرتے تھے دربار کے وقت بجائے سلام کے بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا مگر شاہجہاں نے تخت پر بیٹھتے ہی اس کی ممانعت کی اور مہابت خاں سپہ سالار کی رائے سے اُس کی عوض "آداب زمین بوس" مقرر ہوا۔ یعنی جب کوئی سلام کو حاضر ہو تو چاہیئے کہ بادشاہ کے سامنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اُن کی پشت کو چوم لیا کرے اور سادات اور علما اور مشائخ اور درویشوں کو حکم ہوا کہ صرف سلام کر لیا کریں اور رخصت کے وقت فاتحہ پڑھا دیا کریں مگر چونکہ اس میں بھی سجدہ کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت تھی چند سال بعد اس کو بھی موقوف کر دیا اور اس کے عوض چوتھی تسلیمات مقرر کر دی جو ایک مقام خاص سے جس کو آداب گاہ کہا جاتا تھا لوگ بجالاتے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں - بلکہ اُن کو بھی ہزار دقت سے یہ اجازت ملتی ہے -

یہ لوگ چار مہینے سے زیادہ دہلی میں رہے - اور اگرچہ کئی بار چاہا مگر رخصت نہ ملی اور اتنے دنوں تک یہاں رہنا ان کی تندرستی کے لئے ایسا مضر ہوا کہ یہ اور ان کے اکثر ہمراہی علیل ہو گئے - بلکہ کئی شخص تو مر بھی گئے - مگر مجھے شبہ ہے کہ ان کو گرمی کے باعث جس کے یہ عادی نہ تھے یہ تکلیف ہوئی یا کہ جسم اور لباس کی کثافت اور خوراک کی قلت کے سبب سے کیونکہ ازبک غالباً تمام دنیا کے لوگوں سے بڑھکر خسیس اور بخیل اور کثیف رہنے والے ہیں - چنانچہ جو لوگ اس سفارت میں آئے تھے سب کے سب جو روپیہ خرچ کے طور پر اورنگ زیب کی طرف سے اُن کو ملتا تھا برابر جمع کئے جاتے تھے اور ایسی خست سے گزران کرتے تھے جو کسی طرح بھی اُن کے مناسب حال نہ تھی - مگر بایں ہمہ ان کی رخصت کے وقت بڑی دھوم دھام اور رسم رسوم کا عمل درآمد ہوا یعنی ایک ایسے دربار میں کہ جس میں تمام امرا حاضر تھے دونوں ایلچیوں کو بڑے بیش قیمت سراپا عطا ہوئے اور حکم ہوا کہ دونوں کے ڈیرے پر آٹھ آٹھ ہزار روپیہ نقد بھی بھیجا جائے اور ان کے آقاؤں کے لئے بھی بہت گراں بہا سراپا یعنی بہت سے عمدہ تھان زربفت کے اور کتنے ہی تھان تن زیب اور ململ کے اور چند الائچی جو ایک ایسا کپڑا ہوتا ہے جو سنہری روپہلی زری اور ریشم ملا کر بنا جاتا ہے اور چند قالین اور جڑاؤ قبضہ کے دو خنجر اُنھیں حوالہ کئے[1]

---

[1] عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سفیر ایک ہی وقت میں نہیں آئے تھے - بلکہ سبحان قلی خان خلف نذر محمد خاں والی بلخ کا سفیر چھبیسویں جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ کو حاضر ہوا اور شاہی میر تزک شہر سے باہر استقبال کر کے اُس کو دربار میں لایا اور خلعت کے علاوہ مرصع پٹی اور پندرہ ہزار روپیہ نقد عطا ہوا تھا اور چونکہ دیر سے بیمار اور ناتوانی اور ضعف کی حالت میں یہاں پہنچا تھا اس لئے چوتھی رجب سنہ مذکور کو ایک مرصع چھڑی جو بڑے بڑے امیروں کو اعزازاً اس غرض سے عطا ہوتی تھی کہ اُس کے سہارے سے دربار میں کھڑے رہا کریں، عطا ہوئی اور دو سو تولہ کی ایک اشرفی اور اسی وزن کا ایک روپیہ عنایت ہوا مگر وہ چند روز بعد یہیں مر گیا - اور اُس کے ہمراہیوں کو آٹھ ہزار روپیہ نقد دے کر رخصت کیا گیا تھا اور عبدالعزیز خاں کا سفیر ۱۰۷۱ھ میں آیا تھا اور اُس کا کابل میں پہنچ جانا سُن کر بادشاہ نے ایک سردار کو اُس کی خاطر تواضع اور مہمان داری کے لئے روانہ کیا تھا اور جب وہ چوتھی ربیع الثانی سنہ مذکور کو شاہجہان آباد کے قریب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سفیروں سے میری ملاقات ان کے قیام دہلی کے زمانہ میں میری تین ملاقاتیں ان سے ہوئیں اور مجھے میرے ایک دوست نے جس کا باپ ملک اُزبک سے دربار مغلیہ میں آکر بہت دولت مند ہو گیا تھا یہ کہکر کہ یہ ایک طبیب ہیں ان سے ملا دیا تھا۔ ان ملاقاتوں سے میرا یہ مدعا تھا کہ حتی الامکان اُن کے ملک کے کچھ حالات دریافت کروں مگر وہ اس قدر بے علم اور جاہل نکلے کہ جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا یہاں تک کہ اپنے ملک کی حدود سے بھی واقف نہ تھے اور جن تاتاریوں نے چند ہی سال گذرے ملک چین پر غلبہ حاصل کیا تھا اُن کا کچھ بھی حال نہ بتا سکے۔ خلاصہ یہ کہ اُن سے ایک بھی نئی بات معلوم نہ ہو سکی ایک دفعہ مجھے یہ شوق ہوا کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤں اور چونکہ یہ رسوم تکلف سے چنداں آشنا نہ تھے اس لئے اُن کے شریک طعام ہو جانے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مگر اُن کا کھانا بہت ہی عجیب و غریب نظر آیا یعنی بجز گھوڑے کے گوشت کے کوئی بھی چیز نہ تھی۔ مگر بہرحال میں نے اپنے کھانے کا کچھ ڈھنگ نکال لیا۔ کیونکہ دسترخوان پر ایک قاب میں کچھ گوشت ایسی ترکیب[1] سے پکا ہوا بھی تھا کہ جس کو میں نے کھانے کے قابل سمجھا اور آداب مجلس کے لحاظ سے اُس کی تعریف بھی کرتا رہا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وہ نہایت ہی خوش ذائقہ غذا تھی۔

کھانا کھانے میں ایک حرف بھی کسی کے منہ سے نہیں نکلتا تھا ادھر میرے یہ لطیف مزاج! میزبان جس قدر منہ میں سما سکتا تھا!! ہاتھ سے گھوڑے کا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ پہنچا تھا تو دو بڑے امیر استقبال کر کے دربار میں لائے تھے اور یہ ترکی گھوڑوں اور اونٹوں اور اور چیزوں کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ کی قیمت کا ایک لعل بھی تحفہ میں لایا تھا اور چونکہ یہ بھی بیمار ہی آیا تھا اس لئے خلعت اور مرصع خنجر اور آٹھ ہزار روپیہ نقد کے علاوہ ایک مرصع چھڑی اس کو بھی عنایت ہوئی تھی اور رخصت کے روز پھر خلعت معہ خنجر مرصع اور تیس ہزار روپیہ نقد کے مرحمت ہوا تھا اور آنے کے دن سے رخصت کے روز تک کل ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اس کو دیا گیا تھا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے غالباً اپنی یاد کی غلطی سے ان دونوں سفیروں کے آنے کو ملا کر لکھدیا ہے۔ س م ح

[1] اصل کتاب میں لفظ راگو لکھا ہے جو فرنگستان میں ایسے سالن کو کہتے ہیں جو کئی قسم کے گوشت کی بوٹیاں اور مصالحے ملا کر بہ تکلف تیار کیا جاتا ہے۔ راگ و س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گوشت ٹھونسنے چلے جاتے تھے۔ کیونکہ چمچہ سے کھانا بالکل جانتے ہی نہ تھے[1] لیکن اس لطیف غذا سے جب خوب پیٹ بھر گیا تب تو اُن کی زبان کھلی اور خوش اختلاطی طور پر مجھ سے بدلائل کہنے لگے کہ ازبک سب لوگوں سے زیادہ قوی ہیکل ہیں۔ اور تیراندازی میں دنیا کی کوئی قوم اُن کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہکر اپنے تیر اور کمانیں منگائیں۔ جو فی الواقع ہندوستان کی کمانوں اور تیروں کی بہ نسبت بہت لمبی تھیں اور کہا کہ ہم شرط لگاتے ہیں کہ اپنا تیر گھوڑے یا بیل کے جسم سے پار کر سکتے ہیں۔ اور پھر اپنی دیہاتی عورتوں کی طاقتوری اور بہادری کی اس قدر تعریف کرنی شروع

---

[1] افغانستان اور ترکستان کے لوگ چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر کھانے کو ایک دناءت پن سمجھتے ہیں اور چینیوں کے سوا جن کے کھانا کھانے کا طرز اہل یورپ سے بہت کچھ مشابہ ہے چھری کانٹے اور چمچہ سے کھانا کھانے کا رواج ممالک ایشیا میں کبھی بھی نہ تھا اور اب تک بھی اس نے کچھ زیادہ رواج نہیں پایا۔ اور کھانے کے وقت کم بولنا آداب طعام میں سمجھا جاتا ہے اور ترکستان میں گھوڑے کے گوشت کا عام رواج ہے۔ چنانچہ میرے محترم دوست مولوی محمد حسین صاحب آزاد جنھوں نے ترکستان کی خوب سیر کی ہے اپنے ایک خط میں یوں ارقام فرماتے ہیں "گھوڑے کا گوشت اس ملک میں عام ہے۔ بازار ہائے قصابی میں جو بڑا عریض اور طویل بازار ہوتا ہے میں نے دیکھا ہے کہ گوشت کی رانیں اور مچھے دوکانوں پر اور دوکانوں کے آگے جو لکڑ گڑے ہوئے ہوتے ہیں ان پر لٹکتے ہوتے ہیں۔ جس لکڑ پر گھوڑے کی دُم لٹکتی ہے وہ گویا بورڈ لگا ہوا ہے کہ یہ گھوڑے کا گوشت ہے! اور جس پر گائے کی دُم لٹکتی ہے سمجھ جاؤ کہ یہ گائے کا گوشت ہے، جس پر اونٹ کی دم لٹکتی ہے یہ اونٹ کا گوشت ہے۔ جب ہم کابل سے بلخ کو روانہ ہوئے تو کتل دندان شکن سے لڑتے ہوئے ہمارے قافلہ سالار کا گھوڑا گرا وہ اترائی بھی میل بھر سے کم نہ تھی ایسے مقاموں میں گر کر گھوڑے یا اونٹ کا سنبھلنا تو ممکن ہی نہیں گھوڑا چور چور ہو گیا۔ سامنے ہی ایک گاؤں تھا لوگ وہاں کے سنتے ہی چھرے لے کر دوڑے اور تکہ بوٹی کر کے لے گئے اور اپنی ہانڈیاں جا گرم کیں۔ کیا تعجب کی بات ہے کہ جس قوم کا ایک مصنف گھوڑے کے گوشت کھانے پر ازبکوں کی ہنسی اُڑاتا ہے اُسی کی قوم کے لوگ جب ۱۸۷۰ء کی لڑائی میں سپاہ جرمنی نے اُن کے تختگاہ پیرس کو گھیر لیا اور اہل شہر گھوڑے وغیرہ جانوروں کے گوشت کھانے پر مجبور ہوئے تو صلح ہو جانے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک بڑے شوق اور تکلف سے گھوڑوں کی رانوں کے کباب اپنی میزوں پر لگاتے اور اور اقوام یورپ کی ہنسی اور مذاق کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی کہ گویا امیزنوں[1] کو بھی اُن کے مقابلہ میں بہت نازک اندام اور ڈرپوک سمجھنا چاہیئے۔ اور اُن کی بہادری وغیرہ کے بہت سے قصے سُنائے۔ چنانچہ خاص طور پر ایک قصہ نے تو مجھکو بھی تعجب میں ڈال دیا۔ مگر افسوس ہے کہ میں اُس کو اس آب وتاب کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا کہ جس کے ساتھ انھوں نے بیان کیا تھا۔ یعنی جس زمانہ میں اورنگ زیب اُزبکوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھا اتفاقاً پچیس تیس سواروں کا ایک گروہ جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں جا گھسا اور گھروں کو لوٹنے اور غلام بنانے کے لئے لوگوں کو پکڑنے باندھنے لگا تو ایک بڑھیا نے اُن سے کہا کہ بیٹا میری صلاح مانو اور ان حرکتوں سے باز آؤ اور اپنی خیریت چاہتے ہو تو جلد یہاں سے نکل جاؤ وہ میری بیٹی جو باہر گئی ہوئی ہے اور جلد آیا چاہتی ہے۔ تم پر آن پڑے گی تو تمھارا کیا اور نہ کیا سب برابر ہو جائے گا۔ لیکن اُنھوں نے اُس بیچاری نیک دل بڑھیا کی بات یوں ہی ٹھٹھے میں اُڑا دی اور بدستور گھروں کو لوٹتے اور لوگوں کو پکڑتے باندھتے رہے مگر جب لوٹ کے مال سے اپنے گھوڑے اور ٹٹولا دلئے اور گاؤں کے بہت سے باشندوں اور خود اُس بیچاری بڑھیا کو بھی قید کرکے لے چلے تو کوس ڈیڑھ کوس بھی نہ گئے ہوں گے کہ یہ بڑھیا جو بار بار پیچھے کو مڑ مڑ کر دیکھتی جاتی تھی۔ خوشی سے چلّا کر بولی۔ "میری بیٹی، میری بیٹی" اور اگرچہ وہ ابھی نظر سے اوجھل تھی مگر معمول سے زیادہ

---

[1] امیزن اس کا اشتقاق یونانی لفظ میزاس سے ہے جس کے معنی پستان کے ہیں اور جس طرح قدیم فارسی اور سنسکرت میں اسم کے پہلے الف لگائے جانے سے اُس کے معنی نفی کے ہوجاتے ہیں اسی طرح حرف اے کے ملنے سے جو بمنزلہ الف کے ہے اُس کے معنی بن چھاتی والی عورت کے ہوگئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں یورپ کے شرق میں عورتوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا تھا جو اپنی داہنی چھاتی اس غرض سے کاٹ ڈالتی تھیں کہ تیراندازی اور نیزہ بازی کرنے میں کچھ الجھاؤ نہ رہے اور مردوں کو اپنی صحبت میں دخل نہ دیتی تھیں۔ اور ایسی قوی اور جنگ جو تھیں کہ بحر اسود کے ساحل معروف یوگزن پر ایشیائے کوچک میں تھرموڈن ندی کے کنارے ایک سلطنت قائم کرلی تھی اور ہمت مردانہ اور قوت دلیرانہ سے قرب وجوار کی قوموں کو مسخر اور مغلوب کر رکھا تھا۔ مگر بعض مورخ ان روایتوں کو صرف افسانہ خیال کرتے ہیں۔ بہرحال اس روایت کی وجہ سے فرنگستان میں بہادر اور مردانہ وش عورتوں کے لئے یہ لفظ ایک اصطلاح بن گیا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گرد اڑتی دیکھکر اور گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سُن کر اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میری بہادر بیٹی مجھے اور میرے رفیقوں کو بے رحم دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑا لینے کے لئے آ پہنچی ہے اور وہ یہ الفاظ کہہ نہ چکی تھی کہ وہ لڑکی ایک برق وش گھوڑے پر سوار گلے میں کمان ڈالے اور کمر سے ترکش باندھے ہوئے دکھائی دی اور دور ہی سے للکاری! کہ اگر تم سب مال رکھ دو اور قیدیوں کو چھوڑ کر چپکے اپنے مکان کو چلے جاؤ تو میں اب بھی تمھاری جان بخشی کرتی ہوں! مگر انھوں نے جس طرح بیچاری بڑھیا کی منت وسماجت پر کچھ خیال نہ کیا تھا اُسی طرح اس کی بات پر بھی کچھ توجہ نہ کی۔ لیکن جب اُس نے آن کی آن میں تین چار تیر مار کر اُتنے ہی سپاہیوں کو زمین پر گرا دیا تب تو وہ سخت حیران ہوئے! اور فوراً اپنی کمانیں سنبھال لیں۔ لیکن لڑکی اُن کی زد سے بہت دور تھی اور ہنستی تھی کہ کیا خوب! یہ نامرد اب اپنے رفیقوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ الغرض وہ اس زور سے تیر مارتی اور ایسا ٹھیک نشانہ لگاتی تھی کہ جسے دیکھکر یہ خوف زدہ ہندوستانی سوار ہکا بکا رہ گئے اور اُس نے آدھے تو تیروں سے مار لئے اور باقی ماندہ پر تلوار پکڑ کر آن پڑی اور سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اورنگ زیب کی علالت

ابھی یہ تاتاری سفیر دہلی ہی میں تھے کہ اورنگ زیب ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ اُسے شدتِ بخار سے ہذیان ہوتا تھا۔ اور زبان ایسی اینٹھ گئی تھی کہ بات مشکل سے منہ سے نکلتی تھی طبیب ناامید ہو گئے تھے اور عموماً یہ افواہ اڑ گئی تھی کہ بادشاہ مر گیا ہے۔ مگر روشن آرا بیگم کسی غرض سے اس بات کو چھپائے ہوئے تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ راجہ جسونت سنگھ صوبہ دار گجرات شاہجہاں کو قید سے چھڑانے کے لئے چلا آتا ہے اور اسی ارادہ سے مہابت خاں صوبہ دار کابل بھی (جس نے آخر کار اورنگ زیب کی اطاعت قبول کر لی تھی) تین چار ہزار سواروں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا آتا ہے۔ بلکہ لاہور سے بھی آگے نکل آیا ہے۔ اور یہ بھی شہرت تھی کہ اعتبار خاں خواجہ سرا۔ شاہجہاں جس کی حراست میں تھا نہایت بے قراری سے چاہتا ہے کہ اُس بڈھے بادشاہ کو رہائی دینے کی ناموری مجھے حاصل ہو۔

ادھر سلطان محمد معظم کا یہ حال تھا کہ امیروں کو وعدے وعید اور رشوتیں دے کر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنا طرف دار بنانے کے لئے کوشش کر رہا تھا یہاں تک کہ ایک روز رات کو بھیس بدل کر راجہ جے سنگھ کے مکان پر بھی گیا اور نہایت منت و سماجت کے ساتھ اُس سے کہا کہ آپ علانیہ طور پر میری جانب دار بن جائے اُدھر روشن آرا بیگم نے کئی ایک امیروں کے اتفاق سے جن میں (توپ خانہ کا افسر اعلیٰ) فدائی خان میر آتش بھی تھا یہ بندوبست کر رکھا تھا کہ اورنگ زیب کے تیسرے بیٹے سلطان اکبر کو جس کی عمر ابھی سات آٹھ ہی برس کی تھی تخت نشین کرے۔ ہر دو فریق نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہمارا اصل مدعا شاہجہاں کا قید سے چھڑا دینا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف عوام الناس کی تالیفِ قلوب کے لئے ایک بہانہ تھا اور یہ بھی غرض تھی کہ اگر بالفرض اعتبار خاں یا اور امیروں کی مخفی سازش سے وہ چھوٹ جائے تو لوگوں کی نظر میں ہماری بات بنی رہے حالانکہ جتنے ذی رتبہ اور مقتدر لوگ تھے۔ شاہجہاں کا دوبارہ تخت نشین ہونا دل سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ بجز جسونت سنگھ اور مہابت خاں اور بعض اور امیروں کے جو علانیہ شاہجہاں کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہوئے تھے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو اس بے چارے حق دار بادشاہ کو چھوڑ کر نمک حرامی سے کھلم کھلا اورنگ زیب کا ساتھی نہ بن گیا ہو اس لئے یہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ اُس کا قید سے نکل جانا گویا ایک بپھرے ہوئے شیر کا چھوٹ جانا ہے۔ اور اُس کی رہائی کے اندیشہ سے تمام اہل دربار ہراساں ہو رہے تھے اور سب سے زیادہ اعتبار خاں ڈر رہا تھا جو اس بیچارے بدنصیب قیدی بادشاہ سے بے وجہ بڑی سختیوں اور گستاخیوں سے پیش آتا رہا تھا۔ لیکن اورنگ زیب باوجود شدتِ مرض کے باپ کی نگہبانی اور سلطنت کے کام کی طرف سے غافل نہ تھا۔ اور اگرچہ سلطان معظم کو اُس کی تاکیدی ہدایت اور نصیحت یہی تھی کہ اگر میں مرجاؤں تو شاہجہاں کو قید سے چھوڑ دینا مگر اعتبار خاں کو جو فرمان پر فرمان لکھواتا رہا اُن میں برابر یہ تاکید تھی کہ خبردار اپنے کام میں سستی اور غفلت نہ کرنا اور بیمار ہونے سے پانچویں روز جب کہ مرض نہایت شدت پر تھا اُس نے کہا کہ ہم کو دربار میں لے چلو جس سے یہ غرض تھی کہ بعض لوگوں کو جو اُس کے مرجانے کا گمان ہو گیا تھا وہ جاتا رہے اور کوئی عام شورش یا ایسا واقعہ جس سے شاہجہاں قید سے نکل جائے ہونے نہ پائے۔ چنانچہ انھیں خیالات سے ساتویں اور نویں اور دسویں دن بھی دربار میں آتا رہا اور نہایت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تیرھویں روز اگرچہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اتنی دیر تک غش میں رہا کہ عموماً اُس کا مرجانا مشہور ہو گیا مگر تاہم جوں ہی ذرا افاقہ ہوا تو باہر آیا اور راجہ جے سنگھ اور دو تین اور بڑے بڑے امیروں کو بلا بھیجا تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ وہ زندہ اور سلامت ہے اور خدمت گاروں سے فرمایا کہ ہم کو پلنگ پر ذرا بٹھادو اور اعتبار خاں کے نام کچھ لکھنے کے لئے کاغذ اور قلم دان منگایا اور سلطنت کی بڑی مُہر جو ایک چھوٹی سی تھیلی میں جس پر بادشاہ کی دستی مُہر لگی ہوئی روشن آرا بیگم کے سپرد رہتی تھی ایک خاص آدمی کے ہاتھ منگوا بھیجی جس سے یہ امتحان منظور تھا کہ بیگم نے اپنی کسی ناجائز غرض کے لئے اُسے استعمال تو نہیں کیا۔ چنانچہ جس وقت میرے آغا نے یہ سب خبریں سنیں تو ہیں نے دیکھا کہ اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"واہ واہ کیا استقلالِ طبع اور کیا حوصلہ ہے اورنگ زیب خدا تجھے سلامت رکھے تجھے ابھی بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ اور یقیناً ابھی تیری زندگی باقی ہے"

اور فی الحقیقت اس حالت کے بعد اُس کی صحت میں رفتہ رفتہ ترقی ہونے لگی۔

داراشکوہ کی بیٹی سے سلطان اکبر کے رشتہ کی تجویز

اب چونکہ اورنگ زیب کی طبیعت روز بروز اعتدال پر آتی جاتی تھی اُس کی یہ مرضی ہوئی کہ داراشکوہ کی بیٹی کو شاہجہاں اور بیگم صاحب کے پاس سے بلوا کر سلطان اکبر سے جس کی نسبت ولی عہد بنائے جانے کا احتمال ہے اُس کی شادی کردے جس سے اُس کی ولی عہدی کو تقویت ہونے کی اُمید تھی۔ کیونکہ یہ شاہزادہ اگرچہ ابھی بچہ ہے لیکن بہت سے مقتدر امرا اُس کے قرابتی ہیں اور نواز خاں (شاہنواز خاں صفوی) کے نواسہ ہونے کی وجہ سے ایسے خاندان سے علاقہ رکھتا ہے جو کسی زمانہ میں مسقط کے بادشاہ تھے۔ اور محمد سلطان اور محمد معظم کی مائیں[1] صرف راجاؤں کی بیٹیاں ہیں۔

اگرچہ بادشاہانِ ہند مسلمان ہیں مگر ہندوؤں کے ہاں شادی کر لینے میں اُن کو کچھ تامل نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ کوئی ایسا رشتہ امور سلطنت کے لئے مفید معلوم ہو اور خوبصورت بیوی بھی ہاتھ آئے۔ لیکن اورنگ زیب کا یہ منصوبہ چل نہ سکا کیونکہ شاہجہاں اور بیگم صاحب نے بڑی نفرت کے ساتھ اس سے انکار کیا بلکہ خود اس نوعمر شہزادی نے بھی

---

[1] پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ ان دونوں کی مائیں علیحدہ علیحدہ نہ تھیں بلکہ ایک ہی رانی یعنی نواب بائی کے پیٹ سے تھے اور محمد اکبر کی ننھیال کا شاہانِ مسقط کی نسل سے ہونا بھی جیسا کہ ہم پہلے ایک حاشیہ میں لکھ آئے ہیں صحیح نہیں ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہایت بیزاری ظاہر کی اور بچاری مدت تک اس خیال سے کہ کہیں اُسے زبردستی نہ لے جائیں نہایت تردد اور بے قراری کی حالت میں رہی اور علانیہ کہتی رہی کہ

"جان دیدوں گی! مگر اُس شخص کے بیٹے سے شادی نہ کروں گی جس نے میرے باپ کو مارا ہے"

اورنگ زیب کی شاہجہاں سے بعض جواہرات کی طلبی، اور اُس کا سختی سے انکار

اسی طرح اورنگ زیب شاہجہاں سے بعض خاص جواہرات کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوا جن کو وہ اُس مشہور و معروف (تخت طاؤس) میں لگانا چاہتا تھا جس کو دیکھکر ایک عالم کو حیرت ہوتی ہے۔ قیدی بادشاہ نے نہایت غصہ سے یہ کہلا بھیجا کہ اورنگ زیب دانائی اور انصاف سے سلطنت کا کام کرتا رہے مگر تخت کے معاملہ میں دخل نہ دے۔ اور جواہرات کی بابت اگر مجھے پھر ستائیں گے تو خبردار ان پتھروں کو کوٹ کر چورا کردوں گا۔

ڈچوں کے سفیر کی باریابی

آخر کار ڈچوں نے بھی اورنگ زیب کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے میں پیچھے رہنا نہ چاہا اور سفیر بھیجنے کا ارادہ کیا اور اس کام کے لئے ایڈریکن کو تجویز کیا۔ جو اُن کی سورت کی کوٹھی کا کارپرداز اعلیٰ اور بہت متدین اور ذی لیاقت اور سلیم الرائے شخص تھا۔ اور چونکہ اُس کی یہ عادت تھی کہ تجربہ کار لوگوں کی رائے اور مشورت پر چلنے میں اُس کو کبھی انکار نہ ہوتا تھا اس لئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُس نے اس کام کو اپنے ہم وطنوں کے قابل انجام دیا۔ اورنگ زیب اگرچہ دربار کے ضابطوں اور دستوروں میں ہمیشہ بڑی کروفر اور شان و شوکت دکھاتا ہے۔ اور اپنی دین داری کا اظہار بھی بہت کرتا ہے اور اس لئے عیسائیوں کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے تاہم اس سفیر کے ساتھ وہ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ہماری یہ خوشی ہے کہ مسٹر ایڈریکن اول ہندوستان کے دستور کے موافق آداب بجالائے یعنی آداب گاہ پر تسلیمات ادا کرے۔ اور پھر نزدیک آکر خاص اپنے ملک کی رسم کے موافق سلام کرے اور اگرچہ یہ سچ ہے کہ جو خرلطیہ مسٹر ایڈریکن لے کر حاضر ہوا تھا اورنگ زیب نے وہ ایک امیر کی وساطت سے لیا تھا مگر اس کو کچھ توہین کی علامت سمجھنا نہیں چاہیے۔

اے ڈری ک ن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیونکہ ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل ہوا تھا۔ ان ابتدائی رسوم کے طے ہونے کے بعد مسٹر ایڈریکن کو اپنے تحائف پیش کرنے کا حکم ہوا اور اُس کو اور اُس کے چند یورپین ہمراہیوں کو زربفت کے "سراپا" پہنائے گئے۔ چنانچہ منجملہ اُن تحائف کے کچھ تو سُرخ اور سبز رنگ کی عمدہ بانات کے تھان تھے اور کچھ بڑے بڑے آئینے اور کچھ چین اور جاپان کی بنی ہوئی عمدہ چیزیں جن میں ایک پالکی اور تخت رواں نہایت ہی خوبصورت تھا جو بہت ہی پسند کیا گیا۔

شاہانِ مغلیہ کی یہ عادت ہے کہ غیر ملکوں کے سفیروں کو جہاں تک ممکن ہوتا ہے اس غرض سے ٹھیرائے رکھتے ہیں کہ اُن کا دربار میں حاضر رہنا اور آداب و تعظیم بجا لانا سلطنت کی شان و شوکت کا باعث[1] ہے۔ پس ایڈریکن بھی جس جلدی کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا تھا نہ ہو سکا۔ اگرچہ تاتاری سفیروں کی نسبت اُس کو بہت جلد رخصت حاصل ہو گئی یعنی جب اُس کا سکرٹری دہلی ہی میں چل بسا اور کئی اور شخص بھی بیمار ہو گئے تو اورنگ زیب نے اُس کو رخصت کر دیا اور زربفت کا ایک "سراپا" اُس کو اور اُس سے بھی زیادہ قیمت کا "سراپا" اور جڑاؤ خنجر اور مہربانی آمیز ایک شفقہ بیٹویا[2] کے گورنر کے لئے عنایت ہوا۔

سفیر کے بھیجنے سے ڈچوں کی اصل غرض یہ تھی کہ دربار میں رسائی پیدا کر کے بادشاہ کا التفات حاصل کریں اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے حال سے اُس کو کسی قدر مطلع کریں تاکہ

---

[1] ظاہرا یہ صرف مصنف کا قیاس معلوم ہوتا ہے ورنہ ممالک ایشیا کی رسم کے موافق مہمان کا زیادہ دیر تک ٹھیرانا خوش خلقی کی نظر سے ہوتا ہے۔ س م ح

[2] بیٹویا ملک ہالینڈ کا قدیم نام ہے اور لفظ بٹی سے مشتق ہے جو ایک چھوٹی سی قوم تھی جو جرمنی کے اُن ضلعوں میں رہتی تھی جو زمانہ حال میں ہس کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قوم سنہ عیسوی سے ایک سو برس پہلے وہاں سے اٹھکر ہالینڈ میں آ بسی تھی اور اس کی وجہ سے پُرانے زمانہ میں ہالینڈ کا نام بیٹویا مشہور ہو گیا تھا۔ مگر جس بیٹویا کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ جزیرہ جاوہ میں کوئی پچاس ہزار آدمی کی آبادی کا ایک شہر اور ڈچوں کے مقبوضات کا دارالحکومت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے ملک کی مناسبت سے اس کا یہ نام رکھدیا ہے۔ ماخوذ از جام جم۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بندرگاہوں اور دوسرے مقامات کے حاکموں اور عالموں کے دل پر جہاں اُن کی تجارتی کوٹھیاں تھیں اُن کے بارے میں اچھا اثر پیدا ہوا اور اُن کو امید تھی کہ یہ لوگ یہ معلوم کرکے کہ ڈچ بھی ایک زبردست سلطنت کی رعایا ہیں اور بادشاہ تک رسائی رکھتے اور خود اُس کی خدمت میں اپنا عرض حال کرکے انصاف حاصل کر سکتے ہیں ہماری حقارت نہ کیا کریں گے اور نہ تجارت میں خلل انداز ہوں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اہل دربار کو اس بات کے یقین دلانے میں کہ ہماری تجارت سے ہندوستان کو بہت بڑا فائدہ ہے بہت کوشش کی اور بہت سی جنسیں جو وہ یہاں سے خریدتے تھے اُن کی ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست اس غرض سے دکھلاتے تھے کہ اُن کے ذہن نشین ہو جائے کہ اُن جنسوں کے خریدنے کے لئے وہ بہت سا سونا چاندی اپنے ملک سے یہاں لاتے ہیں۔ مگر اس بات کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے کہ سال بہ سال تانبا۔ سیسا۔ دارچینی۔ لونگ۔ جائپھل۔ کالی مرچیں۔ عود اور ہاتی وغیرہ بیچ کر کس قدر دولت کھینچ لے جاتے ہیں۔

اصولِ جہانبانی پر اورنگ زیب کی تقریر

انھیں دنوں ایک بڑے امیر نے اورنگ زیب سے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اس قدر محنت فرماتے ہیں اس سے اندیشہ ہے کہ صحت جسمانی بلکہ قوائے دماغی کو ضعف پہنچے۔ جس کو سُن کر بادشاہ نے اس عقلمند! ناصح کی طرف سے تو منہ پھیر لیا گویا سُنا ہی نہیں اور ذرا ٹھیر کر ایک اور بہت بڑے امیر کی طرف جو نہایت دانا اور ذی علم تھا متوجہ ہو کر فرمایا (اُس کی یہ تقریر خاص اس امیر کے بیٹے نے جو ایک نوجوان طبیب اور میرا دلی دوست تھا مجھ سے نقل کی تھی) کہ آپ تمام اہل علم اس باب میں متفق الرائے ہیں کہ مشکل اور خوف کے زمانے میں بادشاہ کو جان جوکھوں میں پڑ جانا اور ضرورت کے وقت رعایا کی بہتری کے لئے جو خدا نے اُس کے سپرد کی ہے تلوار پکڑ کر میدان جنگ میں جان دے دینا فرض و واجب ہے۔ مگر اس کے برعکس یہ نیک اور باضمیر شخص یہ چاہتا ہے کہ رعایا کے آرام و آسایش کے لئے مجھے ذرا بھی تکلیف نہ اٹھانی چاہیئے اور بغیر اس کے کہ اُن کی رفاہ و فلاح کی تدبیروں کے سوچنے میں مجھے ایک رات بھی بے آرام رہنا پڑے یا ایک دن بھی بے عیش و عشرت اور لہو و لعب کے بسر ہو یہ مدعا یوں ہی حاصل ہو جائے اور اس کی یہ رائے ہے کہ میں صرف اپنی تندرستی کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مقدم جانوں اور زیادہ تر عیش و عشرت اور آرام و آسائش میں مصروف رہوں اور اس کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ میں اس وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے بھروسہ پر چھوڑ بیٹھوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ جس حالت میں مجھے خدا نے شاہی خاندان میں پیدا کر کے تخت پر بٹھایا ہے تو دنیا میں اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اوروں کے آرام کے لئے محنت کرنا مجھ پر فرض کیا گیا ہے پس میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی ہی آسائش کی فکر کروں البتہ انھیں کے رفاہ کی غرض سے جس قدر آرام لینا ضروری ہے اُس کا مضائقہ نہیں اور بجز اُس حالت کے کہ انصاف و عدالت اُس کی مقتضی ہو یا اقتدار سلطنت کے قائم رکھنے یا ملک کی حفاظت کے لئے ضروری ہو اور کسی صورت میں رعایا کے آرام و آسائش کا نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے اور رعیت کی آسائش و بہبود ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی فکر مجھے ہونی چاہیئے۔ مگر یہ شخص اس بات کی تہ کو نہیں پہنچا کہ اُس آرام سے جو یہ میرے لئے تجویز کرتا ہے کیا کیا قباحتیں پیدا ہوں گی اور یہ بھی اس کو معلوم نہیں کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دیدینا کیسی بُری بات ہے۔ اور سعدی نے جو یہ کہا ہے کہ

"پادشاہوں کو چاہیئے کہ بذات خود کاروبار سلطنت کا بوجھ اپنے اوپر لیں ورنہ بہتر ہے کہ پادشاہ کہلانا چھوڑ دیں"۔

تو کیا اُس بزرگ کا یہ قول لغو ہے؟ پس اپنے اس دوست سے کہدیجئے کہ اگر ہم سے تحسین و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو کام اُس کے سپرد ہے اُس کو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو بادشاہوں کے سننے کے لائق نہیں ہے پھر کبھی نہ دے اور افسوس ہے کہ تن پروری اور آرام طلبی اور ایسے خیالات سے جو دوسروں کے فلاح و بہبود کے فکر و تردد میں آدمی کو گھلا ڈالتے ہیں۔ بچنے کی خواہش انسان کی طبعی اور جبلی کمزوری ہے پس ایسے فضول صلاح کاروں کی ہم کو حاجت نہیں عیش و آرام کے مشورے تو ہماری بیگمیں بھی دے سکتی ہیں۔

ایک خواجہ سرا کے عشق کا واقعہ انھیں دنوں میں ایک ایسا افسوسناک واقعہ دہلی میں ہوا کہ جس کا تمام شہر اور بالخصوص شاہی محل سرا میں بہت چرچا تھا اور جس سے میری اور لوگوں کی اس رائے کی کہ جو شخص

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رجولیت سے محروم کر دیا جائے اُس کو تعشق نہیں ہو سکتا۔ غلطی ثابت ہو گئی[1] یعنی دیدار خاں نامی ایک ذی رتبہ خواجہ سرا نے ایک مکان بنایا تھا جہاں تفریح خاطر کے لئے کبھی کبھی جاتا اور بعض اوقات رات کو وہیں سو بھی رہتا تھا اور اُس کے ہمسایہ میں ایک ہندو کا گھر تھا جو عرائض نویسی وغیرہ کا کام کیا کرتا تھا۔ یہ خواجہ سرا اس کی بہن پر جو بہت خوبصورت تھی عاشق ہو گیا اور اگرچہ کچھ عرصہ تک ان کا باہم ناجائز تعلق رہا مگر کسی کو کچھ شبہ نہ ہوا کیونکہ یہ خوجہ تھا اور زنانہ میں آنے جانے سے خوجوں کو کوئی بھی نہیں روکتا ــــ مگر آخر کار ان کا تعشق یہاں تک بڑھ گیا کہ اُس ہندو کو بھی اِس قسم کی خبریں پہنچ گئیں کہ لوگ اُس کی بہن کی پاک دامنی کی نسبت شبہ کرتے ہیں اور اُس نے غصہ میں آکر اپنے دل میں یہ ٹھان لی کہ اگر یہ سچ ہے تو دونوں کو مار ڈالوں گا چنانچہ کچھ زیادہ عرصہ نہ لگا کہ ایک رات کو یہ دونوں اکھٹے سوتے دیکھ لئے گئے۔ پس اس نے دیدار خاں کو تو چھاتی میں خنجر مار کر مار ڈالا اور بہن کو بھی ایسا زخمی کیا کہ اُس کی دانست میں مر ہی چکی تھی اور اس واردات سے محل سرائے شاہی میں نہایت تہلکہ اور شور و شر پیدا ہوا۔ اور خواجہ سراؤں اور محل کی عورتوں نے باہم ایکا کر لیا کہ جس طرح بنے اس شخص کو قتل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اورنگ زیب جو اس ہندو کے مسلمان ہو جانے کو اُس کے اس گناہ کا کافی کفارہ خیال کرتا تھا اگر خواجہ سراؤں کے جوش و خروش پر ناراض نہ ہو جاتا تو اُس کا بچنا مشکل تھا مگر اس پر بھی لوگوں کی رائے عموماً یہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی عداوت اور اُن کے زور و اثر کی وجہ سے یہ بے باک شخص سلامت نہ رہ سکے گا۔

ہندوستانیوں کا یہ خیال ہے کہ اگرچہ خصی کر دینے سے جانور غریب اور سیدھا ہو جاتا ہے مگر آدمی پر اس عمل کا اثر برعکس ہوتا ہے اور اُن کا قول ہے کہ کیا کوئی خواجہ سرا ایسا بھی ہے جو شریر اور مغرور اور بے رحم نہ ہو؟ حالانکہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں بہت سے وفادار اور فیاض اور شجاع بھی ہوتے ہیں۔

انھیں دنوں اورنگ زیب کو روشن آرا بیگم پر دو نامحرم شخصوں کو محل میں بُلا لینے

---

[1] مصنف نے باوصف اس قدر قابلیت کے خدا جانے یہ کیا لکھدیا ہے۔ حالانکہ سیدھی بات ہے کہ اُس کے خوجہ بنانے میں کوئی کسر رہ گئی ہوگی۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا شبہ ہوا اور وہ بہت ناراض ہوا مگر چونکہ شبہ ہی تھا اس لئے بھائی بہن میں جلد صفائی ہوگئی اور اورنگ زیب ان دونوں آدمیوں کے ساتھ اس بے رحمی سے کبھی پیش نہیں آیا جو شاہجہاں نے اُس بدبخت گرفتار عشق سے برتی تھی جو حمام کی دیگ میں جا چھپا تھا میں اس قصہ کو ٹھیک اُسی طرح پر کہ جس طرح ایک دو غلی پُر تگیزن بڑھیا نے جو بہت عرصے سے لونڈیوں کے طور پر محل میں خدمت کرتی اور باہر آتے جاتے کی بھی مجاز تھی مجھے سُنایا تھا بیان کرتا ہوں۔

روشن آرا بیگم نے اِن میں سے اول تو ایک جوان کو کئی دن تک اپنے پاس چھپائے رکھکر حفظِ صحت حاصل کیا۔ اور بعد ازاں بعض اپنی خدمت گار عورتوں کو جنھوں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ہم رات کی تاریکی میں اُس کو محل سے باہر کردیں گے سپرد کردیا۔ مگر یا تو ان عورتوں کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا یا وہ خود ہی افشائے راز کے اندیشے سے ڈر گئیں یا کچھ اور سبب ہوا۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ وہ تو اُس کو چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اور یہ خوف زدہ نوجوان محل کے باغوں میں اکیلا اور حیران پھرتا ہوا پکڑا گیا اور محل کے پاسبان وغیرہ اس کو کشاں کشاں اورنگ زیب کے حضور میں لے گئے چونکہ باوجود بہت ہی پرسش اور تفتیش کے اُس نے کسی جرم کے ارتکاب کا اقرار نہ کیا اور صرف اتنا ہی کہا کہ میں دیوار پر سے کود کر اندر آگیا تھا اس لئے اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جس طرح سے یہ شخص یہاں تک آیا ہے اس کو چاہیئے کہ اُسی طور سے باہر نکل جائے۔ لیکن خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے حکم سے غالباً تجاوز کرکے اُس کو دیوار سے نیچے گرادیا اور دوسرا شخص بھی اسی طرح باغ میں ادھر اُدھر پھرتا ہوا پکڑا گیا تھا اور اُس نے ظاہر کیا کہ میں دروازے کے راستہ سے آیا ہوں جس پر بادشاہ نے اُس کو تو اُسی راستہ سے باہر نکلوادیا مگر خواجہ سراؤں کو عبرتاً سخت سزا دینے کا مصمم ارادہ کیا کیونکہ نہ صرف حفظِ ناموس کی خاطر بلکہ بادشاہ کی ذات خاص کی حفاظت کے لئے بھی محل سرا کی ڈیوڑھی کا زیادہ سخت انتظام کیا جانا ضروری تھا۔

مکہ، یمن، بصرہ اور حبش کے ایلچیوں کی آمد

اس واقعہ سے چند مہینے بعد قریباً ایک ہی وقت میں پانچ ایلچی دہلی میں آئے۔ چنانچہ ان میں سے جو سب سے پہلے آیا وہ شریفِ مکہ کی طرف سے تھا۔ اور جو تحائف وہ لایا تھا اُن میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چند عربی گھوڑے اور ایک جھاڑو تھی جو اُس معبد کے جھاڑنے بہارنے کے کام میں آچکی تھی جو اُس مشہور و معروف مسجد کے وسط میں بنا ہوا ہے جو مکہ میں ہے اور جس کی مسلمان لوگ بڑی تعظیم کرتے اور اُس کو "بیت اللہ" یعنی خدا کا گھر کہتے ہیں اور اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ سب سے پہلا مکان ہے جو خدائے برحق کی عبادت کے واسطے مخصوص کیا گیا تھا اور اس کو حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا۔

دوسرا ایلچی بادشاہ یمن نے بھیجا تھا۔ اور تیسرا بصرہ کے "پرنس[1]" نے اور یہ دونوں بطور تحفہ عربی گھوڑے لائے تھے اور باقی دو سفیر شاہ اتھوپیا (حبش) کے تھے۔ اِن میں سے پہلے تین سفیروں کی خاطر تواضع اس قدر کم ہوئی جو بمنزلہ نہ ہونے کے تھی۔ کیونکہ اُن کا ساز و سامان ایسا حقیر تھا کہ ہر ایک شخص یہ خیال کرتا تھا کہ اُن کا آنا صرف اِس غرض سے ہے کہ جو تحفے وہ لائے تھے اُن کی اور نیز اُن بہت سے گھوڑوں اور تجارتی جنسوں کی عوض جو اپنا ذاتی اسباب بنا کر بلا ادائے محصول ساتھ لے آئے تھے بہت سا روپیہ کما کر لے جائیں۔ چنانچہ فی الواقع جو روپیہ اُن کے تحائف کی عوض میں اور سوداگری مال و اسباب کے فروخت سے حاصل ہوا تھا اُس سے انھوں نے یہاں کی تجارتی جنسیں خریدیں اور بلا ادائے محصول اُن کو اپنے ساتھ لے جانے کا استحقاق ظاہر کیا۔

مگر شاہ حبش کی طرف سے جو ایلچی آئے تھے اُن کا حال کسی قدر توجہ طلب ہے۔ اِن سفیروں کے آنے کا یہ سبب تھا کہ جو انقلاب سلطنت یہاں وقوع میں آیا تھا شاہ حبش کو اُس کی تفصیلی خبر پہنچ چکی تھی اس لیے اُس کو یہ خواہش ہوئی کہ اپنے اقتدار اور شان و عظمت کے موافق سفارت بھیج کر اس وسیع سلطنت میں اپنی ناموری کی دھاک بٹھائے۔ لیکن بدگمان لوگوں کا یہ قول تھا اور فی الواقع سچ بھی تھا کہ سفیروں کے بھیجنے سے صرف وہ قیمتی تحائف اس حبشی کے مدنظر تھے۔ جن کے

---

[1] عالمگیر نامہ میں اس کا نام حسین پاشا لکھا ہے جو اول ٹرکی کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا اور پھر سلطان کی ناراضگی کی وجہ سے اورنگ زیب کا آن کر نوکر ہو گیا تھا۔ س۔م۔ ع ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب کے فیاض ہاتھوں سے حاصل ہونے کی قطعی اُمید تھی۔ اور جو ایلچی اُس نے بھیجے تھے فی الواقع اُس کے دربار میں بہت معزز و ممتاز اور اُن بڑے بڑے مقاصد کے حاصل کرنے کے قابل تھے جو اُس کے مدنظر تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک ایلچی تو ایک مسلمان[1] سوداگر تھا جو چند سال ہوئے جب کہ میں بحر احمر کے راستہ سے بندر مخا میں آیا تھا وہاں مجھکو ملا تھا اور اُس کے عظیم الشان آقا نے بہت سے غلام دے کر اس غرض سے بھیجا تھا کہ اُن کو بیچ کر اس روپیہ سے جو ہاتھ آئے ہندوستانی مال و اسباب خرید لائے۔ واہ عیسائی ہو کر یہ نامور افریقی بادشاہ کیا عمدہ تجارت کرتا ہے۔ اور دوسرا ایک عیسائی ارمنی سوداگر تھا جو حلب میں پیدا ہوا اور وہیں اُس نے شادی بھی کر لی تھی اور اتھوپیا میں اس کا نام مراد مشہور تھا۔ اور مخا میں اس سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی اور اُس نے نہ صرف اپنا نصف مکان میرے لئے خالی کر دیا تھا بلکہ وہ صلاح بھی اسی نے دی تھی جس کی بنا پر میں نے حبش کو جانا ملتوی کر دیا تھا جس کا ذکر میں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ اور یہ بھی اُسی مذکورہ بالا غرض سے وہاں بھیجا ہوا آیا تھا۔ یہ شخص ہر سال مخا میں شاہ اتھوپیا کی طرف سے انگریزوں اور ڈچوں کی کمپنیوں کے لئے جو ہندوستان میں تجارت کرتی ہیں تحفتہً چیزیں لاتا اور اُن کی دی ہوئی اشیاء اپنے بادشاہ کے لئے گونڈار لے جاتا ہے۔ چونکہ یہ بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ اس کے سفیر ایسی شان و شوکت کے ساتھ جائیں جو اس موقعہ کے لایق ہو۔ پس اُس نے اُن کے اخراجات کے لئے بڑی ہی فیاضی ظاہر کی۔ یعنی دونوں کو بتیس بتیس جوان لونڈیاں اور غلام عنایت کئے کہ اُن کو مخا میں بیچ کر جو روپیہ اس مبارک تدبیر سے ہاتھ آئے اُس کو معاملات سفارت میں خرچ کریں۔ واہ واہ کتنی بڑی فیاضی ہے کیوں کہ مخا میں جوان لونڈی غلام بحساب اوسط پچیس یا تیس کراؤن[2] قیمت پاتا ہے۔ ان کے علاوہ نہایت ہی چھانٹ کر پچیس غلام خاص اورنگ زیب کے لئے بھیجے تھے جن میں

---

[1] اس کا نام عالمگیر نامہ میں سیدی کامل لکھا ہے اور دوسرے شخص کا اس کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ س م ح

[2] چونکہ ایک کراؤن پانچ شلنگ کا ہوتا ہے جو انگلستان کا ایک چاندی کا سکہ اور ہندوستان کی اس وقت کی اٹھنی کے برابر ہے۔ پس اس حساب سے ان غلاموں کو قریب ڈھائی ہزار روپیہ کی قیمت کا سمجھنا چاہیئے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لونڈیا دس بہت کم سن اور خوجہ بنانے کے قابل تھے۔ واہ کیا کہنا ہے ایک عیسائی بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کے لئے کیا ہی مناسب تحفہ بھیجا تھا! جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہ آتھوپیا میں مذہب عیسوی کی کیا حالت ہے۔ ان کے علاوہ شہنشاہ مغل کے لئے پندرہ حبشی گھوڑے جو عربی گھوڑوں کے برابر سمجھے جاتے ہیں اور چھوٹی قسم کا ایک[1] خچر جس کی کھال میں نے بھی دیکھی تھی جو ایسی خوبصورت تھی کہ کسی شیر کے بھی ایسے خط وخال نہیں ہوتے اور نہ ہندوستان کے کسی الائچہ میں جو ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے ایسی خوش نما اور طرح طرح کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور ہاتھی کے دو دانت جو معمول سے زیادہ ایسے بڑے اور بھاری تھے کہ ایک مضبوط شخص اُن میں سے ایک کو زمین سے بمشکل اٹھا سکتا تھا اور بیل کا ایک بہت بڑا سینگ جس میں سیوٹ[2] بھری ہوئی تھی اور جس کا قطر منہ کی طرف سے نصف فٹ فرانسیسی سے زیادہ میرے ناپنے میں آیا تھا ان سفیروں کو سپرد ہوئے تھے۔

یہ دونوں ایلچی جب ایسے شاہانہ اور فیاضانہ طور پر ساز و سامان سے دُرست کئے جاکر گونڈار سے جو ملک حبش کا پائے تخت اور صوبہ ڈیمبیا میں ہے روانہ کئے گئے تو اُن کو ایک ویران ملک میں سے گذرنا پڑا۔ اور بہلول تک پہنچنے میں جو باب المندب کے قریب مخا کے مقابل ایک غیر آباد بندرگاہ ہے دو مہینے لگے۔ ان لوگوں کے کاروان کے مقررہ راستہ سے جو چالیس روز میں بآسانی طے ہو جاتا ہے آرکیکو کو جانے کی جرأت نہ کرنے کا یہ باعث تھا کہ آرکیکو سے جزیرہ مصوع کو جانا پڑتا ہے۔ جہاں سلطنت ٹرکی کی کچھ فوج رہتی ہے۔ جب کہ یہ لوگ بحر احمر سے عبور کرنے کی خاطر مخا کو جانے والے جہاز کے انتظار میں بہلول میں ٹھیرے ہوئے تھے اشیائے ما یحتاج کے موجود نہ ہونے سے بہت تکلیف میں رہے اور کئی غلام مرگئے اور اس کے سوا مخا میں پہنچنے پر یہ معلوم ہوا کہ اب کی دفعہ بروے بہت کثرت سے آئے ہیں اور اس لئے جو لونڈیاں

---

[1] غالباً زیبرا مراد ہے جو چھوٹے ٹٹو جیسا ہوتا ہے اور جس کی کھال نہایت خوبصورت دھاری دار ہوتی ہے عموماً افریقہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔

[2] سیوٹ مشک وغیرہ خوشبودار حیوانی مادوں کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اُس خوشبودار اور بہت گاڑھی چیز کو کہتے ہیں جو مشک بلائی کی دم کے نیچے ایک تھیلی میں چربی کے طور کی ہوتی ہے (ماخوذ از اوکلوینرڈ کشنری س م ح)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غلام باقی رہ گئے تھے وہ بھی کم قیمت پر بیچنے پڑے۔ بہرحال جب لونڈی غلام بک چکے تو اُنھوں نے اپنا سفر پھر شروع کیا اور ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہوکر جو سورت کو آتا تھا۔ پچیس دن کے عرصے میں جو اس سفر کے لیے چنداں زیادہ نہ تھا منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ مگر بہت سے گھوڑے اور کئی ایک غلام غالباً کافی خوراک نہ ملنے سے مرگئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس باشان وشوکت سفارت کے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا جو خرچ کے لئے مکتفی ہوتا۔ اور جہاز ہی میں وہ بے چارہ خچر بھی مرگیا۔ لیکن یہ اُس کی کھال حفاظت سے لیتے آئے۔ جس کو میں نے بھی دہلی میں دیکھا تھا۔

ان کو سورت میں پہنچے ہوئے چند ہی گھنٹے گذرے تھے کہ بیجاپور کے ایک مشہور باغی نے جس کا نام سیواجی ہے شہر کو آکر لوٹ لیا اور آگ لگادی اور اس عام آتش زدگی میں اگرچہ وہ مکان بھی جہاں یہ ٹھیرے ہوئے تھے جل گیا مگر آگ اور دشمن دونوں کے ہاتھ سے جس طرح بن پڑا اُن کی سفارت کی سندیں اور وہ چند غلام جو کسی وجہ سے یا تو سیواجی کے ہتے نہ چڑھے یا جن کو بیمار دیکھکر اُس نے خود ہی چھوڑ دیا اور ان سفیروں کے حبشی لباس جو اُس کو پسند نہ آئے اور وہ خچر کا چمڑہ جس کی اُس نے کچھ پروا نہ کی اور وہ بیل کا سینگ جس کو سیویٹ سے پہلے ہی خالی کرچکے تھے۔ بچ رہے۔

ان عالی شان سفیروں نے اپنے لُٹ جانے کی نسبت بڑے بڑے مبالغے کئے مگر بدگمان ہندوستانی جنھوں نے ان کو جہاز سے اُترتے وقت اس حالت میں دیکھا تھا کہ نہ تو اچھا لباس ولپ شاک ہی تھی اور نہ روپیہ یا کسی مہاجن کے نام کی ہنڈی ہی پاس تھی بلکہ فاقوں کے مارے نیم مردہ ہورہے تھے یہ کہتے تھے کہ فی الواقع یہ تو ان کی خوش نصیبی تھی۔ کہ سورت کے لُٹنے اور جلائے جانے کے باعث یہ اُس ذلت سے بچ گئے جو ان کو اپنے ذلیل اور ناچیز تحائف کے دہلی تک لانے میں اُٹھانی پڑتی۔ اور سیواجی کی بدولت ان کو سورت کے صوبہ دار کے سامنے فقیرانہ حالت میں جانے اور دارالسلطنت تک پہنچنے کے لئے خرچ سواری مانگنے کا ایک عمدہ بہانہ ہاتھ آگیا۔ اور غلام اور سیویٹ بیچ کر کھا جانے کے الزام سے بھی بری رہے[1]

---

[1] حبشہ کی سفارت ممکن ہے ایسی شان دار نہ ہو جیسی دوسری سفارتیں لیکن برنیر کا اس حقارت کے ساتھ مذاق اُڑانے کا اصل سبب وہی مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصب ہے۔ جو رومن کیتھولک گرجا کا خصوصی وصف

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے لائق دوست ڈچوں کے کارخانہ کے مختار مسٹر ایڈریکین نے مراد کو میرے نام کی ایک سفارشی چٹھی دی تھی جو اُس نے دہلی میں آکر مجھے دی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ پانچ چھ برس بعد اُس سے اس طرح پھر ملاقات ہوئی۔ وہ اِس بات کو بالکل بھول گیا تھا کہ میں مخا میں اُسی کے ہاں ٹھیرا تھا۔ میں اپنے پرانے دوست سے بغل گیر ہوا اور وعدہ کیا کہ حتی الوسع میں تمھاری مدد کروں گا۔ اگرچہ اہل دربار میں میری بہت کچھ رسائی اور ملاقات تھی مگر ان تہی دست ایلچیوں کی امداد ایک مشکل کام تھا۔ کیونکہ بجز خچر کے اُس چمڑے اور بیل کے اُس سینگ کے جس میں اُنھوں نے اپنے پینے کے لئے قندی شراب جو اُن کو بہت مرغوب ہے بھر رکھی تھی اور کچھ باقی نہ تھا اور بیش قیمت تحائف کے موجود نہ ہونے سے لوگوں کی نظروں میں جو اُن کی حقارت تھی اُس کو اُن کی ظاہری ذلیل حالت نے اور بھی بڑھا دیا تھا اور وہ بدوؤں کا سا لباس پہنے ہوئے پالکی کے بغیر پاپیادہ شہر میں پھرا کرتے تھے اور سات آٹھ غلام سروپا برہنہ پیچھے پیچھے ہوتے تھے جن کے پاس سوائے ایک مکروہ چھوٹے سے تہہ بند اور ایک پھٹی پرانی چادر کے جسے بائیں کاندھے پر ڈال کر داہنے بازو کے نیچے سے نکالے ہوتے ہوتے تھے کوئی پوشاک اور لباس نہ تھا اور بجز ایک ٹوٹی پھوٹی کرایہ کی بہلی اور ایک گھوڑے کے جو ہمارے پادری صاحب کا تھا اور کوئی گھوڑا بھی ان کے پاس نہ تھا۔ یا کبھی کبھی میرا گھوڑا مانگ لیتے تھے جس کو اُنھوں نے سواری لے لے کر قریب المرگ کر دیا تھا۔ پس ہر چند میں نے ان ذلیل اور حقیر سفیروں کے لئے بہت کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ لوگ اُن کو فقیر سمجھکر کچھ ملتفت نہ ہوتے تھے۔ لیکن بہرحال ایک روز جبکہ میں اپنے آغا دانشمند خاں کے پاس (جو ممالک غیر کے معاملات کا وزیر ہے) خلوت میں بیٹھا تھا میں نے شاہ اتھوپیا کی شان و عظمت کا ذکر ایسی آب و تاب سے کیا کہ اورنگ زیب ان کو اپنے حضور میں بلانے اور خریطہ کے قبول کرنے پر مائل ہو گیا۔ اور جب یہ حاضر ہوتے تو دونوں کو زربفت کا ایک ایک "سراپا" اور ریشمی زری کار پٹکا اور مندیل عنایت کی اور مراسم مہمان داری کے لئے بھی حکم ہو گیا۔ اور چند ہی روز بعد جب رخصت کئے گئے تو پھر ایک ایک "سراپا" معہ چھ ہزار روپیہ نقد کے مرحمت ہوا مگر یہ روپیہ مساوی طور پر نہ دیا گیا تھا بلکہ مسلمان کو چار ہزار اور مراد کو عیسائی ہونے کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ بڑھا ہے اور جیسا کہ وہ خود آغاز کتاب میں ذکر کر آیا ہے حبشہ سے اس عیسائی فرقہ کو نکال دیا گیا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وجہ سے صرف دو ہزار ملا۔

اور اُن کے آقا کے لئے بطور تحفہ ایک نہایت بھاری "سراپا" اور چاندی کے ملمع کی دو شہنائیاں اور دو چاندی کے نقارے اور یاقوت کے جڑاؤ قبضہ کا ایک خنجر اور بیس ہزار روپیہ نقد عنایت ہوا۔ اور چونکہ ملک حبش میں سکہ کا چلن نہیں ہے اس لئے اورنگ زیب نے براہ مہربانی یہ فرمایا کہ امید ہے یہ نقد تحفہ خصوصیت کے ساتھ قبولیت کے لایق ہوگا۔ اور ایک اعجوبہ چیز خیال کیا جائے گا۔ مگر شہنشاہ مغل خوب جانتا تھا کہ ان میں سے ایک روپیہ بھی ہندوستان سے باہر نہ جائے گا اور یہ لوگ اُس سے کارآمد جنسیں خرید لیں گے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا اور اُنھوں نے اس روپیہ سے کچھ تو گرم مصالحے لے لئے اور کچھ مہین سوتی کپڑے کے تھان پادشاہ اور ملکہ اور ولی عہد کے پیراہنوں کے لئے اور الایچے جو ایک ریشمی دھاری دار کپڑا ہے اور سنہری یا روپہلی زری ملا کر بنایا جاتا ہے قبا اور پاجامے بنانے کی خاطر خرید لئے۔ اور بادشاہ کی دو عباؤں کے لئے جو عربوں کا ایک لباس ہے سرخ اور سبز رنگ کی انگریزی بانات اور ان کے سوا بہت سا کپڑا مگر ذرا کم قیمت محل سرا کی معزز عورتوں اور اُن کے بال بچوں کے لئے خریدا۔ اور سفارت کی وجہ سے اس تمام اسباب کا محصول تو معاف ہی تھا۔

اگرچہ مراد میرا بہت دوست تھا مگر تین باتوں کی وجہ سے مجھے اُس کے حق میں کوشش کرنے سے پشیمانی ہوئی۔ ایک یہ کہ اُس نے باوجود وعدہ کرنے کے کہ "میں اپنے بیٹے کو تمھارے ہاتھ پچاس روپیہ میں بیچ ڈالوں گا۔ کہلا بھیجا کہ تین سو روپے سے کم کو نہیں دوں گا۔ اور میں اس پر بھی راضی تھا کہ تین سو ہی دے کر خرید لوں تاکہ یہ کہنے کی گنجائش رہے کہ ایک شخص نے خاص اپنا بیٹا میرے پاس بیچ ڈالا تھا۔ یہ لڑکا خوب تازہ توانا اور سڈول بدن کا تھا اور رنگ بھی خوب صاف سیاہ تھا۔ اور حبشیوں کی طرح ناک بھی چپٹی نہ تھی اور نہ ہونٹ ہی موٹے تھے۔ مگر چونکہ اُس کے باپ نے وعدہ خلافی کرکے مجھے نہ دیا تو اس سے میں بہت ہی ناخوش ہوا۔

دوسری یہ کہ اس نے اور اس کے مسلمان رفیق نے اورنگ زیب سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے بادشاہ سے اُس مسجد کی مرمت کی بالضرور اجازت لے دیں گے جو پُرتگیزوں کے دست سے ویران اور کھنڈر پڑی تھی۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اُس کی مرمت کے لئے بھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دو ہزار روپیہ ان کو حوالہ کیا۔ یہ مسجد ایک شیخ یا درویش کے مقبرے کے طور پر بنائی گئی تھی جو مکہ سے ملک حبش میں صرف اس غرض سے چلا گیا تھا کہ وہاں دین اسلام پھیلائے اور یہ اُن پرتگیزوں نے مسمار کر دی تھی جو گوا سے فوج لے کر اُس ذی حق بادشاہ کی مدد کو آ گئے تھے جو عیسائی ہو گیا تھا اور جس کو خارج کر کے ایک مسلمان شاہزادہ تخت پر جا بیٹھا تھا۔

تیسری یہ کہ اُس نے شاہ حبش کی طرف سے اورنگ زیب سے یہ درخواست کی کہ ایک قرآن اور آٹھ اور کتابیں (جن کے نام سے بھی میں واقف ہوں اور جو اُن کتابوں میں اول درجہ کی مشہور ہیں جو مذہب اسلام کی تائید میں تصنیف ہوئی ہیں) عنایت ہوں اور میری رائے میں ایک عیسائی بادشاہ کے ایک عیسائی سفیر کا ایسا کرنا ایک نہایت ہی ذلیل اور معیوب امر تھا۔ اور مخا میں جو کچھ میں نے سُنا تھا کہ حبش میں دین عیسوی کی کیسی متبدل حالت ہے اس سے اُس کی بخوبی تصدیق ہو گئی۔

بے شبہ اس بادشاہ کی حکمرانی کے تمام طور و طریق اور رعیت کے اوضاع و اطوار سے اسلام کی بو آتی ہے اور بے شک جب سے وہ بادشاہ مر گیا ہے جس کو پرتگیزوں نے اپنی فوج کی مدد سے تخت پر بٹھایا تھا جو لوگ کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اُن کی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس بادشاہ کے مرتے ہی اُس کی ماں کی فتنہ پردازیوں سے پرتگیز کچھ تو مارے گئے اور کچھ نکال دیئے گئے اور فرقہ جیسوئیٹ کے پیٹری آرک یعنی بڑے پادری کو جسے اُس کے ہم وطن پرتگیز گوا سے لائے تھے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔

دریائے نیل کا دہانہ

جس زمانہ میں یہ سفیر دہلی میں تھے میرے آغا دانشمند خاں جو نئی معلومات کا ہمیشہ سے شائق ہے ان کو اکثر اپنے ہاں بُلا کر اُن کے ملک اور طریق حکمرانی کی بہت سی باتیں پوچھتا رہتا تھا لیکن اُس کا اصل مدعا یہ تھا کہ دریائے نیل کا مخرج معلوم کرے۔ یہ لوگ دریائے نیل کو ابا بیل کہتے ہیں اور اُن کا قول ہے کہ اُس کا مخرج بخوبی معلوم ہے چنانچہ مراد اور ایک مغل نے جو اُس کا ہم سفر تھا بالاتفاق بیان کیا کہ ہم نے اُس مقام کو دیکھا ہے اور انھوں نے جو کچھ کہا وہ بعینہ وہی تھا جو میں نے مخا میں سُنا تھا۔ یعنی یہ کہ اُس کا مخرج ملک اگوس میں ہے اور وہ قریب قریب دو جوش مارنے والے چشمے ہیں جو باہم مل کر تیس یا چالیس قدم کے طول کی ایک چھوٹی سی جھیل بن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جاتے ہیں۔ اور جو پانی اس جھیل سے نکلتا ہے اگرچہ وہ خود بھی ایک اچھے خاصے دریا کے موافق ہے۔ مگر آئندہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ندی نالوں سے جو قدم قدم پر اُس سے آکر ملتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ دریا اس طرح پر چکر کھا کر بہا ہے کہ بیچ میں ایک بڑا جزیرہ بن گیا ہے۔ اور کئی ایک سیدھی چٹانوں پر جزیرے ہیں اور گھڑیال بھی کثرت سے ہیں۔ اور بشرطیکہ سچ ہو ایک اور جانور اُس میں بتایا جو بہت ہی اعجوبہ ہے یعنی ایک دریائی بھیڑا جس کے منہ کے سوا فضلہ کے خارج ہونے کے لئے اور مخرج ہی نہیں ہے۔ اور یہ جھیل ڈیمبیا کے ملک میں گونڈار سے تین مختصر منزلوں اور نیل کے مخرج سے چار یا پانچ دن کے سفر کے فاصلہ پر بتائی اور کہا کہ جب یہ دریا اس جھیل سے نکل کر آگے کو بڑھتا ہے تو بہت سے دریاؤں اور برساتی نالوں کی وجہ سے جو اس جھیل میں آکر گرتے ہیں اس کا پاٹ بہت بڑھ جاتا ہے خصوصاً برسات میں جو ہندوستان کی طرح یہاں بھی ایک معین موسم ہے اور تقریباً جولائی کے اخیر سے شروع ہوتا ہے۔

میرے نزدیک یہ آخری بات ایک طرح سے اہم اور قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ اس سے اس دریا کی طغیانی کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور اُنھوں نے کہا کہ دریا اس جھیل سے نکل کر جس کا ابھی ذکر ہوا شہر سے نار کی طرف جاتا ہے جو فن جی کا پائے تخت ہے جو شاہ اکھوپیا کا ایک باج گزار ملک ہے اور اسی طرح آگے کو بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخرکار مصر کے میدانوں میں جا پہنچتا ہے۔ ان سفیروں نے اپنے بادشاہ کی شان و شوکت اور فوجی قوت کا حال اس قدر بڑھا کر بیان کیا کہ مجھے اور دانشمند خاں دونوں کو ناپسند ہوا۔ مگر ان کا وہی رفیق سفر مغل اس مدح سرائی میں شریک نہ تھا۔ اور ان کی غیبت میں اُس نے ہم سے کہدیا کہ میں نے دو دفعہ وہاں کی فوج کو عین میدان اور ایسے وقت میں دیکھا ہے جب کہ خود بادشاہ اُس سے کام لے رہا تھا اور میرے خیال میں کسی فوج کی اُس سے زیادہ شکستہ حالی اور بے انتظامی ممکن نہیں اور ایسے ہی اور بہت سے حالات اُس ملک کے ہم کو سنائے جو سب میرے روزنامچے میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ کسی دن لوگوں کی اطلاع کے لئے میں اُن کو چھپوا سکوں گا۔ اور بالفعل میں صرف تین چار ہی باتوں کے لکھنے پر جو مراد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے ہم سے بیان کی تھیں قناعت کرتا ہوں۔ اور چونکہ وہ ایسی سرزمین سے علاقہ رکھتی ہیں جو عیسائیوں کا ملک سمجھا جاتا ہے اس لئے نہایت تعجب کے لایق ہیں۔ چنانچہ اُس نے بتایا کہ حبش میں چند ہی آدمی ایسے ہوں گے جن کی کئی کئی بیویاں نہ ہوں۔ اور بغیر کسی طرح کے شرم و لحاظ کے خود اپنی بابت بھی کہدیا کہ منکوحہ بیوی کے سوا جو حلب میں ہے دو بیویاں اور بھی ہیں اور بیان کیا کہ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کی بھی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں حبش میں نہیں رہتیں اور غریب گھرانوں کی عورتیں خواہ بیاہی ہوں یا کنواری اور لونڈی ہوں یا آزاد رات دن ایک ہی مکان میں باہم رہتی ہیں اور رشک و حسد کے خیالات جو اور قوموں کی عورتوں میں عموماً ہوتے ہیں — یہ جانتی بھی نہیں۔ اور بڑے بڑے امیروں کے گھروں کی عورتیں اور اُن کی بیویاں اگر کسی خوبصورت سوار سپاہی پر طبیعت آجائے تو اُس کے چھپانے کی چنداں پروا نہیں کرتیں بلکہ جب چاہتی ہیں بے خوف و خطر اُس کے گھر چلی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر تم وہاں جاتے تو خواہی نخواہی شادی کرنی ہی پڑتی: چنانچہ چند سال ہوئے کہ ایک یورپین درویش کو جس نے اپنے تئیں ایک طبیب باشندہ یونان ظاہر کر رکھا تھا زبردستی شادی کرادی گئی اور لطف یہ کہ جس عورت کو اُس نے اپنے بیٹے کی شادی کے لئے تجویز کیا تھا اُسی سے اس کا نکاح پڑھوا دیا گیا اور ایک قصہ یہ سُنایا کہ ایک اسّی برس کے بڈھے نے اپنے چوبیس بیٹے جو جوان اور ہتھیار باندھنے کے قابل تھے بادشاہ کے روبرو پیش کئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تیرے صرف اتنے ہی لڑکے ہیں؟ جب اُس نے عرض کیا کہ ہاں لڑکے تو اتنے ہی ہیں مگر چند لڑکیاں بھی ہیں۔ تو بادشاہ نے جھنجھلا کر کہا کہ "او بڈھے پیل میرے سامنے سے دور ہو! مجھکو تعجب آتا ہے کہ شرمندہ ہونے کی جگہ تو شیخی بگھارتا ہے۔ کیا ہمارے مُلک میں عورتوں کا کال پڑگیا ہے کہ تیری سی عمر کا آدمی صرف دو درجن لڑکوں کے باپ ہونے پر اتراتا ہے"

اور اُس نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کے کم سے کم اتنی لڑکے بالے ہیں جو محل میں جدھر دیکھو وہی دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں اور اُن کی یہ پہچان ہے کہ ہر ایک کے پاس بادشاہ کی دی ہوئی ایک گول رنگین چھڑی ہوتی ہے جس کو بہ نسبت اور لڑکوں کے پہچاننے لئے سیپ[1] لڑ

[1] یورپ میں دستور ہے کہ دربار وغیرہ جلوس کے موقعوں پر بادشاہ ایک عصا ہاتھ میں لئے رہتے ہیں جس کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی طرح باعث امتیاز سمجھ کر خوشی خوشی ہاتھ میں لئے پھرا کرتے ہیں۔

میرے آغا کی طرح اورنگ زیب نے بھی دو دفعہ ان سفیروں کو اس اُمید سے اپنے حضور میں بُلایا کہ اُن سے اُن کے ملک کے کچھ حالات معلوم ہوں۔ مگر اُس کی زیادہ تر غرض یہ معلوم کرنا تھا کہ دین اسلام کی وہاں کیا حالت ہے۔ اور وہ خچر کی کھال بھی منگوا کر دیکھی جو نہ معلوم کس طرح قلعہ ہی میں بادشاہی عہدہ داروں کے پاس رہ گئی اور مجھے اُس کے حاصل ہونے کا ارمان ہی رہ گیا۔ کیونکہ اُنھوں نے میری کارگزاری کے صلہ میں اُس کے دے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور میں یہ خیال کر کے کہ کسی دن اپنے ملک میں پہنچ کر عجیب چیزوں کے کسی شوقین شخص کی نذر کر سکوں گا۔ دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا تھا۔ اور میں نے ان سفیروں کو بہت تاکید سے یہ بھی کہا تھا کہ اس کھال کے ساتھ بادشاہ کو وہ سینگ بھی ضرور دکھانا مگر انھوں نے اس خوف سے اُس کو پیش نہ کیا کہ مبادا ہم سے یہ پوچھا جائے کہ سورت کی لوٹ میں جب یہ بچ رہا تو اس کے اندر کی خوشبودار چیز کہاں گئی اور پھر ہم اس کا کیا جواب دیں گے۔

شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ شاہِ حبش کے سفیر ابھی دہلی ہی میں تھے کہ اورنگ زیب نے اپنے دربار کے خاص خاص اُمرا اور علما کو اس مشورے کے لئے جمع کیا کہ اپنے تیسرے لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لئے جس کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا ایک اتالیق تجویز کرے۔ اور اُن سے فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت ایسی کی جائے کہ جس سے کامل توقع اس امر کی ہو سکے کہ ہر طرح کی لیاقتوں کے لحاظ سے یہ لڑکا مشہور آفاق ہو۔ چنانچہ میری رائے میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ اس امر سے واقف نہیں کہ شاہزادوں میں ہر ایک طرح کے ہنر اور مفید علوم کا موجود ہونا ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ اِن کے آئندہ فرماں روا اور حاکم بننے کی توقع رہتی ہے۔ اُس کا قول ہے کہ جس طرح سے باعتبار اپنے مرتبے اور اختیار کے ان کو اور لوگوں پر فضیلت ہے۔ اُسی طرح لازم ہے کہ دانائی اور صفات حمیدہ میں بھی اُن سے افضل ہوں۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ ممالک ایشیا میں جو آفتیں اور مصیبتیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- رائل میپ ٹریعنی عصائے شاہی کہا جاتا اور تخت و تاج وغیرہ کی طرح ایک بادشاہی علامت سمجھا جاتا ہے۔ س م ح رای۔ س ے پ ٹ ر۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سلطنتوں پر پڑا کرتی ہیں اور وہ بدعملی اور بدانتظامی جس سے آخر کار وہ برباد اور تباہ ہو جاتی ہیں اس کا باعث اگر ڈھونڈا جائے تو ہمیشہ یہی نکلے گا کہ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت ناکافی اور بُرے طور پر ہوتی ہے کیونکہ وہ بچپن ہی سے عورتوں اور خواجہ سراؤں یا اُن غلاموں کے سپرد رہتے ہیں جو ملک روس اور سرکیشیا اور مغولستان اور گرجستان اور حبش سے آتے ہیں اور کمبخت غلامی کا یہ خاصہ ہی ہے کہ اس سے عقل و تمیز خراب اور یہ عادت ہو جاتی ہے کہ اپنے سے زبردستوں کے سامنے بہت ہی عجز اور فروتنی سے پیش آتے اور کمزوروں اور ماتحتوں پر خواہ مخواہ زور و زیادتی جتاتے ہیں۔ پس یہ شاہزادے جب محلوں میں سے نکل کر تخت نشین ہوتے ہیں تو وہی ظالمانہ اور خراب عادتیں جو سیکھی ہوئی ہوتی ہیں ساتھ لے آتے ہیں اور اُن فرائض سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جو اُن کی اس نئی حالت کے لئے لازمی ہیں اور اپنی زندگانی کے اس تماشا گاہ میں اس طرح خلائق کے سامنے آتے ہیں کہ گویا کسی اور ہی دنیا سے آئے ہیں اور ہر ایک چیز کو ایسے بھولے پن اور حیرانی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا کسی اندھیری کوٹھڑی یا تہ خانے میں سے آج ہی پہلے پہل نکلے ہیں۔ اور یا تو بچوں کی طرح ہر بات پر یقین کر لیتے یا ہر چیز سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں یا ایسے ہٹیلے اور بے پروا اور احمق ہوتے ہیں کہ معقول صلاح اور مشورہ کی بات کو سنتے ہی نہیں اور کیسا ہی خراب کام کیوں نہ ہو اُس کے کر بیٹھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے اور تخت پر بیٹھکر یا تو اپنی جبلی طبیعت اور مزاج کے سبب سے یا اُن خیالات کی وجہ سے جو پہلے سے اُن کے دل میں جانشین ہو جاتے ہیں ایک مصنوعی وقار اور تمکنت دکھاتے ہیں مگر ہر کسی کو بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سنجیدگی اور وقار اُن میں نام کو بھی نہیں اور یہ ظاہرداری صرف کسی بُری سکھاوٹ کا اثر ہے جس کو بجائے متانت اور سنجیدگی کے ایک حیوانیت اور بیہودہ نمائش کہنا چاہیے۔ اور یا بہ تکلف ایک ایسی خوش خلقی اختیار کرتے ہیں جو بادشاہوں کی شان کے ہرگز لائق نہیں ہوتی اور بناوٹی ہونے کی وجہ سے مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسا کون شخص ہے جو ممالک ایشیا کی تاریخ سے واقف ہو اور میرے اس بیان کی صحت سے جو ایشیائی شاہزادوں کی حالت کی ایک ٹھیک تصویر ہے انکار کر سکے اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا ممالک ایشیا کے بادشاہ آنکھیں بند کر کے حیوانوں کی سی بے رحمیاں نہیں کرتے رہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور اُن کی بے رحمی کیا کبھی کسی معین طریقہ پر ہوتی تھی؟ اور کیا وہ مطلقاً نامنصفانہ نہ تھی۔ اور کیا وہ بے شراب خواری کی ذلیل اور کمینہ عادت میں مبتلا اور بغیر کسی طرح کی شرم کے عیاشی و شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں اور حرموں کی صحبت میں اپنی تندرستی اور عقل بالکل غارت اور برباد نہیں کرتے۔ اور کیا انھوں نے سلطنت کے کاروبار کے عوض اپنا تمام وقت سیر و شکار ہی میں نہیں کھویا؟ اور اگرچہ ان بے درد بادشاہوں کو اپنے شکاری کتوں سے بہت محبت ہوتی ہے اور اُن کی غور و پرداخت کا بہت خیال کرتے ہیں مگر اُن بے چارے غریب لوگوں کی مصیبتوں کی جو شکار میں ساتھ جانے کے لئے بیگار میں پکڑے جاتے اور گرمی اور سردی کی شدت اٹھاتے اور بھوک اور تکان سے مرجاتے ہیں ان کو مطلقاً پروا بھی نہیں ہوتی۔

الغرض ایشیائی بادشاہ نہایت ہی ہولناک بدعادتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اُن کی یہ خراب عادتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں۔ اور اس اختلاف کا سبب یا تو اُن کا طبعی میلان ہوتا ہے یا وہ خیالات ان کا باعث ہوتے ہیں۔ جو ابتدائے عمر سے اُن کی طبیعت میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور شاذ و نادر ہی کوئی بادشاہ ایسا ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کے اندرونی اور پولیٹیکل امور سے بدرجہ غایت ناواقف نہو۔ وہ اپنی سلطنت کی باگ اکثر کسی وزیر کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں جس کا منصوبہ یہ ہوتا ہے کہ خود مختارانہ اور بلا روک ٹوک اور بغیر کسی طرح کے خوف و خطر کے حکومت کرنے کی غرض سے حقیر اشغال میں اپنے آقا کے مبتلا رہنے کی اور بھی تائید کرکے اُس کی طبیعت کو امور سلطنت کی واقفیت سے باز رکھتا ہے۔ اور اگر وزیر اعظم امور سلطنت کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا تو بادشاہ کی ماں جو اصل میں کوئی لونڈی باندی ہوتی ہے۔ اور کچھ خواجہ سرا ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ جن کی تدبیریں وسیع اور آزادانہ خیالات پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ بے رحمانہ جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے ہم جنسوں میں سے کسی کو پھانسی دیں اور کسی کو قید یا جلاوطن کریں۔ اور ہم جنسوں پر ہی کیا منحصر ہے۔ یہی سلوک وہ اکثر اوقات بڑے بڑے امرا بلکہ خود وزیروں کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اور فی الواقع اُن کے تسلط کے زمانہ میں جو سلطنت کے لئے شرم کا موجب ہوتا ہے کسی شخص کی زندگی جو کچھ بھی مال و دولت رکھتا ہو ایک دن کے لئے بھی محفوظ نہیں ہوتی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہِ ایران کے سفیر کی آمد اورنگ زیب کے حضور میں مذکورہ بالا ملکوں کے سفیر جب حاضر ہو چکے تو آخر کار دربار شاہی میں یہ خبر پہنچی کہ ایران کا سفیر بھی سرحد پر پہنچ گیا ہے اور یہاں کے ایرانی امرا اور اہلِ ایران نے یہ مشہور کر دیا کہ نہایت ہی اہم معاملات اس کے آنے کے باعث ہوتے ہیں۔ لیکن سمجھ دار لوگوں نے اس پر بالکل یقین نہیں کیا کیونکہ اہم معاملات کا وقت گذر چکا تھا۔ اور یہ بات ظاہر تھی کہ ان لوگوں کے ایسا مشہور کرنے کا سبب بجز اس بیہودہ خواہش کے کہ اپنے ملک کی عظمت و اقتدار کا اظہار کریں اور کچھ نہ تھا۔ اُن کا یہ بھی ادعا تھا کہ جو امیر اس کے استقبال اور تواضع و تکریم کے واسطے مامور ہوا ہے اُس کو بتاکید یہ فہمائش ہوئی ہے کہ جس طرح ممکن ہو دہلی پہنچنے سے پہلے سفیر کے آنے کا اصل مدعا دریافت کرے۔ اور اُس کو یہ بھی ہدایت ہوئی ہے کہ اس مدعا سفیر کو رفتہ رفتہ اس امر پر مائل کر دے کہ وہ دربار میں ہندوستان کے قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات بجا لائے اور اُس کو یہ بھی سمجھا دے کہ قدیم سے یہ دستور ہے کہ شاہ ایران کا نامہ بلا واسطہ کسی امیر کے خود بادشاہ کو نہیں دینا چاہیے۔ لیکن جو کچھ میں نے دیکھا اُس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ سب لغو کہانیاں تھیں۔ اور جو مرتبہ خدا نے اورنگ زیب کو بخشا ہے وہ ایسی باتوں کا محتاج نہیں ہے۔

جب یہ سفیر وارالسلطنت دہلی میں پہنچا تو اُس کی تعظیم و تکریم کا اظہار مناسب طور پر کیا گیا یعنی جن بازاروں میں سے وہ ہو کر گذرا اُن پر سفیدی وغیرہ از سر نو کرائی گئی اور تین میل کے قریب دو رویہ سواروں کی فوج صف بستہ کھڑی کی گئی اور بہت سے امرا معہ اپنے اپنے باجے گاجوں کے اُس کی سواری کے ساتھ تھے۔ اور قلعہ شاہی کے دروازہ میں پہنچتے ہی توپ خانہ سے سلامی ہوئی۔ اور اورنگ زیب اُس سے نہایت اخلاق اور مہربانی سے پیش آیا اور اہل ایران کے طور پر اُس کے سلام کرنے سے ناخوش نہیں ہوا اور اُس کے ہاتھ سے شاہ کا خریطہ بھی بلا تردد لے لیا بلکہ بطور تعظیم اُس کو اپنے تاج کے قریب تک لے گیا۔ اور پھر ایک خواجہ سرا سے اُس کی مہر کھلوا کر نہایت متانت کے ساتھ ملاحظہ کیا اور حکم دیا کہ سفیر کو سراپا پہنایا جائے۔ چنانچہ قبائے زربفت اور مندیل اور دستار زری کا ٹپکا عنایت ہوا۔ اور اس رسم کے بعد سفیر کو تحائف پیش کرنے کا اشارہ ہوا۔ چنانچہ پچیس ۲۵ ایسے خوبصورت گھوڑے جو میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے معہ زردوزی اور زربفت کی گردنیوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ۔ اور بیس نہایت اعلیٰ نسل کے ایسے قوی اور قد آور اونٹ جن کو ہاتھی کے پاٹھے کہنا زیبا ہے اور بہت سے صندوق عمدہ گلاب اور ایک اور عرق کے جس کو بید مشک کہتے ہیں اور جو نہایت مفرح سمجھا جاتا ہے اور کمیاب چیز ہے ۔ اور پانچ چھ بڑے بڑے اور خوبصورت قالین اور کئی بہت ہی بڑھیا تھان زربفت کے جن پر نہایت باریک گلکاری کی ہوئی تھی اور ایسے سبک اور پاکیزہ وضع کے تھے کہ مجھے شک ہے کہ کبھی کوئی ایسی نفیس چیز یورپ میں دکھائی دی ہو ۔ اور جڑاؤ قبضہ کے چار دمشقی خنجر اور چار مرصع پیش قبض اور پانچ یا چھ گھوڑوں کے بہت ہی خوبصورت ساز جن کو سب لوگوں نے خصوصیت سے پسند کیا ۔ اور واقع میں بہت ہی خوش نما اور قیمتی تھے ۔ اور جن پر چھوٹے چھوٹے موتیوں اور پرانی کان کے فیروزوں سے نہایت ہی اعلیٰ قسم کی مرصع کاری کی ہوئی تھی پیش ہوئے اورنگ زیب نے سب چیزوں کو بڑے غور سے ملاحظہ کیا اور حاضرین دربار کو اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان عمدہ تحائف سے بہت ہی زیادہ بلکہ معمول سے بڑھکر خوش ہوا ہے۔ اُس نے ان چیزوں کی خوبی اور نفاست اور کمیابی اور شاہ کی اس مہربانی اور کشادہ دلی کی کہ کیسے کیسے بیش بہا تحفے بھیجے ہیں بار بار تعریف کی ۔ اور سفیر کو بڑے ذی رتبہ امرا میں جگہ دی اور اُس کے دور دراز سفر کا ذکر کرکے اس معزز اور عالی مرتبہ مہمان سے فرمایا کہ اس وقت آپ آرام کریں اور ہم آپ کو ملاقات کے لئے ہر روز بُلایا کریں گے ۔

یہ سفیر چار پانچ مہینے دہلی میں رہا اور اُس کے سب اخراجات بہت تکلف کے ساتھ خزانہ شاہی سے ادا ہوتے رہے ۔ اور امرائے دربار نے نوبت بہ نوبت بڑی بڑی ضیافتیں کیں ۔ اور بوقت رخصت بادشاہ نے ایک اور بھاری سراپا معہ کئی بیش بہا چیزوں کے عنایت کیا ۔ اور شاہ ایران کے لئے تحائف بھیجے جانے کی نسبت یہ تجویز ٹھیری کہ پیچھے سے اپنے سفیر کی معرفت بھیجے جائیں گے ۔ چنانچہ اس سفارت کے لئے ایک امیر[1] مقرر بھی کیا گیا ۔

اگرچہ بہ نسبت اور سفیروں کے جو پہلے آچکے تھے اورنگ زیب نے اس سفیر کا بہت ہی اعزاز کیا اور دل سے خاطر و مدارات کی ۔ مگر اس پر بھی اُن ایرانیوں نے جو دہلی میں تھے یہ بات مشہور کردی کہ شاہ نے اپنے نامہ میں اورنگ زیب کو دارا شکوہ کے

---

[1] تربیت خاں کو بھیجا گیا تھا ۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قتل اور شاہجہاں کی قید کی بابت بہت ہی ملامت کی ہے اور لکھا ہے کہ جو سلوک تم نے اُن سے کیا ہے کوئی بھائی بھائی کے ساتھ اور کوئی بیٹا باپ کے ساتھ نہیں کر سکتا اور کسی ایمان دار مسلمان سے ہرگز ایسی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اپنا لقب عالمگیر کیوں مقرر کیا ہے اور اُس کو سکہ پر کیوں منقش کرایا ہے۔ اور اس بات کو انھوں نے یہاں تک بڑھایا کہ خط میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آپ عالمگیر ہیں تو یہ گھوڑے اور یہ تلوار حاضر ہے۔ بسم اللہ آیئے ادھر سے ہم بھی آتے ہیں۔ میرے نزدیک اگر یہ بات سچ ہوتی تو شاہ ایران کی طرف سے گویا پیغام جنگ تھا۔ لیکن میں نے جیسا سُنا ویسا لکھدیا ہے۔ اور اس کو میں غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس دربار کا راز ہر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ زبان سے واقفیت اور چند شخصوں سے ملاقات رکھتا ہو اور میری طرح عجائب باتوں کے دریافت کرنے میں دل کھول کر روپیہ خرچ کرنے کی بھی کچھ پروا نہ کرتا ہو لیکن میں تو آسانی سے ایسی بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ شاہ ایران نے ایسے الفاظ اپنے خط میں لکھے ہوں کیونکہ گو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایرانیوں کی یہ عادت ہے کہ جب کسی کو اپنا زور و طاقت جتانا چاہتے ہیں تو ایسی ہی تعلّی کیا کرتے ہیں۔ مگر ایسے لفظوں سے تو محض تعلّی اور شیخی ہی نہیں دھمکی کی بو بھی آتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ اکثر باخبر لوگوں کی یہ رائے ہے اور خود میرا بھی خیال یہی ہے کہ ایران میں یہ طاقت ہی کہاں ہے کہ ہندوستان جیسی سلطنت پر حملہ کرے اور اُس کو تو یہی غنیمت ہے کہ قندھار جو ایران کی عملداری میں ہندوستان کی طرف سرحد پر ہے اُس کے قبضہ میں رہے یا یہ کہ اپنے ملک کو حدود سلطنت روم کی جانب سالم اور محفوظ رکھ سکے ایران کی سپاہ و دولت کا حال مدبّران سلطنت ہند کو خوب معلوم ہے۔ اور وہ واقف ہیں کہ وہاں کے تخت پر ہمیشہ شاہ عباس ہی نہیں ہے جو ایک نامور اور مدبر بادشاہ اور اس قابل تھا کہ جو معاملہ پیش آئے اُس کو اپنے ہی مدعا کے موافق بنالے اور بڑے بڑے منصوبے۔ تھوڑے سے سامان سے انجام دے لے۔ اور اگر ایران کا ارادہ اس سلطنت پر کوئی مہم کرنے کا ہے اور حالیہ وارداتوں کی وجہ سے اُس کو اورنگ زیب کی نسبت اس قدر تنفر پیدا ہوا ہے تو وہ کیوں ان جان کاہ واقعات کو خاموشی اور بے غرضی کی نگاہ سے دیکھتا رہا جو اُن لڑائیوں میں پیش آئے

لہ شاہ عباس ماضی سے مراد ہے جو اکبر کا معاصر تھا اور شاہجہاں کے زمانہ تک فرمانروائے ایران رہا۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو ہندوستان میں ہو رہی تھیں اور باوجودیکہ داراشکوہ اور شاہجہاں اور سلطان شجاع اور شاید صوبہ دار کابل بھی اُس سے امداد کے لئے ملتجی ہوئے۔ مگر اُس کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا حالانکہ وہ تھوڑی سی فوج سے ہندوستان کے ایک نہایت عمدہ حصہ پر یعنی کابل سے لے کر دریائے سندھ کے کنارے بلکہ اُس سے آگے تک قبضہ کر سکتا تھا اور اس طرح یہاں کے ہر ایک جھگڑے میں ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو ثالث بنا سکتا تھا۔

یا تو شاہ ایران کے خط ہی میں کوئی ناملائم فقرہ تھا یا اورنگ زیب خود اس سفیر ہی کی کسی حرکت یا کسی گفتگو سے ناراض ہو گیا تھا جو اُس کے دہلی سے رخصت ہونے کے دو یا تین ہی روز بعد اُس نے اس امر کی شکایت کی کہ جو گھوڑے شاہِ ایران کی طرف سے آئے ہیں سفیر نے اُن کے پچھلے پاؤں کی نسیں[1] کٹوا دی تھیں اور حکم دیا کہ اُس کو سرحد پر روک لیا جائے۔ اور تمام ہندوستانی لونڈی غلام جو وہ یہاں سے لے گیا ہے چھین لئے جائیں جن کی تعداد بلا شبہ بہت ہی زیادہ تھی اور قحط کی وجہ سے بہت ہی سستے اُس کے ہاتھ آ گئے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کے نوکر چاکر بہت سے بچوں کو چُرا کر بھی لے گئے تھے[2]

---

[1] اصلی انگریزی میں لفظ ہیم سٹرنگ ہے۔ جس کے معنی بموجب فن تشریح واصطلاح طبی رباط کے ہیں۔ س م ح

[2] اس سفیر سے اورنگ زیب کے ناراض ہو جانے کا ذکر کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا مگر اور حالات مندرجہ متن کی تشریح اُس وقت کی ناری کتابوں سے یوں پائی جاتی ہے۔ جب سے شاہجہاں کے عہد سلطنت میں شاہ عباس ثانی نے قندھار ۱۰۵۸ھ ہجری میں عمال دولت ہندوستان سے دوبارہ چھین لیا تھا دونوں سلطنتوں کے باہم دوستانہ راہ و رسم بند تھی۔ مگر جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو شاہ موصوف نے ایلچی بھیجنے میں سبقت کر کے اس راہ و رسم کو پھر تازہ کیا۔ چنانچہ صاحب عالمگیر نامہ نے اس حال کو ۱۰۶۸ھ ہجری کے واقعات میں (جو اورنگ زیب کے تیسرے اور چوتھے سال جلوس کے مطابق تھا)۔ بہت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ اُس سے سفیر کی مدارات کا طور و طریق معہ اور بہت سی درباری رسموں اور دلچسپ باتوں کے زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے اس لئے اُس کا پورا ترجمہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوا۔ وہو ھذا

ان ایام میں وقایع صوبہ ملتان سے دریافت ہوا کہ والی ایران نے بھی بمقتضائے مصلحت و دانائی رسم اتحاد کے تازہ کرنے کے لئے بوداق بیگ قنضگچی آقاسی (یعنی بندوقچیوں کی فوج کے سردار) کو جو اُس کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ، امرائے دربار میں سے تھا " معہ تحائف و نامہ دوستانہ متضمن مبارکباد تخت نشینی " روانہ کیا ہے اور وہ قندھار سے گذر کر ملتان کے راستے دلی کو آتا ہے ۔ اس لئے اورنگ زیب نے ابدال بیگ نامی اپنے ایک مقرب ملازم کو مامور کیا کہ استقبال اور مہمان داری کے لئے ملتان تک جائے چنانچہ اس شخص کو حسب معمول خلعت رخصت دے کر رجب کی پہلی تاریخ روانہ کیا گیا اور اسی کے ہاتھ بوداق بیگ کے لئے بھی ایک خلعت بھیجا گیا اور تربیت خاں حاکم ملتان اور خلیل اللہ خاں صوبہ دار " دارالسلطنت " لاہور اور اثنائے راہ کے سب حاکموں کو احکام بھیجے گئے کہ لوازم ضیافت و مہمان داری بجالا کر اپنے اپنے مقدور کے موافق نقد و جنس سے بھی تواضع کریں ۔ تیسری شعبان کو بوداق بیگ کے بھیجے ہوئے " خرپزہ ہائے کاریز " اور کچھ اور میوے بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئے اور لانے والوں کو خلعت کے علاوہ ڈھائی ہزار روپیہ انعام مرحمت ہوا ۔

بعد ازیں خبر آئی کہ بوداق بیگ آخر تاریخ شعبان کو ملتان پہنچ گیا اور تربیت خان نے ضیافت کے بعد پانچ ہزار روپیہ نقد اور ہندوستان کی ساخت کے نو پارچے بطور تحفہ اُس کو دیئے اور جب لاہور پہنچا تو خلیل اللہ خاں نے نہایت عمدہ ضیافت کی جس میں بڑے تکلف سے چار سو قابیں انواع و اقسام کے کھانوں کی اور سات سو خوان قسم قسم کے تقلوں اور عطریات کے چنے گئے اور بیس ہزار روپیہ نقد اور ایک خنجر اور ایک تلوار جن کے ساز مینا کار تھے اور سات کشتیاں ہندوستان کے بنے ہوئے نفیس کپڑوں کی تواضع کیں ۔

اٹھارھویں رمضان کو بوداق بیگ کا ایک عریضہ لاہور سے اپنی روانگی کی اطلاع کے لئے پہنچا اور چونکہ اُس نے عریضہ کے ساتھ باز ۔ جرہ ۔ چرغ اور شاہین وغیرہ کچھ شکاری جانور بھی بھیجے تھے اس لئے لانے والوں کو خلعت عطا ہوئے ۔

اٹھائیسویں رمضان کو جب بوداق بیگ باغ اعزآباد کے نزدیک بمقام سرائے بادلی پہنچ کر ٹھیر گیا تو بادشاہ نے بغرض اظہار عنایت اُس کے لئے " الوش خاص " بھیجا ۔ اور دربار میں حاضر ہونے کے لئے شوال کی تیسری کو ایک " ساعتِ نیک " مقرر ہوئی چنانچہ اس مہورت کے موافق جب یہ سفیر شہر کے قریب پہنچا تو اسد خاں ۔ سیف خاں اور ملتفت خاں " میر تزک " تین بڑے امیر شہر کے باہر تک استقبال کر کے دیوان خاص و عام میں جہاں بادشاہ سالانہ جشن کے دربار میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا لائے اور اُس نے (بقول صاحب عالمگیر نامہ جس کے بیان کو اس امر خاص میں ڈاکٹر برنیر کی بے غرضانہ اور چشم دیدہ شہادت کے مقابلہ میں صحیح نہیں سمجھا جا سکتا) " اسی طرز و قانون سے جو اس سلطنت کا معمول تھا ۔ آداب کورنش و تسلیم بجا لا کر شاہ ایران کا نامہ پیش کیا اور بادشاہ نے " بعطائے خلعت فاخرہ و جیغہ و خنجر مرصع دارگجہ جشن یا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیالہ وخوانچہ طلا و پان یا پاندان وخوان طلا" میں مجلس جشن میں ممتاز فرمایا۔ اور دربار برخاست ہونے کے بعد رستم خاں کی حویلی میں جو جمنا کے کنارے ایک عمدہ مکان تھا اور سفیر کی خاطر سرکاری فرش وفروش سے آراستہ کیا گیا تھا اُتارا گیا اور میر عزیز بدخشی جو ایک سنجیدہ اور معقول شخص تھا مہمان دار مقرر ہوا بادشاہ نے دوسرے دن سفیر کو پھر حضور میں طلب کیا اور ایک "شمشیر با ساز مرصع" عنایت کی اور اُس کے ہمراہیوں میں سے نذر قلی نامی سوغات کے گھوڑوں کے میر آخور (داروغہ اصطبل) اور محمد حسین تحویل دار تحائف اور احمد بیگ ایلچی کے داماد اور اُس کے ملا میرزین العابدین کو خلعت عنایت کئے اور چونکہ رات کو دریائے جمنا میں بادشاہزادوں کے کارپردازوں اور بڑے بڑے امیروں کے اہتمام سے جشنوں کے معمولی دستور کے موافق کشتیوں پر نہایت تکلف سے چراغوں کی روشنی کی گئی تھی اس لئے بادشاہ نے غسل خانہ کے دربار خاص میں سفیر کو بھی معہ اُس کے ہمراہیوں کے طلب کرکے اس تماشے کے ملاحظہ میں شریک کیا۔ اور ساتویں شوال کو سفیر نے حسب الطلب حاضر ہو کر بادشاہ ایران کے تحائف جن میں چھیاسٹھ عراقی گھوڑے نہایت ہی قابل تعریف تھے اور ایک بہت بڑا نایاب موتی جو وزن میں سینتیس ۳۷ قیراط (یعنی ایک سو گیارہ رتی یا ایک رتی کم چودہ ماشے) تھا اور جس کی قیمت بادشاہی جوہریوں نے ساٹھ ہزار روپیہ آنکی تھی معہ اور تحفوں کے جن کی قیمت معہ گھوڑوں اور اس موتی کے چار لاکھ بائیس ہزار روپیہ سمجھی گئی تھی پیش کئے اور سفیر نے اپنی طرف سے بھی کچھ عراقی گھوڑے اور "شتر بختی" (یعنی دو کوہان والے اونٹ) اور ایران کی اور نفیس چیزیں پیش کش کیں۔ جن کو اورنگ زیب نے قبول فرما کر ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور چاندی کے ہودے اور زربفت کی جھول کے ساتھ ایک ہتھنی عطا کی اور محمد حسین تحویلدار تحائف کو پانچ ہزار روپیہ اور نذر قلی میر آخور اور ملا میرزین العابدین کو تین تین ہزار روپیہ اور ایلچی کے داماد احمد بیگ کو دو ہزار روپیہ عنایت کئے۔ اور "بروز جشن سال گرہ چہل وپنجم بحساب قمری" سفیر کو پھر "پچاس ہزار روپے نقد اور مرصع پیٹی اور خلعت بارانی اور پاندان با خوانچہ طلا اور ایک سپر با ساز مرصع اور ایک بندوق خاص"

اور محمد حسین کو تین ہزار اور نذر قلی اور حکیم یوسف سفیر کے طبیب کو دو دو ہزار اور اُس کے کئی "توچیوں" (سلحدار) اور ہمراہیوں کو تیرہ ہزار روپے مرحمت فرمائے۔ اور تیسری ذی الحجہ کو تین اشرفیاں جو وزن میں کل سات سو تولہ کی تھیں اور پانچ پانچ سو تولہ کے تین روپے عطا ہوئے۔

اور بروز عید ذی الحجہ بوداق بیگ کو رخصت کرکے ایک لاکھ روپیہ نقد اور خلعت فاخرہ معہ خنجر مینا کار با علاقہ مروارید اور ایک گھوڑا با زین ولگام طلا اور "ہاتھی با زین طلائی وساز نقرہ وجل زربفت اور ایک فیل دریائی جس کی شکل وصورت "(بقول صاحب عالمگیر نامہ)" خالی از طرفگی وغرابت نہ تھی اور ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پالکی معہ ساز سامان" عطا کی اور نامہ کے جواب کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ ایک فہمیدہ اور سنجیدہ بڑے امیر کے ہاتھ ہندوستان کے عمدہ عمدہ تحفوں کے ساتھ پیچھے سے بھیجا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایلچی کو اول سے آخر تک پانچ لاکھ روپیہ اور اُس کے ہمراہیوں کو پینتیس ہزار روپیہ عطا ہوا اور خواجہ صادق بدخشی کو ملتان تک مشایعت کے لئے مامور کیا گیا۔ انتہیٰ۔

واضح ہو کہ عالمگیر نامہ میں جو فیل دریائی کا ذکر ہے مآثر عالمگیری میں بھی فیل دریائی ہی لکھا ہے یہ کوئی خیالی جانور نہیں ہے۔ اس کو انگریزی میں ہیپوپاٹامس کہتے ہیں جس کا لفظی ترجمہ ہے اسپ دریائی۔ مگر اس کو گھوڑے سے کچھ مشابہت نہیں البتہ گینڈے سے بہت مشابہ ہے اور اگر سونڈ اور چوڑے کان بھی ہوتے تو پورا ہاتھی ہی ہوتا۔ تھن دار جانوروں کی نوع میں سے ہے اور مختلف اقسام کا ہوتا ہے اور بڑے سے بڑا دُم کی طرف سے لے کر سر تک سترہ فٹ کا لمبا ہوتا ہے۔ اکثر سواحل افریقہ پر اور بعض جگہ دریائے نیل میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اکثر پانی میں خوش رہتا ہے مگر دریا کے کنارے نباتات چر کر زندگی بسر کرتا ہے۔

اور شاہِ عباس کا وہ نامہ جو یہ ایلچی لایا تھا اور جس کے مضمون کی نسبت ڈاکٹر برنی ارے بعض افواہیں نقل کر کے اپنے قیاس سے اُن کی تردید کی ہے انشائے ملا طاہر وحید میں جو شاہ عباس کا نہایت مقرب اور "مجلس نویس خاص" تھا ایک "رقم" یعنی فرمان موسومہ ایلچی مذکور جس کو اُس کے صحیح نام اور خطاب بوداق سلطان کی جگہ صاحب عالمگیر نامہ وغیرہ شاہی مورخوں نے اپنے ہاں کے شاہزادوں کا لقب سلطان ہونے کے لحاظ سے خواہ مخواہ بوداق بیگ بنا دیا ہے) بجنسہٖ موجود ہے۔ اُس کے ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الواقع اس نامہ میں کوئی بھی ایسا فقرہ نہ تھا جو اورنگ زیب جیسے عالی منزلت بادشاہ کی شان کے برخلاف ہو بلکہ برعکس اس کے تمام الفاظ اور طرز تحریر نہایت حسب حال اور معقول اور مؤدب ہے اور اگرچہ اس میں اورنگ زیب کو اصل نام سے مخاطب کیا ہے بلقب عالمگیر نہیں لکھا مگر یہ بات کچھ اُس کی توہین کے ارادہ سے نہیں معلوم ہوتی کیونکہ نامہ کی طرز عبارت کے علاوہ بوداق بیگ کے نام کے فرمان سے بے شبہ اور صاف طور پر شاہ عباس کا یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے ساتھ دوستی اور اتحاد پیدا کرنے کا بہ دل خواہشمند تھا۔ چنانچہ نامہ اور فرمان کے بعض فقرات زاید کو جو اس حاشیہ کے مدعا سے علاقہ نہیں رکھتے حذف کر کے بعینہٖ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "نامہ کہ بہ بادشاہ والا جاہ اورنگ زیب نوشتہ شد

بعد از حمد جنابِ کبریا و بسط بساط نعتِ سید انبیا و منقبتِ زبدۂ اصفیا بر مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلی حضرت رفیع المنزلت گردوں بسطت مشتری سعادت خورشید طلعت عطارد فطنت کیوان وقار سپہر اقتدار زینت بخش وسادہ جاہ و جلال متکی آرایک فرخندگی و اقبال مصقل مرآت نمائے دولت خداداد شیرازہ بند اوراق پریشان بلاد و عباد فارس مضمار خصم افگنی و دشمن شکاری منظور انظار حضرت باری۔ پیش رو سالکان صراط مستقیم وصول۔ نظر یافتہ مقربانِ پیش گاہ قبول فرودین ریاضِ ہمیشہ بہار سلطنتِ گورگانی۔ حدیقہ طراز گلستانِ خلد نشان جہاں بانی سیراب منہل عذبِ انتباہ و آگاہی۔ دقیقہ شناسِ خیابائے اسرار کماہی۔ شہاب ثاقب سپہر حمیات وجلادت۔ نہنگ لجج بحر شہامت و لبسالت الموید بعنایات الملک المحسیب نظاما للسلطنۃ والنصفتہ والمعدلتہ والشہامتہ والمبدلتہ والجلالتہ والرفعتہ والعزۃ والاقتدار متبنان سلطان اورنگ زیب منطبع می گرداند کہ دریں وقت ارجمند وزمان سعادت پیوند کہ بہ نیرنگی خالق الس وجان وجاعل کمین و مکان اسباب کامیابی و خوش دلی من جمیع الوجوہ آمادہ و ابوابِ فیوضات از شش جہت بر چہرۂ اقبال کشادہ است بہمیانگی مخبرانِ صدق آئین مژدہ جلوسِ آن گوہر فروزانِ بحر بسالت و شجاعت و جوہر تیغ دشمن شکار جرات و جسارت پرسریر والائے سلطنتِ موروثی گورگانی و دوسادہ لازم السعادتِ جہانبانی کہ بفحوائے صدق انتمائے تؤتی الملک مَنْ تَشَاءُ وتنزع الملک ممن تشاء وتذل من تشاء۔ و بمقتضائے آیہ وافی الہدایہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ و بہ نیروے اصابتِ تدبیر و موافقت کارگذارانِ تقدیر پیرایہ حسن وقوع پوشیدہ سامعہ افروز گشتہ مسرت بر مسرت و خوش دلی افزودہ ہمواره بر سریر گردوں نظیر دولت متمکن باشند ازانجا کہ مبانی صداقت والتیام فی مابین برگزیدگان ایں دو سلسلۂ والامقام سپہر احتشام استحکام تمام داشتہ در عالم دوستی قدیم مترقب می بود کہ آں زبیدۂ ارائک اقبال و چراغ افروزِ دودمان مجد و اجلال را ہر گونہ مہیکہ درباب استقرار امر جہان بانی درکار باشد بمقام اعلام در آید کہ کارگزارانِ دولت ابد مقرون بانجام آں امور گردند چوں تدارک مافات بعون عنایتِ الٰہی مقدور و مراعاتِ شیوہ ستودۂ دوستی پیوستہ منظور است بدستور ہر گونہ مطلبے کہ در خاطر والا مرکوز باشد زبان زد خامۂ اظہار خواہند نمود" فقط انتہی۔

رقعے کہ بہ بوداق سلطان لفنگچی آقاسی در ایام ایلچی گری ہند نوشتہ"

امارت پناہ بوداق سلطان بعنایت بے غایت شاہانہ و مرحمت بے نہایت بادشاہانہ مفخر و سرفراز و ممتاز بودہ بداند کہ عریضہ کہ دریں وقت مصحوب رفعت و معالی پناہ علی قلی بیگ بدرگاہ جہان پناہ آستانِ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خلایق امیدگاہ مشتمل بر خوشنودی از الطاف پادشاہ والاجاہ گردوں بارگاہ ستارہ سپاہ فرستادہ بود در ہنگامیکہ گلہای کامجوئی و کامرانی در بوستان بے خزاں صاحب قرانی بزیر شش سحاب عنایت سبحانی شگفتہ و گرد و غبار عوایق وموانع عیش و عشرت بنسایم الطاف الٰہی رفتہ و دولت اطراف درو دربار جلال عرش آستان و سلاطین با تمکین در محفل بہشت مثال مانند ساغر بخدمت در دوران بودند بہ نظر کیمیا اثر رسید "برگ پان" کہ بدفعات ارسال یافتہ بود بہ تخصیص "بارجامہ لاہوری" یعنی لاہور کی بنی ہوئی وہ بوری یا گون جس میں پان بھیجے تھے) ببوئے تو بہار دارالخلد بزم ارم نشان سرسبز دریان وارد گردید بنابر عنایت شاہانہ و مبارہ آں غلام زادہ خلاع فاخرہ پوشیدہ بمصحوب زعت و معالی پناہ سہراب بیگ غلام خاصہ شریفہ فرستادہ شد معروض داشتہ بود کہ اعلیٰ حضرت بادشاہ والاجاہ کامیاب مالک رقاب بنابر مراعات یک جہتی و یگانگی مقرر فرمودہ اند کہ بہ تعاقب ارسال برگ سبز پان بوستان یاد آوری شگفتہ و خنداں باشد ایں معنی موجب اہتزاز از اہیر بوستان سرای خاطر ہمایوں شد۔ چوں از طرفین بساط یکتا و ولی مہد و ابواب منافرت و بیگانگی بالکلیہ منسدست انچہ از اثمار حلاوت آثار مختصہ ایں دیار مرغوب خاطر والائے آں پادشاہ جم اقتدار عدالت شعار پسندیدہ اطوار بودہ باشد معروض خواہد داشت کہ بندگان درگاہ گردوں پیشگاہ بارسال آن مامور گردند۔ در عریضہ علحدہ اظہار میلان خاطر خورشید آثار اعلیٰ حضرت بادشاہ گردوں بارگاہ بارسال عمدۃ الاماثل والاشباہ برہان الدین خویش ایالت و شوکت پناہ فاضل خاں شدہ بود بر آن غلام زادہ بواجبی ظاہر ست کہ در حینیکہ جان نثار خاں بہ رسم حجابت بدرگاہ خلایق پناہ آمدہ از جملہ مطالبے کہ بعرض آن مامور شدہ استدعائے رخصت جمعے از مردم ایں دیار بود و چوں در آں وقت تراکم غبار نقار مانع دخول شاہد مسئول بجملہ اجابت و قبول بود پیرایہ حصول نہ پوشیدہ دریں وقت کہ بحمداللہ تعالیٰ آں غبار از رہگذر خاطر رفتہ و گلہائے یک جہتی بر شاخسار مودت شگفتہ زبدۃ اقران مومی الیہا مرخص فرمودہ اتمام مطاعۃ لازم الاطاعت باسم بیگلر بیگیاں عظام و امرائے کرام دوزرائے ذوی الاحترام ممالک محروسہ شرف صدور یافت کہ مانع و مزاحم مشار الیہ نشدہ اورا در کمال رفاہ حال و فراغ بال با منسوبان و متعلقان و احمال و اثقال روانہ نمایند و علی قلی بیگ مشمول عنایات شاہانہ و الطافات خسروانہ شد۔ چوں خاطر والا و طبع اقدس اعلیٰ متوجہ رسیدن اخبار صحت آثار ذات ستودہ صفات کامل المبیات اعلیٰ حضرت بادشاہ والاجاہ ستارہ سپاہ می باشد و آن غلام زادہ نیز مدتیست کہ از شرف درگاہ خلایق پناہ دور و از شرف بندگی مہجور شدہ درین دو ورقم اشرف رخصت انصراف حاصل نمودہ روانہ شود و بہ توجہات شاہانہ مستمال باشد" فقط

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جب تک یہ سفیر دہلی میں رہا اورنگ زیب اپنی تمام حرکات وسکنات میں سخت احتیاط کا پابند رہا برخلاف شاہجہاں کے جس نے نامور شاہ عباس کے سفیر کو کبھی تو بے موقعہ تخوت دکھا کر ناراض کر لیا اور کبھی ایسی بے تکلفی اختیار کی جو اُس کی شان کے لایق نہ تھی۔

سفیر ایران اور شاہجہاں کے لطیفے جب کوئی ایرانی ہندوستانیوں کی ہنسی اُڑانا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل قصے بیان کرتا ہے۔ اول یہ کہ جب شاہجہاں کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران ہندوستان کے درباری قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات جس سے اُس کو انکار تھا بجا لائے تو اُس نے یہ تدبیر نکالی کہ عام وخاص کے دروازے کا پھاٹک تو بند کروا دیا اور صرف کھڑکی کھلی رہنے دی جس میں سے بغیر سر جھکائے گذر نہیں ہو سکتا تھا شاہجہاں کو اُمید تھی کہ اس تدبیر سے ہم کو اس بات کے کہنے کا موقعہ ملے گا کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے بھی زیادہ سر جھکانا پڑا۔ لیکن یہ سرکش اور چالاک ایرانی فوراً تاڑ گیا اور شاہجہاں کی طرف پیٹھ کر کے کھڑکی میں داخل ہوا شاہجہاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور مصنف نے جو ایران کی کمزوری کے ثبوت میں یہ لکھا ہے کہ باہمی فساد کے دنوں میں دارا شکوہ۔ شاہجہاں سلطان شجاع اور شاید صوبہ دار کابل نے بھی اُن سے مدد مانگی تھی مگر باوجود ایسے عمدہ موقعہ مداخلت کے وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس کے متعلق کتاب طاہر وحید میں اگرچہ شاہجہاں شجاع اور مہابت خاں صوبہ دار کابل کے نام کی تو کوئی تحریر نہیں ملتی۔ مگر شاہ عباس کی طرف سے مراد بخش دارا شکوہ اور والیان بیجاپور اور گولکنڈا کے نام کے نامے بے شک موجود ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ مراد بخش کو خالی وعدے تو بہت بڑے لفظوں میں دیتے گئے تھے مگر اخیر میں ایفائے وعدہ میں لیت ولعل اور امروز فردا کر دینے کے لیے قصداً گنجایش رکھ لی گئی تھی۔ اور دارا شکوہ کو جو لواح سندھ میں پہنچ کر طالب امداد ہوا تھا مدد کا وعدہ دے کر یوں ٹال دیا تھا کہ آپ اپنے دادا ہمایوں کی طرح اول ہمارے پاس اصفہان میں تشریف لے آیئے پھر سب طرح سے بندوبست ہو جائے گا۔

اور بیجاپور و گولکنڈا والوں کو جو شاہان صفویہ کے ہم مذہب تھے شاہان مغلیہ کا سنی المذہب ہونا بہت شد ومد سے جتا کر اگرچہ یہ صلاح تو دی گئی تھی کہ اس وقت یہ اپنے خانگی فسادوں میں مبتلا ہیں تم دونوں متفق رہ کر اں کی بیخ کنی میں کوشش کرو مگر اپنی فوج وغیرہ بھیجنے کا کوئی وعدہ واقرار نہ تھا۔

ان حالات پر غور کرنے سے بزیئر کی یہ رائے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل ایران ظاہری نمائش کے لیے خالی شیخیاں بہت بگھارتے تھے مگر اپنی طاقت کا اندازہ اپنے دل میں خوب سمجھے ہوئے تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ دیکھکر کہ اس چال میں بھی وہی غالب رہا بہت جھنجلایا اور سفیر کو حقارت سے مخاطب کرکے بولا۔

"اے بدبخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طویلہ سمجھکر اس میں داخل ہوا ہے"؟

اُس نے کہا بے شک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گذر کرتے ہوئے کون شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ گدھوں سے ملنے کے سوا وہ کسی اور جگہ جا رہا ہے۔

دوسرا یہ کہ شاہجہاں نے سفیر ایران کے کسی بے ادبانہ اور کرخت جواب سے ناراض ہوکر کہا

"اے بدبخت شاہ عباس کے دربار میں کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھ جیسے خردماغ کو میرے پاس بھیجا"؟

اُس نے کہا کیوں نہیں بہت سے مہذب اور لائق لوگ موجود ہیں مگر وہ ہر ایک کی لیاقت کے موافق سفیر بھیجا کرتا ہے۔

تیسرا یہ کہ ایک دن شاہجہاں نے سفیر ایران کو اپنے ہاں کھانے پر بُلایا اور حسب معمول اُس کے چھیڑنے کے لئے موقعہ دیکھتا رہا۔ پس جب سفیر نے قاب میں سے ڈھونڈکر ہڈیاں نکالیں اور چچوڑنی شروع کیں تو بادشاہ نے چپکے سے کہا "ایلچی جی کتے کیا کھائیں گے؟ اُس نے کہا "کھچڑی" جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے۔ کھچڑی ایک کھانا ہے جو چاول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکایا جاتا ہے اور جس کو عموماً ہندوستان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دہلی کو۔ (جو اُس وقت نیا تیار ہو رہا تھا) اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو؟ سفیر نے بلند آواز سے جواب دیا کہ "واللہ باللہ اصفہان تو آپ کے شہر کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا"۔ بادشاہ نے اسے تعریف جانا۔ لیکن سفیر نے ہجو بلیغ کی تھی۔ کیونکہ شاہجہاں آباد کا گرد و غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے۔

ایک قصہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہجہاں نے سفیر کو اس امر پر مجبور کیا کہ ٹھیک طور پر بتائے کہ ایران اور ہندوستان کی سلطنت کی قوت میں کس قدر فرق ہے تو اُس نے عرض کیا کہ ہندوستان چودھویں رات کے چاند کے موافق ہے اور ایران محض دوسری یا تیسری رات کے چاند کے مطابق۔ جس سے شاہجہاں اپنی عظمت کی بات سمجھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اس ذو معنی جواب کا اصل مطلب خیال میں آیا جو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ تھا کہ سلطنت ہند زوال کے قریب ہے اور ایران ایک بڑھتی ہوئی دولت ہے تو دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا۔ الغرض ہندوستان میں جو ایرانی رہتے ہیں وہ اپنی ذہانت اور حاضر جوابیوں کی نسبت اسی طرح کی شیخیاں بگھارا کرتے ہیں اور ایسے قصے بیان کرتے ہوئے کبھی سیر ہی نہیں ہوتے۔ مگر میری رائے میں بہ نسبت تعلّی اور تدمغ اور طنز و ایما کے سفیروں کے لئے زیبا طریق یہ ہے کہ وہ متانت اور وقار اور ادب کو ملحوظ رکھیں۔

شاہ عباس کا یہ سفیر اگرچہ ان پسندیدہ اوصاف سے تو معرا ہی تھا۔ مگر تعجب تو اس بات کا ہے کہ اس کو اتنا معمولی شعور بھی نہ تھا کہ اپنی جان اور آبرو کو بچائے رکھتا اور خواہ مخواہ ایک خود سر بادشاہ کو اپنی نسبت غضبناک نہ کر لیتا۔ چنانچہ ایک واقعہ سے جس میں اُس کی جان جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا ثابت ہوتا ہے کہ اُس نے ایسی ہی نادانی کی باتوں سے شاہجہاں کو اپنے سر کر لیا تھا یعنی اس پادشاہ کو اُس سے ایسی دلی رنجش ہو گئی تھی کہ اُس سے بات چیت کرنے میں حقارت آمیز الفاظ اعلانیہ کہہ بیٹھتا تھا بلکہ مخفی طور پر یہ حکم دیدیا تھا کہ جب وہ دربار کو آئے تو عام و خاص کے راستہ میں (جو مثل ایک لمبے اور تنگ کوچہ کے ہے) ایک خونی ہاتھی اُس پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگر یہ شخص چالاک اور دلیر نہ ہوتا تو ضرور مارا جاتا۔ لیکن وہ اپنی پالکی سے نہایت پھرتی کے ساتھ کود گیا اور اُس نے اور اُس کے ہمراہیوں نے ایسے تیر پر تیر مارے کہ ہاتھی بھاگ گیا اور اُس کی جان بچ گئی۔

اورنگ زیب کا اپنے اُستاد کے ساتھ سلوک جس مہینے سفیر ایران اپنے ملک کو واپس گیا ملا صالح کی دربار میں بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ یہ بڈھا[1] عالمگیر کا اُستاد تھا اور ایک مدت سے اپنی جاگیر میں جو شاہجہاں نے

---

[1] شاہجہاں کا مورخ خاص ملا عبدالحمید لاہوری پادشاہ نامہ کے وہ رسالہ اوّل کے خاتمہ میں جو ۱۰۴۷ ہجری کے متعلق تھا دربار شاہجہانی کے علماء و فضلا کی فہرست میں اورنگ زیب کے اُستاد کی نسبت یہ عبارت لکھتا ہے "میر محمد ہاشم معروف بہ حکیم ہاشم خلف میر محمد قاسم گیلانی مدت دوازدہ سال در حرمین شریفین بودہ منقولات را از شیخ محمد عربی محدث و شیخ عبدالرحیم حسانی و ملا علی نہیرۂ ملا عصام الدین مشہور۔ و معقولات را از میر نصیر الدین حسین پسرزادہ میر غیاث الدین منصور و مرزا ابراہیم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُسے دیکھی رہتا تھا جب اُس نے سُنا کہ شاہزادوں کی باہمی لڑائیاں ختم ہوچکیں اور اُس کے شاگرد نے اپنے اولوالعزمانہ منصوبوں میں پوری کامیابی حاصل کرلی تو فوراً دہلی آیا۔ اور اُس کو پوری اُمید تھی کہ اب امارت کا درجہ بہت جلد حاصل ہوجائے گا چنانچہ جو لوگ دربار میں ذی وجاہت تھے سب کو اُس نے اپنا جانب دار بنالیا یہاں تک کہ کئی شخصوں بلکہ روشن آرا بیگم نے بھی اورنگ زیب کو یاد دلایا کہ آپ کا قابل التعظیم اور کامل الاخلاص اُستاد عزت واکرام کا یقیناً مستحق ہے۔ مگر تین مہینے تک تو اُس نے یہ بھی جاننا نہ چاہا کہ وہ دربار میں آتا بھی ہے یا نہیں۔ لیکن آخر کار جب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، ہدائی فراگرفتہ بہ ہندوستان آمد وطب وریاضی نزد سرآمد اطبائے حکیم علی گیلانی درزیدہ چندے در احمد آباد گجرات بتدریس مشتغل بود چوں دانائی او در فنون و فضائل خصوصاً طب بعرض اقدس رسید حکم شد کہ در ہماں بلدہ بخدمت صدارت وطبابت پردازد۔ پس از انقضائے مدتے ملتزم عبودیت سدہ سنیہ گشتہ بامر خاقانی بشرف تعلیم اختر برج سعادت پادشاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریافت واکنوں در ملازمت آں والا گوہر کامیاب است بر تفسیر بیضاوی حاشیہ نگاشتہ بنام نامی حضرت شاہنشاہی مطرز گردانیدہ است" فقط چونکہ اورنگ زیب کی ولادت پندرھویں ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ ہجری کی تھی۔ اس حساب سے ظاہر ہے کہ ۱۰۴۷ھ میں اُس کی بیس برس کی عمر تک اُس کا یہی اُستاد اُس کے پاس تھا اور اُس وقت کے نامور عالموں کی مذکورہ بالا فہرست میں صالح نامی کسی شخص کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ صاحب عمل صالح نے شاہجہاں کے عہد کے خوشنویسوں کے ذکر میں میر عبداللہ مشکیں رقم کے بیٹوں میر محمد صالح و میر محمد مومن کے نام لکھکر اُن کی خوشنویسی کی بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ علاوہ خوشنویسی کے یہ دونوں بھائی ہندوستان کے فن موسیقی میں بھی نہایت کامل گوئیے تھے اور شاعر بھی تھے۔ چنانچہ میر صالح اشعار فارسی میں کشفی اور ہندی اشعار میں صبحاں اپنا تخلص کرتا تھا اور یہ دونوں اپنے اشعار زیادہ تر اہل بیت اطہار سلام اللہ علیہم کے مناقب میں لکھتے اور اہل تصوف سے بہت ربط وضبط رکھتے تھے۔ اور منصب داروں کی فہرست میں اس میر صالح کو نہصدی صد سوار کا منصب دار لکھا ہے مگر اورنگ زیب کا اُستاد ہونا کہیں نہیں لکھا فقط

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کو دیکھتے دیکھتے تنگ آگیا تو حکم دیا کہ ملّا خلوت کے دربار میں حاضر ہو۔ جہاں صرف حکیم الملک دانشمند خاں اور تین چار اور امیر جو علم و فضل میں مشہور ہیں موجود تھے۔ اگرچہ میں اس موقعہ پر حاضر نہ تھا اور ہوتا بھی تو ناممکن تھا کہ اُس طول طویل گفتگو کو یاد رکھتا جو اورنگ زیب نے مُلّا سے کی تھی۔ مگر جو کچھ اپنے آغا کی زبانی میں نے سُنا ہے کچھ شک نہیں کہ اُس کا مطلب حسب ذیل تھا۔ یعنی اورنگ زیب نے فرمایا۔

ملّا جی! براہِ مہربانی یہ تو فرمایئے کہ آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں؟ کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم آپ کو دربار کے اوّل درجہ کے اُمرا میں داخل کرلیں؟ لیکن اس سے پہلے اس بات کا ثابت کرنا ضروری ہے کہ آپ کسی نشانِ عزت کے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ اگر آپ ہماری تعلیم و تربیت شائستہ طور پر کرتے تو ضرور ایسی ہی عزت کے مستحق ہوتے آپ ہم کو ایک تربیت یافتہ نوجوان شخص بتایئے تاکہ ہم بتادیں کہ اُس کی تعلیم و تربیت کی بابت شکر گزاری کا زیادہ مستحق اُس کا اُستاد ہے یا اُس کا باپ۔ فرمایئے تو سہی کہ آپ کی تعلیم سے کون سی واقفیت مجھے حاصل ہوئی ہے کیونکہ آپ نے تو مجھکو یہ بتایا تھا کہ تمام فرنگستان ایک چھوٹے سے جزیرہ سے زیادہ نہیں ہے جس میں سب سے بڑا بادشاہ اول شاہ پرتگال تھا۔ پھر بادشاہ ہالینڈ ہوا۔ اور اُن کے بعد شاہِ انگلستان اور فرنگستان کے اور بادشاہوں مثلاً فرانس اور اندلس کی بابت آپ یہ بتایا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے ہاں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے موافق ہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان کے پادشاہوں میں صرف ہمایوں، اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں ہی ایسے شاہنشاہ ہوئے ہیں۔ جن کے آگے تمام دنیا کے پادشاہوں کی شان و شوکت مدھم ہے۔ اور یہ کہ ایران۔ اُزبک۔ کاشغر۔ تاتار۔ پیگو۔ سیام چین۔ اور ماچین کے بادشاہ سلاطین ہند کے نام سے کانپتے ہیں سبحان اللہ آپ کی اس جغرافیہ دانی اور کمال علم تاریخ کا کیا کہنا ہے۔ کیا مجھ جیسے شخص کے اُستاد کو لازم نہ تھا کہ دنیا کی ہر ایک قوم کے حالات سے مجھے مطلع کرتا مثلاً اُن کی قوت جنگی سے؟ اُن کے وسائل آمدنی اور طرزِ جنگ سے اُن کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رسم ورواج اور مذاہب اور طرزِ حکمرانی سے، اور اُن خاص خاص اُمور سے جن کو وہ اپنے حق میں زیادہ مفید سمجھتے ہیں بہ تفصیل مجھکو آگاہ کرتا، اور علم تاریخ مجھے ایسا سلسلہ وار پڑھاتا کہ میں ہر ایک سلطنت کی جڑ بنیاد اور اسبابِ ترقی و تنزل اور اُن حادثات و واقعات اور غلطیوں سے واقف ہوجاتا جن کے باعث سے اُن میں ایسے بڑے بڑے انقلابات ظہور میں آتے رہے ہیں۔ اور قطع نظر اس سے کہ آپ مجھکو بنی آدم کی وسیع اور کامل تاریخ سے آگاہ کرتے آپ نے تو ہمارے اُن مشہور و معروف بزرگوں کے نام بھی اچھی طرح نہیں بتائے جو ہماری سلطنت کے بانی تھے۔ اور اُن کی سوانح عمری اور اُن کی خصوصی قابلیتوں سے بھی آگاہ نہیں کیا۔ جن کے باعث وہ بڑی بڑی فتوحات کرنے کے قابل ہوئے اور اُن فتوحات سے پہلے جو واقعات ظہور میں آئے اُن سے بھی ناواقف رکھا۔ اور باوجودیکہ بادشاہ کو اپنی ہمسایہ قوموں کی زبانوں سے واقف ہونا ضروری ہے بجائے اُن کے آپ نے مجھکو عربی لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اگرچہ اس زبان کے سیکھنے میں میری عمر کا ایک بڑا حصہ ضایع ہوا۔ مگر بے شک آپ نے یہ سمجھا تھا کہ آپ مجھ پر ایک ایسی زبان کے سکھانے سے جو دس بارہ برس برابر محنت کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ایک دایمی احسان کر رہے ہیں۔ آپ نے بغیر اس کے کہ یہ سوچیں کہ ایک شاہزادہ کو زیادہ تر کن علوم کے پڑھانے کی ضرورت ہے صرف صرف ونحو اور ایسے فنون کی تعلیم کو جو ایک قاضی کے لئے ضروری ہیں مقدم جانا اور ہماری جوانی کے ایام کو بے فائدہ اور لفظی بحثوں کے پڑھنے پڑھانے میں ضائع کیا"۔

یہ الفاظ تھے جن میں اورنگ زیب نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ لیکن بعض پڑھے لکھے آدمی یا تو بادشاہ کی خوشامد اور اُس کے کلام کی قوت دکھانے کو یا ملا صالح کے حسد کے مارے یوں کہتے ہیں کہ بادشاہ کا ملا کو ملامت کرنا اسی پر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے دوبارہ ملا کو کہا۔

"کیا آپ کو معلوم نہ تھا کہ بچپن میں جب کہ قوت حافظہ قوی ہوتی ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہزاروں معقول باتیں ذہن نشین ہو سکتی ہیں اور آسانی کے ساتھ انسان ایسی مفید تعلیمات حاصل کر سکتا ہے کہ جن سے دل میں نہایت اعلیٰ خیال پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان بڑے بڑے نمایاں کاموں کے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ کیا نماز صرف عربی زبان ہی کے ذریعہ سے ادا ہو سکتی ہے اور ہماری اصلی زبان میں اُسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور تحصیل مسائل شرعیہ کیا زبان عربی ہی پر موقوف ہے۔ آپ نے ہمارے والد ماجد کو تو یہ سمجھا دیا کہ ہم اسے فلسفہ پڑھاتے ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے برسوں تک ایسے بیہودہ اور لغو مسائل سے میرے دماغ کو پریشان رکھا جن کے حل ہو جانے کے بعد بھی کچھ اطمینان خاطر حاصل نہیں ہوتا۔ اور جو معاملات دنیاوی میں کبھی کارآمد نہیں ہوتے۔ اور صرف ایسے غیر معین اور فضول خیالات اور توہمات ہیں جو سمجھ میں تو بڑی مشکل سے آتے ہیں مگر بہت ہی جلد ذہن سے اُتر جاتے ہیں۔ اور جن کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ دماغ پریشان اور عقل خبط ہو کر آدمی ایسا منہ زور اور ہٹیلا ہو جائے کہ لوگ اُس سے دق ہو جائیں۔ بے شک آپ نے میرے اوقات گراں مایہ کے کئی سال ایسے مسائل مفروضہ کی تعلیم میں جو آپ کو مرغوب تھے صرف کرائے مگر جب میں آپ کی تعلیم سے علیحدہ ہوا تو کسی بڑے علم کے جاننے کا فخر نہیں کر سکتا تھا بجز اس کے کہ ایسی چند عجیب اور غیر معروف اصطلاحوں سے واقف تھا۔ جو ایک عمدہ سمجھ کے نوجوان شخص کی ہمت کو شکستہ، دماغ کو مختل، اور طبیعت کو حیران کر دیتی ہیں۔ اور جو مدعیان فلسفہ کے جھوٹے دعووں اور جہالت کے چھپانے کی خاطر جو آپ کی مانند لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ وہ عقل و دانش میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ کہ اُن کی تاریک اور مشتبہ المفہوم حق حق بلق بلق میں ایسے بہت سے دقایق ہیں جو بجز اُن کے اور کسی کو معلوم نہیں گھڑ لئے گئے ہیں اگر آپ مجھکو وہ فلسفہ سکھاتے جس سے ذہن اس قابل ہو جاتا ہے کہ بغیر برہان اور دلیل صحیح کے کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ یا آپ مجھکو ایسا سبق پڑھاتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جس سے انسان کے نفس کو ایسا شرف اور علو حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور ترقی و تنزل کی حالت میں ایک ہی سا رہتا ہے۔ یا تم مجھے انسان کے لوازم فطرت اور مقتضیات طبیعت سے واقف کرتے۔ یا مجھے ایسے طریق استدلال کا عادی بناتے کہ تصورات و تخیلات کو چھوڑ کر ہمیشہ اصول صادقہ بدیہہ کی طرف رجوع کیا کرتا اور عالم و مافیہا کی حقایق واقعیہ اور اُس کے کون و فساد کی ترتیب و نظام کے معارف یقینیہ سے مجھے مطلع کرتے اور جو فلسفہ آپ نے مجھے تعلیم کیا ہے وہ ایسے مسائل پر مشتمل ہوتا۔ تو میں اُس سے بھی زیادہ آپ کا احسان مانتا جتنا کہ سکندر نے ارسطو کا مانا تھا۔ اور ارسطو سے بھی زیادہ آپ کو انعام عطا کرتا۔ ملا جی۔ ناقدردانی کا جھوٹا الزام خواہ مخواہ مجھ پر نہ لگایئے۔ کیا تم یہ نہ جانتے تھے کہ شاہزادوں کو اتنی بات تو ضرور ہی سکھانی چاہیئے کہ اُن کو رعایا سے اور رعایا کو اُن کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا لازم ہے۔ اور کیا تم کو اول ہی یہ خیال کر لینا ضروری نہ تھا کہ میں کسی وقت تخت و تاج کی خاطر بلکہ اپنی جان بچانے کے لئے تلوار پکڑ کر اپنے بھائیوں سے لڑنے پر مجبور ہوں گا۔ کیونکہ تم خوب جانتے ہو کہ سلاطین ہند کی اولاد کو ہمیشہ یہی معاملے پیش آتے رہے ہیں۔ پس تم نے کبھی لڑائی کا فن یا کسی شہر کا محاصرہ کرنا یا فوج کی صف آرائی کا طریقہ مجھے سکھایا تھا۔ مگر میری خوش طالعی تھی کہ میں نے ان معاملات میں ایسے لوگوں سے کچھ سیکھ لیا تھا جو تم سے زیادہ عقلمند تھے۔ پس اپنے گاؤں کو چلے جایئے اور آج کے بعد کوئی نہ جانے کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا حال ہے[1]۔

---

[1] اس ساری تقریر کو پڑھنے کے بعد تو کچھ ایسا شبہ ہوتا ہے جیسے برنیئر تعلیم و تربیت کے موضوع پر اپنے خیالات اورنگ زیب کے منہ سے کہلوانا چاہتا ہے جس کا مقصد محض مشرقی علوم کی تحقیر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اس زمانہ میں رومن کیتھولک گرجا کی جو تعلیمات اور فلسفے یورپ میں رائج تھے وہ بھی کہیں زیادہ بعید از قیاس اور حقائق سے دور تھے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک کی تجسیم و تشکیل کے بنیادی نظریئے نے ان کے سارے علوم کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنا رکھا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بادشاہی منجم کی ناگہانی موت

انھیں دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ نجومیوں کے حق میں بہت غیر مفید تھا۔ بات یہ ہے کہ ایشیائی لوگ اکثر احکام نجوم کے ایسے معتقد ہیں کہ اُن کے نزدیک دنیا کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جو کواکب اور افلاک کی گردش پر منحصر نہ ہو اور اس لئے وہ ہر ایک کام میں نجومیوں سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین لڑائی کے وقت جب کہ دونوں طرف صف بندی بھی ہو چکی ہو کوئی سپہ سالار اپنے منجم سے ساعت نکلوائے بغیر لڑائی شروع نہیں کرتا۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی نامبارک لگن میں لڑائی شروع کر دی جائے بلکہ منجموں سے پوچھے بغیر کوئی شخص سپہ سالاری پر مامور بھی نہیں کیا جاتا۔ علی ہذا القیاس بغیر اُن کی اجازت کے نہ شادی بیاہ ہو سکتا ہے نہ کہیں سفر کیا جاتا ہے۔ بلکہ ذرا ذرا سی باتیں بھی اُن سے پوچھے بغیر نہیں کی جاتیں مثلاً کسی لونڈی غلام کا خریدنا یا نیا کپڑا پہننا۔ اور اس احمقانہ توہم نے خلایق کو عموماً ایسی دقت میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس سے ایسے اہم اور نامرغوب نتیجے پیدا ہوتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ اس قدر مدت سے یہ اعتقاد کیوں کر قائم چلا آتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک تجویز سے خواہ وہ کسی سرکاری کام کے متعلق ہو یا نج کے۔ اور ہر ایک معاملہ سے خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی نجومی کو واقف کرنا ضروریات سے ہے۔[1]

وہ واقعہ جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خاص بادشاہی منجم کسی اتفاق سے پانی میں گر پڑا اور ڈوب کر مر گیا۔ اس افسوس ناک واقعہ سے دربار میں بڑی حیرت پیدا ہوئی۔ اور ان نجومیوں کی شہرت کو جو اسرار غیبی کے جاننے والے گنے جاتے ہیں

---

[1] آثر عالمگیری اور سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے جلوس کے اٹھارھویں سال (۱۰۸۵ ہجری) میں تمام منجموں کو جو بادشاہ اور شاہزادوں اور صوبہ داروں کے پاس ملازم رہتے تھے موقوف کر دیا تھا بلکہ اس حکم کی تعمیل اس سختی سے کی گئی تھی کہ اس کے مقرب خاص بختاور خاں نے ان سے پچھلے لکھوا لئے تھے کہ آئندہ تقویم (جنتری) تک بھی نہ بنایا کریں اور باوجودیکہ حسابوں کی صحت کے لئے سرکاری دفتروں میں جنتریوں کا موجود رہنا ایک ضروری امر تھا۔ اور مذہب کی رو سے کچھ منع بھی نہ تھا مگر اُن کا رکھنا اور دیکھنا بھی موقوف کیا گیا۔ اور مہورت نکلوا کر سفر کرنے کی جگہ یہ دستور مقرر کیا گیا کہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روانہ ہوا کرے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑا ضرر پہنچا۔ چونکہ یہ شخص ہمیشہ بادشاہ اور اُمرا کے لئے ساعتیں نکالا کرتا تھا اس لئے لوگوں کو اس کے اس طرح جان دینے سے قدرتی طور پر نہایت تعجب ہوا کیونکہ ایک ایسا مشاق نجومی جو برسوں تک اوروں کے لئے مبارک اور خوش آیندہ باتوں کی پیش گوئی کرتا رہا ہو اُس آفت سے جو خود اُس پر آنے والی تھی واقف نہ ہو سکا۔ اور لوگ یہ کہنے لگ گئے کہ فرنگستان[1] میں جہاں علم کا بڑا چرچا ہے نجومیوں کو وہاں کے لوگ مثل فریبیوں اور شعبدہ بازوں کے گنتے ہیں اور اس علم کو عمدہ اور صحیح اصول پر مبنی نہیں سمجھتے بلکہ یہ جانتے ہیں کہ مکار لوگوں نے بڑے آدمیوں کے درباروں میں رسائی پیدا کرنے اور اُن کو اپنا محتاج ثابت کرنے کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ایران کے نجومی کا لطیفہ

الغرض لوگوں کے ان خیالات اور علی الخصوص مندرجہ ذیل واقعہ سے جس کا عموماً بڑا چرچا تھا منجم بہت ناخوش ہوئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایران کے نامور بادشاہ شاہ عباس نے کہیں اپنے محل میں باغ لگانے کا حکم دیا تھا اور اس کام کے لئے دن بھی مقرر ہو چکا تھا۔ اور باغبان شاہی نے میوہ کے چند درختوں کے لئے ایک مناسب موقعہ بھی تجویز کر لیا تھا۔ مگر بادشاہی منجم نے ناک بھوں چڑھا کر کہدیا کہ اگر ساعت دریافت کئے بغیر درخت لگائے جائیں گے تو ہرگز سرسبز نہ ہوں گے۔ شاہ عباس نے اُس کی بات مان کر ساعت تجویز کرنے کو کہا

تو اُس نے کچھ پانسا ڈالنا ڈال اور اپنی کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ اور حساب لگا کر عرض کیا کہ ستاروں کے فلاں، فلاں مقام پر ہونے کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری گھڑی کے گذرنے سے پہلے پہلے درخت لگا دیئے جائیں شاہی باغبان جو نجومیوں سے پوچھ گچھ کرنے کو ایک لاحاصل بات خیال کرتا تھا۔ اس حکیمانہ تجویز کے وقت حاضر نہ تھا پس بغیر اس کے کہ اُس کے آنے کا انتظار کیا جائے گڑھے کھدوائے گئے اور بادشاہ نے خاص اپنے ہاتھ سے درختوں کو جا بجا لگا دیا تاکہ یادگار کے طور پر کہا جائے کہ وہ خود شاہ عباس کے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر باغبان جب اپنے معمولی وقت پر سہ پہر کو آیا تو درختوں کو لگا ہوا دیکھکر بہت متحیر ہوا۔ اور یہ خیال کر کے

---

[1] اب چاہے لوگوں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو برنیئر کو تو مغرب کی برتری ظاہر کرنے کے لئے اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ حالانکہ یورپ نے تو صدیوں بعد جا کر حقیقت پسندی کا درس سیکھا اور اسلام نے آغاز ہی سے کہانت اور اٹکلے بازی پر سخت تنقید کی اور حقایق پر علوم کی بنیاد رکھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ اُس قرینہ سے نہیں لگائے گئے جو اُس نے تجویز کر رکھا تھا مثلاً سیب کی جگہ زردآلو اور بادام کی جگہ ناشپاتی لگائے ہوئے تھے تو اُن کو اکھاڑ کر اور جڑوں پر کچھ مٹی ڈال کر رکھدیا۔ اور رات بھر اسی طرح ڈالے رکھے منجم کو بھی فوراً کسی نے جا کہا اور اُس نے بھی فوراً ہی شاہ عباس کے پاس جا کر باغبان کی اس حرکت کی سخت شکایت کی۔ پس یہ گنہگار باغبان اُسی وقت طلب ہوا اور بادشاہ نے نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی کہ جن درختوں کو ہم نے نیک ساعت نکلوا کر خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا اُن کو اُکھاڑ ڈالا۔ اور اب کیا اُمید ہے کہ اس باغ کا کوئی درخت پھل لائے گا۔ کیونکہ جو ساعت نیک تھی وہ گذر گئی اور پھر کہاں آسکتی ہے۔ یہ صاف باطن اور سادہ لوح دہقانی جو اس وقت شیرازی شراب کا ایک قدح بھی چڑھائے ہوئے تھا نجومی کی طرف ترچھی نظر سے دیکھکر بولا "واللہ باللہ خوب ہی ساعت نکالی۔ ارے کمبخت بدشگونی ذرا خیال تو کر کہ بس یہی تیرا نجوم ہے کہ جو درخت تیرے کہنے سے دوپہر کو لگائے گئے وہ شام سے پہلے ہی اکھڑ گئے شاہ عباس یہ بے ساختہ اور مزے دار لطیفہ سُن کر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور نجومی کی طرف پیٹھ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

ضبطی جائداد سے متعلق لطیفے

اب دو قصے میں اور بیان کرتا ہوں جو اگرچہ شاہجہاں کے زمانہ کے ہیں مگر اُن کے بیان سے اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اُس ملک میں یہ کیسی ظالمانہ پُرانی رسم چلی آتی ہے کہ جب کوئی شاہی ملازم مرتا ہے تو اُس کی جائداد بحق سرکار ضبط ہو جاتی ہے۔ پس اُن میں سے ایک قصہ تو یہ ہے کہ اُمرائے دربار میں نیک نام خاں نامی ایک نامور امیر تھا جس نے چالیس پچاس برس کے عرصہ میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہ کر بہت مال و دولت جمع کر رکھا تھا یہ شخص اس ظالمانہ اور بدرہ رسم کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے باعث بڑے بڑے امیروں کی بیگمیں یکایک ایسی محتاج اور فقیر ہو جاتی ہیں کہ بادشاہ سے اُن کو اپنی تھوڑی سی معاش کے واسطے التجا کرنی پڑتی ہے اور اُن کے بیٹے کسی امیر کے ماتحت عام سپاہیوں میں نوکری کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں پس اس کا اخیر وقت جب قریب آن پہنچا تو اُس نے مخفی طور پر اپنا تمام خزانہ تو مصیبت زدہ بیواؤں اور ایسے غریب امیرزادوں کو جو بیچارے سواروں میں نوکری کر کے بسر اوقات کرتے تھے تقسیم کر دیا اور خالی صندوقوں کو لوہے کے ٹکڑوں، ہڈیوں، پُرانی جوتیوں، اور پھٹے پُرانے کپڑوں سے بھر کر خوب طرح سے مُہریں لگوا دیں اور وصیت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی کہ ان میں جو مال و اسباب بند ہے وہ خاص اعلیٰ حضرت کے لئے ہے۔ میرے مرنے کے بعد باحتیاط تمام حضور میں پہنچا دیا جائے۔

پس نیک نام خاں کے انتقال کے بعد جب یہ صندوق سرکار میں آئے تو اتفاقاً بادشاہ دربار میں بیٹھا تھا۔ اُن کو دیکھکر اُس کا دل ایسا للچایا کہ سردربار اُن کے کھولے جانے کا حکم دیا۔ مگر اُن کے کھلتے ہی جو انفعال اور مایوسی اُس کو ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اس قدر شرمندہ ہوا کہ فوراً دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ نیک نام خاں کے مرنے کے چند سال بعد ایک دولت مند بنیا جو ہمیشہ سے بادشاہی ملازم تھا۔ اور اپنے ملک کے دستور کے موافق بڑا بیاج خور تھا مرگیا تو اُس کے بیٹے نے اپنی ماں سے کچھ روپیہ لینے کے واسطے لڑنا جھگڑنا شروع کیا مگر اُس نے اُس کی عیاشی اور فضول خرچی کی وجہ سے دینے سے انکار کیا تو اس احمق نے شاہ جہاں کے پاس جاکر کہہ دیا کہ اُس کا باپ دو لاکھ "کرون" یعنی پانچ لاکھ روپیہ چھوڑ مرا ہے اس پر بادشاہ نے فوراً اس بیوہ مہاجنی کو دربار میں بلاکر یہ حکم دیا کہ ایک لاکھ روپیہ تو خزانہ شاہی میں بھیج دے۔ اور باقی میں سے پچاس ہزار روپیہ اپنے بیٹے کو دیدے۔ اور حکم قطعی دے کر چوب داروں سے کہا کہ اس بڑھیا کو دربار سے نکال دو۔ یہ سن کر اگرچہ یہ بیچاری بہت متحیر ہوئی اور اُس کو اس بات کا بھی بڑا رنج ہوا کہ بلا سماعت اس کے غدر کے دربار سے نکالے جانے کا حکم ہوا لیکن تاہم یہ باہمت بڑھیا گھبرائی نہیں اور چوب داروں کو جھڑک کر بولی کہ ہٹو، میں ابھی بادشاہ سے کچھ عرض کیا چاہتی ہوں، اس پر شاہجہاں نے: بایا اچھا جو کہنا چاہتی ہے کہنے دو۔ پس اُس نے عرض کیا کہ حضرت میرا بیٹا جو اپنے باپ کے مال کا دعویٰ کرتا ہے کچھ بے جا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا بیٹا..... اور ہمارا وارث ہے۔ مگر میں ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہوں کہ سرکار کا میرے خاوند کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ جو حضور ایک لاکھ روپیہ مانگتے ہیں۔ شاہجہاں یہ مختصر اور بے ساختہ سوال سُن کر بہت خوش ہوا اور اس خیال سے کہ شہنشاہ ہند ہوکر ایک بنیے کا رشتہ دار کہلائے اُس کو بڑی ہنسی آئی اور کئی بار قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اچھا اسے جانے دو اور اس کے مال و دولت سے کوئی متعرض نہ ہو۔

شاہزادوں کی باہمی لڑائی تقریباً ۱۶۶۰ء میں جب ختم ہو چکی اُس وقت سے لے کر کوئی چھ برس بعد تک جب کہ میں ہندوستان سے رخصت ہوا جو جو واقعات قابل غور پیش آئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رہے اب میں اُن سب کو لکھنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ کچھ شک نہیں ہے کہ اُن میں سے بعض کے لکھ دینے سے میرا یہ مدعا کہ مغلوں اور ہندوستانیوں کے طور وطریق اور ذہن وذکا کا حال ناظرین کتاب پر واضح ہو جائے بہت کچھ پورا ہو جاتا اسی فروگذاشت کی وجہ سے مجھے وہ واقعات تمام وکمال کہیں پھر لکھنے پڑیں گے۔ لیکن سردست میں صرف انھیں خاص خاص لوگوں کے بعض اہم حالات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جن کے نام سے ناظرین واقف ہو چکے ہیں اور اس بیان کو شاہجہاں کے حال سے شروع کرتا ہوں۔

شاہجہاں کے ساتھ اورنگ زیب کا سلوک اگرچہ اورنگ زیب نے شاہجہاں کو قلعہ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کر رکھا تھا اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کی جاتی تھی جس سے اُس کے نکل بھاگنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اور سب طرح نہایت ادب اور ملائمت کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اور اُن شاہی محلوں میں رہنے سہنے کی بھی اجازت دیدی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔ اور اُس کی بیٹی معروف بیگم صاحب سے ملنے کی بھی اجازت تھی۔ اور محل کی کل متعلقہ عورتیں مثلاً عملہ باورچی خانہ اور ناچنے گانے والیاں وغیرہ سب حاضر رہتی تھیں۔ اور ایسے معاملات میں اُس کی کوئی خواہش رد نہیں کی جاتی تھی اور اب جو یہ بڈھا عابد وزاہد بن گیا تھا بعض ملاؤں کو بھی اُس کے پاس جا کر تلاوت قرآن کی پروانگی تھی اور خاصے گھوڑوں اور بازجرے وغیرہ شکاری جانوروں کے منگا لینے اور ہرنوں اور مینڈھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشہ دیکھنے کی بھی اجازت تھی غرض کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہجہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطرداری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اُس کی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیرومرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا۔ اور اُس کے عریضوں سے جو اکثر لکھتا رہتا تھا ادب اور فرماں داری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح سے شاہجہاں کی گردن کشی اور اُس کا غصہ آخرکار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت کے بارے میں بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگا۔ اور داراشکوہ کی بیٹی کو بھی اُس کے پاس بھیج دیا۔ اور وہ بیش بہا جواہرات جن کے دینے سے پہلے انکار کر کے یہ کہدیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چورا کر ڈالوں گا مگر دوں گا نہیں اُن میں سے بھی بعضے جواہر اورنگ زیب کے پاس ازخود

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھیج دیئے بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کرکے اُس کے حق میں دعائے خیر بھی کردی۔

حالانکہ اورنگ زیب بڑی لجاجت سے بارہا معافی مانگ چکا تھا اور شاہجہاں اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر میرے اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شاہجہاں کی ہر ایک بات بلا عذر تسلیم کرلی جاتی تھی۔ کیونکہ مجھے اورنگ زیب کے ایک عریضہ کی طرز تحریر سے معلوم ہوا کہ جب کبھی یہ بڈھا بادشاہ تحکم کے طور پر اُس کو کچھ لکھتا تھا تو یہ اُس کے جواب میں جرأت کے ساتھ اپنی ہی بات پر قائم رہنے کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُس کے چند فقرے پڑھے ہیں جن کا مضمون یہ تھا۔

"کیا حضور یہ چاہتے ہیں کہ میں سختی کے ساتھ پرانی رسموں کا پابند رہوں؟ اور جو کوئی ہمارا نوکر چاکر مرجائے اُس کی تعداد ضبط کرلوں، اگرچہ شاہانِ مغلیہ کا یہ دستور رہا ہے کہ اپنے کسی امیر یا کسی دولت مند مہاجن کے مرنے کے بعد بلکہ بعض اوقات تو دم نکل جانے سے بھی پہلے ہی اُس کے تمام مال و اسباب کا تعلیقہ کراتے تھے اور جب تک اُس کے نوکر چاکر جزو کل مال و دولت بلکہ ادنیٰ ادنیٰ زیور بھی نہ تبلادیں اُن پر مار پیٹ اور قید و بند کا تشدد کیا جاتا تھا اور یہ دستور بے شک فائدہ مند بھی ہے۔ لیکن جو ناانصافی اور بے رحمی اُس میں ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اور اگر ہر ایک امیر نیک نام خاں کا سا معاملہ کرے یا کوئی عورت اُس بیوہ مہاجنی کی طرح اپنے مال کو پوشیدہ کرے تو اس میں وہ حق بجانب ہے یا نہیں؟

حضور کی خفگی سے بہت ڈرتا ہوں اور اس امر کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ حضور میرے طور طریق کی نسبت غلط فہمی فرمائیں۔ اور جیسا کہ حضور خیال فرماتے ہیں تخت نشین ہونے نے مجھے خود رائے اور مغرور نہیں بنادیا۔ چالیس برس سے زیادہ کے تجربہ سے حضور خود ہی خیال فرما سکتے ہیں کہ تاج شاہی کس قدر گرانبار چیز ہے۔ اور بادشاہ جب دربار سے اُٹھتا ہے تو کس قدر افکار اُس کے دل کو غمگین اور دردمند بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہمارے مشہور و معروف جدامجد جلال الدین محمد اکبر نے اسی غرض سے کہ اُن کی اولاد دانائی اور نرمی اور تمیز

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ساتھ سلطنت کرے اپنے عہد سلطنت کی تاریخ میں امیر تیمور گورگان کا ایک ذکر بطور نمونہ لکھکر اپنی اولاد کو اُس کی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ جب بایزید یلدرم گرفتار ہوکر امیر تیمور کے حضور میں لایا گیا اور امیر بہت غور کے ساتھ اُس مغرور قیدی کی طرف دیکھکر ہنس دیا۔ تو بایزید نے اس حرکت سے ناراض ہوکر امیر کو کہا کہ تم کو اپنی فتح مندی پر اس قدر اترانا نہ چاہیئے عزت و ذلت منجانب اللہ ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح تم آج فتح یاب ہوئے ہو کل میری طرح پکڑے جاؤ۔ امیر نے جواب دیا کہ میں دنیا اور اُس کے جاہ و دولت کی بے ثباتی سے خوب واقف ہوں اور خدا نہ کرے کہ میں اپنے کسی مغلوب دشمن کی ہتک کروں۔ اور میری ہنسی کا سبب یہ نہ تھا کہ تمھارا دل دُکھاؤں بلکہ مجھے تمھیں دیکھکر اپنی اور تمھاری بدصورتی کے خیال نے بے اختیار ہنسا دیا کیونکہ تم تو کانے ہو اور میں لنگڑا ہوں۔ اور یہ بات میرے دل میں گذری کہ تاج سلطنت ایسی کیا چیز ہے جس کو پاکر بادشاہ اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں حالانکہ خدائے تعالیٰ اس کو اپنے ایسے بندوں کو عطا کرتا ہے جو کانے اور لنگڑے ہوں[1]۔"

معلوم ہوتا ہے کہ حضور یہ خیال فرماتے ہیں کہ میری مصروفیت بہ نسبت اُن اُمور کے جن کو میں نظم و نسق ملک داری اور سلطنت کے اندرونی استحکام کے لئے نہایت ضروری جانتا ہوں نئی نئی فتوحات اور ملک گیری کی جانب زیادہ ہونی چاہیئے۔ اس امر سے میں ہرگز انکار نہیں کرسکتا کہ ایک بڑے شہنشاہ کا عہد دولت نئی نئی فتوحات کی وجہ سے ممیز اور ممتاز ہونا لازم ہے اور اگر میں ایسا نہ کروں تو گویا اپنے نامور بزرگ امیر تیمور گورگان کی نسل کو دھبہ لگاؤں گا۔ مگر بہرحال یہ بات قرین انصاف نہیں ہے کہ مجھے کاہلی اور خاموش بیٹھے رہنے کا الزام دیا جائے۔ کیونکہ بنگالہ اور دکن میں میری فوجوں کی مصروفیت کو تو حضور بھی عبث خیال نہیں فرما سکتے۔ اور میں

---

[1] سلطان بایزید یلدرم کے مغلوب اور قید ہونے کے ذکر میں یہ روایت نہ تیمور نامہ میں لکھی ہے نہ اکبر نامہ میں۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حضور کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ بڑے سے بڑا ملک گیر بھی ہمیشہ سب سے بڑا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کبھی دنیا کے اکثر حصے بالکل وحشی اور ناتربیت یافتہ قوموں نے فتح کر لئے ہیں اور نہایت وسیع سلطنتیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں۔ پس حقیقت میں سب سے بڑا بادشاہ وہی ہے جو رعایا پروری اور عدل و انصاف ہی کو اپنا حاصل عمر جانے۔"

اس عریضہ کے باقی حصہ کے پڑھنے کا مجھے موقعہ نہیں دیا گیا۔

میر جملہ کی کارگذاریاں مہم آسام اور اُس کی موت

اب میں چند کلمے اُس مشہور شخص کے باب میں کہنے چاہتا ہوں جس کو میر جملہ کہتے ہیں اور اُن معاملات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے شاہزادوں کی باہمی لڑائی کے بعد اُس کا تعلق رہا اور یکہ اس نامور شخص کا خاتمہ کس طور پر ہوا۔

بنگالہ پر قبضہ حاصل کرنے میں اُس نے سلطان شجاع کے ساتھ وہ بے رحمی اور بے ایمانی نہیں کی جو جیون خاں نے داراشکوہ سے اور سری نگر کے راجہ نے سلیمان شکوہ سے کی تھی۔ بلکہ اس نے ایک ہنرمند سپہ سالار کی طرح ملک پر قبضہ حاصل کیا اور بغیر اس کے کہ کسی دغا اور فریب سے سلطان شجاع کو گرفتار کرے صرف اس پر قناعت کی کہ سلطنت کے چھوڑ دینے اور سمندر کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ سلطان شجاع کی مہم کے خاتمہ کے بعد میر جملہ نے ایک خواجہ سرا کو عرضی دے کر اورنگ زیب کے حضور میں بھیجا اور التماس کی کہ میرے اہل و عیال کو اس کے ساتھ بنگالہ چلے آنے کی اجازت بخشی جائے اور لکھا کہ "لڑائی بخیر و خوبی ختم ہو گئی۔ اور چونکہ میں ضعیف اور بوڑھا ہو گیا ہوں حضور کی نوازش سے مجھے اُمید ہے کہ اس سے زیادہ اہل و عیال سے میری جدائی کو پسند نہ فرمایا جائے گا۔ لیکن اورنگ زیب اس چالاک مدبر کے مطلب کو فوراً سمجھ گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس کے بیٹے محمد امین خاں کو بنگالہ بھیج دیا جائے گا تو میر جملہ یقیناً بنگالہ کا خودسر بادشاہ بننے کا ارادہ کرے گا اور شاید کہ یہ عجیب شخص اس پر بھی قناعت نہ کرے۔ کیونکہ میر جملہ بیدار مغز اولوالعزم۔ شجاع اور دولت مند ہونے کے علاوہ اس وقت ایک فتحیاب فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور اُس سے اہل سپاہ کو محبت بھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی۔ اور اُس کا رعب بھی مانتے تھے۔ اور ہندوستان کا سب سے عمدہ صوبہ اُس کے قبضہ میں تھا۔ اور گولکنڈے میں جو معاملات پیش آئے تھے اُن سے ثابت ہو چکا تھا کہ میر جملہ کیسا ایک بے صبر اور بے باک طبیعت کا انسان ہے۔ پس ایسے شخص کی درخواست کو قطعاً رد کر دینا بالضرور خطرناک نتائج کا باعث ہوتا۔ مگر اورنگ زیب نے اس موقعہ پر بھی اپنی مخصوص احتیاط اور دانائی سے کام لیا۔ یعنی میر جملہ کی بیوی اور پوتے پوتیوں کو بنگالہ روانہ کر دیا۔ اور امیر الامرا[1] کا خطاب عنایت کیا جو ایک ایسا خطاب ہے جس سے بڑھکر شہنشاہ ہند کوئی خطاب نہیں دے سکتا اور اُس کے بیٹے محمد امین خاں کو میر بخشی کا منصب عطا کیا جو سلطنت کے منصبوں میں دوسرے یا تیسرے درجہ کا منصب ہے مگر اس منصب دار کو ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اور بادشاہ سے اُس کا علیحدہ ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل تو بے شک ہے۔ اس کے علاوہ میر جملہ کو بنگالہ کی مستقل صوبہ داری بھی عنایت فرمائی۔

میر جملہ جب اپنی مراد میں کامیاب نہ ہوا تو اُس نے سوچا کہ اگر بیٹے کے بُلانے کی مکرر درخواست کروں گا تو یہ امر یقیناً بادشاہ کے عتاب کا باعث ہوگا اس لئے اُس نے بھی اسی کو بہتر جانا کہ ان انعامات شاہی کا شکر بجالائے اور خاموش ہو رہے۔ ان معاملات پر جب کہ ایک سال کے قریب گذر چکا تو اورنگ زیب نے صحیح طور پر یہ خیال کر کے کہ ایک اولوالعزم سپاہی اب زیادہ عرصہ تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اگر اُس کو لڑائی بھڑائی میں مشغول نہ رکھا جائے تو خود اپنی ہی سلطنت کے اندر کوئی بکھیڑا کھڑا کر دے گا۔ میر جملہ کو آسام کے راجہ پر فوج کشی کی تیاری کا حکم دیا جو ایک زبردست اور دولتمند راجہ ہے اور جس کا ملک ڈھاکہ کے شمال میں خلیج بنگالہ کے کنارے پر ہے۔

اُدھر میر جملہ خود بھی اس مہم کی فکر میں تھا کیونکہ اُس کو امید تھی کہ اس طرح پر سرحد چین تک ملک فتح کر کے ایک دائمی شہرت حاصل کروں گا۔ غرضکہ اورنگ زیب کے پیغام رساں نے میر جملہ کو اس مہم پر پہلے ہی سے آمادہ پایا اور فوراً ایک سپاہ جرار ڈھاکہ سے کشتیوں میں اُس دریا کے راستہ روانہ ہوئی جو آسام سے نکلتا ہے، اور گوشہ شمال و مشرق

---

[1] ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ اس کو خان خاناں سپہدار بنگالہ لکھا جاتا تھا۔ امیر الامرا کا خطاب شائستہ خاں کا تھا۔ س م ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے چل کر ایک قلعہ پر جس کو آزو کہتے ہیں اور جو ڈھاکہ سے قریب تین سو میل کے ہے اور جس کو آسام کے راجہ نے بنگالہ کے ایک صوبہ دار سے سابق میں چھین لیا تھا جا پہنچی۔ اور دس بارہ دن کے محاصرہ میں قلعہ فتح ہو گیا۔ اور میر جملہ چمدارا کی طرف جو آسام کا دروازہ سمجھا جاتا ہے بڑھا اور اٹھائیس دن کے لمبے سفر کے بعد وہاں جا پہنچا۔ اور یہاں ایک لڑائی ہوئی اور راجہ شکست کھا کر گرگانوں کی طرف جو آسام کی راج دھانی اور چمدارا سے ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے بھاگ گیا۔ لیکن میر جملہ کے پرزور اور چست تعاقب نے وہاں بھی دم لینے نہ دیا۔ اور بغیر اس کے کہ کچھ مورچہ بندی وغیرہ کر سکے مجبوراً پیچھے کو ہٹتا ہٹتا مملکت لاساکے کوہستان میں جا گھسا اور چمدارا اور گرگانوں لوٹ لئے گئے۔ خصوصاً گرگانوں سے بہت مال و دولت فوج کے ہاتھ آیا۔ گرگانوں ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے اور تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں کی عورتوں کا حسن مشہور ہے۔ مگر کثرت بارش کی وجہ سے جو موسم سے ذرا پہلے شروع ہو گئی تھی سپاہ آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اس ملک میں اس قدر مینہ برستا ہے کہ بجز گانوں کی آبادیوں کے جو چھانٹ کر اونچی اونچی زمینوں پر بسائے جاتے سب جگہ پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اور راجہ نے موقعہ پاکر لشکر کے آس پاس کے ملک کو مویشی اور ہر قسم کے مایحتاج سے خالی کر ڈالا۔ اور اگرچہ فوج نے بہت سا مال و دولت جمع کر لیا تھا۔ مگر قبل اس کے کہ برسات ختم ہو۔ رسد کی طرف سے نہایت دقت اور تکلیف میں پڑ گئی اب میر جملہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ کیونکہ سامنے جو پہاڑ تھے وہ نہایت ہی دشوار گذار تھے اور پیچھے ہٹنا اس لئے مشکل تھا کہ پانی اور دلدل کی کثرت کے علاوہ راجہ نے ہوشیاری کر کے وہ پشتہ بھی توڑ ڈالا تھا جس پر سے چمدارا کا راستہ تھا پس برسات بھر مجبوراً وہیں ٹھہرنا پڑا۔ مگر خشک موسم کے آنے تک رات دن کی تکلیفوں اور رسد کے نہ ملنے سے فوج ایسی شکستہ خاطر ہو گئی کہ میر جملہ کو آسام کی فتح کا ارادہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اگر یہ فوج کسی اور کم لیاقت سردار کے ماتحت ہوتی تو بنگالہ کو واپس آنا مشکل تھا۔ کیونکہ رسد بہت مشکل سے بہم پہنچتی تھی۔ اور راستہ میں دلدل اب بھی اس کثرت سے تھی کہ سپاہ جلد جلد کوچ نہیں کر سکتی تھی۔ اور راجہ چستی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا۔ مگر میر جملہ اپنی معمولی ہوشیاری سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے ہٹا لایا کہ اس کے حسن تدبیر کی اور بھی دھوم مچ گئی اور مال و دولت بھی خوب ساتھ لایا۔ اور واپس آتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوئے قلعہ آزو کو خوب مستحکم کر کے ایک جرار سپاہ وہاں اس غرض سے چھوڑ آیا کہ اگلے برس کے شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کی جائے۔ لیکن یہ نامی سردار مرض پیچش سے جو اُس کے لشکر میں بنگالہ پہنچتے ہی پھیل گیا تھا مر گیا۔ اور جیسا کہ ہونا چاہیے تھا اُس کی وفات سے تمام ہندوستان میں تہلکہ پڑ گیا۔ مگر بہت سے عقلمند لوگوں کا قول یہ ہے کہ حقیقت میں اورنگ زیب بنگالہ کا بادشاہ ابھی ہوا ہے۔ اگرچہ اورنگ زیب میر جملہ کی خدمات کا معترف اور شکر گذار تھا۔ لیکن شاید ایک ایسے نائب السلطنت کے مر جانے سے جس کا اقتدار اور دانشمندی اُس کو ہمیشہ مشوش رکھتی تھی غمگین نہیں ہوا۔ چنانچہ سردربار محمد امین خاں سے کہا۔

"افسوس ہے کہ تمھارا شفیق باپ اور ہمارا نہایت قوی اور نہایت خوفناک دوست چل بسا"

مگر بہرحال اورنگ زیب نہایت مہربانی اور فیاضی کے ساتھ محمد امین خاں سے پیش آیا۔ اور اُس کو یقین دلایا کہ اپنے باپ کی جگہ اب ہم کو سمجھو۔ اور بجائے اس کے کہ اُس کی تنخواہ میں کچھ کمی کرے۔ یا میر جملہ کے مال و دولت کو ضبط کرے محمد امین خاں کو میر بخشی کے عہدہ پر مستقل کر دیا۔ بلکہ تنخواہ میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ کر دیا۔ اور اُس کے باپ کے کل مال و دولت سے بھی کچھ تعرض نہیں کیا[1]

شائستہ خاں ارا کان کی مہم پر

اب میں تھوڑا سا حال اورنگ زیب کے ماموں .... شایستہ خاں کا جس کا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے اور جس کی موثر تقریریں اور جوڑ توڑ اُس کے بھانجے کے لئے ایسے عظیم الشان مرتبہ پر پہنچنے کا باعث ہوئے۔ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تم پڑھ چکے ہو کہ کھجوہ کی لڑائی سے

---

[1] میر جملہ کا ایک مغلوبانہ طور پر آسام سے واپس آنا جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے درست نہیں ہے اور اُس کے علاوہ اور بھی غلطیاں ہیں۔ اور اس مہم کا صحیح اور مفصل حال جو کوچ بہار اور آسام دونوں پر ایک ہی وقت میں کی گئی تھی عالمگیر نامہ میں اس خوبی سے لکھا ہے کہ اُس وقت کی فارسی تاریخوں میں ایسے عمدہ طور کا بیان شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے اور اگرچہ وہ تفصیل اور جزئیات سب کے سب نہایت ہی دلچسپ اور قابل دید ہیں لیکن اگر اُن کو پورا نقل کیا جاتا تو بجائے خود ایک چھوٹی سی کتاب بن جاتی اس لئے کچھ اُس کا خلاصہ لکھکر بطور ایک حاشیہ کی اس جلد کے خاتمہ میں لگا دیا گیا ہے اُس کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پہلے جب کہ اورنگ دارالخلافت سے شجاع کے مقابلہ کو گیا تھا شائستہ خاں آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور وہاں کی سپہ سالاری بھی اسی کو تفویض کی گئی۔ اور اب میر جملہ کی وفات کے باعث بنگالہ کا صوبہ دار اور وہاں کی فوج کا سپہ سالار بھی مقرر ہوا۔ اور امیر الامرا کا خطاب بھی اُس کو دیا گیا۔ شائستہ خاں کی ناموری کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنگالہ پہنچتے ہی جو مہم عظیم اُس نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اُس کا بیان کیا جائے۔ اور جب یہ خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کس باعث سے اُس کے نامور جانشین سابق (میر جملہ) نے اُس کو اختیار نہیں کیا تھا تو یہ مہم اور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور میرے اس بیان سے مملکت بنگالہ اور اراکان کی گذشتہ اور موجودہ حالت جو اب تک لوگوں کو چنداں معلوم نہیں ہے منکشف ہو گی۔ اور کچھ اور حالات بھی جو توجہ کے لائق ہیں ظاہر ہوں گے مگر اس مہم کی کیفیت معلوم ہونے اور اُن واقعات کے بخوبی سمجھنے کے لئے جو خلیج بنگالہ میں واقع ہوئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اراکان میں جسے مگہ لوگوں کا ملک بھی کہتے ہیں برسوں سے بہت سے نوآباد پرتگیز اور عیسائی غلام اور دوغلے پرتگیز اور اہل فرنگ جو ادھر اُدھر کے ملکوں سے آن کر جمع ہو گئے تھے رہتے تھے اور یہ ریاست اُن بدچلن لوگوں کے لئے جائے پناہ تھی جو گوا۔ سیلان۔ کوچین۔ ملاکا اور ہندوستان کے اور مقامات سے جو قبل ازیں پرتگیزوں کے قبضہ میں تھے یہاں چلے آتے تھے۔ اور جو بدمعاش فقیر اپنی خانقاہوں کو چھوڑ آتے تھے یا جو بدطوار لوگ دو تین عورتوں سے شادی کر کے یا کسی اور بڑے گناہ کے مرتکب ہو کر بھاگ آتے تھے یہاں اُن کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ یہ صرف نام کے عیسائی تھے۔ اور اراکان میں ان کا طرز معاشرت نہایت قابلِ نفرت تھا۔ چنانچہ بے دھڑک ایک دوسرے کو قتل کرتے یا زہر دیتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے واعظ پادریوں کو بھی جو سچ پوچھو تو وہ بھی ان سے کچھ کم نہ تھے مار ڈالتے تھے۔ اور اراکان کے راجہ نے جو ہمیشہ سلاطین مغلیہ سے خائف رہتا تھا۔ اپنے ملک کی سرحد پر اُن کے وجود کو بمنزلہ ایک جنگی چوکی کے کارآمد سمجھکر چاٹگام کی بندرگاہ اور بہت سی زمینیں آبادی کے لئے اُن کو دے رکھی تھیں۔ اور چونکہ وہ اُن لوگوں سے کسی طرح کی مزاحمت اور بازپرس نہیں کرتا تھا۔ تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان بدمعاش اور بے لگام لوگوں کا پیشہ لوٹ کھسوٹ اور سمندری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غارت گری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر چڑھکر ادھر ادھر سمندر میں گشت لگاتے اور گنگا کی بے شمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھستے۔ اور زیرین بنگالہ کے جزیروں کو تباہ و برباد کرتے۔ اور اکثر سو ڈیڑھ سو میل تک ملک کے اندر چلے آتے تھے اور جہاں کہیں بازار لگا ہوا ہوتا یا کوئی شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوتی وہاں یکایک جا پڑتے اور تمام لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے۔ اور بدنصیب قیدیوں کو غلام بناتے۔ اور جو چیز اٹھائی نہ جاتی اُس کو جلا ڈالتے تھے۔ اور یہ اس ہمیشہ کی لوٹ مار ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم گنگا کے دہانہ پر اپنے عمدہ جزیروں کو جو کسی وقت خوب آباد اور معمور تھے۔ ویران اور سنسان پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ اور سوائے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔ اور ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی بے رحمی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے اور اُن کو یہاں تک جرأت ہو گئی تھی کہ بڈھے آدمیوں کو نکمے اور بیکار جان کر انھیں مقامات میں بیچنے کو لے جاتے تھے جہاں سے اُن کو پکڑ کر لاتے تھے اور اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ جوان شخص جو کل اتفاقاً بھاگ کر ان کے ہاتھ سے بچ گئے تھے آج اپنے بڈھے باپ کو خرید کر ان کے پنجہ سے چھڑانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور جو ان قیدیوں کا یہ حال تھا کہ یا تو اُن کو قزاقی سکھاتے تھے یہاں تک کہ وہ خود قتل و غارت کے شایق بن جاتے تھے۔ یا اُن کو گوا۔ سیلان۔ اور سین طامس کے پرتگیزوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ بلکہ خاص بنگالہ میں ہگلی کے رہنے والے پرتگیز بھی ان بیچاروں کے خرید لینے میں کچھ تامل نہ کرتے تھے اور یہ ہولناک تجارت گالیس تک بھی ہوتی تھی جو راس[1] ڈاس پال ماس کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ ان قزاقوں کا یہ معمول تھا کہ فروخت طلب غلاموں کو کشتیوں میں بھر کر مقررہ مقامات پر لے جاتے اور باہمی قرارداد کے مطابق پرتگیزوں کے آنے کے منتظر رہتے تھے۔ اور وہ ان سب کو نہایت ہی ارزاں قیمت پر خرید لے جاتے تھے اور نہایت افسوس ہے کہ پرتگیزوں کے زوال قوت کے بعد فرنگستان کی اور قوموں نے بھی چاٹگام کے ان قزاقوں کے ساتھ وہ یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہم ایک سال کے اندر اس قدر ہندوؤں کو عیسائی بنا لیتے ہیں جو پادری لوگ تمام ہندوستان میں دس برس میں بھی نہیں بنا سکتے) اس مذموم تجارت

---

[1] راس ڈاس پال ماس۔ افریقہ کے اُس مغربی ساحل کے نزدیک واقع ہے جس کو انگریزی میں گولڈ کوسٹ (یعنی ساحل الذہب) کہتے ہیں اور جزائر سین طامس اور گالیس بھی اُسی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو جاری رکھا۔ سبحان اللہ۔ عیسائی مذہب کے پاک اوامر کو اس طرح سے متواتر توڑنا اور اُس کے نواہی کی تحقیر کر کے علانیہ اُس کے برخلاف عمل کرنا کیا ہی عمدہ طریقہ ہمارے دین مقدس کے پھیلانے کا ان کمبختوں نے نکالا ہے۔

جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں پرتگیزوں کا حال

یہ لوگ ہگلی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہ کرتا۔ اور اُن کی تجارت سے فوائد کثیر حاصل کرنے کی اُمید رکھتا تھا۔ علاوہ بریں ان لوگوں نے اُس سے یہ عہد بھی کیا تھا۔ کہ ہم خلیج بنگالہ کو بحری قزاقوں سے محفوظ رکھیں گے مگر شاہجہاں نے جو باپ کی بہ نسبت مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا ان کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اراکان کے قزاقوں کو جرأت دلاتے تھے۔ بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رعیت تھے اپنے پاس رکھکر اُن کے آزاد کرنے سے انکار کرتے تھے۔ پس اُس نے اول تو دھمکا کر اور پھسلا کر بہت سا روپیہ وصول کیا مگر جب بادشاہ کے احکام کے موافق جن جن باتوں کی تعمیل مطلوب تھی، نہیں ہوئی تو آخرکار محاصرہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا گیا اور عموماً سب کو غلام بنا کر آگرہ بھیج دیا۔ زمانہ قریب کی تاریخوں میں ان لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال پائی نہیں جاتی۔ بلکہ وہ اس گروہ بنی اسرائیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھی جو بیت المقدس سے قید کئے جا کر سب بابل کو بھیج دیئے گئے تھے[1] کیونکہ شاہجہاں کے حکم کی تعمیل سے نہ کوئی بچہ ہی مستثنیٰ رہا نہ کوئی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے نزدیک ہیں۔ یہ سب مقام زمانہ سابق میں پرتگیزوں کے تحت حکومت تھے۔ اور چونکہ سین طامس ایک جگہ مدراس کے قریب بھی پرتگیزوں کے قبضہ میں تھی۔ اس لئے سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وہ افریقہ کا سین طامس مراد نہیں ہے۔ س م ع

[1] یہ ماجرا بنی اسرائیل کے قصص تاریخی سے متعلق ہے اور مختصر بیان اس کا اس طرح پر ہے کہ الیاقیم ابن یوشیا بیت المقدس میں آلِ یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کا ۴۸۱۴ھ ہبولمی میں جس کو اب (۱۸۹۶ء اور ۱۳۰۴ھ) سے دو ہزار چھ سو ستاون برس کا عرصہ گذرا۔ اس طرح پر بادشاہ ہوا تھا کہ مصر کے بت پرست بادشاہوں میں سے جو فرعون کہلاتے تھے اُس کے ایک ہم عصر فرعون نے اس کے بھائی یوحاز کو مغلوب اور قید کر کے الیاقیم کو بطور اپنے خراج گذار کے اور یویاقیم نام رکھکر بنی یہودا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔ یہ بادشاہ بہت ظالم تھا اور جیسا کہ اور بنی اسرائیل بھی بعض اوقات کرتے رہتے تھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس نے شریعت موسوی کے برخلاف بت پرستی اختیار کر کے اس طریق کو رواج دینا شروع کیا تھا یہاں تک کہ حضرت اوریا نبی کو جو حضرت یرمیا نبی کی طرف سے شرع موسوی کے موافق بنی اسرائیل کو گمراہیوں اور جور و جفا اور سخت بدعتوں اور اعمال قبیحہ اور بت پرستی سے منع کرتے اور قہر الٰہی کے نازل ہونے سے ڈراتے تھے۔ ناراض ہو کر اس بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور آخر کار مصر سے کہ جہاں وہ بھاگ کر چلے گئے تھے ڈھنڈوا کر اور اپنے مزبی فرعون کی معرفت پکڑ منگا کر بیت المقدس میں قتل کرا دیا۔ بطور انتقام الٰہی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔

کہ بخت نصر ثانی پسر نبوپلسر۔ کلدانیوں کے بت پرست بادشاہ نے جس کے خاندان کی سلطنت عراق میں تھی اور دریائے فرات کے نزدیک شہر نینوا اور بابل (کربلائے معلی اور بغداد کے قریب) ان کے دارالحکومت تھے ۶۰۶ھ ہبوطی میں بادشاہ ہو کر اول تو اُن قبائل کو جو ملک فلسطین میں رہتے تھے مملکت بابل کا مکرر مطیع کیا۔ اور بعد ازاں یویاقیم کے گیارھویں سال جلوس میں ایک لشکر عظیم کے ساتھ اپنے دارالملک نینوا سے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور یویاقیم جو اُس کے مقابلہ میں محض بے حقیقت تھا بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھکر معہ سرداران آل یہودا حاضر ہو گیا۔ چنانچہ بخت نصر نے بلا مقابلہ و مزاحمت شہر میں داخل ہو کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور جب کل بندوبست حسب دل خواہ کر چکا تو یاقیم کو پابہ زنجیر کر کے معہ اُس کی ماں اور ملکہ اور بیٹوں اور دس ہزار اور یہودیوں کے کہ جن میں سے ایک ہزار شہزادے اور سردار اور جنرل اور سات ہزار سپاہی تھے اور دو ہزار اور عوام الناس اور جن میں حضرت دانیال پیغمبر پسر یلوحنایو یاقیم کے بھتیجے بھی بارہ برس کی عمر میں معہ بعض اور صلحائے قوم کے تھے سب کو قید کر کے بابل کو بھیج دیا اور اپنے سپہ سالار بنوزردان کو حکم دے کر بیت المقدس کو جلا کر خاک سیاہ اور بے نشان کر ڈالا۔ اور بے شمار باشندگان ملک کو قتل کرایا۔ اور جو مال و دولت کہ مسجد اقصیٰ اور خزانہ شاہی اور رعایا کے گھروں میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر اور ستر ہزار بوجھ لاد کر نینوا کو چلا آیا۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک اور شخص کو اپنی طرف سے وہاں کا حاکم بنا کر یہودا بن یعقوب کے خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ چونکہ بیت المقدس کی خرابی عبری گیارھویں مہینے آب کی نویں تاریخ کو ہوئی تھی اس لئے بنی اسرائیل اب تک سوگ مناتے ہیں۔ س م ع

ماخوذ از ناسخ التواریخ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

واعظ اور نہ کوئی درویش۔ چنانچہ حسین اور خوبصورت عورتیں تو کیا بیاہی کیا کنواری لونڈیاں بنا کر محل سرائے شاہی میں بھیج دی گئیں۔ اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا اُن کی شکل اچھی نہ تھی امیروں کو تقسیم کی گئیں۔ اور کم سن لڑکے ختنہ کئے جاکر غلام بنائے گئے۔ اور جو جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی اُمید پر یا ہاتھی کے پاؤں سے کچلوائے جانے کی متواتر دھمکیوں سے مسلمان ہو گئے۔ البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم رہے اور فرقہ جیسوئیٹ کے عیسائیوں اور پادریوں کی مہربانی سے جنھوں نے اس آفت کے زمانہ میں بھی آگرہ کا رہنا ترک نہ کیا اور بہت سا روپیہ خرچ کرکے اور دوستوں سے سعی سفارش کراکر اپنے فیاضانہ ارادہ میں کامیاب ہوئے گوا اور اور مقامات مقبوضہ اہل پرتگال کو بھیجے گئے مگر ہگلی کے حادثہ سے پہلے یہ پادری بھی شاہجہاں کے عتاب سے نہ بچے تھے۔ چنانچہ اُس نے آگرہ کا عالی شان اور خوبصورت گرجا جو جہانگیر کے عہد میں معہ ایک اور گرجا کے جو لاہور میں بنایا گیا تھا مسمار کرادیا تھا۔ اس گرجا کے مینار پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جس کی آواز تمام شہر میں سُنائی دیتی تھی[1]۔

---

[1] شاہجہاں کے مورخ خاص ملا عبدالحمید لاہوری نے ہگلی کے پرتگیزوں کے اس واقعہ کو بادشاہ نامہ میں یوں لکھا ہے کہ "بنگالیوں کے عہد میں (یعنی ہمایوں اور اکبر کے زمانہ سے پہلے جبکہ بنگالہ میں تیموریہ خاندان کی حکومت نہ تھی) فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو سراندیپ (لنکا) کے رہنے والے تھے۔ سات گاؤں (چاٹگام) میں آمد و رفت رکھتا تھا ان لوگوں نے سات گاؤں سے آگے بڑھکر کھاڑی کے کنارے (جس کو ملا عبدالحمید "خود" لکھتا ہے) اس بہانہ سے کہ خرید و فروخت کے لئے کوئی جگہ چاہیئے بنگالیوں کی اجازت سے جہاں اب شہر ہگلی آباد ہے اول چند گھر بنائے۔ اور بمرور ایام حکام بنگالہ کی بے شعوری اور لاپروائی سے اس نئی آبادی میں بہت سے فرنگی جمع ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے یہ کام کیا کہ ایک طرف تو دریا موجود ہی تھا باقی تینوں طرف عمیق خندق کھدواکر اور پانی سے بھرکر اس مقام کو ایک جزیرہ کی شکل بنا لیا۔ اور اُس کے اندر مضبوط اور عالی شان عمارتیں بناکر توپ بندوق اور سامان جنگ سے خوب مستحکم کرلیا۔ اور یہ آبادی ایسی بڑھی کہ بندر سات گاؤں کا بازار سرد ہو گیا۔ اور جہازات فرنگ کی آمد و شد اور خرید و فروخت اسی جگہ مقرر ہو گئی۔ اور یہ مقام ایک بڑا شہر بن کر بندر ہگلی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں نے ہوگلی کی کھاڑی کے دونوں طرف جو پرگنے تھے تھوڑے تھوڑے معاملہ پر وہ بھی اجارے لے لئے اور وہاں کی رعایا کو زبردستی اور طمع دونوں طور سے کرسچن بنا بنا کر فرنگستان کو بھیجنا شروع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیا۔ اور اگرچہ رعیت کے کم ہو جانے سے اجارہ کا روپیہ گرہ سے بھرنا پڑتا تھا۔ مگر باوجود اس کے وہ اس فعل کو موجب ثواب سمجھکر اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پورا کرتے تھے اور آخر کار اُن کی یہ کارروائی محال اجارہ کے دیہات پر ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ دریا کنارہ کا جو کوئی آدمی قابو چڑھ جاتا اُس کو بھی پکڑ کر اسی طرح عمل کرتے تھے۔ شاہجہاں کو جو اپنے باپ کے عہد میں بنگالہ جانے کا اتفاق ہوا تو بادشاہی رعایا اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا یہ طرز سلوک بہت ناگوار گذرا اور اُس وقت سے ان کی بیخ کنی کا خیال اُس کے دل میں ایسا جما کہ جب وہ بادشاہ ہوا۔ اور "قاسم خاں کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مقرر کیا تو اُس "عقدہ دشوار کشا" کے کھولنے کو خشکی اور تری دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں اُس کو اپنی زبان خاص سے سمجھائیں جس کے موافق خان مذکور نے صوبہ کے اور ضروری انتظاموں سے فارغ ہوکر سردی کے اخیر میں بماہ شعبان سن ایک ہزار اکتالیس ہجری الہ یار خاں نامی ایک سردار کو معہ عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی اور سرداروں اور امیروں کے یہ تدبیر سمجھائی کہ اول بردوان جاکر ٹھہریں۔ اور بجائے ہوگلی کے یہ مشہور کردیں کہ بردوان کی طرف مقام ہجلی کی تاخت وتاراج کے لئے یہ فوج آئی ہے۔ اور بہادر نامی ایک سردار کو جو اُس کا ذاتی ملازم اور نہایت محل اعتماد تھا مخصوص آباد (مرشد آباد) کے محال خالصہ کے بندوبست کے بہانہ سے اُس کو یہ سمجھا کر روانہ کیا کہ ضرورت کے وقت اللہ یار خاں اور عنایت اللہ کے پاس پہنچ کر شامل ہو جانا اور یہ سب احتیاطیں اس اندیشہ سے تھیں کہ کہیں اس ارادہ کی خبر پاکر پرتگیز لوگ مال و عیال کو لے کر اپنی کشتیوں میں نہ جا چڑھیں۔ علاوہ بریں یہ تدبیر کی گئی کہ چند سرداروں نے سری پور بندر سے نواڑہ میں بیٹھکر اول کھاڑی کے دہانہ کو جا روکا اور بعد ازاں الہ یار خاں اور عنایت اللہ نے بردوان سے دفعتہً کوچ کرکے ایک جگہ سات گاؤں اور ہگلی کے بیچ میں آڈیرا کیا۔ اور بہادر نے پانچ سو سواروں اور پیادوں کی جمعیت کثیر سے مخصوص آباد سے آکر اور خواجہ شبیر وغیرہ کے ساتھ جو نواڑہ میں سری پور سے آئے تھے شامل ہوکر ہگلی کی کھاڑی میں ایک تنگ جگہ کشتیوں سے پُل باندھکر اُن کے سمندر میں بھاگ جانے کا رستہ بند کردیا اور بعد اس کے دوسری ذی الحجہ ۱۰۴۱ھ کو کھاڑی اور خشکی دونوں طرف سے آگے کو بڑھے۔ اور قصبہ ہالی میں پہنچ کر جو یہ بستی بھی خندق سے اس طرف پرتگیزوں ہی کے متعلق تھی اُن کے ایک گروہ کو تہ تیغ کیا۔ اور جو کچھ مال ملا لوٹ لیا۔ اور کچھ سپاہ نے کھاڑی کے دونوں طرف اُن کے اجارے کے پرگنوں میں داخل ہوکر نصرانی اجارہ داروں کو قتل و قید کیا اور سب سے زیادہ کارآمد تدبیر یہ کی کہ اُن کے نواڑہ کے ملازموں کے اہل و عیال کو بھی جو سب بنگالی تھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ پکڑلائے جس کے باعث ایسی ضرورت کے وقت چار ہزار ملاح اُن کی نوکری چھوڑ کر بادشاہی لشکر میں حاضر ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہی سرداروں نے خاص ہگلی کو جا گھیرا۔ اور ایام محاصرہ میں ساڑھے تین مہینے تک اُن کی یہ حالت رہی کہ کبھی تو لڑائی لڑتے تھے اور کبھی صلح کے پیغام و سلام بھیجتے تھے اور اس کج دار و مریز سے اصل مقصود یہ تھا کہ فرنگستان سے کمک آنے کے منتظر تھے۔ چنانچہ اسی پیغام و سلام میں اگرچہ بطور تمہید صلح اور عذر و معذرت کے ایک لاکھ روپیہ نقد بھی نذر کر دیا مگر باوجود اس کے تقریباً سات ہزار بندوقچی جو حالت محاصرہ میں اُن کے پاس موجود تھے اُن کو لڑنے کے لئے بھی مامور کئے رکھا۔ اور جس باغ میں بادشاہی سپاہ اُتری ہوئی تھی اُس کے درختوں کو بھی چھٹوا دیا تاکہ بندوقوں کی زد سے پناہ نہ مل سکے۔ آخر کار بادشاہی سرداروں نے (جو دریائی لڑائی میں عموماً لاچار تھے۔ یہ تدبیر کی کہ بیل دار لگا کر گرجا کی طرف کی خندق میں (جس کا عرض اور عمق کم تھا) چھوٹی چھوٹی نالیاں کھدوا کر اس کو پانی سے خالی کر ڈالا اور اپنے مورچوں میں سے تین سرنگیں لگائیں جن میں سے دو کو تو خبر پا کر انھوں نے خراب کر دیا۔ مگر تیسری سُرنگ ٹھیک اُس مکان تک جا پہنچی جو سب میں اونچا اور زیادہ مضبوط تھا اور جس میں بہت سے فرنگی جمع رہتے تھے۔ اور جب اُس سرنگ میں بارود بھر دی گئی تو چودھویں ربیع الاول کو اُسی مکان کے سامنے صف لشکر آراستہ کی گئی تاکہ لڑائی کا زور اسی طرف سمجھکر وہ سب ادھر ہی آن کر جمع ہو جائیں۔ اور جب ایسا ہی ہوا تو اول توپ اور بندوق سے لڑائی شروع کر کے آخر کار سرنگ کو آگ دیدی جس سے وہ مکان اور بہت سے فرنگی دھوئیں کی طرح اُڑ گئے۔ اور باقی ماندہ جو اپنی کشتیوں میں جا چڑھنے کو بھاگے تو مارے گھبراہٹ کے اکثر تو پانی میں ڈوب گئے۔ اور جو لوگ ڈوبتے اُچھلتے کشتیوں تک جا بھی پہنچے اُن کو بادشاہی نواڑہ کی فوج نے جا لیا یہاں تک کہ پرتگیزوں نے اپنی تباہی کو یقینی جان کر اپنے ایک بڑے جہاز کو جس میں قریب دو ہزار کے مرد و عورت اور بہت سا مال و اسباب اور بارود کا ذخیرہ تھا اس خیال سے کہ غنیم کے ہاتھ نہ پڑے بارود میں آگ دے کر از خود جلا دیا۔ اور اسی طرح جو لوگ چھوٹی کشتیوں میں چڑھ گئے تھے انھوں نے بھی اپنے آپ کو جلا کر ہلاک کر ڈالا غرضکہ چونسٹھ بڑے ڈونگوں اور ستاون غراب اور نو سو جلیوں میں سے صرف ایک غراب اور دو جلیے تو محض اس وجہ سے کہ یورش کے وقت چند تیل کی شاہی کشتیوں میں آگ لگ کر کچھ راستہ کھل گیا تھا، بچ کر نکل گئے مگر اس کے سوا جو کچھ آگ اور پانی سے بچا سب بادشاہی لشکر کے قابو میں آگیا۔ اور شروع جنگ سے اس وقت تک اگرچہ لشکر شاہی میں سے تو صرف ایک ہی ہزار آدمی مارے گئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہگلی کے چھن جانے سے پہلے جب کہ باشندیان کان سانوارا کان کے قزاقوں کا سرغنہ تھا اور ایسا نامی اور زبردست شخص ہو گیا تھا کہ شاہ اراکان کی بیٹی سے اُس نے شادی کرلی تھی ان قزاقوں نے گوا کے وایسرائے کی خدمت میں باقاعدہ طور پر یہ درخواست پیش کی تھی۔ کہ اگر آپ چاہیں تو تمام ملک اراکان پر ہم آپ کا قبضہ کرا سکتے ہیں۔ پرتگیزوں کی اس وضع اور رویہ کے پیش نظر جو انھوں نے جاپان۔ پیگو۔ اتھو پیا اور دوسرے ملکوں میں اختیار کر رکھا تھا اس تجویز کو قبول کر لینا خلاف توقع نہ ہوتا۔ مگر کہتے ہیں کہ وایسرائے گوا نے غرور اور حسد کے مارے اس کو منظور نہ کیا۔ اور اُس کو یہ امر نازیبا معلوم ہوا کہ شاہ پرتگال ایک ایسے بڑے معاملہ میں ایک ایسے چھوٹے اور کم اصل شخص کا احسان اُٹھائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مگر اس آفت خیز لڑائی میں محصوروں کے عورت مرد بوڑھا جوان دس ہزار کے قریب ضائع ہوئے اور باقی "نصرانی مرد و عورت" چار ہزار چار سو قید ہوئے۔ اور رعایائے بادشاہی میں سے جو دس ہزار آدمی کے قریب ان کی قید میں تھے اُن کو رہائی دی گئی اور ۱۱ محرم ۱۰۴۲ھ کو قاسم خاں کے بیٹے عنایت اللہ مذکور نے بنگالہ سے آکر چھوٹے بڑے چار سو مرد و عورت "اسیرانِ فرنگ" (یا اگر چھاپہ میں کچھ غلطی ہو گئی ہو تو وہی چار ہزار چار سو معہ اُن کے بتوں کے (جو رومن کیتھلک عیسائیوں کے گرجاؤں میں اکثر ہوا کرتے ہیں) بادشاہ کی نظر سے گذرانے جس نے ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ سختی کے ساتھ قید رکھے جائیں اور جو کوئی مسلمان ہو جاوے اُس کا گزارہ مقرر کیا جاوے۔ اور جو مسلمان نہ ہو وہ برابر قید رہے۔ چنانچہ بعضے تو مسلمان ہو کر مورد عنایات ہو گئے اور بعضے قید ہی مر گئے اور اُن کے بتوں میں سے جو مورتیں کہ بعض پیغمبروں کی تھیں اُن کو تو ادب کے خیال سے دریائے جمنا میں ڈلوا دیا اور باقی کو توڑ واڈالا۔

صاحب سیر المتاخرین نے ملا عبد الحمید کی طرح اُن کو محض سراندیپ کے فرنگی نہیں بتایا بلکہ جیسا کہ چاہیے تھا بہ تخصیص تو بیت "پرتگیس" لکھا ہے۔ اور اس مصیبت کا باعث اُن کا "تمرد اور بغاوت" اور قیدیوں کی تعداد چار ہزار چار سو زن و مرد لکھی ہے۔ اور چونکہ سرنگ اُڑنے کے بعد بادشاہنامہ میں بھی اتنے ہی آدمیوں کا قید ہونا لکھا ہے اس لئے اغلب ہے کہ یہی شمار صحیح ہو مگر ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ چار ہزار چار سو نصرانی قیدیوں میں سے ہندوستانی نصرانیوں کو چھوڑ کر صرف چار سو گورے چٹے فرنگی مردوں اور عورتوں ہی کو چھانٹ کر غلامی کے لئے حاضر کیا گیا ہو۔ ۱۲

س م ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرتگیزوں کی بداعمالی

امر واقعی یہ ہے کہ ہندوستان میں پرتگیزوں کے زوالِ طاقت کا باعث اُن کی بداعمالی ہے۔ اور جیسا کہ وہ خود بھی قبول کرتے ہیں اس کو غضب الٰہی کا ایک نشان سمجھنا چاہیئے۔ اگلے زمانہ کے پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا نام تھا۔ اور تمام ہندوستانی رؤسا اُن کی دوستی کے خواہاں تھے۔ اور وہ جرأت دینداری دولت مندی اور بڑی بڑی عظیم الشان مہموں کے سر کرنے میں مشہور تھے[1] اور وہ ایسے نہ تھے جیسے کہ آج کل کے پرتگیز ہیں جو ہر ایک معیوب فعل کے عادی ہیں اور جن کا ہر ایک ذلیل اور بہیمانہ کام میں دل لگتا ہے۔

اسی زمانہ کے قریب جس کا میں ذکر کر رہا ہوں جزیرہ سوندیپ[2] کو ان دریائی "قزاقوں" نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو گنگا کے دہانہ کی ناکہ بندی کے لئے ایک اہم اور کارآمد ناکا تھا اور وہ نامی بدمعاش فراجوان جو اگسٹائین فرقہ کے درویشوں میں سے تھا نہ معلوم کس فن وفریب سے وہاں کے حاکم کو نکال کر ایک مدت تک اس جزیرہ کا چھوٹا سا راجہ بنا رہا اور یہ وہی قزاق تھے جن کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے کہ اپنی گیلی[3] آس قسم کی کشتیوں میں

---

[1] اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر اردنگ براک نے پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے اور اُن کے عروج وزوال کا حال ایک حاشیہ میں بہت تفصیل سے لکھا تھا۔ چونکہ وہ دلچسپ مضمون کسی قدر طولانی ہے اس لئے خفیف کمی بیشی کے ساتھ ہم نے اس جلد کے خاتمہ میں لگا دیا ہے۔ س م ح

[2] یہ چھوٹا سا جزیرہ خلیج بنگالہ میں چاٹ گام کے نزدیک ہے۔ س م ح۔

[3] اہل فرنگ گے لی اور گے لی آس مندرجہ ذیل شکل کی ایسی کھلی کشتیوں کو کہتے ہیں جیسی کہ اکثر پنجاب اور ہندوستان کے بعض بڑے دریاؤں میں ہوتی ہیں چپوؤں سے کھیئی جاتی ہیں۔ ضرورت کے وقت ان پر پالین بھی چڑھا سکتے ہیں۔ ایک مختصر سا کمرہ بھی ایک سرے پر بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور گے لی اور گیلی آس میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ گیلی آس اُس سے زیادہ اونچی ہوتی ہے۔ اور باقی ترکیب اور وضع سب وہی ہے اُس وقت کی فارسی تاریخوں میں بنگالہ کی ان دریائی لڑائیوں کے ذکر میں تین قسم کی کشتیاں لکھی ہیں۔

(۱) غراب یعنی ڈونگہ (۲) ڈونگہ کلاں (۳) جلیہ فرنگی۔ پس معلوم ہوتا ہے ڈونگہ کلاں تو گیلی سے مراد ہے۔ اور جلیہ فرنگی گیلی آس سے اور ان پر توپوں کے چڑھانے کی بھی گنجائش ہوتی تھی۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیٹھکر سلطان شجاع کے پاس ڈھاکہ میں اس غرض سے آئے تھے کہ اُس کو اراکان لے جائیں۔ اُس موقعہ پر بھی ان بدمعاشوں نے ایک عجیب چالاکی کی تھی کہ کسی طرح اس کے اسباب کے صندوقوں میں سے بہت سے جواہرات نکال لئے تھے اور اراکان پہنچ کر جزوی قیمت پر خفیہ خفیہ بیچتے پھرتے تھے جن میں سے ڈچوں اور اور فرنگیوں نے اکثر ہیرے یہ دم دے کر کہ یہ کچے ہیں ان بیوقوفوں سے تھوڑی سی قیمت پر اُڑا لئے تھے۔

شائستہ خاں کی پرتگیزی قزاقوں پر چڑھائی

میں خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس امر کے اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ سلاطین مغلیہ کو کس قدر زحمت اور خرچ ان ظالم اور زبردست لٹیروں کے سبب سے اٹھانا پڑتا تھا۔ اور اُن کے بنگالہ میں گھس آنے کے خوف سے ہمیشہ فوج اور گیلی آس قسم کی کشتیوں کے بیڑے ناکوں کے روکنے کے لئے تیار رکھنے پڑتے تھے۔ اور اس پر بھی ان کے ہاتھ سے ملک ہمیشہ تباہ و برباد ہوتا رہتا تھا۔ اور یہ قزاق اس قدر دلیر اور اپنے فن میں ایسے مشاق ہوگئے تھے کہ صرف چار پانچ گیلی آس کشتیوں میں بیٹھکر چڑھ آتے تھے اور عموماً چودہ پندرہ گیلی قسم کی بادشاہی کشتیوں کو گرفتار کر لیتے یا تباہ کر ڈالتے تھے۔ اس لئے شائستہ خاں نے بنگالہ کا صوبہ دار مقرر ہوکر ان کی بیخ کنی کی ٹھانی۔ اور اس میں اُس کے دو مطلب تھے کہ سردست تو ان بے رحم وحشی قزاقوں کے متواتر اور بربادکن حملوں سے اپنے صوبہ کی حفاظت اور آخرکار اراکان کے راجہ پر چڑھائی۔ اور اُس بے رحمی کا انتقام جو اُس نے سلطان شجاع اور اُس کے اہل و عیال کے ساتھ کی تھی۔ کیونکہ اورنگ زیب کا مستقل ارادہ تھا کہ اُن عالی منزلت لوگوں کے خون کا انتقام لے اور اس مثال سے قرب و جوار کے تمام رئیسوں کو یہ سبق دے کہ خاندان شاہی کے لوگ خواہ کسی حالت میں کیوں نہ ہوں انسانیت اور ادب کے ساتھ سلوک کئے جانے کے مستحق ہیں۔ چنانچہ شائستہ خاں نے اپنی تجویز کے ابتدائی امور کو انتہائی ہوشیاری کے ساتھ پورا کیا۔ اور چونکہ دریاؤں اور ندی نالوں کی وجہ سے جو راستہ میں پڑتے ہیں خشکی کی راہ سے اراکان میں فوج کا لے جانا بہت مشکل تھا اور اس فوقیت کے باعث جو ان بحری قزاقوں کو جہازی لڑائی میں حاصل تھی سمندر کے راستہ سے فوج کشی کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار تھا اس لئے اُس نے ڈچ لوگوں سے مدد لینا مناسب سمجھا اور جس طرح پر شاہ عباس بادشاہ ایران نے انگریزوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے اتفاق سے جزیرہ ہرمز[1] پر قبضہ کرلیا تھا اُسی طرح اس نے بھی ڈچوں کی امداد سے ارکان پر قبضہ کرلینا چاہا۔ اور بٹیویا کے گورنر کے پاس اپنے ایلچی کو چند خاص شرطوں کے ساتھ عہد و پیمان کے لئے بھیجا۔ اور یہ پیغام دیا کہ آؤ ہم تم مل کر اراکان پر مشترکہ قبضہ کرلیں۔ بٹیویا کا گورنر اس تجویز کے قبول کر لینے پر اس وجہ سے آسانی کے ساتھ مائل ہوگیا کہ اس کے ذریعہ سے اُن کو ہندوستان کے معاملات میں پرتگیزوں کی مداخلت کے کم کرنے کا (جس سے ڈچ کمپنی[2] کا بہت فائدہ تھا) زیادہ موقعہ ہاتھ آتا تھا۔ اور اُس نے اپنے دو جنگی جہاز بنگالہ کو

---

[1] اس مقام کو پرتگیزوں نے ایرانیوں سے چھینا ہوا تھا۔ مگر سولہ سو بائیس عیسوی میں ایرانیوں نے انگریزوں کی مدد سے پھر واپس لے لیا (تاریخ ہند فشی ذکاء اللہ)

[2] ہندوستان کی دولت مندی کی شہرت نے مدتوں سے یورپ کی اکثر قوموں کو اس ملک کے ساتھ تجارت کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے بے چین کر رکھا تھا۔ مگر خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لاچار تھے لیکن پرتگیزوں کے بادشاہ امان ویل کے عہد میں اُس کا اولوالعزم امیر البحر واسکوڈی گاما جب اپنے بادبانی جہازوں کے ذریعہ سے ایک پُرصعوبت اور خطرناک اور طولانی سفر طے کرکے ماہ جولائی سنہ ۱۴۹۸ء میں ساحل ملابار پر آپہنچا (جس کا مفصل حال اُس حاشیہ میں درج ہے جو اس جلد کے خاتمہ میں لگایا گیا ہے) تو اُس وقت سے سو برس کے عرصہ تک تو مشرقی سمندروں اور جزیروں اور سواحل ہندوستان میں انھیں کا غلبہ اور دور دورہ رہا۔ مگر جب سنہ ۱۶۰۰ء میں ڈچ لوگ سپین کی حکومت سے آزاد ہوگئے تو انھوں نے بھی ہندوستان کی تجارت کے لئے کمپنیاں بنائیں اور ایسے بڑھے کہ بحرالہند میں خط استوا کے قریب جزیرہ جاوا وغیرہ پر جہاں اب تک شہر بٹیویا اُن کی حکومت کا صدر مقام ہے قابض ہوگئے۔ اور پھر جہاں کہیں قابو پایا۔ پرتگیزوں کو بھی پس پا کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مشہور اور زرخیز جزیرہ لنکا بھی جو اب گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ہے ڈچوں نے پرتگیزوں سے چھین لیا۔ اور اس قدر ترقی پائی کہ پرتگیز پست ہوگئے اور خاص ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں بھی آخرکار انھیں کا غلبہ ہوگیا۔ اسی زمانہ کے قریب یعنی سنہ ۱۵۹۹ء میں انگریزوں نے بھی اپنی نامور ملکہ کو مین الزتھ کی اجازت سے ہندوستان کی سوداگری شروع کی اور ان کے سولہ سو ڈنمارک والوں نے جو یورپ کی ایک چھوٹی سی قوم ہے اور جن کو ڈنیز کہتے ہیں اول مدراس کی طرف سمندر کے کنارے ترنگی بار میں (جس کا صحیح نام تلنگم باڑی معلوم ہوتا ہے) جو تنجور کے راجہ سے خرید لیا تھا۔ اور پھر کلکتہ کے قریب سیرام پور میں اپنی کوٹھیاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھیج دیئے تاکہ شائستہ خاں کی فوج کو آسانی کے ساتھ چاٹگام میں پہنچا دیں چونکہ اس عرصہ میں شائستہ خاں نے بھی گیلی آس وغیرہ قسم کی بڑی بڑی کشتیاں جمع کرلی تھیں۔ پس اُس نے ان قزاقوں کو اس طرح پر دھمکایا کہ "اگر فوراً اطاعت قبول نہ کروگے تو نیست و نابود کردیئے جاؤ گے کیونکہ اورنگ زیب نے اراکان کے راجہ کی سزا دہی کا ارادہ مصمم کرلیا ہے اور ڈچوں کے جنگی جہازوں کا ایک طاقتور بیڑا بھی جس کا تم مقابلہ نہ کرسکو گے بہت جلد آنے والا ہے۔ پس اگر تم کو کچھ عقل ہے۔ اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی خیریت چاہتے ہو تو راجہ کی نوکری چھوڑ کر شاہی ملازمت اختیار کرلو اور جس قدر تم کو ضرورت ہو بنگالہ میں زمین عطا کی جائے گی اور راجہ کے ہاں سے جتنی تنخواہ ملتی ہے اُس سے دوچند دی جائیگی۔"

اتفاقاً انھیں ایام میں ان قزاقوں نے راجہ اراکان کے ایک بڑے عہدہ دار کو مار ڈالا تھا۔ اب اگرچہ یہ بات تو ٹھیک معلوم نہیں کہ راجہ کی سزا دہی کے اندیشہ نے انھیں ڈرایا یا شائستہ خاں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کھولیں اور سب سے آخر میں ۱۶۶۴ء میں فرانس کے قابل ولایق وزیر کول برٹ نے بھی (جس کو ڈاکٹر برنیر نے اپنا خط جو اس جلد کے خاتمہ میں ہے نذر کیا تھا) تجارتی کمپنی کھڑی کی اور فرنچوں نے قصبہ چندرنگر معروف بہ فرانس ڈانگا کے علاوہ جو کلکتہ کے پاس ہے مدراس کے قریب[1] پانڈے چری کو اپنا صدر مقام قرار دے کر ایسے زور و شور سے قدم جمانے چاہے کہ گویا ہندوستان کے مالک ہی ہو چلے تھے۔ مگر اتفاقات وقت سے ان سب قوموں کا فروغ یکے بعد دیگرے گھٹتا گیا۔ اور خداوند تعالیٰ نے صرف انگریزوں کو جو ان سب میں دور تر جزیرہ کے رہنے والے اور تعداد میں چار پونے چار کروڑ سے زیادہ نہ تھے اوصاف و اقبال خداداد کی وجہ سے اس ملک کا شہنشاہ اور یہاں کے پچیس ستائیس کروڑ باشندوں کا مختار مطلق بنا دیا۔ منجملہ ان پانچوں قوموں کے ہندوستان میں اب ڈچوں اور ڈنمارک والوں کی حکومت کسی جگہ نہیں ہے۔ البتہ گورنمنٹ انگریزی کی رعایت اور اُس باہمی لحاظ و ملاحظہ سے جو ان سلطنتوں کے باہم یورپ میں ہے فرنچوں کی حکومت پانڈیچری میں معہ اُس کے علاقہ متعلقہ کے اور نیز قصبہ چندرنگر میں چلی آتی ہے اور پرتگیزوں کی حکومت بھی گوا میں اور نیز جزیرہ دیو متعلقہ کاٹھیاواڑ میں باقی ہے مگر فی زمانہ یہ دونوں حکومتیں ہندوستان کے عام نظم و نسق کے اعتبار سے ایسی غیر محسوس اور بے وقعت ہیں کہ یہاں کے امور پولٹیکل پر اُن کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ س م ح

[1] صاحب جام جہاں نما اس کا صحیح نام پتوچری بتاتے ہیں۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی دھمکیوں اور وعدہ وعید نے اُن پر اثر کیا۔ مگر یہ امر متحقق ہے کہ ایک دن ان نالائق پرتگیزوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ یک لخت چالیس پچاس گالیاسوں میں بیٹھکر بنگالہ کو چل پڑے۔ اور ایسے اضطراب سے روانہ ہوئے کہ اس ہڑبڑاہٹ میں جورو بچے اور مال و اسباب بھی بمشکل ساتھ لا سکے شایستہ خاں ان نئے ملاقاتیوں سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملا اور بہت سا روپیہ اُن کو دیا اور شہر ڈھاکہ میں اُن کے اہل وعیال کے رہنے کے لیے عمدہ بندوبست کر دیا۔ اور اس طرح پر اُن کو اُس کے حسن سلوک پر ایسا اعتماد ہو گیا کہ از خود بادشاہی لشکر کے ساتھ مہم پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور جزیرہ سوندیپ پر چڑھائی کرنے اور فتح کر لینے میں (جو کچھ دنوں سے راجہ اراکان کے قبضہ میں چلا گیا تھا) شریک ہوئے اور پھر یہاں سے بادشاہی فوج کے ساتھ چاٹگام کو گئے۔ اب اگرچہ ڈچوں کے وہ دونوں جنگی جہاز بھی آ پہنچے مگر شائستہ خاں نے اُن کے سرداروں کی مہربانی کا شکریہ ادا کر کے یہ کہلا بھیجا کہ اب آپ کے تکلیف کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی۔

بنگالہ میں یہ جہاز میں نے بھی دیکھے تھے اور اُن کے عہدہ داروں سے ملاقات بھی ہوئی تھی جو اس بات کے شاکی تھے کہ اس ہندوستانی سردار نے محض زبانی جمع خرچ اور خشک شکریہ پر ہی ان کو ٹالا اور شرائط مقررہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

شائستہ خاں کا برتاؤ ان پرتگیزوں کے ساتھ اگرچہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ شاید بلحاظ اُن کی خدمات کے ہونا چاہیے تھا مگر ہاں وہ اُن سے اُس سلوک سے پیش آتا ہے جس کے کہ وہ واقع میں لائق ہیں۔ اُس نے چاٹگام سے تو اُن کو اکھیڑ ہی دیا ہے اور وہ اب اپنے اہل وعیال سمیت اُسی کے قابو میں ہیں۔ اور اُن کی امداد کی بھی کچھ حاجت نہیں رہی اس لئے اُس نے سمجھ لیا ہے کہ جو وعدے ان سے کیے گئے تھے اُن میں سے اب کسی کے بھی ایفا کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ کئی کئی مہینے گذر جاتے ہیں کہ تنخواہ کی بابت پھوٹی کوڑی تک نہیں ملتی۔ اور وہ علانیہ کہا کرتا ہے کہ یہ ایسے دغاباز اور نالائق ہیں کہ جس راجہ نے ان سے اس قدر سلوک کیے تھے یہ اجی اُسی کے ساتھ بے ایمانی سے پیش آئے۔ اس لئے ان پر بھروسہ کرنا نادانی ہے۔ اور اس طرح سے اُس نے چاٹگام میں ان پرتگیزوں کی طاقت کے چراغ کو بجھا دیا جنھوں نے بنگالہ کے زیریں علاقہ میں اس قدر اندھیر مچا کر تمام ملک کو ویران اور بے چراغ کر دیا تھا۔ اور یہ امر زمانہ کے گذرنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پر معلوم ہوگا کہ آیا شایستہ خاں کو ایسی ہی کامیابی اراکان کی مہم میں بھی ہوتی ہے یا نہیں[1]

---

[1] چاٹگام کے پرتگیزوں کی دریائی غارت گری اور رعایائے بادشاہی کو لوٹ لینے اور پکڑ لے جانے کے الزام کے متعلق جس تفصیل و توضیح سے مصنف نے لکھا ہے نیز اس سبب سے بھی کہ اس کی یہ تحقیقات ایک یورپین قوم کے حالات سے متعلق ہے ہمارے نزدیک بھی بہ نسبت کسی فارسی مورخ کی تحریروں کے یہی بیان زیادہ تر اعتماد اور سند کے لایق ہے۔ مگر صاحب عالمگیر نامہ نے جس طرح پر اس مہم کے واقعات کو لکھا ہے وہ یوں ہے کہ اس نے چاٹ گام کے پرتگیزوں کی نسبت کوئی الزام نہیں لگایا۔ اور بیان میں جو عموماً برنیر کے بیان کے قریب قریب ہے ان کل حرکتوں کا ملزم خود اراکانیوں کو بتایا ہے اور دریائی لڑائی اور فن کشتی رانی میں جو فوقیت اس نے پرتگیزوں سے منسوب کی ہے صاحب عالمگیر نامہ نے اس کو بھی اراکانیوں ہی سے منسوب کیا ہے۔ بلکہ بلالحاظ خوشامد و چاپلوسی اپنے بادشاہ یا حکام سلطنت اس امر کو صاف صاف لکھدیا ہے کہ بہ نسبت بادشاہی لواڑہ کے اپنے فن میں یہ لوگ مشاق بھی زیادہ تھے۔ اور ان کی جنگی کشتیاں سامان توپ خانہ اور مضبوطی اور استحکام میں بھی پادشاہی کشتیوں سے بہت بڑھ کر اور زیادہ عمدہ تھیں اور وجوہ فوج کشی کے متعلق شجاع کے واقعہ کا تو کوئی اشارہ نہیں صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنی کشتیوں کے ذریعہ چاٹ گام کے رستہ سے صوبہ بنگالہ میں داخل ہو کر مذکورہ بالا جرائم کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے شایستہ خاں نے علاوہ شاہی بیڑہ کی ماموری اور گشت کے اپنے سرحدی مقاموں لواکھالی اور سنگرام گڈھ اور بہلوہ وغیرہ کو مستحکم کیا اور خود چاٹ گام کو چھین لینا بھی مناسب جانا۔ اور اس ارادہ کی تکمیل کے لئے اول تو جزیرہ سوندیپ کو جو چاٹ گام کے قریب لواکھالی کے محاذی ہے۔ دلاور نامی وہاں کے "زمیندار" یعنی راجہ سے جو شایستہ خاں کے فرستادہ سرداروں کے ساتھ ایک دو لڑائیاں لڑ چکا تھا چھین لیا۔ اور اس کو اور شریف نامی اس کے بیٹے کو جو لڑائی میں زخمی ہو گیا سمیت اہل و عیال کے قید کر لیا۔ کیونکہ یہ شخص ظاہر میں مطیع سلطنت اور باطن میں اراکانیوں کا مددگار تھا۔ اور باوجودیکہ بذات خود حاضر ہونے اور امداد دینے کے وعدے کر چکا تھا۔ مگر اس مہم میں شریک خدمت نہ ہوا تھا بعد اس کے لکھا ہے کہ ان "فرنگیوں" کی استمالت جو چاٹ گام میں رہتے تھے اور راجہ اراکان سے موافقت رکھتے تھے اس مہم کے سرانجام دینے کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اس لئے امیرالامرا نے ان "فرنگیوں" کو جو اس کے ماتحت بنگالہ کی اور بندرگاہوں میں رہتے تھے بہت سے وعدہ آمیز خطوط لکھکر ان کی معرفت چاٹ گام کے فرنگیوں کے پاس روانہ کئے۔ اتفاقاً ان میں سے بعض خطوط مکرم کبڑی نام ایک اراکانی سردار نے جس کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = راجہ نے اپنے معمول کے موافق دریائی قزاقی کے لئے سوندیپ کی طرف بھیجا ہوا تھا پکڑ لئے اور راجہ کے پاس بھیج دیئے۔ اس لئے چاٹ گام کے فرنگیوں سے راجہ بدظن ہوگیا۔ اور کرام کبریٰ کو لکھا کہ تم ان سب کو معہ ان کے متعلقین کے اراکان کو بھیج دو نتیجہ اس حکم کا یہ ہوا کہ اراکانیوں سے فرنگی لڑ پڑے اور اُن کی کچھ کشتیوں کو جلا پھونک کر معہ اپنے متعلقوں اور منسلوں کے پچاس جلیوں میں جو سامان جنگ اور توپ بندوق سے بخوبی تیار تھے چاٹ گام سے بھلوہ کے تھانیدار فرہاد خاں کے پاس نواکھالی میں چلے آئے اور اُس نے اُن کے بعض سرگروہوں کو امیرالامرا کے پاس بھیج کر باقی کو اپنے پاس ٹھیرا لیا۔ امیرالامرا نے ان کی بہت خاطر کی اور اُن کے ساتھ کئی طرح کی رعایتیں کیں غرضکہ چاٹ گام کی فتح کے لئے جب یہ ابتدائی بندوبست پورے ہو چکے تو امیرالامرا نے اپنے بیٹے بزرگ امید خاں کو چند مسلمان اور ہندو اُمرا اور منصب داروں کے ہمراہ خشکی کے رستہ سے اور فرہاد خاں مذکور اور ابن حسین داروغہ نواڑہ (جو غالباً کوئی عرب تھا) اور میر مرتضیٰ داروغہ توپ خانہ کو کپتان مور سرگروہ فرنگیان چاٹ گام اور اُن کے دوسرے سرداروں کے ساتھ روانہ کیا اور ان کو انعام واکرام وغیرہ سے پوری طرح خوش کر دیا اُن کے بیڑہ کے ساتھ بادشاہی بیڑہ بھی دریا کے راستہ سے روانہ کیا۔ چونکہ بزرگ امید خاں کو منزل مقصود تک پہنچنے میں جنگلوں کو کٹوا کر اور ندیوں اور دریاؤں کو عبور کر کے بڑی مشکلوں سے کوچ کرنا پڑتا تھا اس لئے بادشاہی بیڑہ پر جو خشکی کی فوج سے کسی قدر آگے بڑھ گیا تھا اراکانیوں کے بیڑہ نے حملہ کیا۔ اور جانبین سے توپ بندوق اور تیروں سے ایک دریائی لڑائی ہوئی جس میں اراکانی مغلوب ہوگئے اور دس غراب اور تین جلبے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چونکہ ابھی پیچھے سے بڑی بڑی بادشاہی کشتیاں نہیں پہنچ سکتی تھیں اس لئے ابن حسین نے زیادہ تعاقب نہ کیا اور اپنے بیڑہ کو اُن کے بیڑہ سے کسی قدر فاصلہ پر روک لیا۔ جب بزرگ امید خاں اس کامیابی کے حال سے مطلع ہوا تو اُس نے میر مرتضیٰ اور فرہاد خاں کو تاکید سے حکم بھیجا کہ جنگل وغیرہ کو کٹوا کر اور راستہ بنوا کر کوچ کرنے کا خیال تو چھوڑ دیں اور جس طرح بن پڑے ابن حسین کی مدد کو جا پہنچیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ بھی ابن حسین کے نواڑہ کے پاس عدیا کے کنارے پہنچ گئے تو ابن حسین نے دریائے کرن پھولی میں جہاں اراکانیوں کا نواڑہ ٹھہرا ہوا تھا پہنچ کر حملہ کر دیا۔ اور جانبین سے چھ گھنٹہ تک سخت دریائی لڑائی ہوئی جس میں بہت سے اراکانی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب گئے۔ بہت سے پکڑے گئے اور ابن حسین نے فتح یاب ہو کر اپنے بیڑے کو قلعہ چاٹ گام کے نیچے جا کھڑا کیا۔ اور اس لڑائی میں کپتان مور مذکور نے بھی نہایت عمدہ خدمتیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب کے بیٹوں کا حال

محمد سلطان تواب تک قلعہ گوالیار میں قید ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اب اُس کو حسب قاعدہ پوست کا قدح نہیں پلایا جاتا۔ اور محمد معظم بدستور اپنی ہوشیاری اور سلامت روی کی چال پر چلے جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ سے ایسا پایا جاتا ہے کہ شاید بادشاہ اُس سے کچھ ناراض تھا۔ اور اس ناراضگی کا سبب یا تو یہ ہوگا کہ اپنے باپ کی شدت مرض کے زمانہ میں کوئی خفیہ کارروائی کی ہوگی یا کوئی اور نامعلوم سبب ہوگا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی مخفی رنجش کے صرف اُس کی جرأت اور اطاعت کا امتحان ہی منظور ہو۔ مگر بہرحال اورنگ زیب نے ایک روز بھرے دربار میں اُس کو یہ حکم دیا کہ "ایک شیر جو پہاڑ سے اُتر آیا ہے اور گردونواح کے لوگوں کو تکلیف

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ انجام دیں اور جو فرنگی چاٹگام میں اب تک کسی قدر موجود تھے اور اراکان سے اُن کی مدد کو آئے تھے سب ابن حسین کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور اس سے دوسرے دن خشکی کے راستہ سے فوج لے کر بزرگ امید خاں بھی آن پہنچا اور قلعہ چاٹگام پر دریا اور خشکی دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ اہل قلعہ نے اگرچہ کچھ عرصہ تک بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر آخر امان چاہی اور عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں آخر رجب ۱۰۷۵ھ کو چاٹگام کا مشہور و مستحکم قلعہ اور بندرگاہ جس پر بقول صاحب عالمگیر نامہ اس سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کا تسلط نہ ہوا تھا معہ ولایت چاٹگام اور توپ خانہ اور بیڑہ کے حوالہ کر کے چاٹگام کا حاکم جو راجہ اراکان کے چچا کا بیٹا تھا اپنے بیٹے اور چند رشتہ داروں اور کئی سو اور ہالی موالی کے ساتھ قید ہو گیا۔ اور ایک سو تیس جنگی کشتیاں اور ایک ہزار چھبیس بمبی اور آہنی توپیں اور بہت سی بندوقیں اور زنبورک اور سکہ و بارود بے شمار مصالحہ توپ خانہ اور چند ہاتھی قبضہ میں آئے اور بنگالہ کی رعایا میں سے جو ایک خلق کثیر مدتوں سے ان کی قید میں تھی انھوں نے رہائی پائی اگرچہ اس کے بعد بزرگ امید خاں کے حکم سے میر مرتضیٰ نے قلعہ بندر رامبو کو بھی جو چاٹگام سے چار منزل آگے چاٹگام اور اراکان کے درمیان تھا اور راستہ میں دشوار گذار جنگل اور ندیاں نالے اور پہاڑ واقع تھے راجہ اراکان کے بھائی سے جنگ و جدال کے بعد چھین لیا۔ مگر چونکہ ایام برسات میں چاٹگام اور رامبو کے درمیان پانی ہی پانی ہو جاتا ہے۔ اور گھنے جنگلوں اور ندیوں نالوں اور پہاڑوں کے علاوہ دو ایسے دریا بھی ہیں کہ جن کو بغیر کشتی کے عبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے قرب برسات کے اندیشے اور قلت رسد کے خیال سے فتح کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات ہیں اُن کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دس بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دیتا ہے اُس کو جا کر مار آتے ۔ اور اگرچہ پادشاہی میر شکار نے ذرا جرأت کر کے عرض کیا کہ جہاں پناہ وہ بڑے بڑے جال بھی تو ساتھ لے جانا مناسب ہے جو اس خطرناک شکار کے واسطے مخصوص ہیں ۔ لیکن پادشاہ نے نہایت بے پروائی سے کہا کہ نہیں ۔ اُن کی کچھ حاجت نہیں ۔ کیونکہ ایام شہزادگی میں ہم نے تو کبھی اس قسم کی احتیاطوں کا خیال بھی نہیں کیا ۔ اور یہ حکم ایسے قطعی طور پر دیا کہ شہزادہ کو بلا عذر جانا ہی پڑا ۔ اور اگرچہ اس معرکہ میں دو تین آدمی کام آئے اور کچھ گھوڑے بھی زخمی ہوئے اور شیر زخم کھا کر اور جست کر کے شاہزادہ کے ہاتھی کے سر پر بھی آن پڑا مگر مار لیا گیا ۔ اور جب سے یہ جرأت اور دلاوری شاہزادہ سے ظہور میں آئی ہے بادشاہ اُس سے بڑی محبت سے پیش آتا ہے ۔ اور یہاں تک اُس کا رتبہ بڑھایا ہے کہ دکن کی صوبہ داری بھی دیدی ہے مگر اس میں شک نہیں کہ اُس کے اختیارات خصوصاً رقمی معاملات میں ایسے محدود ہیں کہ اُس سے کسی تکلیف کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا

مہابت خاں صوبہ دار کابل کی اطاعت

اب میں مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر کرتا ہوں کہ اُس نے بھی آخر کار کابل کی حکومت سے دست بردار ہو کر حاضر ہو جانا ہی مناسب سمجھا ۔ اور اورنگ زیب نے بھی ازراہ عالی ہمتی اُس کا قصور معاف کر دیا ۔ اور فرمایا کہ ایسے سپاہی کی جان بہت قیمتی ہے اور اپنے آقا (شاہجہاں) کے ساتھ اُس کی وفاداری تعریف کے لائق ہے ۔ بلکہ عفو قصور کے علاوہ راجہ جسونت سنگھ کی جگہ (جو شائستہ خاں کی مدد کے لئے شیواجی مرہٹہ کی بیخ کنی کے لئے دکن کو بھیجا گیا تھا) گجرات کا صوبہ دار بھی مقرر کر دیا ۔ مگر اس جگہ یہ بات بھی جتا دینے کے قابل ہے کہ علاوہ اُن تحائف کے جو اُس نے روشن آرا بیگم کو دیئے تھے پندرہ سولہ ہزار اشرفیاں اور بہت سے ایرانی اونٹ اور گھوڑے خود بادشاہ کی نذر کئے ۔ پس تعجب نہیں ہے کہ ان تحائف ہی نے بادشاہ کے دل کو نرم کر دیا ہو ۔

قندھار پر ایران و ہندوستان کی لڑائیاں

مہابت خاں کے ساتھ چونکہ کابل کا ذکر آ گیا ہے ۔ تو اس وجہ سے اُس کے ہمسایہ صوبہ قندھار کا خیال بھی میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اس لئے لازم ہے کہ اس کے بیان میں بھی دو ایک صفحے لکھ ڈالوں ۔ یہ صوبہ فی زمانہ سلطنت ایران کا باج گزار ہے ۔ اس کے حالات اور خصوصاً وہ پولٹیکل حسد اور مخالفت جو اس ملک کے باعث ایران اور ہندوستان کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پادشاہوں کے درمیان پیدا ہوتی رہتی ہے لوگ بہت کم واقف ہیں۔

پس واضح ہو کہ یہ ملک اور اس کا دارالحکومت جو اس زرخیز اور خوش نما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندہار کہتے ہیں۔ اور اُس پر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے درمیان ایک مدت سے برابر خوں ریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اس کو ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ اور اس کے عہد تک برابر اُس پر قبضہ رہا مگر شاہ عباس نے اُس کے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا۔ اور شاہ جہاں کے وقت میں علی مردان خاں کی نمک حرامی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہجہاں سے سازش کر کے فوراً اپنے اس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور اس کا باعث یہ تھا کہ دربار ایران میں علی مردان خاں کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر اُن فرمانوں کی تعمیل کروں گا جو صوبہ کا حساب سمجھانے کے بارہ میں صادر ہوئے ہیں تو کیا نتیجہ ہوگا۔

اس کے بعد شاہ عباس کے بیٹے نے محاصرہ کر کے اس کو پھر فتح کر لیا اور اگرچہ شاہجہاں نے دو بار فوج بھیجی مگر دونوں دفعہ ناکام ہی رہا۔ چنانچہ پہلی دفعہ کی ناکامی کا سبب تو اُن ایرانی اُمرا کی نمک حرامی تھی جو شاہ جہاں کے دربار میں سب سے بڑھ کر ذی اقتدار تھے اور باطن میں اپنے ملک کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ جنھوں نے اس محاصرہ میں شرمناک حد تک پہلوتہی کی اور راجہ روپ سنگھ کو جس نے اپنا نشان اُس دیوار پر جا گاڑا تھا جو سب سے زیادہ پہاڑ کے قریب تھی مدد نہ دی۔ اور دوسری بار ناکام رہنے کا باعث اورنگ زیب کا رشک و حسد تھا جس نے اُس راستہ سے جو انگریزوں پرتگیزوں، جرمن اور فرانسیسیوں کی توپوں نے دیوار قلعہ کو توڑ کر خاصہ گذر کے قابل بنا دیا تھا حملہ کر کے داخل ہی ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ اس مہم کا آغاز داراشکوہ نے کیا تھا جو اُس وقت باپ کے ساتھ کابل میں تھا اور اورنگ زیب کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ اس قابل قدر ارادہ میں کامیاب ہونے کی ناموری داراشکوہ کو حاصل ہو۔ اگرچہ شاہجہاں نے شاہزادوں کی باہمی جنگ سے چند سال پہلے تیسری دفعہ بھی قندھار کا محاصرہ کرنا چاہا تھا لیکن میر جملہ نے اس مہم سے روک دیا۔ اور جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں اس کے عوض دکن پر فوج کشی کرنے کی صلاح دی اور علی مردان خاں نے بڑے زور سے اُس کے دلائل کی تائید کی تھی اور یہ عجیب لفظ کہے تھے کہ "حضور قندھار کو کبھی فتح نہ کر سکیں گے جب تک کہ کوئی مجھ سا ہی نمک حرام اُس کا پھاٹک نہ کھول دے یا حضور تمام ایرانیوں کو جو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سپاہ میں ہیں محاصرہ کرنے والی فوج سے بالکل خارج نہ کر دیں۔ اور اس مضمون کا اشتہار جاری نہ فرما دیں کہ بازاری لوگوں سے جو فوج کے لئے رسد لائیں کسی طرح کا محصول نہ لیا جائے گا۔"

چند سال ہوئے کہ اورنگ زیب نے بھی اپنے بزرگوں کی تقلید میں یا تو اُس خط کی وجہ سے جو شاہ ایران نے لکھا تھا یا اُس کم التفاتی کے سبب جو اُس کے سفیر تربیت خاں کی تعظیم و تکریم کے بارے میں دربار ایران کی طرف سے ہوئی تھی ناراض ہو کر قندھار پر مہم کی تیاری کی لیکن شاہ ایران کے انتقال کی خبر سُن کر اسے ملتوی کر دیا اور یہ بات بنائی کہ ہمارا دل گوارا نہیں کرتا کہ ایک لڑکے پر جو ابھی تخت نشین ہوا ہے چڑھائی کریں۔ حالانکہ میرے قیاس میں شاہ سلیمان کی عمر جو باپ کی جگہ تخت نشین ہوا ہے پچیس برس سے کم نہیں۔

مخلص رفقاء

اب میں اورنگ زیب کے سرگرم رفیقوں کا جن میں سے اکثر کو بڑے بڑے منصب اور عہدے دیئے گئے تھے ذکر کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ اورنگ زیب کا ماموں شائستہ خاں تو جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے دکن کا صوبہ دار بنایا گیا اور جو فوج وہاں مقرر تھی اُس کی سپہ سالاری بھی اُسی کو دی گئی اور آخرکار بنگالہ کی صوبہ داری پر سرافراز ہوا۔ اور امیر خاں کو کابل، خلیل اللہ خاں کو لاہور، میر بابا کو الہ آباد لشکر خاں کو پٹنہ اور الہ ویردی خاں کے بیٹے کو جس کے باپ کی صلاح سے سلطان شجاع نے کجوہ کے مقام پر شکست کھائی تھی سندھ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ فاضل خاں کو جس کی معقولیت اور دانشمندانہ صلاح مشوروں سے اورنگ زیب کو بہت بڑی مدد ملی تھی خانسامانی کا عہدہ ملا دہلی کی صوبہ داری دانشمند خاں کو عنایت ہوئی اور اس رسم قدیم کے بجا لانے سے کہ ہر ایک امیر کو صبح و شام تسلیمات کے واسطے دربار میں حاضر ہونا لازم ہے (اور اگر اس میں کبھی فروگذاشت ہو جائے تو جرمانہ بھرنا پڑتا ہے) خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے معاف کیا گیا کہ سیر کتب اور مطالعہ کا اُس کو نہایت شوق ہے۔ اور اس کے علاوہ صیغہ دول خارجہ کے متعلقہ کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ دیانت خاں کو کشمیر کی صوبہ داری عطا ہوئی۔ جو اگرچہ دشوار گذار اور مختصر سا ملک ہے۔ مگر ایسا پُر فضا قطعہ ہے کہ ہندوستان کا بہشت گنا جاتا ہے اور جس کو اکبر نے ایک حیلہ سے فتح کر لیا تھا۔ اور اس بات کا فخر اُس کو حاصل ہے کہ اُس کی صحیح تاریخ خود وہیں کی زبان میں موجود ہے جس میں شاہان سلف کے ایک طول طویل سلسلہ کا دلچسپ حال مندرج ہے جو کسی زمانہ میں ایسے طاقتور تھے کہ تمام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوستان کو لنکا تک فتح کر لیا تھا۔ ان تاریخوں کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر جہانگیر نے فارسی زبان میں کرایا تھا جس کی ایک نقل میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس موقعہ پر یہ امر بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ اورنگ زیب نے نجابت خاں کو جس نے سموں گڈھ اور کھجوہ کے معرکوں میں بڑی شجاعت دکھلائی تھی اُس کے منصب سے گرا دیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے عزتی اُس کو اس لئے نصیب ہوئی تھی کہ اُس نے اپنی خدمتیں بار بار جتلائی تھیں۔

سیواجی مرہٹہ جسونت سنگھ اور جے سنگھ کی حالت اگرچہ کچھ مبہم سی ہے مگر میں اُس کی توضیح کی کوشش کروں گا۔ واضح ہو کہ بیجاپور میں ایک ہندو نے بغاوت کر کے کئی بڑے بڑے قلعوں اور بندرگاہوں پر جو شاہ بیجاپور کی عملداری میں تھے قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس قسمت آزمائی کرنے والے نڈر شخص کا نام سیواجی ہے جو ایک بڑا ہوشیار صاحب داعیہ اور ایسا مشہور آدمی ہے کہ اپنے مرنے جینے کی اُس کو پرواہی نہیں ہے چنانچہ جس زمانہ میں کہ شائستہ خاں دکن کا صوبہ دار تھا وہ اس کو شاہ بیجاپور کی تمام سپاہ اور ان راجاؤں کی متفقہ قوت کی بہ نسبت جو کسی مشترکہ دشمن کے مقابلہ میں اس کے ساتھ شامل ہو جایا کرتے ہیں زیادہ خوفناک سمجھتا تھا۔

اس شخص کی جرأت و جسارت کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے کہ باوجودیکہ شائستہ خاں کی سپاہ چپے چپے پر پھیلی ہوئی تھی اور شہر اورنگ آباد فصیل سے بھی محصور تھا مگر اس پر بھی ایک رات صرف چند سپاہیوں کے ساتھ شائستہ خاں کے مکان کے اندر اس ارادہ سے جا گھسا کہ شائستہ خاں کو پکڑ کر اُس کے تمام مال و دولت پر قابض ہو جائے اور اگر تھوڑی دیر اور خبر نہ ہوتی تو کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اپنے منصوبہ میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔ چنانچہ شائستہ خاں اس موقعہ پر سخت زخمی ہوا۔ اور اُس کا بیٹا میان سے تلوار نکالتے ہوئے مارا گیا۔

سیواجی کی بندرگاہ سورت میں غارت گری اس سے تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے ایسا ہی ایک اور چھاپا مارا جس میں زیادہ کامیابی ہوئی یعنی چپکے سے دو تین ہزار چیدہ سپاہی ساتھ لے کر اپنے لشکر گاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور یہ مشہور کیا کہ ایک راجہ بادشاہ کے سلام کو دہلی جاتا ہے اور جب شہر سورت کے قریب پہنچا اور وہاں کا حاکم اُس کو ملا تو اُسے یہ دم دے دیا کہ میرا قصد شہر میں جانے کا نہیں ہے سیدھا باہر باہر جاؤں گا (حالانکہ اس منصوبہ کا اصل مدعا اسی مشہور اور دولت مند بندرگاہ کو لوٹنا تھا)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چنانچہ شمشیر بکف شہر میں آ گھسا اور تین دن تک لوگوں کو سخت تکلیفیں اور عذاب دے دیکر خوب تنگ کیا اور کئی ملین[1] روپیہ سونے۔ چاندی اور موتیوں اور ریشمی کپڑوں اور عمدہ ململوں اور تجارتی مال و اسباب سے اپنی سواریاں لاد کر رخصت ہو گیا۔ اور جو چیز اٹھا نہ سکا اُس کو جلا کر خاک سیاہ کر گیا۔

چونکہ اس موقعہ پر کسی نے اس سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں اس وجہ سے یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ اس کے اور راجہ جسونت سنگھ کے باہم خفیہ سازش ہے۔ شائستہ خاں پر حملہ کرنا اور سورت کو لوٹنا سب اُس کے علم و اشارہ سے ہوا ہے۔ اس لئے راجہ دکن سے واپس بلایا گیا۔ مگر وہ دہلی آنے کے بجائے اپنی ریاست کو چلا گیا۔

لو! یہ کہنا تو میں بھول ہی گیا کہ سیواجی۔ نہیں نہیں۔ دھرم آتما سیواجی صاحب نے سورت کو لوٹتے وقت ریورینڈ فادر ایمبروز کے مکان کو جو فرقہ کے پوشین[2] میں سے ایک مشنری تھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور کہا کہ فرنگیوں کے پادری نیک شخص ہیں ان کو ستانا نہیں چاہیئے اسی طرح ایک ہندو کے مکان کو بھی (جو ڈچ سوداگروں کی دلالی کا کام کرتا تھا) اس لئے نہ چھیڑا کہ وہ بہت سخی اور پن دان میں مشہور تھا انگریزوں اور ڈچوں کے مکانات بھی بچے رہے لیکن اس کا سبب یہ نہ تھا کہ سیواجی ان کا کچھ لحاظ کرتا تھا بلکہ اُنھوں نے اپنی ہمت اور دلیری سے اپنے آپ کو بچایا — انگریزوں نے تو اپنے جہاز کے خلاصیوں وغیرہ کی مدد سے کمال ہی کر دکھایا اور نہ صرف اپنے ہی مکانات بچائے بلکہ پڑوسیوں تک کے مکانوں پر بھی آنچ نہ آنے دی۔ اس موقعہ پر قسطنطنیہ کے رہنے والے ایک یہودی نے عجیب ہٹ دکھلائی جس سے لوگ حیران رہ گئے۔ سیواجی نے یہ سُن کر کہ اُس کے پاس نہایت قیمتی یاقوت ہیں (جن کو وہ بیچنے کے لئے اورنگ زیب کے پاس لے جانا چاہتا ہے) اُس کو تین دفعہ گھنٹوں بٹھلا کر اور ننگی تلواریں تول تول کر ہر چند ڈرایا۔ مگر اُس نے ہرگز نہ بتایا۔ اور یہودیوں کی اس عادت کو کہ روپیہ کو جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں خوب نباہا۔

سورت کے واقعہ کے بعد اورنگ زیب نے جے سنگھ کو فوج مامورہ دکن کی سپہ سالاری قبول کرنے پر رضامند کیا اور سلطان محمد معظم کو بھی اُس کے ساتھ بھیجا۔ مگر شاہزادہ کو کسی قسم

---

[1] ایک ملین دس لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے۔

[2] کے پوشین عورتوں کی طرح برقعہ پہننے والے عیسائی درویشوں کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا اختیار نہیں دیا ــــ راجہ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سیواجی کے سب سے بڑے قلعہ پر زور شور سے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر اس کے ساتھ حسب معمولی اپنے فن کے مطابق جوڑ توڑ اور وعدہ وعید سے بھی کام لیتا رہا جس کا حسب دل خواہ یہ نتیجہ ہوا کہ قبل اس کے کہ اہل قلعہ نہایت لاچار ہو کر مغلوب ہوتے سیواجی نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اور یہ شرط بھی قبول کر لی کہ اگر بیجاپور پر فوج کشی جائے تو بادشاہی فوج کا ساتھ دوں گا ــــ اورنگ زیب نے بالطاف شاہانہ اُس کو راجہ کا خطاب عنایت کیا اور اُس کے بیٹے کو امرا کے ذیل میں داخل کر کے مثل اور امیروں کے وظیفہ مقرر کر دیا۔

سیواجی کی دہلی میں حاضری

اس سے کچھ دنوں بعد جو ایران پر چڑھائی کا ارادہ ہوا تھا تو اورنگ زیب نے سیواجی کو نہایت عنایت آمیز اور خوش آئند الفاظ میں فرمان لکھا اور اُس کی فہم و فراست اور سخاوت و شجاعت وغیرہ کی بہت تعریف کی اور راجہ جے سنگھ بھی جان اور آبرو کی حفاظت کا ضامن بنا اس لئے سیواجی بھی مطمئن ہو کر دہلی میں حاضر ہو گیا تھا مگر اتفاق وقت سے شائستہ خاں کی بیوی بھی اس وقت دہلی میں موجود تھی اور برابر اس امر پر مصر تھی کہ ایسا شخص جس نے میرے بیٹے کو قتل کیا۔ اور شوہر کو زخمی کیا۔ اور بندرسورت کو لوٹا ہے۔ ضرور گرفتار اور قید ہونا چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیواجی یہ دیکھکر کہ تین چار افسر اُس کے خیموں کی ہمیشہ نگرانی کرتے رہتے ہیں ایک رات بھیس بدل کر بھاگ گیا۔ اور اُس کے قابو سے نکل جانے پر شاہی محل میں بیگمات کو بہت رنج اور افسوس ہوا اور جے سنگھ کے بڑے بیٹے پر قوی شبہ ہوا کہ اُس نے سیواجی کو مدد دے کر بھگا دیا ہے ــــ اس کو دربار میں حاضر ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔

جے سنگھ کی وفات

چونکہ اورنگ زیب راجہ جے سنگھ اور اُس کے بیٹے دونوں ہی سے خواہ دل سے خواہ محض ظاہری طور پر ناراض معلوم ہوتا تھا

راجہ جے سنگھ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اورنگ زیب اس حیلہ سے میری ریاست ہی ضبط نہ کرلے۔ پس نہایت عجلت کے ساتھ اپنا ملک بچانے کے لئے دکن سے واپس آیا۔ لیکن راستہ ہی میں برہان پور پہنچ کر مر گیا۔

یہ خبر سُنکر جے سنگھ کے بیٹے کے ساتھ اورنگ زیب نے جو اظہار عنایت کیا اور اُس کی اس مصیبت پر اپنا دلی افسوس ظاہر فرمایا اور اُس کے باپ کے منصب اور جاگیر وغیرہ پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کو بحال کر دیا۔ تو اس سے بہت لوگوں کی یہ رائے ہو گئی کہ سیواجی کا بھاگ جانا خود اورنگ زیب ہی کی چشم پوشی اور اغماض سے ہوا ہے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ چونکہ بیگمات کو سیواجی سے نہایت ہی نفرت تھی اور اُن کے رنج اور تلخی و تندی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ وہ ایک ایسا خبیث ہے کہ جس نے اُن کے عزیزوں اور قرابت داروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ اس لئے اورنگ زیب بھی دربار میں اُس کی موجودگی سے دق ہو گیا ہوگا۔

اب میں دکن کے واقعات پر ایک مجمل نظر ڈالنا چاہتا ہوں جو ایک ایسا ملک ہے کہ چالیس برس سے زیادہ عرصہ سے برابر لڑائیوں بھڑائیوں کا گھر رہا ہے۔ اور جس کے واسطے سلاطین مغلیہ شاہان گولکنڈا اور بیجاپور اور ان سے کم درجہ کے رئیسوں کے ساتھ اکثر اُلجھے ہی رہتے ہیں تاوقتیکہ اُس کے فرماں رواؤں کی حالت اور اُن بڑے بڑے واقعات سے جو اس ملک میں ہوتے رہتے ہیں، بخوبی واقفیت نہ ہو۔ ان لڑائی جھگڑوں کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آنی ناممکن ہے۔

ملک دکن کی وسعت واضح ہو کہ قریب دو سو برس سے ملک ہند کا یہ قطعہ جو مغرب کی طرف خلیج کھمبایت سے شروع ہو کر مشرق کی جانب جگن ناتھ کے قریب خلیج بنگالہ تک اور جنوب میں راس کماری تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جو اہل یورپ کے جغرافیہ کی اصطلاح میں گریٹ انڈین پینن شلا کے نام سے معروف ہے باستثناء چند پہاڑی ضلعوں کے تمام کا تمام ایک خود مختار خاندان کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔ مگر راجہ رام راج کی نااہلیت سے جو اُسی خاندان میں سب سے اخیر راجہ تھا یہ بڑی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب یہ ملک مختلف مذہب کے کئی فرماں رواؤں کے زیر حکومت نظر آتا ہے۔

گولکنڈا اور بیجاپور کے فرماں روا بات یہ ہے کہ رام راج[1] کے پاس گرجستان کے رہنے والے تین غلام تھے جن کو اُس نے ہر قسم کی عنایات سے ممتاز کر رکھا تھا یہاں تک کہ آخر کار اُن کو تین بڑے بڑے صوبوں کا حاکم بنایا۔ چنانچہ ایک تو تقریباً اُن تمام اضلاع کا جو بالفعل سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں ہیں حاکم مقرر ہوا۔

[1] اصل میں رام راس لکھا ہے۔

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور یہ صوبہ شہر بیدر اور پریندا اور سورت سے لے کر دریائے نربدا تک پھیلا ہوا تھا اور دولت آباد اس کا دارالحکومت تھا۔ دوسرا اس ملک کا حاکم بنایا گیا جو سلطنت بیجاپور کے نام سے مشہور ہے۔ اور تیسرے کو وہ ملک سپرد ہوا جس کو گولکنڈا کی سلطنت کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ تینوں غلام نہایت ہی دولت مند اور طاقتور ہو گئے۔ اور چونکہ ان تینوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا جو اہلِ ایران کا عام مذہب ہے۔ اس لئے رام راج کے دربار کے ایرانی اُمرا سے اُن کو بہت مدد ملتی تھی۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ ہندو کیوں نہ بن گئے اس لئے کہ ہندو نہیں چاہتے کہ کوئی غیر شخص اُن کے مذہبی اسرار سے مستفید ہو۔ پس اگر وہ چاہتے تب بھی ہندو نہیں بن سکتے تھے۔ القصہ ان تینوں نے متفق ہو کر بغاوت کی جس کا انجام یہ ہوا کہ رام راج مارا گیا۔ اور یہ اپنے اپنے صوبوں میں واپس آکر بادشاہ بن بیٹھے۔ اور چونکہ رام راج کی اولاد میں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو ان کا مقابلہ کر سکتا اس لئے وہ صرف اُس ملک میں چپ چاپ بیٹھے رہے جو کرناٹک کے نام سے مشہور ہے اور جس کو ہمارے جہاز رانی کے مختصر نقشوں میں رجن کو چارٹ کہتے ہیں۔ بس[1] نگر لکھا ہے اور جہاں اُس کی اولاد اب تک راج کرتی ہے۔ اور اس جزیرہ نما کے باقی قطعات اُسی وقت سے اُن تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئے جو اب تک قائم ہیں اور جن کے رئیس راجہ یا ناٹک کہلاتے ہیں۔ ان تینوں غاصبوں کی اولاد میں جب تک اتفاق رہا اُن پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکا اور سلاطین مغلیہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے لیکن جب سے باہمی رشک و حسد نے جگہ پائی اور اُنھوں نے یہ چاہا کہ ایک دوسرے کی مدد کے بغیر خود سر ہو کر رہیں تب سے وہ نااتفاقی کے خوفناک خمیازے اٹھا رہے ہیں۔ اور پینتیس یا چالیس برس ہوتے کہ شہنشاہ مغل نے یہ دیکھکر کہ اُن میں اتفاق نہیں ہے نظام شاہ کی سلطنت پر جو بانی ریاست سے پانچویں یا چھٹی پشت میں تھا چڑھائی کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ اور زمانہ ہوا کہ نظام شاہ اپنے سابقہ دارالحکومت دولت آباد ہی میں قید رہ کر قید زندگی سے بھی چھوٹ چکا ہے۔

گولکنڈہ کے سلطنتِ مغلیہ سے تعلقات البتہ شاہان گولکنڈا اب تک حملہ سے محفوظ رہے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ بچا رہنا اُن کی زور و قوت کے سبب سے نہیں ہے بلکہ صرف اس وجہ سے کہ شہنشاہ مغل کو اول اُس کی دونوں ہم جنس

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بجے نگر کی خرابی ہے جو راجہ رام راج کا دارالحکومت تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ہمسایہ ریاستوں پر مہم کرنے اور اُن کے مستحکم مقامات امبر، پرینڈا۔ اور بیدر کے لے لینے کی زیادہ ضرورت تھی تاکہ اس کے بعد گولکنڈا پر حملہ کرنا اور بھی آسان ہو جائے اور اُن کی یہ دانائی اور حسنِ تدبیر بھی کچھ اُن کے بچاؤ کا باعث تھی کہ اپنی بے شمار دولت میں سے مخفی طور پر شاہ بیجاپور کو ہمیشہ مدد بھیجتے رہتے تھے اور جب کبھی بیجاپور پر حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا تو یہ اپنی فوج بھی سرحد پر بھیج دیا کرتے تھے تاکہ شہنشاہ مغل کو یہ بات جتلائی جائے کہ گولکنڈا نہ صرف اپنے بچاؤ کے لئے مستعد ہے بلکہ اگر بیجاپور سخت وقت آن پڑے گا تو ہم اس کے بھی آڑے آنے کو تیار ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغل سپہ سالاروں کو بہت کچھ رشوتیں بھی دی جایا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ گولکنڈا کے عوض بیجاپور پر مہم کرنے کی رائے کو ہمیشہ اس دلیل سے ترجیح دیتے رہتے ہیں کہ وہ دولت آباد سے زیادہ قریب ہے۔ اور جب سے اورنگ زیب اور گولکنڈا کے موجودہ بادشاہ کے درمیان ایک عہد نامہ ہو چکا ہے تب سے تو اورنگ زیب کا بھی اس پر چڑھائی کرنے کی طرف میلان نہیں معلوم ہوتا۔ اور اُس روز سے غالباً وہ اُسے اپنا ہی سمجھتا ہے اور چونکہ وہ مدت سے باج گزار ہے۔ اور بہت سا روپیہ اور وہاں کی بنی ہوئی نہایت عمدہ عمدہ چیزیں اور پیگو اور سراندیپ اور سیام کے ہاتھی سال بسال خراج کے طور پر بھیجتا رہتا ہے اور اب گولکنڈا اور دولت آباد کے مابین کوئی ایسا قلعہ بھی باقی نہیں رہا جو کسی مخالف کے قبضہ میں ہو اس لئے اورنگ زیب کو یقین ہے کہ ایک ہی دفعہ کی چڑھائی اس ملک کی فتح کے لئے کافی ہوگی۔ لیکن میری رائے میں اورنگ زیب کو گولکنڈا کی فتح سے بجز اس کے اور کسی بات نے نہیں روکا کہ مہاداشاہ بیجاپور اپنے اس اندیشہ سے کہ کل کو یہی دن اُس کے لئے بھی پیش آنے والا ہے کہیں خود صوبہ دکن ہی کی تاخت و تاراج شروع نہ کر دے۔ متذکرہ بیان سے اُمید ہے کہ ناظرین تصور کر سکیں گے کہ سلطنت مغلیہ اور گولکنڈا کے باہم کس قسم کے تعلقات ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ گولکنڈا کے قیام و بقا کی حالت بالکل غیر متیقن ہے۔

اور جب سے کہ وہ ناخوش گوار معاملہ پیش آ چکا ہے جو میر جملہ کی تجویز کے موافق اورنگ زیب نے اُس سے برتا تھا۔ شاہ گول کنڈا کے قوائے دماغی میں بھی بالکل فتور آ گیا ہے۔ اور سلطنت کی باگ اُس نے نہایت ڈھیلی چھوڑ دی ہے۔ اور رسم ملک کے موافق نہ کبھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دربار میں آکر بیٹھتا ہے اور نہ انصاف وعدالت کرتا ہے۔ بلکہ اتنی ہمت بھی نہیں رہی کہ کبھی قلعہ کی دیوار سے باہر نکلے۔ جس کا طبعی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں ابتری اور بے انتظامی پھیل رہی ہے۔ اور اُمرا وحکام جو نہ اب بادشاہ کا کچھ حکم ہی مانتے ہیں اور نہ اُس سے کچھ محبت ہی رکھتے ہیں بے حد ظلم کرتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اگر کبھی موقعہ ہوا تو رعایا جو اس ظلم وستم سے تنگ آرہی ہے بہت جلد اورنگ زیب کی اطاعت قبول کرے گی جس کی حکومت گولکنڈا کی بہ نسبت بہتر اور منصفانہ ہے۔

اب میں چند باتیں وہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے اس بدبخت بادشاہ کی متزلزل حالت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ۱۶۶۷ء میں جب کہ میں گول کنڈا میں تھا اورنگ زیب کی طرف سے ایک سفیر خاص یہ پیغام لے کر آیا کہ یا تو دس ہزار سوار بیجاپور کی مہم کے لئے حاضر کرو۔ یا تم بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس نے فوج کا بھیجنا تو قبول نہ کیا۔ لیکن اُس قدر روپیہ جو دس ہزار سواروں کی تنخواہ کے لئے کفایت ہو سکتا ہے۔ اور جس سے اورنگ زیب اور بھی زیادہ خوش ہوا دیدیا اور سفیر کی بہت ہی آؤ بھگت کی۔ اور بہت سے گراں بہا تحائف خود اُس کو دیئے اور ایک بڑا بھاری پیش کش اورنگ زیب کے لئے روانہ کیا۔

دوسرے یہ کہ اورنگ زیب کا معمولی سفیر جو گولکنڈا میں متعین رہتا ہے احکام جاری کرتا ہے۔ راہ داری کے پروانے دیتا ہے اور لوگوں کو دھمکاتا اور بدسلوکی کرتا ہے غرضکہ اُس کی گفتار وکردار ایسے مطلق العنان حاکم کی ہے کہ گویا بجائے خود ایک بادشاہ ہے۔

تیسرے یہ کہ میر جملہ کا بیٹا محمد امین خاں جس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ .... اورنگ زیب کے دربار کا صرف ایک امیر ہے گولکنڈا میں اُس کا اس قدر ادب کیا جاتا ہے کہ اُسکا نائب یعنی دلال یا گماشتہ جو مچھلی پٹن میں رہتا ہے۔ بندرگاہ کے حاکم کا سا اختیار رکھتا ہے تمام تجارتی جنسیں خریدتا ہے۔ بیچتا ہے۔ جہازوں پر مال چڑھاتا ہے اُتارتا ہے۔ مگر محصول کی ایک کوڑی تک نہیں دیتا اور نہ اُس کے کام میں کوئی دخل دے سکتا ہے۔ عجب بات ہے! میر جملہ کا رعب وداب اس ملک میں اس درجہ تک تھا کہ اُس کے مرنے کے بعد گویا وہ بھی وراثت میں محمد امین خاں کو مل گیا ہے۔

چوتھے یہ کہ کبھی کبھی ڈچ لوگ گولکنڈا کے سوداگروں کے تمام جہازوں کو مچھلی پٹن کی بندرگاہ میں روکے رکھتے ہیں۔ اور جب تک یہ بادشاہ اُن کی بات نہیں مان لیتا اُن کو باہر نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جانے دیتے۔ اور خود میں نے اس بادشاہ پر ان کو یہ بیہودہ اعتراض کرتے دیکھا ہے کہ "مچھلی پٹن کے حاکم نے ہم کو انگریزوں کے ایک جہاز پر جبراً قبضہ کر لینے سے کیوں روکا۔ اور لوگوں کو ہمارے مقابلہ کے لئے ہتھیار دے کر ہمارے اس ارادہ میں کیوں مزاحم ہوا اور ہم کو یہ دھمکی کیوں دی کہ تمہاری کوٹھی کو جلا دوں گا اور تم پردیسی بدمعاشوں کو قتل کر ڈالوں گا"۔

پانچویں علامت اس سلطنت کے زوال کی یہ ہے کہ یہاں کے رائج سکہ کی قیمت بالکل ہی گر چکی ہے جو اس ملک کی تجارت کے حق میں نہایت مضر ہے۔

چھٹے یہ کہ یہاں تک تو نوبت پہنچی ہوئی ہے کہ پرتگیز بھی باوجود اپنی شکست حالی اور افلاس اور حقیر حالت کے اس کو لڑائی کی دھمکی دینے میں تذبذب نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر مقام سین طامس (جو چند سال ہوئے انھوں نے خود ہی شاہ گول کنڈا کو اس خیال سے دیدیا تھا کہ ڈچ جو ان سے طاقت میں زیادہ ہیں اُن کو اُس کے حوالہ کر دینے کی زحمت اُٹھانی نہ پڑے) ہم کو نہ دیدو گے تو ہم مچھلی پٹن اور دوسرے مقامات پر قبضہ کر لیں گے اور لوٹ لیں گے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے گولکنڈا ہی میں چند ذی فہم لوگ مجھ سے یوں بھی کہتے تھے کہ بادشاہ کے فہم و فراست میں کچھ بھی فرق نہیں اور اُس نے ضعیف العقلی اور ناقائم مزاجی اور سلطنت کے معاملات سے بے پروائی کی یہ حالت صرف اپنے دشمنوں کے دھوکہ دینے کو بنا رکھی ہے اور اس کے ایک ایسا جری بیٹا بھی ہے جو نہایت تیز مزاج، بلند خیال، گویا ایک پرکالہ آتش شاہزادہ ہے۔ جس کو مصلحتاً عوام کی نظروں سے چھپا رکھا ہے اور کبھی موقعہ پا کر اُس کو تخت پر بٹھلا دے گا اور جو عہد و پیمان اورنگ زیب سے کر رکھا ہے اُس کو بالائے طاق رکھ دے گا۔

ریاست بیجاپور اب میں ان رایوں کی غلطی اور صحت کے فیصلہ کو آئندہ زمانہ پر چھوڑ کر چند الفاظ بیجاپور کی بابت کہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ شہنشاہ مغل کی طرف سے اس سلطنت کے ساتھ اکثر لڑائی بھڑائی رہتی ہے مگر اب تک یہ خود سر اور آزاد کہلاتی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو سپہ سالار بیجاپور کی مہم پر مامور ہوتے ہیں اُن سرداروں کی طرح جو ایسی ہی اور مہموں پر بھیجے جاتے ہیں سپہ سالار بنے رہنے کے شوق میں اس امر کو غنیمت جانتے ہیں کہ دربار سے دور رہ کر فوج پر شاہانہ طور سے حکومت کرتے رہیں۔ اور اس لئے اپنے کام میں ٹال مٹول کرتے اور طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے لڑائی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو جو اُن کے اعزا و اکرام کے علاوہ اُن کی آمدنی کا بھی ذریعہ ہے خواہ مخواہ طول دیتے رہتے ہیں — اس وجہ سے یہ بات ہندوستان میں ایک ضرب المثل ہوگئی ہے کہ ملک دکن تو ہندوستانی سپاہی کی روٹی اور گذارہ ہے۔

علاوہ بریں سلطنت بیجاپور میں پہاڑیوں کے اندر دشوار گذار مقاموں میں اس قدر قلعے اور گڑھیاں ہیں کہ جن کا فتح کرنا بہت ہی مشکل ہے اور جو علاقہ سلطنت مغلیہ سے متصل ہے وہ خصوصیت کے ساتھ چارے اور پانی کے موجود نہ ہونے کے باعث دشوار گذار ہے۔ خصوصاً شہر پائے تخت ایک نہایت بے آب و گیاہ زمین پر واقع ہونے کی وجہ سے نہایت ہی مستحکم مقام ہے یہاں تک کہ پینے کے قابل پانی صرف شہر ہی کے اندر ملتا ہے۔ مگر بایں ہمہ اس سلطنت کو بھی چراغ سحری ہی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ شہنشاہ مغل نے قلعہ پرینڈا پر جسے اس ملک کا دروازہ سمجھنا چاہیے اور بیدر پر جو ایک مستحکم اور خوبصورت شہر ہے اور دوسرے بڑے مقامات پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ بادشاہ لاولد مر گیا ہے اُس کی بیگم نے جو شاہ گولکنڈا کی بہن ہے ایک لڑکے کو جو اپنا متبنیٰ بنا کر پرورش کیا تھا اُس نے اُس کا یہ اجر دیا ہے کہ ابھی چند روز ہوئے یہ شاہزادی حج کرکے واپس آئی تو اُس سے سرد مہری اور حقارت کے ساتھ پیش آیا۔ اور یہ بہانہ بنایا کہ ڈچوں کے جہاز میں (جس پر وہ سوار ہوکر مخا کو گئی تھی) اُس کا رویہ اُس کے رتبہ اور مستورات کی حالت کے مناسب نہ تھا) بلکہ یہاں تک کہا کہ دو تین جہازیوں سے (جو اپنے جہاز سے علیحدہ ہوکر مکہ تک اُس کے ساتھ گئے تھے) ناجائز تعلق رکھتی تھی[1]۔

---

[1] گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا حسب و نسب جس طرح پر برنیر نے بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ یہ بادشاہ راجہ رام راج کے غلام نہ تھے بلکہ بہمنیہ خاندان کے بادشاہوں کے غلام تھے۔ چونکہ بہمنیہ خاندان کا ذکر لکھے بغیر یہ مضمون مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے پہلے ہم کچھ اسی کا حال لکھیں گے اور بعد ازاں اُن کا۔

پس واضح ہو کہ سلطنت بہمنیہ کا بانی حسن نامی ابتدا میں ایک گمنام اور ایسا مفلس شخص تھا جو فخرالدین جونا المشہور محمد سلطان شاہ تغلق بادشاہ دہلی کے ایک نجومی برہمن کے پاس کہیں سے آکر نوکر ہوگیا تھا۔ اور دہلی کے پاس جو کچھ اُس کی زمین تھی اُس میں کاشت کاری کیا کرتا تھا اس جوتشی کا نام تاریخ فرشتہ میں کانکو برہمن لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے نو وارد مسلمان صحیح لفظ کان کبیج

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ برہمن کی جگہ اُس کو کانکو بہمن کہتے ہوں گے۔ اتفاقاً حسن مذکور کو اپنے مالک کی اس زمین میں ہل چلاتے ہوئے کچھ دفینہ مل گیا جو اُس نے اپنے آقا کی خدمت میں بے کم وکاست حاضر کر دیا۔ اس ایمان داری کے باعث سے وہ جوتشی اس کو اس قدر چاہنے لگا کہ تعریف و توصیف کر کے محمد شاہ کی سرکار میں نوکر کرا دیا اب حسن نے یہ ایک اور حق شناسی کی کہ بادشاہ کا ملازم ہو کر جو کسی قدر عروج پایا تو مُہمین اپنا نام ہی حسن کانکو بہمن کندہ کرا لیا۔ جب محمد شاہ تغلق نے دیو گڈھ واقع دکن کا نام دولت آباد رکھکر اُس کو ہندوستان کا دارالسلطنت بنانا چاہا تو یہ شخص بھی مثل اور ماتحت سرداروں کے قتلغ خاں اور ملک لاچین اُس کے ناتبوں کے پاس دیو گڈھ میں تھا اور جب اُس بادشاہ کی خبطیانہ اور ظالمانہ حرکتوں سے سلطنت میں خلل پیدا ہوا اور دکن میں بغاوت ہو گئی اور ملک لاچین مارا گیا۔ اور تغلقوں کی حکومت جاتی رہی تو اتفاقات وقت سے ۷۴۸ھ میں یہ شخص دکن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اور اپنے پہلے نام اور لقب پر علاء الدین کا لفظ بڑھا کر علاء الدین حسن کانکو بہمن کہلانے لگا۔ حسن آباد گلبرگہ اور احمد آباد بیدر (بدر) اس خاندان کے دارالحکومت تھے۔ اور اس گھرانے کے سترہ بادشاہ ایک سو ستر برس تک ممالک دکن کے فرماں روا رہے۔ گول کنڈا اور بیجاپور کے سوا ملک برار و خاندیس وغیرہ بھی اسی سلطنت میں داخل تھے۔

نظام شاہ بہمنی بارھویں بادشاہ سے لے کر اس خاندان کے اخیر شخص ولی اللہ شاہ بہمنی تک بادشاہی کا تو ایک نام ہی نام تھا۔ کیونکہ امرائے سلطنت اپنے اپنے متعلقہ صوبوں میں خود مختارانہ حکومتیں کرتے تھے۔ مگر آخر کار ۹۳۵ھ میں اُنھوں نے اُس نام کو بھی مٹا ڈالا۔ اور بیجاپور۔ گول کنڈا۔ برار۔ خاندیس وغیرہ میں خود اپنے اپنے نام سے جدا جدا بادشاہتیں قائم کر لیں۔ چونکہ اکبر کے وقت سے شاہجہاں کے زمانہ تک خاندیس و برار وغیرہ کی حکومتیں سب دہلی کی شہنشاہی میں جذب ہو چکی تھیں۔ اس لئے ہم اُن کا ذکر قلم انداز کرتے ہیں اور خاندانِ گول کنڈا اور بیجاپور کا حال لکھتے ہیں۔

گولکنڈا کے خاندان کا بانی سلطان قلی نامی ہمدان کا رہنے والا ایک ترک اور محمود شاہ بہمنی کا غلام تھا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا بڑھا کہ اس سلطنت کا وزیر ہو گیا۔ قطب الملک کا خطاب پایا۔ گول کنڈا کا "طرف دار" یعنی صوبہ دار بنا اور آخر کار (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) ۹۳۵ھ میں خود اپنے ہی نام سے سکہ و خطبہ جاری کر کے قطب شاہ بن بیٹھا۔ اس کی نسل کے چار بادشاہ ایک سو چھبیس برس تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب اس خاندان کا اخیر فرماں روا عبداللہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قطب شاہ ساٹھ برس بادشاہت کرکے مرگیا تو اُس کا داماد سید ابوالحسن معروف تانا شاہ اُس کا جانشین ہوا۔ ڈاکٹر برنیر اپنے بیان مندرجہ متن میں غفلت اور سُستی کا اشارہ اسی کی طرف کرتا ہے۔ اور فی الواقع یہ بادشاہ اپنے وقت کا راجہ اندر اور گویا عیش و عشرت کا پُتلا تھا۔ جس کے عیش و نشاط اور لطافت و نفاست مزاج کے فسانے اب تک زبان زد خلائق اور ضرب المثل چلے آتے ہیں چونکہ یہ اس قدر سست اور کاہل مزاج تھا کہ اپنی پندرہ برس کی حکومت کے زمانہ میں شہر حیدر آباد اور قلعہ گولکنڈا یا اپنے باغ میں جانے آنے کے سوا اس نے اپنے ملک کو کبھی سیر و شکار کی خاطر بھی جا کر نہ دیکھا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے سابقہ ہم جنسوں کی طرح آخر یہ بادشاہی بھی دہلی کی اعلیٰ سلطنت کا ایک جزو ہو گئی۔ یعنی جفاکش اور اولوالعزم شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنی عمر کے بہتر ویں سال مطابق ۱۰۹۶ھ میں شہر حیدر آباد کو اور بعد ازاں ۱۰۹۸ھ میں قلعہ گولکنڈا کو مدت کے محاصرے اور سخت حملوں کے بعد تانا شاہ سے چھین لیا۔ اور اس کی پچاس ہزار روپیہ سالانہ پنشن مقرر کرکے قلعہ دولت آباد میں نظر بند کر دیا۔

اسی طرح بیجاپور کی سلطنت کا بانی گرجستان کا رہنے والا محمد یوسف نام ایک دوسرا غلام تھا جس کو بعض خوشامدی مورخوں نے سلاطین آل عثمان یعنی روم کے ترک بادشاہوں کی نسل میں جا ملایا ہے اس کو شہاب الدین محمود بہمنی نے خریدا تھا جو خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ بیجاپور کا طرف دار اور آخر کار خود سر ہو کر عادل خاں سے عادل شاہ بن گیا۔ اسی کے پوتے ابراہیم عادل شاہ کی کتاب نورس پر ملا نورالدین ظہوری ترشیزی نے اپنی وہ فصیح و بلیغ نثریں جو خوبی و لطافتِ انشا کی وجہ سے ایران و ہندوستان میں اب تک متداول و مشہور اور سہ نثر ظہوری کے نام سے معروف ہیں لکھی تھیں۔ یہ سلطنت بھی ۱۰۹۷ھ میں اورنگ زیب نے چھین لی۔ اور سکندر عادل شاہ کو جو ایک لڑکا تھا اپنے امیروں کے ذیل میں داخل کرکے اور خان کا خطاب دے کر لاکھ روپیہ سالانہ گذارہ مقرر کر دیا۔ اگرچہ یہ دونوں گھرانے اخیر تک بادشاہ کہلاتے اور اپنے آپ کو خود مختار سمجھتے تھے۔ مگر سلاطین مغلیہ نہ تو ان کو خود مختار ہی مانتے تھے۔ اور نہ ان کے لقب شاہی کو ہی تسلیم کرتے تھے۔ اور ہمیشہ پیش کشوں اور نذرانوں کے متقاضی اور طلب گار اور وقت کے دستور کے موافق جائز و ناجائز حیلہ سے ان کو پامال کرنے کے لئے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔ اور خط و کتابت میں ان کے وہی اصلی خطاب قطب الملک اور عادل خاں اور الفاظ القاب اپنے نوکروں اور صوبہ داروں کی طرح لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کے القابوں کے نمونے یہ ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عنوان فرمان از طرف شاہجہاں بنام قطب شاہ ۱۰۴۵ھ

"ایالت و امارت پناہ ارادت و عقیدت دستگاہ عمدہ امجد کرام سلالۂ اکارم عظام نقاوۂ خاندان عز و علا عضادۂ دودمانِ مجد و اعتلا زبدۂ مخلصانِ صلاح اندیش خلاصۂ متخصصان سعادت کیش مورد الطاف شاہنشاہی مصدر آیات خیر خواہی جوہر مراۃ صفا و صفوت فروغ ناصیۂ دولت و رفعت سزاوار عاطفت بیکران المخصوص بعنایت الملک المنان قطب الملک مشمول عنایات پادشاہانہ بودہ بداند"

ایضاً بنام عادل شاہ بسنہ مذکور

"ایالت و شوکت پناہ عدالت و نصفت دستگاہ زبدۂ ارباب دول عمدۂ اصحاب مال خلاصہ مریدان عادل خاں بوفور عنایات بادشاہانہ مفتخر و مستظہر بودہ بداند"

بہمنیہ خاندان کے غلام اور متوسل بادشاہ (جیسا کہ برنیر نے لکھا ہے) سب شیعہ نہ تھے۔ مگر ہاں گولکنڈا اور بیجاپور والے ضرور شیعہ تھے۔ چنانچہ سلاطین مغلیہ ان سے کاوش کرنے کے لئے کبھی کبھی کسی مذہبی بحث کو بھی حیلہ بنا لیتے تھے مگر آخری وجہ گولکنڈا اور بیجاپور کی بربادی کے لئے یہ تھی کہ یہ لوگ سیواجی کے بیٹے سنبھاجی کو مدد دیتے تھے۔ اورنگ زیب نے بذات خود دکن میں پہنچ کر گولکنڈا بیجاپور۔ اور سنبھاجی تینوں پر ایک ہی زمانہ میں فوج کشی شروع کی تھی۔

راجہ رام راج کا ذکر جس طرح پر ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے وہ بھی درست نہیں ہے بلکہ (بقول سرمونٹ الفنسٹن صاحب) صحیح حال اُس کا یوں ہے کہ وہ خاص دکن میں (یعنی مدراس کی طرف) شہر بجے نگر میں ایک بہت بڑا زبردست راجہ تھا۔ بہمنیہ خاندان کے سب غلام بادشاہوں نے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے متفق ہو کر اُس کا ملک چھیننے کا ارادہ کیا اور پچیسویں جنوری ۱۵۶۵ء مطابق جمادی الثانی ۹۷۲ھ ہجری کو دریائے کرشنا کے کنارے تالی کوٹ کے قریب جانبین سے بڑے اہتمام اور جوش و خروش کے ساتھ ایک نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ جس میں یہ ضعیف العمر اور بہادر راجہ مغلوب ہو کر پکڑا اور مارا گیا۔ مگر اصل مطلب کے لحاظ سے نتیجہ اس کا فاتحوں کے حق میں چنداں مفید نہ ہوا۔ کیونکہ ملک مفتوحہ کی تقسیم پر باہم جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اور اس وجہ سے اس راج کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وہاں کے "پالی گار" یعنی زمیندار ہی اپنے اپنے علاقوں میں راجہ بن گئے۔ اور رام راج کے بھائی نے بجے نگر سے اپنی دارالریاست کو مشرق کی جانب منتقل کیا۔ اور آخر چندر گڑھی کو اپنی ریاست گاہ بنایا۔ جو مدراس سے شمال مغرب کی طرف سترہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور زمین کا وہ قطعہ جو انگریزوں نے اپنے کارخانہ کے لئے پہلے پہل مدراس میں لے کر آخر کار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سیواجی کی خودسری

سیواجی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اس سلطنت کی یہ حالت دیکھکر بہت سے قلعوں پر جو اکثر پہاڑوں کے اندر ہیں قابض ہو گیا ہے۔ اور خودسر بادشاہ کی طرح جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور شہنشاہ مغل اور شاہ بیجاپور جو کبھی اُس کو دھمکاتے ہیں تو اُن کی باتوں پر ہنس دیتا ہے۔ اور سورت سے لے کر گوا کے دروازے تک ملک تاخت و تاراج کرتا رہتا ہے۔ اور اگرچہ وقتاً فوقتاً بیجاپور کی ریاست کو سیواجی بڑے بڑے صدمے پہنچاتا رہتا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ ہری شخص عین وقت پر اُس کے کام بھی آجاتا ہے کیونکہ اورنگ زیب کو ہمیشہ اسی کی تاخت و تاراج کی فکر ہے اور اُس کی فوجیں ہمیشہ اس کے پیچھے لگی رہتی ہیں۔ اور اس طرح بیجاپور کا پیچھا چھوٹا رہتا ہے۔ اور سب سے مقدم کام یہی سمجھا جاتا ہے کہ سیواجی کی جڑ کس طرح اکھاڑی جائے سیواجی کو سورت میں جو کامیابی ہوئی ناظرین اُس کو پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد اس نے جنیرہ بارڈیز پر جو گوا کے نزدیک پرتگیزوں کی ایک بستی ہے۔ قبضہ کر لیا ہے[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

قلعہ سین جارج تعمیر کیا اسی شخص کی اولاد کے ایک راجہ سے ۱۶۴۰ء میں لیا تھا۔ س م ح

(ماخوذ از تاریخ فرشتہ۔ عالمگیرنامہ۔ مآثر عالمگیری۔ سیر المتاخرین۔ تاریخ۔ الفنسٹن۔ تاریخ خافی ذکاء اللہ)

[1] سیواجی کا مختصر حال جو ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے اس کو پڑھکر خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس عجیب بقیہ حاشیہ سیواجی شخص کا حسب و نسب کیا تھا۔ اور اس نے اس قدر اقتدار کس طرح پایا۔ اور اس کے متعلق جو واقعات برنیر نے لکھے ہیں اُن کی مفصل اور صحیح روداد کیا تھی۔

پس واضح ہو کہ انسائیکلوپیڈیا برطانیہ میں اس کو غیر صحیح النسب اودے پور کے رانا کی نسل سے (یعنی چھتری) لکھا ہے۔ مگر سر مونٹ الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی جن کی تحقیق اُدھر کی قوموں وغیرہ کے بارہ میں زیادہ بھروسہ کے قابل ہے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں سیواجی کے اُن تمام ہم قوم لوگوں کو جو مہاراشٹر[2] دیس کی سکونت کے باعث مرہٹے کہلائے عموماً شودر بتاتے ہیں۔ اور سیواجی کے حسب

---

[2] ہندوؤں کی حکومت کے قدیم زمانہ میں مہاراشٹر کا اطلاق ملک کے اُس وسیع قطعہ پر ہوتا تھا جو دریائے نربدا کے جنوب کی طرف قدیم زمانہ چیف کمشنری ناگپور اور ریاست حیدرآباد دکن اور پریزیڈنسی بمبئی کی مختلف حکومتوں میں منقسم ہے۔ چنانچہ خاندیس و برار و کوکن وغیرہ کے علاقے جو علی الترتیب مذکورہ بالا حکومتوں میں واقع ہیں۔ مہاراشٹر کے عام لفظ میں داخل تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی

ونسب کی حقیقت کو اس طولانی تمہید سے بیان کرتے ہیں کہ گولکنڈا بیجاپور اور احمد نگر کے مسلمان بادشاہوں کے وقت میں مرہٹوں کو قلعوں وغیرہ کے پیدل سپاہیوں میں نوکریاں ملا کرتی تھیں۔ مگر جب معلوم ہوا کہ جنگی سواروں میں بھی اچھی خدمت دے سکتے ہیں تو رسالوں میں بھرتی ہونے لگے اور ان میں سے ایسے لوگ جو ہمارے ملک کے دیہات میں چودھری اور نمبردار وغیرہ کہلاتے ہیں اور اس ملک میں اُن کے لقب پٹیل اور دیس مکھ وغیرہ ہوتے تھے موروثی عزت کے باعث سے رسالداریوں اور جمعداریوں کے عہدوں تک مامور ہو جاتے تھے منجملہ ان کے اگرچہ بعضوں نے قدر و منزلت بڑھانے کو راجپوت ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر الفنسٹن صاحب کی تحقیق میں قومیت کی حیثیت سے سارے ہی شودر تھے اور سولھویں صدی عیسوی سے پہلے نہ تو مرہٹے بطور ایک قوم ہی کے مشہور تھے۔ اور نہ ان میں کوئی ایسا سردار تھا جو پولٹیکل لحاظ سے نامور اور ذی اقتدار گنا جاتا ہو۔ مگر اس صدی کے آغاز میں اُن کے اقبال کا زمانہ اس طرح شروع ہوا۔ کہ ملک عنبر نے (جو احمد نگر والوں کے ہاں ایک مشہور اور نہایت زبردست امیر تھا) مرہٹوں کو اپنے سواروں میں زیادہ بھرتی کیا۔ چنانچہ اُس کی فوج میں لکھجی نامی ایک سردار نے (جس کو بطور اعزازی لقب کے جادو راؤ کہتے تھے) ایسی ترقی پائی کہ دس ہزار سواروں کی سرداری کے منصب پر سرفراز ہو گیا اور یہاں تک اقتدار حاصل کیا کہ شاہجہاں اور احمد نگر والوں کی لڑائی کے زمانہ میں جب اس نے شاہجہاں سے سازش اور موافقت کر لی تو ملک عنبر کی تقدیر اُلٹ گئی اور لڑائی ہار گیا الفنسٹن صاحب خیال کرتے ہیں کہ مرہٹوں میں اگر کسی کو راجپوت ہونے کا دعویٰ پہنچتا ہو تو البتہ یہ دعویٰ اسی کے گھرانے کو شایاں و سزاوار ہو سکتا تھا۔

کیونکہ دیوگڈھ (دولت آباد) کا وہ راجہ جو دکھنی راجاؤں میں سب سے بڑا تھا۔ اور جس سے مسلمانوں نے ملک دکن کو فتح کیا تھا۔ جادو بنسی ہی کہلاتا تھا اس لیے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص غالباً دیوگڈھ کے کسی قریب ضلع کا دیس مکھ اور جادو بنسی راجپوتوں کی نسل سے ہونے کے باعث جادو راؤ کہلاتا ہوگا۔ المختصر مالوجی بھونسلا سیواجی کا دادا اس کے متوسلوں میں ایک ایسا شخص تھا جو اگرچہ کسی قدر خاندانی اور ذی عزت گنا جاتا تھا مگر حیثیت اُس کی اس سے زیادہ نہ تھی کہ چند خود اسپہ سواروں سمیت اس کے ماتحتوں میں تھا۔ قضائے کردگار ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جادو راؤ کے یہاں کسی تہوار وغیرہ کی تقریب میں بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ جس میں مالوجی بھی اپنے پانچ برس کے بیٹے ساہو کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس محفل میں جہاں حسب معمول ہنسی خوشی کی باتیں ہو رہی تھیں اتفاقاً جادو راؤ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی۔

نے ساہوجی اور اپنی سہ سالہ لڑکی دونوں کو زانو پر بٹھا کر ہنسی اور پیار کے طور پر کہیں یہ بات کہدی کہ یہ دونوں بالک تو بنابنی بنانے کے قابل ہیں۔ جادورا و کا یہ کہنا تھا کہ مالوجی فوراً بول اٹھا کہ ساری سبھا گواہ رہے میرے بیٹے کا رشتہ جادوراؤ جی کی لڑکی سے ہوگیا! اگرچہ جادوراؤ اپنے خاندان و منصب کے غرور کے باعث مالوجی کے اس بڑے بول سے ایسا ناراض ہوا کہ دونوں کے باہم بدمزگی ہوگئی مگر مالوجی برابر اس سگائی کا دعویٰ کئے جاتا تھا۔ اور چونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں خوش قسمتی سے یہ بھی ایسا بڑھا کہ اُسی ریاست میں پانچ ہزار سواروں کی رسالداری کے منصب پر سرفراز اور صاحبِ جمعیت ہوگیا۔ اور مضافات ملک کوکن میں بمقام پونا۔ (جواب پریزیڈنسی بمبئی میں ایک مشہور شہر ہے) اس کو ایک بڑی سی جاگیر مل گئی جس میں چاکنداور سوپا کے دو قلعے بھی شامل تھے تو آخر کار لکھ جی جادوراؤ کو بھی یہ خواہ مخواہ کی سگائی کا دعویٰ ماننا ہی پڑا۔ اور ساہوجی کی شادی اُس کی بیٹی سے ہوگئی۔ جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک ونکاجی دوسرا سیواجی (جو ماہ مئی ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا)

جب شاہجہاں نے والیٔ بیجاپور کے اتفاق سے احمد نگر کی حکومت کو پامال کرکے ملک کو آپس میں بانٹ لیا اور منجملہ اس کے کوکن کا علاقہ بیجاپور کے حصہ میں آیا تو ساہوجی نے والی بیجاپور کی نوکری اختیار کرلی۔ اور اُس کی جاگیر واقع پونا بھی جو بیجاپور کے حصہ میں آگئی تھی بدستور اس کے قبضہ میں رہی اور وہ بیجاپور کی طرف سے کرناٹک میں ملک گیری کرتا رہا جس کے باعث سے میسور کے نزدیک بھی اُس کو ایک بہت بڑی جاگیر حاصل ہوئی جس میں بنگلور وغیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے۔

الغرض ونکاجی تو اپنے باپ کے ساتھ کرناٹک میں رہتا تھا۔ اور خرد سال سیواجی پونا میں۔ اُس زمانہ میں مرہٹے سردار خود تو ناخواندہ ہوتے تھے۔ اور اُن کے کاروبار کا انتظام اُن اہل قلم برہمنوں کے اختیار میں ہوتا تھا۔ جو دکن کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑے بڑے کارآمد عہدوں پر مامور ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ساہوجی کی اس جاگیر کا اہتمام اور سیواجی کی سرپرستی دادا جی کنڈو نامی ایک برہمن کو سپرد تھی۔ اُس وقت کے نوجوان مرہٹوں کو شہسواری۔ شکار بازی۔ اور نیزہ بازی وغیرہ سپاہیانہ ریاضتوں کے سیکھنے کا شوق ہوتا تھا۔ اور چونکہ پونا ایسی جگہ ہے کہ وہاں میدان اور پہاڑی ملک آپس میں ملتے ہیں تو ان سپاہیانہ شوق اور سیر و شکار کے سپاٹوں کے باعث سے سیواجی کے بڑے رفیق ابتداہی سے ایسے لوگ ہوئے جو یا تو اُس کے باپ کے سواروں میں بھرتی تھے یا گھاٹوں (یعنی کوہستان سیادری کے سلسلوں کے) پاس پڑوس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی

کے رہنے والے ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا کہ بعض ڈکیتی کی وارداتوں میں مخفی طور سے یہ اُن کا شریک بھی ہوتا رہا غرضکہ ان جفاکش اور مضبوط آدمیوں کی صحبت سے اور اُن دیہاتی راگوں (یعنی ساکھوں) کے سننے سے جن میں اس ملک کے بعض سورما لوگوں کی کہانیاں گائی جاتی تھیں اُس کی طبیعت میں بڑے بڑے خیال پیدا ہوتے۔ اور جب یہ آفت کا پرکالہ سولہ ۱۶ برس کی عمر کو پہنچا تو اپنے اتالیق دادا جی کے قابو سے بھی نکل گیا اور باپ کی جاگیر کے کاروبار میں خواہ مخواہ دخل دینے لگا۔ اور جب تھوڑے عرصہ بعد وہ برہمن بھی مرگیا۔ تو قلعہ چاکنہ پر قلعدار سے مل کر قبضہ کر لیا۔ اور قلعہ سوپا کو چھاپہ مار کر چھین لیا۔ اور وہ جفاکش پہٹے جوپونا کی سمت مغربی کے اُجاڑ علاقہ کے رہنے والے (اور ایک پرانے قصبہ ماہول متصل شولاپور کے قرب وجوار کی سکونت کی مناسبت سے) ماھولی کہلاتے تھے۔ اور بھیل اور کولی اور راموسی وغیرہ لٹیرے لوگوں کو جوپونا کے پاس ملک کوکن کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بستے اور مثل اُس کے سب بیجاپور کی رعایا تھے جمع کر کے آس پاس کے ملک کو کہ جہاں کے حالات سے سیر و شکار اور چوریوں ڈکیتیوں کی شرکت اور اُن لٹیروں کی رہنمائی سے یہ بخوبی واقف ہو چکا تھا لوٹنا شروع کیا اور کہیں زور سے کہیں تابعداری سے اور کہیں فریب اور مکاری سے محمد عادل شاہ فرماں روائے بیجاپور کی حکومت کے اخیر زمانہ میں بسبب حاکموں کی غفلت اور ضعف وغیرہ کے علاقہ کوکن کے بہت سے قلعوں پر اپنا دخل کر لیا۔ اور منجملہ انھیں حرکتوں کے ایک حرکت یہ بھی تھی کہ اپنے مقاصد کا مخالف سمجھکر ایک راجہ کو جوپونا کے جنوب میں اکثر پہاڑی علاقوں پر حکومت رکھتا تھا کسی حکمت سے قتل کرا دیا تھا۔ اور علی عادل شاہ کے ایام خردسالی میں باوجودیکہ اس کا باپ اور بڑا بھائی اُن کے نوکر تھے اور اُس کو ان حرکتوں سے بہت منع کرتے تھے علانیہ باغی ہو کر یہ عجیب داؤں کھیلا کہ سنہ ۱۶۹۹ء میں افضل خاں نامی اُن کے ایک بہت بڑے سردار کی خدمت میں جو اس کی سزادہی کے لئے فوج لے کر آیا تھا اور جس کی شجاعت اور زور و قوت سے فی الحقیقت یہ خائف تھا۔ یہ درخواست پیش کی کہ اگر خاں صاحب میرے حال پر ترس کھائیں تو مہربانی فرما کر میرا خوف اور اندیشہ دور کرنے کے لئے ایک جگہ لشکر سے اکیلے ہو کر تشریف لے آئیں اور اسی طرح میں بھی اکیلا ہی حاضر ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری معروضات سُن کر تسلی و تشفی فرما دیں گے تو فرماں برداری اور اطاعت سے مجھے کچھ عذر نہیں۔ چنانچہ جب اس قرارداد کے موافق خانصاحب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی :-

باریک ململ کا جامہ پہنے ہوئے۔ اور صرف شان و زیبائش کے لئے ایک سیف ہاتھ میں اٹھائے اور محض ایک خدمت گار ساتھ لئے ہوئے خراماں خراماں آگے کو بڑھے تو سیواجی بھی قلعہ پرتاب گڈھ سے سہمی صورت بنائے لرزتا کانپتا سامنے سے صرف ایک ہمراہی سمیت نظر آیا۔ اگرچہ ظاہر میں کوئی ہتھیار اُس کے پاس موجود نہ تھا۔ مگر ردئی کے دگلے کے نیچے زرہ پہنے اور ایک آب دار تیغہ چھپائے ہوئے اور انگلیوں پر فولادی کانٹے جس کو بگھ نوہ یعنی ناخن شیر کہتے تھے چڑھائے ہوئے تھا۔ افضل خاں نے اُس کو خوف زدہ دیکھکر اظہار عنایت کے لئے بغل گیر ہونے کو جوں ہی ہاتھ پھیلائے تو اُس نے چھپ سے فولادی پنجہ کو جو آستین میں چھپا ہوا تھا بڑے زور سے اُس کے پیٹ میں گڑو دیا۔ اور ہنوز وہ اس حرکت بیجا کے تعجب سے فارغ نہ ہوا تھا کہ بغل سے تیغہ نکال کر کام تمام کیا۔ اور خاں صاحب نے جو پنجہ کھاکر سیف کا وار کیا تھا وہ اس کی زرہ کے باعث سے کارگر نہ ہوا۔ اس کامیابی کے بعد اور اس دشوار گزار پہاڑی ملک میں جس کی حد سمندر تک منتہی ہوتی ہے وہ ایسا زبردست شخص ہو گیا کہ ۱۶۶۲ء تک اُس کے پاس سات ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل کی جمعیت ہو گئی تھی جن کی معاش کا مدار بہ نسبت مقرر تنخواہ کے زیادہ تر لوٹ کھسوٹ پر تھا۔ اور سمندر کے کنارہ تک معہ چند بندرگاہوں کے اپنی حکومت کو وسعت دے کر کچھ کچھ مغلیہ سلطنت کے علاقوں واقع دکن میں بھی غارتگری اور دست درازی شروع کر دی تھی اس لئے امیرالامرا شائستہ خاں صوبہ دار نے عالمگیر کے دوسرے سال جلوس میں دولت آباد سے فوج کشی کر کے قصبہ پونا اور چاکنہ کے مضبوط قلعہ کو سیواجی سے چھین لیا۔ مگر اس کے ناہموار اور پہاڑی ملک کی دشوار گذاری اور مرہٹوں کی سخت جفاکشی کی عادت سے شائستہ خاں کو حسب دل خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ سیواجی کے اس ابتدائی زمانہ میں اُس کے گروہ کے لوگ اور بھی زیادہ جفاکش ہوں گے مگر اس کے مرجانے کے بعد بھی مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ جب اورنگ زیب اپنے بڑھاپے کے دنوں میں گولکنڈا اور بیجاپور کو نیست و نابود کر کے مرہٹوں کے پیچھے دوڑ دھوپ کر رہا تھا تو الفنسٹن صاحب نے اس عالی ہمت بادشاہ کی ناکامی کی وجوہات کے ذکر میں مرہٹوں کی عادت جفاکشی کا بیان اس طرح پر لکھا ہے کہ "اُن کی سواری میں چالاک اور دوردم گھوڑے ہوتے تھے جن پر بجائے زین کے کمبل کے تہرو پر صرف ایک گدی سی کس لیتے تھے اور توڑہ دار بندوق اور ڈھال تلوار کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی :۔

علاوہ عموماً ایک لمبا برچھا رکھتے تھے خوراک و لباس میں اسی پر قناعت تھی کہ جوار کی ٹکیہ اور کچی پیاز اُن کی معمولی غذا تھی اور لباس میں ایک پگڑی چست جانگیہ اور ایک چھوٹی سی کملی! سوائے سرداروں کے خیمہ کسی کے پاس نہ ہوتا تھا اور لڑائی بھڑائی کے موقعوں میں مرہٹے سوار اپنے برچھوں اور بھالوں کو زمین میں گاڑ کر گھوڑوں کی لگامیں اپنے اپنے بازو سے باندھکر زمین پر پڑ رہا کرتے تھے" غرض کہ اس شعر کے مصداق تھے ۔شعر

" لنگے زیر لنگے بالا نے غم دزدے غم کالا "

(ایک لنگی نیچے ایک لنگی اوپر، نہ چور کا غم نہ اسباب کی فکر) نہ بار برداری کی ضرورت نہ کمسریٹ کی حاجت ۔اور ان کے مقابلہ میں مغلیہ فوجوں کی یہ صورت تھی کہ اگرچہ بہادری اور سپاہگری کی تو ان میں بھی کچھ کمی نہ تھی مگر عموماً یہ خرابی پھیلی ہوئی تھی کہ امیر سے لے کر سپاہی تک ساز و سامان بہت رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے لشکروں میں اہل خدمت اور اہل بازار وغیرہ کی یہ بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی کہ بھیڑ کے لوگ سپاہیوں سے دُنے گنے ہو جاتے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسد اور بار برداری دونوں کی نہایت ہی غیر ضروری احتیاج رہتی تھی اور اس کے باعث سے کہ چار و مقام میں وہ چستی و چالاکی جو مرہٹوں جیسے جفاکش اور سُبک بار دشمنوں کے مغلوب کرنے کیلئے خصوصاً ایسے پہاڑی ملک میں ضروری تھی ۔ان سے نہیں ہو سکتی تھی ۔بلکہ جہاں کہیں ان کا لشکر جا کر ٹھیرتا تھا رسد بار برداری کی ضرورتوں کی وجہ سے وہاں کے باشندوں پر ایک تباہی آن پڑتی تھی ۔

غرضکہ جب شائستہ خاں کو کامیابی نہ ہوئی تو مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور صوبہ دار گجرات کو بھی معہ اُس کی کل فوج کے مدد کے لئے بھیجا گیا۔ اگرچہ یہ بھی مدت تک مامور رہا مگر کوئی کارنمایاں اس سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ بلکہ اورنگ زیب کے جلوس کے چھٹے سال ۱۰۷۳ھ میں جب کہ شائستہ خاں پونا میں اُترا ہوا تھا سیواجی نے یہاں تک جسارت کی کہ ایک روز سرِ شام اپنے پہاڑی قلعہ سنگم نیر سے جو پونا سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ اور راستہ میں تھوڑے تھوڑے سپاہی اس خیال سے چھوڑتا آیا کہ اگر ضرورت پڑے تو کام آئیں اور خود صرف پچیس ۲۵ ماہولی مرہٹوں کو ساتھ لے کر ایک برات میں جو حسب اتفاق پونا کو جاتی تھی مل کر شہر میں داخل ہو گیا اور اس طرح پر شائستہ خاں کے چوکی پہروں کی مزاحمت سے بچ نکلا۔ چونکہ شائستہ خاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی :-

اُسی مکان میں رہتا تھا جس میں سیواجی نے پرورش پائی تھی - اور اس وجہ سے اُس کو اُس مکان کی کل حالت بخوبی معلوم تھی اس لئے اس کے ایک دروازہ سے جو پشت مکان کی طرف تھا - چپکے سے شائستہ خاں کی خواب گاہ میں جا گھسا اور یکایک اس طرح سے حملہ کیا کہ اس ہڑبڑاہٹ میں ایک کھڑکی کے راستہ نیچے کے مکان کی طرف کود کر بھاگتے ہوئے شائستہ خاں کی تو ایک انگلی کٹ گئی اور ابوالفتح اُس کا بیٹا مقابلہ میں مارا گیا - چونکہ سیواجی اپنے ارادہ کے موافق شائستہ خاں کو قتل یا گرفتار نہ کر سکا تو قبل اس کے کہ باہر کے پہروں والے اس حادثہ سے خبردار ہوں پھُرتی سے باہر نکل آیا - اور جوں جوں آگے بڑھتا گیا تو وہ لوگ جو راستہ میں بٹھائے ہوئے تھے ساتھ ملتے گئے اور صحیح و سلامت اپنے قلعہ میں جا داخل ہوا اور اس کامیابی کی اس قدر خوشی منائی گئی کہ چراغوں اور مشعلوں کی روشنی پادشاہی فوج کو پونا میں بخوبی دکھائی دیتی تھی سیواجی کے اس کارنامہ سے اُس کے اور اُس کی قوم کے حق میں ایک نہایت ہی مفید اثر پیدا ہوا - بادشاہ نے اس حادثہ کو امیر الامرا کی غفلت پر محمول کیا اور میر جملہ کی وفات کے باعث سے بنگالہ کی صوبہ داری پر بدل دیا اور اس کی بجائے شاہزادہ محمد معظم کو دکن کا صوبہ دار مقرر کر کے راجہ جے سنگھ کچھواھہ کو جو لیاقت اور دانائی میں مشہور اور ایک بڑا رکن سلطنت تھا راجہ جسونت سنگھ کی جگہ جس کی نسبت سیواجی کے ساتھ سازش رکھنے کا شبہ تھا اپنے جلوس کے ساتویں سال ۱۰۷۴ھ میں معہ دلیر خان و راجہ رائے سنگھ سودیہ اور اور دس بارہ ہندو اور مسلمان بڑے بڑے سرداروں کے چودہ ہزار سواروں کی جمعیت سے روانہ کیا - خلاصہ یہ کہ راجہ جے سنگھ نے اورنگ آباد پہنچ کر اول شاہزادہ سے ملازمت حاصل کی - اور بعد ازاں پونا میں جا کر راجہ جسونت سنگھ سے مہم کا چارج لیا اور قلعہ رودر مال وغیرہ خصوصاً سیواجی کے کلاں تر قلعہ پورن دھر کہ جس میں اُس کا بہت سا ساز و سامان اور چار ہزار لڑاکے سپاہی اور تین ہزار اور مرد و عورت اور بعض عزیز و اقارب اور کتنے ہی کارآزمودہ افسر موجود تھے زور شور سے دلیر خاں اور کیرت سنگھ نے گھیر لیا سیواجی جو اُس وقت قلعہ راج گڈھ میں معہ اہل و عیال خود موقعہ جنگ سے قریب ہی تھا حملہ آوروں کی شجاعت و لیاقت کے باعث پورن دھر کے بچاؤ سے مایوس ہو گیا اور مجبور ہو کر عجز و نیاز کا اظہار شروع کیا جس کے جواب میں راجہ نے یہ کہلا بھیجا کہ اگر مجرموں کی طرح ہتھیار کھول کر حاضر ہو جائے تو اس کی اطاعت قبول کی جائے گی غرض کہ جب وہ ۱۰۷۵ھ عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی ۔

اس طرح حاضر ہوگیا تو راجہ نے اُس کی بہت خاطر کی اور اول قلعہ پورن دھر کو جو قریب الفتح ہوگیا تھا معہ کل سامان جنگ وغیرہ اُس سے لے کر آخر ان شرائط پر صلح کرلی کہ ملک کوکن کے پینتیس قلعوں میں سے جو اس وقت اُس کے قبضہ میں تھے تیئیس قلعے معہ بندر چیول اور علاقہ جات جمعی دس لاکھ ہن[1] کے سرکار پادشاہی میں آگئے ۔ اور باقی ماندہ بارہ قلعے معہ علاقہ جمعی ایک لاکھ ہن سیواجی کے پاس چھوڑے گئے اور اُس کے ہشت سالہ بیٹے سنبھاجی کے نام پنج ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب عطا ہوگیا اور سیواجی نے یہ بھی قبول کرلیا کہ اس نواح میں اگر کوئی مہم پیش آئے گی تو بذات خود پادشاہی فوج میں شامل ہوکر خدمت کروں گا ۔ غرض کہ جب شرطیں طے ہوچکیں اور سنبھاجی بھی راجہ کے لشکر میں پہنچ گیا تو سیواجی کو جو بغیر ہتیار باندھے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ جے سنگھ نے اپنے سامنے ہتیار بندھوا دئے ۔ اور خلعت دے کر عزت کے ساتھ رخصت کردیا ۔ اور چونکہ راجہ کو اسی جگہ سے بیجاپور پر فوج کشی کرنے کا حکم آگیا تھا ۔ اس لئے سیواجی بذات خود معہ پندرہ سو سواروں اور سات ہزار پیادوں کے اس مہم میں کام دیتا رہا اور اگرچہ اس سے کچھ عرصہ بعد اُس نے اول سنبھاجی کو عالمگیر کے دربار میں بھیج دیا اور راجہ

لفظ ہن پر حاشیہ درحاشیہ ۔ [1] ہندوستان کے ساحل مغربی وجنوبی پر ملک کا وہ تنگ اور طولانی قطعہ جس کو کنہڑ کہا جاتا ہے اور شمال کی طرف علاقہ کوکن سے شروع ہوکر جنوب کی سمت میسور کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنہڑی کہتے ہیں ہن یا ہونو سونے کو کہتے ہیں اور اس جگہ اس سے سونے کا سکہ مراد ہے ۔ اور تعجب نہیں ہے کہ فارسی اور بھاشا میں جو سین اور ہا و ہوز کہیں کہیں (مثل آماسیدن و آماہیدن ۔ سوماہ وماس ۔ وڈہ ۔ ودس باہور دسور ۔ ولوس ولپوہ و بیاس وبیاہ وغیرہ) باہم بدل جایا کرتے ہیں اسی طرح اس لفظ میں سونے کا سین ہونو کی ہے سے بدل گیا ہو ۔ اگرچہ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے ممالک دکن میں سکہ رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا ۔ لیکن ٹھیک طور پر یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بدھ مت والوں کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے اُن سکوں کا عام نام کیا تھا ۔ مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں اُس خاندان کے راجاؤں نے جن کو ڈاکٹر ہیڈی صاحب چالوکیہ لکھتے ہیں جب اودھ سے جاکر دکن میں اپنی پادشاہی قائم کی تو منجملہ اُن علامتوں کے جو بطور اپنے نشان کے وہ سکوں وغیرہ پر لگاتے تھے وبراہ کی تصویر جو سنسکرت میں سور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی :۔

جسونت سنگھ کی معرفت جان وعزت کی حفاظت اور حسن سلوک کا وعدہ لے کر اور اپنی جگہ فوج کی سرداری پر اپنے داماد کو راجہ کے پاس چھوڑ کر دربار جشن سالانہ کے موقعہ پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے بطور جریدہ اکبرآباد کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہ مدارات ہوئی کہ کنور رام سنگھ پسر راجہ جے سنگھ اور مخلص خاں نامی ایک اور امیر اُس کو استقبال کرکے دربار جشن میں لاتے اور بادشاہ کے حضور میں اُس کے کھڑے ہونے کو بقول صاحب عالمگیر نامہ جگہ بھی ایسی معقول دی گئی کہ جو امرائے خاص کے لئے تھی اور اُسی دن کچھ اور اعزاز واکرام بھی ہونے والے تھے اور یہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر دربار رکھکر عزت وتوقیر کے ساتھ رخصت کر دیا جائے گا۔ مگر اس اکھڑ مزاج شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہ جو بعض مورخوں کے نزدیک تیسرے درجہ کے امیروں یعنی پنج ہزاری کے منصب والوں کے لئے مقرر تھی۔ اور دوسرے رسوم درباری کچھ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوئیں کہ اُس نے کنور رام سنگھ کو علیحدہ لے جاکر اُسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب عالمگیر نامہ جو "توقعات بے جا ومقاصد دور از کار وخیال ہائے خام" پکائے ہوئے تھے۔ نہایت رنجیدگی سے اُن کا اظہار کیا۔ اگرچہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اُس کو مارے رنج وغیرت کے دربار میں غشی ہوگئی تھی۔ مگر یہ قول کچھ معتبر نہیں معلوم

بقیہ حاشیہ درحاشیہ لفظ حصن۔ کو کہتے ہیں خواہ ویراہ اوتار کی مناسبت سے یا کسی اور وجہ سے) اُن کے سکہ پر منقش ہوا کرتی تھی۔ چونکہ اس خاندان کی شاہانہ حکومت مدراس۔ حیدرآباد دکن۔ اور بمبئی کے ایک بہت بڑے حصہ پر تقریباً آٹھ نو سو برس تک بڑی شان وشوکت سے قائم رہی تو اس وجہ سے اُس ملک میں ان کا سکہ عموماً ویراہا مشہور تھا۔ اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً ۱۲۵۰ء میں جاتی رہی تھی مگر اس ملک کے سونے کے سکہ پر لفظ ویراہا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا چنانچہ کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی نے جو لویں صدی ہجری مطابق ۱۴۴۱ء میں سلطان شاہ رخ ولی خراسان کی طرف سے راجہ دیورائے کے پاس (جس کو چلوکیہ خاندان سے کچھ تعلق نہ تھا) اس کی دارالحکومت وجی نگر میں سفارت پر آیا تھا اپنی کتاب مطلع السعدین ومجمع البحرین میں وجے نگر کے عظیم الشان راجہ کے سکہ کا نام ویراہا ہی لکھا ہے اور وزن اس کا ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) بتایا ہے۔ اغلب ہے کہ جب مسلمانوں کی حکومت دکن ومدراس میں قائم ہوئی تو ویراہ (سور) کے لفظ کو مکروہ سمجھکر اس سکہ کو اُس کی جنس کے نام سے بجائے ویراہا کے ہن کہنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ فی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی :-

ہوتا۔ کیونکہ صاحب عالمگیر نامہ کو اس کے چھپانے کی بحسب ظاہر کچھ ضرورت نہ تھی۔ المختصر بادشاہ نے اس حرکت سے ناراض ہو کر بغیر اُن مراسم اعزاز و عنایات کے جو اُس کے لئے تجویز ہوئے تھے حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور کنور رام سنگھ کو جو اُس کے معاملات میں متوسط تھا یہ ارشاد ہوا کہ اُس کو اپنے ڈیرے کے پاس (جو شہر سے باہر تھا) اُتار کر نگرانی کرتا رہے۔ اور اُس کے بیٹے سنبھاجی کو جو منصب پنج ہزاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا رہے اور اُس کے بھاگ جانے کے اندیشہ سے فولاد خاں کوتوال کو حکم ہوا کہ اُس کے ڈیرہ کے اردگرد پہرے لگاوے۔ اور راجہ جے سنگھ کو جس کی وساطت سے وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اُس کے معاملہ میں جو مناسب جانے رپورٹ کرے۔ اس عرصہ میں اگرچہ سنبھاجی دربار میں حاضر ہوتا رہتا تھا مگر سیواجی کو ایسا ہراس غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اُس کے دماغ سے نکل گئی اور امرا کے پاس جا جا کر گڑگڑانے لگا۔ اسی اثنا میں راجہ جے سنگھ کا جواب بھی آگیا کہ چونکہ میں اس کے ساتھ عہد کر چکا ہوں اور بیجاپور کی مہم میں مشغول ہوں اگر درگذر کی جائے تو اس میں میری بھی سرخ روئی ہے۔ اور کاروبار مہم کے لئے بھی یہ امر مناسب اور قرین مصلحت ہے۔ اس پر بادشاہ نے اُس کی خطا معاف کر دی۔ اور پہرے اٹھوا دیئے اور سنبھاجی پر بھی کچھ اور زیادہ اظہار عنایات ہونے لگا۔ اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اُس کو بھی حاضر دربار ہونے کی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ لفظ ہن۔ زمانہ بجارا کے سونے کے سکہ کو عموماً طلا کہتے ہیں۔ غرضکہ دکن میں زمانہ دراز سے ہندوؤں کے مختلف العلامت سونے کے سکوں کا نام ہن ہے۔ مگر اقوام یورپ اور اہل اسلام کے سکوں کی طرح ان پر صاحب سکہ کا نام اور سال و مقام ضرب نہیں ہوتا اس لئے ان سے علم تاریخ کے لئے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور اگرچہ ان سکوں کا مقدار وزن کسی قدر مختلف رہا ہے اور ایک بڑے مقدار کا سکہ رام ٹنکہ کے نام سے بھی معروف ہو چکا ہے۔ مگر اکثر یہ وزن اس سکہ کا قریب ایک ثلث مروجہ اشرفی کے رہا۔ چنانچہ ایک ہن جو ہمارے کرم فرما مولوی چراغ علی خاں صاحب بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام نے معہ بعض کوائف تاریخی متعلقہ سکہ ہن کے حیدرآباد دکن سے بھیجا ہے۔ اس کا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے اس کی رو کی طرف تین ہندوانی مورتیں ہیں جن میں سے ایک بیچ کی بڑی اور دو آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ہیں اور پشت کی جانب صرف باریک باریک دانے یا نقطے سے ہیں اور اس کا قطر انگریزی دوانی سے کچھ کم ہے اور اسی طرف سے یہ کسی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی ۔

اجازت دے کر باعزاز واکرام رخصت کردیا جائے گا۔ مگر سیواجی کو اپنی سابقہ اور حالیہ حرکتوں کے باعث اور بادشاہ کے "قہر وغضب" کے اندیشہ سے ایسی بے قراری تھی کہ جب اُس نے دیکھا کہ پہرے اُٹھ گئے اور کنور رام سنگھ نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگرانی میں کوتاہی کی تو ستائیسویں صفر ۱۰۷۶ھ مطابق سال نہم جلوس عالمگیری کو بھیس بدل کر آگرہ سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی قابو میں نہ آیا۔ اور جب آٹھ نو مہینے کے بعد خدا جانے کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بیٹے کی تلاش اور تعاقب کرنے والوں سے جان بچا کر ماہ دسمبر ۱۶۶۶ء میں راج گڈھ واپس جا پہنچا۔ تو اُس کے معاملات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اُس نے تیرھویں سال جلوس مطابق ۱۰۸۰ھ میں نہ صرف بندر سورت کو ہی لوٹا اور جلایا بلکہ اکثر قلعے وغیرہ بھی جو اُس سے چھین لئے گئے تھے اُن پر بھی پھر قابض ہوگیا۔ اور چونکہ وہ کسی طرح بادشاہی فوجوں کے قابو میں نہ آتا تھا اورنگ زیب نے دق ہوکر اس مناسبت سے کہ اُس ملک کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چوہے بہت کثرت سے ہوتے ہیں اُس کا نام "موش کوہی" رکھ دیا تھا۔

اُس نے عالمگیر کے جلوس کے تیئسویں سال میں چوبیسویں ربیع الثانی ۱۰۹۰ھ کو (حسب قول مصنف آثر عالمگیری) و (بقول الفنسٹن صاحب پنجم اپریل ۱۶۸۰ء کو ترپین برس کی عمر میں راج گڈھ میں جو اُس کا دارالریاست تھا انتقال کیا۔ اُس کی موت کا باعث آثر عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ "کہیں سواری سے آکر شدت گرمی سے دو دفعہ خون کی قے کی اور مرگیا" اور انسائیکلو پیڈیا میں اُس کا مرنا ذات الصدر کی بیماری میں اور مرہٹوں کی تاریخ میں مرنے سے پہلے وجع المفاصل

بقیہ حاشیہ در حاشیہ لفظ ہن ۔ قدر محدب یعنی کچھ اُبھرا ہوا ہے اور ایک اور ہن جو ہمارے کرم فرما کرنل سی ایچ ۔ ٹی ۔ مارشل صاحب بہادر نے حیدر آباد ہی سے بھیجا ہے اُس سے چھوٹا ہے۔ اور اس کے نقوش بھی اُس سے مختلف ہیں ۔ یعنی رد کی طرف گرڈ پرندہ (نیل کنٹھ) بنایا ہوا ہے اور اُس کی دونوں چونچوں اور دونوں پنجوں میں ہاتھی لٹکتے ہیں ۔ اور پشت کی جانب سنسکرت کے کچھ حروف ہیں اور بحسب ظاہر اُس کی شکل اُس نقشہ کے مطابق پائی جاتی ہے جو ڈاکٹر ہمڈی نے راجہ دیورائے وجے نگر والے کے ایک سکہ کا اپنے مضمون کے خاتمہ میں چھاپا ہے ۔ جب پرتگیزوں، ڈچوں، انگریزوں نے ہندوستان کے جنوبی و مغربی ساحل پر ابتداءً دخل پایا۔ تو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ سیواجی۔
یا نقرس کے باعث سے گھٹنوں کے درد اور تپ میں اُس کا مبتلا ہونا لکھا ہے۔

انتقال کے وقت اُس کی حکومت چار سو میل طول اور ایک سو بیس میل عرض کے قطعہ زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور راج تلک کی رسم باقاعدہ اور آزادانہ طور پر بڑی شان و شوکت سے ادا کر کے خود سر راجہ بن چکا تھا۔ جس کو چھٹی جون ۱۶۷۴ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی انگریزی کے کارخانہ بمبئی کے ایک ایجنٹ نے جو مبارکباد دینے کے لئے ایلچی بن کر گیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور اُس نے ایک ایسی مستقل اور دیرپا حکومت قائم کرلی تھی اور اپنی قابلیت اور تدبیروں سے پولٹیکل اغراض کو مذہبی تعصبات کا رنگ چڑھا کر اور سادہ لوح لوگوں کو ایسے اشارے اور کرشمے دکھا کر جس سے معلوم ہو کہ اُس کے حال پر دیوی دیوتاؤں کی طرف سے بھی دیا کی نگہ ہے۔ جیسا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں ہوتا رہا ہے اپنے ملک کے بھوکے اور جاہل باشندوں میں ——— سپاہیانہ اُمنگ اور مذہبی جوش پیدا کر دیا اور اپنے ملک کے گم نام باشندوں کا پیش رو بن کر اُن کو بہادر اور جنگ جو قوم مرہٹہ کے نام سے ہندوستان کی تاریخ میں نامور اور مشہور کر دیا۔ اور ایک ایسی بنیاد ڈال گیا جو اُس کے پیچھے آنے والوں کے لئے مغلیہ سلطنت کے ضعف کے زمانہ میں ملک و حکومت حاصل کرنے میں بہت ہی کارآمد ہوئی۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ لفظ ہُن۔ بعض راجاؤں کے ہنوں پر مندر کی صورت مضروب دیکھکر انھوں نے بجائے پہلے ناموں ویرا ہا یا ہُن کے عموماً اس کا نام پیگوڈا رکھدیا۔ جس کو بعض انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ بت کدہ کی خرابی بتایا ہے۔ لیکن بارٹال ہیمونامی ایک یورپین محقق سیاح نے جو مدراس میں ۱۷۷۶ء سے لے کر ۱۷۸۹ء تک رہا تھا اُس کی اصل یہ بتائی ہے کہ بعض پتر بھگوتی یا بھگودی (دیوی) کی تصویر ہوتی تھی۔ اس وجہ سے اُس کو بھگونتیہ یا بھگودتیہ کہتے تھے تو ان نو وارد فرنگیوں نے اس کو پیگوڈا بنا لیا۔ بہرحال حیدر نایک اور اُس کے بیٹے سلطان ٹیپو کے زمانہ میں بھی ہُن مضروب ہوتے تھے جو بہادری اور سلطانی ہُن کہلاتے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی دکن کی ٹکسالوں میں بھی برابر ۱۸۱۸ء تک پیگوڈا مضروب ہوتے رہے ——— انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔ سرکاری حساب کتاب اور لین دین میں بھی بجائے روپیہ کے پیگوڈا ہی کا چلن تھا مگر ۱۸۱۹ء سے حکام انگریز نے آخر کار بجائے اُس طلائی سکہ کے روپیہ کو تمام ہندوستان کے لئے سکہ رائج الوقت قرار دیدیا اور ویرا ہا۔ ہن۔ پیگوڈا۔ سب متروک ہو کر اُن کے نام کتابوں میں لکھنے کو رہ گئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

عالمگیر نامہ وغیرہ فارسی تاریخوں میں جو اُس کے مخالفوں کی لکھی ہوئی ہیں جہاں اُس کی مکاری اور غارت گری اور فن و فریب وغیرہ کی ہجو لکھی ہے اُسی کے ساتھ اُس کی چستی و چالاکی اور بے حد دلاوری و جرأت کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ بہ لحاظ اُس وقت کے اُس کا ملکی اور فوجی انتظام دونوں عمدہ تھے۔ کہ اُس کی حکومت کا کل زمانہ مسلسل لڑائیوں اور پولٹیکل سازشوں کا ایک ایسا منظر ہے کہ جس میں وہ ایک نہایت ہوشیار جنرل اور ایک قابل مگر مکار مدبر کی سی لیاقتیں ظاہر کرتا رہا۔ اور ہر ایک خوفناک ضرورت کے وقت خواہ وہ کیسے ہی انتہا درجہ کی اور یکایک پیش آئی ہو اُس کی شجاعت و جرأت میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ بلکہ فی الفور اُس کا ایسا تدارک کرتا جو عین موقع اور وقت کے موافق ہوتا۔ اور کسی جان جوکھوں میں پڑتے وقت موت و زندگی کی اُس کو مطلق پروا نہ ہوتی تھی۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت ممی الدین اورنگ زیب عالمگیر بہادر اور سیواجی مہاراج اپنے اپنے طور پر دونوں ہی عجیب و غریب شخص تھے اور اگرچہ مختلف قالبوں میں ڈھلے ہوئے تھے مگر مادہ ایک ہی تھا۔ س م ح

بقیہ حاشیہ در حاشیہ لفظ ہُن۔

ماخوذ از

خط مولوی چراغ علی خاں صاحب بہادر
عہدہ دار گورنمنٹ نظام
چٹھی مسٹر چارلس راجرس صاحب سابق پرنسپل مشنری نارمل سکول
امرتسر حال از جیولاجی کل سرویر۔
رسالہ ڈاکٹر بیڈی صاحب سرجن میجر و سپرنٹنڈنٹ عجائب خانہ مدراس
مندرجہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مطبوعہ ۱۸۸۳ء جلد ۳۲
حصہ اول نمبر اوّل۔

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شاہ جہاں کی وفات

میں ابھی گولکنڈا ہی میں تھا کہ شاہجہاں کے انتقال کی خبر سنی گئی اور یہ بھی سننے میں آیا کہ اورنگ زیب نے باپ کے مرنے کا بڑا غم کیا اور سوگ کی وہ تمام رسوم کیں جو بیٹے کو باپ کے ماتم میں کرنی چاہئیں۔ وہ فوراً آگرہ کو روانہ ہوگیا۔ اور وہاں پہنچنے پر بیگم صاحب نے بڑی دھوم سے اُس کا استقبال کیا اور کمخواب کے تھان لٹکا کر بادشاہی مسجد سجائی گئی۔ اور اسی طرح وہ مکان بھی سجایا گیا جہاں قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ اور جب محل میں پہنچا تو شاہزادی نے ایک بڑا سا سونے کا تھال جواہرات سے بھرا ہوا نذر کیا جن میں سے کچھ تو شاہجہاں کے متروکہ تھے اور کچھ اُس نے اپنے پاس سے پیش کئے تھے۔ بہن کی طرف سے گرم جوشی اور محبت کا برتاؤ دیکھکر اورنگ کا بھی دل پسیج گیا۔ اور اُس نے اُس کی گذشتہ باتوں سے درگذر کی۔ اور اُس وقت سے اُس کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے پیش آتا ہے[1]

---

[1] شاہجہاں کی وفات کا احوال جو کچھ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ اس قیدی بادشاہ کو بارھویں رجب ۱۰۷۵ھ کو حبس بول کا وہی پُرانا عارضہ جس کو مرض الموت کہنا چاہئے پھر لاحق ہوا۔ حکیم مومنا می شیرازی نے جو اُس وقت کے شاہی طبیبوں میں ایک مشہور شخص تھا۔ ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ اسہال وغیرہ کئی طرح کے اور عوارض پیدا ہوکر زندگی سے یاس ہوگئی۔ جب یہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو باپ کی آخری زیارت کو دلی سے آگرہ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ پادشاہی کوچ و مقام کے لئے دستور سلطنت کے موافق نہایت بھاری سامانوں کی ضرورت تھی اس لئے باوجود تاکید اختصار سامان کے بھی چند روز کا توقف ہونا ضروری تھا۔ اس وجہ سے اپنے بڑے بیٹے محمد معظم کو اپنی روانگی سے پہلے احتیاطاً جلدی سے روانہ کردیا۔ ابھی شاہزادہ آگرہ سے سات کوس اس طرف ہی تھا کہ شاہجہاں پر حالتِ نزع طاری ہوگئی۔ اور چھبیسویں رجب شب یک شنبہ کو آدھی رات سے پہلے انتقال ہوگیا۔ بیچاری مصیبت زدہ بیگم صاحب نے جو باپ کے ایام قید میں ایک وہی اُس کی غم خوار اور رنج و راحت کی شریک تھی رعد انداز خاں قلعدار اور بھلول خواجہ سرا کو جو قیدی بادشاہ اور قلعہ کے محافظ تھے مکان معروف غسل خانہ میں طلب کرکے اور اُن کی معرفت اُسی وقت قلعہ کے دروازوں کی کھڑکیاں کھلوا کر غسل و کفن کی تیاری کے لئے سید محمد قنوجی کو جو بڑے عالم اور درویش مسلک تھے۔ اور اس قید کے زمانہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اورنگ زیب میری نظر میں

اب میں اپنی تاریخ کو ختم کرتا ہوں جن جن ذریعوں سے اورنگ زیب نے یہ عروج اور اقتدار حاصل کیا یقیناً ناظرین اُن کو بہت ناپسند کریں گے۔ کیونکہ وہ حقیقتاً بے رحمانہ اور نامنصفانہ تھے۔ لیکن شاید یہ ناانصافی ہوگی کہ ہم اُن کو اُسی سخت نظر سے جانچیں جس سے اپنے ملک یورپ کے شاہزادوں کے افعال کو جانچتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک میں جانشینی کے لئے معقول قواعد مقرر ہیں اور بڑے بیٹے کے سوا کوئی جانشین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان میں باپ کے بعد شاہزادوں میں سلطنت کے لئے ہمیشہ جھگڑا ہوتا ہے۔ اور ان دو بے رحمانہ باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یا سلطنت کی خاطر خود قربان ہو جائیں یا بھائیوں کو قربانی بنائیں۔ تاہم اُن لوگوں کو بھی جو ملک کے دستور اور رسم خاندان اور تعلیم و تربیت کے اثر کے عذر کو قبول نہیں کرتے یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ اورنگ زیب کو خدا نے غیر معمولی عقل و فکر اور ذہانت و تدبیر عطا کی ہے اور یہ کہ وہ بڑا ہی مدبر اور عالی شان بادشاہ ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- میں اکثر شاہجہاں کی صحبت میں رہا کرتے تھے مجھ ملا فریان قاضی دارالخلافہ آگرہ قلعہ میں بلوا لیا۔ چنانچہ آدھی رات کے وقت جب وہ دونوں حاضر ہوئے تو قضائے روزہ و نماز کے عوض (اگرچہ بقول صاحب عالمگیر نامہ اُس کی نماز و روزہ کبھی قضا نہ ہوئے تھے) برسم "استقاط" اول بہت سا روپیہ خیرات کیا گیا۔ اور بعد ازاں برج مثمن سے کہ جہاں انتقال کیا تھا لاش کو اٹھا کر ایک قریب کے مکان میں غسل و کفن دے کر صندل کے تابوت میں رکھا گیا۔ اور برج مثمن کے نیچے کا دروازہ جو مسدود کیا ہوا تھا کھلوا کر اُس کے راستہ سے اور فصیل بیرونی کے اس دروازہ سے جو اُس کے محاذی تھا جنازہ کو باہر لائے اور ہوشدار خاں صوبہ دار نے بادشاہی ملازموں کے ساتھ "آئین شائستہ" (یعنی مراسم اعزاز و احتشام شاہانہ کے ساتھ) علی الصباح جمنا کے کنارے جا پہنچایا۔ اور دریا سے پار ہو کر سید محمد قنوجی۔ قاضی قربان وغیرہ علماء و صلحا نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور آسی کی زوجہ ممتاز الزمانی ارجمند بانو بیگم معروف بہ تاج محل کے مقبرہ میں کہ جس کا حال اس کتاب کے بعض اور مقامات میں مفصل درج ہے دفن کر دیا۔ لکھا ہے کہ اورنگ زیب کو جب باپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو بہت رویا اور سوگواری کی اور مہینوں کے علاوہ اُس نے اور تمام اہل دربار نے جیسا کہ اب بھی ہندوستانی ریاستوں میں دستور ہے سفید لباس پہنا۔ اور کشتی کے ذریعہ آگرہ پہنچ کر زیارت قبر کے وقت بھی بہت گریہ و بکا کیا۔ اور مجالس مولود اور ختم و فاتحہ جیسا کہ بادشاہوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = کی وفات کے موقعہ پر دستور تھا منعقد کر کے دھوم دھام سے خیر و خیرات کی۔ اور اپنی غم زدہ بڑی بہن بیگم صاحب کے پاس بھی کئی بار قلعہ میں گیا۔ اور نہایت تسلی و تشفی کی بلکہ اس قدر بڑھکر خاطر و مدارات کی کہ تمام اہل دربار کو حکم دیا کہ اُن کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر نذریں پیش کریں۔ چنانچہ جب ایسا ہی ہوا تو بیگم صاحب نے بھی جو دریا دلی اور فیاضی میں مشہور اور بڑی ہی سیر چشم شاہزادی تھی تمام اہل دربار کو عموماً منصب داری سے منصب تک بھاری بھاری خلعت مرحمت کئے اور اس کے بعد جب اورنگ زیب پھر ملنے کو گیا تو رسم پائے انداز و رسم نثار بجا لا کر ایک نہایت قیمتی پیش کش جس کا بزیر نے اشارہ کیا ہے نذر کیا۔ اگرچہ صاحب عالمگیر نامہ اس امر کو نہیں لکھ سکتا تھا کہ شاہجہاں کا جنازہ شاہانہ احتشام سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور ایسے سادہ طور سے دفن کیا گیا جو اُس کے مرتبہ کے شایاں نہ تھا اور یہ عمل خواہ عالمگیر کے حکم سے ہوا ہو خواہ قلعہ دار و صوبہ دار کی کم فہمی سے مگر صاحب عمل صالح نے اس امر کو بہت ہی رنج و افسوس کے ساتھ عبرت ناک الفاظ میں جتایا ہے۔ چونکہ شاہزادہ محمد معظم (جو جب بیان مندرجہ عالمگیر نامہ) شاہجہاں کے انتقال کے وقت آگرہ سے صرف سات کوس کے فاصلہ پر موجود تھا اور ابھی پہنچا بھی نہ تھا کہ جنازہ بہت سویرے ہی دفنا دیا گیا۔ تو اس سے مصنف عمل صالح کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اورنگ زیب کے جلوس کے آٹھویں سال ۱۰۷۵ھ کے ماہ رجب میں بیچارے شاہجہاں نے جو ہندوستان کے نہایت نیک نام بادشاہوں میں سے تھا۔ چھہتر برس تین مہینے ستائیس دن کی عمر میں بحساب قمری اور تین دن کم چوہتر برس کی عمر میں بحساب شمسی قلعہ آگرہ میں آٹھ برس کے قریب قید رہ کر قید ہستی سے رہائی پائی۔ جس میں سے اکتیس برس دو مہینے تیئیس دن بحساب قمری اور تیئیس برس چار مہینے اٹھارہ دن بحساب شمسی تخت نشین رہا۔

صاحب عالمگیر نامہ نے اس کے سالِ انتقال کی نسبت اپنی تصنیف کی ہوئی ایک تاریخ لکھی ہے جس کو ہم بھی پُر مضمون سمجھکر اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

چوں شاہجہاں خدیو قدسی ملکات — برخاست بعزم عقبیٰ از تخت حیات
جستم از عقل سال تاریخش را — گفتا خردم "شاہجہاں کرد وفات"

۱۰۷۵ھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ضمیمہ

شیور کول[1] برٹ وزیر فرانس کے نام برنیئر کا خط

خداوند من ممالک ایشیا میں امرا اور حکام کی خدمت میں کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ چنانچہ شہنشاہ مغل[2] کے دامن قبا کو بوسہ دینے کا اعزاز جب مجھکو حاصل ہوا تو میں نے بھی نذر کے طور پر جو تعظیم کی ایک علامت ہے آٹھ روپیہ پیش کئے تھے۔ اور ایک نائف کیس[3]۔ ایک کانٹا اور کہربا کے دستہ کا ایک قلم تراش خان کی نذر کیا تھا۔ کیونکہ یہ نامور شخص

---

[1] یہ عالی منزلت شخص جس کا پورا نام جی ان بیپ ٹسٹ کولبرٹ ہے اور مارکوئس آف سگنی کے خطاب سے مخاطب تھا فرانس کے وزرا میں ایک ایسا نامور مدبر سلطنت گذرا ہے کہ ایسے لائق و فائق وزیر کم ہوتے ہیں ۱۶۱۹ء میں بمقام پیرس پیدا ہوا تھا اور کہتے ہیں کہ اس کے بزرگ دراصل اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے تھے اور کسی اتفاق سے فرانس میں جا بسے تھے اس کا

[2] شاہان مغلیہ جو جلال و عظمت اور تزئین کے اظہار کے لئے دیوان عام کے شہ نشین میں زمین سے کئی ہاتھ بلند ہو کر تخت پر بیٹھتے تھے دامنِ قبا وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم اُن کے دربار میں نہ تھی چنانچہ بعض سفیروں کے حاضر دربار ہونے کے چشم دید حالات جو خود مصنف نے اسی کتاب میں لکھے ہیں اُن سے بھی یہی ظاہر ہے کہ ایسا دستور نہ تھا اور درحالیکہ برابر کے بادشاہوں کے سفیروں کو بھی اس قدر قرب نصیب نہ ہو تو غریب برنیر کو یہ رتبہ کہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اُس وقت دربار فرانس میں کوئی ایسی تعظیمی رسم ہوگی جس کے لحاظ سے مصنف نے شرف یابی کے اس عام مطلب کو مجازاً ان الفاظ خاص میں استعمال کیا ہوگا یا ایک ایسے مسلمان بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی رسم کو جس کے درباری آداب و رسوم سے مصنف کے ہم وطنوں کو واقفیت نہ تھی اس وجہ سے ان لفظوں میں بیان کیا ہوگا کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں اُن کی آستین

---

[3] نائف کیس — غالباً پیش قبض کا میان ہوگا۔ س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وزرائے سلطنت میں سے تھا۔ بڑے بڑے کام اس کے متعلق تھے اور طبیبوں کی ذیل میں میری تنخواہ کا تجویز کرنا اسی کی رائے پر منحصر تھا۔ اگرچہ میری یہ مجال نہیں ہے کہ فرانس میں کسی نئی رسم کو جاری کروں۔ لیکن جب کہ میں ہندوستان سے مدت کے بعد ابھی واپس آیا ہوں تو یہ امر خلاف توقع ہے کہ میں اُس دستور کو جس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں ایسی جلدی سے بھول جاؤں۔ پس اگر میں اپنے بادشاہ کے حضور میں جس کا ادب میرے دل میں بہ نسبت اورنگ زیب کی تعظیم کے اور ہی قسم کا ہے یا اُس کے وزیر کی خدمت میں جو فاضل خاں کی نسبت بہت زیادہ ادب کا مستحق ہے بغیر ایک حقیر پیش کش کے جو پیش کرنے والے کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی ندرت کے اعتبار سے قابل قدر و قیمت ہے حاضر کرنے میں تامل کروں تو مجھے امید ہے کہ معاف کیا جاؤں گا۔

ہندوستان کا گذشتہ انقلاب جو عجیب و غریب حادثوں پر مشتمل ہے ہمارے عظیم الشان[1] بادشاہ کی توجہ کے لایق ہے۔ اور یہ عریضہ جس میں ایسی بڑی بڑی باتیں مندرج ہیں اُس کا ملاحظہ فرمانا اُس رتبہ کے شایان ہے جو آپ کو دربار شاہی میں حاصل ہے اور بے شک اُس کا ایسے ہی شخص کی خدمت میں پیش کیا جانا زیبا تھا جس کی خوش تدبیری سے سلطنت

---

[1] بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور اس صفحہ کے اُن الفاظ سے جن پر خط ہے۔ اور بادشاہ اور وزیر دونوں کو علیحدہ علیحدہ نذریں دینے کی مندرجہ صدر تمہید سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کا یہ پہلا حصہ جس میں شاہ جہاں کے بیٹوں کی لڑائیاں اور انقلاب سلطنت کے واقعات لکھے ہیں اپنے بادشاہ کو نذر کیا اور یہ خط اُس کے وزیر کو۔ س۔م۔ح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ نمبر۱۔ دادا شراب کا سوداگر تھا۔ مگر اس کا باپ کچھ عرصہ کے بعد یہ شغل چھوڑ کر ملازم پیشہ ہو گیا تھا۔ کولبرٹ نے تحصیل علوم و فنون کے بعد اپنے برادر نسبتی کے ذریعہ جو اُس وقت فرانس کا (سنٹر آف سٹیٹ) یعنی وزیر السلطنت تھا۔ امور سلطنت میں دخل پایا۔ اور رفتہ رفتہ حسن لیاقت اور کارگذاری اور ایمان داری کے باعث لوئیس چہاردہم کا جو اُس وقت کے یورپین بادشاہوں میں نہایت ہی نیک نام بادشاہ تھا وزیر ہو گیا۔ اس خوش تدبیر شخص نے اپنے عہد وزارت میں انواع و اقسام کی ایسی عمدہ اصلاحات کیں اور ایسے مفید قاعدے اور قانون جاری کئے کہ جن سے حقیقتاً اُس کی قوم اور سلطنت کو بڑی ناموری اور ترقی حاصل ہوئی۔ (انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کا) س۔م۔ح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ نمبر۲۔ وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم تھی جن کے تاریکی حالات سے اہل یورپ اکثر واقف تھے س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے بہت سے صیغوں کا جو میرے جانے کے وقت ناقابل علاج حالت میں پڑے ہوئے تھے نہایت عمدہ طور پر انتظام ہوگیا ہے۔ اور جس نے اپنی کوشش اور محنت سے ہمارے بادشاہ کی شان و عظمت کو تمام عالم میں پھیلا دیا اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ فرنچ قوم اُن باتوں کو کس قابلیت سے عمل میں لاتی ہے جو اُس کے فوائد اور نام آوری کی خاطر تجویز کی جائیں۔

خداوندمن۔ میں ہندوستان سے بارہ برس کے بعد واپس آیا ہوں۔ اور میں وہیں تھا کہ فرانس کی خوش حالی اور اُس نیک نامی کی شہرت بخوبی سُن لی تھی جو آپ نے اپنی غیر منقطع توجہ اور نمایاں قابلیتوں سے اس کو ترقی دینے میں حاصل کی ہے۔ اگرچہ فرانس کی خوش حالی اور آپ کی نیک نامی کا دلچسپ مضمون میں بڑے شوق و رغبت سے لکھتا۔ لیکن تمام عالم جن باتوں کا پہلے ہی معترف اور مداح ہو وہ میرے بیان کی محتاج نہیں ہیں اس لئے بہتر ہے کہ اپنے وعدہ کے موافق صرف وہی غیر معلوم اور نئی باتیں لکھکر نذر کروں جن سے ہندوستان کی واقعی حالت کا نقشہ کسی قدر آپ کے خیال عالی میں آسکے اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی زیادہ تر اسی کو پسند فرمائیں گے۔

ہندوستان کی وسعت ممالک ایشیا کے نقشوں سے ظاہر ہے کہ سلطنت مغلیہ جو سلطنت ہند کے نام سے مشہور ہے کتنا وسیع ملک ہے۔ اگرچہ میں نے قواعد مساحت کے موافق صحیح طور پر پیمائش نہیں کی لیکن ایک معمولی منزل کی مسافت کا اندازہ کرکے اور یہ دیکھکر کہ گول کنڈے کی سرحد سے غزنین بلکہ اُس سے بھی پرے قندھار کے قریب تک جو سلطنت ایران کا پہلا شہر ہے تین مہینے کا سفر ہے یہ حساب لگایا گیا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں ڈیڑھ ہزار میل سے کم فاصلہ نہیں ہے۔ یعنی جس قدر پیرس اور لائنیس میں فاصلہ ہے اُس سے پانچ گنا سمجھنا چاہیے۔

ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزیں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس ملک کا ایک بڑا حصہ نہایت زرخیز ہے۔ مثلاً ایک بنگالہ ہی ایسا ہی ہے جو نہ صرف گیہوں اور چاول وغیرہ اشیائے محتاج کی پیداوار کے لحاظ سے مصر سے افضل ہے بلکہ بہ لحاظ ریشم روئی اور نیل وغیرہ بے شمار تجارتی جنسوں کی پیدائش کے بھی جو مصر میں پیدا نہیں ہوتیں اُس سے کہیں بڑھکر ہے اس کے سوا ہندوستان کے اور حصے بھی بخوبی آباد ہیں اور زراعت بھی خاصی ہوتی ہے اور اگرچہ یہاں کے اہل حرفہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بالطبع کاہل ہیں مگر تاہم کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً قالین۔ کمخواب چکن۔ کارچوبی اور زردوزی وغیرہ کے کام اور دوسرے قسم کی ریشمی اور سوتی چیزیں جو ملک کے اندر برتی جاتی یا باہر بھیجی جاتی ہیں بناتے رہتے ہیں۔

غیر ملکوں سے سونے چاندی کی ہندوستان میں درآمد

یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ سونا چاندی دنیا میں پھر پھرا کر جب ہندوستان میں پہنچتا ہے تو یہیں کھپ جاتا ہے۔ چنانچہ امریکہ سے جو روپیہ آکر فرنگستان کے ملکوں میں پھیلتا ہے اُس میں سے کسی قدر تو اُن چیزوں کے مبادلہ میں جو ٹرکی (روم) سے آتی ہیں مختلف ذریعوں سے ٹرکی میں چلا جاتا ہے۔ اور کسی قدر بندرگاہ سمرنا کے راستے سے ایران میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے ریشم فرنگستان میں آتا ہے۔ اب ٹرکی کا یہ حال ہے کہ وہاں کے لوگ قہوہ کے بغیر نہیں رہ سکتے جو یمن سے آتا ہے۔ اور ٹرکی اور یمن اور ایران تینوں کو ہندوستان کی چیزوں کی ضرورت رہتی ہے۔ پس اس طرح پر بندر مخا میں جو بحر احمر کے کنارے باب المندب کے قریب ہے اور بصرہ میں جو خلیج فارس کے سرے پر ہے اور بندر عباس میں جو جزیرہ ہرمز کے نزدیک ہے ان ملکوں سے روپیہ آتا ہے اور یہاں سے اُن جہازوں کے ذریعہ سے جو ہر سال ہوائے موافق کے موسم میں ہندوستان کا مال لے کر ان مشہور بندرگاہوں میں آتے ہیں ہندوستان میں پہنچ جاتا ہے یہ بھی ملحوظ ہے کہ ہندوستانیوں، ڈچوں، انگریزوں اور پرتگیزوں کے تمام جہاز جو ہر سال ہندوستان کا مال پیگو۔ تناسرم (دھناسری) سیام۔ سیلان۔ آچین۔ مکاسر۔ جزائر مالدیپ موزم بیق وغیرہ مقامات کو لے جاتے ہیں وہ بھی اُس کے مبادلہ میں سونا چاندی ہی لاتے ہیں اور یہ بھی اُس روپیہ کی طرح جو بندر مخا۔ بصرہ۔ اور بندر عباس سے آتا ہے یہیں رہ جاتا ہے۔ اور جو سونا چاندی ڈچ لوگ جاپان کی کانوں سے نکالتے ہیں اُس میں سے بھی تھوڑا بہت کسی نہ کسی وقت یہاں آجاتا ہے اور جو روپیہ براہ راست فرانس اور پرتگال سے آتا ہے وہ بھی شاذ و نادر ہی یہاں سے پھر باہر جاتا ہے کیونکہ اُس کے عوض بھی مال و اسباب ہی دیا جاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ ہندوستان کو تانبا، لونگ۔ جائپھل۔ دارچینی وغیرہ چیزوں اور ہاتھیوں کی ضرورت رہتی ہے کہ جن کو ڈچ۔ فرنگستان۔ جاپان۔ ملاکا اور سیلان سے لاتے ہیں۔ اور سیسہ بھی باہر ہی سے آتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ جس میں سے تھوڑا سا انگلستان سے انگریز بھیجتے ہیں اور فرانس سے بانات اور دوسری چیزیں آتی ہیں اور غیر ملک کے گھوڑوں کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ جو ہر سال پچیس ہزار سے زیادہ ملک ازبک (ترکستان) سے اور بہت سے قندھار کے رستے ایران سے۔ اور بندر مخا اور بصرہ اور بندر عباس کی راہ سے اتھوپیا (حبش) اور عرب اور فارس سے آتے ہیں۔ اسی طرح بہت سا تر و خشک میوہ سمرقند۔ بلخ۔ بخارا۔ اور ایران سے آتا ہے مثلاً سردے۔ سیب۔ ناشپاتی اور انگور جو کثرت سے دہلی میں خرچ ہوتے ہیں۔ اور جاڑے بھر بڑی قیمت پر بکتے رہتے ہیں اور بادام۔ پستہ۔ فندق۔ زردالو۔ خوبانی۔ کشمش وغیرہ جو بارہ مہینے ملتے ہیں۔ اسی طرح کوڑیاں جزائر مالدیپ سے آتی ہیں جو بنگالہ اور دوسرے مقامات میں بجائے پیسے دھیلے وغیرہ کم قیمت سکوں کے مستعمل ہیں۔ اور عنبر جزائر مالدیپ اور موزمبیق سے آتا ہے۔ اور گینڈے کے سینگ اور ہاتھی دانت اور غلام اتھوپیا سے اور مشک اور چینی کے برتن چین سے اور موتی بحرین اور ٹوٹی کارن سے جو سیلان کے نزدیک ہے آتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ان چیزوں کے بدلے سونا چاندی نہیں جاتا کیونکہ جو سوداگر یہ جنسیں لاتے ہیں وہ اس میں زیادہ فائدہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے مبادلہ میں یہاں کی جنسیں ہی اپنے ملک کو لے جائیں۔ پس اگرچہ ہندوستان میں غیر ملکوں سے قدرتی یا مصنوعی چیزیں آتی ہیں مگر وہ دنیا بھر کے سونے یا چاندی کے ایک بڑے حصہ کی جو بہت سے ذریعوں سے یہاں آتا ہے۔ یہیں رہ جانے میں روک نہیں ہیں۔ اور پھر وہ بمشکل ہی یہاں سے کہیں کو واپس جاتا ہے۔

شہنشاہ مغل کی دولتمندی کے ذرائع

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی امیر و منصب دار چھوٹا یا بڑا مرتا ہے تو اُس کی جائداد سرکار بادشاہی میں ضبط ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھکر یہ امر ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین مکانات اور باغات کے سوا جن کے فروخت وغیرہ کی اجازت بعض اوقات رعایا کو دیدی جاتی ہے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس تمام بیان سے میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگرچہ سونے چاندی کی کانیں یہاں نہیں ہیں مگر تاہم سونا چاندی یہاں کثرت سے ہے اور یہ کہ شہنشاہ مغل جو اس ملک کے ایک بڑے حصہ کا مالک ہے اُس کا محاصل بے شمار اور وہ نہایت ہی دولت مند ہے۔ لیکن باوجود اس کے بہت سے ایسے اسباب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی ہیں جو مقابلتاً اُس کی دولت مندی کے نقصان کے باعث ہیں۔ مثلاً ملک کے بہت سے وسیع حصے جن سے ہندوستان کی شہنشاہی مرکب ہے۔ خشک پہاڑوں اور ریت کے بیابانوں سے کچھ ہی اچھے ہیں۔ طریق زراعت بھی خراب ہے۔ اور آبادی بھی بہت ہی کم ہے۔ اور قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ کاشت کاروں کی قلت کی وجہ سے جو اکثر مکاسم کی بدسلوکی سے تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں خالی پڑا رہتا ہے[1]۔ چنانچہ یہ بیچارے غریب آدمی جب اپنے سخت گیر اور لالچی حاکموں کی خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے تو نہ صرف اُن کے رزق کا ذریعہ ہی چھین لیا جاتا ہے بلکہ اُن کے بال بچے بھی پکڑ کر لونڈی غلام بنا لیے جاتے ہیں۔ اور یہ بیچارے اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی قدر آرام سے دن کاٹنے کے لئے شہروں یا لشکر گاہوں میں چلے جاتے اور حمالی سقائی یا سائیسی وغیرہ کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں اور بعضے کسی راجہ کے علاقہ میں جہاں یہ ظلم و ستم کسی قدر کم دکھائی دیتے ہیں[2]۔ اور یہاں کی نسبت کچھ آرام پاتا ہے بھاگ جاتے ہیں۔ اور اس سلطنت میں بہت سی تو میں ایسی بھی آباد ہیں جن پر بادشاہ

---

[1] جیسا کہ راجپوتانہ میں اب بھی ہے۔ س م ع

[2] یہ بات بالکل سچ ہے۔ چنانچہ اُن اسباب کے بیان میں جن کے باعث کوچ بہار کی فتح کے بعد اُس علاقہ کی۔ رعایا نے بغاوت کی اور اپنے بھاگے ہوئے راجہ پیم نرائن کو واپس بُلا کر پھر قائم کر لیا خود صاحب عالمگیر نامہ نے بضمن واقعات ۱۰۷۲ھ مطابق سال چہارم و پنجم جلوس اورنگ زیب جو کچھ لکھا ہے مزید وثوق کے لئے ہم اس جگہ بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔

"دایں سانحہ بدان جہت وقوع یافت کہ چمعے کہ بہ نظم و نسق مہمات مالی آں ولایت متعین گشتہ بود بمقتضائے مصلحت وتدبیر برخلاف دستورے کہ در ممالک محروسہ بادشاہی معمول است شروع در جمعبندی آں ولایت و مطالبت اموال از رعیت نمودند۔ ازآں جا کہ زمینداران مملکت ہندوستان بمقتضائے تدبیر بجہت تسخیر قلوب و استمالت رعایا کہ سرازربقۂ اطاعت و مال گذاری نہا برندارند در مقابل زمینداری خویش مساہلہ دانند مال بکاری برند و دستور و قانونے کہ در ممالک محروسہ معمول است بعمل نمی آرند و پیم نرائن نیز برین دستور عمل می کرد کہ رعایائے آں جا از وقوع آں معاملہ و قرار آں دستور کہ از آئین معہود آں دیار بعید بود و بایستے بتدریج سمت ظہور و استمرار گیرد متوحش و نفور گشتہ خواہان پیم نرائن شدند و اور بالضرور آمدن از کوہستان و تحریک سلسلہ فساد ترغیب نمودند و ہمگی اہل آں دیار بہ او پیوستند و دگر بارہ او را بحکومت دریافت برگزیدہ بر سر محمد صالح نام یکے از منصب داران بادشاہی کہ در موضع کنڈل باڑی بود رسیدند س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی کامل حکومت نہیں ہے اور اکثر اُن میں سے ایسی ہیں جن کا رئیس خود انھیں میں کا ایک شخص ہے اور صرف اُس وقت خراج ادا کرتے ہیں جب کہ سلطنت کی طرف سے کچھ زور ڈالا جاتا ہے۔ اور اُن میں سے اکثر تو بہت تھوڑا خراج دیتے ہیں۔ اور بعض کچھ بھی نہیں دیتے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دنیا تو کیا اُلٹا کچھ لیتے رہتے ہیں۔ مثلاً وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو سرحد ایران پر ہیں شاہ و نادر ہی ایران یا ہندوستان کو کچھ خراج دیتی ہیں۔ ایسا ہی حال بلوچستان اور اور پہاڑی قوموں کا ہے جو شہنشاہ مغل کو بجز قدرِ قلیل کچھ نہیں دیتیں اور اپنے آپ کو تقریباً خودسر اور آزاد سمجھتی ہیں اور اُن کی خودسری اور آزادی اس سے ثابت ہے کہ شہنشاہ مغل نے جب قندھار کے محاصرہ کی غرض سے کابل جانے کے لئے مقام اٹک سے کوچ کیا (جو دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے) تو اُن قوموں نے پہاڑوں سے اُن میدانوں میں آب رسانی کے ذریعے مسدود کر دیئے جو شاہراہ کے متصل تھے اور جب تک بادشاہ سے انعام حاصل نہ کر لیا۔ جو خیرات کے نام سے عنایت کیا گیا تھا فوج کا آگے بڑھنا ناممکن سا بنا دیا۔ پٹھان لوگ بھی بڑے سرکش ہیں اور یہ وہ مسلمان قوم ہے جو پہلے بنگالہ[1] کی جانب گنگا کے کنارے آباد تھی اور مغلوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے اکثر مقامات میں اُن کو بہت قوت حاصل تھی۔ خصوصاً دہلی[2] میں اُن کا بہت ہی زور تھا۔ اور اُس کے قرب و جوار کے بہت سے راجہ اُن کے خراج گذار تھے۔ اس قوم کے ادنیٰ شخص یہاں تک کہ ایسے لوگ بھی جو سقائی کر کے گذران کرتے ہیں دلیر اور سپاہی منش ہیں۔ اور جب کسی بات کی صداقت پر زور دینا چاہتے ہیں تو اُن کا یہ معمولی مقولہ ہے "کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو دہلی کا تخت مجھے نصیب نہ ہو" یہ ہندو اور مغل دونوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے پہلے رتبہ اور اقتدار کو یاد کر کے مغلوں سے (جنھوں نے ان کے بزرگوں کو اُن کی بڑی بڑی ریاستوں سے بے دخل کر دیا اور دہلی اور آگرہ سے دور پہاڑوں کی جانب نکال دیا) سخت نفرت کرتے ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض بعض پہاڑوں میں چھوٹے چھوٹے رئیس بن بیٹھے ہیں مگر کچھ زیادہ طاقت ور نہیں ہیں۔

شاہ بیجاپور بھی خراج نہیں دیتا بلکہ اپنے ملک کے بچانے کے لئے شہنشاہ ہندوستان

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ شیر شاہ سوری کی سلطنت سے مراد ہے۔

[2] لودھیوں کی سلطنت سے مراد ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے ہمیشہ لڑتا رہتا ہے۔ لیکن اُس کے ملک کی حفاظت کا ذریعہ صرف اُس کی فوج ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی خاص حالتیں ہیں۔ مثلاً اُس کا ملک آگرہ اور دہلی سے جو شہنشاہ مغل کے دارالسلطنت ہیں بہت فاصلہ پر ہے۔ اور شہر بیجاپور بذات خود بھی ایک مستحکم مقام ہے اور قرب وجوار کے ملک میں گھاس اور پانی کی کمیابی اور خرابی کی وجہ سے حملہ آور فوج کو آسانی کے ساتھ وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔ اور بہت سے راجہ خود اپنے بچاؤ کی خاطر غنیم کے حملہ کے وقت اپنی اپنی فوجیں لے کر اُس کی مدد کو آجاتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ سیواجی نامی ایک مشہور شخص نے خاص شاہی عمل داری میں گھس کر بندر سورت کو جو دولت مندی کے لحاظ سے ایک مشہور جگہ ہے خوب لوٹا اور جلایا۔ اور یہ چال چل کر بیجاپور کو عین ضرورت کے وقت بادشاہی فوجوں کے زور اور غلبہ سے بچالیا۔

ان باتوں کے علاوہ شاہ گول کنڈا بھی جو ایک دولت منداور طاقتور بادشاہ ہے مخفی طور پر اُس کو روپیہ پیسے سے مدد دیتا رہتا ہے۔ اور سرحد پر ہمیشہ اس غرض سے فوج متعین رکھتا ہے کہ ایک تو اپنے ملک کی حفاظت کرے اور دوسرے اگر بیجاپور پر زیادہ زور پڑے تو اُس کو بھی مدد دے سکے۔ الغرض جو لوگ شہنشاہ مغل کو کچھ خراج نہیں دیتے اُن میں تنہا سے[1] زیادہ اچھے طاقتور ہندو راجہ بھی شامل ہیں جن کی ریاستیں دہلی اور آگرہ سے کوئی دور کوئی نزدیک تمام سلطنت کے اندر جا بجا پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں سے پندرہ

---

[1] فی زمانا ہندوستان کے چھوٹے بڑے ہندو اور مسلمان والیان ملک جو ملکہ معظمہ کوین وکٹوریہ قیصر ہند کے ظل عاطفت شاہنشاہی میں گورنمنٹ ہند کی پولیٹیکل نگرانی کے نیچے ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے علاقوں میں فرماں روائی کا اختیار رکھتے ہیں چار سو پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں بعض سے گورنمنٹ انگریزی قابل برداشت اور معینہ طور پر کچھ سالانہ خراج لیتی ہے۔ اور بعض سے کچھ بھی نہیں بلکہ جن کی ریاستوں کی بقا اور قیام کے لئے اپنی بے نظیر فیاضی سے شہنشاہی سرکار نے اُن کے بے اولاد ہونے کی حالت میں عموماً متبنیٰ کر لینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ باعتبار رقبہ کے پانچ لاکھ میل مربع زمین اور پانچ کروڑ رعایا پر ان کی حکومت ہے۔ اور فوج ان کل ریاستوں کی شمار میں تین لاکھ پینتالیس ہزار ہے۔ مگر باقاعدہ اور کام کے لائق اور مختلف الکیفیت ہونے کی وجہ سے بھی زیادہ تر ہے۔ اور بمقابلہ اس کے کل سلطنت ہند کا رقبہ معہ ملک برہما مفتوحہ جدید (مگر باستثناء بلوچستان و نیپال و بھوٹان کی ریاستوں کے جن کی پیمائش اور مردم شماری ابھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یا سولہ تو بہت ہی دولت مند اور زبردست ہیں خصوصاً رانا اودے پور (جو کسی وقت ان راجاؤں کا شہنشاہ خیال کیا جاتا تھا اور جس کو راجہ پورس کی نسل سے بتاتے ہیں) اور جے سنگھ اور جسونت سنگھ ایسے ہیں کہ اگر یہ تینوں اتفاق کرلیں تو شہنشاہ کے لئے بے شک خطرناک ثابت ہوں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک بیس ہزار سوار لڑائی کے لئے ہر وقت مہیا کر سکتا ہے اور وہ بھی ایسے عمدہ کہ ہندوستان میں کوئی اُن کے مقابلہ کا نہیں ہے۔ یہ سوار راجپوت کہلاتے ہیں جس کے معنی ہیں راجاؤں کی اولاد سپاہ گری ان کا آبائی پیشہ ہے اور اس شرط پر اُن کو جاگیریں ملتی ہیں کہ ہمیشہ گھوڑے پر سوار راجہ کی رفاقت میں رہیں۔ یہ لوگ بڑے جفاکش ہیں اور اگر لڑائی کے فن کی تعلیم دی جائے تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ نہیں ہوئی) پندرہ لاکھ میل مربع اور قریب چھبیس کروڑ کے مردم شماری ہے پس اس حساب سے منجملہ کل رقبہ سلطنت کے مذکورہ بالا ہندوستانی والیانِ ملک کے قبضہ میں ایک ثلث زمین ہے۔ اور کل مردم شماری میں سے پانچویں حصہ سے کچھ کم ان کی رعیت ہے اور گورنمنٹ ہند کی آمدنی جو ۱۸۵۶ء کی بجٹ کی رو سے چھپن کروڑ روپیہ ہے اس کے مقابلہ میں ان سب ریاستوں کی آمدنی من کل الوجوہ قریب ایک چوتھائی کے ہے۔ مگر گورنمنٹ انگریزی کی چھپن کروڑ سالانہ آمدنی خزانہ میں وہ کروڑوں روپیہ شامل نہیں ہے جس کو لوکل فنڈ لوکل ریٹ میونسپل فنڈ وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جس کا مقصود یہ ہے کہ جس شہر یا ضلع سے جن مقاصد مخصوصہ رفاہ رعایا کے لئے لیا جاتا ہے اُنھیں مقاصد اور اُنھیں مقامات کے سوا اور کسی اور مقام میں صرف نہیں کیا جاتا۔ البتہ چھپن کروڑ روپیہ کی رقم ایسی ہے کہ سرکار جس طرح چاہتی ہے اُس کے خرچ کی تفریق کرتی ہے۔ مگر ہندوستانی ریاستوں کی طرح اُس میں سے بھی خزانہ سلطنت میں پس انداز اور جمع کچھ نہیں کیا جاتا۔ سال بھر جس قدر آتا ہے۔ اُسی قدر رعایا کی بہتری اور انتظام سلطنت کے کاموں میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔ اور برخلاف شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانہ کی طرزِ حکومت کے جس میں ریاستوں کی رعایا تاہی رعیت سے زیادہ آرام پاتی تھی اب گورنمنٹ انگریزی کی رعایا زیادہ خوش حال اور فارغ البال ہے س م ح

لہ یہ وہی شخص ہے جس کا نام نظامی نے سکندر نامہ میں پور لکھا ہے جو ایک زبردست راجہ تھا جس کا راج کوہ کمایوں سے لے کر قنوج تک تھا اور جو ستلج کے شمالی کنارہ پر سنہ مسیحی سے تین سو اٹھائیس برس پہلے متقدونیا کے مشہور و معروف بادشاہ سکندر اعظم سے لڑ کر مغلوب ہو گیا تھا۔ اور سکندر کی سلطنت ہندوستان میں قنوج تک ہو گئی تھی۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہایت ہی عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں۔ یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ شہنشاہ مغل مسلمانوں کے "سنی" فرقہ میں سے ہے جیسے کہ ترک لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام کا سچا خلیفہ عثمان کو جانتے اور عثمانی[1] کہلاتے ہیں۔ مگر دربار کے امرا زیادہ تر ایرانی ہیں جن کا مذہب شیعہ ہے اور اس امر کے معتقد ہیں کہ برحق خلیفہ علی تھے۔ ان باتوں کے سوا شہنشاہ مغل اس ملک میں اجنبی ہے۔ کیونکہ وہ تیمور کی نسل سے ہے جو اُن مغلوں کا سردار تھا جو ممالک تاتار سے آئے تھے۔ اور جس نے (ایک ہزار چار سو ایک میں ہندوستان کو تخت و تاراج اور فتح کیا تھا اس لحاظ سے گویا دشمنوں کے ملک میں یا کم سے کم ایسے ملک میں جہاں ایک مغل بلکہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سیکڑوں ہندو موجود ہیں قوت قائم رکھنے اور سرحد پر ازبکوں اور ایرانیوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے اُس کو صلح کے زمانہ میں بھی ایک بڑی فوج تیار رکھنی پڑتی ہے۔ جس میں یا تو اس ملک کے باشندے بھرتی ہیں جیسے راجپوت اور پٹھان۔ یا اصل مغل اور وہ لوگ۔ جو اگرچہ مغل نہیں ہیں اور اسی وجہ سے اُن کی دیسی قدر بھی نہیں ہے۔ مگر پردیسی اور مسلمان اور گورے رنگ کے ہونے کی وجہ سے مغل ہی کہلاتے ہیں لیکن زمانہ سابق کے موافق امرائے دربار اب اکثر مغل نہیں ہیں۔ یا تو ازبک (ترکستانی) ایرانی۔ عرب۔ ترک (روی) وغیرہ لوگوں کا مجموعہ ہیں۔ یا ان سب قسم کے لوگوں کی ہندوستان میں پیدا ہونے والی اولاد میں سے ہیں۔ مگر ان سب اقسام کے لوگوں کو ایک عام لقب کے طور پر مغل ہی کہا جاتا ہے۔ مگر ہاں مجھے اس بات کا بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے نو وارد مسلمانوں کی اولاد جو تیسری چوتھی پشت میں گندمی رنگ اور ہندوستانیوں کی طرح کا اہل مزاج ہو جاتی ہے اس کی قدر تازہ وارد لوگوں کی سی نہیں کی جاتی[2] اور اُن کو شاذ و نادر ہی کوئی عہدہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اُس کو اپنی خوش طالعی سمجھتے ہیں کہ کہیں سواروں یا پیدلوں میں نوکری مل جائے۔

شہنشاہ مغل کی فوجی قوت | خداوند من اب اس بات کا متوقع ہے کہ میں شہنشاہ مغل

---

[1] سلاطین عثمانیہ کے عثمانی کہلانے کی وجہ اور مصنف کے اس بیان کی غلطی ہم ایک حاشیہ میں اسی جلد کے کسی گذشتہ صفحہ میں لکھ چکے ہیں اُس کو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ س م ح

[2] جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی بمقابلہ ولایت زا انگریزوں کے مخلوط النسل اور ہندوستان زا انگریزوں کی قدر و منزلت کم ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی سپاہ کا خاص طور سے کچھ ذکر کروں، تاکہ آپ اُن کثیر اخراجات کے متعلق جو اُس کو فوج کی بابت کرنے پڑتے ہیں اپنی رائے قائم کر سکیں کہ آیا حقیقتاً اُس کی فوج کس قدر ہے اور وہ کن لوگوں میں سے بھرتی کی جاتی ہے۔ پس پہلے میں اُس دیسی فوج کا ذکر کرتا ہوں جس کی تنخواہ کا ادا کرتے رہنا بادشاہ پر واجبات سے ہے۔

واضح ہو کہ جے سنگھ۔ جسونت سنگھ اور دوسرے راجہ جن کو بڑی بڑی رقمیں اس فرض سے ملتی ہیں کہ اپنے ہم قوم راجپوتوں کی ایک خاص تعداد شاہی خدمات کے لئے ہمیشہ تیار رکھیں ان کی فوجیں اسی ذیل میں ہیں۔ اور اُن سے خواہ اُس فوج میں کام لیا جائے جو ہمیشہ حاضر رکاب رہتی ہے خواہ کسی صوبہ میں مگر منصب مسلمان اُمرا کے برابر ہیں۔ اور جن قاعدوں کی پابندی اُن پر واجب ہے۔ ان پر بھی واجب ہے یہاں تک کہ اپنی جمعیت کے ساتھ معمولی چوکی دینے کو حاضر ہوتے ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جب کبھی بادشاہ قلعہ میں ہوتا ہے تو یہ باہر اپنے خیموں ہی میں رہ کر نوکری بجا لاتے ہیں۔ اور چوبیس گھنٹے تک قلعہ کی دیواروں کے اندر محصور رہنے کو گوارا نہیں کر سکتے اور جب تک کہ ان کے جاں باز راجپوت سپاہی ساتھ نہ ہوں کسی قلعہ کے اندر جانا قبول نہیں کرتے۔ راجپوتوں کی جاں بازیوں کا امتحان ایسے موقعوں پر بخوبی ہو چکا ہے۔ جب کہ کسی راجہ کو قید کر لینے کا ارادہ کیا گیا۔

راجپوت راجاؤں کی فوج میں بھرتی کرنے کے اسباب

بادشاہ جو ان راجاؤں کو اپنی ملازمت میں رکھتا ہے اس کے کئی سبب ہیں۔ اوّل یہ کہ راجپوت نہ صرف عمدہ سپاہی ہیں بلکہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں بعض راجہ ایک روز میں بیس ہزار سپاہی لڑائی کے لئے حاضر کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو راجہ بادشاہی ملازم نہیں ہیں اور خراج دینے یا ضرورت کے وقت جنگی خدمات کے بجا لانے کے عوض خود مقابلہ کو تیار ہو جاتے ہیں اُن کی مزاحمت اور تنبیہ و تادیب کا کام ان سے لیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ شہنشاہ مغل کی یہ پالیسی ہے کہ ان راجاؤں کے درمیان نااتفاقی اور حسد و رشک قائم رہے۔ چنانچہ جب چاہتا ہے کسی ایک کی نسبت اپنی مہربانی و التفات کا اظہار کر کے اُن میں لڑائی کرا دیتا ہے چوتھے یہ کہ راجپوت لوگ پٹھانوں یا کسی باغی امیر یا صوبہ دار کے دبانے کے لئے کارآمد ہوتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے ہمیشہ مستعد اور تیار ملتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ جب کبھی گولکنڈے کا بادشاہ خراج ادا نہیں کرتا یا شاہ بیجاپور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یا اپنے کسی اور ہمسایہ راجہ کی مدد کو جس کو شہنشاہ مغل مطیع کرنا چاہتا ہے تیار ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے مقابلہ کے لئے ان راجاؤں کو اور امرا پر جو اکثر ایرانی اور بادشاہ گولکنڈے کے ہم مذہب ہیں ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ راجہ اُس وقت کام آتے ہیں جب کہ شاہ ایران سے لڑائی کا موقعہ آن پڑتا ہے اور امرائے دربار جو ایران کے رہنے والے ہیں جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے اس خیال سے کانپتے ہیں کہ اپنے اصلی بادشاہ سے لڑیں خصوصاً وہ اُس کو اولاد علی[1] اور اپنا امام اور خلیفہ ماننے کی وجہ سے اُس کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانے کو نہایت گناہ سمجھتے ہیں۔

اور جن اسباب کے تحت راجپوتوں کی فوج رکھی جاتی ہے اُسی قسم کی وجوہ سے شہنشاہ مغل کو پٹھانوں کی بھی ایک فوج موجود رکھنی پڑتی ہے۔

ولایتی مغل فوج مغلیہ فوج کا (جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں) تیار رکھنا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ چونکہ سلطنت کی اصل فوج یہی سپاہ ہے۔ اور اس پر بڑا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اس کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جانا بے موقعہ نہ ہوگا۔ اس فوج میں سوار بھی ہیں اور پیادے بھی۔ اور اس کے دو حصے خیال کئے جا سکتے ہیں جن میں سے ایک تو ہمیشہ حاضر رکاب اور دوسرا مختلف صوبوں میں متعین رہتا ہے۔ فوج حاضر رکاب میں سے پہلے اُمرا پھر منصب دار پھر روزینہ دار اور سب سے اخیر میں معمولی سواروں کا ذکر کرکے اس کے بعد فوج پیادہ اور اس کے ضمن میں بندوقچیوں اور تمام پیدل سپاہیوں کا جو دونوں قسم کے توپ خانوں میں کام دیتے ہیں بیان کرتا ہوں۔

دربارِ مغلیہ کے امرا کی حیثیت یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دربارِ مغلیہ کے امیر بھی امرائے فرانس کی طرح موروثی امیر ہیں۔ کیونکہ سلطنت کی تمام زمین بادشاہ کی ملکیت ہے اور اسی وجہ سے یہاں کوئی ایسی خاندانی ریاست نہیں ہے جیسے کہ ہمارے کسی ڈیوک یا مارکوئس کی ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسا خاندان پایا جا سکتا ہے جو خود اپنی

---

[1] مصنف کے زمانہ میں یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ شاہانِ صفویہ فرماں روائے ایران نجات کے سید تھے مگر اُن کا امام یا خلیفہ ماننا جانا بالکل غلط ہے۔ گو سیادت کے باعث سے کیسے ہی واجب الادب سمجھے جاتے ہوں۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملکیت کی زمین اور جائداد جدی و خاندانی کی وجہ سے صاحب ثروت گنا جاتا ہو۔ اور اسی کی آمدنی سے اُس کے اخراجات چلتے ہوں۔ بلکہ برعکس اس کے یہاں کے اہل دربار تو اکثر ایسے ہیں جن کے باپ تک بھی امیر نہ تھے۔ اور چونکہ اُمرا کی کل جائداد اُن کے مرتے ہی ضبط سرکار ہو جاتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ کسی خاندان کا اعزاز و امتیاز دیر تک کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر تو امیر کے مرتے ہی سب کچھ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے بیٹوں کی نہیں تو پوتوں کی حالت تو ضرور فقیروں کی سی ہو جاتی ہے۔ اور عام لوگوں کی طرح کسی امیر کی فوج کے سواروں میں نوکری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مگر ہاں اتنی رعایت ضرور ہوتی ہے کہ جو امیر مرجاتا ہے جائداد ضبط کر لینے کے بعد بادشاہ اُس کی بیوہ کے لئے تو عموماً اور اہل خاندان کے لئے اکثر کسی قدر وظیفہ مقرر کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی امیر بڑی عمر پاتا ہے تو اپنے جیتے جی اپنی اولاد کے لئے بشرطیکہ بادشاہ کی مہربانی ہو کوئی منصب بھی حاصل کر سکتا ہے خصوصاً اس حالت میں جب کہ وہ ڈیل ڈول اور چہرے مُہرے کے اچھے اورنگ کے بھی گورے چٹے ہوں۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ دراصل مغل ہیں۔ لیکن اس شاہی عنایت کی صورت میں بھی بیٹا باپ کا جانشین نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ یہ معمولی قاعدہ ہے کہ چھوٹے اور قلیل تنخواہ کے منصب تک رفتہ رفتہ اور بہت تدریج کے ساتھ ترقی ملتی ہے۔ اس لئے امرائے سلطنت ایسے مختلف الاقوام شخصوں کا مجموعہ ہیں۔ جو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی قسمت آزمائی کے لئے ممالک غیر سے یہاں آ گھستے ہیں۔ اور اکثر کم نسلے بلکہ غلام۔ اور باستثنار بعض خاص شخصوں کے عموماً علم سے بے بہرہ ہیں اور ان کا اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر پہنچا دینا یا بالکل ذلیل و خوار بنا دینا محض بادشاہ کی خوشی اور تلون طبع پر موقوف ہے۔

امرا کے مدارج اور تنخواہیں

بعض امیروں کا منصب اور لقب ہزاری ہے۔ یعنی ایک ہزار کا مالک اور بعض کا دو ہزاری پنج ہزاری اور بعض کا ہفت ہزاری۔ اور بعض کا دہ ہزاری۔ اور کسی وقت کوئی امیر دوازدہ ہزاری بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ شہنشاہ مغل کا بڑا بیٹا تھا۔ مگر ان کی تنخواہ کا اندازہ سواروں کے شمار پر نہیں ہے۔ بلکہ بہ لحاظ گھوڑوں کی تعداد کے ہے۔ اور عموماً ہر ایک سوار کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت ہے تاکہ نوکری میں حرج نہ ہو۔ کیونکہ اُس گرم ملک میں یہ ایک کہاوت ہے کہ ایک گھوڑے کا سوار لنگڑا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امیروں کو فی الواقع دوازدہ ہزاری وغیرہ بڑے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے القاب کے مطابق اُتنے ہی گھوڑے ضرور رکھنے پڑتے ہیں۔ یہ عظیم الشان لقب جو زود اعتقاد اور اجنبی لوگوں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں ٹھیک ٹھیک انھیں کے موافق تنخواہ ملتی ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ بادشاہ خود مقرر کر دیتا ہے کہ ہر ایک امیر کو حقیقتاً کتنے گھوڑے رکھنے لازم ہیں اور کتنے رعایتاً معاف اور فرضی ہیں جن کی تنخواہ اُس کو ملتی رہے گی۔ اور یہ فرضی سواروں کی تنخواہ میں سے کچھ وضع کر کے اور اُن گھوڑوں کی جو حاضر رکھنے لازمی ہیں جھوٹی فردیں پیش کر کے اپنی آمدنی اور بھی بڑھا لیتے ہیں۔ جو اس طرح پر مل جل کر بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جب کہ خوش قسمتی سے تنخواہ کے عوض جاگیر مل جائے چنانچہ میں ایک پنج ہزاری امیر کے ماتحت ملازم تھا جس کے پاس جاگیر بھی نہ تھی اور صرف نقد تنخواہ خزانہ سے ملتی تھی۔ مگر اس پر بھی پانچ سو گھوڑوں کی تنخواہ وغیرہ کے ادا کرنے کے بعد جو اُس کو حاضر رکھنے لازمی تھے پانچ ہزار کراون یعنی ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار اُس کی آمدنی تھی۔ مگر باوجود ان بڑی بڑی آمدنیوں کے میں نے ان امیروں کو بہت کم مال دار پایا۔ بلکہ بہت مفلس اور نہایت قرضدار ہیں۔ اور یہ قرض داری اس وجہ سے نہیں ہے کہ اور ملکوں[1] کے امیروں کی طرح کھانے کھلانے میں بہت کچھ خرچ کر دیتے ہیں بلکہ نہایت قیمتی پیش کش جو سالانہ جشنوں کے موقعوں پر بادشاہ کو دینے پڑتے ہیں اور اُن کی عورتوں اور نوکر چاکروں کا ایک لشکر اور اونٹوں اور گھوڑوں کی کثرت اس کا باعث ہیں[2]۔

---

[1] یورپ کے لارڈوں وغیرہ سے مراد ہے۔ س م ح

[2] آئین اکبری میں جو درجہ وار فہرستیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امرا اور منصب داروں کو باندازہ اپنے اپنے منصب کے گھوڑے یا بیل۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ خچریں اور چھکڑے گاڑیوں کا ایک مقرر تعداد کے موافق اپنے پاس موجود رکھنا امر لازمی تھا۔ مثلاً پنج ہزاری امیر کو تین سو تینتیس ۳۳۳ گھوڑے اور بیل اور ایک سو ہاتھی اور اسّی قطار اونٹ اور بیس قطار خچریں اور ایک سو ساٹھ ۱۶۰ ارابہ یعنی چھکڑے اور گاڑیاں رکھنی واجب تھیں اور ان کے خرچ خوراک وغیرہ کے لیے پنج ہزاری کے منصب دار کو علاوہ تنخواہ فوج کے جو اُس کو رکھنی پڑتی تھی) تیس ہزار روپیہ ماہوار سرکار شاہی سے ملتا تھا۔ اور چار ہزاری کے منصب دار کو دو سو ستر ۲۷۰ گھوڑے اور اسّی ہاتھی اور پینسٹھ قطار اونٹ اور سترہ قطار خچریں اور ایک سو تیس ۱۳۰ ارابہ رکھنے پڑتے تھے۔ اور بائیس ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امرا کی تعداد اور اُن کی سواری کے طریقے

امرائے متعینہ صوبہ جات۔ اور امرائے نامور با افواج اور امرائے حاضرینِ دربار بہت ہی ہیں۔ مگر کچھ تعداد مقرر نہیں ہے۔ اور میں معلوم نہیں کر سکا کہ سب کتنے ہیں۔ لیکن دربار میں پچیس یا تیس سے کم میں نے کبھی نہیں دیکھے جو سب کے سب بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور جو گھوڑوں کی تعداد پر موقوف ہے۔ جو ایک ہزار سے لے کر بارہ ہزار تک مقرر ہے۔ انھیں امرا کو افواج بامورہ مہمات اور صوبجات اور دربار میں بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں۔ اور یہی لوگ ارکان سلطنت ہیں جیسے کہ وہ خود بھی کہتے ہیں۔ اور دربار کی شان و شوکت انھیں کے وجود سے قائم ہے۔ اور یہ نہایت عمدہ پوشاک کے بغیر کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اور کبھی ہاتھی اور کبھی گھوڑے پر اور اکثر پالکی میں سوار ہوتے ہیں جن کے ساتھ سواروں کے دستہ کے علاوہ بہت سے خدمت گار وغیرہ ہوتے ہیں جو سواری کے آگے آگے اور دونوں طرف پا پیادہ چلتے ہیں جو نہ صرف راستہ میں سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں بلکہ مورچھل ہلاتے اور گرد و غبار جھاڑتے اور خلال اور پیک دان اور پانی کی صراحی اور کبھی کبھی کوئی قصہ کہانی کی کتاب یا کاغذ لے کر ساتھ رہتے ہیں۔

امرا کی حاضری اور تسلیمات کے طریقے

ہر ایک امیر پر واجب ہے کہ ہر روز صبح کو دس گیارہ بجے جب کہ بادشاہ دربار میں عدالت کے لئے بیٹھتا ہے۔ اور پھر شام کو چھ بجے تسلیمات کے لئے حاضر ہو ورنہ سزا ملتی ہے۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی باری پر قلعہ میں حاضر ہو کر ہفتہ وار ایک رات دن چوکی دینی پڑتی ہے۔ اُس وقت یہ لوگ اپنا بستر اور قالین اور اور سامان ساتھ لاتے ہیں مگر کھانا شاہی خاصہ میں سے عنایت ہوتا ہے جس کے لینے کے وقت ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے۔ یعنی کھڑے ہو کر اور بادشاہ کے محل کی طرف رخ کر کے امیر تین دفعہ تسلیمات بجا لاتا ہے۔ یعنی اپنا ہاتھ اول زمین تک لے جا کر پھر ماتھے تک اُٹھاتا ہے۔

شاہی سواری کے ساتھ ہمرکابی

جب کبھی بادشاہ پالکی یا ہاتھی یا تختِ رواں پر سوار ہو کر نکلتا ہے تو تمام امرا کے لئے بجز اُن کے جو بیمار یا ضعیف العمر یا کسی خاص کام کی وجہ سے معاف ہوں ہمرکاب رہنا ضروری ہے۔ البتہ جب کبھی شہر کے قرب و جوار میں شکار کو یا کسی باغ کو یا نماز کے لئے مسجد کو جاتا ہے تو بعض اوقات حمیدہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی چلا جاتا ہے یعنی صرف وہی امراء ساتھ ہوتے ہیں جن کی اُس روز چوکی ہوتی ہے — اور دستور ہے کہ بادشاہ پر تو خواہ شکار میں ہو خواہ فوج کو ساتھ لے کر کسی مہم پر جائے خواہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہو بخوبی سایہ ہوتا ہے۔ مگر امراء کو خواہ کیسی ہی دھوپ یا بارش کیوں نہ ہو اور گرد و غبار سے دم کیوں نہ گھٹا جائے عموماً گھوڑے پر چڑھکر بغیر کسی طرح کے سایہ کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔

منصب داروں کی تنخواہ کی تفصیل

منصب دار ایک قسم کے سوار ہیں جو منصب کی تنخواہ پاتے ہیں۔ اور وہ ایک خاص قسم کی بخشی قرار اور عزت کی تنخواہ ہے۔ اور اگرچہ امراء کی تنخواہ کے برابر نہیں ہے۔ مگر معمولی سواروں سے بہت زیادہ ہے اور اسی وجہ سے یہ کم درجہ کے امراء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور انھیں میں سے امراء منتخب کئے جاتے ہیں۔ اور یہ بادشاہ کے سوا کسی کے ماتحت نہیں ہیں اور جو کام اُمراء سے لئے جاتے ہیں وہی اِن سے لئے جاتے ہیں اور اگر اُن کے پاس بھی کسی قدر سوار ہوں جیسا کہ پہلے دستور تھا تو یہ بھی امراء کے برابر ہو جائیں مگر آج کل اِن کے پاس صرف دو یا چار یا چھ گھوڑے ہوتے ہیں جن پر بادشاہی داغ لگا ہوا ہوتا ہے ان کی تنخواہ بعض اوقات ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ ہوتی ہے۔ اور سات سو روپیہ ماہوار سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی۔ ان کی تعداد معین نہیں ہے — لیکن امراء کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں اور ان کے سوا جو صوبوں میں یا افواج مامورہ مہمات میں متعین ہیں میں نے دربار میں دو تین سو سے کم کبھی نہیں دیکھے۔[1]

---

[1] امراء اور منصب داروں کی اسم وار فہرستیں جو بادشاہ نامہ میں موجود ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ شاہجہاں کی حکومت کے دہ سالہ اول کے خاتمہ تک کل امیر اور منصب دار ہفت ہزاری سے پانچ صدی تک پانچ سو بانوے تھے جن میں سے ایک سو اڑسٹھ شخص اسی دہ سالہ میں مر گئے تھے اور ان کے علاوہ شہزادہ دارا شکوہ پندرہ ہزاری اور شجاع اور اورنگ زیب دوازدہ ہزاری تھے اور شاہزادہ مراد بخش کو محض پانچ سو روپیہ روزینہ ملتا تھا۔ کیونکہ شاہزادوں کے لئے (بقول خافی خاں) دستور یہ تھا کہ جب تک اُمرا کی طرح کسی مہم وغیرہ پر مامور نہ ہوں منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صرف یمین الدولہ آصف خاں خانخاناں سپہ سالار و وزیر اعظم (بطور ایک غیر معمولی عنایت کے) نہ ہزاری تھا۔ اور دہ سالہ دوم کے خاتمہ میں جو فہرست ہے اُس میں شاہزادہ دارا شکوہ بست ہزاری اور شجاع اور اورنگ زیب پندرہ ہزاری اور مراد بخش دوازدہ ہزاری تھے۔ اور آصف خاں کے مرجانے کے بعد نہ ہزاری کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روزینہ داروں کی تنخواہ اور خدمات

روزینہ دار بھی ایک قسم کے سوار ہی ہیں جن کی تنخواہ روزمرہ مل جاتی ہے جیسا کہ خود لفظ روزینہ دار سے ظاہر ہے۔ مگر اُن کی تنخواہ بیش قرار ہے۔ اور بعض اوقات تو اکثر منصب داروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہ تنخواہ چونکہ خاص طور کی ہوتی ہے اس وجہ سے کچھ زیادہ عزت کی بات خیال نہیں کی جاتی۔ اور منصب داروں کی طرح یہ لوگ "اجناس" یعنی ایسے قالین اور فرش فروش وغیرہ کے قیمتاً لینے پر بھی مجبور نہیں ہیں جو بادشاہی مکانوں میں استعمال میں آنے کے بعد منصب داروں کو حکماً لینے پڑتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک غیر واجب قیمت لگادی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ منصب پھر کسی کو نہیں ملا۔ ہفت ہزاری کے درجہ تک (جو معمولی طور پر اس سے زیادہ منصب ہی نہ تھا اور" بقول خافی خاں "ایک وقت میں چار امیروں سے زیادہ ہفت ہزاری نہ ہوتے تھے۔ اس دہ سالہ میں صرف چھ امیر پہنچے تھے۔ خاں دوراں بہادر نصرت جنگ علی مردان خاں امیر الامرا۔ سعید خاں بہادر ظفر جنگ۔ اسلام خاں۔ علامی سعد اللہ خاں۔ افضل خاں اور شش ہزاری کا منصب سید خاں جہاں بارہہ والا۔ اعظم خاں۔ عبد اللہ خاں بہادر فیروز جنگ صدر الصدور سید جلال بخاری۔ خسرو ولد نذر محمد خاں ازبک والی ترکستان صرف پانچ شخصوں نے پایا تھا۔ ہندو امرا کی حد ترقی (جن کو آج کل کی انگریزی اصلاح کے موافق نیٹو کہنا چاہیئے) دوسرے دہ سالہ تک پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھی) اور اس دہ سالہ کی فہرست میں کل پانچ سو اسی نام ہیں۔ جن میں سے ایک سو آٹھ یا بہ قدر پانچویں حصہ کے ہندو ہیں اور ایک اور فہرست سے جو تاریخ عمل صالح کے خاتمہ میں مندرج ہے۔ شاہجہاں کے عہد اخیر تک امرا اور منصب داروں کی تعداد آٹھ سو اڑسٹھ معلوم ہوتی ہے۔ جس میں ایک سو تریسٹھ ہندو امیروں کے نام درج ہیں۔ مگر چونکہ اس میں آصف خاں و علی مردان خاں و سعد اللہ خاں وغیرہ کے نام بھی درج ہیں جو شاہجہاں کے مقید ہونے سے پہلے ہی مر چکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اُس فہرست میں اس بادشاہ کے سب زندہ و مردہ امیروں کو گن ڈالا ہے۔ اور اگرچہ حسب شرح بالا دہ سالہ اول و دوم میں کوئی نیٹو امیر پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھا۔ مگر دور اخیر میں یہ قید بھی توڑ دی گئی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ جسونت سنگھ ہفت ہزاری اور راجہ مرزا جے سنگھ شش ہزاری ہو گئے تھے۔ ۱۲ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جاتی ہے۔ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور چھوٹے چھوٹے کام ان کے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے متصدی اور نائب متصدی ہیں اور بہت سے اس کام پر مامور ہیں کہ "برات" یعنی اُن احکام پر جو روپیہ کے ادا کرنے کے باب میں صادر ہوتے ہیں سرکاری مُہر لگائیں اور وہ اُن احکام کے جلد جاری کر دینے کے عوض بے دھڑک رشوتیں لیا کرتے ہیں۔

عام سواروں کی تنخواہ کی تفصیل

عام سوار اُمرا کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اور دو قسم کے ہیں۔ ایک دو اسپی جن کا بادشاہی خدمت کے واسطے حاضر رکھنا امرا پر لازم ہے اور جن کے گھوڑوں کی رانوں پر اُن امیروں کے داغ لگے ہوئے ہوتے ہیں دوسرے ایک اسپی دو گھوڑے والوں کی تنخواہ اور قدر بہ نسبت ایک گھوڑے والوں کے زیادہ ہے۔ اور اگرچہ سرکار سے ایک اسپی سوار کی بابت روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیر کی فیاضی پر موقوف ہے۔

پیدل سپاہی اور گولہ انداز

پیدل سپاہیوں کی تنخواہ سب قسم کے مذکورہ بالا تنخواہ داروں سے کمتر ہے۔ اور منجملہ اُن کے جو لوگ بندوقچی ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ تو اچھے خاصے آرام کے وقت میں بھی بہت ہی بدہیئت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بندوق چلانے کو جب زمین پر پھسکڑا مار کر! بیٹھتے ہیں اور اپنی بندوق کو لکڑی کے سہ پاؤں پر رکھکر جو بندوق کے ساتھ لٹکتی رہتی ہیں۔ چلاتے ہیں تو اُن کی یہ وضع دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور ماشاء اللہ اس احتیاط پر بھی یہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری لمبی لمبی ڈاڑھیاں اور آنکھیں نہ جل جائیں! یا کسی جن بھوت کے خلل سے ہماری بندوق نہ پھٹ جائے۔

پیدل سپاہ میں کسی کی تنخواہ بیس روپیہ مہینہ ہے۔ کسی کی پندرہ اور کسی کی دس۔ مگر گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً فرنگی گولہ اندازوں کی یعنی پرتگیزوں انگریزوں، ڈچوں، جرمنوں اور فرانسیسوں کی جو گوا اور ڈچ و انگریز کمپنیوں کے کارخانوں میں سے بھاگ آتے ہیں۔ اول جب مغل توپ کے فن سے بہت کم واقف تھے تو اہلِ فرنگ کی تنخواہ زیادہ تھی اور اُن میں سے اب بھی کچھ لوگ باقی ہیں کہ جن کو دو سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ مگر اب بادشاہ ان لوگوں کو مشکل سے نوکر رکھتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور بتیس ۳۲ روپیہ سے زیادہ تنخواہ نہیں دیتا۔

توپ خانہ

توپ خانہ دو قسم کا ہے ایک بھاری دوسرا ہلکا جس کو ہم رکاب توپ خانہ کہتے ہیں۔ بھاری توپ خانہ کی بابت مجھے یاد ہے کہ جب بادشاہ بیماری کے بعد فوج سمیت لاہور کے راستہ سے گرمی کاٹنے کو کشمیر کو گیا تھا جس کو ہندوستان میں "کشمیر جنت نظیر" کہتے ہیں۔ تو اُس سفر میں زنبورکوں کے علاوہ جو دو تین سو چاق و چوبند اونٹوں پر اُسی طور سے کسے ہوئے تھے جس طرح ہمارے چھوٹے جہازوں میں رہکلے بندھے رہتے ہیں اور جو وزن میں دو دو بندوقوں کے برابر تھے۔ ستر بھاری توپیں جو اکثر برنجی تھیں ساتھ تھیں۔

بادشاہ کے سفرِ کشمیر کا حال میں کسی اور موقعہ پر بیان کروں گا۔ اور یہ بھی لکھوں گا کہ اُس لمبے سفر میں بادشاہ اکثر اپنا دل شکار میں کس کس طرح بہلاتا رہا۔ یعنی کبھی شکاری پرندوں کو کلنگ وغیرہ جانوروں پر چھوڑا اور کبھی نیل گائے کا شکار کیا جو "ایک" کی قسم کا جانور ہے۔ اور کسی دن چیتوں سے ہرنوں کو پکڑوایا۔ اور کبھی شیر کا شکار کھیلا جو بالتخصیص بادشاہی شکار ہے۔

ہم رکاب توپ خانہ جو لاہور اور کشمیر کے سفر میں ساتھ گیا تھا مجھکو نہایت باقرینہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اُس میں پچاس یا ساٹھ چھوٹی چھوٹی برنجی توپیں تھیں جو سب مضبوط اور خوبصورت رنگین تختوں پر چڑھی ہوئی تھیں جن کے ساتھ گولے بارود کے لئے ایک آگے اور ایک پیچھے دو دو پیٹیاں تھیں اور ان پر سجاوٹ کے لئے مختلف وضع کی سرخ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں ان میں دو دو عمدہ گھوڑے جُتے تھے۔ جن کو ایک ایک سوار ہانکتا تھا اور ایک تیسرا گھوڑا اور ایک اور سپاہی مدد کے واسطے ساتھ لئے رہتا تھا۔

بھاری توپ خانہ بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا تھا کیونکہ شکار کھیلنے یا پانی سے نزدیک رہنے کی غرض سے بادشاہ شاہراہ سے علیحدہ ہو کر چلتا تھا اور یہ توپیں ایسی بھاری تھیں کہ دشوار گذار راستوں یا کشتیوں کے پُلوں پر سے جو شاہی لشکر کے عبور کے لئے بنائے گئے تھے گذر نہیں سکتی تھیں۔ لیکن ہلکا توپ خانہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اسی لئے اُس کو ہم رکاب توپ خانہ کہتے ہیں۔ اور جب بادشاہ علی الصبح کوچ کرتا ہے۔ اور شکارگاہوں میں جو بادشاہ کے واسطے محفوظ ہوتے ہیں اور جانوروں کے روکے رکھنے کے لئے اُن کی ناکہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بندی بھی شکار کے وقت کی جاتی ہے بندوق سے یا اور طرح شکار کھیلنا چاہتا ہے تو یہ توپ خانہ جس قدر جلد ممکن ہوتا ہے سیدھا اگلی منزل پر جہاں بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا کے خیمے پہلے سے لگے ہوئے ہوتے ہیں جا ٹھہرتا ہے۔ اور خیام شاہی کے سامنے توپوں کی قطار لگا دی جاتی ہے۔ اور جب بادشاہ خیمہ گاہ میں داخل ہوتا ہے تو اہل لشکر کی اطلاع کے لئے سلامی دی جاتی ہے۔

صوبوں کی فوج اور سواروں کی کُل فوج جو فوج صوبوں میں مامور رہتی ہے اُس کی اور حاضر رکاب فوج کی حالت میں اس کے سوا اور کچھ فرق نہیں ہے کہ صوبوں کی فوج تعداد میں زیادہ ہے۔ اور ہر ایک صوبہ میں اُمرا، منصب دار روزینہ دار، معمولی سوار۔ پیادے۔ اور توپ خانہ موجود رہتا ہے۔ چنانچہ ایک صوبہ دکن ہی میں بیس پچیس اور بعض اوقات تیس ہزار سوار رہتے ہیں جو گول کنڈے کے طاقتور بادشاہ کے دھمکانے اور بادشاہ بیجاپور اور اُن راجاؤں سے لڑنے کے لئے ضرورت سے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ جو باہمی بچاؤ کی خاطر اپنی اپنی فوجیں لے کر شاہ بیجاپور کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ صوبہ کابل میں جو فوج ہے اور جس کا ایران۔ بلوچستان۔ افغانستان اور دوسرے پہاڑی ملکوں کی مخالفانہ کارروائیوں کی روک تھام کے لئے رہنا ضروری ہے بارہ یا پندرہ ہزار سے کم نہیں ہو سکتی۔ صوبہ کشمیر میں چار ہزار سے زیادہ فوج ہے۔ اور بنگالہ میں جہاں ہمیشہ لڑائی بھڑائی رہتی ہے بہت زیادہ فوج رہتی ہے۔ اور چونکہ کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں بلحاظ اُس کی وسعت اور خاص موقعہ کے کم یا زیادہ فوج کا رکھنا ضروری نہ ہو۔ اس لئے کُل فوج کی تعداد اس قدر ہے جس پر مشکل سے اعتبار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فوج پیادہ کو جو شمار میں کم ہے الگ رکھکر اور گھوڑوں کی اُس تعداد کو جو صرف نام کے لئے ہے اور جس کو سُن کر ناواقف شخص دھوکہ کھا سکتا ہے چھوڑ کر میں اور واقف کار لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوار جو بادشاہ کے ہم رکاب رہتے ہیں راجپوتوں اور پٹھانوں سمیت پینتیس یا چالیس ہزار ہوں گے جو صوبوں کی فوج کے ساتھ مل کر دو لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں۔

پیدل فوج کی اصل تعداد اور لوگوں کے غلط اندازے میں نے بیان کیا ہے کہ پیدل تھوڑے ہیں چنانچہ میری دانست میں پیادہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فوج جو بادشاہ کے ہم رکاب رہتی ہے بندوقچیوں اور توپ خانہ کے پیدل سپاہیوں اور ان لوگوں سے جو توپ خانہ سے متعلق ہیں مل جل کر پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ بعض لوگ پیدل فوج کی تعداد کیوں بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ شاید نفروں خدمت گاروں بھٹیاروں اور تمام اہل بازار کو جو ساتھ رہتے ہیں فوج ہی میں گن لیتے ہوں گے۔ اور واقعی اگر اس سب بھیڑ بھاڑ کو شامل کر لیا جائے تب تو صرف اسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جب کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لئے تخت گاہ سے باہر رہنے کا ہے دو تین لاکھ پیادوں سے کم نہیں رہتی اور جب ان امور پر غور کیا جائے کہ کس قدر ڈیرے خیمے اور باورچی خانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں عموماً لشکر کے ساتھ رہتی ہیں اور ان سب کے اٹھانے کے لئے کس قدر ہاتھی اونٹ بیل۔ گھوڑے اور حمال ضروری ہیں تو اس تعداد میں جو میں نے خیال کی ہے مبالغہ نہیں معلوم ہوگا۔[1]

---

[1] بادشاہ نامہ میں جو شاہجہاں کے عہد سلطنت کے بیس سال کی بہت معتبر تاریخ ہے سوار فوج کی تعداد بموجب تفصیل ذیل دو لاکھ لکھی ہے۔ منصب دار۔ آٹھ ہزار۔ احدی اور برقنداز ستاسی ہزار عام سوار ایک لاکھ پچاسی ہزار۔ اور پیدل فوج کی تعداد جس میں گولنداز۔ بان انداز اور بندوقچی سب شامل ہیں چالیس ہزار لکھی ہے۔ جس میں سے دس ہزار حاضر رکاب اور تیس ہزار صوبوں اور قلعوں میں متعین رہتی تھی۔

اور اب ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی اس فوج بری کی تعداد جو "رگولر" یعنی فوج آئین کہلاتی ہے حسب شرح ذیل دو لاکھ سولہ ہزار دو سو دو ہے۔

یوروپین	ہندوستانی
۷۰۲۶۳	۱۴۵۹۳۹

	ماتحت نواب کمانڈر انچیف سپہ سالار کشور ہند	ماتحت گورنمنٹ ہند
پیدل	۵۲۶۰۱	پیدل ۱۰۴۵۸۹	پیدل ۱۲۸۳۸
سوار	۵۶۵۷	سوار ۲۱۲۷۵	سوار ۴۸۴۹
توپخانہ	۱۲۰۰۵	توپخانہ ۱۸۳۲	توپخانہ ۵۵۵
میزان	۷۰۲۶۳	میزان ۱۲۷۶۹۶	میزان ۱۸۲۴۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حداوند من ۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس ملک کی طبعی حالت اور طرز حکمرانی کے لحاظ سے کہ (جہاں سلطنت کی زمین کا صرف پادشاہی مالک ہے) اس ملک کی دارالحکومت شہر آگرہ یا دہلی کے باشندوں کی معاش کا بڑا دارومدار صرف فوج کی موجودگی پر ہے۔ اور اس لئے وہ مجبور ہیں کہ جب کبھی بادشاہ کوئی لمبا سفر اختیار کرے تو وہ بھی ساتھ جائیں۔ اور یہ شہر پیرس سے کچھ مشابہت نہیں رکھتے بلکہ ان کی زیادہ صحیح تشبیہ ایک کیمپ سے دی جاسکتی ہے ۔ اور صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے خیموں کے ان میں مکان ہیں اور آسائش کے اور سامان بھی کیمپ کی نسبت کسی قدر اچھے ہیں ۔

ٹھیک وقت پر تنخواہ نہ ملنے کے نتائج یہ امر بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ امراء سے لے کر سپاہیوں تک کی تنخواہ کا دوماہہ وار تقسیم ہوجانا نہایت ضروری ہے ۔ کیونکہ تنخواہ کے سوا جو بادشاہی خزانہ سے ملتی ہے کوئی اور ذریعہ اُن کی معاش

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ مگر ایک لاکھ پینتالیس ہزار ایک سو چار باقاعدہ پولیس جو اندرونی نظم سلطنت کے قائم رکھنے کے لئے مختص ہے اس کے علاوہ ہے ۔ جس میں سے تین ہزار اٹھاسی سوار ہیں اور باقی سب پیدل ۔ اور دیہات میں جو چوکیدار متعلقہ پولیس مامور رہتے اور گاؤں سے تنخواہ پاتے ہیں وہ اس حساب سے خارج ہیں اور سوائے فوج آئین اور فوج پولیس کے ستر ہزار فوج والنٹیر ہے جس میں سوار تھوڑے اور پیدل زیادہ ہیں ۔ اور اس میں اب تک صرف یوروپین یا یوریشین وغیرہ عیسائیوں ہی کو داخل ہونے کا استحقاق ہے ۔ یہ لوگ سرکار سے تنخواہ یا لباس جنگی وغیرہ کچھ نہیں پاتے ۔ البتہ آئین وقانون اور ان کے عہدہ داروں کے منصب اور درجے سرکار مقرر کرتی ہے اور جن بڑے بڑے مقامات میں یوروپین اور یوریشین زیادہ رہتے ہیں وہاں کے سوداگر اہل حرفہ دفتروں کے کلرک وغیرہ اہل قلم اپنی مرضی اور خوشی سے اس جماعت میں داخل ہوکر جنگی قواعد اور آلات حرب کا استعمال کرنا سیکھتے ہیں اور اپنی قوم اور سلطنت کی حفاظت کے لئے بوقت خطرہ کام دینے کو مستعد رہتے ہیں ۔ پس اس حساب سے فی زمانہ میزان کل تینوں قسم کی فوج کی تین لاکھ اٹھتر ہزار سے کچھ زیادہ ہے ۔ اور ہند کی فوج بحری جو منجملہ انگلینڈ کی جہازی فوج کے ہے مگر ہندوستان کے لئے ایک جداگانہ افسر اعلیٰ کے ماتحت رہتی ہے اور جس کے سولہ جہاز بحر احمر سے خلیج فارس تک اور لنکا سے خلیج بنگالہ تک اور بمبئی سے سواحل افریقہ تک گشت لگاتے رہتے ہیں اس سے بالکل الگ ہے ۔ س م ح ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا نہیں ہے۔

فرانس میں اگر کسی وجہ خاص سے واجب الادا تنخواہ کے دینے میں گورنمنٹ کی طرف سے کچھ دیر ہو جاتی ہے تو سردار تو کیا سپاہی بھی اپنی کسی خاص آمدنی سے گذارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اگر فوج کو تنخواہ کے ملنے میں کبھی غیر معمولی توقف ہوتا ہے تو یقیناً نہایت خوف ناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی سپاہی اپنا معمولی اسباب جو اُن کے پاس ہوتا ہے بیچ باچ کر چل دیتے اور بھوکے مرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ شاہزادوں کی باہمی جنگ و جدال قریب الختم تھی ——— میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ سواروں کا میلان اس طرف بڑھتا جاتا تھا کہ اپنے گھوڑے بیچ ڈالیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر لڑائی کو طول ہوتا تو ضرور ایسا ہی کرتے۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ شہنشاہ مغل کے لشکر میں کوئی ایسا سپاہی مشکل سے مل سکتا ہے جو جورو بچے نوکر چاکر اور لونڈی غلام نہ رکھتا ہو۔ اور ان سب کی گذران اُسی تنخواہ پر موقوف ہے جو اُس کو سرکار بادشاہی سے ملتی ہے اور اسی وجہ سے میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس حالت کو دیکھکر سخت حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ خرچ کے لئے اتنا بے شمار روپیہ کہاں سے آتا ہے کہ جس سے لاکھوں بندگان خدا کی پرورش ہوتی ہے۔ جن کا مدار معاش محض بادشاہی تنخواہ کے ذریعہ پر ہے۔

شہنشاہ مغل کے کثیر اخراجات

مگر یہ لوگ اس امر کا خیال نہیں کرتے کہ شہنشاہ ہند اس ملک میں کس طرز خاص سے حکومت کرتا ہے اور اُس کی دولت مندی کے ذریعہ کس قدر ہیں۔ اور میں نے تو اس کے اخراجات کا گویا ابھی ذکر نہیں کیا مثلاً خیال فرمائیے کہ آگرہ اور دہلی کے اصطبل میں دو یا تین ہزار تو صرف عمدہ گھوڑے ہی ہیں جو اوقات ضرورت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور آٹھ یا نو سو ہاتھی اور باربرداری کے لئے بہت سے ٹٹو اور خچر اور جمال جو اُن بے شمار اور بہت وسیع اور بڑے بڑے خیموں اور اُن کے متعلقہ چھوٹے خیموں اور بیگموں اور محل کی اور عورتوں اور ساز و سامان اور باورچی خانہ کے اسباب اور گنگا جل اور بہت سی چیزوں کے اُٹھانے کے لئے جن کا بادشاہ کے ساتھ رہنا سفر اور حضر میں ضروری ہے اور جو یورپ میں کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتیں رکھنے پڑتے ہیں۔ اس کے سوا محل سرا کے بے شمار اخراجات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں جس میں عمدہ ململ، زربفت، ریشمی اور زری دار کپڑے اور موتی مشک عنبر اور عطر اس قدر صرف میں آتا ہے کہ خیال میں نہیں آ سکتا پس اگرچہ شہنشاہ مغل کے مداخل بے شمار ہیں مگر مخارج بھی اُسی قدر ہیں اور اسی وجہ سے (جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں) بہت زیادہ روپیہ پس انداز نہیں ہوتا۔

ہندوستان ایران اور روم کے محاصل کا مقابلہ

میں مانتا ہوں کہ سلطان روم اور شاہ ایران دونوں کے محاصل کو اگر ملائیں تو شہنشاہ مغل کا محاصل غالباً اُس سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اگر میں اُس کو دولت مند بادشاہ کہوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا وہ ایک ایسا خزانچی ہے جو ایک ہاتھ سے بے شمار روپیہ لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا ہے۔ اور میرے نزدیک واقعی دولت مند اُس بادشاہ کو کہنا چاہیے کہ جس کا محاصل اس قدر ہو کہ بغیر اُس کے کہ ظلم اور زیادتی سے رعایا فقیر ہو جائے اُمرا اور اہل دربار کا ایک عظیم الشان مجمع قائم رکھنے اور مفید خلایق اور عالی شان عمارتیں بنانے اور فیاض و کریم الطبع ہونے اور ملک کی حفاظت کے لئے فوج کثیر تیار رکھنے کے علاوہ اس قدر روپیہ پس انداز رکھ سکتا ہو کہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ کسی اتفاقیہ لڑائی بھڑائی کے وقت جو خواہ کئی برس تک جاری رہے کام میں لا سکے۔ اور اگرچہ شہنشاہ ہند کو ان میں سے اکثر باتیں حاصل ہیں لیکن اس قدر نہیں جس قدر کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔

شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی مبالغہ آمیز شہرت اور خزانے اور جواہرات کا ذکر

شہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر اور لازمی کی نسبت جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اُس سے اُن دو باتوں سے جو مجھکو بخوبی تحقیق ہو چکی ہیں غالباً آپ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ شہنشاہ مغل کی دولت مندی کی شہرت مبالغہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ گذشتہ لڑائی کے خاتمہ کے قریب اورنگ زیب کو نہایت فکر تھی کہ فوج کی تنخواہ کس طرح ادا کی جائے۔ حالانکہ لڑائی صرف پانچ برس رہی تھی اور فوج کی تنخواہ بھی معمولی سے کم تھی اور بنگالہ کے سوا جہاں سلطان شجاع اب تک لڑتا تھا اور سب صوبوں میں بالکل امن و امان تھا اور باپ کے اکثر خزانے بھی اُس کے قبضے میں آ چکے تھے۔

دوسرے یہ کہ شاہجہاں جو بڑا کفایت شعار تھا اور کسی جنگ عظیم میں پھنسے اور اُلجھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بغیر چالیس برس[1] سے زیادہ عرصہ تک سلطنت کرتا رہا۔ کبھی چھ کروڑ روپیہ سے زیادہ جمع نہیں کر سکا۔ لیکن اس رقم میں میں اُن کثیر التعداد سونے چاندی کی طرح طرح کی مرصع چیزوں کو جن پر نہایت عمدہ عمدہ کام بنے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے قیمتی موتیوں اور قسم قسم کے کثیر التعداد جواہرات کو شامل نہیں کرتا اور مجھے شک ہے کہ اس سے زیادہ جواہرات شاید ہی دنیا کے کسی اور بادشاہ کے پاس ہوں۔ چنانچہ اُس کا ایک تخت ہی (اگر میری یاد میں کچھ غلطی نہ ہو) تین کروڑ[2] روپیہ کی قیمت کا ہے۔ یہ سب جواہرات اور قیمتی چیزیں، راجپوتوں کے قدیمی خاندانوں۔ پٹھان بادشاہوں، اور امراء سے لوٹی ہوئی اور ایک مدت دراز میں جمع کی ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک بادشاہ کے عہد میں امرائے سلطنت کے مقررہ سالانہ پیش کشوں کے ذریعہ سے جو اُن کو مجبوراً دینے پڑتے ہیں۔ اُن کا شمار بڑھتا گیا ہے۔ اور یہ سب خزانہ تخت کا مال سمجھا جاتا ہے اور اس کو چھیڑنا ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اُس کی کفالت پر تھوڑا سا روپیہ بھی نہایت مشکل سے حاصل کر سکتا ہے[3]۔

---

[1] شاہجہان کی مدت سلطنت کی صحیح تعداد اس جلد کے ۳۶۰ صفحہ کے حاشیہ میں مندرج ہے۔ س م ح

[2] اس کا مفصل حال جلد دوم کے صفحہ ۲۸۹ کے حاشیہ میں دیکھنا چاہیئے۔ س م ح

[3] شاہجہان کی سلطنت کے بیسویں سال کے خاتمہ پر ملا عبد الحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ میں جو عبارت خزانہ اور جواہرات کی نسبت لکھی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے "خزانہ کہ امروز دریں دولت خدا داد فراہم آمدہ محاسب وہم وخیال دردرک اندازۂ آں بعجز وقصور معترف است۔ اگرچہ خزانہ کہ حضرت عرش آشیانی (محمد اکبر بادشاہ) در مدت پنجاہ ویک سال فرماں روائی جمع نمودہ بودند واکثر آں را حضرت جنت مکانی (جہانگیر بادشاہ) در سلطنت بست ودو سال خرچ نمودند ہیچ یکے از سلاطین ہندوستان را میسر نشدہ تا بفرماں روایان دیگر ولایت چہ رسد۔ اما انچہ دریں عہد بمیامن نیت عالم آرا ومعدلت گیتی پیرا باوجود فراوان اخراجات گرد آمدہ بمراتب ازاں افزوں است وآنچہ در سرکار مقدس از افراد کاملہ اقسام جواہر زواہر وندسرخ وسفید وطلا آلات ونقرہ آلات جمع شدہ غالباً بحسب کمیت وکیفیت نزد کل فرماں روایانِ عالم نباشد"۔

اور میر محمد ہاشم خافی المخاطب بہ ہاشم علی خاں وآخر کار مخاطب بہ خافی خاں نظام الملکی نے اکبر اور شاہجہاں دونوں کے خاتمہ احوال میں جو عبارتیں لکھی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے (عبارت متعلق ذکر خزانہ عہد اکبر)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنے اس خط کے ختم کرنے سے پہلے میں بات بیان کرنی چاہتا ہوں کہ اگرچہ سونا اور چاندی اکثر ملکوں میں پھر پھرا کر آخر کار ہندوستان میں آجاتا ہے۔ مگر اس پر بھی بہ نسبت اور ملکوں کے یہاں زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ اور ہندوستانی لوگ اور ملکوں کے باشندوں کی طرح متمول معلوم نہیں ہوتے جس کا سبب یہ ہے کہ اول تو بہت سا مال بار بار گلائے جانے اور عورتوں کے ہاتھوں کی چوڑیوں اور پاؤں کے کڑوں اور توڑوں وغیرہ اور بالیوں اور نتھوں اور انگوٹھیوں کے بنانے میں کھپ جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ مقدار زردوزی اور کارچوبی کام کے کپڑوں الاچوں اور پگڑیوں کے طروں اور سنہری روپہلی کپڑوں۔ اوڑھنیوں اور پٹکوں مندیلوں اور کمخابوں کے بنانے میں خرچ ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں اس قدر بنائی جاتی ہیں کہ سننے والے کو یقین نہیں آسکتا اور تمام فوجوں میں امرا سے لے کر سپاہیوں تک کچھ نہ کچھ ملمع اور طلا کاری کی چیزیں زیب و زینت کے لئے پہنتے ہیں اور ایک ادنیٰ سپاہی بھی (کنبہ خواہ بھوکوں کیوں نہ مرجائے جو ایک معمولی امر ہے) اپنی بیوی اور بچوں کو کچھ نہ کچھ زیور ضرور پہناتا ہے۔

دادرسی کے ناکافی انتظام کی وجہ

بادشاہ جو زمین کا مالک ہے اہل سپاہ کو کسی قدر زمینیں تنخواہ میں دیدیتا ہے کہ جس کو یہاں "جاگیر" اور سلطنت ٹرکی میں "تیمار" کہتے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- "در وقت وفات محمد اکبر بادشاہ زیادہ از پنج ہزار فیل کہ گاہ قریب شش ہزاری رسید در فیل خانہ او موجود بود و دوازدہ ہزار اسپ در طویلہ و ہزار یوز در چیسہ خانہ داشت و بعد وفات او کہ عرض خزانہ گرفتند دہ کرور روپیہ را اشرفی یازدہ ماشہ و سیزدہ ماشہ و چہاردہ ماشہ سوائے اشرفی ہائے کلاں کہ از صد تولہ تا پانصد تولہ ہزار اشرفی در خزانہ موجود بود و صد و ہفتاد و دو من طلائے غیر مسکوک و سہ صد و ہفتاد من نقرہ و یک من جواہر خاصہ کہ قیمت آں از سہ کرور روپیہ تجاوز نمودہ بود بر آمد" (عبارت متعلقہ حال خزانہ عہد شاہجہاں) "بر عقلا ظاہر است کہ اگرچہ در ملک گیری و استقلال بہ از محمد اکبر بادشاہ رونق افزائے سلطنت ہندوستان در تیموریہ نبودہ، اما در بندوبست و نسق فراہم آوردن خزانہ و آبادکاری ملک و قدردانی سپاہ و رفاہ لشکر بہ از شاہجہاں بادشاہ در عرصہ پہنہ وسعت ہندوستان فرمانے نگردیدہ۔ سوائے خرچ لازم و ملزوم سلطنت و آنچہ بہ خرچ عمارات و قلعہ و مساجد شاہجہاں آباد و دیگر بلاد و بانعام ایلچیان و مہم قندھار و بلخ کہ آخر رایگاں رفتہ در آمدہ۔ بست و چہار کرور روپیہ و از جنس اشرفی سوائے طلا و نقرہ غیر مسکوک و ظروف طلائی و نقرئی و جواہر کہ تخمیناً تا پانزدہ شانزدہ کرور آں نیز می شد ماندہ بود" س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں اور جس کے معنی ہیں وہ جگہ کہ جہاں سے کچھ لیا جائے یا مقام وصول تنخواہ اور اسی قسم کی جاگیریں صوبہ داروں کو بھی اُن کی اور اُن کی فوج کی تنخواہ میں اس شرط پر دی جاتی ہیں کہ فاضل آمدنی میں سے ایک خاص رقم سال بسال خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہیں اور جو زمینیں جاگیر میں نہیں دی جاتیں اور خاص بادشاہ اور اُس کے اہل خاندان کے متعلق ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی کو جاگیر میں دی جاتی ہیں وہ مستاجروں کو دیدی جاتی ہیں جو سال بسال زر معینہ ادا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح پر جو لوگ زمین پر قبضہ حاصل کرتے ہیں خواہ تیماردار ہوں خواہ صوبہ دار یا مستاجر۔ کاشت کاروں پر اُن کے اختیارات ایسے غیر محدود ہیں کہ گویا مطلق العنان ہی کہنا چاہیے۔ اور کاشت کاروں ہی پر منحصر نہیں بلکہ اپنے علاقہ کے گاؤں اور قصبوں کے اہل حرفہ اور سوداگروں پر بھی ویسا ہی اختیار ہے۔ اور جن طریقوں میں یہ اپنے ان اختیارات کو عمل میں لاتے ہیں اُس سے زیادہ کوئی بے رحمانہ اور تکلیف دہ امر خیال میں نہیں آسکتا اور ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ مظلوم کسان اور کاریگر اور سوداگر اپنا استغاثہ پیش کرسکیں۔ یعنی نہ تو فرانس کی طرح یہاں کوئی گریٹ لارڈ ہے اور نہ پارلیمنٹ اور پریسائڈل کورٹ کے جج جو ان بے رحم ظالموں کے ظلم کو روکیں اور جو قاضی یہاں مقرر ہیں اُن کو ان بدنصیب لوگوں کی داد رسی کا کافی اختیار نہیں ہے۔ مگر ان بلا قید اختیارات کا یہ اندھا دھند استعمال بڑے بڑے شہروں مثلاً دہلی اور آگرہ اور بنگالہ میں اور بڑے بڑے قصبوں کے قرب و جوار میں اس درجہ تک محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے مقاموں میں کوئی بڑی ناانصافی کا کام دربار شاہی سے مخفی رہنا آسان نہیں ہے۔

رعایا کی غلامانہ حالت

رعایا کی یہ غلامانہ حقیر حالت ترقی تجارت کی مانع اور لوگوں کے اوضاع و اطوار اور طریق معاشرت کی خرابی کا باعث ہے اور تجارت کرنے کا کسی کو اس لیے حوصلہ نہیں ہوتا کہ منافع کی صورت میں بجائے اس کے کہ وہ اُسے اپنے عیش و آرام میں صرف کرے اُس کو دیکھکر کسی ظالم اور ذی اختیار ہمسایہ کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ جس کا میلان طبع ہمیشہ اس طرف ہے کہ کسی شخص کو اُس کی محنت کے ثمرہ سے محروم کردے اور اگر کسی کو دولت حاصل ہو بھی جاتی ہے (جیسا کہ بعض اوقات ہونا ضرور ہی ہے) تو برخلاف اس کے کہ سابق کی نسبت آسودہ حالت میں رہے اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے مفلسوں کی سی صورت بنائے رہتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور لباس اور مکان اور اسباب خانہ داری بہت ہی ذلیل رکھتا ہے۔ اور سب سے زیادہ کھانے پینے میں خست دکھاتا ہے۔ اور اس حالت میں اُس کا روپیہ اور اشرفی زیر زمین کسی عمیق گڑھے میں گڑا رہتا ہے۔ اور سب لوگوں میں خواہ کاشت کار ہوں خواہ کاریگر یا اہل بازار ہندو ہوں یا مسلمان عموماً یہی طریقہ جاری ہے علی الخصوص ہندوؤں میں جن کے ہاتھ میں ملک کی دولت اور تجارت ہے اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ جو دولت ہم اپنے ایام حیات میں چھپا کر رکھیں گے مرنے کے بعد ہمارے[1] کام آئے گی۔ البتہ بعض اشخاص جو بادشاہ

یا اُمرا کے ہاں نوکر ہیں یا جن کا کوئی بڑا وسیلہ ہے اُن کو اپنی تنگ دستی دکھانے کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور عیش و آرام سے عمر بسر کرتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ سونے چاندی کو زیر زمین دفن رکھنے اور اس طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانے سے روکنے کی یہ عادت اُس ملک میں سونے چاندی کے بظاہر کم دکھائی دینے کا بڑا سبب ہے۔

رعایا کو حقِ ملکیت زمین حاصل نہ ہونے کے مُضر نتائج

اب جو کچھ میں بیان کر چکا ہوں اُس سے طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ زمین کی مالکیت بالکل چھوڑ دے۔ اور یہ حق رعایا کو حاصل ہو جائے تو آیا یہ امر رعیت اور بادشاہ دونوں کے حق میں مفید ہوگا یا نہیں؟

اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے فرنگستان کی حالت کا کہ جہاں حقِ ملکیت زمین رعایا کو حاصل ہے اور اُن ملکوں کی حالت کا جہاں یہ حق اُن کو حاصل نہیں ہے احتیاط کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ اور بعد غور میری رائے یوں قائم ہوئی ہے کہ یہ امر نہ صرف رعایا بلکہ خود بادشاہ کے فوائد کے لئے بھی بہت ہی مضر ہے۔ چنانچہ میں یہ امر بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں سونے چاندی کے کم دکھائی دینے کا کیا باعث ہے یعنی جاگیرداروں صوبہ داروں اور متاجروں کا ظلم کہ جس کا انسداد اگر بادشاہ بھی چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اُن صوبوں میں جو پائے تخت کے قریب نہیں ہیں اور یہ ظلم اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ کاشت کاروں اور اہل حرفہ کے پاس بسر اوقات کے لئے کچھ بھی نہیں رہنے دیتا اور وہ حالتِ افلاس اور تنگ دستی میں پڑے مرتے ہیں اور اسی ظلم کے سبب سے اول تو اِن

---

[1] شائد فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہونے کے وقت کچھ غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں کوئی ایسا عام عقیدہ نہیں ہے غالباً اصل میں یوں ہوگا کہ مرنے کے بعد اولاد کے کام آئے گا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیچاروں کے کچھ اولاد ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی ہے تو فاقوں کے مارے بچپن ہی میں چل بستی ہے خلاصہ یہ کہ اس ظلم و ستم کی وجہ سے کاشت کار اپنے کمبخت وطن کو چھوڑ کر کسی قدر آسائش ملنے کی اُمید پر کسی ہمسایہ ریاست کے علاقہ میں جا رہتے ہیں یا فوج میں جا کر کسی سوار کے پاس نوکری کر لیتے ہیں اور چونکہ زمین کا بندوبست شاذ و نادر ہی جبر کے بغیر ہوتا ہے اور کوئی شخص اس قابل پایا نہیں جاتا کہ اپنی خوشی سے اُن نہروں اور نالیوں کی مرمت کرے جو آب پاشی کے لئے بنی ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے بندوبست بخوبی نہیں ہوتا۔ اور خشکی کے سبب سے زمین کا ایک بڑا حصہ خالی پڑا رہتا ہے۔ اور زمین ہی پر کیا موقوف ہے مکانات بھی اکثر ویرانی اور تباہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو نئے مکان بناتے یا اُن کی مرمت کرتے ہیں اور ایک طرف تو کاشت کار اپنے دل میں ہمیشہ یہ خیال کرتے ہیں کہ کیا ہم اس لئے محنت کریں کہ کوئی ظالم آئے اور سب کچھ چھین لے جائے۔ اور اگر چاہے تو ہماری بسر اوقات کے لئے بھی ہمارے پاس کچھ نہ چھوڑے۔ اور دوسری طرف جاگیر دار اور صوبہ دار اور مستاجر یہ سوچتے ہیں کہ ہم کیوں اُفتادہ اور ویران زمین کا فکر کریں اور اپنا روپیہ اور وقت اُس کے بارآور بنانے میں لگائیں۔ کیونکہ نہ معلوم کس وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہماری کوشش اور محنت کا ثمرہ نہ تو ہم کو ہی حاصل ہو اور نہ ہماری اولاد کو۔ پس زمین سے جو کچھ وصول ہو سکے کر لیں اور ہماری بلا سے۔ کاشت کار بھوکے مریں یا اُجڑ جائیں۔ اور جب ہم کو اس کے چھوڑ دینے کا حکم ملے گا تو ویران اور غیر آباد چھوڑ کر[1] چلے جائیں گے۔

---

[1] خافی خاں نے بھی اپنی تاریخ میں (جو اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے صرف بارہ برس بعد محمد شاہ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی) جلال الدین محمد اکبر کے عہد دولت اور اُس کے مشیر خوش تدبیر راجہ ٹوڈرمل کے ذکر میں زمینداروں کی پرورش اور مال گذاری کے عمدہ انتظامات کی تعریف و توصیف لکھکر پھر اپنے زمانہ کے عاملوں اور مستاجروں کے ظلم و ستم کی جو دردناک کیفیت نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھی ہے ہم اُس کو اس جگہ نقل کرتے ہیں یہ شخص اور اس کا باپ ابتداءً اورنگ زیب کے بھائی مراد بخش کے ملازموں میں سے تھے۔ اور اس نے شاہجہاں کے خوش حال عہد سلطنت سے لے کر محمد شاہ کے پُر اختلال زمانہ حکومت تک بہت کچھ دیکھا بھالا تھا۔ جن خرابیوں کا اُس نے ذکر لکھا ہے اُن کی نسبت یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اورنگ زیب کے بعد یا سدا رنگیلے محمد شاہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہی کے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں بلکہ ظاہر ہے کہ انتظامیہ اصولوں کی خرابی کے باعث پہلے ہی سے چلی آتی تھیں۔ قولہ اما بر عقلائے باہوش مخبر بہ کار ظاہر است کہ الحال موافق تقاضائے وضع روزگار طریقہ غدا امور ملکی و رعیت پروری و آبادی ملک و افزونی محصول از میاں برخاستہ و عمال اجارہ دار کہ مبلغہا خرچ دربار دادہ بر سر محالات می روند و باعث وبال حال رعایائے مال گذار می گردند آنہا را اصلا نظر بر آبادی ملک و خرابی حال رعایا نیست و از آنکہ اعتماد بر بحال ماندن۔ سال دیگر بلکہ تمام سال ندارند ہر دو حصہ محصول را فروختہ می گیرند و زہے۔ خدا ترسی کہ بر ہمیں ظلم اکتفا نمودہ کار بفروختن گاؤ و ما را بہ کہ مدار قلبہ رانی بر آنست نہ رساند و باز بخرج دربار و سہ بندی و نقصان تنہدے کہ نمودہ وفا نماید و بساط باقی ماندہ رعایا را حتی اشجار میوہ دار و زمین ملکی و صورتی آنہا را بفروش نیارد و تاخت و تاراج مفسدان آں از اجاح علاوہ موجب ویرانی ملک و خرابی حال رعایا می گردد از آنست کہ دہ کردہ بست کردہ زمین نا مزروع افتادہ بجائے زراعت اشجار خاردار دامن گیر مسافران و نشست جغد جاگیرداران بے سرمایہ است بسیار پرگنہ و قصبہ جات سیر حاصل بہ مرتبہ خراب و ویران از تعدی حکام بدانجام گردیدہ کہ بیشۂ شیر و مسکن سباع گشتہ و آنقدر دیہات خرابۂ محض و بے چراغ شد کہ نام آبادی راہا برخاستہ اگرچہ از شامت نفس رعایا و تقاضائے ایام بد فرجام است کہ روز بروز ملک زیادہ ازیں خراب شود و رعایا پامال جور و جفائے عمال بد آمال گردد و جاگیرداران گرفتار و بال آہ عیال مزاریان مظلوم گردند ما ظلم و تعدی و بیداد حاکمان از خدائے بے خبر بجائے رسیدہ کہ اگر خواہد عشر عشیر آں را باحاطۂ بیان آرد از سر رشتۂ کلام دور می افتد در صورتیکہ یکے از عمال کہ فی الجملہ اندیشۂ روز جزا داشتہ باشد و خواہد بر خلاف دیگر ظلم پیشگان سختی و تعدی را جزو اعظم شیوۂ عالمی نداند و ترحمے بر حال رعایا نماید و در پرداخت حال رعیت مال گزار و افزونی محصول سال بسال و نیکی عاقبت و مآل کار خود و فرزندان خود داند مردم روزگار او را مطعون ساختہ از جملہ بیوقوفان ناکردہ کار محسوب می نمایند۔ و اگر خدا نہ کردہ سال را بہ تمام نہ رسانید و تغیر گردید خراب و پامال خرچ سہ بندی و غیرہ از گذشتہ بہ وبال نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ گرفتار می گردد۔ چنانچہ کمر بر مسود اوراق گذشتہ! حق گذشتہ؟ حق سبحانہ تعالیٰ ہمہ بندہائے عاصی را ازیں آفت در پناہ خود نگاہ دارد بحق محمد و آلہ الامجاد۔

اس مضمون کو پڑھکر امید ہے کہ ناظرین کتاب کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی شائستہ حکومت کیسی خیر و برکت کی حکومت ہے۔ ملک کیسا سرسبز اور کیسا آباد ہے اور رعایا کس امن و امان سے بے خلش زندگی بسر کرتی ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شخصی حکومت کے نتائج میں جو حقایق میں نے بیان کئے ہیں وہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ ایشیائی سلطنتیں جلد جلد کس طرح زوال پذیر ہوتی ہیں اور حکومت کے اسی ناقص طریقہ کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے بہت سے شہروں کے مکانات کچے یا گھاس پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے ہیں اور یہاں کے شہر اور قصبے خواہ بالفعل خستہ حال اور ویران نہ ہوں مگر ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس پر جلد تباہ اور خراب ہو جانے کے آثار نہ پائے جائیں۔ اور ہندوستان ہی پر کیا منحصر ہے یہ تو ہم سے ایک بہت دور کی سلطنت ہے ہم اپنے قریب ہی کے بعض ایشیائی ملکوں کی حالت کا مقابلہ کر کے شخصی حکومتوں کے بے رحمانہ برتاؤ کے نتیجوں کی نسبت اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ مثلاً دریائے دجلہ اور فرات کے دوآبے کو اور ایشیائے کوچک اور فلسطین اور انطاکیہ کے قرب وجوار کے عمدہ میدانوں اور بہت سے اضلاع کو دیکھ لیجئے کہ قدیم زمانہ میں کس کثرت سے زراعتیں ہوتی تھیں اور کیسے زرخیز اور آباد تھے اور اب ویران پڑے ہیں بلکہ اُن کے بہت سے حصے دلدل ہو جانے اور آب وہوا کی خرابی سے انسان کی بود و باش کے بھی قابل نہیں رہے۔ یہی اندوہناک صورت مصر کی دکھائی دیتی ہے جہاں کی رعایا غلامانہ حالت میں ہے اور اسّی برس کے عرصہ میں یہ بے نظیر ملک دسویں حصہ سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس مدت میں کسی نے دریائے نیل کی نہروں کی کچھ خبر نہیں لی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دریا اپنے معمولی پاٹ کے اندر نہیں بہتا اور نیچی زمینیں بالکل غرقاب ہو جاتی ہیں۔ اور ریت سے اس قدر اٹ گئی ہیں کہ بغیر بہت سے روپے اور محنت کے صاف نہیں ہو سکتیں پس ایسی حالت میں کیا یہ کچھ تعجب کی بات ہے؟ کہ ان ملکوں میں صنعت اور حرفت کو وہ ترقی نہ ہو جیسی کہ ہمارے خوش نصیب فرانس اور اُن ملکوں میں ہے۔ جہاں کا طرز حکومت عمدہ ہے کیونکہ کسی صناع سے ایسے لوگوں میں رہ کر اپنے پیشہ میں جی لگانے کی اُمید نہیں کی جا سکتی جو مفلس اور غریب ہوں یا اپنے تئیں مفلس ظاہر کرتے اور چیز کی خوبصورتی اور عمدگی کی جگہ صرف اُس کے ارزاں ہونے کا خیال رکھتے ہوں اور بڑے آدمیوں کا یہ حال ہو کہ صرف اپنی مرضی سے چیز کی حیثیت سے بہت کم قیمت جو چاہتے ہوں دیدیتے ہوں اور کسی کاریگر یا سوداگر کے اصرار کرنے کی حالت میں اُس کو کوڑوں سے پٹوانے میں بھی اُن کو تامل نہ ہوتا ہو (کوڑا ایک لمبے اور دہشت ناک چابک کو کہتے ہیں جو ہر ایک امیر کے دروازہ پر لٹکا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رہتا ہے اور کیا کسی صناع کا حوصلہ پست کر دینے کے لئے یہ امر کچھ کم ہے کہ اُس کو کسی انداز کے پانے یا اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کسی منصب سرکاری کے حاصل ہونے یا زمین کے خریدنے کی اجازت ملنے کی اُمید نہیں اور اس خوف سے کہ کوئی دولت مندی کا شبہ نہ کرے کبھی اچھا پوشاک پہن سکتا ہے اور نہ اچھا کھانا کھا سکتا ہے اور نہ یہ ظاہر کر سکتا ہے کہ اس کے پاس کچھ تھوڑا سا بھی روپیہ ہے۔ ہندوستان کی صنعت کی خوبصورتی اور لطافت مدت سے جا چکی ہوتی۔ اگر بادشاہ اور بڑے بڑے امرا کے ہاں بہت سے کاریگر نوکر نہ ہوتے جو خود اُنھیں کے گھروں پر اور سرکاری کارخانوں میں بیٹھکر کام کرتے اور اپنے شاگردوں اور لڑکوں کو سکھایا کرتے ہیں اور انعام کی اُمید اور کوڑوں کا خوف اُن کو محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھتا ہے اور کچھ یہ بھی سبب ہے کہ بعضے دولتمند تاجر اور سوداگر ایسے بھی ہیں کہ جن کو بڑے بڑے امرا کی سرکاروں سے تعلق اور توسل ہے اور وہ کاریگروں کو شرح مروجہ سے کسی قدر زیادہ مزدوری دے کر کام بنوایا کرتے ہیں۔ میں نے "کسی قدر زیادہ مزدوری" اس لئے کہا ہے کہ یہ تو سمجھنا ہی نہ چاہیئے کہ اچھی چیزیں بنانے سے کاریگر کی کچھ قدر کی جاتی ہے۔ یا اُس کو کچھ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تو جو کچھ کرتا ہے صرف ضرورت یا کوڑوں کے خوف سے کرتا ہے۔ اور چونکہ تمول اور آسودگی حاصل ہونے کی کبھی اُمید نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر روکھا سوکھا ٹکڑا کھانے کو اور موٹا جھوٹا کپڑا پہننے کو مل جائے تو اُسی کو غنیمت سمجھتا ہے۔ اور روپیہ حاصل بھی ہو جائے تو اُس کو کیا! کیونکہ وہ تو اُس سوداگر کا مال ہے جو خود ہی اسی اندیشہ سے ہمیشہ مضطرب رہتا ہے کہ اگر کوئی زبردست ظلم و زیادتی کرنا چاہے تو اُس سے کس طرح بچے۔

ہندوستانیوں کی بے علمی اور جہالت

لوگوں کی اس حالت کا قدرتی یہ نتیجہ ہے کہ تمام ملک میں علی العموم بے حد جہالت پھیلی ہوتی ہے اور یہ یہاں ممکن ہی نہیں کہ ایسے دارالعلوم اور کالج قائم ہو سکیں کہ جن کے اخراجات کے لئے کافی سرمایہ بذریعہ وقف کے موجود ہو اور ایسے لوگ کہاں جو اس طرح مدرسے اور کالج قائم کریں اور بالفرض ایسے لوگ میسر بھی آ جائیں تو طالب علم کہاں اور لوگوں میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اتنی استطاعت کہاں کہ اپنے بچوں کو کالج میں رکھکر اُن کے اخراجات کا انتظام کرسکیں اور بالفرض ایسے بھی مقدور لوگ موجود بھی ہوں تو یہ جرأت کون کر سکتا ہے کہ اس طرح علانیہ اپنی دولت مندی ثابت کرے اور شاید اگر کوئی شخص یہ احمقانہ حرکت کر بھی بیٹھے تو عمدہ تعلیم سے جن دنیاوی فوائد کی توقع ہوتی ہے وہ کہاں اور ایسے اعتماد اور اعزاز کے عہدے اور منصب کہاں جو نوجوان طالب علموں کی اُمیدوں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے شوق کو اُبھارتے رہتے ہیں اور جن کے لیے علم اور قابلیت کی ضرورت ہے[1]

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا حال نہیں ہے بلکہ جب سے اس ملک میں گورنمنٹ برطانیہ کا مبارک قدم آیا ہے علاوہ اور تدابیر رفاہ و فلاح کے مدبران سلطنت نے ابتدا ہی سے اہل ہندوستان کی تعلیم میں نہایت کوشش کی ہے۔ اگرچہ شروع میں ملک کے مذاق کے موافق پرانے طرز پر عربی۔ فارسی۔ سنسکرت زیادہ پڑھائی جاتی تھی۔ انگریزی اور علوم مروجہ یورپ کم۔ اور نہ اتنے سرکاری مدرسے اور کالج ہی تھے۔ اور نہ بی۔ اے اور ایم۔ اے وغیرہ ڈگریاں جو دس بارہ برس کی محنت شاقہ اور سخت امتحانوں کے بعد دی جاتی ہیں۔ مگر آخرکار مدبران سلطنت کے باہم ایک مدت تک بحث و مباحثہ اور غور و فکر ہو کر یہ طے ہوا کہ باشندگان ہند کو زبان انگریزی کے ذریعہ سے وہ تمام علوم و فنون بلا دریغ سکھائے جائیں کہ جن کے علم و عمل نے ممالک یورپ کو اُن کے موجودہ درجہ کمال پر پہنچایا ہے۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء سے اس اُصول پر تعلیم جاری ہے جس کے انتظام و اہتمام کے لئے اہل کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی میں جو تینوں پریزیڈنسیوں کے صدر مقام ہیں۔ تین یونیورسٹیاں قائم کی گئی تھیں اور اب لاہور اور الہ آباد میں بھی جو گورنمنٹ پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی کے صدر مقام ہیں دو نئی یونیورسٹیاں اور قائم ہو گئی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کے تحت میں بڑے شہروں سے لے کر اکثر دیہات تک بہت سے مختلف حیثیتوں کے کالج اور مدرسے اور مکتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں علاوہ علوم اور زبان انگریزی کے عربی۔ فارسی سنسکرت تینوں میں سے کسی ایک زبان کا بقدر مناسب جاننا بھی ضروریات سے ہے۔ اور تعلیم عام اور درجہ ادنیٰ کے لئے ہندوستان کے اضلاع مختلفہ کی دیسی بولیوں میں سے اٹھارہ زبانوں میں مفید کتابیں تصنیف و تالیف و ترجمہ ہو کر پڑھائی جاتی ہیں۔ بعض مقامات میں خاص طور کے کالج

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوستان کی تجارت جس ملک میں اس قسم کی حکومت ہو وہاں آسائش اور کامیابی کے ساتھ تجارت بھی نہیں ہو سکتی جیسے کہ فرنگستان میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں کہ جو اپنی خوشی سے محنت اور تکلیف اُٹھانے اور کسی دوسرے شخص کے فائدہ کے لئے خطرے میں پڑنے کو گوارا کریں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور سکول ہیں۔ جن میں فن انجنیری۔ طبابت۔ زراعت۔ قانون۔ بیطاری (طب حیوانات) صنعت و حرفت۔ فارسٹری (علمی طریقوں سے جنگل اُگانا اور اُس کی حفاظت کرنا) وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اگرچہ پادری لوگ اپنے قایم کئے ہوئے مدرسوں میں مذہب عیسوی کی تعلیم دیتے ہیں اور ہندو مسلمان بھی اپنے قائم کئے ہوئے سکولوں اور مدرسوں میں علاوہ تعلیم دنیاوی کے اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں مگر از راہِ دانشمندی سرکاری مدرسوں میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم مطلقاً نہیں دی جاتی۔ اور اگرچہ اس پچاس برس کے اندر اشاعت علوم کے بارہ میں بہت کچھ ہوا ہے اور چھاپہ کے فن کی ترقی نے جس کو گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ سے پہلے اس ملک میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور دیسی زبانوں میں اخباروں اور رسالوں کے شائع ہونے نے دگوا بھی وہ بہت پست حالت میں ہیں) عامہ خلایق کے قوائے عقلی کے شگفتہ کرنے اور خیالات کی عام تاریکی کم کرنے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ لیکن جو کچھ کیا گیا ہے فیاض طبع مدبرانِ سلطنت اس کو ابھی بہت تھوڑا سمجھتے ہیں اور علوم و فنون کی اشاعت و ترقی مزید کے لئے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کئے ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ کی ان حکیمانہ کوششوں کی بدولت ایک نہایت ہی مفید نتیجہ جس سے آئندہ کے لئے بہت پائداری اور اصل ترقی کی اُمیدیں بندھتی ہیں یہ ہوا ہے کہ اب خود باشندگان ملک باہمی چندہ وغیرہ کر کے خود اپنے خرچ اور اپنے اہتمام سے باقاعدہ کالج اور مدرسے قائم کرنے کی ضرورت پر متوجہ ہونے لگے ہیں۔ بالفعل تمام قسم کے مدارس میں ۳۵ لاکھ لڑکے اور ایک لاکھ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ کل خرچ اُن مدارس کا جو براہ راست سرکار کے اہتمام میں ہیں۔ یا جن کی کچھ امداد اور نگرانی وغیرہ سرکار سے ہوتی ہے اس وقت ڈھائی کروڑ روپیہ سالانہ ہے جس میں سے انتیس لاکھ تو خاص سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے جو سلطنت کے تمام سول انتظام کے بیسویں حصہ کے مساوی ہے اور باقی لوکل ریٹ۔ لوکل فنڈ۔ اور چندہ اور اوقاف وغیرہ سے ادا ہوتا ہے۔ جو طالب علم یہاں تعلیمی امتحانوں میں اعلیٰ رہتے ہیں اُن کو علاوہ علمی القابوں کے زمرۂ اہل قلم میں اچھی نوکریاں مل جاتی ہیں یا جو یہاں سے تکمیل کے لئے یورپ جا کر یا اُسی جگہ مدارس انجنیری وغیرہ میں انگریزوں کے مساوی علمی لیاقت میں کامیابی کی سندیں حاصل کرتے ہیں تو اُن کو سول کے کاموں میں کچھ ایسے اعلیٰ عہدے بھی ملنے لگے ہیں جو پہلے صرف انگریزوں ہی کے لئے مخصوص تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(دوسرے شخص سے میری مراد کوئی
ایسا حاکم ہے۔ جو لوگوں کی کمائی چھین لینے سے دریغ نہیں کرتا) اور خواہ کتنا ہی نفع کیوں نہ حاصل ہو کمانے والے کو مفلسانہ لباس پہننا اور اپنے غریب ہمسایوں سے بڑھکر کھانے پینے میں تکلف نہ کرنا ضروریات سے ہے۔ مگر ہاں جب کبھی کسی فوجی سردار سے کسی سوداگر کو توسل ہو جاتا ہے تو البتہ وہ بڑے بڑے تجارتی معاملے کرنے لگتا ہے۔ مگر اس حالت میں اُس کو اپنے مزبی کی غلامی میں رہنا ضروری ہے جو حفاظت کے بدلے جس قسم کی شرطیں اُس سے چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔

اُمرائے ہندوستان کی جہالت اور غرور

شہنشاہِ ہند کو یہ بات میسر نہیں ہے کہ ملازمت کے لئے اپنی رعایا میں سے ایسے لوگوں کو منتخب کر سکے جو قدیمی رئیس زادے اور خاندانی امیروں اور شریفوں کے لڑکے اور بڑے بڑے کارخانہ داروں اور متمول سوداگروں کے بیٹے پوتے ہوں اور جنھوں نے بخوبی تعلیم پائی ہو اور اپنی عادات اور اطوار میں معقولیت اور سنجیدگی کا ہمیشہ اعلیٰ خیال رکھتے ہوں اور جن کو اپنے بادشاہ سے محبت ہو اور دلیری اور دلاوری کے کاموں سے اپنے خاندان کی ناموری اور شہرت بڑھانے کے لئے مستعد اور بوقت ضرورت اس قابل ہوں کہ اپنی گرہ سے کھا کر دربار یا فوج میں بخوشی کام دے سکیں اور کسی اچھے وقت کی اُمید پر صرف بادشاہ کے ہنس کر بول لینے اور شاباش کہدینے پر قانع ہوں بلکہ بجائے اس قسم کے لوگوں کے شہنشاہ ہند کے اردگرد جاہل اور وحشی غلام یا وہ خوشامدی لوگ رہتے ہیں جنھوں نے بہت ہی ادنیٰ اور ذلیل حالت سے درجۂ اعلیٰ پر ترقی پائی ہے۔ اور جو وفاداری اور حب الوطنی اور معقولیت اور مردانگی اور عزت داری کے خیال سے بالکل خالی اور ناقابلِ برداشت غرور و تکبر سے بھرے ہوئے ہیں۔

سرکاری اخراجات کی وجہ سے رعایا کی تباہ حالی

ملک کا حال کثیر مصارف کے سبب (جو دربار کی شان و شوکت قائم رکھنے اور اس بڑی فوج کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ جن کا ہونا رعایا کے قابو میں رکھنے کے واسطے ضروری ہے) تباہ و برباد ہے اور لوگ ایسی تکلیف اور مصیبت میں ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتی اور صرف قحبیوں اور کوڑوں کے خوف سے دوسروں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے فائدہ کے لئے کام میں لگے رہتے ہیں اور اگر فوج کا ڈر نہ ہو تو ایسی بے رحمانہ بدسلوکیوں سے مایوس ہو کر کہیں اور بھاگ جائیں یا فساد برپا کریں۔ اور اس بدقسمت ملک کی مصیبت اُس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کہ کسی صوبہ کی حکومت بہت سا روپیہ لے کر کسی کو دے دی جاتی ہے جو عموماً مروج ہے اور لڑائی اور ہنگامہ کے وقت خصوصیت کے ساتھ جس پر عمل کیا جاتا ہے اور جس کا بالطبع یہ نتیجہ ہے کہ جو شخص اس طرح پر حکومت حاصل کرتا ہے اُس کا مقدم کام یہ ہوتا ہے کہ جو روپیہ اُس نے بہت بھاری سود پر قرض لے کر اپنی مطلب براری کے لئے خرچ کیا تھا اُس کو وصول کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی صوبہ دار اور جاگیردار اور مستاجر کو کسی نہ کسی طرح ہر سال بڑے بڑے نذرانے کسی وزیر یا خواجہ سرا یا محل کی کسی معزز بیگم یا کسی اور شخص کی خدمت میں کہ جس کو دربار میں ذی اقتدار خیال کرتا ہو پیش کرنا اور اس کے ساتھ بادشاہی خراج بھی معمولی وقت پر خزانہ شاہی میں پہنچاتے رہنا ضروری امر ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ دراصل صرف ذلیل اور قرض دار غلام ہوتے ہیں اور کچھ بھی جائداد نہیں رکھتے مگر حکومت ملتے ہی بڑے دانشمند اور متمول امیر بن جاتے ہیں۔ اور اس طرح تمام ملک میں ویرانی اور بربادی پھیلی ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ تمام صوبہ دار اپنی اپنی جگہ پر چھوٹے چھوٹے فرعون بے سامان ہیں جو غیر محدود اختیارات رکھتے ہیں۔ اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے کہ جس کے پاس مظلوم رعایا استغاثہ کر سکے اور خواہ کیسا ہی اور بار بار ظلم کیوں نہ ہوا ہو اُس کو اپنی دادرسی کی کسی طرح اُمید نہیں ہے اگرچہ یہ بات درست ہے کہ بادشاہ تمام صوبوں میں "واقعہ نویس" مقرر کرتا ہے۔ جن کا یہ کام ہے کہ جو امر وقوع میں آئے اُس کی اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن ان نالائق واقعہ نویسوں اور صوبہ داروں کے باہم خود ہی سازش ہو جاتی ہے۔ پس وہ ظلم جو رعایا پر ہوتا ہے اُن کی موجودگی سے شاذ و نادر ہی رُکتا ہے۔

حکام کے تقرر کا عمل درآمد ہندوستان کے صوبہ داروں کی طرف سے جو بیش قیمت ہدیے اور تحفے موقعہ بموقعہ دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ تقریباً وہ اُن کے عہدوں کی قیمت ہی کا کام دیتے ہیں۔ مگر تاہم صوبوں کی حکومت جس قدر علانیہ اور جلد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جلد سلطان روم کی سلطنت ٹرکی میں فروخت ہوتی ہے اُس قدر علانیہ اور جلدی سے ہندوستان میں نہیں بکتی اور ہندوستان کے صوبہ دار روم کی بہ نسبت چونکہ اپنے عہدوں پر قائم بھی زیادہ عرصہ تک رہتے ہیں اس وجہ سے بہ نسبت اُس وقت کے کہ جب پہلے پہل وہ افلاس اور لالچ کی حالت میں صوبہ دار مقرر ہوکر جاتے ہیں رفتہ رفتہ رعایا کی نسبت اُن کا ظلم کم بھی ہوجاتا ہے۔ اور ایک یہ وجہ بھی کم ظلم کرنے کی ہے کہ اُن کو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں یہ لوگ ملک کو چھوڑ کر کسی راجہ کی عمل داری میں نہ چلے جائیں جو فی الواقع اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور روم کی طرح ایران میں بھی جلد جلد اور علانیہ طور پر حکام کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ وہاں اکثر باپ کی جگہ بیٹا ہی حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہ عمل درآمد سلطنت روم کے دستور سے اچھا ہے اِس کا بدیہی نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایران کی رعیت روم کی رعایا کی بہ نسبت خوش حال ہے اور ایرانی ادب اور شائستگی میں بھی روم کے ترکوں سے بہتر ہیں۔ بلکہ کسی قدر کتابوں کے مطالعہ اور پڑھنے لکھنے میں بھی مصروف رہتے ہیں مگر ان تینوں ملکوں یعنی روم۔ ایران۔ اور ہندوستان میں "می ام اینڈ ٹوام" یعنی حق ملکیت کے اُصول کو زمین اور دوسری چیزوں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور اس اصول کے نہ ہونے سے جو درحقیقت تمام خوبیوں اور برکتوں کی جڑ ہے۔ یہ تینوں ملک لازمی طور پر امور کلی میں باہم مشابہ ہیں اور ایک ہی قسم کی سخت غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جلدی خواہ دیر میں بالضرور ظلم اور بربادی اور مصیبت سے جو ان غلطیوں کے طبعی نتائج ہیں ان کو دوچار ہونا پڑے گا۔

فرنگستان کی خوش حالی اور ترقی کے اسباب

جناب من۔ ہم کو خدا کا نہایت شکر کرنا اور خوش ہونا چاہیئے کہ ہمارے ممالک فرنگستان میں بادشاہ زمین کے مالک علی الاطلاق نہیں ہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو اس قدر آبادی اور زراعت کیونکر ہوتی اور ایسے عمدہ اور آسودہ شہر کہاں ہوتے اور شائستہ اور فارغ البال خلقت کس طرح دیکھنے میں آتی۔ اور اگر یہ بربادکن علی الاطلاق حق پادشاہوں کو یہاں بھی حاصل ہوتا تو اب کی بہ نسبت اُن کی دولت اور اُن کی رعایا کی وفاداری اور عقیدت مندی کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی اور وہ صرف بیابان اور سنسان ملکوں اور وحشیوں اور ٹکڑ گداؤں کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بادشاہ ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہان الیغیا شریعت الٰہی اور قانون قدرت سے بڑھکر ناجائز خود مختاری حاصل کرنے کی حرص میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ ہر چیز کو اپنے ہی ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخرکار ہر ایک چیز اُن کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے[1]۔ یا اگر ہمیشہ ہی ایسا نہ ہوتا کہ سب کچھ اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔ مگر تو بھی اتنا تو ضرور رہی ہوتا ہے کہ جس قدر مال و دولت کے جمع کرنے کی طمع اُن کو دامنگیر رہا کرتی ہے بہ خلاف اپنی اُس آرزو کے اُس کے حاصل کرنے سے ہمیشہ مایوس اور محروم ہی رہتے ہیں

میں پھر کہتا ہوں کہ اگر ہمارے ملک کا طرز حکومت بھی یہی ہوتا تو ایسے رؤسا اُمرا علمائے دین، متمول اہل شہر ترقی کناں اہل تجارت۔ ذہین اہلِ حرفہ اور تیز فہم کارخانہ دار کہاں ہوتے اور ایسے شہر جیسے فرانس میں پیرس۔ لائینس ٹولوز اور رائن۔ اور انگلستان میں لندن یا اور بڑے بڑے شہر ہیں کہاں پائے جاتے۔ اور اس قدر قصبات دیہات "کنٹری ہوس[2]" خوش نما میدان پہاڑ اور وادی جن میں نہایت ہوشیاری اور ہنرمندی اور محنت سے زراعت کی جاتی ہے کس طرح دکھائی دیتے اور ہمارے محاصل کثیر کی جو اس محنت اور مشقت کا نتیجہ ہے۔ اور جو بادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہے کیا حالت ہوتی بلکہ سب کچھ اس خوبصورت تصویر کے برعکس ہوتا۔ اور ہمارے بڑے بڑے شہر ناموافق ہوا کی وجہ سے سکونت کے قابل نہ رہتے اور ڈھے کر کھنڈر ہو جاتے اور کسی کو اُن کی مرمت کرنے اور زوال سے روکنے کی فکر نہ ہوتی۔ اور زرخیز پہاڑوں کو لوگ چھوڑ کر چلے جاتے اور میدان اس سرے سے اُس سرے تک جھاڑ جھنکاڑ اور گھاس پھوس سے بھر جاتے۔ اور مضر صحت اور وبائی امراض پیدا کرنے والی دلدلیں سطح زمین کو ڈھانک لیتیں۔ اور مسافروں کے آرام و آسائش کے ذریعے معدوم ہو جاتے۔۔۔ مثلاً وہ اُن جو پیرس اور لائینس کے راستہ میں بنے ہوئے ہیں اپنے رتبہ سے گر کر دس بارہ

---

[1] الحق طالب الکل قوت الکل۔ س۔م۔ح

[2] کنٹری ہوس۔ مکان معہ باغیچہ کو کہتے ہیں جو اہل یورپ تبدیل آب و ہوا اور تفریح طبع کے لئے آبادی سے دور مضافات شہر میں بنا لیتے ہیں۔ فقط س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کارواں سرائیں رہ جاتیں اور مسافروں کو خانہ بدوشوں کی طرح ہر شے اپنے ساتھ لئے پھرنی پڑتی۔

ممالک ایشیا کی کارواں سرائیں ممالک ایشیا کی کارواں سرائیں ایک بڑے بارن (غلہ خانہ) کے مشابہ ہوتی ہیں جن کے چاروں طرف پونٹ نیوف کی طرح پختہ دیواریں بنی ہوئی اور پختہ فرش لگا ہوا ہوتا ہے۔ جن میں سیکڑوں انسان معہ اپنے گھوڑوں خچروں اور اونٹوں کے نظر آتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں تو یہ مکانات ایسے گرم ہوتے ہیں کہ دم گھٹا جاتا ہے۔ اور جاڑوں میں سردی کے مارے مرنے سے بچنے کا کوئی ذریعہ بجز ان بہت سے حیوانات کے مماثل کے نہیں ہوتا۔ اس موقعہ پر اُمید ہے کہ بعض لوگ اعتراضاً یہ کہیں گے کہ ایسے کئی ملک ہیں مثلاً سلطان روم کا ملک کہ جہاں "می ام اینڈ ٹوام" کے اصول کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ مگر پھر بھی نہ صرف بحال خود قائم اور موجود ہیں بلکہ اُن کی عظمت اور اقتدار یوماً فیوماً ترقی پر ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی وسیع اور بڑی سلطنت جیسی کہ سلطان روم کی سلطنت ہے اور جس میں بہت سے صوبوں کی زمین ایسی طاقتور اور زرخیز ہے کہ کامل تردد کے بغیر بھی برسوں تک اُس کا زور قائم رہتا ہے بالضرور دولت مند اور طاقتور ہونی چاہیئے۔ مگر غور کرنا چاہیئے کہ بمقابلہ اُس کی وسعت اور قدرتی خوبیوں کے اُس کی دولت اور طاقت کس قدر کم ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسی ہی آباد ہے۔ اور اُس میں ایسی ہی ہوشیاری سے کاشت کاری اور زراعت ہوتی ہے جیسی کہ حق ملکیت زمین کے رعایا کو حاصل ہونے کی صورت میں ممکن ہے تو اس صورت میں بے شک یہ ہونا چاہیئے۔ کہ یہ سلطنت ایسی ہی بڑی اور عمدہ فوجیں نوکر رکھ سکتی ہے جیسی کہ قدیم زمانہ میں تھیں حالانکہ آج کل تو خاص قسطنطنیہ ہی میں یہ حال ہے کہ اگر پانچ چھ ہزار سپاہی بھرتی کرنے ہوں تو تین مہینے لگتے ہیں۔ چنانچہ میں قریباً اس تمام ملک میں پھرا ہوں اور میں نے اس کو نہایت ہی افسوسناک طور پر تباہ اور اُجڑا ہوا دیکھا ہے۔ البتہ عیسائی غلام جو اس سلطنت کے تمام حصوں سے یہاں آتے ہیں اُن سے اس ملک کو کسی قدر مدد ملتی ہے۔ لیکن اگر اس سلطنت کا طرز حکمرانی آئندہ بہت برسوں تک ایسا ہی رہا تو بالضرور یہ اپنی ہی اندرونی کمزوری کی وجہ سے تباہ ہو جائے گی۔ اگرچہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ فی الحال یہ کمزوری ہی اس کے قیام کا باعث ہے۔ کیونکہ کسی صوبہ کا کوئی فرماں روا یا کوئی اور شخص اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ کوئی چھوٹی سی بھی مہم کی تیاری کر سکے یا اس قدر سپاہی کہ جو اُس کے لئے مکتفی ہوں بہم پہنچا سکے کیا عجیب بات ہے کہ جو امر اس سلطنت کے زوال کا باعث ہے وہی اُس کے چند روزہ قیام کا موجب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان صوبوں میں بغاوت اور فساد کے روکنے اور اس قسم کے خطرات کے انسداد کامل کی غرض سے وہی عجیب و غریب تدبیر اس ملک کے بھی مناسب حال معلوم ہوتی ہے جو ملک پیگو کے ایک برہمن[1] نے اختیار کی تھی کہ بہت عرصہ تک زمین کا جوتنا بونا بند کر دیا۔ ملک کو جنگل اور بن بنا دیا اور سچ مچ آدمی رعیت بھوکھوں مار ڈالی۔ مگر اس سے بھی کچھ نہ ہوا اور اُس کی یہ عمدہ تدبیر دھری ہی گئی۔ کیونکہ ملک کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اس ملک کے دارالحکومت شہر اوا پر تھوڑے سے چینی جو بھاگ کر آئے تھے قابض ہو گئے۔

مگر بہرحال ہم کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے جیتے جی غالباً سلطنت روم کی بالکلیہ برباد ہو جانے کی کم امید ہے۔ اور ہم خوش ہوں گے کہ اس سے زیادہ اُس کی خراب حالت نہ دیکھیں کیونکہ اس کی ہمسایہ ریاستوں کا تو یہ حال ہے کہ اس پر حملہ آور ہونا تو کیا بیرونی امداد کے بغیر اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتیں۔ اور بیرونی امداد کی یہ کیفیت ہے کہ بُعد مسافت اور حسد اور رقابت کی وجہ سے اُس کے پہنچنے میں دیر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ امداد ناکافی بھی ہے اور ناقابلِ اعتماد بھی۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایشیا کی سلطنتیں مفید قوانین سے کیوں مستفید نہیں ہو سکتیں اور صوبجات کے لوگ وزیر اعظم یا خود بادشاہ کے حضور میں استغاثہ کیوں نہیں کر سکتے تو میں قبول کرتا ہوں کہ البتہ وہاں بھی عمدہ قوانین ہیں اور بشرطیکہ اُن پر کامل طور سے عمل ہو تو ایشیا بھی دنیا کے اور ملکوں کی طرح

---

[1] ملک برہما کے باشندے چونکہ بودھ مت کے پیرو ہیں اس لئے اُن کے مذہبی مقتدا اگرچہ برہمن نہیں ہوتے مگر اصل کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پسندیدہ بود و باش کے قابل ہو جائے۔ لیکن جب کہ اُن پر عمل نہ ہو اور نہ اس امر کا امکان ہو کہ بہ زور ان پر عمل کرایا جا سکے تو ایسے قوانین سے کیا فائدہ اور جب کہ حکام صوبجات اُسی وزیر یا خود بادشاہ کے مقرر کردہ ہیں جو اُن کی نسبت نالش سننے کی طاقت رکھتا ہے اور جب کہ فی الواقع ایسے ہی ظالم لوگوں کے سوا حکام کا مقرر کرنا وزیر اور بادشاہ کی دسترس سے بھی خارج ہے یا وہ وزیر یا خود بادشاہ کے ندرانہ لے کر مقرر کئے ہوئے ہیں تو اُن کی نالش کس کے پاس کی جائے۔ اور بالفرض اگر وزیر یا بادشاہ کا میلان خاطر لوگوں کی سماعت نالش کی طرف ہو بھی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک غریب کسان یا ستم رسیدہ کاریگر چار سو یا پانچ سو میل کے سفر کا خرچ کثیر اُٹھا کر دارالسلطنت تک پہنچ سکے۔ اور اس کے سوا ایک یہ آفت ہے کہ یہ زبردست ظالم جیسا کہ اکثر ہوا ہے مستغیث کو راستہ ہی میں قتل کرا دیتے ہیں یا اُس کو اپنے قابو میں لاکر جو دل میں آتا ہے کرتے ہیں۔ اور اگر کسی اتفاق سے کوئی مستغیث بادشاہ تک پہنچ بھی جاتا ہے تو صوبہ دار کے طرف دار لوگ اصل حقیقت کو چھپا کر کچھ اور کا اور ہی بادشاہ کو باور کرا دیتے ہیں۔ غرضکہ صوبہ داروں کو اُن کے صوبجات کا بالکل مالک اور خود مختار حاکم سمجھنا چاہیئے وہ خود ہی جج ہیں۔ خود ہی پارلیمنٹ خود ہی پریسیڈل کورٹ (عدالت اعلیٰ) خود ہی اسیسر (تشخیص جرم کرنے والے) اور خود ہی محاصل شاہی کے وصول کرنے والے۔ چنانچہ ایک ایرانی نے ان ظالم اور لالچی صوبہ داروں اور جاگیرداروں اور متاجروں کی نسبت کیا ہی خوب کہا ہے کہ "انہا کاز زیگ روغن می کشند" (یعنی ریت سے روغن نکالتے ہیں) اور اصل بات تو یہ ہے کہ ان کی عورتوں اور بچوں اور غلاموں اور لیٹرے مصاحبوں کے اخراجات کے لئے تو کوئی بھی آمدنی مکتفی نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے ملک فرانس کے بادشاہوں کی ملکیت خاص کی زمینیں ایسی ہی جوتی بوئی جاتی ہیں اور نہایت کثرت سے لوگ اُن میں آباد ہیں جیسی کہ رعایا کی ملکیت کی زمینیں جوتی بوئی جاتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی سلطنت کا جہاں کا بادشاہ صرف چند قطعات کا مالک ہے ایسی سلطنت کے ساتھ کہ جس کی کل زمین شاہی ملکیت ہے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ فرانس میں آئین و قوانین ایسے معقول ہیں کہ اُن کی تعمیل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سب سے اول بادشاہ پر واجب ہے۔ اور جو زمینیں اُس کے قبضہ میں ہیں اُن میں جو حق کسی کاشتکار کو حاصل ہے وہ اُس کو زائل نہیں کر سکتا۔ اور اُس کے کارندوں اور متاجروں پر قانون کے موافق نالش ہو سکتی ہے۔ اور مظلوم کسان یا کاریگر بے شک اپنے انصاف کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن ایشیا میں کمزوروں اور مظلوموں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اور قانون جس سے تمام جھگڑے فیصلہ پاتے ہیں صرف حاکم کا سونٹا یا اُس کی بے ٹھکانہ اور رنگا رنگ رائے ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں گے کہ بعض نوائد ایسے ہیں کہ درحقیقت حکومت شخصیہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً وکلائے عدالت بہت کم ہوتے ہیں اور مقدمات بھی زیادہ ماثر نہیں ہوتے۔ اور جو دائر ہوتے ہیں وہ بہت جلد فیصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مقدمات کے انفصال میں طوالت کا ہونا ہر ایک سلطنت کے لئے سخت عیب ہے۔ اور بالضرور بادشاہ پر اس خرابی کی اصلاح واجب ہے لیکن یہ لوگ خواہ کچھ ہی کہا کریں مگر ہم تو ایران کی اس پرانی مثل کی بہت بڑھ کر تعریف نہیں کر سکتے کہ "ناحق کوتاہ بہتر از حق دراز" کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اس طوالت کے رفع کرنے کا اس سے زیادہ موثر علاج اور کچھ نہیں ہے کہ رعایا کا حق ملکیت مٹا دیا جائے۔ اور جب یہ حق نہ رہے گا تو بے شمار قانونی کارروائیوں کی ضرورت خود ہی نہیں رہے گی۔ خصوصاً اُن کارروائیوں کی جو اہم اور طول وطویل اور پیچیدہ مقامات میں ہوتی ہیں۔ نہ بہت سے مجسٹریٹوں اور ججوں کے رکھنے کی حاجت ہو گی۔ اور نہ بڑے بڑے وکلا اور مختار کاروں کی جماعت کثیر کی۔ جن کی گذر اوقات صرف مقدمات ہی پر موقوف ہے احتیاج ہو گی۔ لیکن کچھ شک نہیں ہے کہ یہ علاج مرض سے بدرجہا بدتر ہو گا اور جو مصیبت اس سے ملک پر پڑے گی اُس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بجائے مجسٹریٹوں اور ججوں کے جن کی دیانت اور امانت پر بادشاہ بھروسہ کر سکتا ہے رعایا کے لوگ اُسی قسم کے حکام جابر کے اختیار میں جا پڑیں گے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ممالک ایشیا میں اگر کبھی انصاف ملتا ہے تو صرف اُن غریب اور کم درجہ کے لوگوں کو ملتا ہے جو قاضیوں کو رشوت دینے کا مقدور نہیں رکھتے۔ یا کچھ دے کر جھوٹے گواہ نہیں بنا سکتے۔ جو ہمیشہ بہت سستے اور کثرت سے مل سکتے ہیں اور جو کبھی سزا نہیں پاتے۔

میرا یہ بیان اپنے کئی برس کے تجربہ پر مبنی ہے۔ اور مجھے مختلف ذریعوں سے اِن امور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور یہ اُس تحقیق کا نتیجہ ہے جو ہندوستانی اور یورپین سوداگروں سے جو عرصہ سے اس ملک میں کاروبار کرتے ہیں اور مختلف سلطنتوں کے سفیروں، نمائندوں اور ترجمانوں سے نہایت کوشش کے ساتھ میں نے کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ شہادت میرے اکثر ہم وطن سیاحوں کے بیان کے برخلاف ہے شاید اُنھوں نے کسی شہر میں راستہ چلتے دو ذلیل شخصوں کو دیکھ لیا ہوگا کہ قاضی نے اُن میں سے ایک کے یا دونوں کے تلوؤں[1] پر سخت جوتیں لگوا کر جلدی سے کچہری سے

---

[1] مجرموں کے تلووں پر قاضیوں کا جوتیں لگوانا جو مصنف نے لکھا ہے۔ چونکہ تعزیر کا یہ وحشیانہ طریقہ نہ تو شرع اسلام کے موافق ہے نہ ہندوستان کی رسوم متعارفہ میں سے ہے۔ اس لئے کچھ اس کا حال لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ سزا دہی کے اس طریقہ کو ایرانی لوگ چوب و فلک یا چوب و فلک کردن کہتے ہیں۔ اور پایا جاتا ہے کہ اُس ملک میں سیکڑوں برس سے یہ سزا نہ صرف چوروں، بدمعاشوں کو دی جاتی ہے بلکہ ایرانی میانجی اپنے مکتبوں کے شریر لڑکوں کو بھی یہی سزا دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رائے ٹیک چند بہادر کی کتاب مصطلحاتِ بہار عجم میں جو آج سے ایک سو باون برس پہلے یعنی ۱۱۵۲ھ کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ "فلک چوبے باشد طولانی کہ در ہر دو سرش دو جا سوراخ کنند و ریسمانے ازاں بگذرانند و معلمان ہر دو پائے اطفال بازی گوش را دران بند کردہ تاب دہند آنگاہ چوب زنند و چوب و فلک نیز عبارت ازہمیں عمل است علی خراسانی گفتہ ؎ تا مکتبِ سرگشتگی گردید پیدا در فلک مانند طفلان با خدم پائے تہمتنا در فلک ؛ ایضاً محمد قلی سلیم گفتہ ؎ زمانہ مکتبِ اطفال گشتہ پنداری ؛ کہ ہر کہ ہست در و شکوہ از فلک دارد ؛ ایضاً محمد سعید اشرف گفتہ ؎ چوں زدلم بروں جہد نالہ بچرخ بوکشم ؛ چارہ بے فلک بود طفل گریز پائے را ؛ ملا محسن تاثیر گفتہ ؎ رود چو طفل سرشکم بروں ز مکتبِ چشم نہد بہ پاش زنرگاں ادیبِ غم فلکے، ملا نورالدین ظہوری گفتہ ؎ گرچہ تادیب خلق بر فلک است ؛ کہکشاں ہم برائے او فلک است" و اغلب چوبے بود کہ در وسط آں تسمہ باشد" اور رائے ٹیک چند کے اُستاد سراج الدین علی خاں آرزو نے اپنی کتاب مصطلحات فارسی مسمّٰی بہ چراغ ہدایت میں جو بہار عجم سے چند سال پیشتر کی تصنیف ہے۔ یوں لکھا ہے کہ "فلک کردن" نوعے از تعذیب اطفال باشد کہ معلماں کنند و آں وا ژونہ آویختن است (لڑکوں کو سزا دینے کا ایک طریقہ ہے جو اُستاد کرتے ہیں اور وہ دراصل اُلٹا لٹکانے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کا طریقہ ہے) اور اس آلے لٹکانے کے معنی کا استنباط اپنے شاعرانہ خیال میں محمد قلی سلیم کے مذکورہ بالا شعر سے بمناسبت لفظ فلک (یعنی آسمان) کرکے پھر ظہور الدین ظہوری کا وہی شعر نقل کیا ہے اور اس میں کہکشاں کو اپنے تصور میں تسمہ سے مشابہ گردان کر یہ عبارت لکھی ہے کہ "لیکن ازیں شعر ظہوری یعنی تسمہ کہ معلمان بر اطفال زنند معلوم می شود" (لیکن ظہوری کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ تسمہ ہے جس سے استاد لڑکوں کو پیٹتے ہیں) چونکہ فارسی زبان کے ان ہندوستانی نامور محققوں نے "چوب و فلک" کے معنوں میں احتمالی باتیں لکھی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان کے وقت میں جو سنہ و سال کا حساب لگانے سے محمد شاہ کا عہد سلطنت معلوم ہوتا ہے جس نے ۱۱۳۱ھ میں تخت نشین ہوکر ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی تھی۔ ہندوستان میں یہ سزا مروج نہ رہی تھی۔ انگریزی زبان میں اس طرح سزا دینے کا نام بسٹی نیڈو ہے چنانچہ ویبسٹر کی ڈکشنری میں جو زمانہ حال کی معتبر کتب لغات میں سے ہے۔ اس کی تصویر بھی لکھی ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ دراصل یہ لفظ زبان فارسی کا ہے۔ اور اٹلی اور فرانس اور سپین کی زبانوں میں جو لفظ بسٹی نیڈو کے لئے قریب التلفظ الفاظ ہیں منجملہ اُن کے زبان فرنچ میں پہلے اس لفظ کو بستن کہتے تھے اور اب بتن کہتے ہیں۔ اور وہی مصنف لکھتا ہے کہ اس کے معنی ہیں چھڑی یا سونٹے سے ایک سخت چوٹ، اور خصوصاً اس طریق سزا کو کہتے ہیں جو ٹرکی یا چین وغیرہ سلطنتوں میں اس طرح پر دی جاتی ہے کہ مجرم کے تلووں پر لاٹھیاں مارتے ہیں اور اسی کتاب میں اس کی تصویر اس طرح بناتی ہے کہ ایک شخص کو منہ کے بل اوندھا لٹایا ہوا ہے۔ اور اُس کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک اس طرح اونچے کئے ہوتے ہیں جیسے کہ پانی میں تیرنے کے وقت اکثر لوگ کرلیا کرتے ہیں۔ اور دونوں پاؤں کے برابر دو مضبوط کھونٹے گڑے ہیں اور اُس کے ٹخنوں میں تسمہ یا رسی ڈال کر اُن کھونٹوں کے ساتھ مضبوط باندھ دیا ہے۔ اس طرح سے کہ تلوے رو بآسمان ہیں اور اُس کے پاس ایک شخص دونوں ہاتھوں میں لاٹھی اٹھائے کھڑا ہے جس کو آج کل کے رومی ترکوں کا سا یورپین نما لباس پہنایا ہوا ہے وہ زور سے اُس کے تلووں کو پیٹ رہا ہے چوب و فلک کی شکل و صورت اور اُس کے طریق استعمال کی نسبت جہاں تک ہم کو اہل ایران سے معلوم ہو سکا ہے۔ خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ ڈنڈے کے طور کی کوئی دو گز لمبی اور ایک فٹ دور کی موٹی لکڑی کے دونوں سروں میں سوراخ کرکے اُن میں کمان کے چلے کی طرح کوئی تین بالشت طول کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

باہر نکلوا دیا ہوگا۔ دیا دونوں کو "مے بیل بابا" (معلوم نہیں کون سے الفاظ کی خرابی ہے) یا کچھ اور ایسے ہی ملائم الفاظ کہکر جو قاضی لوگ اُس وقت کہدیا کرتے ہیں جب کہ اُن کو فریقین میں سے کسی سے کچھ فتوح کی اُمید نہیں ہوتی جلدی سے رخصت کردیا ہوگا۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ کارروائی کا یہ مختصر طریقہ دیکھکر اُن کا تعجب بے محل نہیں۔ اور وہ اسی وجہ سے فرانس میں یہ کہتے ہوئے پہنچے کہ "واہ واہ کیا خوب اور کیسا جلدی انصاف ہوتا ہے اور اے راستی شعار قاضیان ہندوستان فرانس کے مجسٹریٹوں کو تمھارے نمونہ پر چلنا چاہیئے۔ اور ان بے چاروں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ جھوٹے شخص کو اگر اس قدر استطاعت ہوتی کہ پانچ سات روپیوں سے قاضی یا اس کے محرروں کی مٹھی گرم کر دیتا یا دو چار روپیہ خرچ کرکے دو جھوٹے گواہ بہم پہنچا لیتا تو بے شک جیت جاتا یا مقدمہ کو جس قدر طول دینا چاہتا دے سکتا۔

جناب من۔ میں نہایت سچائی سے پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر حقِ ملکیت جائداد زائل کردیا جائے تو ظلم بے انصافی۔ افلاس۔ اور وحشت اُس کے لازمی نتیجے ہوں گے اور زمین کا بندوبست موقوف ہوکر ملک سنسان اور ویران ہوجائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے بادشاہ اور قوم دونوں کی تباہی اور بربادی کا راستہ کھل جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں انسان اسی امید پر محنت کرتا ہے کہ اُس کا پھل اُس کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ایک ڈھیلی رسی یا تسمہ ڈالے رکھتے ہیں اور جب مجرم کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اُس کے پاؤں کو اول اُسی رسی میں بل دے کر کس لیتے ہیں اور بعد ازاں دو آدمی اس ڈنڈے کو دونوں سروں سے پکڑ کر مجرم کے تلوے اس طرح سے رو بآسمان کر دیتے ہیں۔ گویا گھوڑے کی نعل بندی کراتے ہیں اور تیسرا شخص اکثر درخت انار کی شاخوں سے جو لچک دار ہونے کی وجہ سے زمانۂ حال کی عدالت ہائے انگریزی کے ضرب بید کا سا جو چوروں بدمعاشوں کی پشت پر مارتے ہیں، کام دیتے ہیں مجرم کے تلووں کو پیٹتا ہے۔ غرضکہ لفظ چوب سے دو شاخیں مراد اور فلک سے وہ ڈنڈا اور فی زمانہ ایران کے مکتبوں میں اُس ڈنڈے کو فلکہ بھی کہتے ہیں ہمارے ایک ایرانی دوست نے بمبئی سے مکتب کے بچوں اور چوروں کی سزا کے طریق میں جو فرق لکھا ہے بہتر ہے کہ اُس کو اُنھیں کے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ وہو ہذا۔

چوب زدن مخصوص حکام وسلاطین است کہ دزد وغیرہ را تنبیہ می کنند و لے فلک در مکتب خانہ مخصوص بہ اطفال کوچک است و چوب آں یک ذرع و شاخ انار باریک دو طفل دیگر گرفتہ خود معلم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور اُس کی اولاد کو ملے اور یہ اُمید ہی ہر ایک فائدہ مند اور عمدہ شے کی نبیاد ہے۔ اور اگر ہم دنیا کی سلطنتوں کی حالت پر نظر ڈالیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ اُن کی ترقی یا زوال صرف اسی اصول کے لحاظ یا عدم لحاظ پر موقوف ہے مختصر یہ کہ اسی اصول کے عمل درآمد یا اُس سے غفلت کرنے کا نتیجہ ہے جو ملکوں کے حالات میں الٹ پھیر ہوتی رہتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = می زنند بر کف پائے طفل کہ چنداں صدمہ نرسد۔ وے گماشتگان شاہی بقصبے چوب می زنند بر کف پائے شخص مجرم کہ تمام پائے شخص مجروح می شود و خون می آید بقصبے می زنند کہ سر چوب قلم پای خود زخم می شود بسیار بد است۔ حال در ایران مروج است فقط س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کوچ بہار اور آسام پر میر جملہ کی فوج کشی

یہ مہم (جیسا کہ ڈاکٹر بنیر نے لکھا ہے) صرف آسام ہی پر نہیں ہوئی تھی بلکہ کوچ بہار اور آسام دونوں پر ایک ہی وقت میں فوج کشی کی گئی تھی۔ اور اصلی سبب اس کا یہ ہوا تھا کہ ۱۰۶۷ھ کے اخیر میں جب شاہجہاں کی بیماری نے طول پکڑا اور طرح طرح کی افواہیں پھیل گئیں حدود سلطنت میں فتور پیدا ہوا۔ اور چاروں شاہزادوں نے ایک اُودھم مچادیا اور شجاع بنگالہ سے پٹنہ کوچ کرگیا۔ تو کوچ بہار کے باج گذار راجہ[1] پیم نرائن نے بھی یہ ہل چل دیکھکر بادشاہی علاقہ یعنی گھوڑاگھاٹ کو لوٹ لیا۔ اور وہاں کی رعایا میں سے ایک جماعت کثیر کو جس میں اکثر مسلمان تھے قید کرکے اپنے ملک کو لے گیا۔ اور اس پر بھی بس نہ کرکے بھولانا تھ اپنے وزیر کو ایک انبوہ عظیم کے ساتھ کامروپ کے علاقہ پر تسلط کر لینے کے واسطے مامور کیا۔

آسام کے راجہ جے دھج سنگھ نے جو اس سے بدرجہا زبردست تھا جب یہ حال دیکھا تو اُس نے بھی ایک لشکر عظیم خشکی اور تری کی راہ سے علاقہ کامروپ پر روانہ کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کامروپ کا بادشاہی فوج دار کوچ بہار اور آسام کے لشکروں سے تعابلہ کی طاقت نہ دیکھکر اور بنگالہ کے صوبہ دار (سلطان شجاع) سے کمک پہنچنے کی امید منقطع سمجھکر جہانگیر نگر (راج محل) کو بھاگ آیا۔ اور چونکہ بھولانا تھ بھی خود کو آسامیوں سے کمزور

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ کوچ بہار کے علاقہ کے لوگ نارائن کی مورت پوجتے ہیں۔ اس لئے لفظ نارائن ہمیشہ یہاں کے راجہ کے نام کا جزو اخیر ہوتا ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے یہاں کے سونے کے سکہ کو بھی نارائنی کہتے ہیں۔ اور قدامت خاندان کے باعث سے کوچ بہار اور آسام کے راجہ اس زمانہ میں اُس طرف کے لوگوں کی نظر میں بہت معزز اور محترم خیال کئے جاتے تھے۔ اس کی ریاست بنگالہ کے شمال ومغرب میں مائل بشمال پچپن کوس کے طول اور پچاس کوس کے عرض میں دس لاکھ روپیہ آمدنی کی تھی اور دریائے سنکوش جو تبت اور بنگالہ میں بہتا ہے۔ آسام اور کوچ بہار میں حد فاصل تھا۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سمجھکر پیچھے ہٹ گیا۔ اس وجہ سے آسام والوں نے بے مقابلہ و مزاحمت بادشاہی ملک پر متسلط ہوکر خوب لوٹا اور اپنے دستور کے موافق بہت سی رعیت کو پکڑ کر قیدی بنا لیا اور یہاں تک بڑھے کہ بے روک ٹوک جہانگیر نگر سے تقریباً پانچ منزل کے فاصلہ پر موضع بیت سلا پرگنہ کری باڑی میں اپنا تھانہ بٹھا دیا۔

یہ اسامی ایسے زبردست اور مغرور تھے کہ پہلے بھی کئی بار ایسی حرکتیں جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں کر چکے تھے۔ چنانچہ ایک بار سید ابوبکر کو جہانگیر کا ایک امیر تھا معہ اُس کی فوج کے جمدہرہ کے پاس سے اور دوسری دفعہ شیخ عبدالسلام حاجو کے فوجدار کو شاہجہاں کے زمانہ میں گواہٹی سے پکڑ کر لے گئے تھے اور کبھی بھی کسی مسلمان بادشاہ سے مغلوب نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ ایک تو یہ لوگ وحشی خصال اور جنگجو تھے۔ علاوہ بریں ان کا ملک بسبب کوہستان اور ندی نالوں، عمیق دریاؤں، جنگلوں اور ناقابل گذرنوں وغیرہ کے سبب قدرتی طور پر محفوظ تھا۔ شاہجہاں کے عہد میں مذکورہ بالا واقعہ کے باعث اگرچہ میر عبدالسلام مخاطب بہ اسلام خان صوبہ دار بنگالہ نے خاص اپنے بھائی کو سپہ سالار بنا کر آسام پر فوج کشی کی تھی۔ مگر یہ حملہ آور سردار صوبہ بنگالہ۔ اور آسام کی سرحد موضع کجلی سے ہنوز آگے نہیں بڑھا تھا کہ اتنے میں شاہجہاں نے میر عبدالسلام کو اپنا وزیر مقرر کرکے شجاع کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مامور کر دیا۔ اور جیسا کہ شخصی ارادے اکثر ادھورے رہ جایا کرتے ہیں اس تغیر و تبدل میں یہ مہم ناتمام رہ گئی تھی۔

میر جملہ کی راج محل میں آمد القصہ جب میر جملہ عالمگیر کے تیسرے سال جلوس میں شجاع کو دباتا ہوا راج محل میں جا پہنچا تو آسام کا راجہ اُس نامور مدبر کی لیاقت اور شجاعت کی شہرت سے اور یہ دیکھکر کہ وہ شجاع کو کیسی کامیابی سے مغلوب کر چکا ہے۔ اپنی مذکورہ بالا پیش قدمی اور حمارت کا خیال کرکے خائف ہوا۔ اور وکیل کے ہاتھ میر جملہ کی خدمت میں ایک معذرت نامہ اس مضمون کا بھیجا کہ پیم نرائن ہمارا دشمن ہے اور وہ چاہتا تھا کہ کامروپ کے علاقہ پر جو قدیم زمانہ میں آسام سے متعلق تھا متصرف ہو جائے۔ اس سبب سے میری فوج نے اُس ملک پر قبضہ کر لیا تھا اب جس کو حکم ہو سونپ دیا جائے۔

میر جملہ نے مصلحت وقت سمجھکر اُس کی معذرت کو قبول کر لیا اور وکیل کو خلعت دیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور رشید خاں کو معہ اور چند سرداروں کے متعین کیا کہ آسامی جو اس قرارداد کے موافق علاقہ کامروپ کو خالی کرکے مناس ندی کے کنارہ تک ہٹ گئے تھے جاکر قبضہ کرلے۔

اس کے بعد پیم نارائن نے بھی وکیل بھیج کر معذرت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس راجہ نے باوجود بادشاہی باج گذار ہونے کے اطاعت کے خلاف یہ گستاخی کی تھی اس لئے میر جملہ نے عذر قبول نہ کرکے وکیل کو قید کردیا۔ اور راجہ سوجان سنگھ بندیلہ اور مرزا بیگ اپنے ایک ذاتی ملازم کو کچھ اپنی اور کچھ بادشاہی فوج دے کر اُس کی گستاخی کی سزا دینے کیلئے کوچ بہار کو روانہ کردیا۔

چونکہ راجہ سبحان سنگھ نے شہر کوچ بہار کے قریب پہنچ کر یہ اندازہ کیا کہ اپنی موجودہ جمعیت سے وہ اُس کو فتح نہیں کرسکتا۔ اس لئے ناچار کھ دوار کے سامنے جو کوچ بہار میں داخل ہونے کے لئے صدر دروازہ تھا اور جس کا ذکر بہ تفصیل آگے آئے گا ٹھیر گیا۔

ادھر سرحد آسام پر یہ معاملہ پیش آیا کہ رشید خاں جو بہ لحاظ قلت فوج ازراہ احتیاط کسی قدر جھجک جھجک کر آگے بڑھتا تھا اس باعث سے آسامیوں نے ان کو ضعیف سمجھکر ایفائے وعدہ کا خیال چھوڑ دیا اور لڑنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔

میر جملہ کی فوج کشی آخر کار جب شجاع تباہ و برباد ہوکر بنگالہ سے اراکان کو چلا گیا اور میر جملہ نے اُس کے تعاقب سے فراغت پائی تو کوچ بہار اور آسام کے معاملات پر متوجہ ہوا۔ اور ان دونوں پر بذات خود فوج کشی کرنا مناسب سمجھکر بادشاہ سے اجازت منگائی اور اُن تمام سرداروں اور امیروں سمیت جو شجاع کی مہم میں اس کے ساتھ مامور تھے خضر پور سے (جس کا نشان بنگالہ کے نقشہ پر نہیں ملا) اٹھارھویں ربیع الاول ۱۰۷۲ھ کو (مطابق سال چہارم جلوس عالمگیری) برسات کے بعد کشتیوں میں روانہ ہوا۔ اور بمقام بری تلا جو بادشاہی ملک میں کوچ بہار کی سرحد پر تھا جا ٹھیرا۔

دانشمندانِ قوم انگریز فرماں روایان حال کی طرح جو ازراہ دوراندیشی سپہ سالار ہند کے دفتر میں ہمیشہ ایک مستقل محکمہ ہی اندرونی و بیرونی ملکوں کی نسبت ہر قسم کی معلومات جمع کرتے رہنے کا قائم رکھتے ہیں اُس وقت پیش بینی کے یہ سامان کہاں تھے کہ اس سرحدی ریاست کے راستوں وغیرہ کے حالات سے اُس کو واقفیت ہوتی۔ اس لئے ناچار وہاں رُک کر اس ملک میں داخل ہونے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا اور بعد تحقیقات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ تین راستے دریافت ہوتے۔

ایک ولایت[1] مورنگ کی طرف سے دوسرا بادشاہی ملک کی سمت سے جو کھ دوار ہوکر جاتا تھا۔ اور جدھر سے راجہ سبحان سنگھ اور مرزا بیگ نے داخل ہونے کا قصد کیا تھا تیسرا راستہ گھوڑا گھاٹ اور رنگا ماٹی کی جانب سے۔ سوائے ان تین مشہور راستوں کے بادشاہی ملک کی طرف سے ایک اور بھی غیر متعارف راستہ تھا۔ چنانچہ میر جملہ نے بوجوہ خاص اُس کو اختیار کیا۔

شہر کوچ بہار کا محل وقوع شہر کوچ بہار اُس وقت اس طرح واقع تھا کہ اُس کے گرداگرد مدت ہائے دراز سے ایک نہایت عریض اور مرتفع بند جس کو اُس ملک کی اصطلاح میں آل کہتے تھے چوبیس[2] کوس کے دور میں بطور حصار کے بنا ہوا تھا۔ جس کے اندر نہ صرف یہ شہر بلکہ کئی پرگنے بھی تھے۔ اور اس بند کے گرداگرد ایک عمیق خندق کے علاوہ بانس اور بید اور اور درختوں کا ایسا گھنا جنگل تھا کہ جس میں سے جانور بھی بمشکل گذر سکے اور اس بند میں چند مستحکم دروازے تھے جن پر بڑی بڑی توپوں اور لمبی لمبی بندوقوں اور زنبورک وغیرہ سامانِ جنگ کے ساتھ نگہبانی کے لئے راجہ کی فوج ہر وقت تعینات رہتی تھی۔ اور ان سب میں سے بڑا دروازہ جو شہر کے محاذی واقع تھا اُس کو کھ دوار کہتے تھے۔

میر جملہ نے جو راستہ اختیار کیا تھا اگرچہ اس طرف آل کا عرض اور ارتفاع کمتر تھا لیکن ندیاں نالے اور بانس کا گھنا جنگل اس شدت سے تھا کہ پیم نرائن کو اس طرف سے حملہ ہونے کا ذرا بھی دغدغہ نہ تھا۔

میر جملہ کی فتح یابی میر جملہ نہایت محنت کے ساتھ کوچ بکوچ ندی نالوں کو عبور کرتا اور جنگل کٹواتا ہوا غرہ جمادی الاول سنہ مذکور کو آل تک جا ہی پہنچا۔ اور خفیف سے مقابلہ کے بعد اُس سے پار ہوگیا۔

پیم نرائن جو اسی جنگل اور آل کے بھروسہ پر ساری شوخیاں اور سرکشیاں کرتا تھا شہر کو خالی چھوڑ کر اور اہل وعیال کو ساتھ لے کر بھوٹنٹ[3] کے بلند اور برفانی کوہستان کے راجہ دھرم راج

---

[1] عالمگیر نامہ وغیرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کی اصطلاح میں لفظ ولایت کا اطلاق ایسے علاقوں کی نسبت کیا جاتا تھا جو بادشاہی حکومت سے آزاد اور خود مختار ہوتے تھے۔ س م ح

[2] بھوٹنٹ میں جس کو آج کل انگریزی نقشوں میں اکثر بھوٹان لکھتے ہیں ہمیشہ دو راجہ ہوتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے پاس جو ایک سو بیس برس کی عمر میں مرد مرتاض۔ تارک لذات اور صرف کیلا اور دودھ کی غذا پر جینے والا اور باوجود کبر سن کے تندرست اور صحیح القویٰ اور نہایت منصف اور رعیت پرور بدمت کا پیرو تھا چلا گیا اور میر جملہ ششم جمادی الاول ۱۰۷۱ھ کو (اس مہم پر روانگی سے تخمیناً ڈیڑھ مہینے کے بعد) شہر کوچ بہار پر قابض ہو گیا۔

عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ فتح مندوں نے اس ملک کو طرح طرح کے پھولوں اور میووں اور سیاہ مرچ اور اور انواع و اقسام کے خوبصورت درختوں سے ایک قدرتی باغ کی طرح نہایت ہی سرسبز و شاداب پایا۔

مگر وہاں کے سیاہ فام اور قلماق صورت (یعنی گورکھیہ نما) زن و مرد حسن و جمال اور صباحت و ملاحت سے عموماً محروم وحشی اور جنگلی خصلت تھے جن کا حربہ تلوار و بندوق کے علاوہ زیادہ تر زہر کے بجھے ہوئے تیر تھے۔

لیکن راجہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کی طبیعت زینت و نفاست عیش و عشرت اور صفائی و لطافت کی جانب نہایت مائل تھی اور اُس کے مکانات۔ خلوت خانہ۔ دیوان خانہ۔ حرم سرا۔ خواص پورہ۔ حمام۔ باغیچہ۔ نہر۔ فوارہ۔ آبشار وغیرہ۔ بہت با قرینہ اور طرح دار۔ زینت و تکلف کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور شہر بھی بہت اچھے قرینہ سے بسا ہوا تھا۔ اور اکثر کوچوں اور بازاروں میں خیاباں اور پھولوں کی کیاریاں تھیں اور ناگ کیسر اور کچنار کے خوبصورت درخت لگے ہوئے تھے۔ اور یہ صفائی اور نفاست کی باتیں جو انھوں نے وہاں جا کر دیکھیں ایسے جنگلی لوگوں کے ملک میں اُن کی توقع کے نہایت ہی خلاف تھیں۔

القصہ جب سب طرح عمل و دخل ہو چکا تو دوسرے دن سید صادق صوبہ بنگالہ کے صدر (متولی اوقاف) نے میر جملہ کے حکم سے پیم نرائن کے سب سے اونچے محل کی چھت پر چڑھکر (گویا اہل اسلام کی فتح کے علامت کے طور پر) اذان دی۔ جو بقول صاحب عالمگیر نامہ۔ اُس ملک میں تحلیل و تکبیر کی یہ پہلی ہی صدا تھی اور بادشاہ کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اور کھیر دوار کے استحکام اور عمارت کو مسمار کرا دیا۔ اور اُس کے گرداگرد سو سو گز تک جنگل بھی کٹوا ڈالا۔ ایک سو چھ توپیں اور ڈیڑھ سو سے زیادہ زنبورک اور رام جنگی (جو اُس زمانہ میں ایک قسم کی لمبی بندوق کو کہتے تھے) اور بہت سی معمولی بندوقیں اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ایک دیبی دوسرا دنیادی، دیبی راجہ کا لقب دیب راج اور دنیوی کا دھرم راج ہوتا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سامان جنگ ضبط کر لیا گیا۔ اور بھولا ناتھ وزیر جو کوچ بہار کے مغرب کی طرف بھاگ کر مورنگ کے دشوار گذار جنگلوں میں جا گھسا تھا اُس کو بھی بادشاہی فوج نے جا پکڑا اور راجہ کا بڑا بیٹا بلشن نارائن جس کو اس کا باپ اکثر نظر بند اور قید رکھتا تھا باپ سے جدا ہو کر میر جملہ کے لشکر میں آگیا اور اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا۔

اگرچہ کچھ سپاہ پیم نزاین کی گرفتاری کے لئے بھوٹنٹ کو بھی روانہ کی گئی تھی اور اس باب میں میر جملہ نے ایک پروانہ بھی وہاں کے راجہ کے نام لکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مغلیہ فوج جو اکثر سواروں کی ہوتی تھی اس لئے پہاڑ کے نیچے کے حصہ میں کچھ لاحاصل شور و غل مچا کر واپس چلی آئی اور اس کے پروانہ کی کسی نے پروانہ کی۔ اور مصلحتاً یہ بھی چپ ہو رہا۔ غرضکہ میر جملہ نے سولہ[۱۶] دن کوچ بہار[۱] میں ٹھیر کر نظم و نسق ملک کے لئے اپنے عہدہ دار مقرر

---

[۱] یہ ریاست فی زمانہ گورنمنٹ بنگالہ کے ماتحت دارجلنگ کے قریب راج شاہی کی کمشنری کے متعلق ہے۔ شمال کی طرف ضلع جلپاگوری کے مغربی دوارون سے محدود ہے۔ اور جنوبی طرف میں ضلع رنگ پور اور مشرق میں گوال پاڑا۔ اور مغرب میں دیناج پور ہے۔ رقبہ اس کا تیرہ[۱۳] سو سات[۷۰۰] میل مربع اور آبادی خلائق چھ لاکھ دو ہزار چھ سو چوبیس[۶۲۴] ہے۔ فرماں روائے حال کا نام و خطاب مہاراجہ نرپ اندر نرائن بھوپ بہادر ہے۔ اور گورنمنٹ انگریزی سے تیرہ[۱۳] ضرب توپ کی سلامی کا اعزاز اور آنریری میجر کا فوجی لقب بھی حاصل ہے رئیس حال کی نابالغی کے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی نے اس ریاست کے طریق نظم و نسق کی بہت بڑی اصلاح کر دی ہے۔ اور اس زمانہ کی شائستہ طرز حکومت کے موافق صیغہ جات مال جوڈیشل پولیس۔ بندوبست۔ تعمیرات عامہ۔ تعلیم۔ اور ٹیلیگراف۔ اور ڈاک خانے اور باقاعدہ انتظام جیل خانہ وغیرہ موجود ہے۔ اور ملک کی آمدنی تخمیناً تیرہ[۱۳] چودہ[۱۴] لاکھ روپیہ سالانہ ہے سر چارلس ایچسن صاحب کی کتاب عہدنامجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۷۳ء سے یہ ریاست گورنمنٹ انگریزی کی حمایت میں آئی ہے جب کہ وہاں کے خود سال راجہ کو بھوٹیوں نے مقید کر کے ملک پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور گورنمنٹ ممدوحہ نے ملک کی نصف آمدنی کا خراج عائد کر کے اُن کو نکال دیا اور راجہ کو بحال کر دیا۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں جز ایکسیلنسی لارڈ ڈفرن ولیسرائے ہند کے دربار میں بمقام شملہ راقم نے رئیس حال کو دیکھا تھا کہ ایک سانولے رنگ کے کشیدہ قامت نوجوان ہیں اور اُس وقت فوجی وردی پہنے ہوئے تھے اور اپنے عادات و اطوار لباس و پوشاک وغیرہ میں عموماً یورپین وضع رکھتے ہیں اور مذہب میں برہمو طریقہ کے پیرو ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کر دیئے۔ اور خود تیئیسویں جمادی الاول کو (شروع کوچ سے تقریباً دو مہینے کے بعد) گھوڑا گھاٹ کے راستے آسام کو روانہ ہوا۔

آسام کے عمومی حالات

یہاں تک تو ناظرین ریاست کوچ بہار میں میر جملہ کے عمل و دخل، شاہی سکہ و خطبہ وغیرہ کے اجرا کا حال معلوم کر چکے مہم آسام میں میر جملہ کی جنگی کارروائیوں کے لکھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی حدود اور حالات طبعی اور وہاں کے باشندوں کے عادات و خصائل اور رسم و رواج وغیرہ کو (جس طرح پر کہ اُس وقت تھے اور جن کو صاحب عالمگیر نامہ نے اپنے طور پر بہت تفصیل سے لکھا ہے) توضیح مطلب کے لئے اول بیان کیا جائے وہو ہذا۔

یہاں کے لوگ اپنے راجہ کو سرگی راجہ کہتے اور یہ عجیب اعتقاد رکھتے تھے کہ اس خاندان کے بزرگ سُرگ کے راجہ تھے اُن میں سے ایک راجہ سونے کا زینہ لگا کر آسام میں اُتر آیا۔ کچھ عرصہ تک رہتے رہتے یہی جگہ پسند آگئی اور سُرگ کو واپس نہ گیا۔

ان راجاؤں نے کبھی ہندوستان کے کسی بادشاہ کی اطاعت نہیں کی تھی۔ اور جب کبھی فوج بھیجی گئی تو بجز ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور یہ ملک جو قدرتی طور پر دشوار گذار ہے اکثر رسد کا راستہ روک کر شب خون مار کر یا اور کسی ایسی ہی تدبیروں سے ہمیشہ آسامی ہی غالب آتے رہتے تھے اور اگر مقابلہ سے بھی عاجز آئے تو رعیت کو پہاڑوں میں بھگا کر اور اشیاء مایحتاج لشکر کو جلا پھونک کر ملک کو ویران اور سنسان کر ڈالتے تھے اور پھر برسات کے دنوں میں (جو وہاں بہ شدت ہوتی ہے) غنیم کو دن رات کے حملوں سے تباہ و غارت کر دیتے تھے۔ اس سبب سے یہاں کے حالات غیروں سے اس قدر مخفی تھے کہ عموماً یہ مشہور تھا کہ اس ملک کے رہنے والے ساحر اور جادوگر ہیں اور جو کوئی وہاں جا پھنستا ہے۔ جادو کے زور سے پھر باہر نہیں آسکتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بلکہ

بابو کیشب چندر سین ساکن کلکتہ مقتدائے فرقہ برہم سماج جو بیچارے ایک غریب آدمی مگر ذی علم اور نیک شخص تھے اُن کی لڑکی سے اُن کی شادی ہوئی ہے اور آج کل معہ مہارانی صاحبہ ممدوحہ بطریق سیر و سیاحت لندن میں تشریف فرما ہیں۔ فقط س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آسام کی حدود اور طول وعرض

اس ملک کے طبعی حالات کے متعلق مصنف موصوف یوں لکھتا ہے کہ ملک آسام جو بنگالہ کے شمال ومشرق میں واقع ہے تقریباً دو سو کوس طول کا علاقہ ہے اور عرض میں جنوبی پہاڑوں سے لے کر شمالی تک تخمیناً آٹھ دن کا راستہ ہے۔ اور دریائے برہما پتر جو ملک خطا کی طرف سے اُن پہاڑوں میں سے آتا ہے جو آسام اور ملک آوا کے درمیان ہیں۔ طولاً اُس ملک کے وسط میں سے گذرتا ہے۔ اس دریا کے شمالی کنارے کی طرف جو علاقے ہیں اُن کو اُترکون اور جنوب کے علاقہ کو دکن کون کہتے ہیں۔ اُترکون کے علاقوں کی ابتدا گواھٹی سے ہوتی ہے، جو ممالک بادشاہی کی سرحد ہے اور منتہائے طول وہ پہاڑ ہیں کہ جن کے باشندوں کو مری اور مجمی (زمانہ حال میں مزے ما) کہتے ہیں اور دکن کون کے علاقے طولاً کوہستان سری نگر سے شروع ہوکر سدیا کے علاقہ پر ختم ہوتے ہیں۔

جنوبی سمت کے پہاڑوں میں مشہور پہاڑ نامروپ کے ہیں جو راجہ کے دارالریاست کھڑگاؤں سے چار منزل اوپر ہیں اور ایک وہ پہاڑ بھی مشہور ہے کہ جس کے رہنے والوں کو ناگ کہتے ہیں۔ (جو زمانہ حال میں ناگہ مشہور ہے) یہ لوگ ایسے وحشی ہیں کہ سر سے پاؤں تک ننگے رہتے۔ اور کتا۔ بلی۔ سانپ۔ چوہا وغیرہ سب چٹ کر جاتے ہیں۔ اگرچہ راجہ کی تابعداری کرتے ہیں مگر مال گذاری نہیں دیتے۔ اور وہ پہاڑی جن کو ڈفلے کہتے ہیں نام کو بھی تابعداری نہیں کرتے بلکہ اپنے پہاڑوں سے اُتر کر کبھی کبھی راجہ کے ملک کو لوٹ لیتے ہیں۔

صاحب عالمگیر نامہ شہر کھڑگاؤں کا محل وقوع اس طرح بتاتا ہے کہ گواہٹی سے پچھتر ۷۵ کوس ہے اور کھڑگاؤں سے راجہ پیگو کا دارالحکومت شہر آوا پندرہ ۱۵ منزل ہے۔ جن میں کوہستان نامروپ سے اُس طرف پانچ منزل تک تو جنگل اور دشوار گذار پہاڑ ہیں اور پھر آگے آوا تک زمین ہموار اور صحرائی ہے۔

وادیٔ برہم پترا کی سرسبزی وشادابی

اس ملک کے مشہور دریا برہما پتر میں جو دریا شامل ہوتے ہیں اُن سب میں بڑا دریائے دہنگ ہے جو آسام کے جنوبی پہاڑوں سے آکر لکھو گڈہ کے مقام پر برہما پتر میں ملتا ہے اور ان دونوں دریاؤں کے درمیان پچاس ۵۰ کوس تک نہایت ہی آباد اور سرسبز وشاداب زمین ہے اور جس کا منتہا ایسے دشوار گذار بن پر ہوتا ہے جس میں ہاتھی بکثرت ہیں۔ آسام میں اس جنگل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے علاوہ چار پانچ بن ہاتھی پکڑنے کے اور بھی ہیں اور اُن سب میں سے ہر برس پانچ سو چھ سو ہاتھی پکڑے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا قطعہ کے علاوہ ایک اور علاقہ جو سیلا گڈہ سے کھڑ گاؤں تک قریب پچاس کوس ہے۔ یہ لہلہاتے کھیتوں اور سرسبز درختوں کی کثرت سے ایسا دلکش اور پُر بہار ہے کہ تمام سرزمین گویا ایک باغ ہے اور ان گنجان اور شاداب اور خوبصورت درختوں میں رعیت کے گھر بہت ہی خوش نما معلوم ہوتے ہیں۔ غرضکہ خودرو درختوں اور باغات اور میووں اور پھولوں کا ان دونوں قطعوں میں کچھ شمار نہیں ہے۔

آسام کے طبعی حالات

اور چونکہ موسم برسات میں اکثر ان نشیب کی زمینوں پر پانی بھر جاتا ہے اس لئے سیلا گڈہ سے کھڑ گاؤں تک ایک اچھی چوڑی اور اونچی آل (سڑک) بنی ہوئی تھی جس پر سایہ کے لئے موزونیت کے ساتھ بانس کے درخت لگے ہوئے تھے اور سوائے آل کے خالی اور غیر مزروع زمین نام کو بھی نہ تھی۔ میوے اور مصالحے کی اقسام سے آم۔ کیلہ۔ ترنج۔ نارنج۔ لیمو۔ انناس۔ ادرک۔ پان۔ پونڈہ۔ سرخ و سیاہ سفید تینوں قسم کا نہایت نرم اور شیریں۔ اور ایک قسم کا نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ آملہ۔ اور ناریل۔ سیاہ۔ مرچ اور چھالیہ وغیرہ کے درخت کثرت سے تھے اور کھڑ گاؤں کے گرد زرد آلو۔ اور خودرو انار بھی بہت تھے اور غلات میں چاول اور ماش بکثرت۔ مسور کم۔ گیہوں بالکل نہیں ابریشم بھی بہت تھا جس سے مشجر اور مخمل اور دوسرے اچھے اچھے ریشمیں کپڑے بنتے تھے مگر ملک کی اندرونی احتیاج سے زیادہ نہ بناتے تھے۔

نمک کمیاب تھا اور اُس ولایت کا اصل نمک جو کیلہ کے درخت سے بناتے تھے نہایت ہی تلخ تھا۔

قوم ناگ کے پہاڑوں میں عود (اگر) نہایت عمدہ اور کثرت سے تھا جس کو وہ لوگ آسام میں لاکر نمک اور غلہ سے بدلتے تھے۔ عود نامردپ۔ سندیا۔ اور لکھو گڈہ کے پہاڑوں میں بھی تھا۔ اور کستورے ہرن بھی۔

صاحب عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ دکن کو کی طرف چونکہ بیٹی اور دشوار گذار مقامات زیادہ ہیں اس لئے آسام کے راجاؤں نے پولیٹکل مصلحتوں سے اپنا دارالحکومت اسی طرف بنا رکھا ہے لیکن دریائے برہما پتر کی شمالی جانب کا ملک بلحاظ قدرتی خوبیوں اور کثرت آبادی کے نہایت پُر رونق اور اس سے بدرجہا بہتر ہے اور اس طرف کے پہاڑ جو برہما پتر کے کنارہ سے کم از کم پندرہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کوس اور زیادہ پینتالیس کوس کے فاصلہ پر ہیں سب ٹھنڈے اور برفانی ہیں۔ ان کے باشندے عموماً توانا قوی ہیکل اور وجیہ اور سڈول ہیں اور سرد ملکوں کے باشندوں کی طرح ان کا رنگ بھی سرخ و سفید ہے اور یہاں وہ سب میوے بھی پیدا ہوتے ہیں جو اور ٹھنڈے ملکوں میں ہوا کرتے ہیں اور اسی جانب قلعہ جمدہرہ اور گواہٹی کی سمت میں جو علاقہ درانگ کا پہاڑ ہے تمام باشندے یہاں کے عادات و اطوار و گفتار میں باہم مماثلت رکھتے ہیں اور صرف اپنے پہاڑوں اور قبیلوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ تمیز کئے جاتے ہیں۔

پہاڑوں میں مشک اور سرہ گائے کی چوریاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ گوٹ اوڑانگن بھی۔ اور ریگ شوئی سے سونا بھی نکلتا ہے بلکہ کل آسام کے دریاؤں کی ریگ شوئی سے سونا ملتا ہے۔ چنانچہ بارہ ہزار آدمیوں سے بیس ہزار تک بھی کام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص بطور سالانہ محصول کے ایک تولہ سونا راجہ کو دیتا ہے۔

آسامیوں کی زبان اور مذہب

آسامی زبان بنگالہ سے بالکل الگ ہے اور مذہب میں بھی ان کا یہ حال ہے کہ بخلاف اہل ہندوستان کے کھانے پینے وغیرہ کی قیود میں سے کسی بات کے مطلق پابند نہیں ہیں۔ اور ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا بے تکلف کھا لیتے ہیں اور یہاں تک بے قید ہیں کہ انسان کے گوشت کے سوائے کسی قسم کا گوشت نہیں چھوڑتے۔ بلکہ مردار بھی کھا لیتے ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ گھی بالکل نہیں کھاتے۔ اگر کسی کھانے میں اس کی بو بھی آجائے تو اس سے نفرت کرتے ہیں۔

عورتوں کے پردہ کی مطلق رسم نہیں حتیٰ کہ راجہ کی رانیاں بھی کھلے منہ ننگے سر یوں ہی پھرا کرتی ہیں۔ آسامیوں کی اکثر چار پانچ عورتیں ہوتی ہیں جن کو بیچ بھی ڈالتے اور بدل بھی لیتے ہیں۔ ڈاڑھی مونچھ منڈاتے ہیں اور جو نہ منڈائے اس کو بہت برا سمجھتے ہیں پوشش جنگلیانہ ہے۔ پگڑی کی جگہ سر پر کچھ یوں ہی کپڑا سا لپیٹ لیتے ہیں۔ پاجامہ کے عوض تہ بند باندھ کر اوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتے ہیں اور جوتا کبھی نہیں پہنتے۔ قوت و توانائی۔ جرأت، بے باکی۔ وحشت اور جنگلی پن اُن کی صورت اور سیرت سے ظاہر ہے جسمانی محنت اور جفاکشی کے کاموں میں اکثر دنیا کے لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں اور سب کے سب سخت جان جنگجو کینہ خو۔ غدار و مکار ہیں۔ رحم و شفقت الس و اُلفت سچائی شرم و حیا اور عفت و وفا اور اہلیت و انسانیت کا نام تک نہیں جانتے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رہن سہن اینٹ پتھر کی عمارت سوائے کھڑگاؤں کے دروازوں اور مندروں کے اور کہیں نہیں امیر و غریب سب اپنے گھر لکڑی سے یا بانس اور گھاس پھوس سے بناتے ہیں۔

راجہ اور اُس کے اُمرا سنگھاسن پر اور بڑے سردار اور رعیت کے دولت مند لوگ ڈولے میں جو سنگھاسن سے چھوٹا ہوتا ہے۔ سوار ہوتے ہیں۔ گھوڑا۔ اونٹ۔ گدھا۔ اس ملک میں ہوتا ہی نہیں۔

اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ سے کوئی گدھا لے آتا ہے تو اُس کو دیکھکر اور رکھکر بہت خوش ہوتے ہیں اور بڑی قیمت لگاتے ہیں اور اونٹ کو تو دیکھکر نہایت ہی متعجب ہوتے ہیں مگر گھوڑے سے بہت ڈرتے ہیں یہاں تک کہ بالفرض اگر ایک سوار سو آسامیوں پر حملہ کرے تو سب ہتھیار ڈال کر بھاگ جائیں یا مطیع ہو جائیں حالانکہ اگر کسی پیادے دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو خوب دلیری سے لڑتے ہیں۔

اُس ملک کے قدیمی باشندے دو قوم ہیں۔ ایک آسامی دوسرے کلتانی۔ اگرچہ کلتانی سب باتوں میں مقدم ہیں لیکن سپہ گری اور لڑائی بھڑائی کے سخت کاموں میں آسامیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ چھ سات ہزار آسامی راجہ کے مکان کے گرد ہمیشہ مسلح پہرہ دیا کرتے ہیں اور ایسے کاموں میں انھیں پر اعتماد ہے۔ اور راجہ کے جلاد اور میر غضب بھی یہی ہوتے ہیں۔ بندوق۔ تلوار۔ نیزہ کے علاوہ بانس کے تیر و کمان رکھتے ہیں۔ مگر ان کے قلعہ اور لواڑہ میں توپیں اور لمبی بندوقیں بھی ہوتی ہیں اور اُن کا چلانا خوب جانتے ہیں۔

میر جملہ کا آسام میں داخلہ اس ملک میں داخل ہونے کے لئے میر جملہ نے تیسویں تاریخ جمادی الاول کو کوچ بہار سے گھوڑا گھاٹ کی طرف کوچ کیا اٹھائیسویں کو دریائے برہما پتر کے کنارہ پہنچ کر رنگا ماٹی میں جہاں یہ دریا پہاڑوں سے باہر نکلتا ہے جا اُترا۔ چونکہ دونوں طرف کے پہاڑ بہت بلند اور لشکر کے لئے ناقابل گذر تھے۔ اور باوجود اس کے کہ دریا کے دونوں کنارے بن اور جنگل اور دلدل اور پانی کثرت سے تھا مگر اُس نے براہ دوراندیشی دریا کا راستہ اختیار کیا اور دریا کے کنارے جنگل کو کاٹ کاٹ کر راستہ بناتا جاتا تھا۔

یہاں تک کہ ششم جمادی الآخر کو بمقام جوگی گپھا جو گواٹی سے چالیس کوس ہے اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہاں سے راجہ کا دارالحکومت کھڑگاؤں ایک مہینے کا راستہ تھا جا پہنچا۔ یہاں برہما پتر کے کنارے پر آسامیوں کا ایک بہت مضبوط قلعہ تھا اس کی غربی دیوار جدھر سے حملہ آوروں کا راستہ تھا پہاڑ کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی اور سمت جنوبی دریائے برہما پتر سے محفوظ تھی اور مشرق کی طرف دریائے مناس قلعہ کی دیوار کے ساتھ گذرتا ہوا دریائے برہما پتر سے جا ملتا تھا اور شمال کی طرف حفاظت کے لئے خندق کے علاوہ پہاڑ اور گھنا جنگل تھا اور علاوہ اس کے حملہ آوروں کی روک کے لئے بانسوں کو نیزوں کی طرح تراش کر جا بجا دور تک گاڑا ہوا تھا جس کو اُن کی زبان میں "بھانچا" کہتے تھے۔ پندرہ ہزار فوج معہ توپ خانہ کے قلعہ میں اور تین سو بیس ۳۲۰ جنگی کشتیاں معہ ساز و سامان دریا میں موجود تھیں اور اس کے محاذی دریا کے پار کوہ پنجر تن پر ایک دوسرا قلعہ بہت مستحکم اور ایسے موقعہ کا بنا ہوا تھا کہ اگر پہلے قلعہ پر شکست ہو تو فوج نواڑہ میں بیٹھکر بآسانی دوسرے قلعہ میں چلی جائے۔ اور چونکہ اُس تنگ مقام میں دریائے برہما پتر اس طرح دو شاخہ ہو گیا تھا کہ بیچ میں کچھ زمین ٹاپو کے طور پر تھی اس لئے آسامیوں نے فوج کو یہاں پر اس ارادہ سے قائم کیا ہوا تھا کہ جس کنارہ سے دشمن کی سپاہ گذرے گی اُس پر آگ برسائیں گے۔

میر جملہ نے یہ تدبیر کی کہ ایک حصہ اپنی فوج کا دریا کے دوسرے پار اُتارا اور کچھ سپاہ کو کوہ جوگی گپھا کے عقب میں دریائے مناس تک جنگل کاٹنے کے لئے اس غرض سے مامور کیا کہ اگر آسامی قلعہ چھوڑ کر جنگل کو بھاگنا چاہیں تو راستہ نہ پا سکیں۔ اور فوج کا بڑا حصہ ساتھ ساتھ کشتیوں میں چڑھا کر اس طرح سے روانہ کیا کہ دریا کنارہ کی فوج اور کشتیاں ایک دوسرے کی مدد کے لئے ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔

میر جملہ کی اس تدبیر کو دیکھکر آسامیوں نے یہ خیال کیا کہ اگر حملہ آوروں نے قلعہ چھین لیا تو جنگل کی طرف بھاگنے کا راستہ مسدود ہو چکا ہے اس لئے خوف زدہ ہو کر نواڑہ میں بیٹھکر لڑنے کو ترجیح دی مگر ایسی نامردی کی کہ باوجود ایسے مضبوط قلعوں اور مقام قلب کے کہ جن کے ہاتھ آجانے کی حملہ آوروں کو ایسی آسانی سے توقع نہ تھی خفیف سے مقابلہ کے بعد اس قدر بے سروپا ہو کر بھاگے کہ کچھ تو جنگل کو بھاگتے ہوئے مارے گئے اور بہت سے غرق اور گرفتار ہو گئے ایک سو اڑتالیس ۱۴۸ کشتیاں اور چھوٹی بڑی چونسٹھ توپیں اور بے شمار بندوقیں اور بہت سا سکہ و بارود وغیرہ سامان جنگ چھین لیا گیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میر جملہ کی پیش قدمی اس کامیابی کے بعد دونوں قلعوں پر قبضہ کر کے گواہٹی پہنچنے کی تدبیریں کی گئیں یہاں تک کہ اکیسویں جمادی الآخر کو میر جملہ گواہٹی کے نزدیک جا پہنچا۔ یہاں آسامیوں کے پھر دو مضبوط قلعے تھے۔ ایک بمقام سری گھاٹ پہاڑ کے دامن میں۔ اور دوسرا اُس کے محاذی دریائے برہما پتر کے اُس پار کوہ ناندد کی چوٹی پر اور ایک لاکھ سے زیادہ آسامی اُن دونوں قلعوں میں جمع تھے۔ میر جملہ نے یہاں بھی وہی چال چلی اور اپنی فوج کے ایک سردار کو قلعہ کی سمت شمالی پر (جو آسامیوں کے بھاگنے کا راستہ تھا) مامور کیا۔ چنانچہ اس تدبیر کے نتیجہ سے وہ لوگ ایسے خائف ہوئے کہ رات کے وقت کشتیوں میں بیٹھکر خود بخود بھاگ گئے اور کچھ خشکی کے راستہ سے فرار ہوئے اور کچھ فوج نے دریا کے اُس پار حملہ کر کے قتل کر ڈالے اور موضع کجلی میں قلعہ[1] ناندو سے سات کوس آگے جو ایک اور بہت مضبوط قلعہ تھا اس کو بھی خالی کر گئے اور میر جملہ سری گھاٹ اور ناندو اور موضع کجلی کے قلعوں اور گواہٹی پر جو بادشاہی ملک کی قدیم سرحد تھی بے کھٹکے قابض ہو گیا۔ یہ ایسے مستحکم اور ساز و سامان والے قلعے تھے کہ اگر آسامی کچھ دلیری کر کے برسات کا موسم آ جانے تک ثابت قدمی اختیار کرتے تو بے شک آسام کا فتح ہونا خود حملہ آوروں کی دانست میں غیر ممکن تھا۔

سیلاگڈہ کی لڑائی مذکورہ بالا قلعوں اور گواہٹی پر قبضہ کرنے کے بعد میر جملہ نے پچیسویں جمادی الآخر کو جمدہرہ کے مشہور قلعہ کی طرف (جو دریائے برہما پتر کے شمالی کنارے پہاڑ تراش کر تین حصاروں کے اندر اور اُس کے گرد دریائے برہما پتر کا پانی چھوڑ کر جزیرہ کے طور پر بنایا ہوا تھا) کوچ کیا۔ مگر چونکہ اُس کی منزل مقصود (یعنی راجہ کا دارالحکومت کھڑگاؤں) اس دریا کے جنوبی کنارے کی طرف تھی اور اسی سمت میں سیلا گڈہ اور کلیا برکا قلعہ کھڑگاؤں پہنچنے میں سدِراہ تھا۔ اس وجہ سے میر جملہ نے جمدہرہ کے محاصرہ وغیرہ میں کوشش کرنا بے فائدہ اور تضیع اوقات خیال کر کے سیلاگڈہ اور کلیا برکا

---

[1] عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جادوگروں کی آستانی، لونا چماری اور اُن کے گرو گھنٹال میاں۔ اسمٰعیل جوگی جن کے شیطانی نام جادو ٹونے کے منتروں میں کامروپ دیس کے ساتھ ایسی باتوں کے معتقد اکثر چپا کرتے ہیں اُن کے اور کوم گپھا کے مندر اس جگہ قلعہ ناندو کے متصل پہاڑ کی چوٹی پر نیچے سے اوپر تک قریب ایک ہزار زینہ کے پتھر تراش کر بنائے ہوئے ہیں۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فتح کرنا حصول مدعا کے لئے مقدم سمجھا۔ اور فوج کو جمدہرہ کی طرف سے اُٹھا کر بذریعہ کشتیوں کے اُس پار اُتارنا شروع کیا۔ اگرچہ عین حالت عبور میں طوفان آگیا۔ اور اُولوں کی شدت سے کچھ نقصان بھی ہوا۔ مگر جس طرح بنا دو تین دن کے عرصہ میں کل لشکر کو پار اُتار کر گیارھویں رجب کو سیلاگڈھ کے قریب جا ڈیرہ کیا۔

دراصل سیلاگڈھ اور کلیابر کو ایک ہی قلعہ کہنا چاہیئے۔ مگر حصار بیرونی کو سیلاگڈھ کہتے تھے اور قلعہ اندرونی کا نام کلیابر تھا۔ اور اگرچہ قلعہ کلیابر بھی بہت ہی مضبوط تھا۔ مگر سیلاگڈھ ایسا عظیم الشان اور عریض وطویل تھا کہ اس کی جنوبی دیوار دریا سے لے کر اُس پہاڑ تک جو کلیابر کے عقب میں تھا چار کوس اور شمال کی طرف تین کوس کے طول میں تھی۔ اور مناسب طور پر اس میں کئی بڑے بڑے برج بھی بہت عمدگی سے لڑائی کے ڈھب کے بنے ہوئے تھے۔ جن کے آگے حصار کے طور پر ایک اور کنگرہ دار دیوار بنی ہوئی تھی جس کے اندر باہر دونوں طرف عمیق خندقیں تھیں جن میں کہیں پانی چھوڑا ہوا تھا اور جہاں پانی نہ تھا وہاں خوب باریک سرمہ سا مٹی بھری تھی۔ اور یہ اندرونی اور بیرونی دونوں قلعے سامانِ جنگ سے نہایت مکمل اور مرتب تھے۔ اور تین لاکھ آسامی اس وقت یہاں موجود تھے۔

میر جملہ نے اگرچہ دمدمے وغیرہ بنا کر سیلاگڈھ پر گولے مارنے شروع کئے۔ مگر اُس کے استحکام کے باعث ان کے توپ گولہ کا اثر تک بھی محسوس نہیں ہوا اور چونکہ وہ لوگ اِس کے لشکر پر فصیل سے برابر گولے برساتے تھے اور کبھی دن کو اور کبھی رات کو حملے بھی کرتے تھے اور قدرتی مشکلوں کے باعث بھی یہ جگہ ایسی پُرخطر تھی کہ زمانہ سابق میں محمد شاہ تغلق اور حسین شاہ نامی بنگالہ کے ایک اور بادشاہ کے لشکر اسی مقام پر نیست ونابود ہو چکے تھے۔ اس لئے زیادہ توقف بعید از مصلحت سمجھکر یہ صلاح ٹھیری کہ ایک تو خندق کے نیچے سے سرنگ لگا کر قلعہ میں پہنچنے کا راستہ بنانا چاہیئے۔ دوسرے کسی مناسب موقعہ سے فصیل پر یورش کر کے قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ جب سرنگ لگ چکی اور فرہاد خان نامی ایک سردار نے چاروں طرف سے حصار کو دیکھ بھال کر میر جملہ کو یہ اطلاع دی کہ جنوبی فصیل کی طرف حملہ کے لئے کچھ گنجائش ہے تو پندرھویں رجب کو اسم با مسمّٰی دلیر خاں آدھی رات کے وقت فوج کثیر ساتھ لے کر سوار ہوا اور اس طرح سے کارروائی شروع کی کہ میر مرتضٰی سردار توپ خانہ کو دروازہ پر حملہ کرنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لئے مامور کیا تاکہ دشمن ادھر ہی اُلجھے رہیں اور دلیر خاں کی طرف جو فصیل پر حملہ کرنا چاہتا تھا متوجہ نہ ہوں۔ چنانچہ میر مرتضیٰ نے قلعہ کے دروازوں پر زور شور سے توپیں مارنی شروع کیں اور اگرچہ آسامیوں کی توپ و بندوق کی زد سے اس کی سپاہ کو کوئی جائے پناہ نہ تھی اور اس وجہ سے اُن کو متواتر نقصان پہنچتا رہا۔ مگر اس نے سرگرمی اور بہادری کے ساتھ لڑائی کو جاری رکھا۔ اُدھر دلیر خاں کو یہ مشکل پیش آئی کہ اُس کا آسامی رہنما ایک ایسا شخص تھا جو سالہا سال سے بادشاہی فوج میں ملازم تھا اور خود میر جملہ سے عرض کر کے اُس نے یہ رہنمائی کی خدمت اختیار کی تھی۔ مگر دراصل ہم قومی کی وجہ سے اُس فوج کے تباہ کرانے کے لئے یہ چال کی کہ آسامیوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا۔ اور دلیر خاں کو تمام رات حیران کر کے صبح ہوتے ہوئے ایک ایسی جگہ لے گیا جو سب سے زیادہ بے ڈھب تھی۔ اور دشمن لڑائی کے لئے بخوبی مستعد تھے۔ غرض کہ وہاں پہنچتے ہی ان پر اس شدت سے توپوں اور بندوقوں کی آگ برسنے لگی کہ بہت سے سپاہی مجروح و مقتول ہو گئے۔ مگر دلیر خاں کی غیرت اور دلیری نے پسپا ہونے کی ذلت کو کسی طرح گوارا نہ کیا۔ اور باوجودیکہ آسامی اوپر سے توپ و بندوق اور "حقہ ہائے آتشین" یعنی گراپ برسا رہے تھے۔ اور فصیل تک پہنچنے میں خندق عمیق اور پُرآب حائل تھی مگر اس دلاور سردار نے سب سے پہلے اپنا ہاتھی خندق میں ٹھیل دیا۔ اور اگرچہ خود اس پر اور اس کے ہاتھی پر تیروں کی بھی سخت بوچھاڑ پڑی مگر یہ شیر مرد اپنے چند بہادر رفیقوں کو ساتھ لے کر فصیل پر جا ہی چڑھا اور پھر تو اُس کی ہمت اور دلیری کو دیکھکر دوسرے سردار اور سپاہی بھی آپہنچے۔ اسی اثنا میں اُدھر میر مرتضیٰ نے بھی دروازہ توڑ ڈالا اور اُس کی فوج بھی کچھ دروازہ کے راستہ اور کچھ سرنگ کی راہ سے داخل ہو گئی۔ اور فریقین میں ایک سخت دست بدست لڑائی ہوئی جس میں آسامی مغلوب ہو گئے اور حصار کے ایک راستہ سے جو جنگل کی طرف تھا سیلا گڈھ اور کلیا بردونوں کو خالی کر کے بھاگ گئے۔ اور یہ قلعے معہ بے شمار سامان کے حملہ آوروں کے قبضہ میں آگئے اور تعاقب کی حالت میں بہت سے آسامی مارے اور پکڑے گئے۔ اور اس واقعہ کی شہرت کا یہ اثر ہوا کہ قلعہ جمدہرہ بھی خود بخود خالی ہو گیا۔ اور ملک کامروپ کے رہنے والے بہت سے ہندو مسلمان رعایائے بادشاہی نے جو مدتوں سے آسامیوں کی قید میں تھے رہائی پائی۔

چونکہ دریائے برہما پتر اس جگہ سے دو منزل تک پہاڑ کی جڑ کے ساتھ ملا ہوا چلتا ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور اس کے کناروں پر لشکر کے گذرنے کے لئے (جیسا کہ میر جملہ اب تک کرتا تھا) بالکل راستہ نہیں تھا۔ اس باعث سے کچھ فوج بذریعہ نواڑہ دریا میں سے اور باقی لشکر دریا کے متوازی پہاڑ کے پیچھے سے روانہ ہوا۔ منتشر شدہ آسامیوں نے بسبب اس کے کہ نواڑہ اور لشکر میں کئی کوس کا فاصلہ ہوگیا تھا ادھر اُدھر سے پھر جمع ہوکر اور آٹھ سو جنگی کشتیوں میں بیٹھکر جو توپ بندوق سے خوب مسلح تھیں۔ نواڑہ پر رات کے وقت حملہ کیا اور پھر دن چڑھے تک بڑے جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ قریب تھا کہ بادشاہی نواڑہ کو شکست ہوجائے مگر اتفاقاً محمد مومن نام ایک سردار جورات کے وقت توپوں کی آواز سن کر میر جملہ نے صدر لشکر سے روانہ کیا تھا اور پہاڑ کے سبب سے راستہ بھولا پھرتا تھا معہ چند سواروں کے لڑائی کی جگہ آن نکلا۔ اور دشمنوں کے دھکانے کو یہ ہوشیاری کی چال چلا کہ اپنے ساتھ کے "کرناچی" (ترمچی) کو حکم دیا کہ کرنا بجائے جس کے بجتے ہی آسامیوں کو یہ یقین ہوگیا کہ تازہ دم مغلیہ فوج دریا کے کنارہ سے بھی آپہنچی اور اس ناگہانی اندیشہ سے اُن کے جی ایسے چھوٹے کہ غالب سے مغلوب ہوکر اکثر تو بھاگتے ہوئے پانی میں ڈوب گئے۔ اور بہت سے مارے گئے۔ اور چار سو کشتیاں جن میں سے ہر ایک پر بڑی بڑی توپ معہ سامان کے تھی۔ چھین لی گئیں۔

آسام کے راجہ کا فرار

ان متواتر فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ راجہ کے نخوت اور غرور کا نشہ کرکرا ہوگیا۔ اور دارالریاست کو چھوڑکر دشوار گذار پہاڑوں میں جہاں مغلیہ فوج کے سواروں کے پہنچنے کا چنداں اندیشہ نہ تھا بھاگ گیا۔ اور راجہ کے سرداروں اور وزیروں نے جن کو اُن کی اصطلاح میں بھوکن کہتے تھے۔ میر جملہ کے پاس اپنے وکیل اور عجز و نیاز کی عرضیاں بھیجنی شروع کیں جن کا جواب یہ دیا گیا کہ شاہی سپاہ اور رعیت کا وہ سب مال اور وہ توپ خانہ جو تم لوگ گوالپٹی سے لوٹ لائے تھے۔ رہا یائے بادشاہی کے تمام آدمیوں سمیت جن کو راجہ نے مدت سے قید کر رکھا ہے۔ اور راجہ کی لڑکی کا ڈولہ اور ایک معقول پیشکش فوراً حاضر کرو اور آئندہ کو اگر راجہ ہر سال چند عمدہ ہاتھی بطور خراج کے بھیجتا رہے اور بادشاہی احکام کی اطاعت کرتا رہے تو البتہ ہم واپس ہوجائیں گے ورنہ بادشاہی فوج کو کھڑگاؤں میں پہنچا سمجھو مگر اس خیال سے کہ یہ عجز و نیاز کا اظہار صرف دفع الوقتی اور مکاری کے طور پر ہے جواب کا منتظر نہ رہ کر میر جملہ برابر بڑھتے گیا۔ چنانچہ ستائیسویں رجب کو لکھوگڈہ میں جہاں دریائے دہنگ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کوہستان جنوبی سے آکر معہ اور بہت سی ندیوں اور نالوں کے برہما پتر میں ملتا ہے جا پہنچا۔ اس جگہ ایک اور بھی زیادہ معتبر شخص نے جو راجہ کے مذہبی پیشواؤں میں سے تھا عجز و نیاز کر کے صلح چاہی اور راجہ کے ایک رشتہ دار نے بھی آن کر ایک طلائی پاندان ایک سونے کا لوٹا۔ اور دو چاندی کی گاگرین اور کچھ اشرفیاں معہ ایک خط کے جس میں اظہار ندامت اور عذر و معذرت کے بعد فوج کی واپسی اور صلح کی درخواست اور پیش کش کی قبولیت درج تھی پیش کیا۔ جس کا جواب (جیسا کہ غالب اور فتح مند اکثر دیا کرتے ہیں) یہ دیا گیا کہ "اب تو لشکر نے کھڑ گاؤں پہنچنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہاں پہنچ کر جو مناسب ہوگا کیا جائے گا"

شہر کھڑ گاؤں دیکھو" ندی کے کنارے آباد تھا اور اُس میں اس قدر پانی نہیں تھا کہ بڑی کشتیاں چل سکیں اس لئے بھاری نواڑہ کو لکھو گڈہ میں چھوڑ دیا اور چھوٹی کشتیاں ساتھ لے کر غرہ شعبان ۱۰۷۲ھ کو لکھو گڈہ سے آگے ایک مقام میں کہ جہاں نواڑہ کا کارخانہ تھا قریب ایک سو کے بڑی بڑی کشتیوں پر جو وہاں موجود تھیں قبضہ کیا۔ اور پھر وہاں سے دیول گاؤں میں جہاں دریا کنارے راجہ کا کسی اپنے گرو کے لئے بنوایا ہوا نہایت عمدہ مندر اور باغ تھا ڈیرہ کیا۔

کھڑ گاؤں پر قبضہ اور مالِ غنیمت

اس جگہ بعض مسلمانوں نے جو رعایائے بادشاہی میں سے راجہ کے یہاں مدتوں سے قید تھے اور جن کو اپنی رہائی کی توقع خواب و خیال میں بھی نہ تھی میر جملہ کو تحریر میں بھیج کر مطلع کیا کہ راجہ دکن کون۔ (جنوب) کی طرف نامروپ کے دشوار گذار اور بدآب و ہوا پہاڑوں کو جہاں وہ اپنے معتوب قیدیوں کو بھیجا کرتا تھا بھاگ گیا ہے اور اُس کی سپاہ اور سردار جنگلوں میں جا چھپے ہیں اور شہر بے وارث اور خالی پڑا ہے۔

یہ اطلاع پا کر میر جملہ نے براہِ احتیاط کچھ فوج اپنے پہنچنے سے پہلے وہاں بھیج دی اور بعد ازاں چھٹی شعبان کو اورنگ زیب کے جلوس کے چوتھے برس گویا گواہٹی سے پچھتر کوس کے فاصلہ پر ساڑھے چار مہینے کے عرصہ میں کھڑ گاؤں پہنچ کر بلا مزاحمت قابض ہو گیا۔

اور راجہ نے جو اپنی توپیں اور رہکلے وغیرہ تالابوں اور ندیوں میں ڈبو دیئے تھے۔ اور ہاتھی جنگلوں میں چھوڑ دیئے تھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر سب پر قبضہ کیا۔ چنانچہ ایک سو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہاتھی اور قریب تین لاکھ روپیہ کے سونا چاندی اور اسباب جس کو راجہ اپنے ساتھ لے جا نہ سکا تھا ضبطی میں آیا۔

مگر سب سے زیادہ عجیب مالِ غنیمت یہ تھا کہ وہاں کا دستور تھا کہ جب کوئی راجہ یا بڑا آدمی مرجائے تو پارسیوں کے دخمہ کی طرح متوفی کی لاش کو دفنائے بغیر یوں ہی کسی محفوظ جگہ میں رکھدیتے تھے اور اُس کے ساتھ سونے چاندی کے برتنوں اور فرش لباس پوشاک اور سامان خورد و نوش اور لوازماتِ زندگی حتیٰ کہ اُس کی عورتوں خواصوں کو بھی مردہ کے لئے کارآمد سمجھکر اُس کے پاس چھوڑ آتے اور ایک بہت بڑے چراغ کو تیل سے بھر کر اُس کے دروازہ کو بڑے بڑے تختوں سے بند کر دیتے تھے۔ اہلِ لشکر نے ایسے چند مقاموں کو جا کھولا اور اُن میں سے کئی ہزار کا سونا چاندی نکال لائے۔

اس تمام مہم میں مذکورہ بالا ہاتھیوں کے علاوہ کل چھ سو پچھتر توپیں جن میں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ اُس میں تین من کے قریب گولہ پڑتا تھا۔ اور دو ہزار تین سو سینتالیس زنبورک بارہ سو رام جنگی۔ اور چھ ہزار پانچ سو ستاون معمولی بندوقیں۔ پانچ ہزار من بارود کے دو ہزار صندوق۔ سات ہزار اٹھائیس ڈھالیں۔ لوہا۔ سکہ۔ گندھک بے حساب اور ایک ہزار سے زیادہ جنگی کشتیاں۔ اور خاص راجہ کی سواری کی مکلف ایک سو بیس کشتیاں ہاتھ آئیں اور سب سے زیادہ کارآمد چیز جو قبضہ میں آئی وہ دھاتوں کے ایک سو تہتر ڈھیر تھے جن میں سے ہر ایک ڈھیر دس ہزار من کے قریب تھا ان کی نسبت براہ دور اندیشی میر جملہ نے فوراً یہ بندوبست کیا کہ لوٹ کر ضائع نہ کئے جائیں۔ اور احتیاج سے زیادہ صرف نہ ہوں۔

تھانے اور چوکیوں کا قیام اور سکہ و خطبہ کے اجرا

خلاصہ یہ کہ میر جملہ نے کھڑگاؤں پر قابض ہو کر جو جو انتظام مناسب وقت تھے وہ کرنے شروع کئے اور جہاں جہاں موقعہ دیکھا اپنی جنگی چوکیاں اور تھانے مقرر کر دیئے۔ اگرچہ آسامی کچھ عرصہ تک جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل نکل کر ان چوکیوں اور تھانوں پر حملے کرتے اور لڑتے رہے مگر آخر کار ایسے دبائے گئے کہ جا بجا چپ ہو کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کے نام کا سکہ و خطبہ کھڑگاؤں میں جاری ہو گیا۔

شہر کھڑگاؤں کے حالات

اُس وقت شہر کی آبادی (بقول مصنف عالمگیر نامہ) اس طرح تھی کہ دیکھو ندی بیچ میں بہتی تھی۔ اور اُس کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دونوں طرف آبادی تھی جس کے گرداگرد شہر پناہ کے طور پر نہایت گھنی اور ناقابل گذر بانس لگائی ہوئی تھی۔ اور اس میں اینٹ پتھر کی پختہ عمارت کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازہ راجہ کے مکان سے تین تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور ایک اونچی اور چوڑی آل شہر کے اندر برسات میں آرام سے چلنے پھرنے کے لئے اس سرے سے اُس سرے تک بنی ہوئی تھی۔ اور یہ شہر کیا تھا گویا دیہات اور کھیتوں کا ایک مجموعہ تھا۔ کیونکہ ہر شخص کے گھر کے گردوپیش باغ اور کھیتیاں تھیں اور معمولی بازار جن سے شہروں کی رونق اور زیب و زینت ہوتی ہے یہاں نہ تھے۔ شہر کے لوگ سال بھر کے واسطے غلہ وغیرہ سب قسم کے مایحتاج اپنے اپنے گھروں میں عموماً جمع رکھتے تھے اس سبب سے سوائے پنواڑیوں کی چند دکانوں کے بازار کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ کا مکان جس کے چاروں طرف بطور حصار ایک آل بنی ہوئی تھی دیکھو ندی کے کنارے تھا۔ اور جیسا کہ فصیلوں اور حصاروں پر دشمن کی زد سے بچنے کے لئے پناہ کی دیوار ہوتی ہے یہاں بجائے اُس کے یہ اعجوبہ ترکیب تھی کہ خوب مضبوط بانسوں کو برابر برابر آل کے گرداگرد اس طرح سے گاڑا ہوا تھا کہ پناہ کا کام دیتے تھے اور آل کے چاروں طرف خندق تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی تھی۔ جس کا دور ایک کوس سے زاید تھا اور اس احاطہ کے اندر راجہ کے بڑے بڑے مکانات تھے۔ مگر سب لکڑی کے یا پھوس اور بانس کے۔ جن میں سب سے عمدہ ڈیڑھ سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ایک چوبین دیوان خانہ تھا جس کے چھیاسٹھ ستون ایسی موٹی لکڑی کے تھے جن کا چار چار گز کا دور تھا۔ اور اس مکان کے اطراف میں طرح طرح کی منبت کار لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی تھیں اور پیتل کے پتر صیقل کرکے جالیوں کے اندر باہر اس طرح سے لگائے تھے کہ آفتاب کی شعاع پڑنے سے آئینوں کی طرح چمکتے تھے۔ تین ہزار بڑھئی اور بارہ ہزار مزدوروں نے دو سال تک برابر کام کرکے اس مکان کو بنایا تھا۔ جب راجہ اس دیوان خانہ میں آکر بیٹھتا یا سوار ہوکر کہیں جاتا تو بجائے نقارہ اور شہنائی کے ڈھول اور "داند" بجاتے تھے۔ اور یہ "داند" ایک موٹی اور مدور پیتل کی تختی اس قسم کی ہوتی تھی (جیسے کہ ہندو فقیروں کی جماعتوں کے ساتھ یا مردوں کے جلوسوں کے آگے گھڑیال بجا کرتے ہیں)

آسامیوں کی سرکشی چونکہ برسات کی آمد کے آثار شروع ہو گئے تھے جو آسام[1] میں تمام

[1] اس ملک کے کچھ عام حالات اگرچہ اس سے پہلے بموجب بیانِ مصنف

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ عالمگیر نامہ لکھے گئے ہیں۔ مگر اس موقعہ پر وہ حالات بھی جو زنانہ حال کی تصنیف شدہ کتابوں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں لکھے جانے خالی از لطف نہ ہوں گے واضح ہو کہ ملک آسام جو صوبہ بنگالہ۔ اور برہما۔ اور تبت کے مابین واقع ہے (بحساب سنہ ء) اس صدی کے شروع سے سرکار انگلشیہ کا مقبوضہ خاص ہے۔ چونکہ یہاں کے باشندے اس زمانہ میں بھی بہت خاصے جانگلو ہی ہیں۔ اس لئے ۱۸۷۱ء تک حکام انگریزی نے طریقہ انتظام اور طرز حکومت کو مصلحتاً سرسری اور غیر قانونی طور پر رکھا ہوا تھا۔ مگر ۱۸۷۴ء سے اس میں ایک حاکم اعلیٰ بلقب چیف کمشنروں وغیرہ معمولی ماتحت عہدہ داروں کے مامور ہو گیا ہے۔ جس کا دارالحکومت سلہٹ کے شمال کی جانب کھاسی اور جنتیا کے پہاڑوں میں بمقام شیلانگ ہے جو سطح سمندر سے ۶۶۷۵ پانچ ہزار چھ سو سڑسٹھ فٹ بلند ہے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس صوبہ میں اب ضابطہ اور آئین کی پابندی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے یہ ملک کثرت بارش کے لئے تمام ہندوستان میں ایسا مخصوص ہے کہ راجہ شیو پرشاد صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سابق عہدہ دار سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی اپنے مشہور جغرافیہ جام جہاں نما میں (جو پہلے پہلے ۱۸۵۰ء کے قریب چھپا تھا) لکھتے ہیں کہ مقام چیرا پونجی میں جہاں موسم گرما میں بنگالہ اور آسام سے انگریز لوگ جا کر اکثر رہا کرتے ہیں سال بھر کی بارش کی پیمائش تین سو چھ انچ تک کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ مقام سطح سمندر سے صرف ساڑھے چار ہزار فٹ کے قریب بلند ہے اور جس قدر ندیاں اور دریا اس ملک میں جاری ہیں یقین ہے کہ اور کسی جگہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ اکسٹھ ندیاں تو ایسی ہیں جن میں بارہ مہینے ناؤ چلتی ہے۔ اگلے زمانہ میں وہاں کے راجاؤں نے اس بارش کی کثرت ہی کے باعث سے پانی کے بیچ میں سے راستہ جاری رکھنے کو تین چار گز زمین سے اونچی سڑکیں (روہی آل) بنائی ہوئی تھیں۔ اور راجہ صاحب لکھتے ہیں کہ اُن سڑکوں پر اب تو جنگل اُگا ہوا ہے اور بجائے انسانوں کے شیر اور بھالو چلتے ہیں۔ اگرچہ سارا ہی ملک جنگل اور پہاڑ ہے مگر پورب اور اُتر کی طرف پہاڑ اور جنگل بہت ہی زیادہ ہیں جن میں مختلف ناموں کی جنگلی قومیں بستی ہیں۔ اور اُن کی ذات اور مذہب کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے سب چیز کھاتی ہیں۔ تیروں کو زہر میں بجھاتی ہیں۔ گندے ایسے کہ آب دست تک نہیں لیتے۔ چوپایوں کی کھوپڑیاں خالی کر کے آرایش کے واسطے بندھن داروں کی طرح گھروں میں لٹکاتے ہیں۔ کوئی اُن میں بُدھ کا مذہب بھی رکھتا ہے۔ اکثر درختوں کی چھال کا لنگوٹ بنا کر باندھتے ہیں اور سینگ کا کنٹوپ پہنتے ہیں۔ کوئی تکلف کرتا ہے تو کمبل بھی اوڑھ لیا کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان اقوام میں گاڑرو قوم کے لوگ جو برہما پتر کے دکن اور سلہٹ اور مہین سنگھ کے اُتر میں بستے ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ در حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سانپ کو بھی کھا جاتے ہیں۔ اور کتے کا پلّہ تو ان کے بڑے مزے کی چاٹ ہے۔ پہلے اُس کو پیٹ بھر کر چاول کھلاتے ہیں بعد اس کے جیتا ہی آگ پر بھون کر کھا جاتے ہیں۔ اس قوم میں یہ بھی دستور ہے کہ جب ان کے آپس میں تکرار ہوتی ہے تو دونوں آدمی اپنے اپنے گھر میں چٹاکر کا درخت لگاتے ہیں اور اس بات کی قسم کھاتے ہیں کہ قابو پاتے ہی اپنے دشمن کا سر کاٹ کر اس پیڑ کے کھٹے پھل کے ساتھ کھا جائیں گے۔ اور جب دشمن کا سر کاٹ لاتے ہیں تو فی الحقیقت اُس کو چٹاکر کے درخت کے ساتھ چٹ کر جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے دوست آشناؤں کو بھی دعوت میں کھلایا کرتے ہیں اور پھر اُس پیڑ کو بھی (جو گویا لڑائی کی جڑ تھی) کاٹ ڈالتے ہیں۔ راجہ صاحب موصوف نے اُن لوگوں کی وحشت سے متعلق اپنی کتاب[1] میں شروع عمل داری انگریزی کے وقت کی روایتیں یہاں تک لکھی ہیں کہ جب لڑائی جھگڑے میں کسی بنگالی زمیندار کا سر کاٹ لاتے ہیں تو اُس کے گرد پہلے سب کے سب مل کر ناچتے گاتے ہیں اور پھر اُس کی کھوپڑی صاف کر کے اپنے گھر میں لٹکا دیتے ہیں وہ کھوپڑیاں آپس میں بیچ بھی ڈالا کرتے ہیں۔ بلکہ اشرفی اور بنک نوٹ کی برابر وہاں یہ بنگالیوں کی کھوپڑیاں اُن کے بازار میں چلتی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۱۵ء میں کالو مالو پاڑے کے زمیندار کی کھوپڑی ایک ہزار روپیہ کو چلتی تھی۔ اور اندر تعلقہ دار کی کھوپڑی پانچ سو روپیہ کو بھنائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اپنے مردوں کو جلا کر بالکل راکھ کر ڈالتے ہیں۔ تاکہ کوئی آدمی کھوٹے روپیہ کی طرح کسی کارٹو کی کھوپڑی بنگالی کی کھوپڑی کے عوض میں دے کر انھیں ٹھگ نہ لیا کرے۔ شادی بیاہ وہاں عورت مرد کی خوشی اور رضامندی سے ہوتا ہے اور اگر اُن میں سے کسی کا باپ اُس شادی سے ناراض ہو جائے تو پھر وہ سب لوگ اُس کو اتنا پیٹتے ہیں کہ وہ بیچارہ راضی ہو جاتا ہے۔ خاوند کے مر جانے کے بعد وہاں کی عورتیں اپنے جیٹھ دیور سے نکاح کر لیتی ہیں اور اگر خاوند کا کوئی بھائی زندہ نہ ہو تو اپنے خسر سے شادی کر لیتی ہیں۔ مالک میراث وہاں چھوٹی لڑکی ہوتی ہے۔ مردہ کو چار روز کے بعد جلاتے ہیں۔ اور اگر اُن کا کوئی چھوٹا سردار مر جائے تو اُس کے ساتھ ایک غلام کا بھی سر کاٹ کر آگ میں جلا دیتے ہیں اور جو کوئی بڑے درجہ کا سردار مر جائے تو اُس کے سب غلام مل کر ایک ہندو کو پکڑ لاتے

---

[1] راجہ صاحب موصوف نے میرے خط کے جواب میں اس مضمون کے ماخذوں کی نسبت یہ ارقام فرمایا ہے کہ میں نے آسام کا حال معتبر انگریزی کتابوں سے نقل کیا ہے مثلاً والٹر ہیملٹن صاحب کا ایسٹ انڈیا گزٹیر جو ۱۸۲۸ء میں چھپا تھا اس کے حصہ اول کا پینسٹھواں صفحہ اور ہیملٹن صاحب موصوف نے بعض حالات ۱۸۰۷ء کے کاغذوں سے نقل کئے ہیں۔ س م ع۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوستان سے پہلے اور اس شدت سے ہوتی ہے کہ ملک کے نشیبی حصوں میں سب جگہ پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اس لئے میر جملہ نے میر مرتضیٰ سردار توپ خانہ اور راجہ امر سنگھ ہاڑہ کو کھڑگاؤں میں ٹھیرا کر خود متھرا پور میں جو یہاں سے تین چار کوس آگے بڑھ کر کچھ اونچی جگہ تھی جا ڈیرہ کیا۔ اور جا بجا چوکیاں اور تھانے بٹھا دیئے۔

مگر چند ہی ہفتے بعد جب برسات کی معمولی شدت سے اس تمام نیچے کے ملک میں جہاں حملہ آوروں کا قبضہ تھا پانی ہی پانی ہو گیا اور اہل سپاہ کو ایک دوسرے سے ملنے اور کہیں آنے جانے میں بہت ہی دشواری ہو گئی۔ اس لئے آسامیوں نے جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر میر جملہ کی چوکیوں اور تھانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اور لڑ بھڑ کر آخر کار شروع ماہ شوال میں اکثر مقامات پر پھر قابض ہو گئے خصوصاً اپنی قدیمی چال کے موافق رسد کی آمد روکنے کے لئے لکھو گڈھ اور گج پور کے مابین دریائے دھنگ کے کنارے جا بجا مورچے بنا لئے اور رسد پہنچنے کا راستہ روک لیا۔

جب میر جملہ اس حال سے مطلع ہوا تو راستہ کے کھولنے کے لئے جب کچھ فوج دریا کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ہیں اور اُس کا سر کاٹ کر اُس کے ساتھ جلا ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ محنت کش اور مضبوط ہوتے ہیں۔ صورت شکل اُن کی یہ ہے کہ ناک چنبیوں کی سی پھیلی ہوتی اور آنکھیں چھوٹی ماتھے پر جھریاں پڑی ہوئیں۔ بڑا سا منہ۔ ہونٹ موٹے۔ چہرہ گول۔ اور رنگ اُن کا گندمی ہوتا ہے۔ عورتیں ناٹی اور دبنگی ایسی کہ مردوں سے زیادہ مضبوط کاموں میں اُن کے بیس بیس تیس تیس بالے پیتل کے اتنے بڑے بڑے پڑے رہتے ہیں کہ چھاتی تک لٹکا کرتے ہیں آسام کے امیر لوگ بھی گھاس پھوس کے بنگلے یا چھپروں میں رہتے ہیں پچھم کا حصہ آسام کا اب تک کامروپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے شاستر میں جو سرحد کامروپ دیس کی لکھی ہوئی ہے۔ اُس کے بموجب رنگ پور میمن سنگھ سلہٹ جینتیا پور۔ کچھار۔ منی پور اور آسام۔ یہ سب کامروپ دیس ٹھیرتا ہے۔ اور اگلے زمانہ کی پوتھیوں میں اس دیس کے بڑے بڑے اچنبھے کی باتیں اور نہایت تعجب کی حکایتیں لکھی ہیں نادان آدمی اب تک اُس کو جادو کا گھر خیال کرتے ہیں۔ تاں ترک مذہب سی جگہ سے پھیلا تھا کامکھشا دیوی کا مشہور مندر ۹۲ درجہ ۵۶ دقیقہ طول شرقی اور ۲۶ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض شمالی میں واقع ہے۔ وہاں کے آدمیوں کی صورت شکل چین والوں سے ملتی ہے۔ صدر مقام گواٹی کلکتہ سے تین سو کھپس میل گوشہ شمال و مشرق کی طرف جو کسی زمانہ میں کامروپ کا تخت گاہ تھا۔ اور اب وہاں صاحب کمشنر رہتے ہیں برہما پتر کے بائیں کنارے پر بستا ہے فقط انتہی کلامہ س ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کنارے کنارے سرانداز خاں ازبک کے زیر حکم اور کچھ بذریعہ نواڑہ محمد مراد بیگ کے ماتحت کھڑگاؤں سے روانہ کی تاکہ ایک دوسرے کی مدد اور اتفاق سے کام کریں۔ مگر بدبختی سے تھوڑی ہی دور چل کر ان دونوں میں اتفاقاً ایسی ناچاقی ہوگئی کہ سرانداز خاں تو پیچھے رہ گیا۔ اور محمد مراد بیگ براہِ نخوت اُس کی مدد کی پروانہ کرکے معہ اپنی کشتیوں کے آگے بڑھ گیا۔ اور آسامیوں نے موقعہ پاکر رات کے وقت جہاں یہ ٹھیرا ہوا تھا۔ ایک ایسا چھاپہ مارا کہ سب کشتیاں معہ ساز و سامان کے چھین لیں اور وہ ایسا سراسیمہ ہوا کہ معہ اپنی سپاہ کے بغیر لڑے ترہانی کو بھاگ گیا۔ اس کامیابی سے آسامی اور بھی مغرور ہوگئے اور لکھوگڈہ سے رسد اور خبر آنے کا راستہ بالکل مسدود ہوگیا۔ اور جہاں کہیں بادشاہی فوجیں تھیں بجز اپنی حفاظت کے ادھر اُدھر کہیں نہیں جاسکتی تھیں۔ اور آسامی جو اس شدت طغیانی میں گویا ان ندی نالوں کی مچھلیاں ہی تھے۔ میدان اور پہاڑ سے اگر بے تکلف اور متواتر حملے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود کھڑگاؤں کے صدر لشکر پر بھی حملے شروع کردیئے۔ ان حالتوں کو دیکھکر رعایا کے لوگ بھی اطاعت اور فرماں برداری سے منحرف ہوکر گڑبڑ مچانے لگے۔ اور اسی اثنا میں اتفاق سے کوچ بہار میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عمال بادشاہی نے جو بیوقوفی سے ممالک محروسہ شاہی کی طرح کڑی جمع بندی کرکے سختی سے مطالبے شروع کردیئے اس لئے رعایا نے باغی ہوکر پیم نرائن کو بھوٹنٹ سے واپس بلا لیا اور فوجدار کو قتل کرکے (جیسا کہ ہم ایک حاشیہ میں قبل ازیں ذکر کرچکے ہیں) بادشاہی عمل و دخل اٹھادیا اور تمام عہدہ دار مجبور ہوکر گھوڑا گھاٹ میں چلے آئے۔ اس خبر کے مشہور ہوجانے سے آسامیوں کے حوصلے اور بھی زیادہ بڑھ گئے اور بادشاہی فوج کی جرأت و ہمت پر بھی بُرا اثر پیدا ہوا۔

میر جملہ کی تدبیریں میر جملہ نے اس سیلاب بلا کے روکنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کیں اور چونکہ کھڑگاؤں میں لکھوگڈھ سے رسد کا پہنچنا اور اس کے گرد و نواح کے مفسدوں کی تنبیہ و تادیب کرکے آمد و رفت کا راستہ کھولنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اس لئے اُس نے ایک فوج باندازۂ مناسب متھراپور سے زیر حکم فرہاد خاں راجہ سجان سنگھ ہاڑہ قراول خاں وغیرہ سرداروں کی معیت میں اس غرض کے لئے روانہ کی۔ اگرچہ فرہاد خاں نے کھڑگاؤں پہنچ کر کمال ہمت سے ایسی کوشش کی کہ رات رات اپنے لشکر کو "دیکھو" ندی سے جو بڑی طغیانی پر آئی ہوئی تھی پار اُتارا۔ مگر آخر کچھ دور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آگے جاکر کثرتِ بارش اور شدت سیلاب سے یہ حالت دیکھی کہ تمام ملک مثل ایک دریائے بیکراں کے تھا اور باوجود کوشش کے کہیں راستہ نہ ملتا تھا۔ اور چونکہ بارش شدت سے ہو رہی تھی۔ سواروں اور پیادوں کو سوائے پانی میں کھڑے رہنے کی کوئی جگہ ہی نہ تھی اُس نے ناچار واپس آنا چاہا اور جب اس پانی ہی پانی میں ترہانی تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آسامیوں نے وہاں سے لے کر دریائے دھنگ تک نہایت چوڑی اور عمیق نہریں کھود کر اور کنارہ پر مستحکم مورچے بنا کر اور توپ اور ہلکے وغیرہ سامانِ حرب سے مضبوط کر کے واپس جانے کا راستہ بند کر رکھا ہے اور یہ سپاہ اس مقام پر پہنچی ہی تھی کہ بہت آسامیوں نے اپنے مورچوں اور جنگی کشتیوں پر سے گولے برسانے شروع کئے۔ اور بادشاہی فوج کو اب بڑی دقت پیش آئی کہ نہ اُن کے پاس رسد اور چارہ تھا اور نہ کشتیاں کہ اُن پر سوار ہو کر اور دشمنوں کو دفع کر کے ندی نالوں سے پار ہو جائیں۔ اور نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ کہیں پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اور کسی طرح کی مدد بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ناچار ایک آل پر جو اس نواح میں تھی جا چڑھے۔ میر جملہ نے اس حادثہ کی خبر پاکر محمد مومن کو فوج کثیر کے ساتھ ان کی کمک کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ بھی ترہانی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خلاصہ یہ کہ فرہاد خاں اور اُس کی سپاہ اور تمام سردار آل پر گھرے ہوئے بھوک سے ناچار ہو کر لشکر کے بیلوں کا گوشت کھا کر مصیبت کے دن کاٹتے تھے۔ اور اس عرصہ میں اگرچہ آسامی کشتیوں پر سے بھی گولے مارتے تھے۔ اور دن اور رات میں کئی کئی بار آل تک پہنچ کر حملے بھی کرتے تھے۔ مگر یہ لوگ ایک ہفتے تک باوجود ہر طرح کی تکلیف کے کمال جرأت اور بہادری سے اُن کو پسپا ہی کرتے رہے۔

اور آخر کار فرہاد خاں نے ایک روز یہ تدبیر کی کہ جب اسامی راجہ سجان سنگھ کے راجپوتوں پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے چلے آتے تھے تو اُس نے اُن کو بطور حکمت عملی پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ اور جب راجپوت پیچھے ہٹے اور یہ مجہول آسامی مغرور ہو کر اس قدر آگے بڑھ آئے کہ اُن کی کشتیوں سے جو دریائے دھنگ میں کھڑی تھیں اُن کو بہت فاصلہ ہو گیا۔ تو خان مذکور نے موقعہ دیکھکر یک لخت دھاوا کیا اور ایسی تلواریں ماریں کہ حملہ کرنے والوں کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اور اُن کی چند کشتیاں بھی چھین لیں۔ لیکن چونکہ اُس کے پاس سپاہ کے کھانے کو کچھ نہیں تھا تو آخر یہی صلاح ٹھہری کہ جس طرح بھی اس مصیبت سے نکلنا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چاہیے مگر نکلنے کے واسطے چونکہ کشتیاں کافی نہ تھیں۔ اور وہی چند کشتیاں تھیں جو دشمنوں سے چھینی تھیں اس لئے کیلے اور بانس کاٹ کر اور چھال اور گھاس سے باندھ کر بیڑے بنائے اور اُن پر چیدہ چیدہ بہادروں نے چڑھ کر طلوع آفتاب سے بہت پہلے کہ جب آسامی بالکل بے فکر پڑے سو رہے تھے یکایک حملہ کیا اور اُن کو وہاں سے بھگا کر اکتالیس کشتیاں چھین لائے اور پھر اُن کشتیوں پر اپنے لشکر کو ندی نالوں سے پار اُتار کر تمام لشکر کو صحیح سلامت متھرا پور میں دوسری ذیقعدہ کو پہنچا دیا۔

مگر اس کے بعد بارش اس سے بھی زیادہ تیز ہوئی۔ اور تھانوں اور چوکیوں تک مدد کا پہنچنا بہت دشوار ہوگیا۔ تو میر جملہ نے ازراہِ دانائی کل سپاہ کو سب جگہ سے اٹھا کر کھڑگاؤں اور متھرا پور میں جمع کر لیا اور دوبارہ آسامی تمام ملک پر قابض ہو گئے۔ اور سوائے متھرا پور کھڑگاؤں۔ اور لکھوگڈہ کے اور کوئی مقام بادشاہی لشکر کے تصرف میں باقی نہ رہا۔ بلکہ آسامیوں کی جرأت اور جسارت یہاں تک بڑھی کہ متھرا پور اور کھڑگاؤں کے مابین جو صرف چند میل کا فاصلہ تھا یہاں بھی فوجی جمعیت کے بغیر آمدورفت نہیں ہوسکتی تھی۔

میر جملہ مشکلات میں

اب ظاہر ہے کہ اس حالت میں سرداروں اور اہل لشکر کی پریشانیوں کا کیا ٹھکانا تھا۔ اور قلت رسد اس پر اور بھی مستزاد تھی علاوہ بریں راجہ نے میر جملہ کے پاؤں اکھاڑنے کے لئے اپنے ایک بھوکن کو اپنا قائم مقام بنا کر اور بڑے بڑے اختیارات دے کر فوج کثیر کے ساتھ متھرا پور کو روانہ کیا۔ اور خود بھی قلعہ سولہ کوڑی میں جو کھڑگاؤں سے چار منزل اور آسام کے راجاؤں کا قدیمی دارالحکومت تھا آکر ٹھہر گیا۔ بھوکن مذکور ایک ندی کے کنارے جو متھرا پور کے نزدیک گذر کر دریائے دھنگ میں گرتی اور برسات کے موسم میں ایک بڑا دریا بن جاتی ہے آ اُترا۔ اور بے شمار آسامیوں کو جمع کر کے (بقول صاحب عالمگیر نامہ) ایک دیوار عریض و مرتفع تیس کوس لمبی اور انتہائی مستحکم کہ جس کا ایک سرا پہاڑ سے اور دوسرا دریائے دھنگ سے ملا ہوا تھا نہایت قلیل عرصہ میں اپنے لشکر کے آگے تیار کرلی۔ یہ شخص اکثر راتوں کو ندی سے پار اُتر کر متعدد بار سخت حملے کرتا رہا۔ مگر ہمیشہ ناکام ہی ہوتا رہا۔ لیکن آخر میں میر جملہ نے ایک روز خود سوار ہو کر اُن کو ایسا تہ تیغ کیا کہ پھر اُس کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ایسا ہی چار دانگ کے راجہ کو بھی جو آسام کا ایک بہت بڑا ذیلدار تھا اور جس نے متھرا پور کے نزدیک دوسری جانب سے مورچے آن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لگائے تھے راجہ سبحان سنگھ نے ایک سخت لڑائی لڑکر بھگا دیا۔

جب آسامی اس طرح سے متھرا پور پر متواتر حملے کرکے ہمیشہ پسپا ہی ہوتے رہے تو اس جگہ کا خیال چھوڑ کر اوایل ذیقعدہ سے کھڑ گاؤں پر حملے کرنے شروع کئے۔ چنانچہ اکثر راتوں کو ایسے سخت حملے ہوئے کہ مدد کے لئے میر جملہ کو متھرا پور سے بعض سرداروں کو بھیجنا پڑا۔ اگرچہ اس پر بھی ذی الحجہ کے مہینہ میں آسامیوں نے کئی بار رات کو ایسی شدت سے حملے کئے کہ اگر بادشاہی سردار اور فوج ذرا سی کوتاہی کرتے تو ضرور مغلوب ہو جاتے۔ مگر یہ سپاہ کمال استقلال اور مردانگی سے اُن کے حملوں کو روکتی رہی۔

آخر کار روزمرہ کی لڑائی بھڑائی سے دق ہو کر مغلیہ فوج نے خود ایسے سخت حملے کئے کہ اُن کے مورچے چھین کر جلا ڈالے اور دشمنوں کو قتل اور غارت کرکے محصور و مغلوب سے پھر غالب ہو گئے اور اس دلیری اور ہمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دشمن منتشر ہو گئے اور فوج موجودہ کھڑ گاؤں کو روزمرہ کی لڑائیوں سے کسی قدر فرصت مل گئی۔ اسی طرح جو فوج معہ لواڑہ وغیرہ لکھو گڈہ میں ابن حسین داروغہ لواڑہ کے زیر حکومت تھی (جو نام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جہازراں عرب تھا) باوجود آسامیوں کی کوشش اور بے حد حملوں کے جو لواڑہ کے علاوہ دریا کے کنارہ سے بھی آآکر وقت کرتے تھے کسی طرح مغلوب نہ ہوئی بلکہ ابن حسین اور اُس کے رفیق سرداروں نے خود حملے کرکے آسامیوں کی کئی کشتیاں چھین لیں۔ اور کتنے ہی اُن کے مورچے بھی تباہ کر ڈالے۔ اور ابتدائے برسات میں دیول گاؤں وغیرہ سے جو تھانے اٹھ گئے تھے پھر قائم کر دیئے۔ بلکہ ایسا عمدہ بندوبست کیا کہ اُن کے کئی سردار بھی پکڑ لئے اور لکھو گڈہ سے گواہٹی تک اپنے رعب و دبدبہ کو جیسا کہ چاہیئے تھا قائم رکھا۔ اور گواہٹی سے رسد اور خبر کی آمد رفت کے سلسلہ کو منقطع ہونے نہیں دیا۔

خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا بھوکن اپنی تمام جرأت اور بہادری خرچ کر چکا اور بادشاہی فوج باوجود قلت تعداد کے غالب رہی تو اس نے راجہ کی مرضی سے میر جملہ کے پاس متھرا پور میں وکیل بھیج کر پھر صلح کی درخواست کی۔ لیکن میر جملہ نے ازراہ مصلحت پہلے سے بھی زیادہ یہ کڑی شرطیں پیش کیں کہ پانچ سو ہاتھی تین لاکھ تولہ سونا معہ اپنی بیٹی کے جو بادشاہی بیگمات کی خدمت گذاری کے لئے بھیجی جائے بالفعل حاضر کرے۔ اور آئندہ کے لئے پچاس ہاتھی ہر سال بطور پیش کش بھیجتا رہے اور جہاں تک ہماری فوج پہنچ چکی ہے وہ تمام ملک ہمارے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قبضہ میں رہے۔ اور کوہستان نامروپ وغیرہ راجہ کے پاس۔ مگر ان سخت شرطوں کے ساتھ براہ دانائی یہ نرمی بھی ظاہر کی کہ پورن مل نامی اپنے ایک ہندو سردار کو کھوکن کی تسلی کے لئے بھی بھیج دیا۔ جس کی کھوکن نے نہایت درجہ کی خاطر اور تواضع و تکریم کرکے سب شرطوں کو قبول کر لیا۔ بلکہ ایک دن تخلیہ میں یہاں تک کہہ دیا کہ راجہ ان شرطوں کو منظور نہ کرے گا تو میں اُس کا ساتھ چھوڑ کر خود میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

بیماری اور قحط

مگر یہ کام بنتے بنتے پھر اس طرح بگڑ گیا کہ اسی اثنا میں بدقسمتی سے ایک اور مصیبت پیش آگئی کہ شدت بارش سے متھرا پور کے لشکر میں آب و ہوا خراب ہو کر تپ لرزہ اور دستوں کی بیماری ایسی پھیلی کہ اکثر لوگ مر گئے بلکہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وبا تمام ملک اور خصوصاً راجہ کی سپاہ اور رعایا کے لوگوں میں جو بھاگ کر پہاڑوں جنگلوں اور تنگ مقاموں میں جا گھسے تھے یہاں تک پھیل گئی تھی کہ اُس کے بعض ملازموں کے قول کے موافق دو لاکھ تیس ہزار آسامی ضائع ہوئے تھے! اس بیماری کے علاوہ میر جملہ کے لشکر میں رسد کا بھی ایسا قحط تھا کہ منجملہ اُن ایک سو تہترا نبار چاولوں کے جو کچھ ڈھیر پانی کی طغیانی اور دشمنوں کی دست و برد سے بچے ہوئے تھے یا تو کسی قدر اُن پر گذران تھی یا اُن بیلوں کے گوشت پر جو لڑائیوں بھڑائیوں میں دشمنوں سے چھینے ہوئے تھے۔ بلکہ ایک مدت تک سوائے اس کے کہ بیل کا گوشت پانی میں جوش دے لیں یا اُسی کی چربی میں بھون لیں یا لیمو اور نارنج کے ساتھ جو اس ملک میں کثرت سے تھے تبدیل ذائقہ کر لیں بڑے بڑے امرائے خوش خور کو بھی کھانے کے لئے اور کچھ میسر نہ آتا تھا اور آخر کو یہ بھی نایاب تھا۔

بادشاہی لشکر کی اس مصیبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ آسامی جو پہلے دب گئے تھے اُنھوں نے پھر سر اُٹھایا اور وہی بھوکھن جو عجز و نیاز اور اطاعت کے پیغام و سلام بھیج رہا تھا۔ پھر لڑنے کو تیار ہو گیا۔ اور چونکہ متھرا پور میں بیماری زیادہ تھی اور تقریباً تین مہینے سے دن رات کی بارش اور لڑائی اور قحط کی مصیبت نے مجبور کر دیا تھا۔ اور اس لئے میر جملہ بارھویں محرم کو وہاں سے ڈیرہ اٹھا کر کھڑگاؤں میں چلا آیا تھا۔ آسامیوں نے اس امر کو اور بھی زیادہ ان کی کمزوری پر محمول کیا اور از سر نو دن رات حملے کرنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ یہ بھوکی اور بیمار فوج رات بھر سونے نہیں پاتی تھی۔

لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ چاندنی رات میں آسامیوں نے جو دلیر خاں اور راجہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سجان سنگھ کے مورچوں پر بڑی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن وہ شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ دلیر خاں نے اپنی شجاعت کے جوش پر صرف اُن کے معمولی پس پا ہونے پر اکتفا نہ کر کے چاندنی رات کے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور دور تک تعاقب کر کے اس قدر تہ تیغ کیا کہ اس کے بعد پھر اُن کو کھڑگاؤں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

قصہ مختصر نصف ماہ صفر تک سب سرداروں اور سپاہیوں نے بیماری اور قحط کی مصیبت کو نہایت تحمل اور استقلال سے برداشت کیا اور چونکہ بارش میں بھی کچھ کمی ہونے لگی تھی اس لئے میر جملہ اور اُس کے سرداروں نے پھر کارروائی شروع کی اور معلوم کیا کہ براہ چارنگ دریائے "دیکھو" کے پار دیول گاؤں تک دامنِ کوہ کے قریب ایک ایسی آل بنی ہوئی ہے جو برساتی پانی میں نہیں ڈوبتی اور اُس پر آمد و رفت کے لئے خشک راستہ موجود ہے۔ اس لئے میر جملہ نے اکیسویں صفر کو تھوڑی سی فوج اور ابوالحسن نامی اپنے ایک معتبر سردار کو جو اُس کے ذاتی ملازموں میں سے تھا مضدان کی سرکوبی کے لئے اور اُس راستہ کو کھولنے کے لئے مامور کیا اور یہ بھی ہدایت کی کہ ابن حسین لوانڑہ کے داروغہ کو خبر دی جائے کہ رسد کی کشتیاں جس طرح ہو سکے دیول گاؤں میں بھیج دے چنانچہ اس بندوبست کے موافق مخالفوں کی تنبیہ و تادیب کے بعد یہ دیول گاؤں میں پہنچ گیا۔ اور چونکہ دریا کنارے اب بھی آسامیوں کے مورچے اور نو تعمیر گڑھیاں تھیں اور رسد کی کشتیوں کے لئے اس وجہ سے اندیشہ تھا اس لئے کچھ رسد کشتیوں سے نکال کر جمعیت مناسب چارنگ کے راستہ سے کھڑگاؤں کو بھیج دی اور خود لوانڑہ کے ساتھ ہو کر کھڑگاؤں کو روانہ ہوا اور اُن کی گڑھیاں جو دھنگ ندی کے کنارے تھیں اُن کو بھی چھین کر مسمار کر ڈالا اور چارنگ اور گج پور اور دیول گاؤں میں راستہ کی حفاظت کا بخوبی بندوبست کر دیا۔

آسامی فوجوں کا فرار

خلاصہ یہ کہ یہ تدبیریں کارگر ہوئیں اور آخر ربیع الاول میں چھ مہینے کے بعد خشکی اور تری دونوں راستوں سے کھڑگاؤں میں رسد پہنچنے لگی۔ اور قحط کی مصیبت رفع ہو گئی اور برسات کے اُتار کے ساتھ آسامی بھاگ کر پھر جنگلوں دروں اور اونچے اونچے پہاڑوں پر جا چڑھے۔ اور راجہ بھی سولہ کوڑی سے پھر نامروپ کے پہاڑوں کو چلا گیا۔ اور اگرچہ اُس کا نامور سردار یعنی وہی مذکورہ بالا بھوکمن بہ سبب اپنے مورچہ کی مضبوطی اور جمعیت فوج کے ابھی تک کھڑگاؤں کے قریب ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ندی کے کنارے ٹھیرا ہوا تھا۔ مگر اُس نے بھی عاجزی سے پھر صلح کی درخواست کرنی شروع کی جس کو قبول نہ کر کے میر جملہ نے آٹھویں ربیع الثانی کو چند سرداروں اور فوج کو کشتیوں پر بٹھا کر اُس کو سزا دینے کے لئے روانہ کیا اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں بھوکن مذکور سے اُس کا بالنسوں کا قلعہ جو اُس نے اپنے لشکر کے گرداگرد بنایا ہوا تھا چھین لیا گیا۔ مگر چونکہ اُس کے ساتھ جمعیت کثیر موجود تھی اور اُس نے ایک دوسرے قلعہ میں جو ڈنڈ کا ندی کے قریب تھا مورچے جما لئے تھے۔ اور اب وہ اس حملہ آور فوج اور کھڑگاؤں مقیم لشکر کے بیچ میں آگیا تھا۔ اس لئے چودھویں ربیع الثانی کو میر جملہ بذات خود کھڑگاؤں سے اس پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ پہلی ہی شکست سے ہمت ہار چکا تھا۔ اور اب میر جملہ کے بذات خود چڑھائی کرنے کا حال اُس کو معلوم ہوا تو خائف ہو کر اس مورچہ سے بھی جو بہت مضبوط تھا بے لڑے بھاگ گیا اس جگہ پر قابض ہو جانے کے بعد میر جملہ کو خبر ملی کہ ابھی ایک اور مورچہ دریائے دہنگ کے اُس پار باقی ہے۔ اس لئے وہاں سے اٹھارھویں ربیع الثانی کو روانہ ہو کر وہ اس دریا کے کنارے پر پہنچا ہی تھا کہ آسامی اس کو بھی خالی کر گئے حالانکہ دریا کے عرض و عمق کے باعث وہ حملہ سے محفوظ تھے۔

میر جملہ کی بیماری

مگر اب قدرت ایزدی سے یہ عجیب اور منحوس واقعہ پیش آیا کہ مخالف تو اُس کو دریا کے پار ہی پہنچا ہوا دیکھکر خود بخود بھاگے جاتے تھے۔ مگر یہاں میر جملہ پر یہ حالت گذری کہ جس وقت اپنے گھوڑے پر سوار اس کنارہ سے آسامیوں کے مورچوں اور ان کے حال احوال کو حملہ کی تدبیر سوچنے کے لئے بہ نظر غور و احتیاط دیکھ بھال رہا تھا۔ یکایک اس پر ضعف کی سی کیفیت ایسی طاری ہوئی کہ گھوڑے سے اُتر کر زمین پر لیٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر تک بالکل بیہوشی اور غشی میں پڑا رہا اور اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہوش آگیا مگر کئی روز تک اس کو یہیں مقام کرنا پڑا۔ اور اب باوجودیکہ اس کے مقابلہ سے دشمن بالکل ہٹ گئے تھے۔ بلکہ ایسا اچھا اثر پیدا ہو گیا تھا کہ رعایا کے لوگ عموماً اطاعت کرنے لگ گئے تھے اور بدلی بھوکھن نامی جو آسام کے سرداروں میں راجہ کا ایک بہت بڑا رکن تھا۔ اور بہ سبب کسی رنجش کے راجہ سے اُس کی اَن بن ہو گئی تھی اپنے اہل و عیال کی بھی پروا نہ کر کے اور راجہ کی رفاقت چھوڑ کر میر جملہ کے لشکر میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ میر جملہ کی خواہش کے موافق راستوں وغیرہ کے بندوبست اور شاہی خدمات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے لئے کئی ہزار آسامیوں کی فوج بھی بھرتی کرادی تھی۔ اور اس باعث سے راجہ کو اپنے سب سرداروں کی طرف سے ایسی بدظنی پیدا ہوگئی تھی کہ اُس بیچارہ وفادار مذکورہ بالا بھوکھن کو بھی جو نہایت بہادری کے ساتھ بادشاہی فوج کو کئی مہینے تک دق کرتا رہا تھا خواہ مخواہ سستی اور کوتاہی کا الزام لگاکر وحشیانہ رسم کے مطابق عیال واطفال سمیت لوہے کی گرم سیخوں میں پرو پرو کر سخت عذابوں سے مروا ڈالا۔ اور سارے معاملات ایک مدت تک خراب رہ کر اب سب طرح میر جملہ کے حسب دل خواہ ہو رہے تھے اور باوجود مرض کے بھی اس کا یہ مستقل ارادہ تھا کہ جس طرح بنے راجہ سے آسام کا کل ملک چھین کر اس کو خارج کردے اور اسی ارادہ سے پانچویں جمادی الاول کو کوہستان نامروپ کی طرف یہاں سے کوچ بھی کردیا تھا بلکہ ساتویں جمادی الاول کو قصبہ سولہ کوڑی میں پہنچ کر اور آٹھویں کو دریائے دھنگ کے پار ہوکر (جس کے کنارہ یہ قصبہ آباد تھا) اور آگے بڑھکر جا اُترا تھا۔

مگر اسی مقام پر اُس کی بیماری بہت ہی سخت وشدید ہوگئی۔ سینہ اور معدہ میں درد ہوکر شدت سے تپ چڑھ گیا۔ اور دو تین دن کے بعد مرض ذات الصدر میں بھی مبتلا ہوگیا اس سبب سے اہل لشکر اور سردار جو متواتر لڑائیوں کے علاوہ گذشتہ بارش اور قحط اور بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے اب اُن کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ مبادا سردار مرجائے یا ہم طول کھینچ کر دوبارہ برسات کا موسم آجائے اور لشکر تباہ ہوجائے اس لئے اکثر سرداروں نے یہ ارادہ کرلیا کہ اگر میر جملہ اس مہم کو زیادہ طول دینا چاہے تو خود سری اختیار کرکے بنگالہ کو چلے جائیں۔

راجہ کا پیغام صلح اگرچہ میر جملہ کو بعین شدت مرض میں سرداروں کے اس ارادہ سے نہایت ہی رنج ہوا۔ مگر عالی ہمتی اور حسن تدبیر سے تاکہ دشمن دلیر نہ ہوجائے باوجود بیماری کے ایک منزل اور آگے بڑھ گیا لیکن مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر اپنی اصل آرزو کے برخلاف دل میں صلح کرلینے کا ارادہ کرلیا۔ اور اس عرصہ میں راجہ کے بھیجے ہوئے سفیر اور وکیل امراء کے ذریعہ سے معافی اور صلح کی متواتر درخواستیں کرتے تھے اور قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ لیکن اب کہ جو راجہ نے دلیر خاں کے ذریعہ سے درخواست کی تو میر جملہ بھی بناچاری موقعہ دیکھکر راضی ہوگیا۔

اور سترھویں ماہ مذکور کو اپنے لشکر گاہ سے آگے بڑھکر موضع پتام میں جو نامروپ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے درہ پر تھانا جا اُترا۔ یہ پتام کا علاقہ راجہ کے ایک رشتہ دار کی ریاست میں تھا۔ جس کو اُس کی طرف سے راجگی کا خطاب تھا۔ اور اس جگہ جنگل اور درہ کے سرے پر نہایت مضبوط مورچہ بنا ہوا تھا۔ غرضکہ اس جگہ راجہ کے وکیل حاضر ہوئے اور بہت سی قیل وقال کے بعد ان شرائط پر صلح ٹھہر گئی۔ کہ راجہ ایک اپنی بیٹی اور ایک راجہ پتام کی لڑکی۔ تیس ہزار تولہ سونا۔ ایک لاکھ بیس ہزار تولہ چاندی بیس ہاتھی بادشاہی پیش کش میں پندرہ ہاتھی میر جملہ کو اور پانچ ہاتھی دلیر خاں کو دے۔ اور بعد ازیں بارہ مہینے کے اندر اندر تین لاکھ تولہ چاندی اور نو دہاتھی سرکار میں داخل کرے۔ اور بطور پیش کش سالانہ بیس ہاتھی بھیجتا رہے اور مذکورہ بالا شرائط کی تعمیل تک اپنے چار بڑے بڑے سرداروں کے بیٹوں کو یرغمال کے طور پر بنگالہ میں حاضر رکھے۔ اور بدلی بھوکھن کے اہل وعیال کو (جو حسب شرح صدر میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا) علاقہ کامروپ کے بعض اشخاص کے ساتھ جواب بھی نامروپ وغیرہ کے پہاڑوں میں قید تھے۔ بادشاہی لشکر میں پہنچا دیئے۔ اور ملک مفتوحہ کے اُترکون کی طرف دریائے کلنک راجہ اور بادشاہی علاقہ میں حد فاصل مقرر ہو گئی۔ راجہ نے یہ سب قبول کر لیا اور ان امور کی بابت آسامیوں کی طرف سے عہدنامہ اور میر جملہ کی طرف سے قول نامہ تحریر کیا گیا۔ اور پانچویں جمادی الآخر کو راجہ کے وکیلوں نے اس معاہدہ کی تعمیل میں دونوں لڑکیاں اور مقررہ سونا چاندی اور چاروں سرداروں کے لڑکے حاضر کر دیئے۔

میر جملہ کی مراجعت میر جملہ نے دسویں جمادی الآخر کو اورنگ زیب کے جلوس کے پانچویں سال میں اس باعزت صلح کے بعد کوہستان نامروپ سے بنگالہ کو مراجعت کی (اس حساب سے من ابتدائے شروع کوچ جو جمادی الاول کی تیرھویں تھی دوسرے برس کی دسویں جمادی الثانی تک کل ایام مہم ایک برس سے کچھ زائد ہوئے) اور چونکہ اس کو بیماری سے کسی قدر افاقہ ہو گیا تھا منزل بمنزل جلد جلد کوچ کرتا ہوا بائیسویں ماہ مذکور کو لکھو گڈہ میں پہنچ گیا اور میر فضلی وغیرہ سرداروں اور ہمراہیوں کے انتظار میں جو کھڑکا تک سے معہ اشیا اموال بادشاہی اور معہ ایک گروہ کثیر ہندو مسلمان زن ومرد کے جو قید سے رہائی پا کر آرہے تھے توقف کیا۔ اور چونکہ نو مفتوحہ علاقوں درانگ اور ڈومریہ وغیرہ کا بندوبست اور گواہٹی کے نظم ونسق کو جو آسامیوں کے ایام تصرف میں خلل پذیر ہو گیا تھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دوبارہ درست کرنا تھا اور پیم نارائن کو بھی اُس کی دوبارہ فساد انگیزی کے سبب سزا دینا ضروری تھا۔ اور برسات کا موسم قریب آگیا تھا اس لئے میر جملہ کچھ فوج اپنے ساتھ لے کر اور باقی فوج و لشکر دلیر خاں کے زیر کمان لکھو گڈھ میں چھوڑ کر اٹھائیسویں جمادی الآخر کو گواہٹی کی طرف چل پڑا۔ اور یہاں سے غرہ رجب کو آسام کی نئی سرحد کے ملاحظہ کے لئے دامن کوہ کے راستہ سے کوچ کیا۔ چونکہ جنگل بہت گھنا تھا تین چار منزل لشکر نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ چہارم رجب کو دریائے کلنگ سے اُتر کر قلعہ کجلی کے نیچے ڈیرہ کیا۔ اور اس جگہ دو انگ اور ڈومریہ کے راجاؤں کو جنھوں نے اس مہم میں اچھی خدمات انجام دی تھیں۔ مناسب حال عنایتوں سے سرفراز کیا۔

میر جملہ کی وفات

مگر ان ایام میں میر جملہ کو بعض دواؤں کے استعمال کی وجہ سے جو "اطبائے فرنگی" یعنی یوروپین ڈاکٹروں نے دی تھیں اور صاحب عالمگیر نامہ کے خیال میں وہ حار تھیں (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی انگریزی دواؤں کی نسبت اکثر ہندوستانیوں کا یہی عجوبہ خیال ہے) پہلی بیماریوں کے علاوہ ضیق النفس اور خفقان و قرحہ شش اور استسقا کے آثار پیدا ہو گئے۔ غرضکہ اسی حال میں تیرھویں رجب کو کجلی سے کوچ کر کے دریا پار قصبہ گواہٹی کے محاذی موضع اناندو میں اُتر پڑا۔ اور بادشاہ کے حکم کے موافق رشید خاں کو سرکار نا مروب کا فوجدار مقرر کیا اور ضروری امور کا بندوبست مناسب کر کے چھبیسویں کو موضع ناندو سے کشتی میں بیٹھکر آخر تاریخ رجب کو بمقام ہری تلا ریاست کوچ بہار کے راستہ پر پہنچ کر باوجود شدت مرض کے پیم نارائن کی سزا دہی اور اس کا ملک چھیننے کے ارادہ سے اُتر پڑا۔ اور لشکر کے جمع ہو جانے کے انتظار میں جو پیچھے آتا تھا اسی جگہ ٹھیرا رہا۔ مگر شدت امراض سے جب اُس نے اپنے جاں بر ہونے کی امید نہ دیکھی تو ناچار عسکر خاں کو کوچ بہار کی تسخیر کے لئے مامور کر کے خضر پور کو کوچ کیا۔ اور بدھ کے دن رمضان کی دوسری کو خضر پور سے دو کوس پر اس دنیائے ناپائدار ہی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! اور جب یہ خبر بادشاہ کے پاس جب کہ وہ کشمیر کو جا رہا تھا لاہور میں پہنچی تو بادشاہ نے اُس کے بیٹے محمد امین خاں کو جو میر بخشی اور پنج ہزاری پنج ہزار سوار کا امیر تھا نہایت تسلی دے کر بہت سی شاہانہ عنایتوں سے سرفراز کیا۔ فقط

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۵۱)

پرتگیزوں کی ہندوستان میں آمد اور اُن کا عروج و زوال

صفحہ ۳۰۸ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر اروِنگ براک نے پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے اور ممالک مشرقیہ میں اُن کے عروج و زوال کا حال ایک دلچسپ حاشیہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کو خفیف تغیر و تبدل کے ساتھ ہم اس جلد کے خاتمہ میں لگائیں گے۔ چنانچہ وہ مطابق ذیل ہے۔

ہندوستان کی دولتمندی کی شہرت اور یہاں کے گرم مصالحوں کی افراط اور سوتی نہین کپڑوں کی عمدگی نے مدتہائے دراز سے یورپ کی اکثر قوموں کو اس ملک کے ساتھ اپنا کاروبار تجارت جاری کرنے کے لئے نہایت بے چین کر رکھا تھا۔ لیکن خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لاچار تھے مگر آخر کار جب پرتگال کے بادشاہ جان دوم نے جو نہایت ذی ہوش شخص تھا عمل درآمد سابق کے برخلاف اپنے پائے تخت لزبن کو جو دریائے ٹیگس کے کنارے آباد ہے۔ ایک ایسا بندرگاہ قرار دیا کہ جس میں ہر طرف کے جہاز بغیر کسی طرح کی روک ٹوک کے آنے لگے اور اسی کی اعانت اور حسن توجہ سے بذریعہ علم ہیئت سمندر میں سفر کرنے کا نیا طریق جاری ہوا تو پرتگیزوں نے پہلے کیپ کا راستہ نکالا جو ممالک افریقہ کے انتہائے جنوب کی طرف واقع ہے۔ مگر یہ لوگ اُن تکلیفوں کے باعث جو یہاں تک پہنچتے ہیں طوفان کی شدت سے اُن کو اٹھانی پڑی تھیں اس کو کیپ آف سٹارم یعنی راس الطوفان کہنے لگ گئے تھے اور آگے بڑھنے سے کسی قدر جھجکتے تھے۔ لیکن اس بادشاہ کے خیال میں یہ امر یقینی تھا کہ وہاں سے ہندوستان کا راستہ ضرور ملے گا۔ اس نامبارک اور تہمت شکن نام کا بدل

ل زبن۔ ٹے گس کے ب آف س ٹ ارم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دینا مناسب سمجھکر اُس کا نام کیپ آف گڈ ہوپ یعنی راس نیک امید رکھدیا۔ اور اس کے بعد جب اماتوائل تخت نشین ہوا تو وہ بھی شاہ جان کی اسی تدبیر کی پیروی میں مصروف رہا۔ چنانچہ آٹھویں جولائی ۱۴۹۷ء کو ایسے چھوٹے چھوٹے چار جہازوں کا بیڑا جن میں صرف ایک سو ساٹھ آدمی سوار تھے زیر حکم واسکوڈی گاما ہندوستان کے راستہ کی تلاش کے لئے بھیر روانہ کیا گیا۔ یہ باہمت سردار اول کیپ آف گڈ ہوپ پہنچا اور پھر اس سے آگے ایسے سمندروں کو طے کرتا ہوا جن کو پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا دس مہینے نو دن کے ایک پر صعوبت اور طولانی سفر کے بعد سترھویں مئی روز جمعہ ۱۴۹۸ء کو ساحل ملابار پر آپہنچا۔ اور جس کام کے لئے یہ اولوالعزم لوگ ساٹھ برس سے جانیں کھپا رہے تھے آخر کار ان کی محنت ٹھکانے لگ گئی۔

اُس وقت ہندوستان کا ملک دہلی کے علاوہ جنوب و مغرب کی طرف مختلف فرمانرواؤں میں منقسم تھا اور ان کے ماتحت اور چھوٹے چھوٹے راجہ اور باج گذار رئیس حکمران تھے۔ ان میں سے کالی کٹ کا فرماں روا جس کا لقب زیمورن[1] (سامری) تھا۔ ساحلوں اور

---

[1] فارسی تاریخوں میں زیمورن کو سامری لکھا ہے اور زمانہ حال کی بعض اُردو تصانیف میں کالی کٹ کا تلفظ کلی کوڈ اور کسی جگہ کالی کوٹ درج ہے۔ اس لئے ہم نے مدراس گورنمنٹ کے ایک عالی منزلت عہدہ دار کی معرفت خود صاحب کلکٹر ملابار سے اُن کی اصلیت دریافت کی تھی۔ مگر افسوس کہ صاحب موصوف کو ان لفظوں کی اصلیت کا کچھ پتہ نہ مل سکا۔ آخر کار ہم نے حضور مہاراجہ صاحب بہادر سرگ باشی والی ٹراونکور جو بہت صاحب علم رئیس تھے۔ اور ان کی ریاست بھی ساحل ملابار ہی پر واقع ہے۔ ان کی تحقیق چاہی۔ چنانچہ حضور ممدوح کے حکم سے ان کے سکریٹری نے جو جواب بذریعہ انگریزی چٹھی کے لکھا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ زیمورن تو یورپین لوگوں نے بنالیا ہے ہم کی پیش کے ساتھ صحیح لفظ سامری ہے۔ مگر اس کے معنی اور اشتقاق معلوم نہیں۔

اور کالی کٹ کی اصل کالی کوڈ و بتا کر اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت یہ روایت لکھی کہ شاہ ملابار مسمی چیرومال پیرومال نے جب اپنے باج گذار کے طور پر سب سے پہلے سامری کو ریاست عطا کی تو ایک تلوار اور مرغا دے کر یہ حکم دیا تھا کہ مقام تالی میل کو (جو بعد ازاں سامریوں کا دارالحکومت ہوا

پرتگیزوں کا بقیہ حاشیہ۔ بندرگاہوں پر سب سے زیادہ حکومت اور اقتدار رکھتا تھا۔ اور ملابار کا تمام ملک اُسی کے زیر فرمان تھا۔ جب واسکوڈی گاما نے سُنا کہ کالی کٹ ایک بڑا تجارتی بندرگاہ ہے تو وہ اُسی دیس کا ایک جہازی رہنما ہم پہنچا کر کالی کٹ میں پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے یہاں ٹونس[1] کا رہنے والا ایک مسلمان شخص ایسا مل گیا جو پرتگیزی زبان سے واقف اور ان سے میل جول اور انس و محبت کو پسند کرتا تھا۔ اس شخص کے ذریعہ سے واسکوڈی گاما نے سامری کے دربار میں باریابی حاصل کر کے اپنے بادشاہ کی طرف سے دوستی کا مضمون نامہ جو ایک پرتگالی میں اور دوسرا عربی میں تھا پیش کیے۔ اور یہ درخواست کی کہ دوستی اور تجارت کا ایک عہدنامہ بادشاہ پرتگال اور سامری کے باہم ہو جائے۔

یہ عہدنامہ ہو جانے ہی کو تھا کہ وہاں کے مسلمان تاجروں نے جو پرتگیزوں کی اولوالعزمی اور مستعدی سے خائف تھے سامری کے دل میں کچھ شکوک ڈال دیئے اور اُن کی باتوں نے ایسی تاثیر کی کہ اُس کے اور واسکوڈی گاما کے باہم سخت ان بن ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند ہی روز پہلے جن لوگوں

---

[1] افریقہ کے ساحل مغربی و شمالی پر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے۔ جہاں کا ترک رئیس فی زمانہ محمد صادق بائی ہے۔ س۔م۔ح

بقیہ حاشیہ زیمورن۔ جائے اور جہاں تک مرغ کی آواز پہنچے اُس قدر علاقہ پر قبضہ کرلے۔ اس وجہ سے کالی کوڈ نام پڑ گیا۔ جس کے معنی وہاں کی زبان میں "مرغ کی ریاست" ہوتے ہیں۔ جس کو ہمارے ملک کے ہندی محاورہ کے موافق "کوکڑ راج" کہنا چاہیے۔

بیورج صاحب کی تاریخ ہند سے بھی (جو ایک عمدہ اور جامع کتاب ہے) اسی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف نے ڈاکٹر بکانن صاحب کے سفرنامہ کے حوالہ سے یوں لکھا ہے کہ اس ملک میں افسانہ کے طور پر عام روایت یوں چلی آتی ہے کہ شاہ ملابار نے ایک روز اپنے سرداروں کو تمام ملک بانٹ دیا تھا۔ یہاں تک کہ جب سامری نامی ایک سردار نے اپنے لئے بھی علاقہ مانگا تو اُس کے پاس دینے کو کچھ باقی ہی نہ تھا اس وجہ سے اپنی تلوار دیدی اور کہا کہ وہ سامنے مندر پر بیٹھا ہوا جو ایک مرغ بانگ دے رہا ہے جہاں تک اُس کی آواز جائے اس قدر ملک پر تو بھی قبضہ کرلے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ یہ مرغ والی بات جو کالی کٹ کے قدیمی نام کالی کوڈ کی اصل بیان کی جاتی ہے اس کی اصلیت خواہ کچھ ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ خود بادشاہ کے ہاتھ کی تلوار مل جانے سے اُن سب سرداروں پر سامری ہی غالب آگیا اور تمام ملک پر اُسی کی حکومت ہو گئی۔ اور غالباً سامری ہی سے اُس کے جانشینوں کا لقب رفتہ رفتہ سامری بن گیا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرتگیزوں کا بقیہ حاشیہ۔ کی اُس نے بہت کچھ خاطر اور عزت کی تھی اُنھیں کے قتل کے درپے ہو گیا۔

واسکوڈی گاما یہاں کا نقشہ بگڑا ہوا اور ناقابل اصلاح دیکھکر چل دیا۔ اور جاتے ہوئے سامری کو یہ کہلا بھیجا کہ مسلمان سوداگروں کے بہکانے سے تم نے ہم کو چور اور بے عزت تو سمجھا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ پرتگیز کون اور کیسے ہیں۔ اور اُس کی رہا یا کے چند لوگوں کو بھی جو باہمی اَن بن کی حالت میں پکڑ لئے تھے۔ اپنے بادشاہ اور اہل وطن کے دکھانے کے لئے ساتھ ہی لیتا گیا۔ اور اگرچہ سامری کے چند جہازوں نے کچھ دور تک اُس کا تعاقب بھی کیا مگر باد مراد کی مدد سے وہ صحیح و سلامت نکل گیا۔ اور دو برس دو مہینے کے بعد ایک سو ساٹھ ہمراہیوں میں سے صرف پچاس آدمیوں کو زندہ لے کر بماہ ستمبر ۱۴۹۹ء اپنے وطن میں واپس پہنچ گیا۔

جب یہ لوگ دارالسلطنت میں پہنچے تو اہل شہر نے یہ خیال کر کے کہ اب تمام دنیا کی نہایت پُر منفعت تجارت ہمارے قابو میں آنے والی ہے بے حد خوشیاں منائیں اور واسکوڈی گاما کو اس کارگذاری کے صلہ میں بادشاہ نے ایک بھاری پنشن اور بڑے بڑے خطاب عنایت کئے۔

اور رومن کیتھلک فرقہ کے پیشوائے اعظم پوپ آف روم نے جو ہمیشہ اسی تاک میں رہا کرتے ہیں کہ عامہ خلائق کے دلوں میں اس خیال کو جمائے رکھیں کہ روئے زمین پر پوپ کی سی عظمت اور اقتدار کسی کا نہیں۔ بقول مشہور "آب از دریا بخشیدن" پر عمل کر کے اپنی طرف سے بھی ان اپنے مریدوں کو یہ عطیہ رحمت کیا کہ مشرقی ملکوں میں جتنے ساحل اور بندرگاہیں تم دریافت کر لوگے وہ سب ہم نے تم کو بخش دیئے۔

اس کامیابی سے مانوئیل ایسا مسرور ہوا کہ اپنے القاب شاہی میں ایسے الفاظ اضافہ کئے کہ شاہ پرتگال۔ انتھوپیا۔ عرب۔ فارس اور ہند کے سواحل و جزائر کی فتوحات اور جہازرانی کا بھی مالک ہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد تیرہ جہاز بارہ سو آدمیوں کی جمعیت کو لئے ہوئے زیر حکم الوریس کابریل نویں مارچ ۱۵۰۰ء کو پھر کالی کٹ میں آئے۔ اگرچہ اُن کے آنے پر سامری کی طرف سے بھی کچھ بدسلوکی نہ ہوئی اور کابریل نے بھی اُن شخصوں کو جنھیں واسکوڈی گاما پکڑ کر لے گیا تھا واپس لاکر چھوڑ دیا۔ اور ان قیدیوں نے اس حسن سلوک اور رعایتوں کی بھی جو پرتگیزوں نے اپنے وطن میں اُن سے برتی تھیں نہایت تعریف و توصیف کی۔ لیکن سامری کے دل کے شبہات ایک مدت دراز کے بعد رفع ہوئے مگر چونکہ وہی عرب[1] یا افریقی تاجر جو سامری اور واسکوڈی گاما کے

---

[1] ملک مراکش جو افریقہ کے ساحل شمال و مغرب یورپ کے قریب واقع ہے اصل میں وہاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرتگیزوں کے حاشیہ کا بقیہ: باہم اُن بن کا باعث ہوئے تھے اس کے راج میں زیادہ اعتبار رکھتے تھے۔ ان کے بھکانے سے اب یہ ایک اور نئی حرکت ہوئی کہ شہر کے لوگوں نے پچاس پرتگیزوں کو مار ڈالا۔ اس کے انتقام میں کابریل نے عربوں کے کل جہازوں کو جو بندرگاہ میں موجود تھے۔ جلادیا اور شہر پر بھی خوب گولے مارے۔ اور وہاں سے کوچین کو ہوتا ہوا کانا نور کو چلا گیا۔ اور ان دونوں شہروں کے راجاؤں نے اُس کو بہت سے گرم مصالحے اور روپیہ اشرفیاں نذر کیں۔ اور سامری کے برخلاف جس کے وہ باج گذار تھے۔ اُس سے دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان کرنا چاہا۔ اور قرب وجوار کے اور کئی راجاؤں نے بھی یہی درخواست کی۔ ان سب کو یہ ہوس تھی کہ اس طرح سامری کی اطاعت سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور اپنے اپنے ملکوں کی حدود کو بڑھا لیں گے۔ چنانچہ اس دیوانگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک ملابار پر پرتگیزوں کو اس قدر اقتدار حاصل ہو گیا کہ جہاں وہ پہنچتے تھے وہاں کے فرماں روا ہو جاتے تھے۔ اور کسی راجہ سے جب تک وہ اُن تین باتوں کو قبول نہ کرے اتفاق باہمی کا عہد و پیمان نہ کرتے تھے۔

اول۔ یہ کہ ہم دربار لزبن کے تابعدار اور مطیع الحکم ہیں۔

دوسرے۔ یہ کہ پرتگیز اُس کی ریاست گاہ میں ایک قلعہ بنالیں۔

تیسرے۔ یہ کہ پرتگیز جو اجناس تجارت خریدیں اُس کی قیمت کی تشخیص اور کسی ایسی تکرار و نزاع کا فیصلہ وہ اپنی ہی رائے سے کریں۔

اس کے علاوہ سب غیر ملکی تاجروں پر یہ امر لازم کیا گیا کہ جب تک پرتگیز خرید مال سے فارغ ہو کر اُس کو اپنے جہازوں پر نہ چڑھا لیں وہ سب لوگ مال کی خرید اور روانگی سے رُکے رہیں۔ اور اُن کے اجازت نامہ اور سند راہداری کے بغیر کوئی شخص سمندر کے سفر کا مجاز نہ تھا۔ اگرچہ پرتگیزوں کو چند بار لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں۔ لیکن اس سے اُن کی تجارت میں چنداں خلل نہ پڑا۔ بلکہ اُنھوں نے اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کو شکستیں دیں۔ اور چند ہی سال میں اس قدر اقتدار پیدا

بقیہ حاشیہ درحاشیہ: کے باشندوں کو جو مسلمان ہیں انگریزی میں مور کہتے ہیں۔ مگر جس طرح کل ممالک مختلفہ افریقہ کے سیاہ رنگ باشندوں کو ملک حبش کے قرب کے باعث عموماً حبشی کہتے ہیں۔ یا کل یوروپین لوگوں کے لئے فرانس کے قرب کی وجہ سے بلالحاظ اختلاف اقوام لفظ فرنگی بولا جاتا ہے۔ اسی طرح انگریزی میں لفظ مور کا اطلاق مجازاً ان سب عرب اور افریقی سانولے رنگ کے مسلمانوں پر کیا جاتا ہے۔ جن سے یورپ کے لوگوں کو مشرقی سمندروں میں سابقہ پڑتا تھا۔ س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرتگیزوں کے حاشیہ کا بقیہ - کہ اُن کی مقبوضہ بندرگاہوں میں سامری یا اُس کے باج گذار راجاؤں یا عرب وغیرہ سوداگروں کے جہاز بالکل نہیں جا سکتے تھے۔ اسی عرصہ میں جب الفانسو البیوک کرک شاہ پرتگال کی طرف سے وایسرائے مقرر ہو کر آیا تو براہ دور اندیشی اُس کی یہ رائے ہوئی کہ ہندوستان میں ٹھہرنے کے لئے کوئی ایسی جگہ قرار دینی چاہیئے جس کو دشمن کے حملہ سے بآسانی بچا سکیں اور وہ ایک اچھی بندرگاہ بھی ہو۔ اور آب وہوا بھی عمدہ ہو تا کہ لوٹ دار و پرتگیز دور دراز بحری سفروں کے بعد وہاں آرام لے سکیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے جزیرہ گوا کو جو کنٹھ کی حدود میں واقع ہے منتخب کیا۔ اگرچہ اُس وقت گوا ایسا نامی مقام نہ تھا جیسا کہ آج کل ہے۔ لیکن پھر بھی وہاں کا بندرگاہ اُن اطراف میں ہر طرح سے مفید اور بہتر سمجھا جاتا تھا۔ ان دونوں میں یہ مقام فرمانروائے دکن (یعنی خاندان بہمنیہ) کے راج میں تھا۔ لیکن یوسف عادل خاں جو اُس کی طرف سے وہاں کا صوبہ دار تھا خود سر ہو کر ملابار تک اپنی حکومت پھیلانے میں کوشش کر رہا تھا۔ اور جب کہ یہ غاصب ملک گیری کے منصوبوں میں کسی طرف مصروف تھا تو البیو کرک نے میدان خالی دیکھکر تموجی نامی اپنے ایک دوست کے مشورہ سے جو کنٹھ کے علاقہ میں دریائی غارت گری کے ذریعہ سے بہت زبردست ہو گیا تھا ۱۵۱۰ء میں گوا پر ناگہاں حملہ کیا۔ اور شہر کو لے لیا۔ اس واقعہ کے باعث عادل خاں گوا کو واپس آیا۔ اور پرتگیز جو ابھی مستحکم طور سے پاؤں نہ جما چکے تھے ناچار شہر چھوڑ کر جہازوں پر جا چڑھے۔ لیکن اس سے تھوڑے عرصہ بعد جو عادل خاں کو وجی نگر کے راجہ سے لڑنے کو جانا پڑا تو البیر کرک نے اپنے اُسی دوست کی امداد سے پھر ایک چھاپا مارا اور گوا پر قابض ہو بیٹھا اور مورچہ بندی کر کے اور حصار وغیرہ بنا کر اُس کو خوب مستحکم کر لیا۔ اور کالی کٹ کا بندر جو کسی کام کا نہ تھا وہاں کی دولتمندی اور تجارت سب گوا میں سمٹ آئی۔ اور اُسی دن سے پرتگیزوں کے مقبوضات واقعہ ہند کے لئے شہر گوا بمنزلہ پائے تخت کے ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ جب پرتگیزوں کی حکومت خلیج فارس اور بحر عرب اور ساحل ملابار میں بخوبی قائم ہو گئی تو انھوں نے ایشیا کے اور مشرقی ملکوں کی طرف رخ کیا۔ اور اس مہم میں البیو کرک نے سب سے پہلے جزیرہ سراندیپ کو مسخر کیا۔ اگر پرتگیز دور بینی اور عاقبت اندیشی کو کام میں لاتے تو اُن کے لئے یہ زیادہ مفید تھا کہ اپنی تمام قوت اور طاقت کو اسی جزیرہ میں قائم کر لیتے۔ کیونکہ اول تو یہاں کے بندرگاہ ہندوستان کی تمام بندرگاہوں سے بہتر تھے۔ دوسرے یہ جزیرہ مشرقی ملکوں کے وسط میں تھا اور تمام دولتمند ملکوں کے راستے ادھر ہی سے تھے اور اس کی سب بندرگاہیں ایسی تھیں کہ وہاں سے جنگی جہاز ایشیا کے تمام ملکوں پر دباؤ ڈالنے اور خوف قائم رکھنے کو بآسانی بھیجے جا سکتے تھے اور خود اس کے بندرگاہوں کی حفاظت وحراست تھوڑی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرتگیزوں کے حاشیہ کا بقیہ : سی فوج سے بخوبی ہو سکتی تھی ۔ مگر نائب السلطنت مذکور نے ان فوائد کا کچھ خیال نہ کیا ۔ بلکہ ساحل کارومنڈل پر قابض ہو جانے میں بھی فروگذاشت ہی کی ۔ اور اگرچہ یہاں سے وہ عمدہ اور نہایت لطیف اور مہین سوتی کپڑے بہم پہنچ سکتے تھے جو دنیا بھر میں بے مثل گنے جاتے تھے ۔ اور بنگالہ اور اور ممالک کی تجارت کے لئے یہ مقام قدرتی طور پر نہایت مفید اور موقعہ کا تھا ۔ مگر باوجود اس کے بھی کوئی اچھی جگہ اس ساحل پر قائم نہ کی ۔ حتیٰ کہ مقامات سین طامس اور ناگ پٹن بھی ایک مدت کے بعد قائم کئے ۔ اس نے یہ خیال کر لیا تھا کہ درحالیکہ ہم جزیرہ سراندیپ کے مالک ہو گئے ہیں ۔ (جن کی فتوحات کو ویسرائے سابق دی المیدا نے شروع کیا تھا) اگر ملک ملاکا بھی ہمارے قبضہ میں آجائے تو پھر ساحل کارومنڈل کی تمام تجارت خود ہی ہمارے قابو میں آجائے گی ۔ پس اس وجہ سے اُس نے ملاکا ہی کو مقدم سمجھکر اسی کی طرف عزیمت کی ۔ یہ ملک جس کا دارالحکومت شہر ملاکا ہے طول میں تین سو میل کے قریب اور عرض میں بہت تنگ سا ہے ۔ اس کے شمال کی طرف خشکی میں تو سیام کا ملک ہے اور باقی تین طرف سمندر ہے ۔ چونکہ ملاکا اپنے موقعہ کے لحاظ سے ہندوستان کے تمام تجارتی مقاموں میں سب سے بہتر منڈی ہے ۔ اور پرتگیزوں کو اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ مشرقی ملکوں کی سب طرح کی تجارت میں جس طرح بنے سہیم و شریک ہو جائیں ۔ اس لئے یہ لوگ اس ملک میں پہلے پہل صرف تجارت ہی کے لباس میں نمودار ہوئے ۔ چونکہ اُن کی دست درازیوں نے جو وہ ہندوستان میں کرتے آئے تھے اُن کی تدبیروں کو بہت مشتبہ بنا دیا تھا ۔ اس لئے اہل ملاکا اُن کے آنے سے بہت ڈرے ۔ اور باہم تجویز کر کے بہت سوں کو مار ڈالا اور باقی ماندہ قید کر لئے ۔ اگرچہ البیوکرک کو ملاکا پر حملہ کرنے کے لئے پہلے بھی کسی حیلہ بہانہ کی حاجت نہ تھی ۔ مگر اب تو خود بخود ایک جائز سبیل نکل آئی ۔ اس واقعہ کے باعث اہل ملاکا کو بھی یہی خیال تھا کہ کسی نہ کسی دن البیوکرک یکایک آن پڑے گا اس لئے وہ بھی لڑائی کے لئے ہر طرح تیاری کئے بیٹھے تھے ۔ چنانچہ اوائل ۱۵۱۱ء میں جب البیوکرک ملاکا کے سامنے نمودار ہوا تو اُن کو مقابلے کے لئے مستعد اور تیار پایا ۔ پرتگیزوں نے شہر پر حملہ کیا ۔ اور کئی بار سخت اور خونریز لڑائیاں ہوئیں ۔ مگر آخر کار شہر چھین لیا گیا اور بے شمار مال و دولت اور سامان حرب و ضرب پرتگیزوں کے ہاتھ آیا ۔ اور قبضہ قائم رکھنے کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا ۔ لیکن البیوکرک نے زیادہ دست اندازی مناسب نہ جان کر صرف شہر ملاکا ہی پر اکتفا کیا ۔ سیام اور پیگو کے بادشاہوں اور قرب و جوار کے رئیسوں نے پرتگیزوں کی اس فتح سے جو اُن کے استقلال اور آزادی کے لئے ازبس مضر تھی خائف ہو کر البیوکرک کی خدمت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرتگیزوں کے حاشیہ کا بقیہ۔ میں مبارک باد کے لئے سفیر بھیجے۔ اور درخواست کی کہ ہمارے اور شاہ پرتگال کے باہم دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان ہو جائے۔ اور یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ آپ ہمارے ملک میں کاروبار تجارت جاری کریں۔

جب شہر ملاکا میں پرتگیز اپنے قدم جما چکے اور قرب و جوار کے رئیسوں پر بھی اپنا رعب داب بخوبی بٹھا لیا تو البیو کرک نے اپنے بیڑے میں سے چند جنگی جہاز جزائر متعلقہ ملاکا کی تسخیر وغیرہ کے لئے روانہ کئے۔

یہ مالپو بطور ایک مجموعہ جزائر کے ہیں۔ اور اُن کے باشندے پشت ہا پشت سے ساگودانہ اور ناریل کے دودھ پر گذران کیا کرتے تھے۔ مگر اتفاقاً کسی طوفان وغیرہ کے حادثہ کے باعث سے جب ایک چینی جہاز وہاں آ گیا تو پہلے پہل انھیں کی بدولت لونگ اور جائپھل لئے جو اُن جزائر میں بکثرت تھے دنیا میں مشہور ہونا شروع کیا۔ چنانچہ اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ مصالحے ہندوستان میں عموماً پسند اور مرغوب طبع ہو گئے۔ اور پھر ہند سے ایران اور فرنگستان میں جا پہنچے اہلِ عرب جو اس زمانہ میں تقریباً تمام دنیا کی تجارت پر قابض تھے بھلا اس پر منفعت سوداگری پر اُن کی آنکھ کیوں کر نہ پڑتی۔ چنانچہ عربی تاجروں کے قافلے کے قافلے ان جزیروں میں جو پیداوار کی جہت سے مشہور ہیں آ کر دخیل ہو گئے اور تب سے اب تک یہاں کے مصالحوں کی تجارت اُنھیں کے ہاتھ میں تھی کہ یکایک یہ پرتگالی جو کسی جگہ اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے یہاں بھی آن پہنچے اور اس تجارت کو اُن سے چھین لیا۔ اور اس وقت سے شاہانِ پرتگال نے ان جزیروں کو اپنی عمل داری سمجھنا شروع کیا۔ اور حقیقتاً چند روز بعد اُنھیں کے ہو بھی گئے۔

البیو کرک نے ۱۵۱۵ء میں بمقام گوا انتقال کیا۔ اور لوئیز سواریز اس کا جانشین مقرر ہوا۔ یہ شخص بھی تدابیر ملک گیری اور حدودِ سلطنت کے بڑھانے میں اپنے جانشین سابق ہی کا مقلد تھا۔ مگر کچھ عرصہ تک اُس کو ان مزاحمتوں کی روک تھام کی تدبیروں میں مصروف رہنا پڑا جو ہندوستان میں پرتگیزوں کے مقابلہ کے لئے قریب الوقوع تھیں لیکن ان تفکرات سے چھوٹتے ہی اُس نے چین کا راستہ معلوم کرنے کا عزم مصمم کیا۔

ملاکا میں البیو کرک کے عمل داخل کرنے سے پہلے ملک چین اور وہاں کے لوگوں کے حالات فرنگستان میں کسی کو معلوم نہ تھے کیونکہ فرنگستان سے اب تک صرف مارکو پولو نامی شہر وینس دائع اٹلی کا رہنے والا ایک مشہور سیاح خشکی کے راستہ وہاں گیا تھا اور اُس نے اُس ملک کے کچھ کچھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ حالات لکھے تھے جس کو لوگوں نے باور نہ کرکے محض واہیات اور افسانہ سمجھا ہوا تھا۔ مگر جب البیوکرک ملاکا میں چین کے بعض جہازی سوداگروں سے ملا۔ اور اُس نے اس عظیم الشان سلطنت کی وسعت وغیرہ کے حالات معلوم کئے اور اُن کو قلم بند کرکے فرنگستان کو بھیجا تب مارکوپولو کے بیان سے مطابق پاکر فرنگستان کے لوگوں نے بھی اس سیاح کی روایتوں کی تصدیق کی۔ چنانچہ ۱۵۱۸ء میں پائے تخت لزبن سے طامس پریز نامی ایک سفیر جس کے ساتھ چند جنگی جہاز تھے چین کو روانہ ہوا۔ جب یہ جہاز سفیر کو لے کر اُن جزیروں کے قریب پہنچے جو کانٹن کے آس پاس ہیں تو اُن کو چینی جہازوں نے آن گھیرا۔ فرڈی نینڈ اینڈراڈا نے جو پُرتگالی جہازوں کا سردار تھا ازراہ دانائی چینیوں کو اپنے جہازوں پر آنے کی اجازت دی۔ اور اپنے آنے کا مدعا بیان کرکے طامس پیریز کو کنارہ پر اُتار دیا اور چینی اُس کو اپنے ملک کے پائے تخت شہر پیکین میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر پیریز کو معلوم ہوا کہ چین کے اہل دربار پُرتگیزوں کے ساتھ رعایت اور خاطرداری سے پیش آنا چاہتے ہیں۔ جس کا سبب اول تو اُن کی وہ ناموری تھی جو تمام مشرقی ملکوں میں پہلے ہی پھیل رہی تھی اور اس کے علاوہ فرڈی نینڈ اینڈراڈا کے معقول طریقہ کارروائی نے پُرتگیزوں کو اہل چین کی نظروں میں اور بھی بڑھا دیا تھا۔ اس وجہ سے چین کی بندرگاہوں میں پرتگیزوں کو تجارت کرنے کی اجازت ملنے ہی والی تھی۔ اور طامس پیریز کے ساتھ عہدنامہ ہونے ہی والا تھا کہ اتنے میں فرڈی نینڈ راڈا کا بھائی سائی من اینڈراڈا کچھ اور جنگی جہاز لے کر آگیا۔ اور اہل چین سے وہی ناملائم حرکتیں کرنے لگا جو یہ لوگ تمام اہل مشرق کے ساتھ کچھ مدت سے کیا کرتے تھے۔ اور بلا اجازت دربار چین کے ایک قلعہ جزیرہ ٹیمین میں تعمیر کرلیا اور وہاں ہوکر جو جہاز چین کی بندرگاہوں کو آتے جاتے تھے اُن کے ساتھ جبر و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کا عمل کرنے لگا اور بہت سے چینیوں کو پکڑ کر غلام بنالیا اور نہایت بیباکی کے ساتھ دریائی قزاقی اختیار کی۔

اہل چین ان حرکتوں کو دیکھکر سخت غضبناک ہوگئے۔ اور ایک بڑا بیڑا جنگی جہازوں کا پرتگیزوں کی تنبیہ کے لئے مامور کیا۔ لیکن پرتگیز بغیر مقابلہ کئے بھاگ نکلے۔ اور فغفور چین نے طامس پیریز کو جو پائے تخت میں موجود تھا قید کرلیا چنانچہ وہ قید ہی میں مرگیا۔

اس واقعہ کے باعث اگرچہ چند سال کے لئے پرتگیز چین کی حدود سے بالکل خارج ہوگئے تھے۔ مگر اس کے بعد چینیوں نے پرتگیزوں کو بندرگاہ جان سین میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔ اور بعدازیں یہ اتفاق پیش آیا کہ ایک بحری قزاق جو اپنی متواتر کامیابیوں سے نہایت زبردست ہوگیا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: جزیرہ مکاؤ پر قابض ہو گیا۔ اور وہاں سے چین کی بندرگاہوں کے راستے بند کر دیئے اور یہاں تک بڑھا کہ شہر کانٹن کو جا گھیرا۔ اُس کی ان حرکتوں سے شرفا مراد حکام چین اس قدر تنگ ہوئے کہ پرتگیزوں سے مدد چاہی۔ یہ لوگ اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر کانٹن کے بچانے کے لئے دوڑ پڑے اور اُس قزاق کو شکست دے کر محاصرہ اٹھا دیا۔ اس کے صلہ میں فغفور چین نے خوش ہو کر جزیرہ مکاؤ انھیں کو بخش دیا۔ اور ان لوگوں نے اس جزیرہ میں ایک شہر بسا لیا جو تھوڑی سی مدت میں بخوبی رونق پکڑ گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان کے ساتھ بھی اُن کی تجارت جاری ہو گئی۔ ۱۵۴۲ء میں پرتگیزوں کا ایک جہاز شدت طوفان سے بہہ کر جزایر جاپان میں جا پہنچا تھا۔ جاپانیوں نے ان کی بہت خاطر داری کی اور واپس آنے کے لئے جس جس چیز کی ضرورت تھی بخوشی مہیا کر دی۔ جب یہ لوگ گوا میں پہنچے تو جاپان کے حالات جو کچھ دیکھے تھے سب اپنے نائب السلطنت سے بیان کئے اور کہا کہ ہم ایک ایسا ملک دیکھ آئے ہیں جو نہایت آباد اور دولت مند ہے اور ہمارے تاجروں کو وہاں آنے جانے سے بہت فائدہ ہوگا یہ سنتے ہی پرتگالی سوداگر اور پادری جہازوں پر روانہ ہو پڑے اور جا کر دیکھا کہ حقیقت میں ایک بڑی مملکت ہے جو شاید چین کے سوا دنیا کی اور سلطنتوں سے زیادہ قدیم ہے۔

الغرض جب پرتگیز جاپان میں پہنچے تو اُن کے آنے سے سب لوگ خوش ہوتے اور عموماً اپنی بندرگاہوں میں تجارت کی اجازت دیدی۔ اور تمام چھوٹے چھوٹے فرماں روا رئیسوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اُنھیں درخواست کر کے بلایا۔ اور سب کو ایک ایسی ریس پیدا ہوئی کہ ہر ایک رئیس یہی چاہتا تھا کہ سب سے بڑھکر اُن کی خاطر مدارات کرے اور اُن کو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑے بڑے حقوق عطا کرنے میں دوسروں سے سبقت لے جائے۔ یہ دیکھکر پرتگیزوں نے بھی تجارت کا بڑا ٹھاٹھ پھیلایا چنانچہ ہندوستان کا مال جاپان کو لے جاتے تھے اور فرنگستانی چیزیں ذخیرہ کے طور پر مکاؤ میں جمع کر کے بموقع مناسب اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ انواع واقسام کی ایشیائی اور فرنگستانی چیزیں فرمانروائے جاپان اور وہاں کے رؤسا اور شرفا اور عام خلایق کے صرف میں آنے لگیں اور جاپان میں تو ایسی جنسیں کہاں تھیں کہ اس کے معاوضہ میں پرتگیزوں کو دیتے کیونکہ جاپان کو اکثر کوہستانی اور سنگلاخ اور کم زراعت ملک ہے اور اُس میں کوئی چیز دساور کے لائق پیدا نہیں ہوتی۔ اور اگر اس ملک میں سونے اور چاندی اور تانبے کی کانیں بھی نہ ہوتیں جو شاید تمام دنیا کی کانوں سے بہتر ہیں تو ملک کی آمدنی سے سلطنت کا خرچ بھی پورا نہ ہوتا۔ یہاں کی معدنی پیداوار میں سے یہ لوگ ہر سال بقدر چھ کروڑ روپیہ کے حاصل کر کے لے جاتے تھے اس کے علاوہ اُنھوں نے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اس ملک کے اچھے اچھے گھرانوں میں شادیاں کر کے اس طرح پر وہاں کے امرا اور ذی اقتدار خاندانوں سے قرابتیں پیدا کرلی تھیں۔ ان فوائد کے پیش نظر اگر پرتگیز لوگ ذرا قناعت کا طریق اختیار کرتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں سواحل ملک گنی اور بحر عرب اور خلیج فارس اور تمام سواحل ہند ہر طرح اُن کے قابو میں تھے۔ اور جزائر ملاکا اور سراندیپ اور سنڈا میں تو خاص اُن کی حکومت ہی تھی اور جزیرہ مکاؤ میں اُن کے قیام کے باعث سے چین اور جاپان کی تجارت بھی گویا انھیں کے ہاتھوں میں تھی اور ان سب ممالک اور سواحل وسیعہ میں انھیں کی مرضی اور منشا بمنزلہ قانون اور حکم ناطق کے تھا۔ اور کسی قوم کو اتنی جرأت نہ تھی کہ بغیر اُن کی اجازت کے بحری سفر کر سکے۔ اور بہت سے اجناس تجارت جن کے ذریعہ سے اکثر قومیں نہایت دولتمند ہو گئی ہیں وہ بالکل انھیں کے اختیار میں تھیں اور اس اختیار اور انحصار تجارت کے باعث سے فرنگستان کی مصنوعات اور ممالک ایشیا کی پیداواروں کا نرخ صرف انھیں کی مرضی سے گھٹتا اور بڑھتا تھا علاوہ بریں پرتگیزوں نے اس حصہ افریقہ کی حکومت کو بھی حاصل کئے بغیر نہ چھوڑا تھا جو کیپ آف گڈ ہوپ اور بحر احمر کے درمیان ہے۔ ان اطراف میں ایک مدت سے ایل عرب قابض اور مسکونت پذیر ہو گئے تھے اور انھوں نے ساحل زنگ بار پر چھوٹی چھوٹی چند خود سر ریاستیں قائم کرلی تھیں جن کی رونق تمول اُن سونے اور چاندی کی کانوں کے سبب سے تھا جو ان ریاستوں میں موجود تھیں چنانچہ اسی دولت کے لالچ سے پرتگیزوں نے ۱۵۰۵ء میں ان کو مغلوب اور تباہ کر کے اپنے لئے ایک نئی سلطنت جو سفالہ سے میلنڈا تک پھیلی ہوئی تھی اور جس کا وسط اور دارالحکومت جزیرہ موزم بیق کو مقرر کیا تھا قائم کرتی تھی۔ پس یہ کامیابیاں اور فتوحات اگر معقول اصلاحوں سے محفوظ رکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ ایسی سلطنت بن جاتی جس کا زوال و انتقال مشکل ہوتا۔ لیکن پرتگیز سرداروں کی بداعمالی اور حماقت اور دولت و حکومت کی ناقدرشناسی کی وجہ سے ان لوگوں کی چال ڈھال شروع ہی سے ایسی بے قید تھی کہ واسکوڈی گاما کابریل دی المیدا وغیرہ نے ایسی عجیب طرح کی بے رحمیاں کیں کہ جن کو شائستگی اور انسانیت کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہیئے ہندو مسلمان وغیرہ ایشیائی لوگوں کے بے وجہ لوٹ لینے اور غلام بنانے میں کچھ بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ سفاکی .... بیدردی اور وحشت یہاں تک اُن کے خمیر میں تھی کہ بے گناہ قیدیوں مظلوم عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی اُن کی تلوار اور آگ سے پناہ نہیں ملی۔ بیچاری ہندوستانی عورتوں سے سولی رنشین کے اس برتاؤ میں بھی دریغ نہ تھا کہ کر بچن بنا کر فوج میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔ چنانچہ خود البوکرک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ جیسے نامور شخص کے عہد کی (جو حقیقتاً ان کے سرداروں میں سب سے بہتر تھا) کیا ہی لطیف روایت چلی آتی ہے کہ گوا کی آبادی کی تدابیر کے منجملہ ایک دفعہ یہ تدبیر بھی کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بُرے خاندانوں کی جو بندی میں آئی تھیں اُن کی نسبت پادری صاحب کو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ کرسچن بنا کر پرتگیزوں سے اُن کے جوڑے ملا دیں۔ چونکہ پادری صاحب کو جوڑے ملاتے ملاتے رات ہو گئی اور حسنِ اتفاق سے روشنی بھی بجھ گئی تو ہجوم اجنبیت کے باعث سے یہ تمیز نہ رہی کہ کونسی عورت کس مرد کے نکاح میں آچکی ہے پہلے تو پادری صاحب اس مسئلہ کے حل کرنے میں چکرائے مگر آخرکار یہ فیصلہ کر دیا کہ اس دردِ سر میں پڑنے کی کون ضرورت ہے جو عورت جس مرد کے ہاتھ لگ جائے وہ اُس کی سمجھی جائے! اور چونکہ یہ لوگ مشرقی سمندروں کے بالکل مالک و مختار تھے ہر ایک ملک کے جہازوں سے جبراً خراج لیتے اور سواحل بحر پر غارت گری کرتے تھے۔ اور امرا اور رئیسوں کو بے عزت کرتے تھے آخر انھیں کرتوتوں کے باعث تھوڑے ہی عرصہ میں تمام قوموں کی نظروں میں کھٹکنے اور دشمن شمار ہونے لگے اور جس وقت شاہ فلپ دویم کے عہد میں اس قوم کی حکومت کا تنزل یورپ میں شروع ہوا تو جو پرتگیز ہندوستان میں تھے انھوں نے اپنے پرتگال جانے کا خیال چھوڑ دیا۔ چنانچہ بعض تو خود سر بن بیٹھے اور بعض نے دریائی غارتگری ایسی بے دھڑک اختیار کر لی کہ کسی قوم کے جہاز کا بھی لحاظ نہ کرتے تھے۔ اور بہت سے پرتگیز ہندوستانی راجاؤں اور امیروں کے ملازم ہو گئے یہاں تک کہ اکثر سپہ سالاری اور وزارت تک پہنچ گئے۔ کیونکہ اب تک بھی ان کی قابلیت اور لیاقتوں کا اثر لوگوں کے ذہنوں پر باقی تھا۔ اور ہندوستان میں جو علاقے ان کے مقبوضہ تھے وہ ایسے علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم ہو گئے کہ ایک کو دوسرا بالکل مدد نہ دیتا تھا۔ بلکہ حسد اور عداوت کے مارے ایک دوسرے کی تدبیروں میں مزاحم اور معترض ہوتے تھے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ ان کے سرداروں اور فوج میں آئین اور قاعدہ کی کوئی پابندی باقی رہی تھی اور نہ اطاعت اور فرماں پذیری اور نہ شوق حفظ نام و ننگ بلکہ بجائے ان باتوں کے اکثر عیش و عشرت اور فسق و فجور میں منہمک اور مستغرق رہ کر تضیع اوقات کرتے تھے۔ اور اگلی شان و شوکت بالکل رخصت ہو چکی تھی۔ کہ اتنے میں ڈچ لوگ جب ۱۶۰۰ء میں سپین کی حکومت سے آزاد ہوئے تو وہ بھی ہندوستان پہنچے۔ اور پرتگیزوں سے اقتدار حکومت چھین لینے کے لئے جنگ و جدال اور معرکہ آرائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ جزیرہ لنکا بھی چھین لیا۔ اور ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں سب جگہ انھیں کا زور اور غلبہ ہو گیا۔ نقط

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جلد دوم

ڈاکٹر برنیئر کے خطوط کا مجموعہ

برنیئر کے خطوط مانشیو[1] دی مرویلیس کے نام

(جو اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر سے متعلق ہیں)

پہلا خط:- از دہلی
مورخہ ۴ دسمبر ۱۶۶۴ء

اورنگ زیب کی کشمیر کو روانگی

صاحب من جب سے اورنگ زیب کا مزاج مائل بہ صحت ہوا ہے اُسی وقت سے یہ خبر برابر مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ بغرض تبدیل آب و ہوا اور آئندہ گرمی سے بچنے کے لئے جس کے باعث مرض کے لوٹ آنے کا اندیشہ تھا لاہور اور کشمیر کی سیر کا ارادہ کئے ہوئے ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے معاملہ فہم اشخاص کو اس بات کا یقین کرنے میں تامل تھا کہ جس حالت میں کہ اُس کا باپ آگرہ کے قلعہ میں مقید ہے وہ ایسا دور و دراز سفر کرنے کی جرأت کس طرح کرے گا۔

لیکن حفظِ صحت کا خیال مصالح سلطنت پر غالب آیا۔ اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب و تحریص اس کا باعث ہوئی جو بہت دلوں سے اس امر کی آرزو مند تھی کہ شہر اور محلات

---

[1] بعض فرانسیسی نام جو اس کتاب میں ہیں معلوم نہیں کہ خاص اُن کے لب و لہجہ کے موافق اُن کا صحیح تلفظ کیا ہے اگرچہ یہ دقت انگریزی میں بھی ہے کہ جن حروف سے کسی لفظ کو لکھتے ہیں اُس کا تلفظ اکثر ان حروف کی مقررہ آوازوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ مگر یہ دقت فرانسیسی الفاظ و اسماء کی تہجی میں اور بھی زیادہ ہے اور خاص اہل زبان سے سنے بغیر تصحیح ناممکن ہے۔ س۔م۔ح

م۔ن۔ثی ی ور دی۔ م دے ل س

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے باہر زیادہ صاف اور خوش گوار ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اپنے اس اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کروفر سے فوج کے ساتھ جائے جس طرح کہ اس کی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

دہلی سے لاہور

الغرض بادشاہ نے اس مہینے (دسمبر ۱۶۶۴ء) کی چھٹی تاریخ تین بجے دن کو کہ یہ مبارک ساعت (مہورت) جوتشیوں نے اس لمبے سفر کے واسطے تجویز کی تھی۔ کوچ کیا اور شالامار باغ میں جو پائے تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جاکر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس غرض سے توقف فرمایا کہ اس لمبے سفر کے ساز و سامان کے لئے جو ڈیڑھ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مہلت مل جائے۔ آج ہمارے سننے میں آیا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ شاہی سراپردے لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں نیز یہ کہ دو مقام کرنے کے بعد پھر کوچ میں اور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

سفر کشمیر میں فوج کی تعداد

اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پینتیس ۳۵ ہزار سوار نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقررہ ہمیشہ اس کے ہمرکاب رہتے ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپ خانہ اور ہمرکاب توپ خانہ بھی ساتھ ہے۔

توپ خانہ

اس توپ خانہ کو ہمرکاب توپ خانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپ خانہ وقت بے وقت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے پیچھے بہ سہولت آتا ہے۔

بھاری توپ خانہ میں ستر توپیں ہوتی ہیں۔ جن میں زیادہ پیتل کی ہیں اور اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیس بیس جوڑیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ ناہموار ہو یا کہ چڑھائی کا موقعہ ہو تو بیلوں کی مدد کے لئے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہیوں کو اپنے سر اور سونڈ سے ڈھکیلیں۔

ہمرکاب توپ خانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں اور سب پیتل کی ہیں اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تخت پر چڑھی ہوتی ہے۔ جس پر زینت کے لئے چند سرخ جھنڈیاں لگا دیتے ہیں چنانچہ اس کا ذکر میں نے کسی اور مقام پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی کیا ہے۔ ہر توپ کو دو خوبصورت گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جن کو ایک گولہ انداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھ ایک تیسرا گھوڑا کوتل ہوتا ہے جس کو ایک اور سپاہی لے کر چلتا ہے۔ یہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قائم کی جائیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکرگاہ میں پہنچتے ہی سلامی دے سکیں۔

قندھار پر فوج کشی کی افواہ یہ بادشاہی لشکر اور ہم رکاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے۔ جس سے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک ازبک کے مابین ایک نہایت اہم مقام ہے۔ قندھار ایک خوش نما اور زرخیز ملک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہ ہے اور اس وجہ سے اس پر قبضہ کرنے کے لئے بادشاہان ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی منشا اور مقصد ہو مگر ہر ایک متنفس کو جو اس سے تعلق رکھتا ہے۔ اب دہلی سے روانہ ہونے میں جلدی کرنا ضروری ہو گیا ہے خواہ کتنے ہی اہم معاملات ہوں۔ اب مزید توقف کی گنجائش نہیں۔ اگر میں اپنی روانگی میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔

نواب دانشمند خاں کا علمی ذوق علاوہ بریں ہمارے نواب دانشمند خاں کو میرا شدید انتظار ہو گا۔ کیونکہ ہمارے آقا کو جو امور ممالک غیر کا وزیر اور سواروں کی فوج کا میر بخشی ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے صبح کے وقت تو فرصت نہیں ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سہ پہر کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے مختص کئے ہوئے ہے۔ ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس کو علم ہیئت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسنڈی[1] اور ڈس کارٹس[2] کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

سفر کی تیاری پس اپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہو جاؤں گا اور چلنے سے پہلے مجھے اس قدر اسباب و سامان درست کو لینا چاہیئے جس قدر کہ رسالہ کے ایک باعزت عہدہ دار کو درکار ہے۔ کیونکہ میری تنخواہ تین سو

---

[1] گ ی س ی ان ڈے

[2] ڈس ک ارٹ س

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روپیہ ماہوار ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ دو اچھے ترکی گھوڑے معہ ایک سائیس کے میرے پاس ہوں۔ اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی معہ ایک شتربان کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ایک باورچی اور ایک خدمت گار ہونا چاہیئے جو ملک کے دستور کے موافق پانی کی صراحی لے کر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے میں نے ضروری اور آرام کی اور بھی سب چیزیں تیار کرلی ہیں۔ مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے اور ایک تکیہ اور دو لحاف جن میں سے ایک کو دوہرا کرکے توشک کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ایک گول چرمی دسترخوان کھانا کھانے کے لئے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے باورچی خانہ کے ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے یہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھے جاتے ہیں اور یہ بڑا تھیلا پھر ایک ٹاٹ کے بڑے سے شلیتہ میں جس کے دو حصے ہوتے ہیں اور جس میں تسمے لگے ہوئے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے۔ علاوہ بریں شلیتہ میں آٹا دال وغیرہ کھانے کی چیزیں آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے ساتھ رکھی جاتی ہیں میں نے احتیاطاً پانچ چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ میٹھے بسکٹ بھی جن کو چاشنی اور نیبو کے عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لئے ہیں اس کے علاوہ باریک کپڑے کی ایک تھیلی ایک آہنی قلابے کے ساتھ جس میں لٹکا کر دہی کو چھانا جاتا ہے۔ میں نے یاد کرکے ساتھ رکھ لی ہے۔ کیونکہ اس ملک میں نیبو کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے۔ یہ سب چیزیں جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بے ڈھنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر اُلٹ دیں۔ ایسے لمبے سفر کو اگر آرام دہ بنانا ہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے ملک میں ہم کو فرانس کے جیسے انّ[1] (یعنی مسافر خانوں) اور آرام و آسائش کا سامان مل جانے کی امید نہیں ہے اور ہماری مہمان سرا صرف ہمارا وہی ڈیرہ ہے جس کو عرب اور تاتاریوں کی طرح ہم کو ایک منزل سے اکھاڑ کر اور دوسری منزل پر لے جاکر روزمرہ لگانا چاہیئے۔ اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کھسوٹ سے کبھی نہیں

---

[1] سرائے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بالشت زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے۔

دہلی کی روٹی اور پانی

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بارشیں ہو چکی ہیں اور اب موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کے لئے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی ایسی نہیں رہتی کہ جس کی برداشت نہ ہو سکے۔ اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں کہ اب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت نہ اٹھانی پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہ بھی امید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جس کا میلاپن مجھ سے بیان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر انسان و حیوان بے دھڑک لب آب پہنچ جائے۔ اور پانی کو انواع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنائے رکھتے ہیں۔ اس پانی سے ایسے بخار ہو جاتے ہیں کہ ان کا علاج مشکل ہوتا ہے۔ اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو پیدا ہو جاتے ہیں جن میں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے۔ اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جائے تو یہ کیڑے جلد دفع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں۔ یہ کیڑے اکثر عرض و طول میں چکارے کے تتارے تانت کے موافق ہوتے ہیں اور جن پر بے تکلف لس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کے نکالنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جائے۔

میرے لئے یہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہوں گا کیونکہ ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کے وقت مجھے عنایت ہوا کرے کیونکہ اور امرائے دربار کی طرح ہمارے نواب نے بھی اپنے ساتھ گنگا جل کے بہت سے اونٹ لدوا لئے ہیں

پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب

پانی کی صراحی ایک ٹین[1] کا برتن ہے جس پر سرخ کپڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے اور اس کو ایک خدمت گار ہاتھ میں لے کر اپنے

---

[1] اصل کتاب میں بجائے جست کے ٹین لکھا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آقا کے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے اُس میں عموماً ایک سیر پانی آتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی صراحی قصداً دو سیر کی بنوائی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یہ تدبیر میرے لئے بہت مفید ہوگی اس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کپڑا جو اس پر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اُسے ہلا ہلا کر ہوا دیتا رہے۔ یا اُسے ہوادار جگہ میں جیسا کہ یہاں عموماً معمول ہے زمین سے اونچی ایک تپائی پر رکھا جائے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ کپڑے کی یہ نمی اُن چھوٹے چھوٹے آتشی اجزا (فائری پارٹی کلز[1]) کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہو جاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے۔ نیز اُن شوریلے اجزا (واٹرس پارٹی کلز[2]) اور دوسرے اجزا کو جو اس کپڑے اور ظرف کے اندر سرایت کر کے پانی میں خنکی پیدا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جس طرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آجاتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اور یہ اس شیشہ کی بناوٹ اور اُس کے اجزا کی خاصیت اور اس فرق کی وجہ سے ہے جو پانی اور روشنی کی لطافت میں[3] ہے۔

یہ صراحی سفر میں کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مٹکوں میں جو مسام دار مٹی سے بنائے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُن پر تر کپڑا لپیٹتے ہیں اور اگر

---

[1] ف ا ء ری پ ا ر ٹ ی ک ل

[2] ن ا ء ٹ ر س پ ا ر ٹ ی ک ل

[3] جب کوئی سیال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں بھرا جائے جس پر کانچ پھرایا ہوا نہ ہو تو پانی کے اجزا برتن کے مسامات میں سے بھاپ بن کر اُڑ جاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو پانی میں جذب رہتی ہے نکل جاتی ہے تو اس برتن میں پانی بے شک ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح جم بھی سکتا ہے اور یہ تاثیر اس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے جب کہ برتن کو دھوپ میں رکھا جائے اور اُس کے باہر کے سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا لپیٹا جائے۔ اگلے زمانہ کے علم کیمیا کے علما کا یہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے جس کے انھوں نے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مسامات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علما اس شے کو کیلورک[1] یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں ۱۲ مترجم انگریزی۔

---

[1] ک ے ل ورک [2] ن ا ر ٹ ر س پ ا ا ٹ ی ک ل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ مٹکے ہوا میں رکھے جائیں تو ان کا پانی اُن صراحیوں سے زیادہ خنک ہوتا ہے۔

بڑے اُمرا خواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ استعمال کرتے ہیں اور اُس کی ترکیب یہ ہے کہ یہ پانی یا جس چیز کو سرد کرنا مقصود ہو جست کی صراحی میں جس کی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈال کر اُس کو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جس میں تین چار مٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے۔ اس عمل سے صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے۔ میرا پہلے یہ خیال تھا کہ اس طرح ٹھنڈی کی ہوئی چیز مضر نہیں ہوتی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ کبھی کبھی تلیین کا اثر کرتی ہے۔

شاہم سفر سر پر کھڑی ہوئی ہے۔ اور اس ملک کی جلتی دھوپ میں جو کسی موسم میں بھی اذیت سے خالی نہیں۔ روزمرہ چلنا پڑے گا اور ہر روز اسباب لادنا اور اُتارنا پڑے گا۔ اور نوکروں کے پیچھے سر کھپانا ہوگا۔ کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اُکھاڑنا ہوگا۔ کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً حکم شاہی کے مطابق ڈیڑھ برس تک ایسی بے ٹھکانہ اور خانہ بدوشی کی گذران کرنی پڑے گی۔ بجائے اس کے کہ میں ان پریشان کن باتوں پر توجہ کرتا آخر یہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا۔

اچھا دوست خدا حافظ! میں اپنا وعدہ پورا کروں گا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا رہوں گا۔ اور چونکہ فوج اس موقعہ پر آہستہ آہستہ کوچ کرے گی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کی فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے جیسا کہ بادشاہانِ ہند کا معمول ہے کوچ ہوں گے اس لئے میں سب دلچسپ واقعات لکھتا رہوں گا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں بھیجوں۔

دوسرا خط

از لاہور

۲۵ فروری سنہ ۶۵ء

جمنا کے کنارے ایک خوش گوار سفر

صاحب من! یہ شان دار کوچ فی الواقع آہستہ اور نہایت ہی دلچسپ ہے۔ جس سے ہم یہاں "اعلیحضرت کا سفر" کہتے ہیں۔ لاہور دہلی سے قریب سوا سو لیگ[1] یا پندرہ منزل ہے۔ مگر ہم کو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے لگے۔ یوں ہوا کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لے کر شارع عام

[1] یعنی تین سو پچیتر (۳۷۵) میل ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے علیحدہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ مواقع ہاتھ آئیں اور دریائے جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے۔ چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر معمولی شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوئے اور جس طرح بادشاہ نے بہ لحاظ آرام و آسائش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریائے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا اور ایسی لمبی لمبی گھاس میں جس میں سوار بھی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور ہر طرح کا شکار بکثرت ملا۔ اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوئے ہیں اور میرے لئے ان فرصت کے اوقات میں اس سے بہتر اور کوئی مشغلہ نہیں ہے کہ وہ گوناگوں حالات جن کی طرف میں دہلی چھوڑنے کے وقت سے برابر متوجہ رہا ہوں، قلمبند کروں۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد آپ کو کشمیر کی سیر کراؤں گا اور آپ کو ایک ایسا ملک دکھاؤں گا جو دنیا میں ایک نہایت خوش نما قطعہ[1] ہے۔

---

[1] اس مضمون کی مزید تشریح کی خاطر اس سفر کا حال عالمگیر نامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے اس میں لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا۔ اس لئے غرہ جمادی الاول ۱۰۷۲ھ کو کہ اس کے جلوس کا سال پنجم اور "روز جشن وزن مقدس" یعنی تل دان کا دن بہ تقریب سال گرہ آغاز سال چہل و پنجم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل و ششم بحساب قمری بقعہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اغر آباد میں — (جس کو اس کتاب کے مصنف یعنی برنیر نے شالامار لکھا ہے) نصب ہوئے اور ساتویں ماہ جمادی الاول کو مطابق ۲۰ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی مہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہو کر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا۔ گیارھویں کو یہاں سے کوچ کر کے چند روز آن شکارگاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سنپت کی راہ سے ۲۷ کو کرنال پہنچا۔ یہاں سے فاضل خاں میر سامان کو لشکر اور زائد اسباب کے ساتھ سیدھا لاہور کو روانہ کر دیا گیا اور بادشاہ معمولی شاہراہ چھوڑ کر مخلص پور کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کھیلتے ہوئے پانچویں جمادی الآخر کو قصبہ خضر آباد میں (جو جمنا کے دائیں کنارے نئی زمانہ ضلع انبالہ تحصیل جگادھری کے متعلق ہے) دریا کے اس پار آ پہنچے اور نواحی خضر آباد کے شکار کے بعد گیارھویں تاریخ کو انبالہ میں ڈیرہ کیا۔ پندرھویں کو سرہند انیں کو لدھیانہ پہنچے دریائے ستلج پر پہلے سے کشتیوں کا پل بندھ چکا تھا۔ اس لئے دوسرے دن پھلور ڈیرہ ہوا۔ چونکہ بادشاہی "قراولوں" یعنی میر شکاروں نے پھلور کے نزدیک کے جنگلوں میں دو شیر دیکھے تھے اس لئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جب کبھی بادشاہ بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ سفر کرتا ہے تو اس کے ذاتی آرام و آسائش کے لئے خیموں ڈیروں وغیرہ کا دوہرا سامان ہمراہ ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک پورا سامان ہمیشہ ایک دن آگے جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو منزل پر پہنچتے ہی سب طرح سے سجا سجایا اور تیار ملے اور اسی واسطے اس کو پیش خانہ (پیش خیمہ) کہتے ہیں یہ دونوں پیش خانے قریباً ایک ہی سے ہیں۔ اور ایک پیش خانے کے اٹھانے کے واسطے ساٹھ ستر ہاتھی دو سو اونٹ سو خچر اور سو حمال درکار ہوتے ہیں۔ بھاری اسباب تو ہاتھیوں پر لادا جاتا ہے جیسے بڑے بڑے ڈیرے اور اُن کی بھاری بھاری چوبیں درازی اور وزن کی وجہ سے تین ٹکڑوں میں ہوتی ہیں۔ اور چھوٹے ڈیرے اونٹوں پر لادے جاتے ہیں۔ اور باورچی خانہ کا سامان خچروں پر۔ اور ہلکی اور زیادہ قیمتی چیزیں حمال لے جاتے ہیں۔ جیسے چینی کے برتن جو بادشاہی دسترخوان پر لگائے جاتے ہیں۔ روغنی یا ملمع کئے ہوئے پائے والے اور وہ قیمتی خرگاہ (سراپردہ) جس کا ذکر ہم بعد ازیں کریں گے۔

سراپردۂ شاہی پیش خانے کے منزل پر پہنچتے ہی میرا سامان ایک عمدہ موقعہ خیام شاہی کے واسطے تجویز اور انتخاب کرتا ہے اور کمال توجہ کے ساتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بادشاہ سوار ہوئے اور دونوں کو بندوق سے شکار کیا۔ اس کے بعد چھبیس ۲۶ کو نواحی تلونڈی میں ڈیرہ کیا (وہ تکلیف اور سرگردانی جو شیر کے شکار میں کل اہل لشکر کو اس سفر میں اٹھانی پڑی تھی اور جس کا ذکر ڈاکٹر برنیر نے آگے بہت تفصیل سے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی جگہ مابین پھلور اور تلونڈی کے تھی) بعد ازیں دریائے "بیاہ" یعنی بیاس کو بعضوں نے کشتی کے ذریعہ اور بعضوں نے پایاب عبور کیا اور فتح آباد میں مقام ہوا اور دوسری رجب کو لاہور پہنچ کر باغ فیض بخش میں (جو شاہجہاں کے وقت میں شالامار کشمیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور جسے ہمارے زمانہ میں عموماً شالامار کہتے ہیں) ڈیرہ کیا اور چونکہ شہر اور قلعہ لاہور میں داخلہ کی ساعت دسویں رجب غرہ اسفندیار ماہ فارسی وقت دوپہر سے پہلے نہیں تھی اس لئے تاریخ مقررہ تک اس باغ میں بدستور مقام رہا۔ واضح ہو کہ جہنا کی وہ نہر جو اس دریا کے بائیں کنارے سے دہلی کو گئی ہے اور جس کو نہر چوں شرقی کہتے ہیں۔ شاہجہاں نے اُس کے سرے پر نہایت عمدہ عمارتیں بنوائی تھیں اور اُس جگہ کو اُس وقت مخلص پور کہتے تھے فی زمانہ مخلص پور کوئی بستی نہیں ہے۔ البتہ کچھ کھنڈر جن کو لوگ بادشاہی محل کہتے ہیں مابین فیض آباد و موضع کھارا کہ جس کے باہم تخمیناً چار میل کا فاصلہ ہے اور جہاں ہمارے زمانہ میں اس نہر کا سرا واقع ہے اُن عمارتوں کی یادگار ہیں فیض آباد ضلع سہارنپور کے مضافات میں خضر آباد کے محاذی جہنا پار ایک مختصر سا قصبہ ہے س۔ م۔ ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حتی الامکان اس کی کوشش کرتا ہے کہ تمام لشکر گاہ ترتیب اور قرینہ کے ساتھ ہو اور ایک مربع قطعہ جس کی چاروں حدود تین تین سو معمولی قدم کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہیں داغ بیل لگا کر محدود کر دیا جاتا ہے اور سو بیل دار فوراً اس کو صاف و ہموار کر کے اس کی سطح کو چبوترے کے طور پر ذرا بلند کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے گرداگرد قناتیں جن کی بلندی سات یا آٹھ فرانسیسی فٹ کے برابر ہوتی ہے گھیر دی جاتی ہیں جن کے کھڑے کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ میخیں گاڑ کر ان کی رسیوں کو ان سے باندھ دیا جاتا ہے اور ہر دس قدم کے فاصلہ پر دو دو چوبیں جن کے نیچے کے سرے زمین پر جمے ہوتے ہوتے ہیں تھامنے کے واسطے دونوں طرف اس طور پر کھڑی کی جاتی ہیں کہ ایک چوب دوسری کے سہارے ہوتی ہے۔ یہ قناتیں ایک مضبوط کپڑے کی بنائی جاتی ہیں اور اس پر ہندوستانی چھینٹ سے نقش و نگار اور پھول وغیرہ بنائے ہوتے ہوتے ہیں۔

بادشاہی ڈیوڑھی جو اس مربع قطعہ کے ایک ضلع کے عین وسط میں رکھی جاتی ہے وسیع اور مکلف ہوتی ہے اور اس کی قناتوں کے اندر نقش و نگار بہ نسبت ان قناتوں کے جن سے اس قطعہ کی باقی حدود گھیری جاتی ہیں زیادہ خوش نما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتے ہیں۔

وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیام شاہی میں لگایا جاتا ہے اس کو عام و خاص کہتے ہیں یہاں بادشاہ اور امرا نو بجے صبح جمع ہو کر امور سلطنت پر غور اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں۔ ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جن میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور یہ دستور ایک فرض واجب اور منجملہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جس کی بجا آوری میں بہت ہی کم فروگذاشت ہوتی ہے۔

دوسرا ڈیرہ جو ذرا چھوٹا اور اندر کی طرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب امرا شام کے وقت مجرے کے لئے اسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں۔ جیسے کہ خاص دہلی میں۔

اس شام کے دربار سے امرا کو بہت بے آرامی اور تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے طول طویل سڑکوں میں سے مشعلیں ساتھ لئے ہوئے غسل خانہ کی طرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں تو دور سے اندھیری رات میں یہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ مشعلیں ہمارے وطن فرانس کی طرح موم سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں بتیں۔ لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں اور صرف اس طرح سے تیار کی جاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اُس کے اندر گوڈر کا ایک موٹا فلیتہ لگایا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جس پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کپی سے جو مشعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جس کا گلا تنگ اور لنبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت اُس گوڈر کو بدلتے رہتے ہیں۔

ان دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کی طرف ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جس کو خلوت خانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اہم اور خاص امور یہیں انجام پاتے ہیں۔

خلوت خانہ سے اور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جن کے گرداگرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قد آدم سے زیادہ نہیں ہوتی لگی رہتی ہیں ان قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جس پر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی منجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر اُن پر ٹکی ہوئی ہوتی ہے۔

زنانہ خیمہ گاہ ان شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی خادماؤں اور نوکرانیوں کے ڈیرے لگے ہوتے ہیں۔ یہ ڈیرے بھی مکلف قناتوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کے بیچ میں ادنیٰ درجہ کی عورتوں یعنی اصیلوں اور خانہ زادوں اور ملازم عورتوں اور متعلقات محل سرا کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہ ڈیرے اُن عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائے جاتے ہیں۔

عام خاص اور پانچ چھ اور خیمے سب ڈیروں سے بلند ہوتے ہیں جس سے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہ کہ دور سے پہچانے جا سکیں۔

ان کے باہر کی جانب کا کپڑا مضبوط اور گہرے سرخ رنگ کا ہوتا ہے جس پر سجاوٹ کے لئے بڑی بڑی رنگا رنگ کی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ لیکن اندر کی جانب خوبصورت مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو خاص طور پر اسی کام کے واسطے بنائی جاتی ہے۔ جس پر عمدہ اور بڑھیا رنگ رنگ کے ریشمی منجر لگے ہوئے اور اس پر ریشم یا سرخ و سفید زری کا کار چوبی یا چکن کا کام نہایت نفیس اور باریک جھالر کے ساتھ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں تین چار انچ موٹے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

روئی کے گدیلوں کا فرش ہوتا ہے اور اُن پر مکلف قالین اور زربفت کی مرصع مسندیں آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لئے بچھی ہوتی ہیں۔ ان خیموں کی چوبیں ملمع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں۔

اور ان دونوں ڈیروں میں جن میں بادشاہ معہ اُمرا و ارکانِ دولت رونق افروز ہو کر نظم و نسق اور امور مملکت انجام دیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت ہی مکلف اور آراستہ مرتفع جگہ ہوتی ہے جس پر ایک مخملی یا ریشمی مشجر کے وسیع شامیانہ کے تلے بیٹھکر بادشاہ لوگوں کا سلام مجرا لیتا اور عرض حال سنتا ہے۔

خرگاہ تمام ڈیروں میں ایسے ہی شامیانے ہوتے ہیں مگر اُن میں خرگاہیں ہوتی ہیں جو شکل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے کے لئے یہ تصور کر لینا چاہیے کہ گویا ہمارے ملک فرانس کا لپٹ جانے والا ایک مربع چھپر کھٹ[1] ہے۔ جو دو چھپر کھٹوں کی بلندی کے برابر ہے۔ مگر چھت اُس کی چورس نہیں ہے۔ بلکہ گنبد کی طرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور چھپر کھٹ میں بڑا فرق یہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہ بہت پتلے اور سُبک باہر کی جانب ملمع یا روغن کئے ہوئے تختے لگے ہوتے ہوتے ہیں اور زیبائش کے واسطے گرداگرد ریشم اور زری کی جھالر لٹکی ہوئی اور اندر کی طرف قرمزی رنگ کا ریشمی مشجر یا زربفت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔

ان حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اس مربع قطعہ کے اندر جو جو امور قابل بیان و لحاظ تھے میں نے اُن میں سے کوئی نہیں چھوڑا۔

شاہی ڈیوڑھی اب اس مربع قطعہ کے بیرونی منظر کا ذکر کرتے ہوئے پہلے میں اُن دو

---

[1] اس جگہ لفظ چھپر کھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب میں لفظ دسکرین ہے جس کے معنی چھپر کھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوئے لکڑی کے ایسے چوکھٹے دیکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کئے جا سکتے ہیں اور جن کو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہ پر کھڑا کر کے قنات یا پردہ کا کام لیا جاتا ہے تو اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ دی ہے۔ س۔م۔ح

[1] س ک ری ن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امرا اور فوج کا ڈیرہ خوبصورت ڈیروں کے متعلق لکھوں گا جو شاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں۔ یہاں پر چند عمدہ کوتل گھوڑے کسے کسائے اور نہایت مکلف ساز و سامان سے سجے سجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کے وقت فوراً کام آسکیں۔ لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور تکلف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہم رکاب توپ خانہ کی پچاس ساٹھ توپیں جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل ہوتا ہے اہل لشکر کی اطلاع کے لئے اُن سے سلامی دی جاتی ہے۔

بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب و ممکن ایک وسیع صحن جس میں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا ہوتا ہے جس کو نقار خانہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہ نقارے اور شہنائیاں رہتی ہیں۔

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جس کو چوکی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں امرا باری باری ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر امرا ایسا کرتے ہیں کہ خاص اپنے ہاں کا ایک ڈیرہ ٹھیک چوکی خانہ کے متصل زیادہ آسائش و خلوت کی غرض سے کھڑا کر لیتے ہیں۔

اس بڑے مربع قطعہ کی باقی ماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا فاصلہ دے کر بعض عہدہ داروں کے اور متعلقہ ضروریات کے وہ خیمے لگائے جاتے ہیں جن سے خاص خاص قسم کے شاہی امور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ یعنی جگہ کی تنگی وغیرہ مانع نہ ہو تو یہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے لگا کرتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جدا جدا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا تلفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپ کو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں۔ پس یہ کافی ہے کہ اُن الفاظ کا مطلب بیان کر دوں یعنی اُن میں سے ایک ڈیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زین اور جڑاؤ ساز وغیرہ اور تیسرے میں کمخواب اور زربفت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کی طرف سے اکثر خلعت میں دی جاتی ہیں۔ اور چار علیحدہ علیحدہ خیمے، گنگا جل اور شورے کے لئے مختص ہیں جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میووں اور حلووں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے لئے ہوتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔ پان ایک قسم کا پتا ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات والطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جس کے چبانے سے منہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اور ہوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُس کے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاصے کے گھوڑوں کے لئے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی سواری کے ہاتھیوں اور شکاری حیوانوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں یعنی شان وشوکت بھی اور سواری کے وقت شکار بھی ان ڈیروں میں شکاری کتوں اور چیتوں کے لئے جو ہرن اور نیل گائے کو پکڑتے ہیں۔ شیروں اور گینڈوں کے۔ لئے جو شوکت دکھانے کے لئے ہمراہ لائے جاتے ہیں ہنگالی بھینسوں[1] کے لئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پلے ہوئے ہرنوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑائے جاتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ احاطے بنے ہوتے ہیں۔

خیام شاہی لفظ خیمہ گاہ شاہی کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ جو خیمے اُس مربع قطعہ کے اندر ہیں صرف اُنھیں سے یہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جات جن کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور یہ تمام شاہی خیمہ گاہ لازمی طور پر لشکر کے وسط میں ہوتی ہے۔

اب آپ بآسانی سمجھ لیں گے کہ یہ شاہی بارگاہ کس شان وشوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہ عظیم الشان سرخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قرب وجوار کی کسی بلندی سے دکھائی دیتا ہے تو دل پر اُس کی شان وعظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ لشکر گاہ کا میدان کافی کشادہ اور اس قسم کا ہو کہ بلا روک ٹوک سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے اُس میں اُتر سکیں۔

لشکر کے بازار جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے سب سے اول میر سامان کو یہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ پیش خانہ شاہی کے لئے ایک معقول موقعہ انتخاب کرے۔ اور

---

[1] ان بھینسوں سے جنگلی بھینسے جن کو ازنا بھینسا کہتے ہیں مراد ہیں س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقعہ پر لگایا جائے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اترنے کا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بازاروں کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے داغ بیلیں لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دائیں اور کبھی بائیں اس طور سے لگایا جاتا ہے کہ کل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سے کہ اگلی منزل کا راستہ نکلتا ہے۔ دوسرے بادشاہی بازار جو عرض و طول میں اتنے بڑے نہیں ہوتے اور جن کے راستے اسی بڑے بازار میں سے ہوتے ہیں۔ بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شناخت کے واسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جس میں سرخ پھریرا اور سرے پر سورہ گائے کی دم ہے تین تین سو قدم کے فاصلہ پر نصب ہوتا ہے۔

امرا کی خیمہ گاہیں اس کے بعد میر سامان اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے جگہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے مقررہ فاصلہ پر ہو خواہ دائیں ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی مقررہ جگہ کو جو اُس کے لئے مقرر ہے۔ یا اُس جگہ کو جو سفر شروع کرنے سے پہلے کسی شخص کی درخواست پر اُس کے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے۔

جو تعریف میں نے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں وہی تعریف اُمرا اور راجگان کی خیام گاہ پر بھی صادق آتی ہے یہ لوگ بھی عموماً اسی طرح دو پیش خانے رکھتے ہیں اور اُن کی خیمہ گاہیں بھی قناتوں سے جو اُن زنانہ سراپردہ کے بڑے خیموں کے گرداگرد لگائی جاتی ہیں گھری ہوئی مربع شکل کی ہوتی ہیں اور اُن کی ان مربع خیمہ گاہوں کے باہر بدستور اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک بازار بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے۔ جس میں اُن کی فوج کے دوکان دار اور بھیر[1] کے لوگ چھوٹی چھوٹی پالیں وغیرہ لگا کر گھاس دانہ چاول، گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اس طرح اُمرا کے لشکریوں کو بادشاہی بازاروں سے جن میں کل سامان اور اجناس اکثر پائے تخت کی طرح میسر آسکتے ہیں کسی شے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی۔

---

[1] بھیر بنگاہ۔ رسد پہنچانے والے باربردار، مزدور اور ملازموں کے عملہ کو کہتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا معہ علیحدہ علیحدہ رنگ کے پھریروں کے جو بلندی میں بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ رہتا ہے۔ تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دور ہی سے جدا جدا معلوم ہو جائے۔

اگرچہ بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجہ اونچے اونچے ڈیرے رکھنا اپنا فخر جانتے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ وہ اس قدر اونچے نہ ہوں کہ بادشاہ کی نظر اُن پر پڑ جائے اور وہ اُن کے گرا دینے کا حکم دیدے جیسا کہ اُس نے ہمارے اسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی ضرور ہے کہ اُن کے خیموں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہ رنگ صرف بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تعظیم اور ادب کے خیال سے یہ بھی واجب ہے کہ اُمرا کے خیموں کے منہ عموماً عام و خاص اور خیام شاہی کی طرف رہیں (یعنی پشت وغیرہ اُس طرف نہ ہونے پائے)

باقی زمین جو خیام شاہی کی خیمے گاہوں اور بازار کے درمیان ہوتی ہے اُس میں چھوٹے درجہ کے امیروں، منصب داروں، اہل توپ خانہ اور ہر قسم کے تاجروں دکان داروں، ملکی عہدہ داروں اور دوسرے اشخاص کے خیمے نصب ہوتے ہیں جو مختلف اغراض کے لئے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بے حد و شمار خیمے ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا قطعہ اُن کو نصب کرنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

لشکر گاہ کی اراضی مغربی سیاحوں نے لشکر میں رہنے والے تمام اشخاص کی تعداد اور خیمہ گاہ کی زمین کی وسعت کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیا ہے لیکن حقیقت میں جب کبھی لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاؤ میں ہوتا ہے کہ جس میں ترتیب معینہ کے موافق کُل خیمہ جات پوری کشادگی کے ساتھ نصب ہو سکیں۔ تب بھی میرے قیاس میں لشکر کا کُل دور چھ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ لشکر گاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر جگہوں ہی خالی اور بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتہ مجھے اس جگہ یہ بات بھی ظاہر کر دینی ضروری ہے کہ بھاری توپ خانہ جس کو ہمیشہ بہت جگہ درکار ہوتی ہے عموماً کل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

لشکر گاہ کی تفصیلات علیٰ ہذا القیاس جو عجیب انتشار اور شور و غل لشکر میں برپا رہتا ہے اور جو کسی نو وارد شخص کو حیران کر دیتا ہے۔ اُس کے بیان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں بھی بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آپ کو اگر تھوڑی سی بھی واقفیت اس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تنظیم و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی وقت کے ساتھ ہر جگہ جہاں ضرورت ہو پہنچ سکیں گے۔

خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مخصوص الوضع والے خیمے اور نشان اور وہ سورہ گائے کی دُم والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگے ہوتے ہیں۔ اور جو دور دور سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہو جاتے ہیں کہ بھولنے نہیں دیتے۔ مگر واقعی باوجود ان سب احتیاطوں اور علامات کے بھی کبھی کبھی ڈیرے کے پہچاننے اور ملنے میں بڑی غلط فہمی اور دقت ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب فوج اپنی فرودگاہ پر آتی ہے اور ہر متنفس بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں مشغول ہوتا ہے اور گرد و غبار کے مارے یہ سب نشان اور علامتیں بالکل چھُپ جاتی ہیں تو بارگاہ شاہی مختلف بازاروں اور اُمرا کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔۔ علاوہ بریں وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلائے ہوئے یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر راستہ ملنے میں حارج ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رسیاں جو کم درجہ کے اُمرا اور منصب دار جن کے پاس پیش خیمے نہیں ہوتے ہیں اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور عام آمد رفت کو روکنے کے لئے اور اُس غرض سے کہ (بصورتیکہ اُن کے قبائل ساتھ ہوں) کہ اُن کے قریب کوئی غیر شخص ڈیرہ نہ کر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سدِ راہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ اُن کے نوکر چاکروں کی ایک فوج کی فوج ہاتھوں میں ڈنڈے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جو ان رسیوں کو نہ تو سرکانے ہی دیتے ہیں اور نہ نیچا کرنے دیتے ہیں اور لامحالہ الٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بے فائدہ سعی ہوتی رہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب اونٹ لدے کھڑے ہیں اور اُن کے نکال لے جانے کی بجز اس کے کوئی سبیل نہیں ہے کہ اُن نوکر چاکروں کو دھمکایا جائے یا منت سماجت کی جائے اور سمجھانے بجھانے کے ساتھ کبھی ایسا غصہ دکھلایئے کہ گویا تم اُن کو ابھی پیٹ ڈالو گے مگر کسی کو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیئے۔ اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں کے باہم جب سخت تو تو۔ میں میں ہو جائے تو پھر اُن کو یہ ڈرا دینا چاہیئے کہ اس حرکت کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور اس طرح اُن کے درمیان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

صلح کرا کر وقت کو غنیمت جانیئے اور اپنے اونٹ نکال لے جایئے۔

شام کے وقت جب کسی کام کے لئے کچھ دور جانا پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال دقت ہوتی ہے کیونکہ اس وقت عوام الناس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اُپلے اور اونٹوں کی مینگنیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور ان کے بے حد و بے شمار چولھوں کا دھواں خصوصاً جب کہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی تین چار بار اس دھوئیں کے سمندر میں پھنس گیا تھا اور ہر چند راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ ادھر اُدھر بہت سا چکراتا پھرا مگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دھوئیں کے موقوف ہونے اور چاند کے نکلنے تک ایک جگہ توقف کرنا پڑا اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور اپنے گھوڑے اور سائیس کے ساتھ اُسی کے نیچے رات بسر کی۔

اکاس دیا یہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے۔ جس کو اُتارتے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ بارگاہ شاہی کی طرف نقارخانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔ اور رات کے وقت اس کی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے۔ یہ نہایت ہی مفید چیز ہے۔ کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہ دکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چوروں سے محفوظ رہ کر رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہنچ کر پھر اپنے ڈیرے کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر پتہ لگا لیتے ہیں۔

لفظ اکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ قندیل دور سے ستارے کی طرح چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

لشکر شاہی میں چوکی پہرہ چوری کے انسداد کے لئے ہر ایک امیر اپنے اپنے خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے کے آس پاس گشت کرتے "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام فوج کے گرداگرد پانچ سو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلائے رکھتے اور "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں۔ اس احتیاط کے علاوہ کوتوال ہر ایک طرف اپنے برقندازوں کو لگا دیتا ہے جو خاص طور سے بازاروں کی زیادہ خبرگیری کرتے اور شور و غل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداریوں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیئے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نہ رکھنا چاہیئے اور رات کو اول وقت کچھ آرام کر لینا چاہیئے تاکہ باقی ماندہ رات میں نگرانی کرنے میں تکلیف نہ ہو۔

شاہی سواری اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُس نے اس موقعہ پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں۔

اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے جس کو کہار اُٹھاتے ہیں۔ یہ تخت ایک قسم کا مکلف چوبیں مختصر سا بالاخانہ ہوتا ہے جس پر روغن کاری کی ہوئی ہوتی ہے اور ملمع کے ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے وقت بند کی جاتی ہیں۔ اس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کہاروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سرخ بانات یا کمخواب سے منڈھے ہوئے اور زری اور ریشم کی نہایت کام دار جھالر سے آراستہ اور سجے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے پر دو مضبوط اور خوش پوشاک کہار لگے رہتے ہیں جن کی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اور آٹھ کہار موجود رہتے ہیں۔

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے خصوصاً جب موسم موافق اور شکار کے قابل ہو اور کبھی ہاتھی پر میگہ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھکر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شان دار اور باشوکت سواری ہے۔ کیونکہ اُس کی جھول ایسی عمدہ اور ساز و سامان اس قدر قیمتی اور مرصع اور زرق برق ہوتا ہے کہ اُس کی زیبائش پر کوئی چیز فوقیت نہیں لے جا سکتی۔

میگہ ڈنبر روغن کاری اور ملمع کا ایک چھوٹا سا چوبی مربع شکل کا بالاخانہ ہوتا ہے۔ اور ہودا بیضوی شکل کی ایک نشست ہے جس کے سنہری اور نہایت منقش ستونوں پر ایک نہایت مکلف شامیانہ ہوتا ہے۔

ہمرکاب اُمراء ہر ایک سفر میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے امرا اور راجہ ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُس کے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اس طرح ملے جلے چلتے ہیں جن میں چنداں لحاظ کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا۔ سفر کے روز علی الصبح سب اُمرا باستثناء اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عہدہ ہی اس استثناء کا مجاز ہو خیمہ عام و خاص میں جمع ہوتے ہیں اور اُس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سفر سے اُمرا کو بہت کوفت اور ماندگی ہوتی ہے خصوصاً شکار کے دن کیونکہ اس حالت میں اکثر اوقات سہ پہر یعنی تین بجے تک برابر دھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے۔

مگر یہ آسائش پسند اُمرا جب بادشاہ کے ہم رکاب نہیں ہوتے تو اور ہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو اُن کو دھوپ ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند بند یا کھلی پالکی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوئے اور بلا دقت آرام سے سوتے ہوئے اپنے خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں اُن کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار ملتی ہے۔ کیونکہ یہ سب سامان رات کو کھانا کھانے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

سواری کی حالت میں ان امرا کے گرد و پیش بہت سے سوار جن کو گُرز بردار کہتے ہیں اور جن کے پاس چاندی کا گُرز ہوتا ہے سب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود رہتے ہیں۔ بہت سے گُرز بردار بادشاہ کے بھی ہمرکاب ہوتے ہیں جو آگے آگے دائیں اور بائیں پیدلوں کے ایک بڑے جمگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گُرز بردار چیدہ اور وجیہہ جوان ہوتے ہیں اور احکام اور فرامین شاہی وغیرہ اُن کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے۔

قورخانہ راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور[1] چلتا ہے جس میں بہت سی شہنائیاں اور نقارے بھی ملے ہوتے ہیں۔ اس قور میں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چیزیں بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر نصب

---

[1] قور (ق و ر) بہ معنی ہتھیار ترکی لفظ ہے اور اس سے بادشاہی سلح خانہ مراد ہے۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے یہ آئین باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحات مثلاً تلوار، نیزہ، خنجر، کمان، جمدھر، کٹار وغیرہ جیسے کہ اُس وقت مروج تھے روزمرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منصب داروں اور احدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب سے سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں جس وقت چاہے اُن میں سے کوئی ہتھیار لے کر خواہ خود استعمال کرے خواہ رسم وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسب ضرورت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہ سلح خانہ چلتا تھا تو شان و شوکت دکھانے کے لئے سامان جلوس شاہی یعنی نشانوں اور ماہی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ مل جل کر چلتا تھا گو دراصل یہ کارخانے قور سے علیحدہ تھے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی ہوتی ہیں شامل ہوتی ہیں۔ جن میں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں۔ بعض ہاتھ کے پنجہ اور ترازو اور مچھلی وغیرہ جیسی اور بعض ناقابل فہم اشیاء سے مشابہ

اس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ کے اُمرا کا آتا ہے جو ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں یہ لوگ اُن امراء سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں۔ تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان منصب داروں کے علاوہ جن کو اپنے پہرہ کی وجہ سے علی الصبح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمرکابی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اور بھی بہت سے منصب دار اس غرض سے شریک جلوس سواری ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ کی نظر میں رہ کر کچھ ترقی حاصل کریں۔

بیگمات کی سواریاں شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جن میں سے کسی کو تو چوڈول[1] پسند ہے جس کو کہار اُٹھاتے ہیں جو تخت رواں جیسا ہوتا ہے اس پر ملمع اور روغن کاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور رنگارنگ کے ریشمیں خوش نما تہہ بہ تہہ پردے پڑے ہوئے اور دری کی جھالریں اور خوبصورت پھندنے وغیرہ ٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ پالکیوں میں چوڈولوں کی طرح خوب سجی سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محملوں میں جو دو مضبوط اونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں چلتی ہیں چنانچہ میں نے کبھی کبھی روشن آرا بیگم کو محمل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہ بھی دیکھا ہے کہ محمل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک نوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھیوں کے دور کرنے کے لئے بیگم کو مورچھل کر رہی تھی۔ بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جن کے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوئے اور بڑے قیمتی ساز و سامان سے سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جن کی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور دہ آرائشی چیزیں جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ یہ حسین اور ممتاز بیگمیں ہاتھیوں پر میگہ ڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یوں دکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اُڑی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک میگہ ڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگہ ڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمیں جالی کا غلاف پڑا

---

[1] اصل لفظ چنڈول ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڑدول اور تخت رواں کی شان و شوکت اور زرق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سواریوں کا تجمل اتنا دل کش ہوتا ہے کہ اس سفر میں یہ تماشا میرے لئے انتہائی دلچسپ رہا اور اُس کی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے۔

روشن آرا بیگم کا جلوس چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری سے زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئے گا۔ یہ بیگم پیگو کے ایک نہایت عمدہ اور بڑے قد آور ہاتھی پر ایسے میگہ ڈنبر میں سوار ہوتی ہے جس کی سنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے۔ اُس کے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اور ہاتھی چلتے ہیں جن پر اُس کے محل کی معزز عورتیں ہوتی ہیں۔ اور اُن کے میگہ ڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے میگہ ڈنبر جیسے بلکہ قریباً ویسے ہی ہوتے ہیں شاہزادی کے قریب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ سرا بھاری بھاری پوشاکیں پہنے ہوئے نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لیے ہوئے چلتے ہیں اور اُس کے ہاتھی کے اردگرد ایک رسالہ کشمیری اور تاتاری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بناؤ سنگار کئے ہوئے خوبصورت اور بادپا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں جن کے ساتھ ایک بڑی بھیڑ پیدل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لئے ہوئے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دور آگے اس غرض سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کھلا رکھیں۔ اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجاتے ہٹاتے جائیں۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریباً یہی سب تکلفات اُس میں بھی ہوتے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح پندرہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان و شوکت اور دھوم دھام کے ساتھ جو اُن کے مرتبہ مشاہرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گذرتی ہیں۔

ان ساٹھ ستر ہاتھیوں کا وہ تول تول کر قدم رکھنا اور میگہ ڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہمراہیوں اور خدم و حشم کا انبوہ کثیر واقع ہیں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان و شوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے۔ اگر ہیں ان سب دل فریب مناظر کو فلسفیانہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بے شک میں بھی انھیں ہندوستانی شاعروں کے مانند جو استعارے کے طور پر یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر میگہ ڈمبروں میں بیٹھی ہوئی خلائق کی نظروں سے پوشیدہ پوشیدہ جا رہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی سے مغلوب ہوتا۔

ایک یادگار واقعہ

یہ ناممکن اور انتہائی مشکل ہے کہ کوئی متنفس ان بیگمات کے نزدیک جا سکے اور مجال ہے کہ وہ کسی انسان کو نظر آ سکیں۔ اُس سوار کے حال پر ہزار افسوس جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک جا نکلے کیونکہ یہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ لوگ ایسے موقعہ پر بڑے شوق سے اُس کی خوب ہی گت بناتے ہیں۔ چنانچہ میں قطعاً اس واقعہ کو نہیں بھول سکتا۔ جب کہ میں بھی ایسی ہی ایک بلا میں پھنس گیا تھا اور بہزار دقت و مشکل اُس بے رحمانہ سلوک سے نجات پائی تھی جس میں بہت سے سوار گرفتار تھے۔ میں نے یہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی سخت مقابلہ کئے بغیر میں اُن سے مار نہیں کھاؤں گا۔ پس میں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جان دار تھا اور اس طرح اس قابل ہو گیا کہ تیغ بکف اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا۔ اور ایک تیز روندی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پار اُتر گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام فوج میں یہ بات ایک مثل کی طرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے بچنا اور احتیاط کرنا نہایت ضروری ہے۔ اوّل خاصے اور کوتل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دولتیاں اور پشتکیں بے حساب لگتی ہیں۔ دویم شکارگاہ میں داخل ہونے سے۔ سویم بیگمات شاہی کی سواری کے قریب جانے سے۔ اور ایران میں تو یہ تیسری صورت سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ میں سنتا ہوں کہ وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جائے کہ جہاں سے بیگمات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گاؤں میں ہو کر بیگمات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام و مسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں۔

شہنشاہ مغل شکار میں

اب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں میری سمجھ میں کبھی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغل ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ساتھ کس طرح شکار کھیل سکتا ہے ۔ لیکن بلا شبہ ایک خاص صورت ہے جس کے سبب سے دو لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ فوج کے ساتھ شکار کھیلا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ وہ صورت یہ ہے کہ آگرہ اور دہلی کے نواح میں دریائے جمنا کے کنارے کنارے کوہستان تک اور اُس شاہراہ کے دونوں جانب جو لاہور کو جاتا ہے زمین کا ایک بڑا حصہ بنجر پڑا ہوا ہے جو جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو دو دو گز اونچی ہے ڈھکا رہتا ہے ۔ اور ان سب زمینوں کی بڑی نگرانی سے محافظت کی جاتی ہے ۔ اور سوائے تیتر بٹیر اور خرگوش کے جن کو ہندوستانی لوگ جال سے پکڑتے ہیں ۔ کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو شکارگاہ میں جا کر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے بے شمار ہے نہیں چھیڑ سکتا ۔ جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جس کے ضلع کے قریب ہو کر لشکر شاہی کا گذر ہوا حاضر ہو کر میر شکار شاہی کو اپنے علاقہ کے مختلف القسم شکاروں کی تفصیلات اور اُس جگہ کے حالات جہاں شکار بافراط موجود ہوتا ہے مطلع کرتا ہے اور اُس کے اطلاع دینے پر شکارگاہ کے ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھا دیتے جاتے ہیں ۔ تاکہ وہ قطعے جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں ۔ یہ قطعات کبھی کبھی دس دس میل کی وسعت میں ہوتے ہیں اور اُس شکارگاہ سے کہ جہاں بادشاہ شکار کھیلنا چاہتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت دائیں یا بائیں کو اس طرح پر بچ کر چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی دقت کے صرف اُس قدر اُمرا اور لوگوں کے ساتھ جن کو اجازت دی گئی ہو شکارگاہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور حسب موقعہ تمام انواع و اقسام کے شکاروں سے محظوظ و مسرور ہوتا ہے ۔

اب میں اول یہ بیان کرتا ہوں کہ سدھائے ہوئے چیتوں سے ہرن کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے ۔ مجھکو یاد ہے کہ میں نے کسی اور موقعہ پر آپ کو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے ملک کے اُس قسم کے ہرن سے جس کو نان[1] کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں ۔ اور ان کی ڈاریں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے ۔ اور ایک نر ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنے رنگ سے بآسانی پہچانا جاتا ہے ۔ اب شکار کا طریقہ سنیئے کہ ہرنوں کی ڈار کے نظر پڑتے ہی ایک چیتے کو جو ایک چھوٹی

---

[1] نہ ان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سی گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہ سیانا اور مکار جانور فوراً اُس کی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ بڑی احتیاط سے اُن کے ارد گرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اس طریق سے نامعلوم طریقے پر ایسا نزدیک جا پہنچتا ہے کہ ناقابلِ تصور سرعت کے ساتھ پانچ ہی چھ جستوں میں اُن کو جا پکڑتا ہے۔ اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معًا شکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ اور اگر وار خالی جاتا ہے (چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے۔ فی الواقع یہ توقع کرنا کہ سیدھی اور واجبی دوڑ میں چیتا ہرن کو پکڑے بے فائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سے بہت تیز رو اور دَور دم ہوتا ہے۔ چیتے بان اُس کو پکڑ کر گاڑی پر بٹھا دیتا ہے۔ کچھ دقت نہیں اُٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُس کے پاس جا کر چمکارتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈال کر اور آنکھیں بند کر کے زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔

اسی سفر میں ایک چیتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت افزا تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہرنوں کی ایک ڈار فوج کے درمیان ہو کر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً دو چیتوں کے بہت ہی قریب ہو کر نکلی جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور اُن میں سے ایک نے جس کی آنکھیں بند نہ تھیں ایک ایسی تیز جھپٹ کی کہ زنجیر توڑ کر ہرنوں کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن کسی کو پکڑ نہ سکا مگر لوگوں کے شور مچانے اور تعاقب سے مجبور ہو کر یہ ہرنوں کی ڈار جب پھر پیچھے کو ہٹی اور ایک ہرن اُسی چیتے کے پھر قریب ہو کر نکلا تو اُس نے باوجودیکہ بہت سے گھوڑے اور اونٹ بیچ میں حائل تھے جھپٹ کر اُس کو پکڑ لیا اور اُس سے یہ عام مقولہ کہ "چیتا اپنے شکار پر جو اول دفعہ کی جھپٹ سے بچ جائے پھر نہیں دوڑتا" غلط ثابت ہو گیا۔

نیل گائے کے شکار کرنے کا طریقہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ ان کو بڑے بڑے وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج ان کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جس وقت اُس کی وسعت بہت کم رہ جاتی ہے تو بادشاہ امرا اور شکاریوں کو ساتھ لے کر اُس میں داخل ہوتا ہے اور ان کو تیر، برچھی، تلوار اور قرابین سے مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہ جانور اس قدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفہ کے طور پر سب اُمرا کے لئے بھیجتا ہے۔

کوبنجوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابلِ دید طریقہ ہے اور اُن کی اس جرأت کو دیکھکر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سست پروازی کی وجہ سے جو پھرتی کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتیں۔ دشمنوں سے جن کی تعداد دم بہ دم بڑھائی جاتی ہے۔ مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دی جائے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے شکار کے لئے سب سے پہلے یہ ترکیب کی جاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہ آکر سوتا ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس بدنصیب کو شیر پھاڑ کھاتا ہے اور چونکہ یہ اُس کے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اس کے کہ کسی بیل یا بھیڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستائے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پی کر پھر اپنی اُسی آرام گاہ پر آجاتا ہے اور اگلی فجر تک پڑا سویا کرتا ہے۔ چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اُس کے ایک ہی جگہ پر مائل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جس کے حلق میں بہت سی افیون ٹھوس دی جاتی ہے اُسی موقعہ پر جہاں اس قدر گدھے قربان ہو چکے ہوتے ہیں باندھ دیتے ہیں اور یہ آخری دعوت بے شک اس مُراد سے ہوتی ہے کہ شیر کھا پی کر سُکھ کی نیند سو جائے اس کے بعد یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ قرب وجوار کے گنواروں کو جمع کر کے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اسی کام کے واسطے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تنوا دیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گائے کے شکار میں کیا جاتا ہے ان کو بتدریج کھینچ کھینچ کر اُن کے دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب سب سامان اس طرح پر تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر جس پر فولادی پاکھر پڑی ہوتی ہے معہ میر شکار اور چند فیل نشین امیروں اور بہت سے گُرز بردار سواروں اور پیدل شکاریوں کے جن کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں۔ جال کے باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے۔ اب شیر جو اپنی عادت معہودہ کے موافق زخم کھا کر ہاتھی پر جھپٹتا ہے تو جال میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور بادشاہ پیہم گولیاں مار کر اُس کو مار لیتا ہے۔

اسی سفر کے ایک شکار میں ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بپھرا ہوا شیر جال پر سے کود کر ایک سوار پر جا پڑا اور اُس کے گھوڑے کو مار ڈالا اور اس طرح جان بچا کر بھاگ گیا مگر شکاریوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے تلاش اور پیروی کر کے ڈھونڈ ہی لیا اور پھر جال سے جا گھیرا! شیر کے بھاگ جانے کی اس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقت اور پریشانی اٹھانی پڑی یہاں تک کہ ہم تین چار روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگرداں رہے جس میں پہاڑوں سے ندیاں اور نالے آکر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جس میں اونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا کچھ بازاروں کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک نہ تھی۔ پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی گرسنگی رفع کر سکے! کیا اب میں آپ کو اس بیہودہ مقام میں غیر ضروری توقف کا اصلی سبب بھی بتا دوں؟ اور لو بتائے دیتا ہوں۔ آپ کو خوب جان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ ایک شیر مارتا ہے تو یہاں اس کو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر شیر بچ جائے تو بے حد نہایت بدشگونی اور سلطنت کے واسطے بڑی بدفالی خیال کی جاتی ہے اس لئے جب شیر کے شکار کا انجام حسب دل خواہ ہوتا ہے تو اس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلفات عمل میں لائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اُس کی لاش بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے اُس کا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں لکھکر رکھا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے فلاں تاریخ ایک شیر اس قدر لمبا اس طرح کے قد و قامت اور جلد و پوست کا جس کے دانت اس قدر دراز تھے اور جس کے پنجوں کی مقدار ایسی اور ایسی تھی شکار کیا۔

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ مجھکو چند لفظ اُس افیون کی بابت بھی جو گدھے کو کھلائی جاتی ہے اضافہ کرنے ضروری ہیں۔ چنانچہ ایک ذی رتبہ میر شکار نے مجھ سے کہا کہ یہ تو صرف حمق اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے۔ اصل یہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو یہ شکم سیری ہی اُس کی گہری نیند کا باعث ہو جاتی ہے۔

پنجاب کے دریا اور کشتیوں کے پُل میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً پُل نہیں ہیں اور ان دریاؤں پر سے فوج نے بذریعہ دو ہرے پُلوں کے جو کشتیوں سے کسی قدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا۔ اِن پُلوں کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اُن کی سطح پر مٹی اور پھوس ملا کر ڈال دیا جاتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے تاکہ چوپایوں کے پاؤں نہ پھسلیں مگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقعہ ہوتا ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ وہاں ایک سخت بھیڑ بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چپقلش کی جگہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اس باعث سے کہ ان کے دونوں سروں کی گذرگاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اس وجہ سے راستہ ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور اس میں اتنے گڑھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لدے ہوئے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو انھیں گرے پھنسے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گذرنا پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دن میں پار اترنا پڑتا ہے تو یہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن بادشاہ یہ تدبیر کرتا ہے کہ دریا کے اس طرف ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کرواکر ایک دو دن وہیں ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جاکر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کرجاتے ہیں۔

شاہی لشکر کی تعداد اور رسد لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بھیڑ سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ مگر بہرحال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانور یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور ان کے علاوہ اونٹ بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہوں گے اور قریباً اسی قدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ خانہ بدوشوں کی طرح اپنے اہل و عیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اہل فوج کے نوکر چاکر بھی بے شمار ہوتے ہیں کیونکہ بغیر ان کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہوسکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک دو اسپہ سوار کی مانند ہے اور اس پر بھی تین نوکروں سے کم میں میری گذر نہیں ہوسکتی۔ اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہ قیاس ہے کہ یہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہوسکتی۔ البتہ میں اتنا دعویٰ ضرور کرسکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انبوہ بے حد اور قیاس سے باہر ہے اور دہلی کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے۔ کیونکہ ان کے کام کاج اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گذران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور ان کے لئے اس کے سوا کچھ چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا کریں۔ کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اس کیفیت کو پڑھ کر مجھ سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ اس قدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کوچ کی حالت میں خوراک اور چارا کس طرح بہم پہنچتا ہوگا؟ اس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہوں گے جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھچڑی ہی پر قانع رہتے ہیں۔ جو چاولوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملا کر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اس میں ڈال لیتے ہیں اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ یہاں تک سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر کوچ کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور ہر قسم کا گھاس پھوس اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہ امر بھی لحاظ کے لائق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ بیچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی ان اشیا کی بہم رسانی کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور اُنھیں کی دُکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد رسانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں — ان بیچاروں کو گھاس اور چارے کے بہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اور وہ اس کام کے لئے گاؤں در گاؤں پھرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اُس کو فوج میں اچھے داموں پر بیچنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا عموماً یہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام میدانوں اور جنگلوں میں جا بجا موجود ہے زمین میں سے کھُرپے سے کھود لاتے ہیں اور اُس کو جھاڑ کر یا دھو کر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں۔

خیمہ گاہ کی خصوصی رسمیں

بادشاہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات ابھی لکھنی باقی ہے۔ جس کا بیان کرنا میں بھول ہی گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ لشکر گاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمرا کے خیموں کے قریب سے گذرتا ہے اور اگلے دن دوسرے طرف کے اُمرا کے ڈیروں کے نزدیک سے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ یہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اُس کی غرض یہ ہے کہ وہ امرا جن کو بادشاہ اُن کے ڈیروں کے قریب ہو کر گذرنے کا افتخار بخشتا ہے اُن کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اپنے خیموں سے اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی جن کی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کے موافق بیس سے پچاس تک ہوتی ہے۔ پیش کش کے واسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ میں نے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہ کہ ہمارے آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے اکثر شارع عام مل جاتی ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اس لئے ہم لوگوں کا یہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کے وقت ستاروں کا خیال رکھکر کھیتوں اور پگ ڈنڈیوں کے راستہ سے چل پڑتے تھے اور اس سبب سے اکثر راہ بھول جاتے تھے اور پَو پھٹنے تک سیدھا راستہ ملنے میں بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں اور اس طرح پر بجائے دس بارہ میل کی مسافت کے جو دونوں پڑاؤں میں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل کی منزل روزمرہ طے کرنی پڑتی تھی۔

تیسرا خط

جو لاہور سے لکھا گیا

پنجاب کے دریا اور شہر لاہور

صاحب من! یہ امر بے وجہ نہیں ہے کہ وہ ملک جس کا پائے تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ واقع میں پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنھوں نے ولایت کشمیر کا محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہکر دریائے اباسین میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں خلیج فارس کے دہانے کے قریب سمندر میں جا ملتا ہے۔

میں تعین سے نہیں کہہ سکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی لوگ بیوسس[1] قلا کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جس کو اس ملک میں سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی

[1] بیوس قلا یونانی میں بیل کے سر کو کہتے ہیں اور یہ ایک گھوڑے کا نام تھا اس مناسبت سے رکھا گیا تھا کہ اس کے اس شکل کا داغ دیا ہوا تھا اور اس کے مرنے کے مقام پر بطور یادگار ایک شہر اُس کے نام پر بسایا گیا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

معروف و مشہور ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اس کے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔

دریائے راوی وہ دریا جس کے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے جیسا فرانس میں دریائے لوائیر[1] ہے اور ویسے ہی بلند اور سنگین پشتہ کا محتاج ہے جیسا کہ لوایر کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور سے دور ہٹ گیا ہے جس سے باشندوں کو انتہائی زحمت اور تکلیف ہوئی ہے۔

لاہور کی عمارتیں لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ بیس برس سے زیادہ ہوئے کہ بادشاہ معہ امراء دربار آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات ویران ویران سے ہیں۔ بہت سی عمارتیں تو بالکل منہدم ہو گئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت بڑے بڑے ہیں جن میں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی متجاوز ہیں لیکن ان میں اکثر مکانات بالکل ڈھے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رُخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اس لئے بادشاہی محل دریا کے کنارے سے دور ہو گئے ہیں اور یہ شاہی مکانات بھی اگرچہ بہت عمدہ اور عالی شان بنے ہوتے ہیں۔ لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر دو مہینے سے زیادہ ہوئے کہ اس انتظار میں کہ کوہستان کشمیر کی برف پگھل کر راستہ آسانی سے گذرنے کے لائق ہو جائے ہم لاہور میں مقیم تھے۔ مگر اب کل ہمارا کوچ ہونے والا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں[2] میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لائق خیمہ خرید لیا ہے کیونکہ میرے دوستوں نے یہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے نہ لے جانا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پر جہاں اونٹ نہیں جا سکتے ہمارے تمام خیموں کے واسطے جگہ ملنی بہت مشکل ہو گی اور چونکہ اس صورت میں مجھکو اپنی باربرداری کے واسطے مزدور اور قلی درکار ہوں گے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی حالت میں بہت خرچ پڑتا۔ والسلام

---

[1] ل دای ر

[2] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اُنیسویں رمضان ۱۰۷۲ھ کو لاہور سے کوچ ہوا تھا۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چوتھا خط

جو لاہور و کشمیر کی درمیانی منزلوں سے لکھا گیا

راستہ کی سخت گرمی اور اُس کے اسباب

صاحب من! مجھکو یہ اُمید تھی کہ جیسی گرمی ابنائے باب المندب کے قریب بمقام مُخا میں اُٹھا چکا ہوں آفتاب کی ایسی جلا دینے والی شعاعیں روئے زمین پر کسی جگہ نہ پاؤں گا۔ لیکن چار روز ہوئے یعنی جب سے کہ فوج نے لاہور سے کوچ کیا ہے میری اس امید کا خاتمہ ہو گیا۔۔۔۔ ہندوستانی لوگ جو اسی گرم ملک کے باشندے ہیں جب کہ وہ کبھی لاہور سے چلتے وقت یہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔! تو یہ سُن کر مجھے تعجب ہوتا تھا۔ مگر اب تو فی الواقع میرا تعجب بالکل رفع ہو گیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نہ کرے گا کہ آج صبح جب میں اُٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دھوپ مجھ کو زندہ چھوڑے گی۔

یہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے راستے پر شمال کی طرف ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی اور فرحت بخش شمالی ہوا کے پہنچنے میں سدِ راہ ہیں! اور مزید برآں آفتاب کی سوزاں شعاعیں ان پہاڑوں سے منعکس ہو کر جب اس قطعہ ملک پر پڑتی ہیں تو تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں اور ان سے بس سمجھئے دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن اس شدید گرمی کے بارے میں جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنے سے گلو خلاصی ہو جائے یہ کہاں ممکن ہے!

پانچواں خط

کشمیر جاتے ہوئے چھٹی منزل سے

دریائے چناب اور اُس کا پانی

صاحب من! کل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا سے جس کو "چناب" کہتے ہیں پار اُترا اس دریا کے لطیف اور عمدہ پانی سے جس کو بڑے بڑے اُمرا بجائے گنگا کے پانی کے جواب تک اُن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ساتھ تھا اپنے اپنے صرف کے لئے بھر رہے ہیں۔ مجھکو یہ اُمید ہوتی ہے کہ اس دریا کا منبع جدھر کو ہم جا رہے ہیں ہمیں تحت الثریٰ کو نہیں لے جائے گا بلکہ فی الواقع کشمیر کی طرف رہنمائی کرے گا۔ جس کی بابت سب لوگ مجھکو تسلی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور یخ کے سیر و تماشے سے تم خوش ہو جاؤ گے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اُتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ میں نے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جب کہ سب لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پُل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھُسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہو جانے کی توقع نہ تھی۔ اور میں نے جس غرض سے یہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہو گیا۔ یعنی یہ کہ ہم بلا دقت و تشویش پُل سے پار ہو گئے۔

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوئے ہیں ایسی پریشانی اور چقلش میں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دور اندیشی ہی اس امر کا باعث ہوئی کہ میں اس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑ جانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پُل کے دونوں سروں کا داخلہ چڑھنے اور اُترنے کے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھا جس کا سبب یہ تھا کہ داخلہ کی یہ گذرگاہ جسے "سلامی" کہتے ہیں۔ جس پر چڑھنا اور اُترنا امر ضروری ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بے شمار جانوروں کے پاؤں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بہہ جاتی تھی اور اسی وجہ سے بڑے بڑے گڈھے پڑ گئے تھے جن میں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے۔

اور لوگوں کے پاؤں تلے کچلے جاتے تھے اور اس پر طرہ یہ تھا کہ ہر طرف برابر دھکم دھکا اور گھوسنم گھاسنی ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو اُمرا کے ہم رکاب ہوتے ہیں! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کو پہنچانے کی خاطر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بے باکی سے ڈنڈے بازی کرتے ہیں۔ اس دریا پر ہمارے نواب کا بھی ایک اونٹ معہ لوہے کے تنور کے جو اُس پر لدا ہوا تھا ضائع ہو گیا ہے اور اب مجھکو یہ فکر ہے کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چھٹا خط

کشمیر کی آٹھویں منزل سے

گرمی کی شدت

شفقتِ من! ایک یوروپین شخص کا ایسی سخت گرمی کے تحمل پہ آمادہ ہو جانا اور ایسی ہولناک اور پُر تعب منازل اور سفر کے جھمیلوں میں پڑ جانا حیرت انگیز ہے اور خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی چیز ہے کہ جس کے سبب سے کوئی شخص خواہی نخواہی ان مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائے؟ افسوس کہ اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شوق کیا ہے ایک سخت حماقت و ناعاقبت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری جان ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرہ کی حالت میں ہے اور کچھ امید ہے تو صرف یہ ہے کہ شاید اس بُرائی میں کوئی بھلائی اور فائدہ بھی نکل آئے۔

جب میں لاہور میں تھا تو ایک بار رات کو سایہ کئے بغیر صحن میں چبوترے پر سو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شبنم اور سردی کے سبب سے سخت زکام اور اعضا کی دکھن میں مبتلا ہو گیا تھا (حالانکہ دہلی میں اس طرح سونے سے عموماً کچھ اندیشہ نہیں ہوتا) اور میری صحت خراب ہو گئی تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ پہر روز سے بے حد پسینہ آنے کی وجہ سے تمام فاسد رطوبتیں جسم سے خارج ہو گئی ہیں اور میرا اجلا بھنا اور مرجھایا ہوا جسم گویا پانی کی چھلنی بن گیا ہے۔ اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں بلکہ اُنگلیوں کے پوروں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے۔ چنانچہ آج میں نے دس گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا ہوگا۔ مگر ان سب آفتوں اور مصیبتوں میں یہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ جس قدر جی چاہے ہم اُسی قدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔

ساتواں خط

سفر کشمیر دسویں منزل صبح کے وقت

زیست سے ناامیدی

صاحب من! آفتاب اب تک اچھی طرح نکلا بھی نہیں مگر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس پر بھی گرمی کا یہ عالم ہے کہ اُٹھائی نہیں جاتی - بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہ حالت ہے کہ پتہ تک نہیں ہلتا - میرے گھوڑے بالکل تھک گئے ہیں - کیونکہ جس دن سے لاہور چھوڑا ہے ان غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا - میرے ہندوستانی نوکروں کو بھی باوجود اپنے کالے خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا - ہمارے چہرے اور پاؤں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کی طرح چبھتے ہیں - کل ہمارا ایک غریب سوار جس کے پاس ڈیرہ نہ تھا ایک درخت کے نیچے جس کے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا مُردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی دن میں تمام ہو جاؤں گا! اور میری ساری اُمیدیں یا تو اُن چار پانچ کاغذی نیبوؤں پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی پر جس کو میں پانی اور قند ملا کر ابھی پینے والا ہوں۔

اچھا تو خدا حافظ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوتی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔

اٹھوان خط

آگ کی بھٹی صاحب من! آخر کار ہم جھمبر میں آ پہنچے جو ایک اونچے اور سیاہ اور جھلسے ہوئے پہاڑ کے دامن میں ہے اور ہمارا خیمہ ایک خشک پہاڑی ندی کے بہاؤ میں پتھریلوں اور جلتی ہوئی ریت پر جس کو آگ کی بھٹی کہنا چاہیئے لگا ہوا ہے - اور اگر آج اتفاق سے ایک اچھا خاصا مینہ کا چھینٹا نہ پڑ جاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار میں نیبو دہی اور مرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اس بیچارے وقائع نگار کا کیا حال ہو جاتا - لیکن خدا کا شکر ہے کہ فی الحال تو ہوا کسی قدر سرد ہو گئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور قوت میں اضافہ معلوم ہوتا ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اس خط ہی کا لکھنا ہے! اب آپ کو نئی نئی منزلوں اور پیش آنے والی تکالیف سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ضرور مطلع کیا جائے گا۔

کل رات کو بادشاہ نے اس جگہ جہاں دم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اس کے ہمراہ روشن آرا بیگم اور محل کی اور بیگمیں اور راجہ رگھناتھ[1] جو وزیر کے فرائض انجام دیتا ہے اور فاضل خاں میر سامان اعلیٰ چلے گئے ہیں! اور اس سے پہلی رات کو بادشاہی میر شکار بھی کئی بڑے بڑے عہدہ داروں متعلقہ کارخانہ جات خاصہ شریفہ اور چند معزز خاتونوں کے ساتھ روانہ ہو گیا ہے آج رات ہماری باری ہے۔ اور ہمارے گروہ میں ہمارے نواب دانشمند خاں کے کنبے کے لوگوں کے سوا محمد امین خاں خلف میر جملہ جس کا بہت کچھ ذکر لکھا جا چکا ہے اور میر امعز دوست ویانت خاں اور اس کے دو بیٹے اور بہت سے اور اُمرا اور راجہ اور منصب دار شامل ہیں! اور اُمرا بھی جنھیں کشمیر چلنے کا حکم ہے۔ اسی طرح نوبت بہ نوبت روانہ ہوں گے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے بے آرامی اور ابتری کم ہو جائے۔

پہاڑ پر چڑھائی باقی اہلِ دربار جیسے فدائی خاں میر آتش (افسر اعلیٰ توپ خانہ) اور تین چار بڑے بڑے راجہ اور بہت سے اُمرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گذر جائے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محافظت کے واسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اس کے قرب وجوار میں مقیم رہیں گے۔ جن میں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریائے چناب کے کنارے لگا لیں گے اور بعض قریب اور گرد و نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جائیں گے اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہم رکاب بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائیں گے تاکہ کشمیر کی چھوٹی سی ولایت میں رسد وغیرہ کی طرف سے دقت عائد نہ ہو۔

بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آرا بیگم کی ہمدم اور سہیلیاں ہیں۔ یا وہ عورتیں جن کا ساتھ ہونا خدمات و سربراہی کے لئے ضروری ہے! امرا اور فوج کے لوگ بھی جہاں تک ممکن ہے کم ہی ہوں گے اور جن اُمرا کو ہمراہی کی اجازت

---

[1] اس بالیافت بڈھے ہندو وزیر نے اسی سفر میں انتقال کیا اور اس کے بعد یہی فاضل خاں وزیر ہوا تو وہ بھی صرف چند روز زندہ رہ کر اسی سفر میں بمقام کشمیر چل بسا۔ س۔ م۔ ح (از عالمگیر نامہ)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملی ہے اُن کے ساتھ اُن کے سواروں میں سے فی صدی پچیس سوار سے زیادہ نہ ہوں گے لیکن جو ضروری ملازم عہدہ داروں کے ذاتی کارخانہ جات پر مقرر ہیں وہ بہرحال ساتھ جائیں گے۔

ان قاعدوں کی بجاآوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر پہاڑ کے درّے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی آدمی کو شمار کرتا ہے اور اپنے انتیارات کے مطابق منصب داروں کی بھیڑ کو جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشتاق ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دکان داروں اور اہلِ بازار کو جو صرف کھانے کمانے کی خاطر آئے ہیں درّے میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بھی زنانی سواریوں اور باربرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ جانور بہت بھاری اور بڑے قدوقامت کے ہیں۔ لیکن نہایت ہی جانچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں اس طرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اُٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچریں بھی ہیں۔ لیکن اُونٹ جو بہت کارآمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں کیونکہ اُن کی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے لئے یہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں۔

باربرداری

اس لئے اُن کے عوض قلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے سُنا ہے کہ صرف اکیلے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور مطلوب ہیں تو اِس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ کس قدر مزدور درکار ہوں گے۔ چنانچہ مجھے اپنی ذاتِ خاص کے واسطے تین مزدور بہم پہنچانے ضروری ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا خیمہ اور بہت سا اسباب لاہور میں چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص نے بلکہ بڑے بڑے اُمرا اور خود بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب لگایا گیا ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار مزدور بھمبر میں جمع ہو چکے ہیں جو کچھ تو کشمیر کے صوبہ دار اور قرب وجوار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری کرنے کو چلے آتے ہیں اور بادشاہ کے حکم سے شرح اُجرت یہ قرار پائی ہے کہ سوا من یعنی پچاس سیر بوجھ کے واسطے پچیس ۲۵ روپے مزدوری دی جائے۔ اور شمار کیا گیا ہے کہ کوئی تیس ہزار مزدور اس وقت مطلوب ہیں۔ اور جب کہ بادشاہ اور اُمرا اپنا اپنا اسباب اور سوداگر اپنی سب قسم کی رسد وغیرہ ایک مہینے پہلے سے برابر بھیجتے رہے ہیں تو مزدوروں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی یہ تعداد نہایت ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

نواں خط

کشمیر جنت نظیر سے تین ماہ بعد

سرزمین کشمیر صاحب من! کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ میں یوں مندرج ہے کہ یہ تمام ملک اگلے زمانہ میں ایک بہت بڑی جھیل تھا جس کے پانی کو ایک بڈھے رشی نے جس کا نام کاشپ تھا اپنی کرامات سے بارہ مولا کے پہاڑ کو چیر کر نکال دیا۔

یہ حال اُس کتاب میں مل سکتا ہے جو جہانگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کر کے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جس کا میں آج کل ترجمہ کر رہا ہوں۔ بے شک میرا دل کبھی اس بات کے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہ حصہ زمین کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تھسّے لی[1] اور اور ملکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہ امر باور نہیں کر سکتا کہ یہ شگاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہ پہاڑ جس میں سے پانی کا گذر ہوا ہے بہت ہی لمبا چوڑا اور نہایت بلند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدرتی خلا میں جو سرنگ کی طرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدمہ سے جو اس ملک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اُس نواح کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ باب المندب بھی کسی زمانہ میں اسی طرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک غار میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جھیلیں بن گئیں۔

ولایتِ کشمیر کا طول و عرض بہرحال اب تو کشمیر جھیل نہیں ہے بلکہ ایک خوش نما ملک ہے جس میں بہت سی متفرق پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں۔ اور جس کا طول قریب تیس لیگ یعنی لوے میل انگریزی کے ہے اور عرض دس بارہ لیگ۔ ولایت کشمیر لاہور سے شمال کی طرف ملک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اس کی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبت

---

[1] ملک یونان کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔م۔ح تھسّے لی۔ تھس سے لی گئی

کے بادشاہ ہوں اور راجہ گوپال[1] کی عمل داریوں میں ہیں۔

جو پہاڑ کشمیر کے گرداگرد اور بہت ہی نزدیک ہیں اُن کی بلندی اوسط درجہ پر ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے مالا مال ہیں جن پر گائیں۔ بھیڑیں۔ بکریاں۔ گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔

مویشی، شکار اور شہد سب قسم کے شکار مثلاً تیتر۔ خرگوش اور سینگوں[2] والے ہرن اور کستورا ہرن بکثرت موجود ہیں اور شہد کی مہالیں بھی بافراط ہیں۔

برخلاف ہندوستان کے ایک عجیب اور نادر بات دیکھنے میں آتی ہے کہ یہاں موذی جانور مثلاً سانپ ریچھ۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کمیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور ان اوصاف کے باعث ان پہاڑوں کو صرف خوش نما اور بے ضرر اور بے خلش ہی نہیں کہنا چاہیے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا اُن میں دودھ اور شہد کی نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں۔ ان پہاڑوں سے پرلی طرف اور بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بلندیاں نظر آتی ہیں جن کی برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیاں بادلوں سے ہمیشہ زیادہ بلند اور اونچی اور گویا اولیمپس[3] کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

---

[1] گُرُدمَان

[2] فرنگستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے ہیں۔ اس لئے مصنف نے ہرن کے لفظ کے ساتھ سینگوں والے کا لفظ لکھا ہے ۔ س۔م۔ح

[3] یہ پہاڑ یوناں کے صوبہ تھسلی اور میسی ڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی خط پر واقع ہے اور مقدونیا کے میدان سے جو اس کے شمال میں اور خوش نما وادی ٹیمپ سے جو اس کے جنوب میں ہے نو ہزار سات سو چون فٹ اونچا اور آس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے۔ اور شاہ بلوط اور اخروٹ وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے۔ اس کا چٹان دار حصہ کچھ آگے بڑھکر بہت سی چوڑی چوڑی کھوؤں میں منقسم ہوگیا ہے اور اس کی چوڑی چوٹی برف کی سفید اور چمک دار چادر اوڑھے ہوئے گویا آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اولیمپس کی اس عظمت و شان کی وجہ سے قدیم یونانیوں نے اس کو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کیا تھا اور اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ اُن کا دیوتا جوو جوپٹر یعنی مشتری کا دوسرا نام ہے۔ اور جس کو اہل ہند کے معتقدات کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چشمے اور دریا ان سب پہاڑوں میں سے بے شمار چشمے اور نہریں بڑے زور شور سے جاری ہیں جو مصنوعی ذریعوں سے اس وادی کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر بھی پہنچا دی جاتی ہیں۔ اور اس طرح سے لوگ اپنے دھانوں کے کھیت بخوبی سینچ سکتے ہیں: اور یہ سب پانی اس دلچسپ ملک میں ہزاروں چشمے اور آبشاریں بن کر آخر کار خوبصورت اور کشتیوں کے چلنے کے لائق ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک فرانس میں دریائے "سین" ہے۔ یہ دریا تدریج اور آہستگی کے ساتھ اس ملک کے گرداگرد پیچ کھاتا اور یہاں کے شہر پائے تخت میں سے ہو کر چپ چاپ بارہ مولا کی طرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اس کو دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرج ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیدھی ڈھال پر گر کر شہر اٹک کے نزدیک دریائے اباسین سے آ ملتا ہے۔

سرسبزی اور شادابی بے شمار نہریں اور آب شار جو پہاڑوں سے جاری ہیں۔ وہ اس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شاداب رکھتے ہیں اور تمام ملک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک پھولا پھلا باغ معلوم ہوتا ہے اور اس خوش نما اور دل کش سرسبزی کے اندر کہیں تو گاؤں اور مزارعے دکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں ہری بھری چراگاہیں اور انگور۔ دھان۔ گیہوں۔ سن۔ زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جن میں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور نالے اور کسی جگہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لحاظ سے اس جگہ تمثیلاً اندر کہنا چاہیئے اسی پہاڑ پر بیٹھ کر آسمان کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنی بجلی کے آتشیں تیروں کو ادھر اُدھر پھینکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جس کو ولکن نے دیوتا نما یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنی زیر زمین کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا، اُس کے لئے یہاں بنایا تھا دیوتاؤں کو جمع کر کے بہا اور جگ رچایا کرتا تھا اور ایک راستہ سے جو اس آسمانی محل کے دیباتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جس کے دروازے پر نہایت گاڑھے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب چاہتا تھا اس جہاں کے اُس طرف چلا جایا کرتا تھا۔ یونان کے قدیم شاعروں نے اس پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سرسبز اور ہرے بھرے سایہ دار جنگلوں اپنی دھاروں اور کھوؤں اور سفید سفید چکیلی چوٹیوں کے سبب سے ایسا ہی قابل تعریف ہے۔ فقط ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ س۔م۔ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب اور دل فریب کیفیت دکھاتے ہیں اور زمین کی تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودوں سے بنا کار نظر آتی ہے۔ اور ہمارے ملک کے میووں سیب ناشپاتی۔ آلوچہ، خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جن میں بے شمار پھل لگے ہوئے ہیں۔ سارا علاقہ لدا ہوا ہے۔ خربوزہ تربوز اور ہمارے ولیں کی اکثر ترکاریاں مثل چقندر وغیرہ اور اور ساگ پات اور نباتات جن سے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغیچوں میں بکثرت ہیں۔

یہاں کے پھل ہمارے ملک کے میووں سے خوبی میں بلاشبہ کم ہیں اور نہ اتنی قسم ہی کے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں کی زمین کا قصور نہیں ہے بلکہ اس باعث کاشت کاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کی طرح فنِ زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنے کے نہر میں ماہر نہیں ہیں۔ بہرحال میں نے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوے بکثرت کھائے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ شجر کاری کو ترقی دیں اور اُن میں غیر ملکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی طرف ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر اور ڈل ملک کشمیر کے پائے تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اس کے گرد کوئی شہر پناہ نہیں ہے۔ اس کا طول دو میل سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل! شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جس کا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھ میل کے ہے۔ اور یہ پہاڑ نصف دائرہ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور خوش گوار پانی کے "ڈل" کے کنارے جس کا محیط بارہ یا پندرہ میل سے کم نہ ہوگا آباد ہے یہ ڈل اُن چشموں اور نالوں سے بن گیا ہے جو پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں۔ اور اس کا پانی بذریعہ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اُس دریا میں جا ملتا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر لکڑی کے دو پُل بنے ہوئے ہیں اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں۔ لیکن خوبصورت اور دو منزلے اور سہ منزلے ہیں۔

عمارتیں اگرچہ اس ملک میں ایک نہایت نفیس ریگ[1] دار پتھر بافراط موجود ہے اور چند

[1] اصل کتاب میں لفظ فری سٹون ہے۔ س م ح درے گ دار ا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پرانی عمارتیں اور ہندوؤں کے بہت سے پرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اس واسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو ارزاں ہے دوسرے یہ کہ پہاڑوں سے ان بے شمار ندی نالوں کے ذریعہ بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے بنتے چلے گئے ہیں۔ نہایت خوش نما چھوٹے چھوٹے باغیچے ہیں جو خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جب کہ عیش و نشاط کے بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت سی رہتی ہے۔

اس شہر کے اکثر مکانوں میں بھی باغ اور ایسی نہریں ہیں جن میں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالکِ مکان جب چاہتے ہیں سوار ہو کر ڈل کی سیر کر آتے ہیں۔

ہری پربت شہر کے پرے سرے پر ایک ایسا ٹیلہ نظر آتا ہے جو بالکل الگ ہے اور اس کی ڈھلانوں پر کئی خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک ایک باغ ہے اور اس کی چوٹی کی طرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جس کے ساتھ عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لئے عمدہ عمدہ حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ نہایت ہی دلچسپ منظر پیش کرتا ہے۔ اور ان سرسبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اس جگہ کا نام اس ملک کی زبان میں ہری پربت۔ یعنی سرسبز پہاڑ[1] مشہور ہے۔

تخت سلیمان اس پہاڑ کے مقابل ایک اور پہاڑ نظر آتا ہے اور اس پر بھی ایک چھوٹی سی مسجد معہ باغ کے بنی ہوئی ہے۔ ایک اور نہایت ہی قدیم

[1] یہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہرا پربت کہنا چاہیے۔ اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان کرپارام صاحب آنجہانی دیوان ریاست جموں و کشمیر مولف تاریخ موسوم بہ گلزار کشمیر نے اپنی اس کتاب مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں لکھی ہے یعنی یہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں ہاری تارک کو کہتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے پس اس پہاڑ پر تارکا دیوی کے متعدد کے ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام مشہور ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام باری پربت ہے۔ — س م ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اُس کا نام تختِ سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانوں کا یہ ادعا ہے کہ حضرت سلیمان نے بموقع سیر کشمیر اُس کو تعمیر کیا تھا۔ لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُس مشہور بادشاہ[1] نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس ملک کو مشرف کیا ہو اور میری رائے میں یہ لوگ اس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔

سرسبز ٹاپو کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش منظر ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روشیں بناتی ہوئی ہیں، جن پر عموماً دونوں جانب سے سفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کی موٹائی اگرچہ اس قدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا ہے مگر اونچائی میں جہاز کے مستول کے برابر ہیں اور اُن کی چوٹی پر کھجور کی طرح ڈالیوں اور پتوں کی چھتری ہے۔

خوش منظر پہاڑ جو پہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں اُن کی ڈھلانوں پر بے شمار گنجان مکانات اور پھلواری کے باغیچے بنے ہوتے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقعہ نہایت خوش نما اور دلچسپ ہے جابجا چشمے اور کولیں جاری ہیں۔ اور یہاں سے ڈل اور اُس کے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔

شالامار باغ ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالامار[2] ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع کے ذریعہ

---

[1] عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے ملہم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کی طرح اُن کو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں س م ح

[2] ٹیک چند بہار نے اس کا نام شالامار لکھا ہے اور اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ شالا اور مار سے مرکب ہے جو بمعنی خانہ اور قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہوگیا ہے اور اس کی سند میں مرزا عبدالغنی قبول کا یہ شعر لایا ہے ؎ زباغ زلف و رخ یار دادہ است فراغم کہ سنبل سہیش کم زشالہ مار نباشد۔ لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے جس کے دونوں کناروں پر گھاس جمائی ہے اور چنار کے درخت برابر دو رویہ نصب ہیں اور جس کا طول پانچ سو قدم کا ہے اور اسی میں سے ہو کر ایک ایسے مکان[1] میں جو خاص طور پر گرمی کے موسم کے لئے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں اس نہر کے علاوہ ایک اور نہر جو اس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچاتی ہے اس دوسری نہر میں بڑے بڑے رتیلے قسم کے پتھروں کا فرش ہے اُس کے ڈھلواں کنارے بھی اُسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں ۔ اس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے جن کے باہم پندرہ پندرہ قدم کا فاصلہ ہے اور اُن کے علاوہ ادھر اُدھر بڑے بڑے گول حوض ہیں ۔ جن میں مختلف شکل و صورت کے فوارے چھوٹتے ہیں ۔ یہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں ۔ اس لئے اُن کے اردگرد پانی بہتا رہتا ہے اور اُن کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے بڑے درختوں کی لگی ہوئی ہیں ۔ یہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرداگرد غلام گردش ہے اور ان کے دروازے جو چار چار ہیں اُن میں سے ایک ایک دروازہ تو دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے اُن پُلوں کے رخ جن پر سے ہو کر کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں ۔ ان میں سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ : باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہرا یہ ترکیب قواعد زبانِ سنسکرت کے بھی خلاف معمول ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مارشالا ہونا چاہیئے تھا ۔ جیسے دھرم شالا ۔ پاٹ شالا گودشالا وغیرہ ۔ اصل یہ ہے کہ یہ صرف اُس جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرھویں سال جلوس میں شاہجہاں نے باپ کی فرمائش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اُس کا نام شالامار پڑ گیا تھا ۔ جس کو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا ۔ چنانچہ تزک جہانگیری اور شاہجہاں نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے صفحہ دو سو دس[21] پر شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اُس کے ایک فقرے سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے " و باغ فرح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالما ابد دولت و اقبال ۔ ایام فرخندہ جام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم " س ۔ م ۔ ح

[1] اصل کتاب میں لفظ سمر ہوس ہے ۔ (س م ر ہ و س)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن میں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور منقش کام بنا ہوا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر نہایت خوش خط فارسی قلم میں فقرات وغیرہ لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے چاروں دروازے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب اور نایاب بڑے بڑے قطعات سے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو ازبس خوش نما ہیں قائم ہے۔ یہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر سے جس کو شاہجہاں نے منہدم کرا دیا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے اُن کی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن عقیق اور سنگ مرمر کی تمام قسموں سے کہیں بڑھکر ہے۔

کشمیر میری نظر میں

مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں کشمیر پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی سیر سے پہلے اس کی خوبصورتی اور خوش نمائی کی نسبت میرے تخیلات اور تصورات جس قدر اونچے تھے یہ اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر سرسبز و دل فریب ہے اور غالباً تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جس کا طول و عرض اتنا ہی ہو اس کی خوبیوں کو نہیں پہنچتا! اور حق یہ ہے کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے کیونکہ اگلے زمانہ میں یہ اعجوبہ روزگار بڑے بڑے اولوالعزم راجاؤں کا تخت گاہ تھا اور تمام گرد و نواح کے کوہستان بلکہ تاتار اور کل ہندوستان جزیرہ سراندیپ تک اُس کی حکومت میں داخل تھا اور یہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں ہے کہ سلاطینِ مغلیہ اس کو بہشت ہند (یعنی کشمیر جنت نظیر) کہتے ہیں۔ اور محل تعجب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر متواتر اتنا سرگرم رہا کہ اُس نے یہ ملک وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ سے کسی نہ کسی طرح آخر چھین ہی لیا۔ اور اُس کا بیٹا جہانگیر تو اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہو گیا تھا کہ اُس نے کشمیر کو اپنی دل پسند آرام گاہ مقرر کر لیا تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اس عظیم الشان سلطنت کا سارا ملک اگر ہاتھ سے نکل جائے اتنا رنج نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا۔

ایک مشاعرہ

ایک مشاعرہ جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعرا کشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا میں نے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیر پہنچتے ہی اورنگ زیب کے حضور میں شعرائے مذکور نے کشمیر کی تعریف و توصیف میں قصائد پیش کئے جن کو بادشاہ نے قبول فرما کر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرمائے۔ ان قصائد میں حد سے بڑھکر غلو اور مبالغے کئے گئے تھے۔ اور مجھکو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرداگرد کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان کیا تھا کہ "اُن کی عجیب بلندی ہی نے ان آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اس مقدس شکل کا بنا دیا ہے" اور یہ کہ "خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اس ملک کے پیدا کرنے پر ختم اور خرچ کر چکا اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہ حصار بنا کر اس ملک کو دشمن کی فوج کے حملہ سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روئے زمین کے ملکوں کی ملکہ ہے۔ اس لئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ کامل امن اور چین کی حالت میں بغیر کسی کی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کر سکے" شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ "جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُن کی چوٹیاں سفید اور چمک دار پوشاک سے آراستہ کی گئی ہیں۔ اور جو چھوٹے چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمک دار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبا ہے۔ جس کی کلغی کے ہیروں کی کرنیں زمرد میں نمودار ہوں، جب ہمارے نواب صاحب نے اِس شاعر کے ان نتائج طبع کو میری تفریح خاطر کے لئے مجھے دکھلایا تو میں نے کہا کہ "یہ شاعر اگر اپنے مضمون کو یہاں تک اور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور ممالک غرب و جوار کو (جن سے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری[1] نگر مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا (کیونکہ اکثر ادعا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ ملک کشمیر کے باج گزار تھے) اور اس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہ کہتا کہ دریائے گنگا اور سندھ اور چناب اور جمنا (جو خوبی اور عظمت میں دریائے جیحون وغیرہ سے جن کا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں) مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضائقہ نہ تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے[2]۔

---

[1] یہاں وہ سری نگر مراد ہے جہاں سلیمان شکوہ نے پناہ لی تھی۔ س۔م۔ح

[2] شاعر کا یہ شعر کہ ؎ اگر فردوس بر روئے زمین است۔ ہمین است ہمین است و ہمین است کشمیر کے خوب حسب حال ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیریوں کی خصوصیات کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں۔ اور شاعری اور فضائل علمیہ میں بھی ایرانیوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہ لوگ محنتی اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور خوبصورت اشیا کے بنانے میں ان کی کاریگری جیسے پالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان چمچے وغیرہ فی الواقع قابلِ تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں برتی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جما کر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہوبہو نقل اُتارتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی۔

کشمیری شال لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور جس نے خاص کر وہاں کی سوداگری کو چمکا کر کشمیر کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے وہ شال[1] ہے جس کو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ اور جن کی کثرت کے باعث اُن کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک کبھی بے شغل نہیں رہتے۔ ان شالوں کا طول قریب ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اس کے دونوں پلوں پہ بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈے پر جس کا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بناتے جاتے ہیں۔ مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب ان شالوں کو جاڑوں میں بطور رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنے جسم پر ڈالے رہتے ہیں۔ شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اُون کی جو بکرے اسپین کی پشم سے زیادہ نفیس اور ملائم ہوتی ہے دوسرے اُس پشم کی جس کو توز[2] کہا جاتا ہے

---

[1] آج کل کے زمانہ میں انگریزی سادے کپڑوں کے رواج پا جانے کے سبب سے ہندوستان میں عموماً شال کی پوشش بہت کم ہو گئی ہے اور اگرچہ اب سے دس پندرہ برس پیشتر کشمیر کی عمدہ شالیں فرانس کو بکثرت جاتی تھیں لیکن اب وہاں بھی انقلابات کے باعث اس کی مانگ بہت کم ہو گئی ہے جس سے بیچارے کشمیر کے شال باف بہت مفلس ہو گئے ہیں ——— س۔م۔ع

[2] ایک کشمیری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تبت کی طرف سے جو پشم آتی ہے اُس کو تبتی لوگ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور جس کی ملائمت اور نفاست کو بیور یعنی سگ آبی کی پوستین کبھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

کشمیری اُون کے ریشے سے توز کی شالیں زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو امرا کے واسطے فرمایشی تیار ہوئی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی۔ اور کشمیری اون کی شال میں نے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتے نہیں سُنی۔

شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوا نہ دی جائے تو بہت جلد کیڑا لگ جاتا ہے۔ ہرچند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانے کے واسطے بڑی بڑی کوششیں عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور عمدہ بافت نصیب نہ ہوئی۔ اور شاید یہ اُس ملک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جس کے باعث کشمیری ریشے کو یہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ مچھلی پٹن کی چھینٹوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جن کو ہاتھ سے چھاپتے ہیں اور جو ہر دھلائی میں اور عمدہ نکل آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں۔

حُسنِ کشمیر کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے لئے اہل فرنگ کی طرح ضرب المثل ہیں اور نہ تو تاتاریوں کی طرح اُن کی ناک چپٹی ہوتی ہے اور نہ سور کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تبت کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اول ہی اوّل سلطنت مغلیہ میں آکر اُمرا دربار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اسی ملک سے اپنے لئے بیوی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ تو سا، کہتے ہیں جس کو اصل کتاب کے مصنف یا غالباً مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق زیڈ یعنی زے کے ساتھ لکھدیا ہے۔ س۔م۔ح (توز) ت وز

لہ ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لائق نہیں سمجھی جاتی اور فرمایشی شالیں تو ایک ہزار سے لے کر دو ڈھائی ہزار روپیہ تک کی قیمت کی بھی بن سکتی ہیں۔ مگر عموماً معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لے کر سات آٹھ سو تک ہے۔ پس اس وقت اور اُس وقت کی قیمت میں جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہ ہو کہ اُس وقت ایسا عمدہ اور باریک کام نہ بنتا ہوگا یا یہ سبب ہو کہ اُس وقت کی بہ نسبت چاندی کی قیمت تقاسہ کم ہوگئی ہے س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُس کی اولاد بہ نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں محسوب ہو سکے۔ اور جب کہ بازار میں اور دُکانوں پر ادنیٰ اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے۔

تاک جھانک قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں نے بھی اُسی طرح کا ذرا سا کمر کیا تھا جیسے کہ مغل لوگ اکثر تاک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ بہ نسبت تمام ہندوستان کے اُس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافتِ اندام میں اُن کی شہرت بجا ہے۔ چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا خصوصاً ایک ایسے ہاتھی کے پیچھے جس پر حجول اور سامان بہت زیادہ مکلف پڑا ہوا تھا اس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائے گا کیونکہ وہاں کی مستورات اُن نقرئی گھنٹوں کی آواز سنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکائے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

شوق دیدار پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا مگر آخر کار جب اس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق ان کے دیکھنے کا اُس شہر کے ایک مشہور بڈھے ملاّ نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرتا تھا مجھے سکھلایا تو میں نے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اُس پر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اُس کے ساتھ پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جا سکتا تھا گیا۔ ان سب گھروں میں مجھے اُس نے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایران سے آیا ہے اور بڑا متمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور جونہی ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً ہی اپنے بال بچوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ جاتا تھا اور اس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری، کیا بڈھی کیا جوان نہ صرف مٹھائی لینے کی خاطر بلکہ اس غرض سے بھی کہ میں اُن کو دیکھ لوں میرے گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سا روپیہ خرچ ہوا مگر اس تدبیر سے مجھے کوئی شک نہ رہا کہ حقیقتاً کشمیر میں ویسا ہی حسن ہے جیسا کہ تمام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فرنگستان میں۔

دلچسپ کوہستانی سفر اب مجھکو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رہ گئی ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کوہستان کے اندر مجھے کرنا پڑا اور جو مجھے اپنے اس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیے تھا۔ اس کیفیت میں کچھ حقائق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب وجوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کرکے بہم پہنچاتے ہیں۔ پس اب بھمبر سے راستہ کا حال سنئے کہ جونہی ہم اُس ہولناک دیوار عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مراد بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سیاہ پہاڑ ہے تو ہم کو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات اپنے آپ کو منطقہ حارّہ معتدلہ میں پاکر متعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان میں پہنچ گیا ہوں۔ جن پہاڑوں میں سے ہوکر ہمارا گذر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہو رہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ۔ اور ضمران[1] اور روز میری قسم کا گلاب نہ تھا۔ اور گویا میں خود کو آورن[2] کے پہاڑوں میں پاتا تھا جن میں صنوبر۔ بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں اور اس سیرگاہ اور ہندوستان کے جلتے تپتے میدانوں میں جن کو ہم ابھی چھوڑ کر آئے تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی ایک نہایت بیّن فرق معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توجہ خصوصاً اس پہاڑ کی طرف تھی جو کوہ بھمبر سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جس کے دونوں ڈھال مختلف قسم کے درختوں سے لدے ہوئے تھے۔ یعنی جو طرف جنوب روبہ اور ہندوستان کی جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں قسم کے اشجار کھڑے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف فرنگستانی درختوں اور نباتات سے بھرے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف تو ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت برابر ملی ہے اور دوسری جانب (بلاشبہ زیادہ اعتدال کے) صرف فرنگستان کی سی آب و ہوا ہے۔ راستہ میں میں اس حال کو دیکھکر بھی نہایت متعجب ہوا کہ ادھر تو بے شمار درخت کھوہوں اور غاروں میں جہاں

---

[1] ضمران ایک قسم نازبو کی ہے۔ س۔م۔ع

[2] فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔م۔ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انسان کو کبھی جانے کی بھی جرأت نہیں ہوتی۔ نیچے اوپر پڑے ہوئے سڑ گل کر خاک ہو رہے ہیں اور اُدھر اس طرح بے حد درخت اور نئے نئے پودے اُن کی قائم مقامی اختیار کرنے کے لئے بڑی خوش نمائی سے سرسبزی اور شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں! میں نے بعض جگہ جلے ہوئے درخت بھی دیکھے مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر بجلی گری تھی یا ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ لانے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز و تند ہوا کے چلنے سے درختوں میں یہ حالت اکثر واقع ہو جاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک اور پرانے ہو کر اُن میں خود بخود آگ لگ اٹھتی تھی۔

حیرت انگیز آبشار

خوش نما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتے ہیں۔ سیر و تفریح کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے خصوصاً ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے میں نے اُس کو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر کچھ فاصلہ سے دیکھا

کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے آکر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتہً ایک بڑی سیدھی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان سُن ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ جہاں گیر نے اس آبشار کے متصل ایک پہاڑ کو ہموار کرا کر اُس پر ایک عالی شان عمارت تعمیر کرا دی ہے تاکہ اہلِ دربار اس حیرت افزا تماشۂ قدرت کو وہاں سے بآرام بیٹھ کر ملاحظہ کر سکیں — اس آبشار اور اُن درختوں سے جن کا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کہنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سن کہنا شاید بے جا نہیں ہے۔

دردناک حادثہ

اس جگہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تماشے کا لطف بالکل منغض ہو گیا۔ بادشاہ اس وقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑھائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور جہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آتی تھی جن پر عماریوں اور میکھڈنبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب سے اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ کی بلندی اور درازی سے خوف کھا کر پیچھے کو ہٹا اور اُس ہاتھی پر آن گرا جو اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسی طرح پندرہ ہاتھیوں کے ایک دوسرے پر گر پڑنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی نوبت پہنچ گئی۔ اور اب نہ تو وہ گھوم ہی سکتے تھے اور نہ دائیں بائیں حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ اور ڈھلواں راستے سے اپنے آپ کو نکال لیں اور آخر بے خود ہو کر نیچے جا گرے۔ مگر جس مقام پر یہ ہاتھی گرے تھے خوش قسمتی سے وہ جگہ چنداں بلند نہ تھی اس لیے صرف تین یا چار ہی عورتوں کی جان تلف ہوئی۔ لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی کوئی صورت نہ نکلی۔ یہ جانور جب کبھی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُس پر لادتے ہیں دب کر بیٹھ جاتا ہے تو پھر اچھے راستہ پر بھی نہیں اُٹھ سکتا پس ایسی خراب جگہ میں کس طرح اُٹھتے۔ چنانچہ جب ہم دو روز بعد پھر اُسی راستہ سے گذرے تو ہم نے دیکھا کہ بیچارے کئی ہاتھی اب تک پڑے ہوئے اپنی سونڈیں ہلا رہے تھے۔ اُس فوج کو جو چار دن سے قطار باندھ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی تھی اس حادثے کے باعث سخت تکلیف اٹھانی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی ماندہ دن اور تمام اگلی رات بیگمات کی جان بچانے اور اسباب سنبھالنے میں گذرے اور اتنی دیر تک سپاہ کو مجبوری اُسی جگہ ٹھہرنا پڑا اور اس سبب سے ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ گویا بندھا کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سے مقامات ایسے تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ناممکن تھا اور قلی جن کے پاس خیمے اور رسد تھی وہ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر حسب معمول خوش قسمتی میرے ساتھ تھی۔ میں راستہ سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہ جا چڑھا کہ جہاں میں نے اور میرے گھوڑے نے بآرام وقت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے نوکر کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

بچھو کا منتر

مجھکو یاد ہے کہ اُسی جگہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے سے ایک بڑا سیاہ بچھو نکل آیا جس کو ایک نوجوان مغل نے جو میری جان پہچان میں سے تھا اُسے اٹھا کر اپنی مٹھی میں دبا لیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اُس نوجوان سوار نے اس کا باعث یہ بیان کیا کہ میں نے اس پر قرآن کی ایک آیت پڑھکر پھونک دی ہے۔ اور اکثر بچھوؤں پر میں اسی طرح پڑھکر پھونک دیتا ہوں مگر مجھے اُس آیت کے سکھلانے سے انکار کرنے کی اُس نے یہ وجہ بیان کی کہ اُس کی تاثیر اُس سے منتقل ہو کر میرے وجود میں آجائے گی جیسا کہ بقول اُس کے اُس کے اُستاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُس نے اُس نوجوان کو یہ عمل سکھلایا تو فوراً اُس کی تاثیر اُستاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پیر پنجال کے عجائبات

جب ہم پیر پنجال پر سے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی و سردی کا اتصال

ایک تو یہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ بہت سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوتے جاتے تھے۔ لیکن چوٹی پر پہنچتے ہی ہم نے اپنے تئیں جمی ہوئی برف کے اندر پایا جس کو کاٹ کر لشکر کے گذر کے واسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف خفیف برفانی بارش بھی ہو رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا ایسی تندی کے ساتھ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی لوگ جن میں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اٹھائی تھی پہلے ہی پہل اُس برف کو دیکھکر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) دو مخالف ہوائیں

دوسری یہ کہ صرف دو سو قدم کی مسافت کے اندر ہی دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی یعنی چڑھائی کے وقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اُتار کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کی طرف سے چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اٹھکر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہو کر اُس ہوا کی پیدائش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے اور اُتار کے دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہو جاتی ہے تو اوپر کی ثقیل ہوا اُس کی جگہ لینے کو نیچے اُتر آتی ہے اور یہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

پیر پنجال کا درویش

تیسری یہ کہ اُس پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمر رسیدہ درویش کو دیکھا جو جہانگیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اُس کے مذہب سے تو کسی کو کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں عجیب عجیب طرح کی گرج۔ طوفان۔ برف۔ اولے۔ اور مینھ پیدا ہو جاتا ہے اُس کی سفید اور اُلجھی ہوئی ڈاڑھی بہت گھن دار اور لمبی تھی اور چہرے سے کچھ وحشت اور بد مزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑ پن سے مانگتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا اور لوگوں کو اُن مٹی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا جو ایک بڑے سے پتھر پر اُس نے بطور قطار کے چنے ہوئے تھے اور ہاتھ سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نہ کرو جلد اُتر جاؤ اور جو لوگ کچھ غل مچاتے تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا۔ مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا پہنچا اور مودب طور پر اُس کے ہاتھ پر ایک اٹھنی رکھکر اُس کا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ یہاں شور وغل مچانے سے ہوا اور مینہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اور کہا یہ اورنگ زیب کی دانائی ہے جو اُس نے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ اُتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اس کا باپ شاہجہاں بھی ایسے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا۔ مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو ہنسی میں اڑا کر باوجود ہماری تاکیدی ممانعت کے نقارے اور نفیریاں بجانے کا حکم دے دیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھرا کہ ہلاک ہوتے ہوتے بچ گیا۔

چشموں کی سیر

اب میں آپ کی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اس ملک کے مختلف حصوں میں کی ہے۔ شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دانشمند خاں نے مجھکو اس ملک کی پرلی حد تک بھیجا جو دارالحکومت سے ہلکی سی تین منزل ہے تاکہ میں اُن عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمے سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کے واسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

سوندبراری

عجائبات یہ ہیں کہ ماہ مئی میں جس وقت برف پگھلنے لگتی ہے پندرہ روز تک یہ چشمہ فوارہ کی طرح برابر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند ہو جاتا ہے۔ اکثر پون گھنٹہ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض کے بھر دینے کو جو دس بارہ ... ذراعیسی فٹ عمق اور اسی قدر طول و عرض رکھتا ہے کافی سے زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گذر جاتے ہیں تو پانی کی آمد کسی قدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آجاتا ہے اور ایک مہینہ گذرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل اور چشموں کے بلا انقطاع اور بلا اندازہ جاری رہتا ہے۔ اس حوض کے کنارے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوؤں کا ایک مندر ہے جو برار دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اُس کو سوندھ براری یعنی آب برار کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اس مندر پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اس معجز نما اور پوتر پانی سے اشنان کریں۔ اس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی وجہ سے اُن کا بیان چنداں دلچسپ نہ ہوگا۔ پانچ چھ روز جو مجھکو ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو میں اس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کرتا رہا چنانچہ میں نے اُس پہاڑ کو جس کے دامن میں یہ عجیب چشمہ نکلتا ہے بغور ملاحظہ کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اُس کی چوٹی پر پہنچ کر اس کے چپے چپے کو چھان مارا۔ اُس کا طول شمال سے جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہے مگر تاہم سب سے بالکل جُدا ہے اُس کی ہیئت گدھے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر غرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہوگا اس کی ایک طرف شمال رویہ ہے جس پر سبز گھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہو جانے کی وجہ سے اُس پر دھوپ نہیں آتی۔ اور غربی جانب درختوں اور نباتات سے پُر ہے۔ پس یہ حالات دیکھکر میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارتِ آفتاب اس کے موقعہ کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے مل کر اس عجوبگی کو پیدا کرتی ہے اور اس بنا پر میں نے اپنی یہ رائے قائم کی کہ جاڑے کے موسم میں جب کہ تمام زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی پہاڑ کے اندرونی حصوں میں رس کر اور منجمد ہو کر اُسی طرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصہ گرم ہو جاتا ہے جس پر سب سے پہلے دھوپ آتی ہے تو وہ پانی پگھل کر پہاڑ کی درازوں میں سے دوپہر کے وقت چشمہ کی جگہ پھوٹ نکلتا ہے اور جس وقت وہ مقام جو صبح کی دھوپ سے گرم ہوا تھا آفتاب کے بلند ہو جانے کے باعث سرد ہو جاتا ہے تو اُس جگہ سے پانی کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کے وقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُس کے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کی دوسرے حصہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے اُنھیں پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بہنے لگتا ہے۔ پھر جب آفتاب کی دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وقت پانی نکلنے کا باعث ہے۔ مگر اس دفعہ جو پانی چشمہ سے آہستگی کے ساتھ نکلتا ہے اُس کا باعث یہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ کے منہ سے کسی قدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ کثرتِ اشجار کی وجہ سے تمازتِ آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے یا فقط رات کی سردی اُس کا سبب ہے کہ جس کے باعث پانی کی روانی کسی قدر سُست ہو جاتی ہے۔

میرے ان دلائل کو اس بات پر غور کرنے سے تائید پہنچتی ہے کہ پہلے دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹ کر بالکل بند ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی دراڑوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا علاوہ بریں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل غیر معین طور پر ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی نسبت زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر کے کثیر المقدار ہوتا ہے جس کا سبب ظاہر ہے یعنی یہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب دھوپ کی حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کے بہاؤ میں کمی اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔

جوشندہ چشمہ سوندھ براری سے واپسی کے وقت میں شاہراہ سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھ پل کی بھی سیر کرتا چلوں! یہ جگہ شہر کشمیر کے ملحقات میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہانِ مغلیہ کی سیرگاہ ہے جو چیز کہ خصوصیت سے اس جگہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ چشمہ ہے جس کا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہو کر اُس مکان کے گرد اور کُل باغ میں گھوم جاتا ہے اور خالی از لطف نہیں۔ اس چشمہ سے پانی اس شدت سے اُچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اُس کو دریا کہنا چاہیئے نہ کہ چشمہ۔ اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سرد ہے یہ باغ بہت خوبصورت ہے اُس کی روشیں نہایت اسلوب سے بنی ہوئی ہیں۔ اور میوہ دار درختوں، مثل سیب، ناشپاتی آلوچہ اور زرد آلو سے بھرا ہوا ہے۔ فوارے مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں کے رکھنے کے لئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں۔ اس جگہ ایک آبشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تین یا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چالیس قدم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بن جاتی ہے۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کے وقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدہا چراغ روشن کر دیئے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

طلائی مچھلیاں

اچھ بل سے چل کر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا وہ بھی ایسا ہی آراستہ ہے اور اس باغ کے حوض کی مچھلیاں آدمیوں سے ایسی مانوس ہیں کہ بلانے یا روٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جبڑوں میں سونے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جن پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بالے نور محل (نورجہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہناتے تھے۔

بارہ مولا کا مقبرہ

جب میں نے واپس آکر سوندہ براری کے حالات دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُن کو سن کر خوش ہوئے۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے ایک اور طرف جانے کی فرمائش کی تاکہ میں بھی اُس عجیب امر کی تصدیق کروں جس کو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت کرامت سمجھتے تھے اور اُن کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اُسے دیکھکر مسلمان ہو جاؤں گا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ "آپ ذرا بارہ مولا تک ہو آیئے جس کا فاصلہ سوندہ براری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں ایک مقبرہ ہے جس میں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر اُن کی کرامت سے اب تک بیمار اور ناتوان لوگوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ نہ مانیں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اور کرشمہ ظہور میں آتا ہے جس کو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم ہی کرنا پڑتا ہے یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مدور سل پڑی ہے جس کو نہایت طاقتور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حق میں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی انگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھا لیا" میں نے اس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کر لیا اور اپنے دونوں پہلے رفیقوں کے ساتھ چل دیا۔

بارہ مولا کو میں نے ایک فرحت بخش جگہ پایا۔ اور اگرچہ مقبرہ کی مکانیت کچھ بڑی قیمت اور لاگت کی نہ تھی مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلف سے آراستہ تھی۔ اور اُس کے چاروں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار ہیں اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچی خانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگیں گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے میں نے فوراً تاڑ لیا کہ بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانے کے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور یہی اُن کی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں۔ مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور مجاوروں کے حجرے ہیں جنھوں نے اپنے پیر کی مقدس کرامتوں کے اظہار کو اپنی گذران کے لئے ایک بے خلش حیلہ بنا رکھا ہے اور اُس کی کرامتیں اور محامد اور مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں پس جب تک میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُس کے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال سنئے جو مجھے مسلمان بنانے والی تھی۔ میں نے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُس کے گرد حلقہ باندھ لیا مگر اُن کی نیچی نیچی قباؤں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اُٹھاتے تھے بڑی دقت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُن کی سب مکاری اور ہاتھ کی صفائی معلوم ہوگئی اور اگرچہ یہ لوگ بڑی شدومد سے ادعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی انگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ سارا زور لگائے بغیر وہ زمین سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مجاوروں نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی انگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے انگوٹھے بھی لگائے تھے مگر باایں ہمہ میں بھی اُن کے اور اُن کے طرف داروں کے ساتھ جو "لفظ کرامت کرامت" پکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ ہوگیا۔ پھر میں نے اُن کو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدت مندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایک دفعہ اس مقدس پتھر کے اٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرلوں۔ یہ لوگ پہلے تو متامل ہوئے مگر جب میں نے ایک روپیہ اور نذر کیا اور کرامت کی سچائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہ دیدی۔ کیونکہ اُن کو یقیناً یہ اُمید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اس پتھر کو اٹھالیں گے خواہ میں اپنی انگلی کی صرف ایک پور لگانے کے سوا اُس کے اُٹھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دینے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں۔ اور اُن کو یہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاکی کے ساتھ اُس کے اُٹھا لینے کا انتظام کریں گے کہ مجھکو اُن کا فریب معلوم نہ ہو سکے گا۔ مگر جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ پتھر جس کو میں بجز اپنی انگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادم ہوتے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزور تھامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اُس کو بڑی مشکل کے ساتھ اُس کی معمولی بلندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ یہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے خطرے میں پڑنے کے باعث خود پتھر بن جانے کی سزا کے لائق ہے تو میں نے مناسب جان کر پھر "لفظ کرامت کرامت" پکارنے میں اُن کا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک تیسرا روپیہ اُن کی طرف اور ڈال کر اُس اژدھام سے جھٹ پٹ آنکھ بچا کر نکل آیا۔ اور اگرچہ صبح سے میں نے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا۔ مگر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیر صاحب اور اُن کی کرامت کو ابدالآباد تک وہیں چھوڑ آیا۔ اس جگہ کی آمد و رفت سے یہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جن کے درمیان سے تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور چشموں کا پانی ایک دریا بن کر نکلتا ہے۔ اور جس کا اشارہ میں اس خط کے شروع میں کر چکا ہوں۔

تیرتا ہوا مکان

میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہو کر ایک بڑی جھیل کی طرف چلا گیا جو معمولی شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی۔ اس جھیل میں مچھلیوں اور خصوصاً ماراہی کی بڑی کثرت ہے اور مُرغابیاں اور راج ہنس اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اس جگہ شکار کھیلنے اکثر آتا ہے اور اُس وقت پرندوں کی اس جگہ نہایت کثرت ہوتی ہے اس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغیچہ اور حجرہ ہے جس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے مدت العمر اسی میں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ اُن ہزاروں مہمل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند پُرکار اور مضبوط شہتیروں کو باہم جوڑ کر اُن پر ایک حجرہ تعمیر کروایا تھا میں اپنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا۔ وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اس جھیل کے وسط میں ہوکر گذرتا ہے۔

اُترتا چڑھتا چشمہ اس جھیل سے چل کر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جس کو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے۔ یہ چشمہ بلبلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھ اُبلتا اور کسی قدر زور سے تھوڑا سا بلند ہوتا جاتا ہے! اس کے پانی میں کسی قدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوئی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھکر پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھاتا اور ریگ کا اوپر کو چڑھنا تھم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور ریگ اوپر کو چڑھکر نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس چشمہ کا یہ حرکت اور سکون اسی طرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے۔ سب سے زیادہ عجیب امر جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ بولنے سے ہو خواہ زمین پر پاؤں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا اُس کے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے۔ میں نے دریافت کر لیا کہ اُس میں نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پاؤں مارنے سے بلکہ اُس کی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے! اور چونکہ میں نے اس کے اصل سبب کی نسبت بخوبی غور نہیں کیا۔ اس لئے آپ کی خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں لکھ سکتا مگر شاید یہ سبب ہو کہ ریت اپنے ثقل طبعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کر کے پانی کے اُچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لئے پھر زور کرتا ہے۔ یا لبطن غالب شاید یہ ہو کہ جو ہوا اس کے مجرا میں بھری ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ بہ لمحہ اوپر کو چڑھتی ہے جیسے کہ عموماً فواروں میں یہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے۔

برفانی جھیل جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور وسیع جھیل کے دیکھنے کو پہاڑ پر چڑھے جس میں گرمی کے موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کی طرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔

سنگ سفید کے پُر بہار پھول اس کے بعد ہم اُس مقام سے ہوکر گذرے جس کو سنگ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سفید بولتے ہیں۔ یہ جگہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے۔

(۱) ایک یہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب آدمیوں کا زیادہ اژدحام ہوتا ہے اور وہ شور و غل مچا کر ہوا میں حرکت پیدا کرتے ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گذرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اُس نے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کے واسطے احکام بھی جاری کر دیئے تھے مگر پھر بھی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُس کے تمام ہمراہی ہلاکت کے خطرے میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سُن کر آپ اس بڈھے فقیر کی گفتگو یاد فرمائیں گے جو کوہ پیر پنجال پر مجھ سے ہوئی تھی۔

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اس میں عجیب عجیب طرح کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں۔ مگر اتنے میں میرے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب، میری بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکرمند اور متردد ہیں اس لئے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

قرب و جوار کے پہاڑی ملک جب سے میں یہاں آیا ہوں ہر چند میرے خیالات اسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی ہم شوق اور ہم خیال شخص نہیں ملا اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جس کو کاوش اور تلاش ہو اور اُن امور سے واقفیت رکھتا ہو جن کو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب و جوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دے سکتا ہوں۔ مگر بہرحال جو کچھ میں نے دریافت کیا ہے آپ کو لکھتا ہوں، وہ تاجر لوگ جو شال بنانے کی عمدہ پشم کے جمع کرنے کے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو اب بھی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جس کے سالانہ خراج میں صرف اُون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن و جمال اور پاک دامنی اور دست کاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آگے بڑھکر ایک اور علاقہ ہے جس کی وادی بہت خوش نما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زرد آلو اور نفیس خربوزہ اور انگور (جس سے عمدہ شراب بنتی ہے) کثرت سے ہوتا ہے اور اس کا خراج بھی چمڑے اور اُن ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوجاتا ہے کہ اس کے باشندے اپنے ملک کی دشوار گذاری کے بھروسہ پر ادائے خراج سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن سرکاری فوج ہمیشہ جاکر پھر مطیع کرلیتی ہے۔ سوداگر لوگوں سے میں یہ بھی سُنتا ہوں کہ دُور دور کے پہاڑوں میں جو اب کشمیر کے باج گذار نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوش نما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سرخ و سفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُنس رکھتے ہیں کہ کبھی شاذ و نادر ہی باہر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک تحقیق ہوا ہے ان کا کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھکر کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوئے مجھ سے ایک بڈھے نیک مرد نے کہ جس نے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگان کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہ بڈھا بچ کر اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کوہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخر کار وہ ایک خوش نما چھوٹے سے ضلع میں جا نکلا جہاں اُس کے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیش کش اور نذرانوں کے انبار لگا دیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس التجا سے لے کر حاضر ہوئے کہ آپ ان میں سے کسی کو پسند فرمالیں تاکہ اس ملک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

پھر یہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اُس کی ویسی ہی آؤ بھگت ہوئی لیکن شام کے وقت کی تواضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایوں کو بیوقوف سمجھ کر اور یہ مال اندیشی کرکے کہ لڑکیاں تو آخر کار اپنے خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جورویں پیش کیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چھوٹی تبت کے فرماں روا کی آمد

چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اُس کے فرمانروا خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑے بڑے تنازعے ہو رہے تھے جن میں سے آخر کار ایک شخص[1] نے جو حکومت و ریاست کا دعوے دار تھا۔ پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہو گیا کہ جو مدد درکار ہو دی جائے۔ چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض دعوے دار تو قتل ہوئے اور بعض بھاگ گئے اور اس کو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھا دیا گیا کہ سال بسال کسی قدر بلور، مُشک اور شال بنانے کی اُون بطور خراج دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہ چیزیں بطور پیش کش لے کر بذات خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اُس کو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کر سکتا! ہمارے نواب نے اِس غرض سے اُس کی دعوت کی کہ اُس سے اُس کے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کر سکیں۔ چنانچہ اُس نے ہم سے بیان کیا کہ بڑی تبت میری ریاست کی حد شرقی ہے اور اُس کا عرض قریب نوّے یا ایک سو بیس میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلور مشک اور پشم یہ اشیاء بہم پہنچتی ہیں۔ مگر میں چنداں متمول نہیں ہوں اور لوگوں کا یہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانیں ہیں بالکل غلط ہے۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ اُس کے ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتے ہیں خصوصاً خوبانی جو کئی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر کثرت برف کے باعث جاڑا بڑی شدت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بُت پرست تھے مگر اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں۔ اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ "سترہ اٹھارہ برس گذرے کہ شاہجہاں نے بڑی تبت کو جس پر راجگان کشمیر کی اکثر تاخت رہتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے سولہ دن کے بعد ایک مشکل سفر کے جو کوہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا اور وہاں کے لوگوں میں ایسی ہل چل ڈال دی تھی کہ یقیناً تمام ملک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ شاہی ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اُتر کر اُسی وقت جرأت کر کے ریاست گاہ کو جا لیتی۔ مگر چونکہ مخالف موسم آ پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر اس فوج کا حاکم تھا وہ اس اندیشہ سے واپس آ گیا کہ کہیں برف نہ آن دبائے اور اس مفتوحہ قلعہ میں کسی قدر

---

[1] عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مراد خاں" لکھا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سپاہیوں کو اس لئے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھر یورش کروں گا مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجیب حرکت کی کہ قلعہ کو یا تو دشمن کے خوف سے یا قلت رسد کی وجہ سے ناگہاں اور خلاف توقع خالی کر دیا۔ اور اس طرح سے بڑی تبت کا ملک جس کی تسخیر آئندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا۔

بڑی تبت کے سفیر کی حاضری

چونکہ اُس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا وہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری سُن کر اپنے ایک سفیر کو اپنے ملک کے تحائف بلور۔ مشک۔ سنگ یشب اور نرہ گائے کی سفید اور عمدہ دُمیں دے کر جو خاص طور سے اُسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبائش کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا۔ سنگ یشب جو اس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اسی بہت سے بیش قیمت ہے۔ دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں۔ ان کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اُس میں سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے برادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہے پیالے اور پھول دان اسی پتھر کے بنتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جن میں سنہری تار اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔

ان جناب ایلچی صاحب کی جلو میں تین چار تو سوار تھے اور دس بارہ لمبے لمبے قد والے دُبلے اور سوکھے ہوئے سڑیل پیادے۔ جن کے منہ پر چینیوں کی طرح ڈاڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے۔ جیسے کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور اُن کے باقی لباس کی شان و شوکت بھی ان ٹوپیوں ہی سے خیال فرمالیجئے اور مجھے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار پانچ بزرگ وار تو البتہ تلوار باندھے ہوئے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ ایلچی جی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دارالریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائے گی جہاں اہل اسلام کے طریقہ پر نماز ہوا کرے گی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک رقم سالانہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خراج کی بھیجی جایا کرے گی - مگر اس بارے میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل نہ کیا جائے گا اور رئیس تبت شرائط عہد و پیمان کو اس سے زیادہ بجا نہ لائیگا جیسے اُس عہد کے شرائط کو بجا لایا تھا جو شاہجہان اور اس رئیس کے باہم ہوئے تھے[1]

تبت کے ایک طبیب سے ملاقات

اس ایلچی کے ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا جس کو کہتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لامائین سے ہے - لامہ[2] لاسا

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس ولدن نجمل بڑی تبت کے "زمیندار" یعنی راجہ کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھکر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کرکے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کردو اور مسجد بنواکر شعار اسلام کو رواج دو تو بہتر تمھارا ملک و مال بحال رہے گا ورنہ فوج کشی کی جائے گی - چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع نامی ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے اُس کے پاس بھیجا گیا جس کا ولدن نجمل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اُس سے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا چاندی نثار کیا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی نیو رکھی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اس کے بعد ایک عریضہ جس میں بہت سے عجز و نیاز اور وفائے عہد کے وعدے تھے معہ ایک طلائی کنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جس پر بادشاہ کا سکہ لگایا تھا معہ اور اپنے ملک کے تحائف کے حوالہ کرکے محمد شفیع کو رخصت کیا اور لکھا ہے کہ اس کارروائی کے بامراد سرانجام پانے میں چھوٹی تبت کے راجہ مراد خاں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی - اسی کتاب میں اُس ملک کی حدود کا حال اس طرح پر درج ہے کہ اس کا طول چھ مہینے کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہ ایک مہینے کا راستہ ہے - اس کے مغرب میں کشمیر - کمایوں - سری نگر - بہار اور بنگالہ اور مشرق میں ملک ارژنگ اور خطا اور شمال اور تبت خرد اور کاشغر اور تمام مغولستان اور جنوب دو دشت قبچاق ہے اور یہاں کے راجہ کی فوج بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے ہیں اور سپاہ میں اکثر فرقہ قلماق قوم کے لوگ ہوتے ہیں - س - م - ح

[2] بدھ مذہب والے اپنے گرو اور پیشوائے مذہب کو لاما کہتے ہیں اور سب سے بڑا لاما شہر لاسا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ مگر برہمنوں کے طریقے کے برخلاف ان میں ایک گرو بھی ہوتا ہے جس کی تعظیم و تکریم صرف ملک لاسا ہی میں نہیں بلکہ کل تاتار میں ہوتی ہے اور اُس کا ایسا اعزاز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا۔ اس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور میں نے ہر چند چاہا کہ وہ اُس کو بیچ ڈالے مگر اُس نے نہ دی۔ اس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھلائی دیتا تھا۔ ہم نے اُس سے اُس خط کی ابجد لکھوائی مگر اُس نے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ ہم نے جان لیا کہ وہ بے علم اور جاہل ہے۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو بڑا اعتقاد تھا جس کی نسبت اُس نے عجیب و غریب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = دارالحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بدھ مذہب رکھتے ہیں لاسا کے بڑے لاما کو مجسم بدھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے اور جب کبر سن کے باعث اُس کا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن یورپین سیاح اس کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاما مر جاتا ہے تو اس کے کارپرداز مخفی طور سے کسی ترت کے پیدا ہوئے لڑکے کو لاکر لاما کی مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔ اور اُس کو ایسے طور پر پالتے پوستے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤں کے وقت کی بتانے لگتا ہے اور اُس کے ناواقف اور جاہل پیرو اس کو لاما کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھکر یقین کر لیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر صاحب جو ۱۷۸۳ء میں سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تبت کے راجہ کے پاس جو لاما کا نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے لکھتے ہیں کہ اُس وقت جو لاما تھا اگرچہ اُس کی عمر صرف ڈیڑھ برس کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کے وقت وہ بڑی شان و شوکت اور تحمل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا اور برابر اُن کی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھکر اشارہ کرے۔ جب صاحب موصوف کا چائے کا پیالہ خالی ہوتا تو لاما ناک بھوں چڑھا کر سر کو ہلا کر چیختا اور اپنے لڑکوں کو اور چائے دینے کا اشارہ کرتا بلکہ ایک دفعہ تو ایک سونے کی طشتری میں سے کچھ مٹھائی اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے اُن کو دی۔ لاما جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اس کے مردہ جسم کو سکھا کر اور چاندی سے منڈھ کر مندر میں پرستش کے لئے رکھ دیتے ہیں۔

(ماخوذ از جام جہاں نما) س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حکایتیں سنائیں چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ ایک بار جب بڑا لاما بہت بڈھا ہو گیا اور اس کی موت کا وقت آن پہنچا تو اُس نے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزائیدہ بچے کے قالب میں حلول کرے گی۔ چنانچہ اُس بچے کو جس کی نسبت اُس نے یہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالا گیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہو گیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُس کے روبرو رکھی گئیں اور اُس نے ادراہِ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کر دیا۔ یہ حکایت اس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کے لئے ایک نہایت قاطع دلیل تھی — پہلے تو ہم کو یہ گمان ہوا کہ یہ شخص ہنسی کے طور پر اس قسم کا قصہ بیان کر رہا ہے لیکن جلد معلوم ہو گیا کہ نہیں فی الواقع اُس کو اس روایت کی صحت پر پکا اعتقاد ہے —

ایک روز میں اُس ایلچی کے مکان پر اس طبیب کی ملاقات کو گیا اور ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لئے اپنے ساتھ لے گیا — یہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشمینہ جو اُس کے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جن کی کیفیت مجھے مکمل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبت ہمارے ملک کے ساتھ ہمسری نہیں کر سکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تاتاریوں سے ہماری ہمیشہ لڑائی رہتی ہے — مگر وہ یہ نہیں بتا سکا کہ تاتاریوں سے اُس کی مراد کون سے تاتاری تھے۔ آخرکار مجھے معلوم ہو گیا کہ جو وقت اُس کی ملاقات میں صرف ہوا ناحق ضائع ہوا کیونکہ میں نے اُس کو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی قادر نہ پایا۔

کشمیر سے چین تک تجارتی راستے

بیس برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال کارواں جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تبت کے کوہستان اور ملک تاتار میں سے تھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے — یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز رو دریا اُترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گذرنا صرف ایسے لمبے لمبے رسوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے آر پار بڑے بڑے پتھروں سے بندھے ہوتے ہیں[1]

[1] جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے بہتے ہیں اور پتھروں کے سبب سے کشتی کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔ یہ قافلے چین سے مشک۔ چوب چینی۔ ریوند۔ اور امیران۔ جو امراض چشم کے معالجہ کے باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے۔ جب یہ لوگ واپسی کے وقت بڑی تبت میں ہو کر گذرتے تھے تو اس ملک کے تحائف بھی مثل مشک۔ بلور۔ سنگ یشپ اور خاص کر بھیڑوں اور جنگلی بکریوں کی پشم کے (جس کو ان اطراف میں توز کہتے ہیں اور جو حسب بیان سابق ملائمت میں بیور کے مشابہ ہے) بھر لاتے تھے مگر جب سے شاہجہاں نے بڑی تبت پر حملہ کیا ہے وہاں کے راجہ نے نہ صرف کاروانوں کا آنا جانا بند کر دیا ہے بلکہ یہاں تک ممانعت کر دی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا بھی ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بسا ہے چل کر سیدھے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تبت کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

ملک کاشغر اُس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں) بنام کاشغر مشہور ہے اور بظن غالب یہ وہی ملک ہے جس کو ہمارے جغرافیہ کے نقشوں میں کاسکر کہتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کروں گا جو مجھکو اُس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یہ سُن کر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لائے ہیں اُن کا بیان ہے کہ کاشغر تھوڑا سا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور ان دونوں ملکوں میں سیدھا اور نزدیک کا راستہ بڑی تبت میں سے ہے مگر اس سبب سے کہ اب وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: خوف ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعے پار اُترتے ہیں۔ جھولا اس کو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط رسے برابر برابر باندھکر تختوں سے پاٹ دیتے ہیں جن کی چوڑان اکثر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سہارے کے واسطے دونوں جانب برابر رسیاں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن چھینکا اس سے بھی بدتر ہے وہ صرف ایک رسا ہوتا ہے اس کنارے سے اُس کنارے تک بندھا ہوا جس میں لوہے کے قلابے کے ساتھ ایک چھینکا لٹکا دیتے ہیں اور اُس میں مسافر کو بٹھاتے ہیں۔ اس چھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوتی ہیں ایک رسی کا سرا اس کنارے والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سرا دوسرے کنارے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اُس طرف کے مسافر کو اس کنارے والا اور اس طرف کے مسافر کو اُس کنارے والا اپنی رسی سے کھینچ لیتا ہے۔ س م ج

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بند ہے ہم مجبوراً چھوٹی تبت ہو کر آئے ہیں۔ پہلا شہر جو ہماری واپسی کے وقت راستہ میں آتا ہے اُس کا نام گورچی ہے جو توابع کشمیر میں سے ہیں سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے گورچی سے چل کر ہم آٹھ روز میں اسکردو میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دارالریاست ہے اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چیکر[1] میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اُس ندی کے کنارے آباد ہے جس کا پانی بمنزلہ دوا کے مشہور ہے۔ اور یہاں سے پندرہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے بَن میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں۔ اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا اب کاشغر کا رئیس جو رسندہ میں رہتا ہے جو ذرا زیادہ شمال کی طرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے۔

کاشغر سے چین کو کاروانی راستے

ان سوداگروں نے یہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسیں لے کر جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ملک ازبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کارواں ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہو کر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان تاجروں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اور راستہ بھی ہے جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گذرتا ہے جو ختن سے آٹھ منزل پر ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے آخر شہر ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اور مشکلات کے ایک جگہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پر جانا پڑتا ہے۔

مشفق من! یہ کل واقعات ہیں جن کو میں ایسے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں

---

[1] یہ مقام معہ اپنے متعلقہ علاقہ کے فی الحال مہاراجہ صاحب والی جموں وکشمیر کی عملداری میں ہے اور گورچی اور چیکر غیر معروف مقام ہیں مگر چیکر کا صحیح نام ایک تبت کے رہنے والے نے ہم کو شکر بتایا تھا اور فی الحقیقت ایک مستند انگریزی نقشہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہوا ہے مگر گورچی کی صحت کچھ معلوم نہیں ہو سکی علیٰ ہذا القیاس جو رسندہ وغیرہ ناموں کا بھی پتہ نہیں لگ سکا س م ح

؎ (اسکردو۔ اس ک ردو) (چیکر۔ چے ک ر) (شگر۔ ش گ ر) وح قدر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جن کی نادانی اور جہل رحم کے قابل ہے ۔ پس جو حالات اور جو کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلا شبہ مختصر اور بے ترتیب ہی ہوں گے جیسے کہ یہ ہیں ۔

علاوہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جن کو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور اُن کا جواب شافی دینے میں دقتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں ۔

پانچ سوال اور اُن کے جواب

اس موقعہ پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیے ختم کر دوں اور میں دہلی واپس پہنچنے تک آپ سے بالکل رخصت ہو لوں لیکن میرا شوقِ تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ فرصت بھی ہے ۔ اس لئے میں مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جانکاہی کرنے والے شخص ہیں اور بہ نسبت اُن لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں ۔

پہلا سوال کشمیر میں یہودی اُن کا پہلا سوال یہ ہے کہ آیا یہ سچ ہے کہ یہودی ایک طویل عرصہ سے کشمیر میں بود و باش رکھتے ہیں اور آیا اُن کے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں ۔ اور اگر ہے تو اُن کی اور ہماری کتاب عہد عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں ۔

دوسرا سوال ہندوستان میں موسم برسات دوسرا یہ کہ جو جو تجربے ہندوستان کے موسم برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوئے ہیں ۔ میں اُن کی خدمت میں لکھ بھیجوں ۔

تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی آب و ہوا تیسرا یہ کہ مشرقی سمندروں میں جو ایک خاص طرح کے انضباط اور نظام معینہ کے موافق ہواؤں کا احتزاز اور پانی کے دھاروں کا بہاؤ رہتا ہے اُن کی نسبت میں اپنی رائے اور خیالات ظاہر کروں ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چوتھا سوال بنگالہ کی زرخیزی چوتھا یہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز اور دولت مند اور خوش نما ہے جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے

پانچواں سوال دریائے نیل کی طغیانی پانچواں یہ کہ دریائے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو ردّ و قدح چلی آتی ہے میں اُس کی نسبت ایک قطعی رائے پیش کروں۔

پہلے سوال کا جواب اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھکو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیوی نٹ صاحب کو، میری مراد اُن یہودیوں سے ہے جن کے پائے جانے کی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہوں جن کو شال[1] میں نے سرنے جلاوطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلائیے کہ گو بظنِ غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ اُن میں سے بعض لوگ پہلے اس ملک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کل باشندے ہندو ہیں یا مسلمان۔ البتہ چین میں غالباً اُس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے پادری صاحب مقتدائے فرقہ جیسوئیٹ کے پاس جو دہلی میں رہتے ہیں۔ اس فرقہ

---

[1] توریت میں اس شخص کا نام شلمانصار آیا ہے۔ مگر انگریز مورخ "شال" میں نے سرنے یا "شال منی زر" لکھتے ہیں! یہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اس کا پائے تخت تھا اس نے سات سو انیس برس قبل از سنۂ ملک یہودا کے بادشاہ ہوشاع[2] پر جو بنی اسرائیل میں سے تھا گمراہ پرست ہوگیا تھا چڑھائی کی اور اُس کو اپنا باج گزار بنا لیا۔ لیکن پھر یہ سُن کر کہ وہ فرعون مصر کے ساتھ سازش رکھتا ہے دوبارہ اُس کے شہر شومرون[3] کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اُس کو فتح کر لیا اور ہوشاع اور اُس کی تمام قوم کے لوگوں کو قید کر کے بابل میں لے آیا اور اُن کی جگہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کر کے آخر وہ بھی اس دنیا سے چل بسا (ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا) س۔م۔ح

(ش ا ل م ے ن ے س ر)

---

[1] (س ل م ا ن ع س ا ر) سلمانصار

[2] (ہ و ش ا ع) ہوشاع

[3] (ش م ر و ن) شومرون

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ایک پادری صاحب باشندہ جرمنی مقیم شہر پیکن دارالسلطنت چین کے خطوط دیکھے ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ "میری اس شہر یعنی پیکن میں یہودیوں سے گفتگو ہوئی ہے جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ کتب عہد عتیق اُن کے پاس موجود ہیں۔ اُن کو حضرت عیسیٰ کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور اُنھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ فرقہ جیسوئیٹ کے پادری صاحب کو ہم اپنا کاکان[1] مقرر کرلیں گے بشرطیکہ پادری صاحب سؤر کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں"۔ بہرحال کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پنجال سے گذر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہودیوں کی سی دیکھکر مجھے حیرت ہوئی۔ اُن کی صورتیں اور اُن کے طور وطریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کرسکتا ہے سب یہودیوں کی پرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمایئے گا۔ ان دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے کافی عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے[2]! دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔

تیسرے۔ یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں آئے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر اُنھیں نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔

چوتھے۔ یہاں لوگوں کو یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل پر ہے۔

پانچویں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پرانا مکان نظر آتا ہے اُس کو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اُس کو آج تک تختِ سلیمان کہتے

---

[1] اس لفظ کی تحقیق نہیں ہوسکی مگر شاید خاقان ہو جس سے اس جگہ پیشوا اور امام مراد ہو۔ س م ع

[2] کرنل جارج فاسٹر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۷۸۳ء میں لکھی تھی لکھا ہے کہ "جب پہلے پہل میں نے کشمیریوں کو کشمیر میں دیکھا تو اُن کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لمبا اور سنجیدہ طور کا ہے اور اُن کی ڈاڑھی کی وضع سے یہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے ملک میں آگیا ہوں"۔ مترجم انگریزی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں[1]۔

مشفق من! وجوہ مذکورہ کے باعث میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر نہ بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ گذرنے پر بگڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے وہ بت پرست بن بن گئے ہوں گے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بُت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہوں گے۔ اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوا اور کوچین[2] کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سنتا ہوں کہ اتھوپیا[3] میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اتھوپیا[4] کی طرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس سے وہاں ایک یہودی ایسا با اختیار ہو گیا تھا کہ اُس نے ایک دشوار گذار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قائم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

دوسرے سوال کا جواب ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جل کر بالکل ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُس کی اصلاح کے واسطے یہ معقول انتظام کر دیا ہے کہ جولائی میں جب گرمی نہایت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے اور متواتر تین مہینے

---

[1] تعجب ہے کہ ایسی بے سروپا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُس کو معلوم نہ ہو گا کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دوسرے قدیم پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے چلے آئے ہیں۔ س۔م۔ح

[2] مدراس پریذیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ضلع مالابار میں ہے۔ س۔م۔ح

[3] ملک لوبیا یا لوبہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س۔م۔ح

دن ڈوبے ہی آ — رات ہی ڈوب ہی آ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تک برستا رہتا ہے اور اس طرح ہوا میں اس قدر اعتدال آ جاتا ہے کہ برداشت کے لائق ہو جاتی ہے اور زمین کبھی ناقابل زراعت نہیں رہتی ۔ مگر یہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں ہوتیں کہ ضرور اسی دن یا اسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً دہلی میں جہاں میں زیادہ عرصہ رہا ہوں میں نے دیکھا ہے کہ ایک سال کی بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی ۔ چنانچہ بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں ۔ میں نے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا امساک رہا کہ ایک بوند بھی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جدھر دیکھئے بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آ رہی تھی ۔ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس ملک کے مختلف حصوں میں برسات اسی قدر آگے یا پیچھے اور کمی یا زیادتی سے ہوتی ہے جس قدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب یا بعید ہیں ۔ مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومنڈل سے لے کر جزیرہ سراندیپ تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینہ پہلے شروع اور ختم ہو جاتی ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے اور تھوڑی دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی ۔ مگر دہلی اور آگرہ میں نہ تو اس قدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اس قدر مدت تک رہتی ہے اور اکثر یہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوں ہی خالی گذر جاتے ہیں یا یہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوئی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارش ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی ۔ میں خصوصاً اس بات کو دیکھکر بہت متعجب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف سے مینہ آتا ہے ۔ مثلاً دہلی اور اس کے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ کی طرف سے بارش آتی ہے ۔ اور بنگالہ اور ساحل کارومنڈل پر جنوب کی جانب سے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کی طرف سے ۔ میں نے ایک اور بات بھی دیکھی جس کی نسبت تمام ہندوستان میں بلا اختلاف ایک ہی رائے ہے یعنی یہ کہ جس قدر گرمی کی تپش پہلے یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے اور تھوڑے دنوں یا دیر تک قائم رہتی ہے اسی قدر برسات بھی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور اسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت عرصہ تک جاری رہتی ہے اور بہ لحاظ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان امور کے مجھے یقین ہے کہ زمین کی گرمی اور اُس کے سبب سے ہوا میں جو خفت آجاتی ہے وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں بارش کو اس ملک میں کھینچ لاتی ہیں۔ یعنی آس پاس کے سمندروں کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے اُن بخارات کو اپنے میں جذب کرکے پُر ہوجاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی سے اُٹھتے ہیں اور قرب وجوار کی ہوائیں جب اُس کو ڈھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں طبعًا اُس زمین پر جہاں کی ہوا اُس کی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہوتی ہے بخارات سے خالی ہوجاتی ہیں اور بخارات کا یہ اخراج اُسی قدر کمی یا زیادتی کے ساتھ ہوتا ہے جس قدر کہ گرمی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے۔ اس تقریر میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومنڈل پر برسات پہلے شروع ہونے کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے۔ اور اس کے خاص اسباب ہوں گے جن کی تحقیق غالبًا اُس ملک کو دیکھنے کی صورت میں شاید مشکل نہ ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں میں سمندروں یا پہاڑوں اور اُن کے ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور جنگلوں کی مناسبت سے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش پڑتی ہے۔ اور یہ بات بھی کچھ تعجب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف اطراف سے آتی ہے۔ مثلاً ساحل کارومنڈل پر جنوب کی طرف سے اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو سمندر پاس ہوگا اُسی سے مینہ آئے گا۔ چنانچہ ساحل کارومنڈل کے پاس جو سمندر ہے وہ اس سے جنوب کی طرف ہے۔ اور وہ سمندر جو ساحل مالابار کو سیراب کرتا ہے مغرب کی طرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ میں نے خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر دہلی میں بادل مشرق کی طرف سے آتے ہیں مگر اُن کی اصل اُنھیں سمندروں سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے جن کی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ایسے ملک میں جا برستے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور کم مزاحم ہو۔ میں ایک اور بات بیان کرنی بھول گیا جس کا مجھکو دہلی میں تجربہ ہوا۔ یعنی یہ کہ کبھی اچھی بارش نہیں ہوتی تاوقتیکہ کئی دن تک بہت سے بادل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مغرب کی طرف جمع نہ ہو جائیں۔ گویا یہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے پچھم میں ہوا کا طبقہ اوّل بادلوں سے بھر جائے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اور بادل اور مخالف ہوائیں مقابل ہو کر اُن کو ایسا کثیف اور وزنی کر دیں کہ پھٹ کر برسنے لگیں جس طرح کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

تیسرے سوال کا جواب جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور ٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں کبھی ایک آدھ روز اپنا رخ بدلتی یا ٹھہر جاتی ہے۔ اور اس کے بعد کوئی دو مہینے تک بے قاعدہ ہوائیں چلتی ہیں جس کو ہم لوگ وسطی موسم اور ڈپچ لوگ غیر معین اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ دو مہینے ختم ہو جاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رخ جنوب سے شمال کو کر لیتا ہے اور جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ مہینے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا بہاؤ بھی اس تمام عرصہ میں بدستور شمال ہی کو رہتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم رہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں جہاز رانی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک ہوتا ہے۔ لیکن اُن دونوں معمولی موسموں میں جنوبی ہواؤں والے موسم کے اواخر کو چھوڑ کر باقی تمام عرصہ میں جہاز رانی بہت آسان اور خوش آیند ہوتی ہے۔ پس آپ کو اس بات سے متعجب ہونا نہیں چاہیے کہ ہندوستانی جو بہت ڈرپوک اور فن جہاز رانی سے محض ناآشنا ہیں خاصے لمبے اور مفید بحری سفر اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے تناصرم (دھنا سری) آچین۔ ملاکا۔ سیام۔ اور میڈی گاسکر۔ کو یا مچھلی پٹن۔ سراندیپ جزائر مالدیپ۔ بندر مخا۔ اور بندر عباسی کو اپنے جہاز لے جاتے ہیں اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور آنے کے موسم کی عمدگی کا حساب لگائے رہتے ہیں۔ مگر اس پر بھی ایسا ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں رُک جانے کی صورت میں باد مخالف سے مغلوب ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ صورت بعض وقت فرنگستانیوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو بہت من چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور جن کے جہازوں کی حالت اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سازوسامان زیادہ عمدہ ہیں۔ دونوں وسطی موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے چونکہ اُس میں طوفان اور ناگہانی جھکولے اکثر آتے رہتے ہیں اس لئے ایسا خطرناک ہوجاتا ہے کہ اور کوئی موسم ایسا نہیں ہوتا اور یہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تند اور غیر مساوی ہوتی ہے مجھے اس موقعہ پر یہ بات بھی بیان کردینی چاہیئے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گوسمندر میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچاس ۵۰ ساٹھ ۶۰ میل کے فاصلہ تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ پس فرنگستانی اور غیر فرنگستانی جہازوں کے کپتانوں اور ناخدایوں کو اس امر کی بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی پٹن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جا نکلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرا جانے کا خطرہ پیش آسکتا ہے۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح پر ہے۔

کاش مجھکو ہر ایک نتیجے کے اصلی سبب کے معلوم کرلینے کی قدرت ہوتی۔ مگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کرلینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی غور و فکر سے جو رائے میں نے قائم کی ہے اُس کی بنیاد چند خیالات پر ہے۔ چنانچہ خیال اول تو یہ ہے کہ جو ہوا ہمارے کرہ کو گھیرے ہوئے ہے سمندر اور دریاؤں کے پانی کی طرح اُس کو بھی ہمارے کرہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس کی طرف جھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں۔

جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ چیزیں ہمارے کرہ سے علیحدہ نہیں ہیں اور پھر اس سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہ کرہ ہوا، پانی اور مٹی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے! اس کے بعد دوسرا خیال یہ ہے کہ ہمارا یہ کرہ ایک ایسے خلا میں معلق ہے کہ جس میں خالق نے اپنی مرضی سے اس کو کچھ اس طرح آویزاں کردیا ہے کہ اگر یہ کسی اور نامعلوم جسم سے ٹکرا جائے تو اپنی جگہ سے بآسانی سرک سکتا ہے۔ پھر تیسرا خیال یہ ہے کہ جب آفتاب خطِ استوا سے گذر کر کسی قطب مثلاً قطب شمالی کی طرف حرکت کرتا اور اپنی شعاعیں اُس طرف ڈالتا ہے اس کے اثر سے قطب شمالی کسی قدر جھکنے لگتا ہے اور قطب شمالی اسی قدر جھکتا جاتا ہے جس قدر کہ سورج اُس کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جس قدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اُسی قدر قطب شمالی بتدریج اُبھرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب کی کرنوں کی طاقت سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان خیالات کو صحیح فرض کر لیا جائے اور اُس کے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت پر غور کیا جائے تو ہندوستانیوں کا یہ قول بے وجہ نہیں ہے کہ سورج اپنے ساتھ سمندر اور ہوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات سچ ہے کہ آفتاب خط استوا سے گذر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوئے زمین کے محور کی تبدیل حرکت اور اُس قطب کے نیچے کو جھک جانے کا باعث ہوتا ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جائے اور سمندر اور ہوا جو دو سیال اور وزن دار جسم ہیں نچلی جانب بہنے لگیں۔ پس میرے نزدیک اس بات کا کہنا درست ہے۔ کہ سورج کسی قطب کی طرف جا کر اُس طرف کے سمندر اور ہوا کے ایک باقاعدہ بہاؤ کا باعث بن جاتا ہے اور ہوا کے اس بہاؤ سے موسمی ہوا پیدا ہوتی ہے۔ یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے کے وقت سمندر اور ہوا میں دو مختلف قسم کی رفتار پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے اپنے خیال میں اس قیاس کی بنا پر یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ قطب شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بالکل ہی مختلف بہاؤ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک قطب سے دوسرے قطب تک ایک ایسا سمندر ہوتا جو زنگستان میں ہو کر گذرتا تو ہم وہاں بھی ہر حالت میں سمندر کی ایسی ہی دو قسم کی باقاعدہ لیکن مختلف رفتار پاتے جیسے کہ ہندوستان میں ہے۔ اور اس قاعدہ کے عام نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ قطعات زمین کے حائل ہو جانے کے سبب سے سمندر کا بہاؤ رُک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی مدوجزر اُن سمندروں میں جو بحیرہ شام کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں رُک جاتا ہے اور اس خیال کے اعتبار سے میری رائے میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہوا کی بھی دو قسم کی ایک دوسرے سے مختلف رفتار ہے۔ اور اگر ساری زمین صاف برابر اور ایک جیسی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتار بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتی۔

چوتھے سوال کا جواب

ہر زمانے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ حال کے مورخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملک میں اس خصوصیت کے ساتھ قدرتی وسائل موجود نہیں ہیں۔

لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو واقفیت مجھکو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس سے مجھکو یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر بنگالہ کا حق ہے۔

بنگالہ کی پیداوار بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو جاتا ہے۔ چنانچہ گنگا کے راستہ پٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی پٹن وغیرہ بنادر ساحل کارومنڈل خصوصاً جزیرہ سراندیپ اور جزائر مالدیپ کو بھیجا جاتا ہے۔

نکاس کا ذکر اسی طرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گول کنڈا اور تمام کرناٹک کو جہاں یہ بہت کم پیدا ہوتی ہے اور مُخا اور بصرہ کو ہوکر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستہ سے ایران کو جاتی ہے۔

بنگالے کے مربّے بھی مشہور ہیں خصوصاً اُن مقامات کے جہاں پُرتگیز لوگ آباد ہیں اور جو نہایت عمدہ مربّے بناتے ہیں چنانچہ وہ میووں میں سے ویسے ہی بڑے بڑے چکوتروں کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئیدگی کی جڑ کا جو عشبہ کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور آم کا اور اناناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں۔ اور آملہ اور نیبو اور ادرک کا مُربّہ بناتے ہیں۔ یہ مربّے وہاں کی اہم اشیائے تجارت میں شامل ہیں۔

یہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ یہاں کے باشندوں کا قصور ہے جو مصر والوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گذران کرتے ہیں اور روٹی بہت کم کبھی کبھار کھاتے ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں بویا جاتا۔ چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً ڈچ انگریز اور پرتگیز وغیرہ سستے داموں گیہوں خریدتے اور سمندر کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں۔

بنگال کی ارزانی اس ملک کے لوگوں کی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول اور گھی ہے جو بہت ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے اور ایک روپیہ میں بیس سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں اور مرغابیاں بھی اسی قدر ارزاں ہیں۔ بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور سور تو اتنے سستے ہیں کہ جو پرتگیز یہاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آباد ہیں وہ قریباً تمام سور ہی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور سستا جان کر انگریز اور ڈچ بھی اپنے جہازوں کے واسطے نمک لگا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔

غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے۔ اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت سے پرتگیز اور دو غلے یوروپین اور دوسرے عیسائیوں نے جن کو ڈچ لوگوں نے اُن کی مختلف نوآبادیوں میں سے نکال دیا ہے اس زرخیز ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ چنانچہ فرقہ جیسوئٹ اور اگسٹین کے لوگوں نے جن کی بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور بلا دقت عمل میں لا سکتے ہیں مجھے اس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہگلی میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک عیسائی بستے ہیں اور اس ملک کے اور حصوں میں تو اُن کی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس ملک کی زرخیزی عورتوں کے حسن اور سلیم الطبعی نے پرتگیز۔ ڈچ اور انگریز لوگوں میں یہ بات زبان زد کر دی ہے کہ "بنگالے میں داخل ہونے کے واسطے تو سو دروازے ہیں مگر نکلنے کے لئے ایک بھی نہیں"۔

بنگالہ کی روئی اور ریشم تجارتی نقطۂ نظر سے اتنی عمدہ اور مرغوب اشیاء کی وجہ سے جو غیر ملکی سوداگروں کی کشش کا باعث ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں بنگالے کی برابری کوئی ملک نہیں کر سکتا۔ اور علاوہ اس قند و شکر کے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور جس کو قیمتی لائق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیے۔ اس ملک میں روئی اور ریشم بھی اس قدر ہوتا ہے کہ اس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ اس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام گھر کہنا زیبا ہے۔ میں بعض اوقات روئی کے ہر قسم کے باریک اور موٹے اور سفید اور رنگ دار کپڑوں کی افراط کو دیکھکر حیران ہوتا تھا۔ جن کو خصوصیت کے ساتھ ڈچ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی ان چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے۔ جس قدر روئی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُس کی مقدار معلوم کرنا ناممکن ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حقیقت میں یہاں کا ریشم ایسا عمدہ نہیں ہوتا جیسے کہ ایران ۔شام۔ صیدا[1] ۔ اور بیروت[2] کا لیکن یہ سستا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ چھانٹ لیا جائے اور احتیاط سے صاف کیا جائے تو اس سے نہایت ہی عمدہ کپڑا بن سکتا ہے ۔

ڈچ لوگوں کے قاسم بازار کے ریشم کے کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں ۔اور اسی قدر انگریزوں اور دوسرے سوداگروں کے کارخانوں میں ۔

بنگالہ شورے کی بھی بڑی منڈی ہے اور گنگا کے راستے سے بہت سا شورہ پٹنہ سے دریا کو جاتا ہے اور ڈچ اور انگریز شورے کی بہت سی کھیپیں ہندوستان کے مختلف مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں ۔

اس زرخیز ملک سے گوند انیون ۔ موم ۔ مشک ۔ بلائی ۔ گہہ پیپل اور دوسری بہت سی دوائیں حاصل ہوتی ہیں اور گھی جو آپ کو ایک ناچیز جنس معلوم ہوگی یہاں اس افراط سے ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکوں کو اس کا بھیجنا خاصا دقت طلب ہے ۔ مگر پھر بھی سمندر کی راہ سے بے شمار باہر جاتا ہے ۔

بنگال کی ناموافق آب وہوا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں کی ہوا خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے ۔چنانچہ ڈچ اور انگریز لوگوں میں جب کہ پہلے پہل یہاں آکر رہے کثرت سے اموات ہوئیں اور بندرگاہ بلاسور میں میں نے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈچ لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھیرے رہے تھے اس حال میں پایا کہ بہت سے ملاحوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ کہیں جا سکیں ۔لیکن اب یہ دونوں قومیں بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور اموات بھی کم ہو گئی ہیں ۔جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ اُن کے آدمی شراب کو پنچ[3] بنا کر نہ پئیں (جو قندی شراب اور نیبو کے عرق اور پانی اور جائفل ملا کر بناتے تھے ۔اور جس کا ذائقہ گو بہت اچھا تھا ۔ مگر نتائج مہلک تھے ۔اور ہندوستانی عورتوں کے نزدیک نہ جائیں شراب اور تمباکو بیچنے والوں سے نہ ملیں ۔لیکن عمدہ قسم کی انگوری شراب اور شیرازی خام شرابیں ، ان کو اگر اعتدال

---

[1] ملک فلسطین اور شام کی دو بندرگاہوں کا نام ہے (س ۔م ۔ح) ص ۔ے ۔ا ۔ ب ۔ے ۔ رُوت

[2] شراب کے اس قسم کے مرکب کو جو بغرض تفریح تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پنچ کہتے ہیں ۔ س ۔م ۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب و ہوا کے اثر سے بچنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔

بنگالہ سے راج محل تک اس ملک کی خوش نمائی کو بیان کرتے ہوئے اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ اس ملک میں جو دریا سے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریا سے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اس لئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لے جانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جس کو ہندوستانی تمام پانیوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ ان نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گاؤں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور ایکھ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کپڑوں کی تجارت کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہتوت کے درخت ہیں۔

لیکن بنگالے کو اُن بے شمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں کے دریائے گنگا میں ہیں اور جن کی وسعت بعض جگہ چھ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ ان ٹاپوؤں کی وسعت کم و بیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور اناس سے پُر اور سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی دور تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی ان میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

خلیج بنگال کے جزیرے سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر اراکان کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جن کا ذکر اور کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اُجاڑ پڑے ہیں جہاں بجز ہرنوں جنگلی سوروں پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے پیر کر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جان دار مخلوق نظر نہیں آتی۔ چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر دریائے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اُترپڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ رات میں کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جائے تو وہ کنارے سے کچھ فاصلہ پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ خوں خوار جانور جب لوگ سوئے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بقول اس ملک کے ملاحوں کے (بشرطیکہ سچ ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اٹھا لے جاتے ہیں جو سب سے موٹا تازہ ہو۔

ایک یادگار دریائی سفر

مجھے وہ لوزن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے پیپلی سے ہگلی تک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گذرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریائے پیپلی سے نکل کر دس پندرہ میل سمندر میں بڑھ گئی تو ہم نے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہرا بڑی کارپ کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں۔

اور جن کے پیچھے تعاقب کے طور پر کثرت سے ڈالفن[1] مچھلیاں لگی چلی آتی تھیں بھرا ہوا دیکھا میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ کشتی کو ان کی طرف لے چلیں اور میں نے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو کے بل اس طرح پڑی ہوتی ہیں جیسے مُردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت

---

[1] صاحب فرہنگ رشیدی نے اس کا تلفظ ڈلفین لکھا ہے اور اُس کی عادت جو بظاہر ایک افسانہ سے کم نہیں یہ لکھی ہے کہ ڈوبے ہوئے آدمی کو دریا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اُس کی اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کے بازوؤں کی تعریف میں لکھا ہے "مچھلی بازو کی ماہی ڈلفین ۔ غرقہ کش بحر خون سے مردم بین" ۔ اور کتاب مخزن الادویہ میں اس کی نسبت یہ عبارت لکھی ہے کہ "اسم یونانی است و بعضے گفتہ اند بلغت رومی (یعنی لیٹین) اسم نوعی از سمک است کہ بعربی خنزیر البحر و بفارسی خوک ماہی و ماہی بینی دراز و بہ دیلمی گجہ ماہی و بہندی سوس نامند" ریونانی نام ہے اور بعض کہتے ہیں رومی لغت (لیٹین ۔ لاطینی) میں ایک قسم کی مچھلی کا نام ہے جسے عربی میں خنزیر البحر اور فارسی میں "خوک ماہی" اور ماہی بینی دراز" اور دیلمی میں "گجہ ماہی" ہندی میں "سوس" کہتے ہیں) اور انگریزی کتابوں میں یہ ہے کہ یہ لفظ لیٹین زبان کا ہے اور اُنھوں نے اس کو ایک قسم وھیل مچھلی کی لکھا ہے اور وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہ مچھلی اُچھلنے کودنے لگتی ہے جس سے ملاح ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اس باعث سے اس کو انسانوں کا دوست کہتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ یہ قریب المرگ ہوتی ہے تو گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلنے لگتی ہے ۔ س ۔ م ۔ ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرتی تھیں اور بعض ترغ کی حالت میں بیہوش پڑی لوٹتی تھیں چنانچہ ہم لوگوں نے چوبیں مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیں اور دیکھا کہ ہر ایک کے منہ سے ایک پھکنا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کہ کارپ مچھلی کے ہوتا ہے اور اُس میں ہوا بھری ہوتی ہے اور اس کا سرا سرخی نما رنگ کا ہے۔ میں نے آسانی سے معلوم کر لیا کہ یہی پھکنا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں دیتا۔ مگر یہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں لٹک رہا تھا۔ لیکن شاید یہ سبب ہو کہ ڈالفن مچھلیوں نے دیر تک ان کا پیچھا کیا ہوگا اور سانس کے سخت دباؤ سے یہ پھکنا باہر نکل پڑا میں نے اس کا ذکر سیکڑوں جہازرانوں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا۔ البتہ ایک ڈچ ملاح نے مجھ سے کہا کہ چین کے کنارے پر جب کہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو میں نے بھی ایک ایسی ہی صورت دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا۔

قمری قوس قزح کا نظارہ

اگلے دن ہم کچھ دیر کر کے ان جزیروں میں پہنچے اور ایک ایسی جگہ پسند کر کے جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر اُتر پڑے اور آگ روشن کر لی اور میں نے اپنے نوکروں کو کہکر دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیار کر لیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا۔ اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں۔ میں نے پھر کوچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جانے کا خوف تھا۔ اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کر کے ہم بڑی نہر سے اُس میں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے تنے سے باندھ کر رات بسر کی۔ اور جب کہ میں نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو میں نے آسمان پر ایک عجیب شکل دیکھی۔ جیسے دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یعنی ایک قمری قوس[1] قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھکر بہت متعجب ہوئے۔

[1] قمری قوس قزح کو بعض ہمارے اس زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے چنانچہ کتاب نامہ دانشوران میں (جس کو علما و فضلا کی ایک کمیٹی نے بحکم ناصرالدین شاہ بادشاہ حال ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرے کے طور پر تالیف کیا ہے اور جو خوش قسمتی سے مطبع شاہی طہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے) ابن بطلان طبیب کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر علوم (ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ایران) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ ۱۲۶۱ھ میں جب کہ ہم دبا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خصوصًا دو پرتگیز جو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی رہنما تھے اور جن کو میں نے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ چڑھا لیا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم نے ایسی قوس کبھی دیکھی نہ سُنی بتیسرے دن ہم ان نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہم کو بعض پرتگیز جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ ہم کو سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جب کہ ہماری کشتی ایک چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پرتگیز رفیقوں نے جو شب گذشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال سے اپنی نظر میں ہر وقت آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے مجھکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح پھر دکھائی جیسی کہ ہم نے کل رات دیکھی تھی۔ یہ آپ کو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں۔ نہیں میں ہالے کو خوب جانتا ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں ہر شخص جسے اکثر چاند کے گرد ہالہ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن ہالہ اُسی وقت نظر آتا ہے جب کہ چاند اُفق سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع اٹاوہ میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ایک رات کو جو شب ماہ تھی اور خفیف سا ترشح ہو رہا تھا آدھی رات کے وقت جو میں ایک کام کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند اُفق کے قریب ہے اور اس کے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے چونکہ دیکھنا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا بھی نہ تھا مجھکو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے امیرزادہ محسن مرزا اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قاآنی اور شمس الشعرا سروش۔ اور جناب نصیر الدولہ میرزا عبدالوہاب خاں وزیر تجارت کو جو میرے ساتھ تھے جگا کر دکھایا اور وہ بھی متعجب ہوئے اور پھر میں نے اس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھتا تھا کہ وہ بظاہر ہاں ہاں تو کرتے تھے مگر دل سے اس کا اُن کو یقین نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے کتاب تاریخ الحکما میں قمری قوس کا ہونا پڑھا جس سے مجھکو نہایت تقویت ہوئی اور ہمیشہ میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا۔ مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ اس کی تحقیق کا خیال تھا پھر میں نے علم طبیعات کی کئی کتابوں میں دیکھا کہ حکمائے فرنگستان میں سے کئی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے۔ چنانچہ کتاب فزیک کالوز کا مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرح چاند سے بھی قوس پڑتی ہے مگر قمری قوس کے رنگ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور کتاب فزیک راکن میں جو چار جلدوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کم متمیز ہوتے ہیں اور ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ ماہ ستمبر ۱۷۷۶ء میں شہر شوٹر میں جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی س۔ م۔ ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بہت بلند ہو چکا تھا میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوہرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے موجود تھی ۔ چنانچہ جب کبھی میں نے قمری قوس کو دیکھا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں ۔ اور چاند قریباً پورا تھا ۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اُس کی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے رنگ بھی اُس میں نمودار تھے ۔ اس لحاظ سے تو جناب میں متقدمین کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہوں جنھوں نے ارسطو کے قول کے بموجب اُس کے زمانے سے پہلے قمری قوس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا۔

عجیب و غریب روشنیاں چوتھے روز کی شام کو معمول کے موافق ہم بڑی نہر میں سے ایک محفوظ جگہ چلے آئے اور وہاں ہم نے ایک غیر معمولی رات بسر کی ۔ ہوا نام کو بھی نہ تھی ! اور گرمی اور گھمس کا یہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا اور آس پاس کی جھاڑیوں میں جگنو اس کثرت سے چمکتے تھے گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ہر لحہ شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر ہمارے ملاحوں کو ڈراتی تھی جن کو یقین تھا کہ یہ سب جن بھوت ہیں ۔ ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو بڑا آتشیں گولا جو اُس قدر عرصہ سے جو دعائے پیٹر[1] ماسٹر کے پڑھنے میں گذرتا ہے زیادہ دیر تک قائم رہا ۔ دوسرا ایک چھوٹا سا آتشیں درخت جو پاؤ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک رہا ۔

سخت طوفان اور بارش پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گذری ! ایسی سخت ہوا آئی کہ گو ہم اپنے خیال کے موافق درختوں کے نیچے بڑی محفوظ جگہ میں تھے اور کشتی بھی احتیاط سے بندھی ہوئی تھی مگر لنگر کا رسا ٹوٹ گیا ۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں پرتگیز ساتھی دفعتاً اپنے بازو درختوں کے ٹہنوں میں ڈال کر اُن کو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی بڑے زور سے نہ پکڑے رہتے تو بالضرور درہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آخر کار وہیں مر جاتے ۔ کیونکہ ہندوستانی ملاحوں سے جن پر بالکل خوف چھا رہا تھا کسی طرح کی اُمید نہ تھی ۔ اس وقت ہماری حالت

[1] عیسائیوں کے رومن کیتھلک فرقہ کی ایک دعا کا نام ہے ۔ س م ۔ ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑی ہی دردناک تھی! مینہ اس شدت سے پڑ رہا تھا کہ کشتی میں گویا ڈول کے ڈول پانی کے گر رہے ہیں۔ اور بجلی کی چمک اور کڑک ہمارے سروں کے آس پاس اس قدر تیز تھی کہ ہم اُس ہولناک رات کو اپنی جانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ مگر ہمارا باقی سفر ایسی عمدگی سے گذرا کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔

نویں روز ہم ہگلی میں پہنچے اور اس خوش نما ملک کو دیکھ دیکھکر جس میں سے ہمارا گذر ہوا میری آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ مگر میرا صندوق اور تمام پہننے کے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ مرغیاں مرگئی تھیں۔ مچھلیاں تلف ہو چکی تھیں اور تمام بسکٹ مینہ سے گیلے ہو گئے تھے۔

پانچویں سوال کا جواب

میں نہیں جانتا کہ میرا اس پانچویں سوال کا حل قابل اطمینان ہوگا یا نہیں۔ لیکن جو رائیں میں پیش کروں گا وہ مشاہدہ اور تحقیق پر مبنی ہیں کیونکہ میں نے دریائے نیل[1] کی طغیانی کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور اپنی

[1] اس غرض سے کہ دریائے نیل کے منبع وغیرہ کی بابت مصنف کے بعد کے زمانے میں جو تحقیقاتیں عمل میں آئی ہیں اس مضمون کے ساتھ ناظرین اُن کو بھی پڑھ لیں ہم تاریخ مصر میں سے جس کو سٹیفک سوسائٹی علی گڑھ نے ڈاکٹر رولن صاحب کی تاریخ اقوام قدیم میں سے انتخاب کرکے باضافہ بعض مفید مضامین اور حاشیوں کے ۱۸۶۴ء میں چھاپا تھا عبارات ذیل نقل کرتے ہیں۔ س۔ م۔ ح

دریائے نیل کی طغیانی

مصر میں دریائے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اُس ملک میں مینہ بہت ہی کم برستا ہے۔ مگر اس دریا کی طغیانی سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے۔ اور مینہ برسنے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اُس کا بدلہ یہ دریا دیدیتا ہے۔ کیونکہ اور ملکوں کی بارش کو بطور محصول کے جمع کرکے مصر میں پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے مصر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے۔ شعر عجیب طور کی تھیں مصر کی چراگاہیں کہ عین قحط میں بارش کی واں نہ تھی پروا۔ اس فیض رساں دریا سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے لئے مصریوں نے زمینوں کے اندازہ پر اور مناسب مناسب موقعوں پر بے شمار نہریں مناسب مناسب عرض و طول کی بنائی تھیں اور اُن کے ذریعہ سے دریائے نیل اپنی فیاض دھاروں سے ہر جگہ کو زرخیز کرتا تھا۔ نہروں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جاتے رہنے سے گویا اس دریا نے شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا۔ اور دریائے قلزم کو بحیرہ روم سے ملا دیا تھا اور اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ : سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پر تھی اور دشمنوں سے بھی ملک محفوظ تھا ان سب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ دریا مصر کا مربی اور اُس کا بہت بڑا محافظ ہے۔ مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے نہ روکتے تھے مگر شہروں میں جو بڑی محنت سے بنے تھے اور چوطرف پانی بھر جانے سے جزیروں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے اُن میدانوں کو جو دریائے نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے اپنے مکانوں پر چڑھکر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے۔

دریائے نیل کے مخرج

متقدمین خیال کرتے تھے کہ دریائے نیل کا مخرج اُن پہاڑوں میں ہے جو کوہ قمر کے نام سے مشہور ہیں اور جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں۔ تقویم البلدان میں بوعلی سینا کا یہ قول لکھا ہے کہ دریائے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے۔ مگر یہ پرانے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی نئی تحقیقاتیں کی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریائے نیل سے بڑے اور لمبے ہیں۔ سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزن ہے اور دریائے نیل کی لانبائی سے دوگنے سے بھی زیادہ لمبا ہے۔ دریائے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں ہوا تھا عربی جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویرانہ ہے اور اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ رولن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہ تحقیق کیا ہے کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمالی میں اس کا منبع ہے اور اس سبب سے متقدمین کی تحقیقات کی بہ نسبت اس دریا کی لمبان کو قریب بارہ یا پندرہ سو میل کے کم بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دریائے نیل ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں سے نکلتا ہے جس کا نام گویام ہے اور مملکت ابی سینیا میں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سوسائٹی نے اس دریا کے مخرج دریافت کرنے کو بہت سی کوششیں کیں اور کپتان اسپیک صاحب تین دفعہ اس کا مخرج دریافت کرنے کے لئے افریقہ میں گئے۔ اخیر عفر اُن کا ۱۸۵۸ء میں تھا۔ اُنھوں نے اپنے سفروں میں مین خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی اور وکٹوریا منیزا اُس کا نام رکھا اُن کے نزدیک وہی جھیل درحقیقت دریائے نیل کا مخرج ہے جنوبی سرا اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جنوبی پر واقع ہے۔ جو گویا دریائے نیل کا سرا ہے۔ اس حساب سے دریائے نیل چونتیس درجوں کی لمبائی یعنی دو ہزار تین سو میل کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سرے سے مغرب کی طرف آدو کیگول نامی ایک دریا ملتا ہے جو اس جھیل میں پڑتا ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دریا سے اور دریائے نیل سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جھیل کے اُسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے۔ کیونکہ عرب کے سیاحوں سے انھوں نے تحقیق کیا کہ لوہ گلی ماند جارو کے مغرب کی طرف نمک کی جھیلیں اور نمک کے میدان ہیں اور پہاڑی ملک ہے پانی کی بہت قلت ہے۔ کبھی کبھی کوئی چھوٹی ندی بہ آتی ہے۔ اس جھیل کے شمالی کنارے سے دریائے نیل نکلتا ہے اس جھیل کے شمال مشرق میں اور جھیل ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کا وہاں تک جانا نہیں ہوا مشہور ہے کہ وہاں ایک آبنائے ہے جو ان دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس پچھلی جھیل سے بھی ایک دریا نکلتا ہے جس کا نام آسنو ہے اور تخمیناً سوا تین درجہ عرض شمالی تک بہکر دریائے نیل میں مل جاتا ہے۔ وکٹوریا نینزا جھیل کے شمالی کنارے میں سے تین دھاریں نکلتی ہیں اور تھوڑی دور بہکر سب آپس میں مل جاتی ہیں اور ایک دریا یعنی دریائے نیل ہو جاتا ہے۔ ان میں سے مشرقی دھارا اس طرح پر نکلی ہے کہ جھیل میں سے ایک حصہ پانی کا شمال کی طرف نکلا ہے۔ اسپیک صاحب نے اُس کا نام نپولین چینل فرانس کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے کیونکہ فرانسیسی جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی نے اس کا حال تحقیق کرنے کے صلہ میں اُن کو سونے کا تمغہ دیا تھا۔ اُس چینل سے ایک بہت بڑی چادر پانی کی نہایت زور شور سے جس کا عرض چار سو پانچ سو فٹ تک ہے گرتی ہے اور وہ بہکر دریا کی دھار بن جاتی ہے۔ کپتان اسپیک صاحب نے اس چادر کا نام رائپن رکھا ہے۔ کیونکہ وہ دریائے نیل کے مخرج کی تحقیقات کو روانہ ہوئے تو انگلستان کے جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی کے پریذیڈنٹ رائپن صاحب تھے کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک کی جغرافیائی تحقیق کے بارے میں جو کچھ ضروری امور تھے وہ پورے ہو چکے ہیں۔

مگر اکثر محققین کے نزدیک ابھی اور زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دریائے نیل کے آبشار

جن مقاموں میں کہ دریائے نیل سخت پتھروں میں ہو کر زور سے نیچے گرتا ہے اُن کو آبشار کہتے ہیں ملک مصر میں آنے سے پہلے یہ دریا اتھیوپیا کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہکر آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت تیزی اور زور شور سے بہتا ہے کہ اُس کی آواز نو میل پر سے سنائی دیتی ہے۔ اس ملک کے رہنے والے جن کو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہو گئی ہے اُن لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جن میں بہ نسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ہے! ایک چھوٹی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھکر دریا میں جاتے ہیں اُن میں سے ایک تو ڈونگی کھیتا ہے۔ اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی اُلیچتا جاتا ہے۔ بہت دیر تک وہ ڈونگی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اُٹھا کر اور ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں لاکر تیز دھار پر لے جاکر بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح اُس میں سے نکل جاتے ہیں۔ خوف زدہ تماشا دیکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندی سے اُن لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے اُس کے نیچے جاکر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دھار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک بہ جاتے ہیں اور جہاں پانی دھیما ہو جاتا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب تماشے کا بیان سینکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زمانہ کے سیاح بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

دریائے نیل کی طغیانی کے اسباب

اگلے زمانہ کے لوگوں نے مثلاً ہیروڈوٹس اور ڈیوڈورس اور سیکولس اور سینکا نے دریائے نیل کی طغیانی کی وجوہ کے متعلق بڑی نکتہ آفرینی کی ہے۔ لیکن وہ پرانی باتیں اور صرف ناتحقیق خیالات تھے جو حال کے زمانہ میں کچھ زیادہ التفات کے لایق نہیں رہے۔ اس زمانہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اتھوپیا میں جہاں سے یہ دریا آتا ہے نہایت کثرت سے بارش ہونے کے سبب دریائے نیل میں اس قدر طغیانی ہوتی ہے کہ اول اتھوپیا کو اور اُس کے بعد مصر کو غرقاب کر دیتا ہے اور یہ ہی دریا اس بارش کے سبب سمندر بن کر تمام ملک میں پھیل جاتا ہے۔ مڑے صاحب کہتے ہیں کہ متقدمین کا صرف یہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی اتھوپیا میں کثرت سے بارش ہونے کے سبب سے ہوتی ہے۔ لیکن اس قیاس پر وہ اس کا اضافہ کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اُس کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ٹولیمی فلیڈلفس یعنی بطلیموس ثانی بادشاہ مصر نے جو علوم اور فنون کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت قابل قابل شخصوں کو وہاں بھیج کر اس کی تحقیق کرائی تھی۔

دریائے نیل کی طغیانی کے موسم

ہیروڈوٹس اور اسی طرح ڈایوڈورس اور سیکولس اور دوسرے بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریائے نیل گرمی کے موسم میں یعنی ماہ جون کے اخیر میں بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آجاتا ہے۔ اس زمانہ کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصلی سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے اُسی پر اُس کی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی اتھوپیا کی بارش ہے جو لوگ وہاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے نصف آخر یا ستمبر کے نصف اول تک برابر بارش رہتی ہے اس لئے مصر میں دریائے نیل کا چڑھاؤ ابی سینا میں بارش شروع ہونے سے تین ہفتے یا ایک مہینے بعد ہوتا ہے۔ سیاحوں کا قول ہے کہ دریائے نیل مئی کے مہینے سے بڑھنا شروع ہوتا ہے ۔ مگر اول نہایت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جون کے ختم ہونے کے قریب تک بھی اس میں طغیانی نہیں ہوتی ۔ ہیروڈوٹس صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو تین مہینے آتے ہیں انھیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے ۔ اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے جس کو میں بیان کرتا ہوں ہیروڈوٹس اور ڈایوڈوٹس ایک طرف ہیں اور سٹرے بو اور پلے نی اور سولینس دوسری طرف ہیں ۔ یہ تینوں دریائے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تین مہینے یا سو دن میں کنارے کے باہر کی زمینوں پر سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ پلے نی صاحب اپنی رائے کی بنیاد ہیروڈوٹس کی گواہی پر قائم کرتے ہیں ۔

دریائے نیل کی طغیانی کی بلندی

پلے نی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی کے دنوں میں دریائے نیل ٹھیک ٹھیک چوبیس فٹ اونچا چڑھ جاتا ہے ۔ جب کہ اُس کا چڑھاؤ اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فٹ اونچا آتا ہے تو ملک میں قحط سالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ اور جب کہ چوبیس فٹ اونچا چڑھاؤ آتا ہے تو غرقابی کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ شہنشاہ جولین نے ایک چٹھی موسومہ اکیڈیشیس مورخہ بیسویں ستمبر ۳۶۲ء میں دریائے نیل کی طغیانی کی بلندی بائیس فٹ لکھی ہے ۔ دریائے نیل کے چڑھاؤ کی بلندی کے بارے میں متقدمین کے درمیان اور نیز زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے ۔ مگر بہت زیادہ تفاوت بھی نہیں ہے ۔ اور اُس کے سبب یہ ہوئے اوّل یہ کہ اگلے زمانہ کے اور زمانہ حال کے پیمانوں میں شاید کچھ تفاوت ہو جس کا دریافت کرنا مشکل ہے ۔ دوسرے متقدمین مورخوں نے بے پروائی سے اپنے بیانوں کو لکھا ہو۔ تیسرے یہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا جس قدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُس کے چڑھاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے چونکہ مصر کے ملک کی زرخیزی دریائے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اس لئے مصریوں نے اُس کے چڑھاؤ کے تمام حالات کو اور اُس کے مختلف درجوں پر بخوبی غور کیا تھا اور ایک مدت تک باقاعدہ امتحانوں سے جو بہت سے برسوں میں ہوتے تھے خود دریائے نیل کے چڑھاؤ سے یہ بات معلوم ہونے لگی تھی کہ اس سال میں چڑھاؤ سے کیسی فصل پیدا ہوگی ۔ مصر کے بادشاہوں نے شہر ممفس میں ایک پیمانہ لگایا تھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ اور اُس پر دریائے نیل کے چڑھاؤ کے مختلف درجے لکھے تھے۔ اور اُن درجوں پر حساب کر کے تمام ملک مصر میں اطلاع دی جاتی تھی کہ اب کی فصل میں کیا نقصان آئے گا یا کیا فائدہ ہوگا۔ سڑے بو صاحب کہتے ہیں کہ اسی مطلب کے لئے شہر سیٹین کے قریب دریائے نیل کے کنارے پر بھی ایک کنواں بنا ہوا ہے۔ شہر قاہرہ میں ایک مسجد کے صحن میں ایک مینار ہے اور اُس پر دریائے نیل کے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ اور آج تک وہاں یہ رسم ہے کہ شہر کے ہر گلی کوچہ میں ہر روز منادی ہوتی ہے کہ دریائے نیل میں اس قدر چڑھاؤ پر منحصر ہے جس دن دریائے نیل کا چڑھاؤ ایک معین بلندی پر پہنچ جاتا ہے اُس دن بہت خوشی ہوتی ہے اور عیش و عشرت کے جلسے ہوتے ہیں۔ آتش بازی چھوٹتی ہے۔ اور آپس میں دعوتیں ہوتی ہیں۔ قدیم زمانہ میں بھی دریائے نیل کی طغیانی ہونے سے تمام مصر میں عام خوشی کی جاتی تھی۔ اس لئے کہ اُس ملک کی خوشی اور آسودگی کی بنیاد یہی دریا ہے۔ اگلے زمانہ میں مصر کے لوگ جو بت پرست تھے دریا کی طغیانی کو اپنے دیوتا سراپس کا اثر سمجھتے تھے اور جس مینار پر اُس کے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اُس کو اُس مندر میں مقدس سمجھکر رکھا تھا شہنشاہ قسطنطین نے اس مینار کو وہاں سے اٹھا کر اسکندریہ کے گرجا میں لے جانے کا حکم دیا۔ اس پر مصریوں نے یہ مشہور کیا کہ سراپس دیوتا کی خفگی کے سبب دریائے نیل میں کبھی چڑھاؤ نہیں آنے کا۔ دوسرے سال دریائے نیل میں معمول کے مطابق چڑھاؤ آیا شہنشاہ جولین مرتد نے جو بت پرستی کا مربی تھا اس مینار کو اسی مندر میں بھجوا دیا مگر شہنشاہ تھیوڈوشیس نے پھر اس کو وہاں سے اُٹھوا منگایا۔

نیل کی نہریں اور پانی کھینچنے کی کلیں

اگرچہ خدا تعالیٰ نے مصر کے ملک کو ایسا فیض رساں دریا دیا تھا مگر اس پر بھی یہ نہیں چاہا کہ وہاں کے رہنے والے سست اور کاہل ہو جائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اٹھائیں یہ بات از خود معلوم ہو سکتی ہے کہ دریائے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا تھا اس لئے بہت سی محنت و مشقت زمین کے پانی دینے میں کی جاتی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہ پانی پہنچانے کے لئے کاٹی گئی تھیں جو دیہات دریائے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے۔ اُن میں نہریں بنائی تھیں اور مناسب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لئے کھولی جاتی تھیں جو دیہات کو بہت دور دراز فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے اُن میں بھی پانی پہنچانے کے لئے نہریں بنی ہوئی تھیں۔ اور اس طرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہر سے پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریائے نیل ایک معین حد پر نہ چڑھ جاتا تھا۔ اُس وقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نالیاں کاٹنے اور دہانوں کے کھولنے کی اجازت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ نہ ہوتی تھی ۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے پانی لینا شروع ہو جاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا پہنچ جاتا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچنے کا احتمال ہوتا ۔ بموجب اُن قاعدوں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوتے تھے اور جس میں سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اس طرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو بخوبی پہنچ جاتا تھا جن ضلعوں میں کہ دریائے نیل کا پانی از خود پھیلتا تھا وہ اس قدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور اُن میں اس قدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ جس قدر پانی جون اور جولائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اُس کا دسواں حصہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا ۔ مگر باوجود اس قدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہ پہنچتا تھا اس لئے پیچ دار کلوں سے اُن زمینوں میں پانی پہنچا دیتے تھے اُن کلوں کو بیل پھراتے تھے اور پانی نلوں میں جا کر اُن اونچی زمینوں میں پہنچتا تھا ۔ ڈیوڈورس صاحب کہتے ہیں کہ جب آدکی میڈیز صاحب مصر کی سیاحت پر گئے تو اُنھوں نے لوگوں کے لئے یہ کل ایجاد کی تھی ۔

دریائے نیل سے مصر کی زرخیزی

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کی زمین مصر کی زمین سے زیادہ زرخیز ہو اور یہ صرف دریائے نیل کا فیض ہے اور دریاؤں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ اُترتے ہیں زمین کی مٹی کو جس سے نمی رہتی ہے بہالے جاتے ہیں اور ریت چھوڑ جاتے ہیں ۔ مگر برخلاف اس کے دریائے نیل اپنی رو میں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہا لاتا ہے ۔ اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب سے اگلی فصل ہونے سے زمین جس قدر کمزور ہو جاتی ہے پھر اُتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے ۔ کاشت کار کو ملک میں ہل چلانے اور زمین توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی ۔ جب دریائے نیل ہٹ جاتا ہے تو بجز اس کے کہ زمین کے اوپر جو چکنوٹ مٹی رہ گئی ہے اس کو الٹ پلٹ کر نیچے کی ریتلی مٹی سے ملا کر اس کے مزاج کو معتدل اور اُس کی قوت کو کمزور کیا جائے اور کچھ کام کرنا نہیں پڑتا ۔ اس کے بعد نہایت آرام سے اس میں بیج ڈال دیا جاتا ہے اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا ۔ دو مہینے میں سب زمینیں پھل پھول کر سرسبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور اُن میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے ۔ مصر والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جب کہ دریائے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں اور مارچ و اپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے ۔ مصر کی زمینیں فصلی اور چوفصلی ہیں ۔ یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزیں بوئی جاتی ہیں ۔ پہلی دفعہ کھیرا کاہو بو کر کاٹ لیتے ہیں اس کے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تمام غور و فکر اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان میں بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی یقیناً اُس مشہور و معروف شخص[1] کو حاصل نہ ہوئی ہوگی جس نے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب اور مطالعہ کی زور سے اس دلچسپ مسئلہ میں ایک عمدہ اور عالمانہ مضمون تحریر کیا ہے۔

دریائے نیل کے متعلق تحقیقات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب اتھوپیا کے دو سفیر دہلی میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جن کو

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ ۔ فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں۔ چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی تپش بہت ہوتی ہے اور مینہ بہت کم برستا ہے اگر اس ملک میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بنا کر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی دیا جاتا ہے تو قیاس کہتا ہے کہ وہاں کی زمینیں جلد خشک ہو جاتیں اور ایسی شدید گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جاتیں۔ دریائے نیل سے مویشی کی پرورش میں بھی جو مصر کی دولت کا دوسرا ذریعہ ہے کچھ کم مدد نہیں ملتی۔ مصر والے اپنے مویشی نومبر کے مہینے میں چرنے کے لئے باہر نکال دیتے ہیں اور مارچ تک چراتے ہیں۔ لفظوں میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اُن چراگاہوں کی زرخیزی کا بیان ادا ہو سکے۔ مویشیوں کے ریوڑ کے ریوڑ جو بسبب معتدل اور خوش آئند ہوا کے دن رات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدت میں بہت تازہ اور فربہ ہو جاتے ہیں جن دنوں میں کہ نیل کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مویشی کو کٹی اور گھاس اور جو اور مٹر کھلا کر پرورش کرتے ہیں۔

مسٹر کارنیل لی بروئن اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معین موسم میں اتھیوپیا میں اس قدر مینہ برستا ہے کہ مصر کو پانی دے کر نہال کر دیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی۔ اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور ریتیلی زمین کو دنیا کا ایک عمدہ زرخیز ملک بنا دیتا ہے۔ ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جون میں اور اس کے اگلے چار مہینے شمالی اور مشرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دریائے نیل کا پانی رُکا رہے اور جلدی سے بہکر سمندر میں نہ چلا جائے اگلے لوگوں نے بھی اس قدرتی حکمت کے نکتہ کو بخوبی محسوس کر لیا تھا۔

[1] مسٹر تھیونٹ سے مراد ہے۔ س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

معلومات حاصل کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے اُن کو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں بُلا لیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا۔ اور اس سے نواب صاحب کی اصل غرض یہ ہوتی تھی کہ اُن کے ملک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیت حاصل کریں۔

اتھوپیا کے سفیروں کا بیان چنانچہ علاوہ اور باتوں کے ہم نے اُن سے دریائے نیل کے منبع کی نسبت جس کو وہ آبا بائیل کہتے ہیں بہت گفتگو کی اُنھوں نے کہا کہ اس کے منبع کا حال تو ہر کسی کو خوب معلوم ہے اور اُس کی نسبت کسی کو کچھ شک نہیں ہے۔ بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے ایک مغل کے ہمراہ جو انھیں کے ساتھ ہندوستان واپس آیا تھا اُس کو دیکھا بھی تھا اُنھوں نے کہا کہ دریائے نیل کا منبع اگوس[1] کے ملک میں ہے اور وہ دو بڑے جوشندہ چشمے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکل کر اوّل تو کوئی تیس یا چالیس قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بن جاتی ہے اور پھر اس میں سے

دریائے نیل کی گذرگاہ نکل کر یہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اس کے بعد راستہ میں اور بہت سے ندی نالے مل جاتے ہیں اور ایک دریائے ذخار بن جاتا ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایسے طور پر پیچ کھا کھا کر گیا ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو مملکت ڈیمبیا[2] میں اس کے منبع سے صرف چار پانچ منزل اور گونڈار دارالحکومت اتھوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے۔ اور اس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور ممالک فنجی[3] یعنی بربرستان[4] جو شاہ اتھوپیا کے باج گذار ہیں اُن کے خاص شہر سینار[5] میں سے گذرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر ملک مصر کے میدانوں میں آ نکلتا ہے۔

دریائے نیل کا منبع جب یہ سفیر دریائے نیل کا منبع اور اُس کی کیفیت بیان کر چکے تو میں نے اُس ملک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اس دریا کا یہ منبع ہے پس میں نے پوچھا کہ ڈیمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کون سے حصہ

---

[1] راگوس — اگ وس
[2] ڈمبیا — گ وَن ڈائر — ف ن ج ی
[3] بربرستان — س ی ن ا ر
[4] بربرستان
[5] س ی ن ا ر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں واقع ہے۔ لیکن اُنھوں نے بجز اس کے اور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ مجھکو یہ تقریر سُن کر حیرت ہوئی خصوصًا ایک مسلمان سفیر سے جس کو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کے نسبتی فاصلوں سے زیادہ سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکہ کی طرف رُخ کریں۔ مگر بہرحال اُس مسلمان سفیر نے یہ امر باصرار بیان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دریائے نیل کا منبع خطِ استوا کے شمال میں ہے۔ نہ کہ جنوب میں جہاں بطلیموس[1] نے قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں جنوب ہی میں درج ہے۔

---

[1] بطلیموس۔ اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قلودیس لکھتے ہیں یہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آبسا تھا۔ لکھا ہے کہ جب اُس نے ذرا ہوش سنبھالا تو مشہور حکیم جالینوس کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دست گاہ ہوگئی تو ریاضیات کی طرف اس کو زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہ آدریانوش کے عہد میں جو آدریان قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اس کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اس کو شغل تھا۔ یہاں اس نے ستاروں اور افلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لئے رصدخانہ بنایا۔ اور متقدمین علمائے اہل ہیئت خصوصًا ہپارکس (ابرخس) کے سیاروں اور ثوابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدولیں بنائیں جن سے سورج چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اصطرلاب وغیرہ آلات رصدی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ ہپارکس ان کا موجد ہے۔ لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جن سے اس زمانہ میں بھی کام لیا جاتا ہے۔ اُن کی تصحیح اور توضیح تو نی الواقع اسی نے کی تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیسرے مقالہ کی آٹھویں نوع میں خود لکھا ہے (اس کتاب کے برابر اس فن میں آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی) چنانچہ نامور مسلمان علمائے ہیئت فضل بن یحییٰ تبریزی و محمد بن جابر وابوریحان خوارزمی جنھوں نے اس کتاب پر حاشیے اور شرحیں لکھی ہیں جس قدر اُنھوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اسی قدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اس کتاب کے تیرہ مقالوں کا ترجمہ اول چند یونانی علما نے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے جو ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء سے ۱۸۷ھ مطابق ۸۰۳ء تک وزیر رہا تھا یونانی سے عربی زبان میں کیا تھا لیکن وہ اس کو پسند نہ آیا اور اس نے ابو حسان اور ایک اور عالم کو اس کے دوبارہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نیل کی طغیانی کا راز ہم نے ان صاحبوں سے یہ بھی دریافت کیا کہ اتھوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہ کہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اور طرح انھوں نے جواب دیا کہ بحر احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیکو اور جزیرہ مصوع سے لے کر باب المندب تک اس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ مخا میں ہوتی ہے جو اس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اس ملک کے اندر کی طرف مملکت ڈیمبیا کے صوبہ اگوس میں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے ان دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جن میں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی ہے اور میرے قیاس کے بموجب یہ ٹھیک وہ وقت ہے جب کہ مصر میں دریائے نیل طغیانی پر آتا ہے۔ ان سفیروں نے کہا کہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی اور اس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اتھوپیا کی بارشیں ہیں۔ اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو دریائے نیل بہا کر یہاں لا ڈالتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انھیں حالات کی وجہ سے شاہان اتھوپیا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنھوں نے نہایت عمدگی سے اس کام کو انجام دیا اور حجاج بن مطر ثابت بن قرہ اور اسحاق نے اس کے الفاظ کی اصلاح کی اور تریب ۱۲۳۰ء کے بھی عربی ترجمہ سے یہ کتاب زبان لیٹن میں ترجمہ ہوئی۔ بطلیموس نے اس فن میں ایک اور رسالہ بھی اپنے شاگرد سوری کے واسطے لکھا تھا جس کا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے عربی میں کیا اور حنین بن اسحاق نے اس کی اصلاح کی۔ غرض بطلیموس متقدمین ہیئت دانوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو مکمل کر کے ہمارے لئے چھوڑ گیا۔ اس کے نظام مقررہ کو نظام بطلیموسی کہتے ہیں جس کا بڑا اصول یہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور افلاک اس کے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف نظام مسلمہ حال کے جو نظام فیثا غورسی کہلاتا ہے جس میں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلیموس نے مارنیس باشندہ شہر ٹائر کے اصولوں کی بنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا کندی نے عربی میں ترجمہ کیا اور لیٹن میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔ جو اب موجود ہے طول شرقی اور خط شمالی اسی نے قائم کئے اگرچہ اس کا یہ کام مکمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نئے جغرافیہ بنانے والوں کے لئے بڑا مفید ہے اور متن میں بطلیموس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ علم موسیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اس کی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں بھی موجود ہے۔ اس کی وفات اٹھتر برس کی عمر میں ۱۶۹ء میں واقع ہوئی

(ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا) س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا اور جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہو گئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم رسیدہ اور ذلیل ہو گئی تو شاہ اتھیوپیا نے چاہا تھا کہ دریا کا رخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہو کر یہ ملک برباد ہو جاتا۔ لیکن یہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھا کہ مطلق عمل میں نہ آیا۔ ان تمام باتوں سے میں بمقام مخا پہلے ہی واقف ہو چکا تھا۔ کیونکہ گونڈار کے رہنے والے دس بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اتھوپیا کی طرف سے ہر سال اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے آئے ہوئے جہازوں کے ساتھ لین دین کریں) مجھکو طرح طرح کی گفتگو کا موقعہ ملا تھا۔ اور جو معلومات مجھکو اُن سے حاصل ہوئی تھیں وہ بھی بہت مفید ہیں۔ کیونکہ اُن سے بھی دریائے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو اُس کے منبع کے قریب اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر ہوتی ہیں۔ لیکن تاہم میں اپنے ذاتی مشاہدوں کو جو اس دریا کی طغیانی کے وقت مجھکو دو مختلف اوقات میں ہوئے تھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور ان سے آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ مصر کے عوام الناس کی جو رائیں اس بارے میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ محض بے معنی قصے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی من گھڑت ہیں جو توہمات میں اس وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکھکر سخت متحیر ہو جاتے ہیں۔

مصریوں کے اوہام چنانچہ منجملہ اُن توہمات اور تخیلات کے میری مراد اس جگہ خاص طور سے اُن کے مفصلہ ذیل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی شروع ہونے کا ایک خاص دن مقرر ہے دوسرے یہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جس کو گوٹ[1] کہتے ہیں۔ طغیانی کے اول ہی دن پڑنی شروع ہوتی ہے اور اس کے شروع ہوتے ہی وبائے طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب گوٹ گرنے لگ جاتی ہے تو پھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا۔ چوتھے یہ کہ اس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور پُراسرار ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہ ہے اور مجھ پر یہ بخوبی منکشف ہو گیا ہے کہ یہ مشہور دریا بھی شمل اور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہ کہ اس کی طغیانی اس سبب سے

(۱) گ ُوٹ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وقوع میں آتی ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریت کی وجہ سے جوش کھا کر اس کی طغیانی کا باعث بن جاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ طغیانی کے اُس متخیلہ دن سے قریب ایک مہینہ پہلے ہی یہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور نہایت گدلے پن کی حالت میں بہہ رہا تھا۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہ دریا طغیانی پر آتا ہے تو قبل اس کے کہ اس کی نہروں کے دہانے کھولے جائیں۔ یہ پہلے تو چند روز تک ایک دو فٹ چڑھتا ہے۔ اور بعد ازاں بتدریج اُترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازے سے چڑھتا یا اُترتا ہے جس قدر کہ اُس کے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اُس کی یہ حالت بعینہٖ ہمارے دریائے ٹوائر کی سی ہے جس کا چڑھاؤ اور اُتار اسی نسبت سے ہوتا ہے جس قدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہ نکلتا ہے۔

شبنم اور طاعون

اُس دن سے قریب ایک مہینہ پہلے جب کہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں ڈیٹا — (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جو رات بھر پڑی تھی تر ہو گئے تھے۔

گوٹ گرنے کے آٹھ دس روز بعد بمقام روسیٹا[1] (یعنی رشید) مجھے اپنے والس کونسل (یعنی نائب وکیل) مانشیور دی برمن صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کھانے کا اتفاق ہوا تھا اور حاضرین طعام میں سے تین شخص اُسی رات کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ جن میں سے دونوں آٹھویں دن مر گئے اور تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود دی برمن صاحب ہی تھے۔ شاید اس بیماری سے جاں بر نہ ہوتا اگر میں جرأت کر کے یعنی اُس شبنم کی متخیلہ تاثیر کے بھروسہ پر نہ رہکر اُن کا پھوڑا نہ چیر ڈالتا اور دوا تجویز نہ کرتا۔

اس موقعہ پر خود مجھکو بھی یہ متعدی بیماری لگ گئی تھی اور اگر میں فوراً بٹر آف اینٹی منی یعنی سرمہ کا جوہر استعمال نہ کرتا تو میں بھی مر جاتا۔ اور یہ بات ثابت ہو جاتی کہ گوٹ کے گر جانے کے بعد بھی آدمی وبا سے مر جاتے ہیں۔ اس تے لانے کی دوا نے جو میں نے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار نہ رہا۔ ایک میرا بدوی نوکر جو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا میری ڈھارس بندھانے

---

[1] روس ے ٹ ا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی خاطر وہ یخنی جو میرے پینے سے بچ جاتی تھی بے تامل پی جاتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے خیال پر ہنستا تھا۔

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے گرنے کے بعد اس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے لیکن میری غرض یہ ہے کہ اس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے منسوب نہ کرنا چاہیے کیونکہ میری رائے میں بیماری کم ہوجانے کا سبب گرمی کی وہ شدت ہے جو اُن دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوجاتی ہے جس سے مسامات کھل کر وہ سب مضر اور وبائی رطوبتیں جو جسم میں رُکی رہتی ہیں خارج ہوجاتی ہیں۔

ریز ملاحوں کا بیان علاوہ بریں میں نے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے بھی جن کو "ریز"[1] کہتے ہیں اور جو دریائے نیل پر مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی چٹانوں اور آبشاروں تک سفر کر آئے تھے دریافت کیا تو انھوں نے بھی مجھے یہی بتایا کہ جب یہ دریا مصر کے میدانوں اور اُس زمین پر جو شور اور پُرجوش بیان کی جاتی ہے طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھا ہوا ہوتا ہے اور ان آبشاروں کو غیر معمولی طور سے طغیانی پر لے آتا ہے حالانکہ اُن پہاڑوں کی زمین ظاہرا شور نہیں ہے۔

سینار کے حبشیوں کا بیان میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ سینار کے حبشیوں سے بھی جو نوکری کے واسطے قاہرہ کو جاتے ہیں اور جن کا ملک دریائے نیل کے کنارے پر اُن کو ہتانی قطعات میں واقع ہے جو مصر کے جنوب کی طرف ہیں اور شاہ اتھوپیا کا باج گذار ہے۔ تحقیق کیا تو انھوں نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ جس وقت دریائے نیل مصر کے میدانوں میں چڑھتا ہے تو یہ ہمارے ملک میں بھی چڑھتا اور زور پر آتا ہے۔ اور اس کا باعث وہ بارشیں ہیں کہ جو نہ صرف ہمارے پہاڑوں میں ہوتی ہیں بلکہ ہمارے ملک سے اوپر کی طرف اتھوپیا میں بھی ہوتی ہیں۔

دریائے گنگا کی طغیانی ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریائے نیل کے مصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی پر آنے سے جو خیالات میرے دل میں گذرے اُن سے یہ مضمون بہت صاف ہوجاتا ہے۔ اور آپ خیال کر سکتے ہیں

---

[1] اس لفظ میں حرف اخیر یعنی ز جمع کی علامت ہے۔ س۔ م۔ ج ریئے ز

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ دریائے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریائے نیل ہیں اور ان کے آس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمینیں۔

نیل اور گنگا مصر اور بنگال

یہ خیالات میرے دل میں اس وقت گذرے تھے جب کہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو میں نے اُس وقت اس بحث کے متعلق لکھی تھی۔ خلیج بنگالہ میں دریائے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ گذرنے پر آپس میں مل گئے۔ اور آخرکار براعظم سے ملحق ہو گئے ہیں مجھکو دریائے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھکر مجھے خیال آتا تھا کہ ارسطو کا یہ قول "کہ ملک مصر دریائے نیل کی صنعت ہے" بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریائے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریائے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل سے زیادہ مٹی اپنے ساتھ سمندر میں بہالے جاتا ہے جس کے سبب سے اس کے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ دریائے نیل کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو اُن چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے سبب سے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آب پاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسمی بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی بآسانی تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریائے گنگا اور دوسرے دریا گرمی کے موسم میں اُن بارشوں کے سبب سے جو اس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے۔ دونوں ملکوں میں یہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتھوپیا میں دریائے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش اُن ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جن میں دریا بہتے ہیں۔

سندھ اور مصر

مگر معلوم رہے کہ یہ حالت عام نہیں ہے۔ چنانچہ دریائے سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج فارس کی طرف واقع ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

برسوں ایک بوند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہ ملک اُس وقت مصر کی طرح صرف نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تھیوی نٹ صاحب نے جو یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے اور مشاہدے مجھکو بحر قلزم اور سوئز اور طور اور کوہ سینا اور جدہ میں (جو مکہ سے آدھے دن کے راستہ پر ایک مقدس مقام سمجھا جاتا ہے) اور جزیرے کامیرن اور لوہیا میں ہوئے ہیں اُن کا مفصل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں اس لئے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی فرصت ملی اُن کی تمنا کو پورا کروں گا اور جو واقفیت مجھکو بمقام مخا ملک تھوپیا اور وہاں جانے کے لئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس کو بھی لکھوں گا۔

خط

بنام مسٹر جیپ لین[1] از شیراز (ایران) ۱۰ر جون ۱۶۶۸ء

ہندوؤں کے عقائد توہمات اور رسومات کے بیان میں

سورج گہن

فرانس والوں کے توہمات

صاحب من! سورج گہن کے دو واقعے میں نے ایسے دیکھے ہیں کہ جن کو میں کبھی نہیں بھولوں گا اپنے ہی ملک میں ۱۶۵۴ء میں دیکھا تھا اور دوسرا ۱۶۶۶ء میں بمقام دہلی۔ پہلا گہن مجھے اس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف و

[1] کسی مصنف کی کوئی ایسی رائے جو کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ناگوار ہوا کرتی ہے خصوصاً جب کہ الفاظ بھی کسی قدر سخت ہوں۔ پس اس کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مورخ کی رائے پر تو ہمارا اختیار نہ تھا کہ اس کو بدل دیا جاتا مگر ہاں بلا اندیشہ فوت مطلب جس جگہ ترجمہ میں کوئی ملائم لفظ اختیار کیا جا سکتا تھا۔ پاس خاطر اپنے ہم وطنوں کے وہاں ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ چھوڑ بھی دیئے گئے ہیں اُمید کہ ناظرین وقت پسند ہماری اس فروگذاشت کو معاف فرمائیں گے۔ السید محمد حسین

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہ احمقانہ وسواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹوٹے ٹوٹکے کرکے بچ جانے کے لئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانوں اور تہ خانوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کرلیا تاکہ اُس منحوس وقت کے آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور ہزاروں آدمی گرجاؤں میں دعا مانگنے گئے۔ بعض یہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قیامت کا دن یہی ہے اور یہ جہان آج ہی ملیامیٹ ہوجائے گا اور اگرچہ گے سینڈی[1] اور رابرول[2] وغیرہ اہل ہیئت اور حکما اور فرنگستان نے پہلے ہی بڑی تکرار کے ساتھ لکھ دیا تھا کہ اس گہن میں اگرچہ دھوپ بالکل نہ رہے گی مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اور جس طرح پر ہمیشہ ہوتے رہے ہیں یہ بھی بالکل بے خطر ہے نجومیوں اور رمالوں کے سے بیہودہ توہمات نہ کرنے چاہئیں مگر اس پر بھی ہمارے ہم وطنوں کو ایسے ایسے وسواس اور توہمات تھے کہ بس پناہ بخدا۔

دہلی میں سورج گہن کا نظارہ جو گہن بمقام دہلی ۱۶۹۶ء میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہمات اور عجیب و غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہے گا جب گہن کا وقت آیا تو میں اپنی حویلی کی چھت پر جو جمنا کے کنارے تھی اور جہاں سے

---

[1] گے سین ڈی ملک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہ ۱۵۹۵ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۶۵۵ء میں مرا۔ یہ ابتداء عمر ہی سے علوم ریاضی کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ سولہ برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام ای علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں اس نے ارسطو کی تردید میں ایک کتاب لکھکر چھپوائی جس کے باعث یہ تمام فرنگستان میں مشہور ہوگیا۔ ۱۶۲۸ء میں یہ جب ملک ہالینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کی طرف زیادہ متوجہ ہوا اور ۱۶۳۱ء میں عطارد کے آفتاب کے سامنے سے گذرنے کی خبر دی جس کو انگریزی میں ٹرین زٹ اور عرب ہیئت داں لوگوں کی اصطلاح میں قمر آن یا سرور کہتے ہیں۔ (ماخوذ از کتاب روضۃ الحکما) س۔م۔ح ٹے رنے ن زٹ

[2] رابرول ایک فرانسیسی عالم تھا اور ریاضیات اور خصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا مگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف نجل اور خودغرضی سے اُن مسائل کو جو اُس نے اپنے زور طبیعت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم بتاتا تھا (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن میں تخمیناً ایک "لیگ" یعنی تین میل کا فاصلہ ہے جا کھڑا ہوا ہزاروں لاکھوں ہندو کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے دیکھ رہے تھے تاکہ گہن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے بالکل ننگے تھے۔ مرد صرف دھوتیاں باندھے ہوتے تھے۔ بیاہی ہوئی عورتیں اور چھ چھ سات سات برس کی لڑکیاں صرف ایک چادر یا ساڑی اوڑھے ہوئے تھیں۔ صاحب مقدور اشخاص اور بڑے بڑے آدمیوں یعنی راجاؤں متہول اور صاحب امتیاز لوگوں نے جو دربار شاہی میں معزز ہیں۔ اور صرافوں، مہاجنوں، جوہریوں اور بیوپاریوں وغیرہ نے یہ بندوبست کیا تھا کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ دریا کے اُس کنارے سے اس کنارے آکر پانی میں ڈیرے اور قناتیں کھڑی کرالیں اور اس طرح پردے میں اشنان وغیرہ کیا۔ ہندوؤں کے اس مجمع نے جوں ہی گہن لگتے دیکھا ایک عجیب وغریب نعرہ مارا اور چند بار متواتر غوطے لگائے۔ پھر پانی میں کھڑے ہوتے اور اپنے ہاتھ اور آنکھیں سورج کی طرف اٹھائے ہوتے بڑے حضور قلب سے عبادت اور پوجا کرتے دکھائی دیئے۔ اور چند بار دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر سورج کو چڑھایا اور بہت ادب سے سر جھکا کر کبھی دائیں کبھی بائیں پانی دیتے تھے۔ اور گہن کے ختم ہونے تک یہ بیچارے غلطی میں پڑے ہوئے لوگ ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے اور جب جانے لگے تو جمنا میں دور سے روپے اور دونیاں چونیاں وغیرہ پھینکیں اور برہمنوں کو جو بھلا ایسی تقریب پر وہاں آنے سے کیوں چوکنے لگے تھے بہت کچھ پن دان دیا۔ میں نے دیکھا کہ ہر ایک شخص نے پانی سے نکلنے پر نئی پوشاک جو دریا کے کنارے ریت پر رکھی ہوئی تھی پہنی۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے جو زیادہ دھرم آتما تھے اپنی پرانی پوشاکیں برہمنوں کو پن کر دیں۔

اس طرح سے میں نے اس عظیم الشان سورج گہن کی پوجا کا تماشا اپنے مکان کی چھت پر سے دیکھا۔ اور جیسا کہ یہاں ہوا ویسا ہی دریائے سندھ گنگا اور ہندوستان کے اور دریاؤں بلکہ عام تالابوں پر بھی ہوا۔ کہتے ہیں کہ تھانیسر[1] میں قریب ڈیڑھ لاکھ

---

[1] ہندوستان کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ ۱۵۶۷ء مطابق ۹۷۴ھ میں جو شہنشاہ اکبر لاہور سے دہلی کی طرف آتا ہوا تھانیسر میں ٹھہرا تو اتفاق سے وہاں سورج گہن کے نہان کا میلہ تھا۔ پس کسی بات پر تکرار ہوئی اور سنیاسیوں اور جوگیوں میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں بادشاہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آدمیوں کے ہندوستان کے ہر ایک حصہ سے اشنان کے واسطے آن کر جمع ہوتے تھے۔ کیونکہ اُس ندی کا پانی جو وہاں بہتی ہے گہن کے دن اور دریاؤں اور ندیوں کی نسبت زیادہ متبرک اور پاک سمجھا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی رسومات اور سلاطین مغلیہ

سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن ان پُرانی رسموں کے آزاد طور پر بجالانے کو یا تو اُس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں! یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے۔ مگر ہاں اتنی بات بے شک ہے کہ تھانیسر کے میلہ سے پہلے چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کی طرف سے بطور وکیل حاضر ہوکر ایک لاکھ روپیہ پیش کش کرکے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اُس کے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی اُن کو عطا ہوتا ہے[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: کے پاس فریادی آئے اور درخواست کی کہ ہم کو تلوار سے لڑکر آپس میں فیصلہ کر لینے کی اجازت ملے۔ بادشاہ نے اول تو بہت سمجھایا مگر جب اُنھوں نے نہ مانا تو یہ عجیب فیصلہ کیا کہ لڑنے کی اجازت دیدی اور حکم دیا کہ سنیاسیوں کے جو جوگیوں سے تعداد میں کم یعنی قریب تین سو کے تھے اور جوگی پانچ سو۔ ہمارے سپاہی شامل ہوکر جوگیوں سے لڑیں۔ پس بادشاہی سپاہی بھی بھبوت مل کر سنیاسیوں کے ساتھ میدان میں آکودے اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خوب لڑائی ہوئی اور حضرت شہنشاہ بڑے لطف سے بیٹھے تماشا دیکھا کئے آخرکار جوگیوں کا ناس کرکے سنیاسی غالب آئے اور اس کے بعد بادشاہ نے انتظام کر دیا کہ یہ کچھ اور زیادہ فساد نہ کرنے پائیں۔ یہ روایت بدایونی کی ہے۔ مگر ابوالفضل نے لکھا ہے کہ پُربی اور گری جو دونوں سنیاسیوں ہی کے فرقے ہیں اُن میں اس بات پر جھگڑا ہوگیا تھا کہ میلے میں تیرتھ کے کنارے پریوں کے بیٹھنے کی جو جگہ تھی اور جہاں خوب چڑھاوا چڑھتا تھا وہ گریوں نے چھین لی تھی۔ س۔م۔ح

[1] ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گہن کے موقعہ پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کے برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جن کو ہمارے ملک ایں روئے ستلج میں ڈکوت یا مہا برہمن یا گجراتی یا اچارج کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غالب ہے کہ بادشاہ کی طرف سے یہ ہاتھی اور پوشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا۔ اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے اُن کی بعض رسمیں اختیار کر لی تھیں جو اکبر کے عہد سے لے کر اس سلسلہ کے اختتام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گہن کے موقعہ پر پوجا پاٹھ

اب میں اس گہن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہ کہ یہ رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہمارے چار وید یعنی (کتب آسمانی) جو خدائے ہم کو برہما کی وساطت سے دیئے ہیں یہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راجمپس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کلوٹا اور ازبس نجس اور میلا کچیلا ہے سورج کو پکڑ کر بُری طرح میلا اور کالا کر دیتا ہے۔ سورج بھی اگرچہ ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک نہاد ہے اس شریر کالی بلا کے پنجہ میں پھنس کر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے۔ پس ہر ایک شخص کو یہ لازم اور واجب ہے کہ سورج بھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی دلانے میں کوشش کرے اور اس کی صرف یہی سبیل ہے کہ اشنان اور پوجا پاٹھ اور پن دان کیا جائے۔ کیونکہ یہ دھرم کرم گہن کی حالت میں نہایت ہی مہاتم اور گُن رکھتے ہیں اور جو پُن دان اُس وقت کیا جائے وہ بہ نسبت معمولی پُن دان کے سوگنا پھلتا ہے۔ پس ہندو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سوگنا فائدہ ہو اُس کو نہ کرے۔

صاحب من۔ یہی وہ دنوں سورج گہن ہیں کہ جن کی نسبت میں نے آپ سے کہا ہے کہ ان کو ہرگز نہ بھولوں گا۔

جگن ناتھ کی رتھ جاترا

سورج گہن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعًا اور خواہی نخواہی یہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اور حال بھی ان لوگوں کی بعض وحشیانہ رسموں کا آپ کو سناؤں جن کے متعلق جیسا مناسب جانیں نتیجہ نکال لیں۔

جاتریوں کا ہجوم

خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامی ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور مندر ہے جس میں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے۔ اور اگر میری یاد میں غلطی نہ ہو وہاں ہر سال ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نو روز تک رہتا ہے اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ تک سب بادشاہ اُن کو بجا لاتے تھے مثلاً تل دان یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اس موقعہ پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا۔ س۔م۔ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس موقعہ پر لوگوں کا بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگلے زمانہ میں ہمتن[1] کے مندر پر ہوتا تھا یا ہمارے وقت میں مکہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دو لاکھ کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں۔

جگن ناتھ کی رتھ اور مورت لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے۔ رجس کا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں میں نے

---

[1] ہمتن انگریزی چوبی ٹر کا ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بُت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ یہ مندر جس کا ذکر متن میں ہے لیبیا کے (افریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع میں تھا۔ جس کا ہمارے زمانہ میں شہر برقہ دارالحکومت ہے۔ جہاں یہ مندر بنا ہوا تھا اُس سے کسی قدر فاصلہ پر اب صیوہ نامی ایک گاؤں آباد ہے جو برقہ اور قاہرہ کے مابین قاہرہ سے مغرب کی طرف تخمیناً تین سو بیس ۳۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہ بے حد و شمار جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اُن کی سلطنت کے زوال کے بعد اُن لوگوں نے جو وَنڈل کے نام سے مشہور تھے اُس کو لوٹ کر برباد کر دیا۔ جس ضلع میں یہ مندر بنا ہوا تھا اُس کے چاروں طرف کی زمین بالکل بیابان تھی جس میں نہ گھاس تھی اور نہ پانی۔ مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ اور اُس بیابان میں صرف وہی ایک قطعہ تھا جہاں اوس پڑتی تھی مشہور رومی مورخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ اس مندر کے نزدیک ایسا چشمہ تھا جس کا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جس کی خنکی دن کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی جاتی تھی یہاں تک کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا ۱۷۹۲ء میں بروٹی نامی ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت کیا اور ۱۷۹۸ء میں ہوارنی میں نامی ایک دوسرے سیاح نے اس چشمہ کو معلوم کیا۔ اور ان کے بعد ۱۸۱۶ء میں ایک اور سیاح نے جس کا نام بلزونی تھا۔ اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہ چشمہ کھجوروں کے خوشنما جنگل کے درمیان واقع ہے اور چونکہ اُس کے پاس تھرما میٹر نہ تھا۔ اس لئے اُس نے اس کے پانی کی نسبت قیاساً یہ لکھا ہے کہ اس کی گرمی صبح کو (اسّی) دوپہر کو (چالیس) شام کو (ساٹھ) اور آدھی رات کو (ستّو) درجے ہو جاتی ہے۔

(ماخوذ از جام جم و انسائیکلوپیڈیا برطانیکا)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دیکھا بھی ہے) جس پر بے شمار مورتیں بنی ہوئی ہیں جن میں سے کسی کے تو اُن جنوں کی تصویروں کی طرح جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں ۔ دوسر ہیں یعنی آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کسی مورتی کا نہایت مہیب بندر اور دیو وغیرہ کی طرح ایک سر ہے ۔ یہ رتھ پندرہ سولہ پہیوں کا ہے اور پچاس ساٹھ آدمیوں کے زور چلتا ہے اور اُس کے عین وسط میں جگن ناتھ کی مورت کو نہایت مکلف اور زرق برق پوشاک پہنا کر رکھتے اور عظمت و شان کے ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لے جاتے ہیں ۔

جگن ناتھ کے درشن پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن کرائے جاتے ہیں ۔ اس قدر اژدحام ہوتا ہے کہ بہت سے جاتری جو کالے کوسوں چل کر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں اور اُن کے ارد گرد کے لوگ یہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے ۔ جو اتنی دور سے ایسی متبرک جگہ آن کر مرے ۔

نادانوں کی خوش عقیدگی یہ رتھ جس کے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُس کے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو اُن کو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اس امر سے ذرا بھی تعجب اور نفرت نہیں کرتے ۔ کیونکہ اُن کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے ۔ اور جان دینے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُس کو بجائے اپنے بچہ کے سمجھیں گے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزت اور عیش کی زندگانی بخشیں گے! برہمن لوگوں کو ان توہمات اور ان بھاری غلطیوں کے ارتکاب کی اور بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جس کے وسیلہ سے اُن کو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے ۔ کیونکہ لوگوں کا اُن کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ یہ غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اس لئے اُن کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پُن دان لے کر مالدار ہو جاتے ہیں ۔

جگن ناتھ کی دُلھن برہمنوں کی دغا اور فریب یہاں تک بڑھا ہوا ہے ۔ کہ تاوقتیکہ میں نے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کر لیا مجھکو اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی کے واسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دھوم دھام سے مورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہ برہمن اُس کو یہ دم دیتے ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ آکر رہیں گے اور تو دیوتا سے پوچھیو کہ اب کی دفعہ سمال کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کے وقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچ جاتا اور اُس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اُس کو جگن ناتھ سمجھے ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اُس کو یقین کرا جاتا ہے۔ اور جب صبح کو ویسی ہی دھوم دھام سے اس کو دوسرے مندر میں لے جاتے ہیں تو برہمن اُس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے دیوتا کی زبان سے سُنا ہے وہ علانیہ لوگوں کو سُنا دو۔

بے حیائی کے مظاہرے

اب ہم ایک اور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگن ناتھ کے رتھ کے سامنے بلکہ خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کے وقت کسبیاں اپنے بدن کی مختلف حرکات سے نہایت بے شرمی اور بے حجابی کا مظاہرہ کرتی ہیں[1] اور برہمن ان لغویات کو بالکل اپنے ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے

---

[1] مصنف کی مراد اس عبادت سے وہ بیہودہ ناچ معلوم ہوتا ہے جو اب تک بھی بنگالہ میں مروج ہے اور نوجوان بنگالی اپنے عیش و عشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو بالکل برہنہ نچا کر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو اُن کی زبان میں کھیمٹا کا ناچ کہتے ہیں بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۰۳ء میں جب وہ صوبہ جہاں یہ مندر ہے سرکار انگریز کے ہاتھ آیا تو اُس وقت تین سو ناچنے والی عورتیں مندر کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصولی کے لئے ایک عہدہ دار مقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر کے چڑھاوے کی آمدنی کا لینا اپنی عیسائی سرکار کے لئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اس کی جمع بندی کو موقوف کرایا اور اس طرح پر یہ آمدنی خالص پجاریوں کا حق ہو گیا۔ ۱۲ م

اس کتاب کے انگریزی مترجم مسٹر اوونگ براک صاحب نے اس موقعہ پر ڈاکٹر کلاڈی اسس بکانن صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ قولہ ڈاکٹر کلاڈی اُس بکانن صاحب جنھوں نے ۱۸۰۶ء میں ملک اڑیسہ کے دورہ کے موقعہ پر مندر جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں، یوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، لکھتے ہیں کہ آج بتاریخ تیئسویں مئی میں ۱۸۰۶ء ہم بمقام کھدریک مقیم ہیں اور اگرچہ جگن ناتھ اب بھی ہم سے پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کے ڈھانچے شاہراہ پر پڑے ہوئے دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگن ناتھ سے قریب ہوتے جارہے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو ہزار کے جاتری ہم کو آملے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آتے ہیں۔ چنانچہ بعض اُن میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آج کل موسم سخت گرمی کا ہے مگر اس پر بھی یہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ معہ عیال و اطفال آئے ہیں یہ جاتری لوگ بہت سے راستہ ہی میں مرجاتے ہیں اور اُن کی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندی کے کنارے جو جاتریوں کے اُترنے کے لئے ایک سرائی ہوئی ہے کوئی قریب سو کھوپڑیوں کے ہم نے پڑی دیکھیں آج ہم کو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پوری ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنے کے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ سمجھکر بجالا رہا تھا۔ پھر وہ چودھویں جون ۱۸۰۶ء کو خاص جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں۔ کہ میں نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دارالفنا اور وادی موت کا حال ٹھیک بیان نہیں کرسکتی۔ البتہ اس کے مشابہ وادیٔ ہنیم[1] ہو تو ہو جیسا کہ مولک کی مورت پر شہر کنعان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اس زمانہ کا مولک کہا جائے تو کچھ ناواجب نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں بلی دان اور قربانی کرنے والے لوگ بھی نہ تو مولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اس بُری طرح جان کھونے ہی میں جگن ناتھ کے ساتھ اُس کے بھائی اور بہن بلرام اور سوبھدرا کے نام سے دو اور مورتیں بھی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریباً تینوں کی مانتا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ تینوں کے سنگھاسن بلندی میں قریباً برابر ہیں۔ آج صبح کو میں مندر دیکھنے کے لئے گیا۔ نہایت وسیع اور عالی شان عمارت ہے۔ اور فی الواقع ایسے ہی ہولناک بادشاہ کی شان منزلت کے لایق ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اُس مندر کے دیوتا کے حالات خیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اُسی شکل کی مورتیں وغیرہ بناکر قائم کی جاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں اس ساری ناشائستگی اور عیوب کی بے شمار اور

---

[1] ملک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مولک نامی ایک بت استادہ تھا اور اُس پر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے۔ س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ مختلف مورتیں موجود ہیں جو خاص اس کی پوجا کے طریق کا لُبِ لُباب ہیں چنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتیں جن کو دیکھکر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پائدار پتھروں سے تراشی ہوئی کھڑی ہیں ۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی ہڈیوں سے بالکل سفید نظر آتے تھے ۔ شہر کے نزدیک میں نے ایک اور جگہ جس کو انگریز گلگوتھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یوں ہی پھینک دی جاتی اور کتے اور گدھ وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں ۔

میں جیمس ہنٹر صاحب کے مکان میں جو سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگن ناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار ہیں اُترا ہوا ہوں جو سمندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے ۔ یہ صاحب شہر کے قریب اس واسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفن لاشوں کے باعث نہایت بدبو آتی ہے اور ان لوگوں کے گوناگوں توہمات کے مشاہدہ سے قطع نظر شہر میں اور بھی بہت سی ایسی نازیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں ۔ جن سے آدمی کے حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مُردہ اور بھوت کی سی ڈراؤنی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں ۔ جن میں سے اکثر بھوکھ اور بیماریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مرجاتے ہیں یا یہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے بھگت اور خوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندھے اور بدن کو کئی طرح کے رنگوں سے پوتے ہوئے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے رہتے ہیں جس کو وہ عبادت سمجھتے ہیں ۔ اس کے سوا عورتیں اور مرد بغیر کسی قسم کے ستر اور حجاب کے شہر کے قریب رہتے ہیں اور قضائے حاجت کے لئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں جن کے فضلہ کو سانڈ جن کو یہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف آکر چٹ کر جاتے ہیں ۔

پھر صاحب موصوف اٹھارویں جون ۱۸۰۶ء کو جگن ناتھ ہی سے یوں لکھتے ہیں کہ " میں ابھی ایک تماشا دیکھکر جس کو عمر بھر نہ بھولوں گا اپنے مکان پر آیا ہوں ۔ آج اس دیوتا کا ایک بڑا دن ہے ۔ چنانچہ دوپہر کے وقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو مندر سے باہر لائے ۔ اس وقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنے اپنے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ تھے اور جب مورت کو سنگھاسن پر بٹھایا اُس وقت تو ایسا غل پڑا کہ میں نے کبھی نہیں سُنا تھا ۔ پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سا سُنائی دیا ۔ اور تمام خلقت کی آنکھیں اس طرف کو اُٹھ گئیں اور میں نے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا جاتا ہے ۔ ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اور درخت کی سبز ٹہنی ہے۔ اس غول کے لئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جس پر مورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو زمین پر سرتاپا گر کر ڈنڈوت اور پوجا بجا لائے۔ اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک برج کے ۔ آٹھ فٹ بلند تھا اور جس کے پہیے بوجھ کے مارے زمین میں دھنسے جاتے تھے۔ اس رتھ میں جہاز کی سی بھاری اور لمبی لمبی چھ زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ اور ہزاروں مرد عورت اور بچے اُن کو کھینچتے تھے اور اس قدر اژدہام تھا کہ بعض لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے اس زنجیر کے کھچوانے کی وجہ یہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس برہمن اور پجاری لوگ کھڑے تھے اور میں نے سنا کہ شاید ایک سو بیس پجاری رتھ پر موجود تھے۔ جگن ناتھ کی مورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو گلے ورکہتے ہیں) اُس کا چہرہ کالا رنگا ہوا اور نہایت مہیب ہے اور منہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے بھرا ہوا ہے۔ بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت مکلف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں مورتیں جو اُس کے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے۔ پانچ ہاتھی جن کے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اس تین گنبد والے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے۔ ان ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے بھی لٹکتے تھے۔ میں بھی اس جلوس میں جا شامل ہوا بلکہ خاص رتھ کے قریب پہنچ گیا۔ جس کو بہت سے لوگ بمشکل تمام کھینچتے تھے۔ اور اس کے پہیے جو بہت سے تھے اُن میں سے گرج کی سی آواز نکلتی تھی۔ چند لمحہ بعد رتھ رُک گیا اور پوجا شروع ہوئی یعنی مندر کے بڑے پجاری نے رتھ پر چڑھکر اور مورت کے سامنے آکر چند نغمہ گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب ان گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی ان کا رتھ چلتا ہے۔ چنانچہ ان گیتوں کے گانے کے بعد رتھ ذرا سا آگے بڑھ کر پھر کھڑا ہو گیا۔ تب ایک لڑکا جس کی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی۔ سامنے کیا گیا۔ اُس نے اُس پجاری سے بھی بڑھ کر چند قابل شرم گیت اس اُمید سے گانے شروع کیے کہ شاید اُن کا دیوتا قدم آگے بڑھائے۔ اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور نہایت بڑی دل رُبا آواز سے کی اور گیت کے مضامین کو جسمانی حرکات یعنی ہاتھ بتانے سے بھی ادا کیا کہ جس سے دیوتا خوش ہو گیا۔ اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کر کے رتھ کو ذرا آگے بڑھا دیا مگر چند لمحے بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ پھر اس دیوتا کے ایک بڈھے پجاری نے کھڑے ہو کر اور اپنے ہاتھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- میں ایک لمبی چھڑی لے کر اور اُس کو تھوڑے عرصہ تک ناشائستہ طور پر ہلا ہلا کر اس مکروہ تماشے کو ختم کیا۔

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جس کو میں ہندوستان کا مولک کہتا ہوں فحش اور خوں ریزی دو باتوں سے مرکب ہے۔ چنانچہ فحش کا ذکر تو ہو چکا۔ اب خوں ریزی کا بیان سنیئے۔ جب رتھ تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں جگن ناتھ جی پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُس نے چلتے ہوئے رتھ کے پہیوں کے آگے اپنے آپ کو ہاتھ پھیلا کر منہ کے بل زمین پر ڈال دیا اس وقت اژدہام خلائق نے اُس کے لئے جگہ چھوڑ دی اور رتھ کے پہیوں سے وہ کچل کر مر گیا۔ اِس حرکت پر جاتریوں کے اژدہام نے مورت کی طرف وصیان کر کے بڑے زور سے جے جے کار کی صدا بلند کی۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اس طرح سے دیوتا کو خون چڑھایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے۔ پھر ان لوگوں نے اس جاتری کی لاش پر اس کے اس فعل کے متعلق اپنی خوشنودی ظاہر کرنے کے لئے کوڑیاں پھینکنی شروع کیں۔ پھر بیسویں جون ۱۸۰۶ء کو اسی مقام سے صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ ہولناک رسمیں ابھی بدستور جاری ہیں۔ چنانچہ کل پھر ایک عورت نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ مگر وہ رتھ کے نیچے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور معمول کے خلاف ترچھی پڑ گئی تھی اس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جان نکلی۔ مگر آج صبح کو جب میں اُس مُردوں کی کھوپڑیوں والی جگہ پر سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بجز ہڈیوں کے اس وقت اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔ پھر ۲۱ جون ۱۸۰۶ء کو یوں لکھتے ہیں کہ "ابھی رتھ جاترا کے تماشے بدستور جاری ہیں۔ لیکن ایسے افعال اور بے رحمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اس قدر تنگ آگیا ہوں کہ اب دل یہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلئے۔ آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مُردوں کو پھینکا جاتا ہے۔ میں نے ایک اور بھی زیادہ دردانگیز واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مُردہ یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُس کی لاش کو کتے اور گدھ چمٹے ہوئے تھے۔ اور اُس کے دو بچے اُس کی لاش کی طرف بحسرت تک رہے تھے۔ اور جاتری لوگ جو اُس طرف ہو کر جاتے تھے۔ ان بچوں کی حالت پر کوئی بھی ذرہ برابر متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اُن بچوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے انھوں نے کہا کہ جہاری ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے۔ افسوس کہ اس جگہ رحم نام کو بھی نہیں ہے۔ اس وقت جاتری لوگ یہاں اس قدر جمع ہوئے ہیں کہ اُن کی تعداد کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ خاص تہواروں پر جس قدر جاتری جمع ہوتے ہیں اُن کی تعداد کی نسبت یہاں کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھ آدمی چلا جائے تو کثرتِ خلائق میں کچھ کمی محسوس نہیں ہو سکتی میں نے ایک برہمن سے پوچھا کہ بڑے سے بڑے میلے پر تمھاری دانست میں کس قدر جاتری آتے ہوں گے تو اُس نے یہ جواب دیا کہ میں کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ مٹھی بھر ریت میں کتنے ذرّے ہوتے ہیں۔

انگلستان میں انگریزوں کو اس بات پر یقین نہیں آئے گا کہ یہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں آیا کلکتہ میں حکام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں۔ لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہاؤس کے دروازے کے آگے اور سپریم گورنمنٹ کی نظروں کے سامنے یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ خاص بنگالے میں بھی جو ایک خوش نما اور ایسا سرسبز اور شاداب ملک ہے۔ جس کو دنیا کا باغ کہا جاتا ہے اس ہندوستان کے مولک کے کئی مندر ہیں۔ چنانچہ ایشڑا[1] جو کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے ایک خوش نما گاؤں ہے (اور جہاں پہلے وارن ہیسٹنگس صاحب گورجنرل ہند رہا کرتے تھے اور اب بھی گورنر جنرل حال کے باغ[2] سے یہ جگہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُس کے متصل ہی جگن ناتھ کا مندر موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون بُت کو چڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ بماہ مئی ۱۸۰۷ء جب کہ ڈاکٹر بکانن صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اس جگہ موجود تھے ایک بہت خوبصورت اور تازہ توانا نوجوان شخص نے کہ جس کے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہ حرکت کی کہ اُچھلتا کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اول تو بہت ذوق و شوق سے ناچتا اور گاتا رہا اور پھر یکایک اُس کے پہیوں کے نیچے جا گھسا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا فقط انتہی۔! س۔م۔ح

---

[1] شاید یہ لفظ دراصل چنسُرا ہے۔ جس کو بنگالی چیچڑا کہتے ہیں۔ کیونکہ ایشڑا کا نام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔ اور وہ باغ شاید بارک پور المعروف اچانک سے مراد ہے۔ س۔م۔ح

[2] اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہوس ہے۔ شہروں کے رہنے والے ذی مقدور یوروپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان معہ باغ بیرونجات میں اس مدعا سے بنا رکھتے ہیں کہ جب کبھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت دق ہو جاتی ہے تو تفریح خاطر اور تبدیل آب و ہوا کے لئے وہاں جا رہتے ہیں۔ س۔م۔ح

ایشڑا (ایے شن ڑا)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سادھو اور کسبیاں میں کئی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اس پیشہ کے نہایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں چنانچہ اِن عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بُت پرستوں نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انھوں نے بایں عذر قبول نہ کیا کہ ہم نے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور اُن سادھوؤں پر جو ننگے دھونی رمائے اور جٹا دھارن کئے مندر کے چاروں طرف بیٹھے ہیں (جن کی وضع کا بیان میں جلد کروں گا) وقف کیا ہوا ہے۔

ستی کی رسم

ستی کی رسم اور حکام مغلیہ کی پالیسی ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روایتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی اُن کی تصدیق بہت سے سیاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر اُمید ہے کہ میرے ہم وطن اس پُراندوہ کیفیت کو سُن کر اب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دیں گے۔

لہ ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصہ سے تھی اور چونکہ منوسمرتی میں باوجودیکہ بیوہ عورتوں کے وفادارانہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اس لئے انگریز مورخ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ رسم منوجی کے زمانہ سے پیچھے جاری ہوئی تھی اور چونکہ بجر بید کی تالیف و ترتیب کا زمانہ ۱۴۰۰ قبل مسیح اُنھوں نے ثابت کیا ہے اس لئے منوسمرتی کا تقریباً نو سو برس قبل سن مسیحی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہرحال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اس کے امتناع کی نسبت کچھ توجہ نہیں کی اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اس کی مزاحمت کی۔ لیکن انگریزوں کو جب خدا نے اس ملک کی حکومت عنایت کی تو پولیٹیکل خیالات سے مدت تک ان کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اُس حالت میں ستی ہو جب کہ اُس کے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا گرو کا حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جائے۔ ایک دفعہ لارڈ ویلزلی کے عہد میں اس کے امتناع کے لئے تحریک ہوئی تھی مگر اس وقت وہ ولایت کو جانے والے تھے جاتے جاتے کیا کر سکتے تھے مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا لکھ گئے کہ اس رسم کا موقوف ہونا مناسب ہے۔ دس اپریل ۱۸۱۰ء کو محکمہ صدر نظامت بنگالہ نے اپنا ایک سرکلر اس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ یا افسر پولیس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کے کوئی بیوہ ستی ہونے نہ پائے اور یہ عہدہ داران امور کی تحقیق کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے ستی ہوتی ہے اور کوئی اس پر زور و ظلم تو نہیں کرتا ؟ کسی نے اسے نشہ پلا کر تو یہ رسم نہیں چڑھا دیا ؟ یا کسی اور طرح سے بیہوش و حواس تو نہیں کر دیا ؟ اس کی عمر سولہ برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں ہے ۔

یہ سرکلر اگرچہ ممانعت کے لئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی ۔!

گورنمنٹ بمبئی نے ایک عجیب و غریب حکم یہ جاری کیا کہ چتا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے جس سے یہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے ۔ ۱۸۲۰ء میں اس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ اس کے امتناع کا قطعی حکم دیوے ۔ بلکہ بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ اس کا روکنا گورنمنٹ کے اس بڑے اصول کے مخالف ہے کہ سرکار رعایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ انسانیت اور عقل اور انصاف کے خلاف نہ ہوں کبھی مزاحم نہ ہوگی ۔ چنانچہ تمام موافق و مخالف رائیں جمع کر کے صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ۱۸۲۸ء میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور لکھا کہ ہم کو کمال خوشی ہوگی اگر یہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہو جائے ۔ اس پر لارڈ ایم ہرسٹ[1] نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اس کا انسداد تو ضرور چاہیے ۔ لیکن بتدریج ہندوؤں کے اخلاق اور تہذیب اور عقل میں ترقی پیدا کر کے اور یہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ فی الحال یہ رسم قطعی موقوف نہیں ہو سکتی مگر بتدریج اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہو جائے گی ۔ ۱۸۲۷ء میں پھر گورنر جنرل کے پاس ولایت سے لکھا آیا کہ کسی طرح یہ رسم شائستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہو سکتی ہے ؟

اس پر لارڈ ولیم بینٹنگ نے جو ابھی گورنر جنرل ہو کر آئے تھے پھر جنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور ہمت کر کے آخر کار چودھویں دسمبر ۱۸۲۹ء کو ایکٹ نمبر سترہ جاری کر ہی دیا جس کی رو سے یہ دردناک رسم ہمیشہ کے واسطے ہندوستان سے دفع ہو گئی ۔ اور اگرچہ کلکتہ کے دولت مند بالوؤں نے بہت غل مچایا اور اخباروں کے صفحہ کے صفحہ کالے کر ڈالے مگر اس باہمت شخص نے ایک نہ سنی اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جو اپیل دائر کیا گیا تھا اور جس پر فرقہ

---

[1] ایم ہرسٹ (اے ایم ہرسٹ)

[2] ولیم بینٹنگ (ولیم بنٹنک)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو بیانات ستی کی بابت لکھے گئے ہیں اُن میں بلاشک مبالغہ کیا گیا ہے اور آج کل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا ہیں اس وحشیانہ رسم کے نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی پالیسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اُن کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں اُن کو آزادی دیتے ہیں۔ لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض رکاوٹیں پیدا کر کے روکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت اپنے صوبہ کے حاکم کی اجازت کے بغیر ستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئے گی۔ صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اُس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محل سرا میں بھیج دیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اُس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔ مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عمل داریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے۔ لیکن ہر ایک عورت کے واقعات کے بیان سے جن کو میں نے بچشم خود ستی ہوتے دیکھا ہے میں آپ کی دردسری اور سامعہ خراشی کا سبب نہیں بنوں گا۔ بلکہ منجملہ اُن کے صرف دو تین ریخ دہ واقعات ہی کا بیان کروں گا۔ اور ان میں بھی صرف ایک ہی عورت کے مفصل حالات لکھوں گا جس کو ستی ہونے کے مستقل اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا۔

ستی سے روکنے کا قصہ

بندی داس نامی میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خاں کا میر منشی تھا وہ تپ دق کی بیماری سے جس کا معالجہ میں نے دو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مر گیا اور اُسی وقت اُس کی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے رشتہ دار میرے آقا کے نوکر تھے اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ برہم سماج کے مشہور بانی راجہ رام موہن رائے کے بھی دستخط تھے ۱۸۳۲ء میں ولایت سے خارج ہو گیا۔ اور اس رسم کی موقوفی کی نیک نامی جو خدا نے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اُس کو ہمیشہ کے لئے حاصل ہو گئی۔ (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ انفٹس صاحب پروفیسر محمد ذکاء اللہ صاحب) س۔م۔ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دیوانگی کی حرکت سے باز رکھیں چنانچہ انھوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ تمھارا یہ قصد پسندیدہ اور باعثِ عزت اور خوشنودی خاندان اور سراسر لائق تحسین اور ہمت کا کام ہے لیکن تم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ تمھارے بچے کم عمر ہیں اور اُن کو چھوڑنا نہایت بے رحمی ہے اور تم کو اپنے فرزندوں کی بھلائی کی فکر اس محبت سے جو تم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیے اس بیوقوف اور دیوانی عورت نے جب ان کی فہمائش کو کسی طرح نہ مانا تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ چل کر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیرینہ دوستی تھی اس لئے میں اُس کے پاس گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بدصورت بڈھی عورتیں اور چار پانچ مسٹن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے اردگرد جمع ہیں اور یہ سب عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ وزاری سے روتی اور بڑے زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں۔ یہ عورت لاش کے پائینتی بیٹھی تھی اور بال کھلے ہوئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نہ تھا۔ لیکن جب حاضرین مجلس کی طرح وہ بھی بہت زور سے چلاکر رونے لگی تو آنکھیں لال انگارا ہوگئیں اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی رہی جب یہ رونا پیٹنا فرو ہوا تو میں اُس کمبخت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے تمھیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ نواب تمھارے دونوں بیٹوں کے واسطے دو دو کروڑ یعنی پانچ پانچ روپے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھے گا بشرطیکہ تم اپنی جان تلف نہ کرو۔ کیونکہ تمھارا جیتا رہنا تمھارے بچوں کی خبرگیری اور تربیت کے واسطے ازبس ضرور ہے اور تم کو خوب معلوم رہے کہ ہم ہر طرح سے تمھارے چتا پر بیٹھنے اور ستی ہونے کو روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو تمھیں اس نامعقول بات کی جرأت دلاتے ہیں سزا دے سکتے ہیں۔ تمھارے سب عزیز و اقارب تمھاری اولاد کی زندگی کی خاطر تمھارا زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اس حالت میں تم پر کم ہمتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید نہ ہوگی جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہو سکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرأت نہ کرے اور میں نے کئی بار اس تقریر کو دُہرایا لیکن اُس نے مطلق جواب نہ دیا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ اٹھا کر یوں بولی کہ "خیر اگر میں ستی ہونے نہ پاؤں گی تو دیوار سے سر پھوڑ کر مر جاؤں گی" یہ سُن کر میں نے اپنے دل میں ذرا سوچا اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر نہایت غصہ سے پکار کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے۔ بہت اچھا ستی ہو جا۔ لیکن اے بدبخت بے رحم پہلے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر اُن کو اسی چتا پر جلا دے کیونکہ ہم کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو ستی ہو کر اس دنیا سے چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خاں کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں۔ میرے اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ چُپ ہو گئی اور فوراً سر جھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بُڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے کی طرف کھسک گئے اور یہ دیکھکر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اس کے رشتہ داروں کے سپرد کر کے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر کو چلا آیا۔

شام کے وقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنے کے لئے جا رہا تھا راستہ میں اُس کا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ادائے شکر بولا کہ اُس کے شوہر کی لاش بغیر اُس کے جلائی گئی اور اُس نے اپنی جان نہیں گنوائی۔

ستی کا ایک دردناک واقعہ

اب اُن عورتوں کا حال سنئے جو فی الواقع چل مرتی ہیں۔ میں نے یہ اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے ہیں کہ آئندہ ستی کے کسی اور واقعہ کے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اُس کا اعادہ عبرت اور نفرت سے خالی ہے۔ بہرحال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گذرا ہے حتی الامکان اُس کو بیان کرتا ہوں[1]۔ لیکن مجھکو یہ توقع نہیں ہے کہ ان ستی ہونے والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور

---

[1] مشہور و معروف سیاح شیخ ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ افریقی معروف ابن بطوطہ۔ جو ۷۳۴ھ میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جس کی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی قلمرو میں ہوتا ہے تو اوّل سلطان سے اجازت حاصل کی جاتی ہے اور اُس کے بعد عورت ستی ہوتی ہے۔ اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ میں۔ ملک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُس نے اُبھری لکھا ہے) قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی حکومت نہیں مانتے تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہمراہیوں میں سے جو مسلمان تھا اُن سے لڑنے کے لئے نکلا تھا اس لڑائی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- میں چند ہندو مارے گئے تو اُن میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی ہو جاتی ہے وفادار اور اپنے خاندان کے لیے باعث عزت سمجھی جاتی ہے اور جو ستی نہیں ہوتی وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتی اور بے وفائی کی وجہ سے کنبہ والوں کے نزدیک بدنصیب اور ذلیل خیال کی جاتی ہے اگرچہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہیں گویا دنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی عورتیں اُن کی ملاقات کو آتی رہیں۔ چوتھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگار کر کے اور عطر وغیرہ لگا کر گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور دائیں ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا جن کو اُچھالتی اور اُن میں اپنا منہ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہہ دینا۔ جس کے جواب میں وہ ہنس کر کہہ دیتی تھیں کہ اچھا! میں اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کے لئے گیا اور کوئی تین میل چل کر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت تھے اور اُن میں چار مٹ بنے ہوئے تھے جن میں پتھر کی ایک ایک مورت تھی اور ان مٹوں کے بیچوں بیچ ایک بڑا اور پختہ تالاب تھا۔ جس پر درختوں نے ایسا گھنا سایہ کیا ہوا تھا کہ دھوپ نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہ عورتیں جب اِن مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس جا کر اُتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پاتا اُتار کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ لگا کر ایک بغیر سلا موٹا سوتی کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھ لیا۔ تالاب کے قریب ہی ایک نشیب زمین میں بہت سی آگ جلائی جا رہی تھی جس پر گھی گرانے کے لئے تلوں کا تیل ڈالا جا رہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی باریک ایندھن کے مٹھے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے اور قریباً دس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنکھ بجانے والے لوگ ان عورتوں کے منتظر کھڑے تھے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر نہ جائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے پردہ کر رکھا تھا جس کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصہ اِن میں سے ایک عورت کو میں نے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اُس کو لوگوں کے ہاتھ سے جھٹک کر کھینچ لیا اور ہنس کر بولی کہ "مارا میترسانی آزاطیش دآتش، من می دانم کہ او آطیش است رہا کنی مارا" جس کے یہ معنی ہیں کہ کیا تم مجھکو آگ سے ڈراتے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ جلا ڈالنے والی آگ ہے۔ پھر اُس نے آگ کو سلام کرنے کی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سر پر جوڑے اور اُس میں کود پڑی اور منگا نقارے اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بے دھڑک جان کھونے کا بیان میں ٹھیک ٹھیک ادا کر سکوں۔ جو جو کچھ اُس پر اندوہ اور خوفناک اور بد انجام رسم میں ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اُس کو سچ نہ جانے گا

جب میں احمد آباد سے راجستان ہو کر آگرہ جا رہا تھا اور ہمارا قافلہ دوپہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھیرا ہوا تھا سُنا کہ ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے۔ پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں جو بجز تھوڑی جگہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک بڑا گڑھا لکڑیوں سے بھرا ہوا ہے اور اُس پر مُردے کی لاش رکھی ہوتی ہے اور اُسی پر ایک عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اُس کو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں اور پانچ ادھیڑ عورتیں کسی قدر اچھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے چتا کے گرد اگرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے مرد و زن یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چتا جس پر بہت سا گھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اُٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی۔ مگر میں نے کوئی علامت دُکھ درد یا گھبراہٹ کی اُس میں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اُس نے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا لفظ کہا جس کا یہ مطلب تھا کہ یہ پانچویں دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوتی ہوں۔ اور اب صرف دو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (آواگون) کے مسئلہ کے موافق "مُکتی" کو پہنچ جاؤں گی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے چھوٹ جاؤں گی اور یہ لفظ اُس نے اس طرح سے کہے کہ گویا اس اخیر وقت میں کسی اوتار یا رشی کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے۔ لیکن ابھی اس دوزخیانہ طور پر جان کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور میں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے والی عورتیں بجز ایک اور رسمی کے کسی خاص مطلب کے لئے نہ ہوں گی۔ مگر جب میں نے یہ دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُس نے بھی اپنے آپ کو سر کے بل اُس آتشیں گڑھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسرے کے کپڑے جلنے لگے اُس نے بھی اس دہشت ناک حرکت کی تقلید کی اور اسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ سنکھ اور نفیریاں بجنے لگیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا وہ اُنھوں نے اُس پر ڈال دیا۔ پھر اور لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تاکہ ہل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا۔ اور یہ سانحہ دیکھکر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھکو نہ سنبھالتے اور پانی سے میرا منہ نہ دھوتے تو قریب تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا۔ س م ۔ ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے کمال بے فکری اور آرام سے ناچ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں۔ تب تو مجھ پر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اب مجھکو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے ستی ہونے کے مطلب بھی جلد معلوم ہو گیا یعنی یہ کہ یہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں۔ اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا اُنھوں نے اس بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بعد میں بھی زندہ نہ رہوں گی۔ پس یہ لونڈیاں بھی جوشِ اُلفت سے اس قدر مغلوب ہوئیں کہ اُنھوں نے بھی اپنا مرنا ٹھان لیا اور اُسی آگ میں جل مریں جس میں اُن کی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی۔

ستی ہونے کا اصل سبب

بہت سے لوگ جن سے میں نے اُس وقت ستی ہونے کی نسبت گفتگو کی مجھکو اس بات پر یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدتِ محبت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلوم ہو گیا کہ اس مکروہ رسم کا باعث صرف ایک قسم کے تعصب اور توہم کا اثر ہے۔ جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے دلوں میں جمایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک عمیق جڑ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک لڑکی کو اُس کی ماں یہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اسی میں ہے کہ اپنے پتی کے ساتھ ستی ہو جائے۔ اور پتی پرتا عورتوں کا یہی طریق ہے کہ اس مقررہ رسم سے ہرگز منہ نہ موڑیں۔ علاوہ بریں مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کے واسطے بہ آسانی حاصل ہو۔ اور اس طرح عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ دے دینے کا ڈر بھی نہیں رہتا۔

اب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک واقعہ کا بیان کرتا ہوں۔

ستی کا حیرت انگیز واقعہ

اگرچہ یہ حادثہ میرا چشم دید نہیں ہے۔ مگر اس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جس قدر ستی کے واقعات میں نے دیکھے ہیں۔ یہ واقعہ بہ لحاظ اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑھ کر ہے اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجود یکہ میں نے خود دیکھے ہیں مگر میں اُن پر اعتماد اور یقین نہیں کرتا۔ لیکن آپ کو یا مجھے یہ نہیں چاہیئے کہ اس حکایت کو صرف اس وجہ سے نامعتبر تصور کر لیں کہ اُس میں ایک خاص طور کا انوکھا پن ہے۔ ہندوستان میں یہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا ہے۔ اور شاید کہ اب تک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو۔ چنانچہ وہ قصہ ہے کہ ایک عورت کچھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مدت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُس کا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجائز لگاؤ رکھتی تھی اُس نے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو۔ کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بہ سبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑے گا۔ مگر جب اُس جوان نے اس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش و اقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے اور میرا مصمم ارادہ ستی ہونے کا ہے۔ وہ لوگ اُس کی اس پُرہمت ارادہ سے جو باعثِ افتخارِ خاندان تھا بہت خوش ہوئے۔ اور چتا تیار کرکے لاش کو اُس پر رکھ دیا اور آگ لگادی۔ جب سب تیاری ہوچکی تو وہ چتا کے گرد اس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مل مل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں وغیرہ سے رخصت ہو۔ اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورہ نواز بھی کھڑا تھا جو سازندوں کے ساتھ جو ملک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بُلایا ہوا آیا تھا۔ پس جوں ہی یہ عورت اُس کے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ بھبوکا ہوکر آخری رخصت کے بہانہ سے اُس کا گریبان اس شدت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھڑا نہ سکا اور کھینچ کر اپنے ساتھ چتا میں لے گری اور اس طرح پر اس جھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لے لیا۔[1]

سورت کی ایک عورت چتا پر

سورت سے ایران کو آتے ہوئے میں نے ایک اور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اُس وقت کئی اہلِ فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے والے۔ چارڈن صاحب بھی موجود تھے۔ یہ عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی طرح دار تھی۔ مگر میری زبان میں یہ طاقت کہاں جو اُس کی وہ حیوانوں جیسی جرأت، دلیری اور وہ وحشیانہ جھلک جو اُس وقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھی اور اُس کا وہ بے دھڑک چتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دل جمعی کے ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا، اشنان کرنا اور بڑے اطمینان اور نہایت بے پروائی سے ہماری طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رنج و فکر سے آزاد اور آرام و اطمینان کی

---

[1] مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقعہ پر استعمال کی جاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی زبردستی ہوتی تھیں "تریا چلتر جانے نہ کوئے خصم مار کے ستی ہوئی" س م ح چارڈن۔ چ ارڈنِ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حالت میں اس کی وہ بلند ہمتی اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی "گیھا" کو جو گھاس پھوس اور پتلی پتلی لکڑیوں کو اوپر نیچے چن کر چتا پر بنائی گئی تھی دیکھ بھال کرنا اور پھر شوہر کا سر گود میں لے کر اس میں بیٹھنا اور ایک مشعل لے کر خود اپنے ہاتھ سے اس میں اندر کی طرف سے آگ لگانا۔ اور پھر نہ معلوم کتنے برہمنوں کا باہر کی طرف سے اس کو جلانا ٹھیک ٹھیک بیان کر سکوں! حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اپنے بیان سے اس دردناک واقعہ کی کیفیتوں کا کامل خاکہ ہی آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہوں اور نہ اس حالت ہی کو کچھ بیان کر سکتا ہوں۔ جو اس حادثہ کو دیکھتے وقت میرے دل پر گذری اور یہ ہیبت ناک واقعہ اب تک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے۔ اور شدت اندوہ سے اگرچہ چاہتا ہوں کہ خواب و خیال کی طرح اسے بھلا دوں مگر ہرگز نہیں بھول سکتا۔

جبراً ستی کرنے کے واقعات میں نے چند ایسی بدنصیب بیواؤں کی مصیبت بھی دیکھی ہے جو چتا کی شکل دیکھتے ہی بھاگنے لگی تھیں۔ اور اس حالت کو دیکھکر میرے دل کو بالکل یقین تھا کہ اگر یہ بے درد برہمن ستی ہونے سے انکار کر دینے کی اجازت دیں تو وہ بخوشی تمام اس سے رک جائیں۔ مگر یہ کمبخت ان خوف زدہ اور اجل گرفتہ عورتوں کو ستی ہو جانے کی خاطر صرف ترغیبیں اور بڑھاوے ہی نہیں دیتے بلکہ ان کو زبردستی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی۔ اسی طرح میں نے ایک اور بیچاری بدنصیب عورت کو دیکھا کہ اس کے اردگرد جب آگ بھڑکنے لگی تو اس نے نکل بھاگنا چاہا۔ مگر ان دیو سیرت جلادوں کے لمبے لمبے بانسوں کے مارے نکل نہ سکی۔

چتا سے بھاگ نکلنے کی سزا لیکن یہ عورتیں ان خونی برہمنوں کی آنکھ سے بچ کر کبھی نکل بھی جاتی ہیں۔ چنانچہ میری ایک حسین عورت کے پاس اکثر آمد و رفت رہتی تھی جس نے خاکروبوں کی مدد سے اپنی جان بچائی تھی۔ یہ لوگ جب سنتے ہیں کہ ستی ہونے والی جوان اور حسین عورت ہے اور اس کے گھر والے چنداں نام آور اور ذی مقدور نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اڑوسی پڑوسی اس کے ساتھ ہوں گے تو وہاں بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو عورت یہ سامانِ مرگ دیکھکر ہمت ہار دیتی ہے۔ اور ان لوگوں کی مدد سے اس بن آئی موت سے بچ نکلتی ہے تو یہ امید وہ ہرگز نہیں کر سکتی کہ اپنی زندگی کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

باقی دن فارغ البالی سے کاٹے گی یا ہندو لوگ اُس کے ساتھ عزت اور محبت سے برتاؤ کریں گے۔ بلکہ وہ پھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے خود کو اس طرح بے عزت کر ڈالا ہو ہرگز میل جول نہیں کرتا۔ اس طرح انتہائی بدنام اور مطعون ہو جاتی ہے۔ اور عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کی اِس حرکت نے ہندو دھرم کو کلنگ لگا دیا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنے نئے کمین اور رذیل۔۔ محافظوں کی بدسلوکیاں سہتی اور زندگی کے دن پورے کرتی ہیں۔

جب کوئی ستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اُس کی جان بچائے، یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اُس کو پناہ دینے کی جوکھوں اُٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرتگیزوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں اُن کا زور زیادہ تھا بہت سی بیواؤں کو بچا لیا ہے۔

ایک کم سن لڑکی

میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ ان حرکات کو دیکھکر غصہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا۔ اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی اختیار ان کمبخت برہمنوں کے استیصال کا ہاتھ آجائے۔ چنانچہ لاہور میں میں نے ایک نہایت خوبصورت کم سن بیوہ کو ستی ہوتے دیکھا۔ جس کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔

یہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اُس پر مُردنی چھا گئی۔ اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور بلک بلک کر روتی تھی۔ لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں لے رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے۔ اور اس طرح پر اُس بیچاری معصوم کو جلا کر خاک کر دیا۔ اُس وقت کچھ نہ پوچھئے کہ غصہ کے مارے میرا کیا حال تھا۔ اور میں نے کس طرح سے اپنے آپ کو تھاما۔ لیکن چونکہ کچھ بس نہ تھا ناچار دل ہی دل میں کڑھتا تھا کہ ہائے غضب یہ لوگ کیسے قابل نفرت توہمات میں گرفتار ہیں اور میں نے شاعر کے یہ اشعار جو اُس[1] نے۔ ایگے مم نن[2] کی بیٹی[3] افیجینیا کے باب میں کہے تھے۔ جس کو اُس کے باپ نے ڈائنا[4] پر قربانی

---

[1] ڈاکٹر برنی اَر کے اس خط میں ڈائنا۔ ایگے مم نن اور افیجینیا کا ذکر چونکہ قصہ طلب باتیں ہیں اس لئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر اس جگہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چڑھایا تھا۔ ان کے حسب حال پائے۔

لیٹن کے اشعار کا خلاصہ

"ایسی چیزوں کے نیست و نابود کر دینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی تھیں بعض اوقات

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ڈائنا

ڈائنا قدیم زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جس کو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے۔ اور اُس میں مار ڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدرتیں تصور کرتے تھے اور اس مناسبت سے اُس کی مورت ایک ایسی سرو قد کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے تھے جس کے سر کے بال گردن کے نیچے تک پڑے ہوئے ہوں اور دائیں ہاتھ میں ترکش میں سے تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے بارہ سنگی کو جو بھاگنا چاہتا ہو سینگ سے پکڑے ہوئے اور پاؤں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو۔ اور اس خیال سے کہ وہ چاند کی اوتار ہے۔ اُس کے ماتھے کو ہلال سے سجاتے تھے۔ ایشیا کوچک کے لوگ بھی اس کو پوجتے تھے مگر مثل ہندوستان کی دیشنو دیوی کے یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اس کو صرف مخلوق کے پالنے والی خیال کرتے تھے۔ اور اس لئے اُس کی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جس کی بہت سی چھاتیاں ہوں اور اُس کے پجاری خوجے ہوتے تھے۔ اس کا مندر جو شہر افیسس واقع ایشیائے کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو بیس برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ اور اس مدت میں ایک سو ستائیس بادشاہوں نے اُس کی تعمیر کے واسطے روپیہ دیا تھا۔ یہ مندر چار سو پچیس فٹ لمبا اور دو سو پچیس فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایک سو ستائیس ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ فٹ اونچے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ٹن (ایک ٹن اٹھائیس من انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزنی تھے بنایا گیا تھا۔ اور بیس ہزار آدمی اُس میں بفراغت بیٹھ سکتے تھے۔ تین سو چھبیس برس قبل از سن عیسوی یعنی جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اس کو طرتوس نامی ایک شخص نے اس مجنونانہ خیال سے جلا ڈالا کہ اس حرکت سے اُس کا نام دنیا میں باقی رہے گا یہ مندر اگرچہ دوبارہ بھی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اس کو بھی گاتھ قوم کے لوگوں نے (جو پرانے جرمنی

---

۱ اے گ ے م م ن ن ڈ ا ے ن ا

۲ اِف ی ح ی ن ی آ

؎ دیکھو ایکٹ نمبر ۱۸۲۹ء مصدورہ گورنمنٹ ہند درباب امتناع رسم ستی س م ح

ایفیسس۔ اے ف ی س س اراس طرتوس ازائس طرت ڈس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مذہب نے بڑے بڑے بدکام کئے ہیں۔ چنانچہ بیچاری نوجوان اِفْ یانا سا (یعنی افیجینیا) کو کس بے دردی سے ڈائنا کی قربان گاہ پر قربانی کرنے کو بٹھا دیا گیا تھا۔ افسوس! یہ مذہب انسان سے کیسے بدکام کرا دیتا ہے۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی) ۲۵۶ء میں جلا ڈالا اور اس کے بعد پھر کسی نے اس کو تعمیر نہیں کیا۔ شہر ایفیسس شہر ازمیر(۲) سے جو ایشیائے کوچک میں فی الحال سلطنت ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے زمانہ میں اُس کا نام ایاز(۳) لوک مشہور ہے۔

ایگے ممنن اور افیجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیائے کوچک میں ٹرائے(۴) ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا جس کے گرد نہایت مضبوط پچاس ہاتھ اونچی دیوار جس کا محیط چار میل تھا بنی ہوئی تھی۔ پوڈارکیز(۵) ملقب بہ پرائم(۶) جب یہاں کا راجہ ہوا تو اُس نے اپنے دشمن یونانیوں کے پاس اپنے بیٹے پیرس(۷) نامی کو صلح کا پیام دے کر بھیجا۔ پیرس نے یہ نالائق حرکت کی کہ سپارٹا(۸) کے راجا منی لاس کی رانی ہیلن(۹) کو بھگا لایا۔ اس پر یونان کے تمام راجاؤں کو نہایت غصہ آیا اور اس امر کا بدلہ لینے کو اُن کی متفقہ فوج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی ایک ہزار ایک سو چھیاسی جہازوں پر بندرگاہ(۱۰) اولس سے جو یونان کے صوبہ بیوشیا(۱۱) میں ہے سوار ہوئے اور منی لاس کا بھائی ایگے ممنن ان کا سپہ سالار بنا اتفاق سے ایک بارہ سنگا جو ڈائنا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا۔ ایگے ممنن کے ہاتھ سے شکار میں مارا گیا۔ اور اس کے بعد موافق ہوا بند ہو گئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی وبا سے مرنے لگے جس کو اپنی جہالت سے انھوں نے ڈائنا کی خفگی سے منسوب کیا اور ایگے ممنن نے بارہ سنگا مارنے کی ہتیا کا یہ پرائس چت (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی بیٹی افیجینیا کو ڈائینا پر قربانی چڑھانا چاہا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہو جائے تو ڈائینا نے خوش ہو کر افیجینیا کو معاف کر دیا۔ اور اُس کے عوض کوئی اور بدنصیب عورت قربانی کی گئی! اور یونانی اپنے جہاز ٹرائے کی طرف بڑھا لے گئے اور دس برس کے محاصرہ کے بعد شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو قتل کر ڈالا اور شہر کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۸۴ قبل از مسیح وقوع میں آیا تھا۔ انتہی س م ح

(۱) گ اتھ (۲) ازم ی ر (۳) آئی ازل وک (۴) ٹ رائے (۵) پ وڈاک ی ز
(۶) پ رام (۷) پے رس (۸) س پ ارٹا (۹) م ن ی لاس
(۱۰) ہ ے لَ نْ (۱۱) آل ٹس (۱۲) ی وُ ب ی ا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زندہ درگور میں نے ابھی پورا ذکر ان کی وحشت اور سنگ دلی کا نہیں کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض حصوں میں تو یہ غضب ڈھاتے ہیں کہ جلا کر ستی کر دینے کے عوض عورت کو اول رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکایک اُس کی منڈیا مروڑ ڈالتے ہیں۔ اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹی کی ٹوکریاں ڈال کر پاؤں سے دبا دیتے ہیں۔

ہندوؤں کا اپنے مُردوں سے سلوک

داغ دے کر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ مگر بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے مُردے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے جُھلس کر ایک اونچے اور سیدھے کنارہ سے پانی میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس داغ دے کر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے ادھر اُدھر چیلوں اور کوؤں کی ٹکڑیاں کی ٹکریاں منڈلاتی رہتی ہیں۔ اور یہ پرندے اور دریا کی مچھلیاں اور مگرمچھ اُس سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

قریب المرگ بیمار کی غرقابی بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اُس کے پاؤں پانی میں رکھکر بتدریج اُس کو گردن تک ڈبوتے ہیں۔ اور جب سمجھ لیتے ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں۔ اور اُس کو وہیں چھوڑ کر اور رو پیٹ کر چلے آتے ہیں۔ اس رسم کا جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ مدعا ہے کہ اس طرح تمام گناہ جن سے مُردے کی روح اپنی جسمانی تعلق کے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہ بے معنی خیال عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ میں نے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو بڑے زور شور سے اس کی تائید کرتے سُنا ہے۔

ہندو فقیر

گرو یا مہنت ہندوستان کے فقیروں اور درویشوں میں جو بے شمار اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گرو یا مہنت ہوتا ہے جس کے سامنے اُس کے چیلوں سے یہ عہد و پیمان لئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دنیا اور عاجزی سے گرو کی اطاعت میں رہ کر زندگی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بسر کریں۔

جوگیوں کی خوفناک زندگی یہ لوگ ایسے عجیب ڈھنگ سے عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اُس کو بیان کروں مجھے شک ہے کہ آیا اُس پر کوئی اعتبار بھی کرے گا۔ خصوصاً میرا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں۔ اور جس کے معنی ہیں خدا رسیدہ۔ بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے ارد گرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں۔ بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور اُلجھکر اُن میں اس طرح گرہیں پڑ جاتی ہیں جس طرح پر کہ ہمارے ملک کے پشمی کتوں کے بالوں میں (خصوصاً جن کو وہ آزار ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں) پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہت سے جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخنوں کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ بڑھکر مڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے میں نے اُن کو ناپا تھا زیادہ تھے۔ ان کے بازو ایسے سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو مزمن بیماریوں میں مبتلا رہ کر مرجاتے ہیں۔ سوکھ کر نہایت دُبلے پتلے ہو جاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خشک اور سخت ہو جانے کے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر اُن سے کچھ منہ میں ڈال سکیں۔ اُن فقیروں کے پاس ان کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو ان کو مہاتما سمجھکر ان کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم لمبے لمبے بال دُبلی اور پتلی بانہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈراونی وضع جو میں نے بیان کی ہے اس عالم سفلی میں اس سے زیادہ مقہور شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

ننگے فقیر میں نے عموماً بعض بعض راجاؤں کے راج میں ان ننگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دہشت ناک بال، یا تو کھلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوتے اور بل دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور نا ملائم کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس دھج سے میں نے اُن کو سخت بے حیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھکر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں ان کو کچھ تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔ بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے ان کو خیرات لاکر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہ یقین ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی مقدس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

صوفی سرمد کا قصہ میں عرصہ تک سرمد نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا اور زاد پھرا کرتا تھا نفرت کرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُس کے وعدوں ہی کو۔ اور آخر اسی وجہ سے کہ اُس نے کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی کردیا اُس کا سر اُتارا گیا۔[1]

---

[1] سرمد کاشان کا رہنے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہوگیا تھا اور صاحب علم اور تجارت پیشہ تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہ تقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھٹھہ واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک بنیا جن کے لڑکے پر جس کا نام ابھے چند تھا عاشق ہوگیا اور تمام مال و دولت کھو بیٹھا اور دیوانگی کی سی حالت ہوگئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت سے ہاتھ اُٹھا اُسی کے رنگ میں رل گیا۔ اور شاہجہاں کے عہد میں دونوں بالاتفاق دہلی میں آئے۔ اُس وقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عارف موحد اور صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ داراشکوہ بھی جو فقیر دوست تھا۔ اکثر سرمد کے پاس آتا جاتا۔ اور پادشاہ سے اُس کے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا۔ اس لئے شاہجہاں نے عنایت خاں نامی ایک امیر کو اُس کے تفحص حال کے واسطے مامور کیا اور اُس نے سرمد کو دیکھ بھال کر بطور عرض حال آکر یہ شعر پڑھا ؎

بدسر مد برہنہ کرامات تہمت است ہا کشفے کہ ظاہر ست از و کشف عورت است۔ جب شاہجہاں کو اورنگ زیب نے قید کرلیا۔ اور دارا شکوہ گرفتار ہوکر قتل کیا گیا تو ملا شیخ عبدالقوی کو جو بڑا عالم تھا اور اعتماد خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا۔ حکم ہوا کہ سرمد کو کپڑے پہننے کا حکم دے۔ پس سرمد طلب ہوا۔ اور ملا نے اُس سے پوچھا۔ کہ "عریاں چرا می باشی" سرمد نے اُس کا یہ ظریفانہ جواب دیا کہ "شیطان قوی است"۔ پس ملاؤں اور علماء کی اتفاق رائے سے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا۔ اور بادشاہ نے اُس کو منظور کیا۔ لکھا ہے کہ جب جلاد تلوار لے کر سامنے آیا تو سرمد نے کہا "سر جدا کردہ از تنم شوخیکہ باما یار بود، قصہ کوتہ کرد ورنہ دردسر بسیار بود" اور عاقل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ جب جلاد قتل کرنے لگا تو سرمد نے نہایت بے تکلفی اور بے غمی کی حالت میں اخیر وقت یہ شعر پڑھا "عریانی تن بود غبار رہ دوست ؛ آں نیز بہ تیغ از سر ما دا کردند" سرمد کو شعر گوئی میں بھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جوگیوں کی عبادت اور ریاضت

بہت سے فقیر لمبی لمبی تیرتھ جاترا کرتے ہیں اور اس موقعہ پر وہ صرف ننگے ہی نہیں ہوتے بلکہ بڑی بڑی لوہے کی زنجیروں سے جیسی کہ ہاتھیوں کے پاؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص تپسیا کی خاطر سات آٹھ روز تک بغیر اس کے کہ کبھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بجز اس کے کہ رات کے وقت چند گھنٹے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں لیتے اور اس عرصہ میں اُن کی پنڈلیاں سوج کر رانوں کے برابر ہو جاتی ہیں۔ بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ گھٹنوں ہاتھوں کے بل سر نیچے اور پاؤں اوپر بڑے استقلال سے کھڑے رہتے ہیں۔

میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہ بے نصیب لوگ اپنے جسم کو بے فائدہ دُکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت اور مشکل ہیں کہ ہمارے ملک کے نٹ بھی ان کی تقلید نہیں کر سکتے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام باتیں تقویٰ اور دین داری کے ایک مفروضہ خیال سے کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی تقویٰ اور دینداری نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا۔

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو اِن لوگوں کے یہ بے حد توہمات دیکھکر حیران رہ گیا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کی نسبت کیا رائے قائم کروں۔ بعض اوقات تو مجھے یہ خیال گذرتا تھا کہ یہ فقیر اگر حکمائے قدیم یونان کے اُس پرانے اور بدنام فرقہ کے جن کا نام "سینکس"[1] (یعنی کلبیین) تھا بانی نہیں ہیں تو اُن کا بقیہ تو ضرور ہیں۔ بشرطیکہ ان میں حیوانیت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اُس کا دیوان رباعیات جو چھوٹا سا ہے۔ انھیں دنوں یعنی ۱۸۸۴ء میں جب کہ یہ کتاب تیار کی جا رہی ہے شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ سرمد کی قبر مسجد جامع دہلی کے قریب ہی ہے اور لوگ اس پر اکثر پھول چڑھاتے اور روشنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سرمد کے قتل کی نسبت اب تک عام گمان یہ ہے کہ محض داراشکوہ کی دوستی اس بیچارہ کے قتل کا باعث ہوئی تھی۔ فقط س م ح

[1] زبان یونانی میں لفظ سے نک کے معنی کتے کھنے کتے کے ہیں۔ اور حرف (س) علامت جمع کی ہے چونکہ اس قدیم فرقے کے حکما کو اپنے اس طرز زندگانی پر بڑا گھمنڈ تھا کہ ہم مال و دولت اور علوم فنون اور

سے نکس (س ے ن ک س) (کلبیین (ک ل ب ی ی ن)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور جہالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پاتا۔ یا اگر مجھے ان میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیت کی بھی دکھائی دیتی۔ کبھی مجھے یہ خیال گذرتا تھا کہ اگرچہ یہ گمراہ ہیں مگر ہیں سچے فقیر۔ لیکن آخر کار معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں یہ لوگ تقویٰ اور تقدس سے جہاں تک خیال کیا جائے بالکل معرّا ہیں۔ میں نے پھر یہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی ان پر قوی اثر رکھتی ہے۔ اور ان کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ یا یہ کہ خود پسندی جو انسان کے ہر کام میں تمی ہوئی ہے۔ اور جو دیو جانس[1] کی پھٹی پرانی گدڑی میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- حرفت و صناعت اور لہو و لعب سے نفرت کرتے ہیں اس لئے بہ لحاظ ان کی ترش روئی اور بدمزاجی کے ان کا یہ لقب پڑ گیا تھا۔ س م ح۔

[1] دیو جانس جو حکما یونان میں مشہور حکیم گذرا ہے۔ مذکورہ بالا سے نکت فرقہ میں سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اس کو دیو جانس کلبی کہتے ہیں۔ یہ شہر کارنتھ کا رہنے والا تھا اور چار سو بیس برس قبل از مسیح پیدا ہوا تھا اور چھیانوے برس کا ہو کر ۳۲۴ قبل از مسیح میں فوت ہوا۔ یہ تارک الدنیا تھا اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیالہ سر پر اٹھائے ننگے پاؤں پھرا کرتا تھا اور جو کچھ مل جاتا کھا لیتا۔ اور جہاں چاہتا سو رہتا اور کبھی اس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھ کر آرام لے لیتا تھا! لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنتھ کو فتح کیا اور اس کی ملاقات کو گیا تو اس وقت یہ سو رہا تھا۔ سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور تیرا شہر میں نے فتح کر لیا۔ اس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا پادشاہوں کا کام ہے۔ لیکن لات مارنا گدھوں کی خصلت ہے۔ سکندر نے خفا ہو کر کہا کہ شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ تجھکو کبھی مجھ سے غرض نہ پڑے گی اور یہ ممکن نہیں ہے اس نے کہا کہ مجھکو اپنے غلام کے غلام سے کبھی غرض نہ پڑے گی۔ سکندر نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا تو! کیونکہ حرص و شہوت کو میں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو ان کا غلام ہے۔ ایک روز سکندر نے اس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے؟ جواب دیا نیک کام کرنے سے! اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے جو اور لوگ برسوں میں نہیں کر سکتے۔ لکھا ہے کہ ایک روز سکندر جو اس کی ملاقات کو گیا تو یہ اپنے اس لکڑی کے پیپہ پر بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا۔ سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمایئے۔؟ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پرے ہٹ جائیں اور میری دھوپ نہ روکیں فقط

ماخوذ از ناسخ التواریخ و جام جم س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسی کہ افلاطون[1] کے خوش نما لباس میں ان تمام اعجوبہ کاریوں کی پوشیدہ محرک ہوگی۔

تپسیا کا پھل میں نے سُنا ہے کہ یہ فقیر بڑی بڑی سخت تپسیا اس اُمید پر کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہو جائیں گے۔ اور اگر راجہ نہ بھی ہوئے تو ہماری حالت ایسی تو ضرور ہوگی کہ ہم کو ان سے بھی زیادہ آرام و عیش حاصل ہوں گے۔ لیکن جیسا کہ میں ان سے اکثر میں کہا کرتا تھا یہ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جائے۔ حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہ زندگی ہے۔ اور جس میں زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے رانا ہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے اور خواہ اُس کی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جے سنگھ اور جسونت سنگھ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہو جائے۔ میں نے اُن سے کہدیا کہ میں تو ایسی جلدی

---

[1] افلاطون چار سو برس قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ اور اکاسی برس کا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔ پس اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کیسا شخص تھا۔ ابتدائے عمر میں اس کو کشتی اور شعر گوئی کا شوق تھا۔ اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا۔ مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اول سقراط سے اور اُس کی وفات کے بعد مصر وغیرہ میں تحصیل علوم کرتا رہا۔ یہ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانہ سے برابر احسان اور نکوئی سے پیش آتا تھا اس نے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اکسٹھ اپنی تصنیفات دنیا میں چھوڑیں۔ مرنے کے بعد یہ اُس باغ میں دفن کیا گیا جو اُس کی ملکیت تھا۔ اور اُس کی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ ایک لوٹا اور سونے کا ایک کان کا بُندا تھا جس کو بچپن میں پہنا کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے۔ اور اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ اور ازل میں اُس کے وجود کے ساتھ کوئی ظلی وجود نہ تھا اگر چند مثالیں جن سے اُس کی مراد چند مجرد اور بسیط چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام محسوس اور مادی صورتیں اُنھیں کلیات بسیط کی جزئیات ہیں اور اس جہان میں جو کچھ موجود ہے وہ اس جہان یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہ کہ ہر اثر کے لئے ایسے موثر کا ہونا ضروری ہے جو کسی نہ کسی طور پر اُس اثر سے مشابہت رکھتا ہو۔ مطلب یہ کہ عالم مثال یا عالم مجردات عالم کلی ہے اور عالم مادی یا عالم مرکبات عالم جزی ہے۔ اور جو کچھ اس عالم جزی میں ہے وہ اُس عالم کلی کا نمونہ ہے۔ (ماخوذ از ناسخ التواریخ) س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تمھارے فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یا تو تم سخت احمق ہو یا تم مفسد ارادوں کی گرفت میں ہو۔ جن کو تم ہوشیاری کے ساتھ دنیا سے چھپاتے ہو۔

خدا رسیدہ جوگی بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشن ضمیر سنت اور کامل جوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں اور ان کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہ فقیر ہمارے راہبوں کی طرح آبادی سے دور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی ان کو بھوجن لاکر دیدے تو لے لیتے ہیں۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہ مہاتما سادھو زندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاقہ کشیوں اور نفس کشیوں کی بدولت یہ خدا کے بھروسہ پر جیتے ہیں۔

یہ مقدس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ ان کا یہ ادعا ہے اور ایک فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں گھنٹوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری معطل ہو جاتے ہیں۔ اور جوگیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل البیان سفید اور روشن نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہم کو دنیا کے الجھیڑوں سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ اور سرور خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو قابل بیان نہیں۔ اور میرے ان مقدس سنت صاحب نے جو مجھے یہ کیفیت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویت کی حالت میں چلا جاتا ہوں۔

جو لوگ جوگیوں کے پاس آتے جاتے ہیں اُن میں سے کسی کو ان لاف وگزاف کے استغراقات کے سچ ہونے میں کلام نہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اس قسم کے تخیلات میں پڑ جاتا ہوگا۔ یا ان فقیروں کے یہ استغراقات اُن طبعی بے خودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ جن کی نسبت گارڈن[1] کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اس حالت میں ہو جاتا تھا۔

---

[1] جے رؤم گارڈن ملک اٹلی کا رہنے والا ۱۵۰۱ء میں پیدا ہوا تھا اور اپنے زمانہ کا ایک مشہور طبیب اور ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اس عجیب شخص کی سوانح عمری بھی عجیب ہے۔ اس کا باپ شہر میلان میں ایک اچھا ذی مقدور شخص تھا مگر جے رؤم اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے مصیبتوں اور افلاس میں رہا ہوں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ اپنے باپ کا شرعی بیٹا نہ تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اُس

---

[1] ج ے رؤم ک ارڈن [2] اِٹ لی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- کی ماں نے ہرچند اسقاط کے لئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہ سخت جان بچہ ہرگز نہ نکلا اور آخر کار جب نکلا تو اس طرح پر کہ اُس کی ماں کا پہلو چیر کر نکالا گیا۔ روز پیدائش سے یہ بیچارہ ضعیف القویٰ تھا اور اس کے علاوہ اس کے باپ کے گھر میں اس کے ساتھ کئی طرح کی بدسلوکیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اس نے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور اگرچہ ابتدا میں فرانسس کن گروہ کے تارک الدنیا درویشوں میں شامل ہو گیا تھا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد اس نے اُس گوشہ نشینی کے طریق کو ترک کر کے بہت شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ اٹلی کے ایک مشہور و معروف مدرسہ طبی سے ایم۔ ڈی۔ کی ڈگری یعنی خطاب ڈاکٹری حاصل کیا۔ اس مدرسہ میں یہ ایسا مستعد طالب علم تھا کہ اپنے مدرس کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور منطق کی جماعتوں کو خود تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اس کے علم و فضل و طبابت کی شہرت اس قدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے بڑے اُمرا اور بادشاہوں سے بھی اس کی ملاقاتیں ہوتیں اور کئی جگہ اُمرا نے اپنے طبی مدارس میں اس کو مدرس وغیرہ بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قدیمی رفیق افلاس اس کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار ۱۵۷۱ء میں زیر باری قرض کے باعث کچھ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو پوپ گریگوری سیزدہم کے پاس چلا گیا۔ جس نے ازراہ قدردانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطبا کا ایک ممبر مقرر کر کے گذارہ وقات کے لئے کچھ پنشن بھی کر دی۔ اور اس نے بقیہ عمر شہر روم ہی میں بسر کی اور اپنی کتاب سوانح عمری لکھنے کے بعد ۱۵۷۶ء میں قضا کی۔ یہ شخص احکام نجوم کا اس قدر معتقد تھا کہ ایک بار اُس نے ملک اسکاٹ لینڈ کے ایک مشہور و معروف پادری کو جو سخت مریض تھا۔ اور جس کو جرمنی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالجہ سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اس کو بھی خیال تھا کہ چونکہ میں نے اُس کی جنم پتری کے حساب کو خوب طرح سمجھ کر علاج کیا تھا محض اسی وجہ سے یہ فائدہ ہوا ہے۔ اس کے شدت اعتقاد نجوم کی نسبت اس کے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہ روایت بھی کی ہے کہ اُس نے اپنی جنم پتری کی رو سے اپنی عمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ پس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ مبادا میری جنم پتری کا حساب غلط ہو جائے۔ اس لئے اس قدر بھوکھا مرنا شروع کیا کہ آخر جنم پتری کی بدہضمی ہو گئی۔ اس کی تصانیف کے رسالے اور کتابیں طبیعات۔ ریاضیات علم ہیئت۔ فن احکام نجوم۔ فصاحت و بلاغت۔ تاریخ اخلاق۔ منطق۔ نیچرل ہسٹری یعنی علم ماہیت و حقائق طبیعیات۔ موسیقی۔ علم الادویہ فن تشریح وغیرہ میں ایک سو بائیس ہیں۔ اور ان میں طرح طرح کے مضامین

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جوگیوں کا گیان دھیان

یہ خیال اس وجہ سے قریب القیاس ہے کہ یہ لوگ اپنے ان اشغال میں کسی نہ کسی کرتب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ حواس کو بتدریج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ بہت دنوں تک کھانا پینا ترک کرنے کے بعد کسی تخلیہ کی جگہ میں تنہا بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اس کے عامل ہو جائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بتدریج نیچے کیا جائے اور اس طرح دھیان جمائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پھننگل اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہ تصور کا طریق علی الاتصال اُس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نور عرفان صاف جلوہ گر ہو جائے۔ یہ تصور اور مراقبہ اور اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اس لئے کہتا ہوں کہ وہ ان باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خاں نے نوکر رکھ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا نہ سکتا تھا مجھکو یہ معلومات ہرگز حاصل نہ ہوتیں اور ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا۔

ان فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر آتی ہیں۔ اس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہ ہے۔ کہ ریاضات شاقہ اور مدتوں کے برت اور فاقہ کشیاں اور سخت حالتِ افلاس ان کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

ہمارے یورپ کے درویشوں اور راہبوں کو ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ ان باتوں میں ہندو جوگیوں یا دیگر ممالک ایشیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = ہیں۔ مگر اس شخص نے مسائل علمیہ کے ساتھ اپنے مبالغہ آمیز تخیلات اور بیہودہ تصورات کو ان سب میں شامل کر دیا ہے۔ اور بسبب اس کے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اُس کے مزاج میں تلخی و تندی اور انتقام پسندی کی عادت تھی اور اس کی خصلت اور مزاج اس درجہ نرالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اس کو عموماً پاگل اور خبطی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علیحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اُس کو پکا یقین تھا کہ میرے سامنے ہمیشہ ایک ایسی روح جس کو میں بخوبی پہچانتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اُس کے بعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے بات چیت کر لیتا ہوں (ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) س ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

طریق عبادت و ریاضت، اور روزہ داری وغیرہ میں ارمنی قبطی یونانی نسطوری جے کوبٹ یعنی یعقوبی اور مے رونٹ عیسائیوں کو پہ نظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے یورپین زاہد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے۔ مگر ہاں اس تجربہ کی رو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ فاقہ اور روزہ رکھنے کی جس قدر تکلیف فرنگستان کے سرد ملکوں میں ہوتی ہے ہندوستان وغیرہ میں اُتنی نہیں معلوم ہوتی۔

شعبدہ باز جوگی

اب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو اُن فقیروں سے جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں۔ مگر ہیں یہ بھی عجیب لوگ۔ یہ ہمیشہ تمام ملک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا اُن کی زندگی بڑی بے فکری سے بسر ہوتی ہے۔ وہ بڑے رازداں ہونے کا ادعا کرتے ہیں۔ عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ مقبول بندے سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور پارہ کو ایسے عمدہ طریقہ سے تیار کر سکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کے برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا ہے۔ اور معدہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھائے آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور اُن میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آیا "بین میگس"[1] بھی باوجود اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کر سکتا تھا یا نہیں۔ وہ کسی شخص کے دل کا بھید بتلا دیتے ہیں اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ کو تربین میں گاڑ کر اُس میں پتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں۔ اور پاؤ گھنٹہ سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں لے کر جس جانور کی فرمائش کی جائے۔ وہی پیدا کر دیتے ہیں جو کمرے میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتا ہے اور بہت سے اور ایسے ہی تماشے کرتے ہیں، جن کے بیان کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جو کچھ ان شعبدہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُس کے سچ ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دے سکتا۔ میرے آقا نے ان میں سے ایک کو بلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل میرے دل کی بات بتلا دے گا تو میں تین سو روپے تجھے دوں گا۔ اور اس خیال سے کہ میری طرف سے بے ایمانی کا گمان نہ ہو میں اُس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھ دوں گا اسی وقت میں نے بھی یہ کہا کہ اگر تو میرے

---

[1] اس شخص کا حال باوصف تلاش کے کہیں نہیں ملا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دل کی بات بتلاوے گا پچیس روپے میں بھی نذر کروں گا۔ مگر وہ غیب گو پھر ہمارے مکان کے پاس بھی نہ پھٹکا۔ ایک مرتبہ پھر میں نے ایک شعبدہ باز کو کسی بات پر بیس روپے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا۔ اگرچہ میں ان کی ہر بات کی کنہ کو پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا نہ دیکھا جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اور جب میں کسی ایسے تماشے کے قریب جا نکلتا تھا جس کو دیکھکر لوگ متحیر تھے تو یہ عموماً میری بدقسمتی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا امتحان کئے جاتا تا وقتیکہ مجھے معلوم نہ ہو جاتا کہ اُس میں کیا فریب یا کیا ہتھ پھیری ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا۔ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ کٹورا گھمانے کی ترکیب بتلا دوں گا۔ جس نے میرے آقا کا روپیہ چُرایا تھا۔

جین مت کے سادھو لیکن بہرحال ایسے فقیر بھی ہیں جو ان فقیروں سے جن کا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت چپ چاپ اور شائستہ صورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن کی زندگی کا طرز اور طریق عبادت بھی اتنا فضول نہیں ہے۔ یہ ایک دھوتی باندھے ہوتے جو ان کے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہوکر بائیں کاندھے پر پڑی رہتی ہے سر و پا برہنہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں۔ اور اس کے سوا اور کوئی کپڑا ان کے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ دُھلے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ صاف ستھرے معلوم ہوتے ہیں[1]۔ عموماً وہ بڑے اعتدال کے ساتھ دو دو ہوکر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا پیالہ[2] ہوتا ہے۔ جس کے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں۔ یہ اور فقیروں کی طرح دُکان دکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں اُن کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ اور ان کے آنے کو گھر والے باعث برکت سمجھتے ہیں۔

---

[1] یہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا تر کرکے بدن کو اس سے ہمیشہ صاف کر لیتے ہیں۔ س م ح

[2] یہ ظرف مٹی کا توکم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن مثل لوٹے کے ہوتا ہے جس کے اکثر نہایت چھوٹے چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُس کو ان کی اصطلاح میں پاترا اور پاتری کہتے ہیں۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو معاملات درپردہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اُن کو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگادے تو اُس کا خدا ہی حافظ ہے مگر اس بات کو اس ملک کی رسم خیال کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے تقدس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گھروں کی عورتوں کے ساتھ ان فقیروں کے جو جو معاملات رہتے ہیں اُن کے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں۔ لیکن درحقیقت جو بات مضحکہ خیز ہے وہ یہ ہے کہ یہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات میں ان کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلا لیا کرتا تھا اور ان سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا۔ اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ فوراً آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرکے وہ یوں کہنے لگتے تھے "یہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں"

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کرچکا اور اب مجھے ان کے دھرم شاستر اور اور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ میرے آقا دانشمند خاں نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلق تھا۔ تین سال کے عرصہ میں اُس نے اور کئی بڑے بڑے یادان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی جن کو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔ جب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[1] اور ہارویے[2] کے علم تشریح کی معلومات جدیدہ کا حال سناتے سناتے تھک جاتا اور

---

[1] ڈاکٹر پے کیٹ ایک فرانسیسی طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر واقع فرانس کا تھا اس نامور محقق نے ۱۶۴۷ء میں برخلاف عقیدہ جمہور اطبار متقدمین کے یہ نئی بات دریافت کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گیسنڈی اور ڈسکارٹس[1] کے فلسفہ پر (جس کا میں نے اپنے آقا کے لئے فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور پانچ چھ سال تک خصوصیت سے میرا یہی شغل تھا) گفتگو کرتے کرتے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۱؎ کہ جگر کو خون بنانے سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ عروق ماساریقا سے صفوت کیلوس اول بشکل ایک سفید رطوبت کے ایک بڑی رگ میں سے ہو کر قلب کے دائیں خانہ میں جا کر مبدل بہ خون ہو جاتی ہے!

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۲؎ ڈاکٹر ولیم ہاروے انگریز تھا یکم اپریل ۱۵۷۸ء شہر فوک سٹون واقع صوبہ کینٹ میں پیدا ہوا۔ انیس[19] برس کی عمر میں کیمبرج کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کر کے شہر پاڈوا واقع ملک اٹلی کے مدرسہ طبی میں جو اس زمانہ میں اس فن کا بہت مشہور مدرسہ تھا داخل ہوا۔ اور بڑے بڑے نامی اُستادوں سے تعلیم پاکر چوبیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی۔ ۱۶۱۵ء میں یہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرار مقرر ہوا۔ اور یہاں اس نے اپنی تحقیقات کے جدید مسئلہ دورانِ خون کو ظاہر کیا۔ اور کئی برس تک اپنے اور یورپ کے اور ملکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثہ کر کے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا۔ ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کا طبیب مقرر ہوا اور اس کے بعد بادشاہ چارلس اول کے یہاں بھی بہت قابل اعتماد رہا۔ اور جب کہ اس کی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جون ۱۶۵۷ء کو اسّی برس کی عمر میں مرض فالج سے قضا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں محققوں کے ان نئے مسائل خصوص ہاروے کے مسئلہ دوران خون نے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیم کے اصول ہی کو بدل ڈالا ہے۔ ماخوذ از ان سائیکلوپیڈیا برٹیانیکا۔ س م ح

[1] ڈس کارٹس جس کو ڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکمائے فرانس سے ہے۔ جو ۱۵۹۶ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۶۵۰ء میں مرا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے علم مناظرہ مرایا کے مسائل کو دلائل سے ثابت کیا۔ اور خواص مقناطیس کے جلب میں کثیر تجربات حاصل کئے اور اپنے مخصوص نظریات کی وجہ سے مجدد علم فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس ناطقہ کی بحث میں اس نے یہ لکھا ہے کہ ہم ہر شئے کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ مدرک ہونے کے ہے اور مدرک ہونا

---

(۱) ف وک س ٹ ون (۲) کِ ٹے ن ٹ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تنگ ہو جاتا تھا تو اُس وقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی۔ اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سُنایئے۔ چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اثنائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخر کار ہم اُس کی کہانیوں اور بچکانہ دلیلوں سے بیزار ہو گئے

چار شاستر ہندوؤں کا یہ ادعا ہے کہ خدا نے جس کو وہ اچر[1] (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں ہمارے واسطے چار بید[2] بھیجے ہیں (بید ایک لفظ ہے جس کے معنی علم

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے پس ہمارا یہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم اس کو زبان پر لائیں یا اس کے تصور کو دل میں جگہ دیں ہر حال میں اس کی صحت پر ہم کو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہم کو نہ صرف اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونے کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے وجود میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے منزہ ہے تو اس کے لئے کسی علت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہے۔ اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتا اس لئے ہم جو ایک مادی اور ناقص وجود ہیں اُس کی علت نہیں ہو سکتے اور اس لئے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اُس کی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جس کی عظمت اور کمال اور قدرت کے متعلق یہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے کہ یہ وہ ذی وجود جس نے اپنے اس معلول کے ذریعہ ہمارے نفس پر اپنا ایک نشان منقش کر دیا ہے۔ مگر اس نشان سے خود اُس علت کا وجود مُراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہم کو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ س۔ م۔ ح

[1] مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق غالباً غلطی سے لفظ اچر کو جس کے معنی خدا کے ہیں اچر سمجھا ہے۔ اور اسی بنیاد پر اصل کتاب میں قوسین کے اندر اُس کے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں۔ کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حروف سی اچ حرف شین قرشت کے تلفظ کے لئے مستعمل ہوئے ہیں اُن کا اکثر یہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف چ یعنی جیم فارسی کا ہے۔ س م ح

[2] جس طرح برہما کی عمر کا شمار بے انتہا برسوں سے کیا جاتا ہے اُسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند کا یہ ادعا ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں۔ مگر یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد ان کی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از مسیح قرار دیا ہے اور اُن کی اس رائے کا صحیح ہونا نہایت وثوق کے ساتھ ایک مقام سے جس کو سر اڈورڈ کالبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ہیں) چنانچہ اُن کا قول ہے کہ بید میں سب علوم ہیں اوّل بید کا نام اتھربن بید ہے دوسرے کا یجُربید، تیسرے کا رگ بید چوتھے کا سام بید۔

چار برن بید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے اوّل برہمن یعنی حاملانِ شریعت دوسرے چھتری یعنی جنگ جو، تیسرے ویش یعنی سوداگر اور دوکان دار جن کو عرف عام میں بنیا بولتے ہیں۔ چوتھے شودر یعنی دست کار اور مزدور۔ اور ان مختلف قوموں کو آپس میں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے یعنی برہمن کی چھتری کے ہاں شادی نہیں ہوسکتی۔ علیٰ ہذا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تناسخ ارواح کا عقیدہ ہندو لوگ تناسخ ارواح یعنی آواگون کے مسئلہ کے قائل ہیں اور جان داروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر چھتری اس سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ وہ گائے اور مور کا گوشت نہ کھائیں۔ کیونکہ ہندو ان دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا اس خیال سے کہ اُس کی دُم پکڑ کر ہی اُس دریا (یعنی بے تڑی) سے پار ہو سکتے ہیں جو دنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پرانے وقتوں میں ایسے قانون بنائے تھے انھوں نے مصر کے چرواہوں کو اسی طرح بائیں ہاتھ سے گھنیس یا گائے کی دُم پکڑے ہوتے اور اُن کے ہانکنے کے لئے دائیں ہاتھ میں لاٹھیاں لئے ہوئے دریائے نیل سے پار ہوتے دیکھا ہوگا یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے اور دودھ اور گھی جو اُن کی اہم غذا ہے اسی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ بیل زراعت کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اور اس وجہ سے گویا کہ گائے بیل اُن کی زندگی کے محافظ ہیں یہ بات بھی قابلِ بیان ہے کہ چراگاہوں کی قلت کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے مویشی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = چنانچہ اس کی تشریح وہ یوں لکھتے ہیں کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ پتے کی ترتیب معلوم ہو اور اُس سے فرائض منصبی کے اوقات دریافت ہو جایا کریں۔ پس وہ صریح اور قطعی دلیل جس پر اُنھوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قائم کی ہے یہ ہے کہ جو مقام راس سرطان اور اس جدی کا اس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از مسیح میں ان دونوں راسوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ فنفٹن صاحب) س م ع۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی ایسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے مارے سوروں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور نجاستیں چر جاتے ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا جائے تو تمام جانور یکسر ختم ہو جائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہ جائے۔

گاؤکشی کی ممانعت کا حکم

چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لئے گاؤکشی کی ممانعت کر دی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ انھوں نے ایک ایسی ہی عرضی اورنگ زیب کو بھی دی تھی اور اس کی منظوری کی خاطر بہت سا نذرانہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو ملک کے بہت سے حصے ویران اور بے کار رہے اس کی وجہ یہی تھی کہ بیل کم اور گراں قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم اچارجوں کو جنھوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہ امید ہوگی کہ گوشت کھانے کی ممانعت کر دینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوگا اور جب ان کو قطعاً یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں تو وہ آپس میں بھی بے رحمی کے مرتکب نہ ہوں گے تناسخ کا مسئلہ بھی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ ان کو یہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھا لینا اپنے باپ دادا کو مار ڈالنے کے برابر ہے۔ اور اس سے بڑھکر اور کوئی گناہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک میں بجز جاڑے کی مختصر مدت کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا۔

تر کال سندھیا اور اشنان

وید کی رو سے جب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر، اور شام کو مشرق کی طرف منہ کر کے پوجا اور تین ہی مرتبہ اشنان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیئے اور ٹھیرے ہوئے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے! یہاں غالباً پھر اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہوگا جس کا ہندوستان جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ از بس فائدہ مند اور ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہ قانون ان کے مناسب حال نہیں ہے۔ اسی لئے اپنے سرکش ممالک میں اکثر لوگوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات میں نے اُن کے مذہب پر یہ اعتراض کیا کہ اُس میں یہ ایک ایسا قانون ہے جس پر سردی کے موسم میں سرد ولایتوں میں عمل کرنا ناممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سے میرے جی میں صاف یہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہ کچھ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے انھوں نے یہ مضحکہ خیز جواب دیا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خدا نے یہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں ملا سکتے۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تمھارا مذہب جھوٹا ہے۔ یہ تمھاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہوگا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کر دیئے ہیں۔ میں نے ان کو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی بنا ہے۔ اور تمھارا مذہب محض ایک قصہ اور بیہودہ بناوٹ ہے۔

دیوتاؤں کی پیدائش اور صفات

بید کا قول ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ دنیا کو پیدا کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اُس نے یہ تین دیوتا پیدا کئے۔ برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رچے ہوئے کے ہیں۔ بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں۔ مہادیو کے معنی بڑا دیوتا برہما کے ذریعہ سے اُس نے دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کے وسیلہ سے وہ اُس کو قائم رکھتا ہے، اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اس کو نیست و نابود کرے گا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار بیدوں کو وجود عطا کیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی مورت چوکھی ہوتی ہے،

بید اور مسئلہ تثلیث

میری گفتگو ان یورپین پادریوں سے بھی ہوئی جن کو گمان تھا کہ ہندو بھی اُن اسرار سے جو تثلیث کے مسئلہ میں ہیں کچھ نہ کچھ آگاہ ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ تین وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے۔

دیوتاؤں کی حقیقت

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی نسبت میں نے پنڈتوں کو نہایت طولانی بحث کرتے سنا ہے۔ لیکن اُن کا بیان ایسا اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ ان کی رائے صاف طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔ بعض اُن میں سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ کہتے ہیں کہ تین وجود جن کا ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں۔ جن کو وہ دیوتا کہتے ہیں۔ مگر وہ یہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُن کی اس جگہ کیا مراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بُت پرست جینائی[1] اور نیو مینا[2] دونام لیا کرتے تھے اور میری رائے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُن کی مراد ان الفاظ سے کیا ہے ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہ دیوتا بمنزلہ اُس جینائی اور نیو مینا کے ہوں گے۔ بعض نہایت ذی علم پنڈتوں نے گفتگو آنے پر یہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہ تین وجود ایک ہی خدا سے مراد ہے جو تین مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا پالنے والا۔ اور نابود کرنے والا۔ لیکن اُنھوں نے یہ نہیں کہا کہ خدا بہ لحاظ ان تین علیحدہ علیحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جُدا وجودوں کا اپنے وجود میں جامع ہے۔

فادر ڈی[3] وآنے جو آگرہ میں ایک جرمن جیسوٹ مشنری تھے اور سنسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوتھیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ دوسرے دیوتا یعنی لبشن نے نو مرتبہ اوتار لیا ہے۔ یعنی مجسم ہو کر دنیا میں ظہور کیا ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوا شیراز میں ٹھہرا وہاں کارمیلائٹ فرقہ کے ایک پادری نے بڑی عمدگی سے اس بات کی توضیح کی کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔ ہندو کہتے ہیں اس وجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن سے لوگوں کو چھٹکارا دلایا۔ جس میں سے آٹھویں دفعہ کا اوتار لینا بہت مشہور ہے۔ کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا دیتیوں کی طاقت سے مغلوب ہو گئی تو لبشن نے آدھی رات کے وقت کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہو کر اوتار لیا اور دنیا کو نجات دی۔ اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے۔ یہ بات کسی قدر عیسائی مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھکر یہ کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس اوتار نے ایک دیت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اُڑ گیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اُس نے آفتاب کو ڈھانک لیا۔ اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کانپنے لگی اور وہ اپنے ہی بوجھ سے اس قدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا۔ اس قوی الجثہ دیت کے ساتھ لڑتے لڑتے لبشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے۔ لیکن ان کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھر اُٹھے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور دنیا کو اس بلا سے چھڑا کر آسمان پر چلے گئے۔ اور چونکہ ان کے پہلو میں زخم آگیا تھا اس لئے وہ عموماً زخمی پہلو والے کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو یہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسواں اوتار اور ہوگا۔ اور ہم عیسائی لوگوں کے اندازہ کے بموجب یہ اُس وقت ہوگا جب کہ دجّال ظہور کرے گا۔ ہندو کہتے ہیں کہ مہادیو بھی دنیا میں آئے ہیں۔ اور اُن کی نسبت یہ روایت ہے کہ کسی راجہ کی لڑکی جب سنِ بلوغ کو پہنچی تو اُس کے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اور جب اُس نے یہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے اور کسی سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ تو مہادیو آگ کا روپ دھار کر راجہ کے سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پُر مسرت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہو گئی۔ اور مہادیو اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بلائے گئے اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں ہے تو انھوں نے اول اُن کی ڈاڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر اُن سب کو معہ راجہ کے خاندان کے جلا کر بھسم کر دیا اور اس کے بعد راج کنیا سے شادی کر لی۔ بشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سُور کا، تیسرا کچھوے کا چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی۔ برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مچھ کا۔ آٹھواں جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ نواں بغیر دُم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑے بہادر کا ہوگا۔[۲]

---

[۱] اگرچہ ہم نے اپنے بعض دوست پنڈتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ بشن پر اُن کی جس کتھا سے ڈاکٹر بھنی آر نے یہ مضمون لیا ہے اُس سے موازنہ کر کے اس کی صحت اور تشریح کی جائے۔ خصوصاً بشن سہسر نام کے سلسلہ میں بشن کا وہ لقب صحیح کر کے لکھا جائے جس کے معنی اُس کتھا کے لحاظ سے زخمی پہلو والے کے ہوں۔ مگر اطمینان کے لائق کوئی بات حاصل نہ ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر ملک کے لوگ بعض اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں۔ اُسی طرح یہاں بھی کچھ خلط مبحث ہو گیا ہے اور سری کرشن جی جو بشن کے اوتار تھے کچھ تو اُن کی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا گیا ہے کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہ بیان مطابق نہیں ہوتا۔ (س م ح)

[۲] مصنف نے پادری ردّا کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہ مضمون لکھا ہے اس میں کئی غلطیاں ہیں جس کو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دوئم یہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر روآ کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور انھوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا۔ بے شک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بنیاد ہے۔

مذہب ہنود پر تحریریں کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں معہ سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں نے دیکھا کہ میری کتاب کا جو لُبِّ لباب تھا وہ فادر کرکر کی کتاب مسمّٰی بہ چائنا الیسٹریٹیا میں موجود ہے۔ اور فادر کرکر کو فادر روآ سے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک معتد بہ حصہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے میں آپ کو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہ یہ بتانا ضرور سمجھتا ہوں کہ لفظ انکارنیشن (یعنی ظہور بانی بحیثیت اوتار) جس کو اُس کو محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے میں نے اس لفظ کو ٹھیک ان معنوں میں بولے جاتے کبھی نہیں سُنا تھا۔

اوتار اور دیوتا کا مفہوم بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں ان میں خدا ظہور فرماتا رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اُس نے انھیں صورتوں میں پورے کئے ہیں۔

بعض پنڈتوں کا یہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سُورما اور بہادروں کی روحیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ پادری روآ نے بیان کیا ہے۔ سویم یہ کہ بغیر دُم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں کافی شرح وبسط کے ساتھ درج ہے۔ ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں۔ اول پورن اوتار دوئم آنش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علیٰ وجہ الکمال ذاتِ الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور آنش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ اوتاروں کا شمار چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ اُن کے دس اوتار مفصلہ ذیل بالاتفاق مانے جاتے ہیں اول مچھ دویم کورم یا کچھ سویم باراہ چہارم نرسنگھ پنجم بامن معروف باون ششم پرشرام ساتواں رام یعنی رامچندر جی مہاراج آٹھویں شری کرشن مہاراج۔ نہم بدھ، دسواں کلکی جس کا اب تک ظہور نہیں ہوا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جن کو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں ان مختلف جسموں میں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے آتی رہی ہیں اور وہ ہی دیوتا ہو گئے ہیں ۔ یا اگر قدیم بُت پرستوں کی اُن اصطلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جائے تو وہ طاقتور دیوتا نیومینیا ۔ جینائی ۔ ڈیمن خواہ یہ کہو کہ سپرٹ اور فیری بن گئے ۔ کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورہ بالا میں بیان نہیں کر سکتا ۔

تصور آتما لیکن ہندوؤں کے اس اعتقاد کے پیش نظر کہ ہماری روحیں ذات الٰہی کی جزو ہیں تو یہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے ہی معنی بن جاتے ہیں ۔

بعض پنڈتوں نے یہ عمدہ تشریح کی کہ جن اوتاروں یا راچھسوں کا ہماری پوتھیوں میں ذکر ہے ان کے معنی پوشیدہ ہیں اور ان سے یہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں ۔ نہ یہ کہ ان کے لفظی معنی لئے جاویں ۔

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ صاف طور پر یہ کہا کہ ان اوتاروں کے قصہ سے زیادہ لغو اور کوئی قصہ نہیں ہے اور اُن اچارجوں نے جنھوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں ان کو صرف اس غرض سے ایجاد کر لیا تھا کہ لوگ کسی نہ کسی قسم کے مذہب کے پابند رہیں ۔

آتما اور پرم آتما ہندوؤں کا عموماً یہ عقیدہ ہے کہ ہماری روحیں ذات باری کے جزو ہیں اور باوجود اس کے اس منطقی برہان کو نہیں سمجھتے ہیں کہ درحالیکہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر کس لئے کسی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قائم کرتے اور اگنت اور کرک اور سُرگ کو مانتے ہیں ۔ اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے قوی اعتراض کے بھی پنڈت لوگ یہ کہتے ہیں ۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور اصلیت میں ہرگز کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی ۔ بلکہ اُن کی حقیقت کو بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروری ہے ۔

علوم و فنون پر کتابیں ہنری لارنس صاحب اور ابراہام راجر صاحب کا اتنا ہی ممنون ہوں جتنا کہ فادر کرکرٹ اور فادر روا کا کیونکہ میں نے ہندوؤں کی نسبت بہت سے حقایق جمع کئے تھے مگر بعد ازاں ۔ ان صاحبوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں دیکھا کہ انھوں نے حقایق و حالات مذکورہ کو نہایت عمدہ نظم و ترتیب سے لکھا ہے ۔ جن کو بغیر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑی مشقت اور جانکاہی کے میں اُس خوبی سے نہیں لکھ سکتا۔ اس لئے میں ہندوؤں کے علوم و فنون کے متعلق بلا کسی نظم و ترتیب کے سیدھے انداز میں مختصراً لکھتا ہوں۔

ہندوؤں کا دارالعلم شہر بنارس

شہر بنارس جو دریائے[۱] گنگا کے کنارے ایک خوبصورت موقعہ پر اور ایک بڑے خوش نما اور نہایت زرخیز

---

[۱] مترجم انگریزی نے کرنل جارج فاسٹر صاحب نامی ایک انگریز سیاح کی تحریروں سے شہر بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو دلچسپ سمجھکر ہم بھی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ قولہ۔ شہر بنارس اپنی دولت مندی اور عالی شان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو بالفعل ہندوؤں کے قبضہ میں باقی ہیں اول درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اس شہر میں ہندوؤں کے بے شمار دیوتاؤں کے بے شمار مندر ہیں اور یہ شہر ہندوؤں کے باقی ماندہ علوم و فنون کا گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستہ سے اس شہر کو آتا ہے تو اُس کو آٹھ میل کے فاصلہ سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہیں۔ جس کو اورنگ زیب نے بہادیو کے ایک قدیمی مندر کی بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا۔ ہندوؤں کی ایسی متبرک جگہ پر ایسی باشان و شوکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی بلندی کی وجہ سے بزبانِ حال اپنے غلبہ اور تحمندی کو جتا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل میں بے جا خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیر کروں۔ اگر فی الواقع اُس کی یہی خواہش تھی تو وہ حقیقت میں کامل طور پر کامیاب ہوا! ان میناروں پر سے تمام شہر بخوبی نظر آتا ہے۔ جو گنگا کے مشرقی کنارے پر طولاً ڈھائی میل اور عموماً ایک میل تک عرض میں آباد ہے۔ اکثر مکانات اس شہر میں پتھر کے بہت اونچے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی چھ منزل اور کوئی سات منزل کا ہے۔ یہ پتھر جو اس نواح میں بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ اس قسم کا ہے جو فرنگستان میں پورٹ لینڈ کی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے گلی کوچے جس میں یہ اونچی اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہیں چل سکتیں۔ علاوہ اُس مضر حبس کے جو ان مکانات کے بے ڈھنگے پن سے ہوا میں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم میں اُس پانی سے جو شہر میں بہت سی جگہ بھرا رہتا ہے ناقابل برداشت بو آتی ہے اور یہی پانی مع اپنے کناروں کی زمین کے اہل شہر کی حوائج ضروریہ کے لئے مختص ہے۔ اس کے علاوہ کوڑا کرکٹ جو شہر والے اپنے گھروں سے نکال کر گلی کوچوں اور راستوں پر ڈال دیتے ہیں اُسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں ستھراپن بہت ہی کم ہے۔ اور یہ ایک اور ذریعہ ہے جو دوسری عفونتوں میں شامل ہوکر سخت بدبو کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ شہر اپنی عمدہ عمدہ عمارات کے سبب سے اُن تمام بڑے بڑے شہروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ جن کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملک میں واقع ہے۔ ہندوؤں کا دارالعلم خیال کرنا چاہیئے۔ اور یہ ہندوستان میں اُسی مرتبہ کی جگہ ہے جیسا کہ یونانیوں کے لئے شہر ایتھنز تھا۔

بنارس کے پنڈت

یہاں برہمن اور پنڈت ہر ملک سے آتے رہتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ اس شہر میں ہماری یونیورسٹیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ کے مکتبوں کی سی حالت ہے۔ اُستاد یعنی پنڈت شہر کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں میں جہاں رہنے کے لئے بڑے بڑے ساہوکاروں نے ان کو سہولت دے رکھی ہے رہتے ہیں۔ بعض کے پاس چار شاگرد ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس چھ یا سات۔ اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اُس کے پاس بارہ یا پندرہ مگر اس سے بڑھ کر تعداد نہیں ہوتی۔ یہ ایک معمول ہے کہ یہ شاگرد دس بارہ سال تک اپنے اپنے اُستادوں کے زیر تعلیم رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں اُن کی تعلیم بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے کیونکہ عموماً ہندوستانیوں کی طبیعت زیادہ تر ان کی غذا اور ملک کی گرمی کی وجہ سے کاہل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں نہ تو مسابقت کا جوش وغیرہ ہی ہوتا ہے اور نہ یہ اُمید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اندازہ سے کچھ زیادہ کمال حاصل کریں گے تو کوئی بار آور پیشہ اور اعزاز یعنی خطاب فضیلت حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ معمولی اور سست طریقہ پر اپنی تحصیل کو جاری رکھتے ہیں اور ایام طالب علمی میں اُنھیں کھانے کو صرف کھچڑی ملتی ہے۔ جو بعض دولت مند ساہوکاروں کی طرف سے ان کے لئے تیار ہوا کرتی ہے۔

سنسکرت اور اُس کی قدامت

سب سے اول سنسکرت سکھائی جاتی ہے جو ایک ایسی زبان ہے جس کو صرف پنڈت ہی جانتے ہیں۔ اور اُس بولی سے جو آج کل ہندوستان میں بولی جاتی ہے بالکل مختلف ہے۔ فادر کرکر نے جو ایک الف بے تے چھپوا کر مشتہر کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں۔ اور اُن کو یہ حروف فادر رد آسے حاصل ہوئے تھے۔ لفظ سنسکرت کے معنی خالص یا منجھی ہوئی زبان کے ہیں۔ اور چونکہ ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ خدا نے چار بید برہما کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے اس لئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: دیکھنے کا مجھے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے۔ بشرطیکہ اُس کی گلیاں ایسی بے قاعدہ اور تنگ اور طرز تعمیر ایسا گنجان نہ ہوتا جس نے عمارات شہر کی زیب و زینت کے لطف کو کھو دیا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ اس کو دیو بھاشا یعنی زبان مقدس و زبان الٰہی کہتے ہیں۔ اُن کا قول ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہ زبان ایسی ہی قدیم ہے جیسے کہ خود برہما اور برہما کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی مذہبی کتابیں جو حقیقت میں نہایت پرانی ہیں اسی زبان میں ہیں اس لئے اس کے غایت درجہ قدیم ہونے کو نہ ماننا ناممکن ہے۔ سنسکرت میں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور ان کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کمرہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

پوران اور بید

جب طالب علم اس قدیم اور مشکل زبان کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور میں اسے مشکل اس وجہ سے کہتا ہوں کہ اس کی صرف و نحو اچھی نہیں ہے۔ تو عموماً پرانوں کو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشریح یا اختصار ہوتا ہے۔ یہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دکھلائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضخامت کی ہوتی ہیں اور یہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو باوجود بڑی تلاش اور شوق خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندو ان کو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر[1] ہوا ہے جلا دی جائیں۔

---

[1] "اکثر ہوا ہے" کہنا صحیح نہیں ہے۔ مولف کتاب آئینہ تاریخ نما جو زمانہ حال کے قابل لوگوں میں سے جین مت کا ایک بہت باخبر ہندو مصنف ہے اور جس کا طرز تحریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعصبانہ ہے۔ اور جس نے اُن کے عیب چُن چُن کر اپنی کتاب میں درج کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اس کو بھی اس قسم کی صرف ایک ہی بات ملی ہے۔ چنانچہ کتاب فتوحات فیروز شاہی کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ "کچھ ہندوؤں نے مل کر موضع کوہانہ میں بت خانہ بنایا تھا۔ پس میں نے (یعنی فیروز شاہ تغلق نے) حکم دیا کہ ان کی پوتھیاں اور تمام بت اور پوجا کے برتن سب اُسی جگہ پھونک دیئے جائیں" مگر ہندوؤں پر کیا منحصر ہے فیروز شاہ نے تو شیعہ مذہب کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلوا دی تھیں لکھتا ہے کہ "فرقہ شیعہ کے بعض لوگوں نے اہل سنت کو اپنے مذہب میں لانا چاہا تھا اور کتابیں اور رسالے بھی اس باب میں لکھے تھے۔ تب میں نے (یعنی فیروز شاہ نے) ان سب رافضیوں کو گرفتار کیا اور جو جو اُن کے سردار تھے اُن کو سیاست میں ڈالا۔ اور اُن کی تمام کتابوں کو آگ سے جلوا دیا۔ اور مذکورہ مولف اس سے چند صفحے پہلے طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ "قطب الدین ایبک کے زمانہ میں بختیار خلجی نے شہر بہار کو جب فتح کیا تو وہاں ہندوؤں کا ایک کتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا، لیکن قتل عام ہو جانے کے باعث سے کوئی آدمی اُن پوتھیوں کا مضمون بتانے والا نہ مل سکا" جس سے ثابت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فلسفہ کی تعلیم پُرانوں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم فلسفہ پر اپنا جی لگاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس میں ترقی بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں سُست اور کاہل ہوا کرتی ہیں۔ اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں کسی معزز پیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہ ان کو مطلقاً نہیں ہوتا۔

گھٹ شاستر کے پیرو ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارج (حکیم) ہوئے ہیں اُن میں چھ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے علیحدہ علیحدہ[1] چھ فرقوں کے بانی ہیں۔ اور اس اختلاف عقائد کے باعث اُن کے پیروؤں کے باہم ازبس رشک اور بحث مباحثے رہا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں۔

بُدھ مت اور اُس کے پیرو اور ساتواں فرقہ بُدھ کے پیروؤں کا ایک اور ہو گیا ہے جس کی بارہ شاخیں ہیں۔ لیکن اس فرقہ کے لوگ شمار میں اُس قدر کثرت سے نہیں ہیں جیسے اور فرقوں کے ہیں۔ اور ان کو حقارتاً لامذہب اور دہریہ کہا جاتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ = ہوتا ہے کہ بختیار نے ان پوتھیوں کو جلوایا نہیں بلکہ برعکس اس کے وہ ان کے مضمون سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ س م ح

[1] مصنف نے جن چھ فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ اول میمانسک[1] یعنی میمانسا۔ شاستر کے پیرو جس کی بنیاد جیمنی[2] رشی سے ہے۔ اُس کی دو شاخیں ہیں ایک قدیم جو جیمنی کے اصول کی پیرو ہے۔ دوسری جدید جس کا بانی بیاس[3] جی کو بتاتے ہیں اور بیدانتی کہلاتے ہیں۔ تیسرا نیائک[4] یعنی منطقی فرقہ جس کا بانی گوتم ہوا۔ اس فرقہ کے بعض مسئلے ارسطو کے مسائل منطق سے ملتے جلتے ہیں۔ چوتھا بنے شیک۔ جس کا بانی کنا دمنی ہے۔ پانچواں سانکھ جس کا بانی کپل منی ہوا۔ چھٹا جوگی یعنی پاتنجل شاستر کا پیرو جس کو پاتنجل رشی نے قائم کیا۔ یہ دونوں فرقے موخرالذکر بہت سی رایوں میں متفق ہیں۔ ان سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل اگر کسی کو دیکھنی ہو تو الفنسٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان کے پہلے حصہ میں اور اس سے بھی زیادہ شیخ ابوالفضل کی آئین اکبری میں دیکھ لے۔ س م ح

---

[1] م ے اِن س ا [2] ج ے م ن ی [3] ب ی ا س [4] ن ی ا ئ ک

[5] گ ُ ت م۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو انھیں سے مخصوص ہے۔

موجودات کے بارے میں ہندوؤں کے مذاہب

ہندوں کی تمام پوتھیوں میں فرسٹ پرنسپلز یعنی اصول و مبادی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

ناقابل تقسیم اجزا

چنانچہ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے ناقابل التقسیم اجسام سے مرکب ہے۔ اور یہ ناقابلیت انقسام اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں۔ اور اس خیال پر وہ اپنے دوسرے بہت سے تصورات کی بنیاد رکھتے ہیں جو کسی قدر ڈی باک ری ٹس[1] (ذی مقراطیس) اور اپی کیورس کے خیالات سے مشابہ ہیں۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور نا تحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا مطلب سمجھنا مشکل ہے۔ اور خواہ وہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہوں۔ ان کی اس وجہ نافہمی پر غور کیا جائے تو قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا یہ بیہودگی اُن کتابوں کے اصل

---

[1] یہ مشہور یونانی حکیم جو سن عیسوی سے چار سو اکتر برس سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ بہت سے لوگوں نے اس کی تقلید کی ہے اور علوم حکمیہ اس سے سیکھے ہیں۔ چنانچہ اپی کیورس بھی جس کا ذکر متن میں ہے اسی کا شاگرد تھا۔ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا ہیں جو باعتبار اپنی طبیعتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف، اور ایسے سخت ہیں کہ اُن کی تقسیم صرف وہم ہی سے ممکن ہے۔ اور یہ کہ اجزا باعتبار شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر جس کی کوئی حد نہیں پھیلے ہوئے اور دائم الحرکت ہیں۔ پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ اجزا آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہاں کا وجود ہے۔ اور یہ کہ ہمارے اس جہاں کی مانند بے شمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلا غیر متناہی کے اندر موجود ہیں۔ لیکن اس کی رائے میں امورات جزی یعنی حیوانات اور نباتات کے وجود کا سبب اجزاء مذکور کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہو جانا نہیں ہے۔ اس کے شاگرد اپی کیورس کی بھی یہی رائے ہے اور اس کا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہ اجزا حقیقتاً آپس میں مل نہیں جاتے بلکہ صرف باہم چمٹ جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کے اندر فی الحال موجود اور ایک دوسرے سے متمیز رہتے ہیں۔ پس اجسام محسوسہ کا اتصال حقیقی اتصال نہیں ہے۔ بلکہ صرف ان اجزا کے باہم چمٹے رہنے کا نام ہے۔ ماخوذ از ناسخ التواریخ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مصنفوں سے منسوب ہونی چاہیئے یا یہ کہ اُن کے مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہو سکتی ہے۔

مادہ اور صورت بعض کا قول ہے کہ ہر چیز مے ٹر اور فارم یعنی مادہ اور صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پنڈت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کر سکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کر سکتے ہیں۔ بہرحال اُن کا بیان صرف اسی قدر قابلِ فہم ہے کہ اس سے مجھے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ اِن دونوں میں سے کسی ایک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہمارے مدارس میں جب کہ قوت مادیہ میں سے صورتِ نوعیہ کے ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علموں کو ایک معمولی طور پر سمجھا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ملائم مٹی بطور مادہ کے ہے اور کمھار اُس کو پھرا پھرا کر جو طرح طرح کی شکلیں بنا لیتا ہے یہ صورت ہے۔

عناصر اربعہ اور اکاش بعض کی یہ رائے ہے کہ ہر چیز عناصر اربعہ اور "نتھنگ" یعنی اکاش سے مرکب ہے لیکن وہ عناصر کے استحالہ یا آپس میں مل جانے کی نسبت کچھ نہیں کہتے۔

اور نتھنگ یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ پرائی ویشن یعنی عدم مطلق کے قریب المعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جن کو میں خیال کرتا ہوں کہ نہ تو وہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

نور و ظلمت بعض نور اور ظلمت ہی کو اصل اوّل مانتے ہیں اور اس رائے کی تائید میں وہ ایسے بے معنی دلائل پیش کرتے ہیں، جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں۔ اور ایسی ایسی طول طویل قیل و قال کرتے ہیں کہ جس کو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سُن سکتے ہیں۔

عدم مطلق بعض ایک یا چند پری ویشنوں (عدم مطلق) ہی کو اصل اصول تسلیم کرتے ہیں۔ جن کو وہ نتھنگ سے جُدا سمجھتے ہیں اور جن کی تعداد کی نسبت ایک ایسا غیر حکیمانہ طول طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے قلم اُٹھا کر کچھ لکھا ہو۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان کی کتابوں میں بھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیہودہ باتیں ہوں گی۔

سمبندھ کا نظریہ بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جس کو پنڈت لوگ سمبندھ کہتے ہیں۔ اور اس کی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔

اصول و مبادی اشیا ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہ ازلی و ابدی ہیں۔ اکاش سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر البتہ وہ کہتے ہیں کہ ایک اچارج نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے)

طب کی کتابیں علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ کوئی باترتیب کتاب ہو ان کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے۔ اور ان میں سب سے پرانی اور بڑی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں

ہندو طریقۂ علاج میں اُس طرز کو بیان کرتا ہوں جس میں کہ اُن کا طریق علاج ہمارے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مسلمہ اصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے۔ اور اس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے نزدیک بجز خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گُردہ یا جگر یا سینہ میں ورم پیدا ہو جاوے فصد نہ لینی چاہیئے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیبوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہ طریقے کارگر ہو جاتے ہیں۔

طبیب اور ہندو طریق علاج مغل اور دوسرے مسلمان طبیب جو ابو علی سینا اور ایورس (یعنی ابن رشد[1]) کے پیرو ہیں وہ بھی ہندوؤں کی طرح

---

[1] ابن رشد کا نام محمد تھا اور اپنے اجداد میں سے رشد نامی ایک شخص کی نسبت سے محمد ابن رشد کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کی نسل میں سے تھا جنھوں نے ۹۳ھ مطابق ۷۱۱ء میں ملک اسپین کو فتح کر کے ممالک اسلامیہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان طریقوں خصوصاً یخنی یا شوربے سے پرہیز کرانے کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔

مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا عمل زیادہ ہے۔ کیونکہ جہاں اُن کو مندرجہ بالا اورام کا اندیشہ ہوتا ہے عموماً ایک دو مرتبہ خون نکلواڈالتے ہیں اور یہ عمل وہ گوآ اور پرس کے زمانہ حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدمائے اطبا کی طرح اٹھارہ یا بیس اونس یعنی دس گیارہ چھٹانک تک خون نکلواڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات غش کی نوبت ہو جاتی ہے۔

پس وہ گیلین[1] (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسا کہ میں نے اکثر دیکھا ہے۔ بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ میں شامل کیا تھا۔ یہ ملک اسپین کے مشہور شہر کاردوآ (قرطبہ) میں جہاں اس کے باپ دادا قاضی رہے تھے۔ سنہ ۵۲۰ھ مطابق سنہ ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ یہ نہایت مشہور حکماء عرب میں سے تھا۔ اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے زمانہ میں علم فلسفہ اہل عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اور اس کے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا اس کی اکثر تصنیفیں زبان عربی اور عبری میں ہیں۔ چونکہ اس نے کتب ارسطو کی شرحیں لکھی تھیں اس لئے شارح حکمت ارسطو کے معزز لقب سے جس کا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور آفاق تھا۔ بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے اس کو الحاد سے منسوب کر کے اس کو اس کے مولد کاردوآ سے جلاوطن کرادیا تھا۔ مگر اس کے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور دربار مراکش (مراکو) میں پھر آحاضر ہوا۔ جہاں کہ وہ سنہ ۵۹۸ھ یا سنہ ۱۲۰۱ء میں مرگیا۔ (ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا و تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران ۱۲۷۳ھ)

[1] کلاڈی اس گالینس جس کو انگریزوں نے گیلین اور عربوں نے جالینوس بنایا ہے۔ ملک اُلی کے شہر پرگمس[2] کا رہنے والا تھا۔ یہ نامور شخص سنہ ۱۳۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور نوے برس کا ہو کر مرا۔ جالینوس اپنے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیرات اور علم ہیئت میں بہت سربرآوردہ اور دقائق فلسفہ ارسطاطالیس سے بخوبی ماہر تھا۔ جالینوس نے سترہ برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور وہ لکھتا ہے کہ جب میں اس عمر کو پہنچا تو میرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ اس لڑکے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیئے۔ مگر اس نے صرف اُنتیس برس کی عمر میں اول ایک اُستاد سے جس کا نام وہ بتانا نہیں چاہتا فن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اس زمانہ کے بعض اور مشہور

---

[1] کَ ل اڈی اس گ ال ی ن س [2] گ ے ل ی ن [3] پ رگ م س

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی زندہ بھیڑ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دوران خون کا طرز اور وہ رگیں دکھلاؤں جن کو پیٹیکٹ نے دریافت کیا تھا اور جن میں ہو کر کیلوس کا خلاصہ قلب کے دائیں خانہ میں پہنچتا ہے۔ تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ ہندو اس فن سے محض ناآشنا ہیں کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے اُنھوں نے ان کا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کا علم ہیئت علم ہیئت کا یہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتروں کی رو سے خسوف

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ معروف حکما سے جو فنِ تشریح اور علم الادویہ میں نامور تھے ان فنون کی تعلیم پائی ابھی بیس برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کا وہ پہلا رہنما اور شفیق اُستاد مر گیا۔ بعد ازیں اس نے بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علمائے فلسفہ و طب مشہور تھے سفر کئے اور آخر کار شہر اسکندریہ میں جا کر بعض اُستادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور اٹھائیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر جو علوم اُس زمانہ میں استادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لئے اور اپنے شہر پرگمس میں واپس آ کر انیس برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اس نے ایسے ایسے زخمیوں کو اچھا کیا جن کے زخم مہلک سمجھے جاتے تھے اور چونکہ بتیس برس کی عمر میں اُس کے شہر میں کچھ بغاوت ہو گئی تھی اس لئے وہ شہر روم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پرگمس میں پھر آ کر آخر کار روم میں ہی جا ٹھیرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اُس کی شہر پرگمس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ اب تک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اور یہ بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مُردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اُس کی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے ۔۔۔ لیکن وہ اپنے وقت میں یکتائے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے ایسا ممتاز تھا کہ اُس قدیم زمانہ میں اُس کی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کچھ بے جا نہ تھا۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا) س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بیان میں نرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاند گہن کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ لیکن خسوف کی نسبت بھی ان کا وہی بے معنی اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شریر راجھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اُس کو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے۔

اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے ڈیڑھ لاکھ میل اونچا ہے۔ اور وہ ایک بالذات نورانی جسم ہے اور اُس سے انسانوں کے دماغ میں امرت پہنچتا ہے جو دماغ سے اُتر کر آگے اور اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہ سب دیوتا ہیں۔

خیالی پہاڑ سمیر جب سورج سمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے اُس وقت رات ہو جاتی ہے۔ سمیر ایک خیالی پہاڑ ہے جس کو فرض کر لیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُلٹے کوزے کی طرح واقع ہے۔ اور معلوم نہیں کے ہزار کوس بلند ہے۔ پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹ کر نہیں آتا اس وقت تک دن نہیں نکلتا۔

علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفیت علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیا چپٹی اور مثلث شکل کی ہے اور اس میں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گھری ہوئی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دودھ کا ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسی طرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہاں تک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ سمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے۔ اول ولایت جو سمیر کے نہایت قریب ہے اول درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُن سے کم درجہ کے دیوتا ہیں۔ اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جن کے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں۔ اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جس میں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں۔ ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا بہت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے ہاتھیوں[1] کے سروں پر رکھی ہوئی ہے جن کی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے۔

ہندوؤں کے علوم کے متعلق میری رائے

اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جن کی اس قدر شہرت ہے یہی تمام بے معنی باتیں بھری ہوئی ہیں جن کو میں نے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ ان کے علم و عقل کی نسبت مدت دراز سے مدح سرائی کرتے چلے آتے ہیں۔

میں ان باتوں کی حقیقت پر یقین لانے میں نہایت متامل ہوں کیوں کہ اوّل تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر ان کی مذہبی اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت ہائے دراز سے ایک ایسی زبان ہوگئی ہے جس کو کوئی نہیں بولتا۔ اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اس کو سمجھتے ہیں اور اس کی اصل نا معلوم ہے۔ بہرحال ان تمام باتوں سے بڑی قدامت اور کہنگی ثابت ہوتی ہے[2]۔

بنارس کے چند پنڈتوں سے ملاقات

جب میں دریائے گنگا سے نیچے کے علاقہ کی طرف جارہا تھا تو بنارس سے ہوکر گذرا اور ایک سب سے بڑے پنڈت سے جو اس مشہور دارالعلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اس کی فضیلت کے لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اس کے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کردی تھی — وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اس کی پوشاک یہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑی باندھے رہتا ہے۔ جو پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے۔ اور ایک کسی قدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر کاندھوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔ میں نے دہلی میں اس شخص

---

[1] ہاتھیوں کے سروں پر دنیا کے اٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اس کی کچھ صحت معلوم ہوتی۔ البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سر والے مقدس سانپ کے سر پر اس دنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے اور ایک عام روایت یہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہ پرتھوی قائم ہے۔ اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے۔ س م ح

[2] مصنف کے نزدیک یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقایق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑجاتا ہے اور اس کے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہوجاتا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو بادشاہ اور اُمرا کے روبرو بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں میں وہ مجھے یا تو پیدل یا پالکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ میرے آقا کے پاس اس امید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کرکے اس کی پنشن بحال کرادے جو اورنگ زیب نے جس کو اپنی دین داری دکھانے کا بڑا شوق تھا تعصبِ مذہبی کی وجہ سے تخت پر بیٹھتے ہی بند کردی تھی۔ میں نے اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کرلی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُس سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت خلق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دکھانے لے گیا جہاں اُس نے اور بھی بڑے بڑے چھ پنڈتوں کو بُلا لیا تھا۔ جب میں نے اپنے آپکو ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ اُن کی رائے بُت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے انسان کے نزدیک بھی خلافِ عقل ہے اور آپ جیسے اچارجوں کے شایاں نہیں ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بے شک مختلف مورتیں مثلاً برہما مہادیو۔ گنیش۔ اور گورِی کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ اور ہم ان کی مورتوں اور علاوہ بریں اور بہت سے دیوتاؤں کی مورتوں کا جو ان سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ اِن کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول، چاول، گھی، زعفران، خوشبوئیں اور ایسی ہی چیزیں ان پر چڑھاتے ہیں مگر باوجود اس کے ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یہ مورتیں خود برہما یا وشن ہیں۔ بلکہ یہ قریب قریب اُن کی اصلی مورتوں یا شبیہوں کے مماثل ہیں اور ہم ان کا ادب صرف اُس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جن کی یہ مورتیں ہیں۔ اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مورت کے لئے ہمارے مندروں میں مورتیں اس لئے رکھی جاتی ہیں کہ دل کو قائم رکھنے کے واسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جائے تب تک پوجا عمدہ طور سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے۔ اور صرف وہی سب کا مالک اور سب سے بڑھکر ہے۔ پنڈتوں نے جو جواب مجھے دیا، میں نے اُس کو کم زیادہ کرکے نہیں لکھا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ انھوں نے اس مدعا کو عمداً ایسے قالب میں ڈھال کر بیان کیا تھا کہ جو رومن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیتھلک[1] فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جائے۔ کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے۔

دنیا کی عمر پنڈتوں کے خیال میں

پھر میں نے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت پنڈتوں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اس کی قدامت ظاہر کی۔ یہ تو نہیں کہا کہ دنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں۔ مگر جو عمر اُنھوں نے بتلائی۔ اُس سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اس کو قدیم سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ بیان تھا کہ دنیا کی عمر چار جگوں سے شمار کی جاتی ہے اور اُن کا جگ ہمارے قرنوں کی طرح سو برس کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جگوں کا شمار کروڑ برس سے کرتے ہیں۔ جو عمر اُنھوں نے ہر جگ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہی لیکن ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا جگ یعنی ست جگ پچیس[2] لاکھ برس تک رہا۔ پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک ترتیا جگ رہا۔ پھر اگر میری کچھ غلطی نہ ہو تو) آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک دواپر جگ رہا۔ اور یہ میں بھول گیا کہ چوتھا یعنی کل جگ جو اب ہے کتنے لاکھ برس تک رہے گا۔ پنڈتوں نے کہا کہ پہلے تین جگ اور بہت سا حصہ چوتھے جگ یعنی کل جگ کا گذر چکا ہے۔ اور جس طرح کہ ان جگوں کے خاتمہ پر دنیا قائم رہتی رہی ہے۔ چوتھے جگ کے ختم ہونے پر ایسا نہ ہوگا بلکہ دنیا "مہا پرلے" ہو کر نابود ہو جائے گی۔ اور تمام چیزیں اپنے اپنے مبدا کی طرف عود کر جائیں گی۔ جب میں نے پنڈتوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا کہ وہ دنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتلائیں تو انھوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا مگر جب میں نے دیکھا کہ وہ بیچارے اس میں بالکل اُلجھے ہوئے ہیں اور صرف لاکھوں کی تعداد کی نسبت اُن کا اختلاف ہے تو میں نے اپنے تئیں اسی

---

[1] تعجب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو اعتراض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنے طرز عبادت کی بیہودگی پر جو گرجاؤں میں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور پطرس حواری کے جوتے کی نقل رکھتے اور ان کو مقدس جان کر اُن کی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ دیپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں غور نہ کی اور انجیل مقدس کی اُس آیت پر عمل نہ کیا جو لکھا ہے "تو اگر اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکا نکالنا چاہے تو اول اپنی آنکھ کا شہتیر نکال" افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہ ہو اُس کو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی بُرائی کبھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اُس کی طبیعت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر متوجہ اور مائل رہتی ہے اور اُن کے ہنر اور خوبیاں بھی اُس کو بُرائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عام واقفیت پر مطمئن کر لیا کہ یہ دنیا نہایت ہی قدیم اور اس کی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے۔ جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجوہ پوچھتا ہے جن سے کہ دنیا کے بے حد پرانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک قسم کے بے فائدہ افسانے سنانے لگتا ہے۔ اور آخر یہ کہہ دیتا ہے کہ بید میں ایسا ہی لکھا ہے[1]۔

پنڈتوں کے نزدیک دیوتاؤں کی حقیقت

پھر میں نے اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُن کا بیان نہایت منتشر پایا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں۔ نیک۔ بد۔ اور نہ نیک نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نور سے۔ اور بہتوں کی یہ رائے ہے کہ وہ بیاپک ہیں۔ اور لفظ بیاپک کے معنی میں بجز اس کے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے۔ ہماری روح بیاپک ہے۔ اور جو چیز بیاپک[2] ہے وہ لازوال ہے) اور زمان و مکان سے مبرا و منزہ ہیں۔ اُس فاضل فقیر اور اُس کے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الٰہی کہتے ہیں اور بعض کی یہ رائے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

لنگ شریر کا مسئلہ

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اُن سے لنگ شریر کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جس کو اُن کے بعض مصنف مانتے ہیں۔ مگر جو واقفیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ابتدائے آفرینش سے ان کا وجود چلا آتا ہے۔ اور وہ ادھر اُدھر بکھرے ہوئے اور دوسرے مادوں میں ملے جلے پڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں۔ جیسے کہ خود وہ نباتات یا درخت یا حیوان جس کے وہ بیج ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُن کے جُدا جُدا اجزا اُسی وقت صاف طور پر نظر آسکتے ہیں جب کہ وہ اپنی مناسب جگہ پر لائے جائیں اور وہاں پرورش کے مادہ کے پہنچنے سے بخوبی نمایاں

---

[1] عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجز اس کے کہ توریت مقدس کا حوالہ دیں دنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔ س م ح

[2] فارسی خواں ناظرین کو لفظ بیاپک "باہمہ وبے ہمہ" کے مرادف المعنی سمجھنا چاہیئے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوں اور ترقی پائیں۔ پس ہر ایک سیب یا ناشپاتی کے درخت کا بیج لنگ شریر یعنی سیب یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزا میں کامل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک گھوڑے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج لنگ شریر یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا ہاتھی یا آدمی ہے جس کے واسطے صرف جان اور پرورش کے مادے کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ عرفیہ کو حاصل کر سکے۔

وحدت الوجود اب میں آپ کو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا شور و غل تھا یہاں تک کہ بعض پنڈتوں نے اس کو شاہجہاں کے بیٹوں داراشکوہ اور سلطان شجاع کے بھی ذہن نشین کرا دیا تھا۔ آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ اکثر قدیم حکما لائف گونگ پرنسپل یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف مسئلہ کے قائل ہیں اور اُن کا قول ہے کہ ہم تم جیسے جان دار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزا ہیں۔ چنانچہ اگر ہم غور سے ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہم پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ وہ بھی اسی رائے کی طرف مائل تھے۔ اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام پنڈتوں کا ہے اور یہ وہی مسئلہ ہے جس کی نسبت صوفیوں اور اکثر علمائے ایران کے باہم لڑائی جھگڑے رہا کرتے ہیں۔ اور جس کو گلشن[1] راز میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے[2] فلڈ

---

[1] اس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تبریز کے قریب جیتر نام ایک گاؤں کے رہنے والے اور مشاہیر مشائخ صوفیہ سے تھے۔ یہ کتاب انھوں نے ۷۱۷ھ کے ماہ شوال میں بعض مشائخ خراسان کی فرمائش پر تصنیف کی تھی جیسا کہ خود اُن کے اس شعر سے جو سبب تالیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے "گذشتہ ہفت دہ از ہفت صد سال ز ہجرت ناگہاں در ماہ شوال" یہ کتاب بڑے رتبہ کی سمجھی جاتی ہے۔ اور اس لئے اکثر بزرگوں نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن شرح مودود بمفاتیح الاعجاز جو ۸۷۷ھ کے خاتمہ میں کی گئی تھی اور جس کے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ لاہجانی ہیں۔ جو فقرا کے سلسلہ نوربخشیہ کے بانی سید محمود نوربخش کے اعظم خلفا میں سے تھے۔ سب سے عمدہ سمجھی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے۔ کہ جب مصنف نے اس شرح کو لکھکر دیکھنے کے لئے ملا عبدالرحمن اجامی

[2] رابرٹ فلڈ قوم کا انگریز تھا اور ۱۵۷۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ یہ اپنے زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ حکما کا پیرو تھا جو یہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری روحیں سیدھی اُس مبدائے فیاض سے تعلق رکھتی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی بھی یہی رائے تھی جس کو ہمارے نامور گیسینڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مہوس لوگ اکثر اُس کے سبب سے خراب و برباد ہوتے ہیں۔ ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا یا اس اعلیٰ وجود نے جس کو وہ اپنی زبان میں اُیشر کہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک مادی اور جسمانی چیز کو بھی اسی طرح اپنی ذات سے پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرح پر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامہ کا وجود معلولات کا مستلزم ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصور کرتے ہیں جیسے مکڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالا تن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُس کو سمیٹ لیتی ہے۔ پس ان خیال بند فلسفیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اس کا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلا دیا ہے۔ یا یہ کہ ایک مکڑی کا تار ہے۔ جو اُس نے اپنے اندر سے نکال دیا ہے۔ اور فنا یہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی میں کھینچ لے۔ چنانچہ قیامت کے دن جس کو وہ پرے یا مہا پرلے کہتے ہیں۔ اور جس کی نسبت اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ اُس وقت تمام چیزیں نابود ہو جائیں گی۔ خدا اپنے تمام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ نمبر۱۔ کے پاس ہرات میں بھیجا تو انھوں نے اپنے جوابی خط کے شروع میں اپنی یہ رباعی لکھکر بھیجی۔ رباعی ۔"اے فقر تو نورِ بخش ارباب نیاز ۔ خرم ز بہار خاطرت گلشن راز ۔ یک نظرے بر من قلم انداز ۔ شاید کہ برم رہ حقیقت زمجاز"۔ س م ح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ نمبر۲۔ ہیں اور وہاں سے گوناگوں استفاضہ معلومات اور اسرار غیبی کا کرتی رہتی ہیں۔ اس شخص کے تخیلات کا بیان جن کا وہ معتقد تھا مختصر طور پر کرنا بہت مشکل ہے چنانچہ منجملہ اُن کے اُس کا ایک یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو مؤثر سمجھتا تھا۔ ایک قوت انقباضی۔ دوسری انبساطی اور ان پر کتنے ہی جنات کو موکل جانتا تھا۔ اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کا باعث وجود امراض قرار دیتا تھا۔ اور اس بات کا معتقد تھا کہ مکراکوزم کو جس کا ترجمہ عالم صغیر یا انسان کیا جا سکتا ہے۔ مے کراکوزم یعنی عالم کبیر یا یونیورس سے یک خاص مشابہت اور مناسبت ہے۔ اس کے معتقدات خواہ کیسے ہی فضول اور لایعنی تھے مگر چونکہ اُس نے اُن کو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیان کیا تھا۔ اس لئے اُس زمانہ کے حکما کو اُن کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ یہاں تک کہ اول کیپ ٹرنام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اُس کی تردید میں ۱۶۲۹ء میں کتابیں لکھیں۔ فقط

(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹیانیکا) س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُن تاروں کو جو اُس نے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دیئے تھے۔ بالکلیہ اپنے اندر کھینچ لے گا اس لئے ان کی رائے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سُنتے یا سونگھتے یا چکھتے یا چھوتے ہیں ان میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا صرف ایک خواب و خیال ہے۔ پس جو طرح طرح کی چیزیں بذریعہ حواس ظاہری محسوس ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دوہرانے سے دس بنتے ہیں۔ سو اور ہزار کے اعداد بن جاتے ہیں اور دراصل وہ ایک ہی عدد ہے۔ لیکن اگر تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الٰہی کے پھیل جانے اور پھر سمٹ جانے کی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ دریافت کرو۔ یا یہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تمہارے بیاپک اور غیر متغیر ہے تو پھر کس طرح اس قدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہو گیا ہے تو وہ اس کی عجیب مثالیں بیان کریں گے۔ مثلاً یہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے سمندر کے ہے جس میں بہت سے بُلبلے تیرتے رہتے ہیں۔ خواہ یہ بُلبلے کہیں چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ بیٹھ جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیں گے[1]۔ یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بے شمار شیشوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے۔ مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُن کی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہو کر اُن چیزوں پر پڑتی ہے۔ غرضکہ وہ تمھیں ایسی ایسی ناقابل تشفی تشبیہیں دے کر جن کو خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں اور جو صرف جاہلوں کے فریفتہ کرنے کے لائق ہوتی ہیں ٹال دیں گے۔ اور ان سے جواب شافی کی اُمید کرنا بے فائدہ ہے۔ اگر کوئی اُن کو یہ جواب دے کہ مثلاً جو حباب ایک پانی پر ہیں۔ اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کئی پانی ایک نہیں ہیں۔ اور اسی طرح تمام دنیا پر آفتاب کی روشنی گو ایک سی ہے۔ لیکن سب جگہ وہی نہیں ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تمھارے ان تمام تصورات پر اور بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تشبیہوں اور استعاروں کو لے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ اس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے ؎

دریا سے حباب کہے ہو سدا تو اور نہیں میں اور نہیں ؛ مجھ کو نہ سمجھ اپنے سے جدا تو اور نہیں، میں اور نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حرفِ آخر

اب میں اس ساری بیوقوفی اور اُس طفلانہ خوف وہراس اور اس متوہمانہ اتقا اور سورج کے ساتھ ہمدردی کے خیالات (جو سورج کو اُس بدطینت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کیے جاتے ہیں) اور اُس دکھاوے کی پاٹھ پوجا اور اشنان اور پن دان اور خیرات (جو برہمنوں کو دی جاتی یا دریاؤں میں پھینکی جاتی ہے) اور عورتوں کی اُس مجنونانہ جرأت کہ اپنے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ بھی جل کر مرجاتی ہیں جن سے اُن کی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں اور فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال واشغال اور سب سے اخیر میں بیدوں اور ہندوؤں کی دیوتاؤں کی اُس تمام خرافات کا ذکر کرنے کے بعد آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے نکتہ چیں اشخاص سفر کے مصائب اور تکالیف اٹھائے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے دیدہ زیب سرنامے تحریر کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر میرا یہ خط جو میرے ان دور دراز سفروں اور اس قدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود نتیجہ ہے۔ اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اس کا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں رکھتا؟ اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ "کیسے ہی فضول اور بے معنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہ پا ہی جاتے ہیں"

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ چیپل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط[1] اُن کے حوالہ کردیں گے۔ یہ چیپل صاحب ہی تھے جنھوں نے پہلے پہل آپ کے نامور اور دلی دوست گیسینڈی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ثابت ہوئی ہے۔ اُن کی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجھکو لے جائے گی مجھے محبت کے ساتھ وہ ہر جگہ یاد رہیں گے۔ میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں۔ اور نہ صرف اس وجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے رہے۔ میں عمر بھر آپ کا ادب کرتا رہوں گا۔ بلکہ اس سبب سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہے ہیں جن سے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی۔ اور میں اس وجہ سے بھی آپ کا بڑا احسان مند ہوں کہ آپ نے اپنی بے غرضانہ عنایت سے دنیا کے اس بعید حصہ میں جہاں میرا شوق مجھکو لے آیا ہے میرے لیے عمدہ عمدہ کتابیں بھیج دی ہیں۔ حالانکہ جن لوگوں سے میں نے کتب مذکورہ کے لیے درخواست کی تھی۔ اور جن کو اُن کی قیمت کا روپیہ مقام مارسیلس میں میرے زرا نتی

---

[1] اس سبب سے کہ اس خط میں ہندوستان کے متعلق کوئی امر درج نہ تھا اس کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ مترجم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے مل سکتا تھا۔ اور جن پر بہ لحاظ اہلیت اور انسانیت کے یہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیج دیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھکر ہنسا کیے گویا کہ انھوں نے مجھے ایسا گیا گذرا سمجھ لیا جس کا پھر کبھی منہ ہی نہیں دیکھنا ہے۔

خط

بنام مانشیو رڈی لاماتھی لی وے

یکم جولائی سنہ ۱۶۶۳ء

از دہلی

جو دہلی اور آگرہ کے شہر اور شہنشاہ مغل کے دربار کے متعلق لکھا گیا

صاحب من! میں خوب جانتا ہوں کہ جس وقت میں فرانس کو واپس آؤں گا تو سب سے پہلے آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اُس ملک کے صدر مقام آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا کیا حال ہے۔ پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اوّل انھیں امور کو بیان کیے دیتا ہوں۔ اور اُن کے ضمن میں بعض اور حالات بھی پیش کروں گا۔ جن کی نسبت میرا خیال ہے کہ آپ غالباً اُن کو بھی دلچسپ تصور کریں گے۔

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کا فرق ان دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ کہنے سے پہلے یہ بیان کرنا لازم ہے کہ ہندوستان میں مقیم اہل فرنگ کو حقارت کے ساتھ یہ کہتے دیکھکر کہ ان دونوں آگرہ اور دہلی) اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی طرح خوش وضع نہیں ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی۔ وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ عمارات کی قطع اور وضع ہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے، مثلاً جس وضع کی عمارت پیرس اور لندن یا امسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لائق ہے دہلی اور آگرہ میں بالکل کارآمد نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجئے کہ یہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جارہیں تو ان کی عمارات کو توڑ پھوڑ کر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہو جائے گا۔ بلاشبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اُس ملک کی سرد آب و ہوا کے موافق ہیں۔ لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اس گرم ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش وضعی سے خالی نہیں ہندوستان کی گرمی اس قدر شدید ہے کہ کوئی اور تو کیا، خود بادشاہ بھی پاؤں کی حفاظت کے لئے پاتابے نہیں پہنتا۔ اور صرف بلکے سلیپر کی طرح کی ایک چیز پہنتا ہے۔ جسے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"پاپوش" کہتے ہیں۔ اور سر کی محافظت کے لئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پگڑی ہوتی ہے۔ اور دوسرا لباس بھی ایسا ہی ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کے تکیہ پر مشکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے۔ اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک متنفس مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے۔ عوام کا یہ حال ہے کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑ رہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے تاجر اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جس کو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈمینس سمیت اپنے بند وضع اور بے شمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُن میں یہاں کوئی رہ سکے گا۔ یا رات کو جب کہ ہوا کے حبس سے گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکے گا؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص گھوڑے پر پھر پھرا کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے ادھ موا ہو رہا ہے۔ اور حسب معمول پسینہ میں تر بتر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اس کو تنگ و تاریک زینہ سے چڑھکر چوتھی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر وہاں ایسے کمرے میں ٹھہرنا پڑے کہ جہاں مارے گرمی کے دم گھٹ جائے۔ ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے آکر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا نیبو کا شربت پی لینا اور کپڑے اُتار کر اور منہ ہاتھ دھو کر سایہ میں پلنگ پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمت گاروں کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے لے کر جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی اب میں آپ کو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پھر آپ خود غور کر سکیں گے کہ یہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں۔ قریب چالیس برس گذرے کہ شہنشاہ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دائمی یادگار کے لئے پرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اُس کا نام اپنے نام پر شاہجہاں آباد یا اختصار کے لئے "جہاں آباد" رکھا۔ اور اس کے دارالسلطنت بنانے کے لئے یہ وجہ ظاہر کی کہ گرمی کی شدت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے قیام کے لائق نہیں

---

[1] شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ اس کی آبادی شاہجہاں کے جلوس کے بارھویں سال مطابق ۱۰۴۸ھ صادر ۱۶۳۸ء میں شروع ہوئی تھی اور خافی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاریخوں میں سے جو شعرا نے اس کی بابت کہی تھیں بادشاہ کو یہ مادہ پسند آیا رشد شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد، جس کو صاحب آثار الصنادید اپنی سند پر میر کبیر کاشی کا نکالا ہوا بتلاتے ہیں۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے لیکن اس سبب سے کہ اس کی تعمیر کے لئے اکثر مصالحہ پرانی دلی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا پردیسی آدمی پرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اکثر یہ نیا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے۔ بہرحال آسانی کے لئے میں نے بھی اہلِ یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

دہلی کا حصار شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جمنا کے کنارے جو لوائر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اُس طرف کے سوا جدھر دریا کی وجہ سے (جس پر کشتیوں کا پل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے۔ حفاظت کے لئے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اور اگر اُن بُرجوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوئے ہیں اور اُس کچے پشتے سے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے برابر اونچا ہے قطع نظر کی جائے تو یہ بہت نامکمل ہے۔ کیونکہ نہ تو اس کے گرد خندق ہے اور نہ کوئی اور بچاؤ کا سامان ہے۔

یہ حصار اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اُس کی وسعت اس قدر نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اس کے گرداگرد پھر گیا ہوں حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نہ تھی[1] میں اس تخمینہ میں شہر کے گرد نواح کی بہت سی آبادیوں کو جو بہت دُور تک لاہوری دروازہ کی جانب بستی چلی گئی ہیں اس میں شامل نہیں کرتا۔ اور نہ پرانی دلی[2] کے اُس

---

[1] صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرات آفتاب نما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۲۴ جلوسی مطابق ۱۰۶۰ھ موافق ۱۶۵۰ء شاہجہاں کے حکم کے بموجب مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے یہ فصیل تیار ہوئی۔ مگر دوسرے برس برسات میں اکثر جگہ سے گر پڑی اس واسطے از سرِ نو چونہ اور پتھر سے بنانے کا حکم ہوا۔ اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ کے خرچ سے تیار ہو گئی۔ طول اس کا چھ ہزار چھ سو چونسٹھ گز کا ہے۔ اور چار گز کی چوڑی اور نو گز کی اونچی ہے اور اس میں ستائیس برج دس گز کے قطر سے ہیں۔ ۱۸۰۳ء میں جب سرکار عالیہ انگریزی کا تسلط ہوا تو یہ اکثر جگہ سے ٹوٹ رہی تھی جس کو بہت خوبی سے درست کرایا گیا اور اجمیری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک آصف جاہ کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کے نام سے مشہور ہے اُس کو بھی اندر لے لیا گیا۔ اور قریب ۱۸۱۱ء کے اس کے گرد بھی شہر پناہ بنائی گئی۔ س م۔ ع

[2] صاحب آثار الصنادید کی تحقیق کے موافق پہلے اس شہر کا نام اندرپت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بے شمار بقیہ کو اور نہ اُن تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں۔ کیونکہ اُن کو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر بیچوں بیچ ایک سیدھا خط کھینچا جائے تو ساڑھے چار میل سے زیادہ ہو اور اگرچہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ شہر کا کُل دور کس قدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے ــــ قلعہ[1] جس میں شاہی محل سرا اور بادشاہی مکانات ہیں اور جن کا ذکر میں آئندہ کروں گا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ نام بدل کر کب سے دہلی ہو گیا۔ مرات آفتاب نما میں لکھا ہے کہ "یہ بات مشہور ہے کہ راجہ دلیپ نے جو چندر بنسیوں میں کا ایک راجہ ہے اپنے نام پر دلی آباد کی لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اس واسطے کہ ہندوؤں کی اگلی پوتھیوں میں باوجودیکہ راجہ دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دہلی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت ہی لکھا ہے۔ اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ۔ "سنہ ۳۰۰ھ مطابق سنہ ۹۱۹ء میں تنوروں کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دہلی بسایا اور اسی مصنف نے کتاب نزہۃ القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں دہلی نرم زمین کو کہتے ہیں جہاں میخ نہ تھم سکے اس سبب سے وہ بستی دہلی کے نام سے مشہور ہو گئی مگر اس سنہ میں نہ تو تنوروں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑ جانا قرینِ قیاس ہے۔ اس واسطے یہ بات بھی قابل اعتماد نہیں۔ اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ بقول صاحب مرآت آفتاب نما راجہ دہلو قنوج کے راجہ نے اس سبب سے کہ دلی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہتے ہیں۔ اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا اور جب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا۔ بلکہ اصلی نام دہلی کا دہلو ہے۔ جیسا کہ موافق روایت صاحب جواہر الحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کر کے دہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں باندھا ہے ؎ یا یک اسپم بخش یا زاخور بفرما بارگی ؛ یا بفرماں دہ کہ گردوں شنیم و دہلو روم ؛ راجہ دہلو راجہ پورس یعنی راجہ فور والی کمایوں کا ہم عصر تھا اور اُسی کی لڑائی میں مارا گیا۔ اور قنوج تک راجہ فور کا عمل ہو گیا۔ اور اس کے بعد سکندر اعظم نے راجہ فور پر ستلج کے کنارے فتح پائی۔ اور گنگا کے کنارے یعنی قنوج تک عمل کر لیا۔ یہ واقعہ سنہ ۳۲۸ قبل ولادت مسیح علیہ السلام میں ہوا کہ تخمیناً یہی زمانہ دہلی شہر بسنے کا معلوم ہوتا ہے۔ س م ح

[1] شاہجہاں نے اپنے جلوس کے بارھویں سال مطابق سنہ ۱۰۴۸ھ سنہ ۱۶۳۸ء میں شاہجہاں آباد کی آبادی کا حکم دیا۔ اور بارھویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا۔ اُستاد حامد اور احمد معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے۔ اس کی تعمیر کے لئے مقرر ہوئے۔ پہلے عزت خاں کو اس کا اہتمام ملا۔ اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور کچھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے۔ اور سامنے دریائے جمنا بہتا ہے۔ اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتیلا وسیع میدان ہے جس میں ہاتھیوں کی لڑائی دکھائی جاتی ہے۔ اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کی جاتی ہیں جن کو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے۔

قلعہ کی دیوار اپنی پرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے مشابہ ہے لیکن چونکہ یہ کچھ اینٹ اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے۔ اس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور شہر پناہ سے اونچائی چوڑائی اور مضبوطی میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عمیق خندق بنی ہوئی ہے۔ جس کی روکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں۔ اور جو پانی سے بھری رہتی ہے جس میں کثرت سے مچھلیاں ہیں۔ یہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے۔ لیکن اصل میں کچھ مستحکم نہیں ہے۔ اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا توپخانہ اس کو فوراً زمین کے برابر کر سکتا ہے۔ اس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہرا بھرا رہتا۔ اور قلعہ کی عظیم الشان اور سرخ رنگ کی فصیل کے مقابل ہونے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- مصالحہ جمع ہوا۔ اور کہیں کہیں سے بنیاد اونچی بھی ہو آئی۔ پھر الہ وردی خاں کو یہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اونچی ہو گئی۔ پھر کرمت خاں کا ذمہ ہوا۔ اور جیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہو گیا اور چوبیس ۲۴ ربیع الاول ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اس میں پہلا جلوس کیا، یہ ہشت پہل بنا ہے۔ اور اس کا طول ایک ہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جس کی کل زمین چھ لاکھ گز ہوئی۔ اور اس حساب سے یہ اکبرآباد کے قلعہ سے دوگنا ہے۔ اس کی فصیل پچیس گز اونچی ہے، اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے۔ دیوار کا حجم بنیاد سے پندرہ گز اوپر سے دس گز کا ہے۔ اس کی خندق چوبیس گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے۔ جس کا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اور کتاب مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا۔ یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں۔ اور پچاس لاکھ اس کے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا۔

(از آثار الصنادید) (س م ح)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی وجہ سے بہت خوش خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جس کے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے۔ اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آن کر ختم ہوتے ہیں۔ جو ملازم راجہ حسبِ معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں اُن کے خیمے اس چوکور میدان میں لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں۔ اس لئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے اور اسی جگہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اس کے قریب ہی ایک بڑے اصطبل میں رہتے ہیں پھرائے جاتے ہیں۔ اور یہیں سواروں کی فوج کا میر بخشی نئے بھرتی ہونے والے سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور اگر وہ ترکی نسل کے اور اچھے مضبوط اور پیانہ کے پورے ہوں تو اُن کی ران پر بادشاہ کا اور اُس امیر کا داغ دلوا دیتا ہے جس کی فوج میں وہ بھرتی ہوتے ہیں۔ اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ انھیں گھوڑوں کو دوسرے نئے سوار مستعار لے کر حاضری کے وقت پیش نہیں کر سکتے۔

جھوٹے غیب داں

اسی جگہ انواع و اقسام کی بے شمار چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے بازار لگتا ہے۔ جو پیرس کے پونٹ نیف[1] کی آف کی طرح ہر قسم کے کخالوں، بھان متیوں، ہندو اور مسلمان نجومیوں اور رمالوں کا مرجع ہے اور یہ فاضل نجومی دھوپ میں ایک میلا سا قالین کا ٹکڑا بچھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ جن کے پاس علمی ریاضی کے کچھ پرانے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رہتی ہے۔ جس میں بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اس طور سے یہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں۔ اور عوام الناس غیب داں سمجھکر اُن سے رجوع کرتے ہیں۔ اور یہ ایک پیسہ لے کر بیچارے جُمقا کو بتاتے ہیں کہ اُن کی قسمت میں آیندہ کیا ہوتا ہے۔ اور اُن کے ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جس کام کی بابت اُن سے سوال کرتے ہیں اُس کے لئے وقت اور "ساعت" یعنی مہورت بتاتے ہیں اور نادان عورتیں سر سے پاؤں تک ایک سفید چادر اوڑھکر اُن کے پاس جمع ہوتی ہیں۔ اور اپنی تمام عمر کے معاملات کے بارے میں اُن سے پوچھ گچھ کرتی ہیں اور اپنے تمام دلی بھید اُن سے کہہ دیتی ہیں۔ جس طرح فرانس

[1] ایک بڑے پُل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ندی پر بنا ہوا ہے۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں ایک وسواسن عورت اپنے پادری کے پاس جاکر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر کردیتی ہے۔ اور یہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا بدل دینا ان لوگوں کے اختیار میں ہے۔ ان نجومیوں میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز ایک دوغلہ پُرتگیز تھا۔ جو گوآ سے بھاگ آیا تھا۔ یہ مسخرہ بھی اپنا قالین بچھائے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا۔ اور اس کے پاس بھی بہت سے سائل آتے تھے۔ حالانکہ وہ کچھ لکھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اور اُس کے پاس آلات نجوم کے بجائے صرف ایک پُرانا جہازی قطب نما تھا۔ اور کتابوں کی جگہ رومن کیتھلک فرقہ کی نماز کی پُرتگیزی زبان میں دو پُرانی باتصویر کتابیں تھیں جن کی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں بُرجوں کی صورتیں اسی طرح کی بناتے ہیں۔ ایک دن فرقہ جیسوئیٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے اس کو اس کام میں مشغول دیکھکر پوچھا کہ تو یہ کیا کرتا ہے تو اُس نے شرمندہ ہونے کی جگہ یہ جواب دیا کہ "ایسے بیوقوفوں کا نجومی ایسا ہی چاہیے" یہ ذکر میں اُن غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہ منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ اُن کو بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور اس طرح یہ دولت مند ہوجاتے ہیں۔ تمام ایشیا میں یہ بے اصل وہم پھیلا ہوا ہے۔ اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیران غیبی غیب گویوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور بغیر ان کی اصلاح کے کوئی ادنیٰ کام بھی شروع نہیں کرتے یہ نجومی گویا آسمان میں لکھی ہوئی باتیں جانتے اور ہر ایک کام کے کرنے کے لئے مبارک گھڑی تجویز کرتے اور ہر ایک شبہ کو قرآن سے فال نکال کر حل کردیتے ہیں۔

دہلی کے بازار

وہ دو بڑے بازار جن کا ابھی ذکر ہوا اور جو اس چوکور میدان میں آکر ملتے ہیں اُن کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو بازار لاہوری دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بہ لحاظ وضع عمارت یہ دونوں بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف پلیس رائل ہے اسی طرح اُن کے بھی دونوں جانب کی دکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو ان کی عمارت خشتی ہے دوسرے یہ کہ یہ ایک منزلی ہیں۔ اور ان کی چھتیں بطور ایک مسطح چبوترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہ بھی تفاوت ہے کہ پلیس رائل کی دوکانوں کے برانڈے اس قطع کے ہیں کہ اُن میں داخل ہوکر انسان بازار کے ایک سرے سے دوسرے تک جاسکتا ہے۔ اور ان کی دوکانوں کے برانڈے علیحدہ علیحدہ ہیں جن کے بیچ میں دیواریں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حائل ہیں جن میں بیٹھ کر دن کے وقت اہل حرفہ اور صراف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریداروں کو دکھاتے ہیں۔ ان محرابی برانڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لئے کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں رات کے وقت سب اسباب رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں کے رہنے کے لئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ اور ہوادار اور آرام کے قابل اور گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔ اور ان کے آگے برانڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ ان میں رہتے ہیں وہ رات کو اس پر سوتے ہیں۔ مگر ان اطراف میں کوٹھریوں کے اوپر جو بالاخانے بنے ہوئے ہیں ---------- اکثر ایسے پست ہیں کہ بازار میں سے بخوبی دکھائی نہیں دیتے۔ متمول بیوپاری دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے بعد اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ پانچ بازار اور ہیں۔ اور اگرچہ ان کی وضع قطع بھی انھیں کے قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو بے شمار بازار ہیں۔ اور جو ایک دوسرے کو متقطع کرتے ہیں ان میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طرز کی ہے مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کے بناتے ہوتے ہیں جن کو عمارت کے تناسب کا کچھ خیال نہ تھا۔ اس لئے ان بازاروں میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عریض ہیں جیسے کہ وہ بازار ہیں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

رہائشی مکان شہر کے گلی کوچوں میں جو منصب داروں اور حکام عدالت اور دولتمند تاجروں اور اور لوگوں کے مکانات ہیں۔ ان میں کبھی بہت سے اچھے خاصے خوش قطع ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت تھوڑے ہیں کچے اور خس پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اس کے عموماً ہوادار اور خوش نما ہیں۔ اور اکثر مکانوں میں چوک اور باغیچے ہیں۔ بہت آرام دہ اور ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور سفیدی کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ بے شمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں ان میں معمولی فوجی سوار اور ان گنت نفر خدمت گار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے ساتھ جایا کرتے ہیں، رہتے ہیں۔ اور ان کے سبب سے شہر میں اکثر آگ لگ جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سبب سے جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے۔ قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر بانی پھر گیا اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں۔ کیونکہ یہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور آپا ہیج ہوتی ہیں۔ کہ نامحرم لوگوں سے منہ چھپانے کے سوا ان سے کچھ بن ہی نہیں آتا۔ چنانچہ جو عورتیں اس صدمہ سے ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں ان کچے اور خس پوش مکانوں کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ یہ خیال ہوتا ہے کہ سوائے اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اس میں زیادہ ہیں۔ دہلی گویا چند دیہاتوں کا مجموعہ یا فوج کی چھاؤنی ہے

امرا کے مکان اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں۔ اس گرم ملک میں اسی مکان کو عمدہ سمجھتے ہیں جس میں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاص کر شمال کے جانب کی ہوا آتی ہو۔ چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جن میں ایک اچھا صحن اور باغیچہ اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جن میں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں لیا جا سکتا بہت آرام کی جگہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خس خانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمت گار لوگ چمڑے کی ڈولچیوں سے ان پر باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ پانی چھڑک سکیں اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ جس کے چاروں طرف قدآدم اونچے دالان ہوں جن میں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک بڑے چمن کے اندر[1] بنا ہوا ہو۔ اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جس میں گھر والوں کے سونے کے لئے صحن اور چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکا کر اندر لے لیا جاتا ہے۔ یہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرایت کر جاتی ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں ——

---

[1] غالباً بارہ دری مراد ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اچھے گھروں میں نشست کا یہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار انگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جس پر گرمی کے دنوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک دوگدیلے بچھے رہتے ہیں۔ جن پر ریشم کے ہلکے کام کی سوزنی جس پر سنہری اور روپہلی زری کی دھاریاں بنی ہوتی ہوتی ہیں پڑی رہتی ہے۔ اور صاحب خانہ اور معزز اور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُس پر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیلے پر کمخاب کا ایک گاؤ تکیہ بھی لگا رہتا ہے اور اس کے علاوہ اہلِ مجلس کے آرام کے لئے دالان کے گرداگرد کمخاب اور مخمل اور پھول دار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اور تکیے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور باقرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں۔ اور دالان کی چھت منقش اور ملمع کاری کی ہوتی ہے مگر انسان یا کسی اور جان دار شے کی تصویر اُس پر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے۔

یہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح نقشہ ہے۔ اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں فرنگستان کے مکانوں کی بجوسے صرفِ نظر کرکے بلا اندیشہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں۔ مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیب وزینت کا باعث ہے وہ خوش نما اور شان دار دکانیں ہیں جو دہلی میں نہیں ہیں اور اگرچہ یہ شہر ایک عالی شان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا مقام ہے۔ جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیا کا جمع ہو جانا ایک ضروری امر ہے۔ تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سینٹ ڈینس ہے جس کا مقابل اور ہمسر غالباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا۔

دہلی کی دو کانیں

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے۔ اور فرنگستان کی طرح دکانیں بھڑک دار اور بیش قیمت اسباب سے شاذ و نادر ہی آراستہ نظر آتی ہیں اور اگر ایک دکان میں پشمینہ کمخاب اور زری کار مندیلیں اور ریشمین کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دوکانوں میں گھی تیل دال، چاول گیہوں جَو وغیرہ بے شمار قسم کے اناج (جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا ہے جو کبھی گوشت نہیں کھاتے۔ بلکہ غریب مسلمان اور بہت سے سپاہی بھی یہی کھاتے ہیں) ٹوکروں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

البتہ ایک بازار ایسا ہے جس میں میوہ کھلا رکھا رہتا ہے۔ اور اُس میں بہت سی دُکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک میووں، بادام، پستہ، فندق، کشمش، بیر اور زرد آلو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید نہایت عمدہ تازے انگوروں (جو روئی کی تہہ میں لگائے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں)، ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردوں سے جو جاڑوں بھر بکتے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہ میوے بہت مہنگے بکتے ہیں۔ چنانچہ ایک سردہ پولنے چار روپیہ کو آتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ اہلِ دہلی کو سب میووں سے زیادہ مرغوب اور پسند ہے۔ اُمرا کے ہاں میوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ میرے "آغا" کے ہاں اکثر صبح کے کھانے کے موقعہ پر کوئی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دیسی خربوزہ بہت سستا ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ لذیذ نہیں ہوتا۔ اور بجز اس کے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بویا جائے جیسا کہ اُمرا اکثر کرتے ہیں عمدہ میسر نہیں آتا، مگر اس پر بھی اچھا اور عمدہ خربوزہ کمیاب ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہ تخم بھی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گول کنڈا، اور گوا سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اُس کی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تربوز سال بھر رہتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بے مزہ ہے۔ اور رنگت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی اُمرا کے ہاں اچھا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط اور خرچ سے اُگواتے ہیں۔

شہر میں حلوائیوں کی دُکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی اچھی نہیں بنتی، گرد اور مکھیوں سے بھری رہتی ہے۔ نان بائی بھی بے شمار ہیں مگر اُن کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب سکی ہوتی البتہ جو روٹی قلعہ میں پکتی ہے وہ کسی قدر اچھی ہوتی ہے اُمرا تو اپنے گھر پر ہی تیار کرا لیتے ہیں۔ اور اس وجہ سے نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ اس میں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے۔ اور اگرچہ خوب پھول جاتی ہے۔ مگر مزا جلی ہوئی کا سا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر کبک جیسی ہوتی ہے اور پیرس کی "گالنس" اور دوسری روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی۔ اگرچہ بازار میں کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے لیکن اس کا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور کا گوشت ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے — یا قریب المرگ بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے۔ غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار نہ ہوا ہو صحت کے لئے مفید نہیں ہے۔ دہلی کے ہر گلی کوچے میں گوشت بکتا ہے۔ لیکن بکری کے گوشت کی جگہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں۔ پس اس فریب سے بچنے کے لئے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ بیل کا گوشت اور خاص کر بھیڑ کا اگرچہ مزے میں بُرا نہیں ہوتا۔ لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ نفخ پیدا کرتا اور دیر ہضم ہوتا ہے۔ حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بازار میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ اس لئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے لیکن اس میں یہ بڑی دقت ہے کہ اس ملک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھیرتا۔ دوسرے یہ کہ جانور دُبلے ملتے ہیں۔ اور اس وجہ سے گوشت بے مزہ ہوتا ہے اور قصائیوں کی دکانوں میں دُبلی بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو اکثر سخت ہوتا ہے۔ لیکن خصوصیت سے میرا اس بارے میں شکایت کرنا نامناسب ہے۔ کیونکہ جب سے کہ میں ان لوگوں کے رویہ سے واقف ہوگیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھکو روٹی یا گوشت اچھا نہ ملا ہو چنانچہ میں خاص بادشاہی باورچی خانہ کے داروغہ کے پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھیج دیتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیدیتے ہیں جس پر اُن کی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے۔ مگر میں برضا مندی ایک اچھی قیمت دیدیتا ہوں چنانچہ میرا "آغا" مجھ سے یہ بات سُن کر بہت ہنسا کہ میں برسوں سے چوری اور چالاکی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے آپ کی سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مرجاتا حالانکہ فرانس میں صرف آٹھ آنہ روز میں ایک بادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں۔

مچھلی اور پرندے ننھی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔ جن کو محل سرا کے کام کے لئے خوجہ بناتے ہیں۔ لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جس کا جھڑہ سیاہ ہوتا ہے — اور جس کا نام میں نے "حبشی" رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے۔ کبوتر بھی ملتے ہیں مگر بچے نہیں ملتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچوں کا مار ڈالنا بے رحمی کا کام سمجھتے ہیں۔ تیتر بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تیتر سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑ کر دور سے زندہ لاتے ہیں۔ ایسے اچھے نہیں ہوتے جیسے کہ اور پرند ہوتے ہیں یہی کیفیت مرغابیوں اور خرگوشوں کی ہے جو زندہ پکڑے جا کر پنجرے کے پنجرے بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں۔ دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیشہ میں ہوشیار نہیں ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھی مچھلی بھی ملتی ہے۔ خصوصاً "سنگھاڑا" اور "روہو" جو اپنے ہاں کی پاپلٹ اور کارپ کی شکل کی ہوتی ہیں۔ مگر جاڑوں میں ماہی گیر مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اُس کو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ خاص طور سے اس کے شائق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ امرا کوڑے کے زور سے جو ہمیشہ اُن کے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے ان کو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑنے کو بھیجتے ہیں۔

بادۂ فرنگ

اب میرا یہ بیان سُن کر آپ غور فرما سکتے ہیں کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیرس کو چھوڑ کر دہلی کی سیر کے لئے خوشی سے آئے گا؟ بے شک امیروں اور دولت مند لوگوں کو ہر ایک شے میسر ہے لیکن یہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث سے ہے۔ دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے یا تو بڑے بڑے عالی مرتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جن کی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسب دل خواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ بازار میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جن کو اُمرا نے ناپسند کر کے چھوڑ دیا ہو۔ شراب جو فرنگستان میں کھانے کا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے۔ دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ ویسی انگور کی بن سکتی ہے۔ لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے برابر ممنوع ہے چنانچہ احمد آباد اور گول کنڈہ میں بعض ڈچ اور انگریزوں کے گھروں میں میں نے پی ہے جو بدمزہ نہ تھی اور سلطنت مغلیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا جزائر کناری[1] کی ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے بندر عباس میں پہنچ کر بذریعہ جہاز سورت میں آتی ہے۔ جہاں سے چھیالیس دن کے عرصہ میں دہلی میں پہنچ جاتی ہے

---

[1] یہ چھوٹے بڑے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں۔ ان کا عرض شمالی ستائیس سے لے کر چالیس اور انتیس سے لے کر تیس تک اور طول غربی نصف النہار لندن سے تیرہ سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لاتے ہیں لیکن یہ دونوں قسم کے شراب اس قدر گراں قیمت ہیں کہ بقول اس ملک کے لوگوں کے ان کی قیمت ان کے مزے کو بے لطف کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے۔ پندرہ یا سولہ روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں آتا۔ اور جو شراب خاص اس ملک میں بنتی ہے اور جس کو یہاں عرق" کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے۔ جو گڑ سے بھپکے میں کھینچ کر بناتے ہیں مگر اس کی فروخت کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہ عرق

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اور اٹھارہ سے لے کر بیس تک ہے۔ ان کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی موافق شمار ۱۸۳۵ء حسب ذیل ہے۔

	آبادی	رقبہ
(۱) جزیرہ ٹے ناریف	پچاسی ہزار	۸۷۷
(۲) ″ کناری کلان	اڑسٹھ ہزار	۷۵۸
(۳) ″ پالاما	تینتیس ہزار	۷۱۸
(۴) ″ لیں زے روٹ	سترہ ہزار چارسو	۳۲۳
(۵) ″ فیورٹی وین لوڑا	تیرہ ہزار آٹھ سو	۳۲۶
(۶) ″ گوے را	گیارہ ہزار سات سو	۱۶۹
(۷) ″ ہائی رو	چار ہزار چار سو	۸۲

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے زیادہ قریب ہے۔ اور فاصلہ صرف پچاس اور ساٹھ میل کے اندر ہے۔ ان کے سوا اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ جو اکثر غیر آباد ہیں۔ رومیوں کو پہلے پہل شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں ان کا پتہ چلا۔ پلوٹارک اور بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے لیکن وہ ایسا ناکمل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر مے ڈی راس کا ذکر ہے یا کناری کا یہ سب کے سب فی الحال شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند قامتی کے لئے مشہور ہیں۔ آب و ہوا عموماً خوشگوار خشک اور صحت بخش ہے۔ اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمال مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھ کہر پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جاڑے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی ہوا بھی چلتی ہے۔ جو براعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلتی ہیں۔ اور بعض اوقات اس کے ساتھ ٹڈی بھی آتی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲ء میں اس قدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار فٹ نہ چڑھ گئی تھی انگور یہاں بکثرت ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشہ شمال مغرب کے ساحل پر بنائی جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا)

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ویسا ہی تندرست ہے جیسا کہ پولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اس کو تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جائے تو لاعلاج اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھے گا یا نہایت عمدہ نبیو کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آجاتا ہے۔ اور کچھ ضرر نہیں کرتا۔ اصل یہ ہے کہ اس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چوتھیے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو لوگ اِن امراض کے شاکی یہاں آتے ہیں جیسا کہ خود میرا حال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اعضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی طرح نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے بُرے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن ویسی ہمت اور جرأت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیے جس میں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو فرنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

صناعی اور کاریگری

دہلی میں ہنرمند کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اس کا سبب یہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بے شمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن کو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں۔ اور جنھوں نے شاید کسی اُستاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے نقل کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیا کے نہایت عمدہ شکاری اور جنگی بندوقیں ہیں۔ اور سونے کے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یوروپین سُنار اُن سے بڑھ کر شاید ہی بنا سکے۔

مصوری اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جسے دیکھکر میں اکثر حیرت میں آگیا ہوں۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بڑی مہموں کی ایک شبیہہ جو ایک مشہور اور نامی مصور نے ایک ڈھال پر سات برس کے عرصہ میں تیار کی تھی اُس نے تو خصوصیت سے مجھ کو حیران کر دیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور میں نے اس کو ایک عجیب کام خیال کیا۔ مگر ہندوستانی مصور اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور اُن حالتوں کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں کچے ہیں۔ لیکن اگر ان کو کوئی اچھا استاد اس فن کے اصول کی تعلیم دے تو یہ عیوب جلد رفع ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دارالسلطنت شہر میں دست کاری اور ہنرمندی کے اعلیٰ قسم کے نمونوں کا پایا نہ جانا لوگوں کی کند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانہ داروں کو کچھ ہمت دلائی جائے تو بے شک مفید اور عمدہ صنعتوں اور حرفوں کو ترقی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان بیچاروں کو واجبی اُجرت بھی نہیں ملتی بلکہ ان کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے۔ اور دولت مند لوگ ہر ایک چیز ارزاں قیمت پر لینی چاہتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی امیر یا منصب دار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوا لیتا ہے۔ اور بشرط ضرورت بیچارے جبراً کام لیتا ہے۔ اور چیز کے تیار ہو جانے پر اُس کی خوبی کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیدیتا ہے۔ اور کاریگر کوڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے۔ پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخانہ دار لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہنر دکھانے میں سعی کریں۔ بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنے کی کوشش کے بجائے صرف یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں جلدی پیچھا چھوٹ جائے اور اس قدر ضروری مل جائے جس میں اوقات بسر ہو جائے اس سبب سے صرف وہی کاریگر اپنے فن میں کسی قدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی صاحبِ اقتدار امیر کے نوکر ہیں۔ اور صرف اپنے آقا کے لئے کام تیار کرتے ہیں۔

لال قلعہ قلعہ میں محل سرائے شاہی دوسرے اور محل ہیں۔ لیکن آپ یہ گمان کریں کہ ویسے ہی ہیں جیسے کہ لوائر یا اسکیوریل[1] ہیں۔ بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت کی عمارت کے مشابہ نہیں ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیئے بھی نہیں، کیونکہ ان کے لئے اس ملک کی آب و ہوا کے موافق عمدہ اور شان دار ہونا ہی کافی ہے۔

قلعہ کے دروازے قلعہ کے دروازے کی عمارت میں کوئی قابل الذکر چیز نہیں ہے بجز اس کے کہ پتھر کے دو بڑے ہاتھی بنا کر دونوں جانب کھڑے کئے ہوئے ہیں جن میں سے ایک پرچتور کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت ہے۔ اور دوسرے

---

[1] یہ بادشاہی محل ہیں جس میں سے پہلا فرانس میں اور دوسرا اسپین میں ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پر اُس کے بھائی فتا کی جو دونوں بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے۔ اور جن کی ماں اُن سے بھی زیادہ دلیر تھی۔ اور جو شہنشاہ اکبر سے اس طرح جان توڑ کر لڑے تھے کہ ابدالاباد تک اُن کا نام رہے گا۔ اس عظیم الشان بادشاہ نے جب ان کے شہر کو آن کر گھیر لیا تو یہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اُس سے مقابل ہوئے۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے دشمن کی جس کو اپنے زور اور قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اطاعت قبول کریں اپنی اور اپنی ماں کی جان اپنے ملک پر قربان کر ڈالی۔ اور یہ ان کی اس بے مثل جاں بازی ہی کی وجہ سے تو ہے کہ اُن دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر اُن کی مورتوں کا قایم رکھنا مناسب خیال کیا یہ ہاتھی جن پر یہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کے ہیں۔ اور ان کو دیکھکر رعب اور ادب کا ایک ایسا خیال مجھ پر چھا گیا جس کو میں بیان نہیں کر سکتا[1]۔

اس دروازے سے قلعہ میں داخل ہو کر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے۔ جس کے بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھ فرانسیسی فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا پونٹ نی آف ہے جس کو چھوڑ کر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار دالان بنتے چلے گئے ہیں۔ جن میں مختلف کارخانوں کے داروغہ اور دوسرے کم درجے کے عہدہ دار بغیر اس کے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے ہیں اُن سے اُن کو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ اور منصب دار جو رات کو چوکی دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹھیرتے ہیں۔

---

[1] مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے گیارھویں سال جلوس مطابق ۱۰۷۸ھ میں پتھر کے دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنے ہوئے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ سے اس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اٹھوائے تھے نعمت خاں عالی نے اپنی مشہور کتاب وقایع میں انی رائے نامی صیغہ حساب تنخواہ کے ایک عہدہ دار کی ہجو میں پھبتی کے طور پر جو یہ شعر لکھا ہے ؎ "آں صورتِ مہاوتِ فیلانِ ہتھیا پول ہا راچہ فیل بند حساب و کتاب کرد" اس سے بھی ان ہاتھیوں اور ہتھیا پول کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہتھیا پول قلعہ شاہجہاں آباد کے کون سے دروازہ کا نام تھا۔ صاحب آثار الصنادید نے ان ہاتھیوں کو نقار خانہ کے دروازہ کے آگے بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سے ہتھیا پول کہتے تھے۔ پس صحیح بات وہی ہے جو ڈاکٹر برنیر اور صاحب مآثر عالمگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قلعہ کے درمیان سے ایک نہر گذرتی ہے جس نہر کا پانی اول محل سرا میں جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے موقعہ بموقعہ سب مکانوں میں پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے اور یہ دہلی سے پندرہ یا اٹھارہ میل کے فاصلہ پر جمنا میں سے نکالی گئی ہے اور بڑی محنت سے میدان اور سخت پہاڑی زمین پر سے لائی گئی ہے[1]۔

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے اندر کی طرف بھی ایک لمبی اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اس کے بھی دونوں جانب ویسے ہی چبوترے ہیں۔ لیکن محراب دار دالانوں کے بجائے دکانیں بنی ہوئی ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو یہ ایک بازار ہے جو لدا و چھت کی وجہ سے جس میں اوپر کی طرف روشنی اور ہوا کے لئے بڑے بڑے گول روشن دان بنے ہوتے ہیں۔ اور گرمی اور برسات میں بہت آرام دہ ہے۔ ان دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں ہیں جو اُن مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق اُمرا باری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں۔ یہ مکانات جہاں اُمرا چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں، کیونکہ یہ لوگ اُن کو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سب بڑے بڑے دیوان خانے ہیں۔ اور ان کے سامنے باغیچے ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوارے بنے ہوئے ہیں۔ جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُس کے لئے کھانا بادشاہی خاصے میں سے آتا ہے

---

[1] صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے اس نہر کی بابت یہ لکھا ہے کہ اول اس کو سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے سنہ ۶۹۱ھ مطابق سنہ ۱۲۹۱ء میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر تیس کوس تک پرگنہ سفیدوں میں جہاں اُس کی شکارگاہ تھی لاکر چھوڑ دیا تھا۔ پھر کسی بادشاہ کو اس کا خیال نہ رہا اور یہ بند ہوگئی سنہ ۹۶۹ھ مطابق سنہ ۱۵۶۱ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اس کو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر تک لایا۔ اور نہر شہاب اس کا نام رکھا۔ مگر ایک مدت بعد پھر بند ہوگئی اور سنہ ۱۰۴۸ھ مطابق سنہ ۱۶۳۸ء میں شاہجہاں کے حکم سے سفیدوں تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہاں آباد تک نئی کھودی گئی۔ اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی۔ ایک عرصہ بعد اس کا پھر وہی حال ہو گیا تھا جو تخمیناً سنہ ۱۸۲۰ء مطابق سنہ ۱۲۳۶ھ میں سرکار عالیہ انگریزی نے اس کو پھر جاری کیا۔ اور آج تک یعنی جولائی سنہ ۱۸۸۵ء مطابق ماہ شوال سنہ ۱۳۰۲ھ نہایت خوبی اور صفائی سے جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جس کے آنے کے وقت امیر کو ادائے شکر کے لئے بادشاہی محل کی طرف رخ کر کے تین دفعہ تسلیمات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لے جاکر ماتھے تک لانا ہوتا ہے۔ اِن کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفتروں کے لئے بہت سے دیوان خانے بنے ہوئے اور خیمے لگے ہوئے ہیں۔

کارخانجات قلعہ ان میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک ایک ماہر فن اُستاد کے تحت کام ہوتا ہے۔ کسی کارخانہ میں کارچوب اور چکن دوزاور زردوز وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سُنار اور کسی میں مصور اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی۔ اور خراد کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارائی اور چوڑیا اور کمخاب اور باریک ململ بننے والے جولاہے۔ جو پگڑیاں بنتے اور کمر باندھنے کے پھول دار زری کا رپٹکے اور زنانے پاجاموں کے لئے ایسا نازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال میں بیکار ہو جاتا ہے۔ یہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے پچیس یا تیس روپیہ قیمت کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ جب کہ اس پر سوئی سے نہایت خوبصورت زری کا کام کیا گیا ہو۔ یہ تمام کاریگر علی الصبح اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اور انھیں دھندوں میں اُن کی زندگی بسر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی کرنے کے لئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً کارچوب اور چکن دوز اور سوزن کار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے۔ اور سُنار کا بیٹا سنار ہی ہوتا ہے۔ اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی نہیں کرتا۔ اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے ہیں جیسا کہ ہندو جن کا شاستر یہی حکم دیتا ہے۔ اور اس کے باعث سے بہت سی خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں۔ حالانکہ اگر اُن کے والدین پیشہ اور ذات کا خیال چھوڑ دیں تو اُن کی شادی اچھی جگہ ہو سکتی ہے۔

عام وخاص اور نقارخانہ اب ضروری ہے کہ میں عام وخاص کا ذکر کروں جو اِن مکانات میں سے گذرنے کے بعد ملتا ہے اور فی الواقع بہت عمدہ اور عالی شان عمارت ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے چاروں طرف محرابیں ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور پلیس رائل سے مشابہ ہے۔ اور صرف اس قدر فرق ہے کہ اس کے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے۔ اس کی محرابیں اس طرح بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتے ہیں اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اُس پر ایک بڑا بالاخانہ بنا ہوا ہے۔ جس کے دروازے اسی جانب ہیں اور چونکہ اس میں نفیریاں اور شہنائیاں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اس کو نقار خانہ کہتے ہیں۔ جو دن کو اور رات کو اوقاتِ معینہ پر اکٹھے بجائے جاتے اور نو وارد اہل فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کریہہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دس بارہ نفیریاں اور اسی قدر نقارے ایک ہی دفعہ بجنے لگتے ہیں۔ ان میں سے بڑی نفیری جس کو "قرنا" کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جس کا نیچے کا منہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے اور لوہے یا پیتل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم چھ فٹ قطر کا ہے۔ پس اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقار خانے سے کس قدر شور و غل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اوّل اوّل یہاں آیا تو شور کے مارے میرے کان بہرے ہو گئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست چیز ہے کہ اب رغبت سے سنتا ہوں خصوصاً رات کے وقت مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے جب دُور سے اس کی آواز سُنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی[1] اور سُریلی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور ان باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور سُریلی اور کے وار بنانے میں ایسے مشاق ہیں کہ فاصلہ سے سُنی جائے تو نہایت پیاری لگتی ہے نقار خانہ ہمیشہ ایک اونچے موقعہ پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو اُس کی آواز سے تکلیف نہ ہو۔ اس دروازہ کے مقابل جس پر نقار خانہ ہے صحن سے گذر کر ایک بڑا دالان ہے جس کے ستون اور چھت سنہری کام کے ہیں۔ اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف سے کھُلا ہوا ہے اور اس دیوار کے وسط میں جو محل سرا سے اس کو جُدا کرتی ہے قدِ آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین[2] بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر روز بادشاہ دوپہر کے قریب آن کر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں

---

[1] میر حسن نے اپنی بے نظیر مثنوی معروف بہ سحر البیان میں کیا خوب کہا ہے ؎ سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ۔

س م ح

[2] آثار الصنادید میں اس کو نشیمن ظل اللہی یا تخت سنگین کر کے لکھا ہے۔ اور اس کی کیفیت یوں بیان کی ہے کہ دیوان عام کے مکان کے بیچوں بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ ہے جس پر چار ستون لگا کر بالاخانہ کی طرح اُس کی چھت بنائی ہے ۔ اور قد آدم سے زائد کرسی دی ہے ۔ اور اس کے پیچھے جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق ہے اس پر ہر قسم کے چرند پرند کی تصویریں عجب عجب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں ۔ اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دوتارا بجا کر گا رہا ہے ۔ یہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے ارفیوس نامے ایک کلاونت کی ہے ۔ جس کی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا ۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند پرند اُس کی آواز سے مست ہو کر اُس کے گرد آن بیٹھتے تھے ۔ اور اس کہانی کے موافق اُسی ملک کے رہنے والے رفیل نامی ایک مصور نے جو اس فن میں بے مثل تھا اپنے خیال سے ارفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا ۔

یہ مصور ۱۵۲۰ء میں مرا مگر اُس کا یہ مرقع اٹلی اور فرنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت مشہور ہے اور اب تک اُس کی نقلیں موجود ہیں ۔ اور یہ وہی مرقع ہے جو پتھر کی پچی کاری میں یہاں بنایا گیا ہے اس مرقعہ کا فرنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا اس سے یقین ہوتا ہے کہ اس قلعہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی اٹلی کا رہنے والا فرنگی شریک تھا اس طاق کی بغل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے بھی آنے کا راستہ ہے ۔ بادشاہ اس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے ۔ اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے ۔ اُمرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اُس پر چڑھکر بادشاہ سے عرض کرتا تھا ۔ مگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اس قدر اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا ہے اس تخت کے آگے دالان در دالان ہے جو ستر گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے اور ہر ایک دالان کے لولو در ہیں ۔ اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں ۔ اور ان پر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئی ہیں ۔ اور سفیدی گھونٹ کر سنہری نقاشی کی ہے ۔ باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کر سنگ مرمر کا کٹہرا لگایا ہے ۔ جس پر بہت خوش نما سنہری کلسیاں تھیں ۔ جو اب ایک بھی باقی نہیں ۔ یہ دالان اُمرا اور وزرا اور وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کے لئے تھا ۔ یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ بنا ہوا ہے ۔ جس کا ایک سو چار گز کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے اس کے بیچ میں یہ دالان ہے اور باقی تین طرف چبوترہ ہے جس کے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے ۔ جس پر سنہری کلسیاں تھیں یہ جگہ چوب دار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اس کو گلال باڑی کہتے تھے اور اس کے آگے دو سو چار گز لمبا اور ایک سو ساٹھ گز چوڑا صحن ہے اور اس کے چاروں طرف قرینہ اور موقعہ سے مکانات بنے ہوئے ہیں ۔ اور شمال کی طرف دیوان خاص میں جانے کا دروازہ ہے ۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بائیں شہزادے کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے یا ادائے خدمات کے لئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جس میں تمام اُمرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کئے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسی قدر فاصلہ پر اسی قاعدہ پر منصب دار یعنی چھوٹے امرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلیٰ اور ادنیٰ مفلس و غنی سے بھرا رہتا ہے۔ کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک متنفس اپنے عرض حال کے لئے باریاب ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُس کو عام و خاص[1] کہتے ہیں اور ڈیڑھ یا دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسی قدر خاصے گھوڑے سامنے کئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اور ان کے بعد ہاتھی آتے ہیں۔ جن کی میلی کھال خوب نہلا دھلا کر سیاہی سے رنگ دی جاتی ہے اور دو لال خط سر سے سونڈ کے اخیر تک جہاں دونوں آکر مل جاتے ہیں۔ کھینچ دیئے جاتے ہیں۔ اور زربفت کی جھول ڈال کر چاندی کے دو گھنٹے جو ایک نقرئی زنجیر میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں پٹھے پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں اور سفید سرہ گائے کی دُمیں جو بڑی قیمت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی مونچھیں سی معلوم ہوتی ہیں۔ اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدمت گاروں کی طرح ان بڑے ہاتھیوں کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ ہاتھی جھوم جھوم کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق ساز و سامان اور اپنی آن بان پر نازاں ہیں اور جب

---

[1] نافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہاں سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں دربار عام کے لئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اس لئے شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ اور لاہور اور برہان پور میں دربار عام کے لئے چالیس چالیس ستون کی تین عالی شان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص اُن کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام و خاص جب تیار ہو گیا تو ملک الشعرا طالب آملی نے اس کی تعریف میں یہ رباعی کہی۔ رباعی

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست	رفعت حرفے ز زینۂ پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش بر و نست	کاسائش خاص و عام در سایۂ اوست

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہاوت جو گردن پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک نوک دار چیز (آنکس) چبھو کر اُن کو بڑھاوا دیتا اور زبان سے کچھ کہتا ہے۔ اور اُس وقت یہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کو اُٹھا کر چنگھاڑتا ہے۔ جس کو لوگ اُس کی تسلیمات خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اور جانور پیش ہوتے ہیں۔ مثلاً سدھائے ہوئے بیل جو لڑائے جاتے ہیں۔ نیل گائیں۔ اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے جن کے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ اُن سے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ اور چیتے جن سے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے اور ہر قسم کے خوبصورت شکاری کتے جو ملک اُزبک (بخارا وغیرہ) سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ رنگ کی جھولیں پڑی ہوتی ہیں پیش ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ہر قسم کے شکاری پرند جو تیتر۔ کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ جن پر یہ نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹتے اور پنجے اور چونچ مار مار کر اُن کو اندھا کر دیتے ہیں ان جانوروں کے پیش ہونے کے علاوہ اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں جن کی پوشاک اس وقت روزمرہ کے لباس کی بہ نسبت ذرا مکلف ہوتی ہے۔ اور گھوڑوں پر پاکھریں پڑی ہوتی اور انواع و اقسام کے زیور مثلاً ہیکل جھبے وغیرہ سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماشے سے بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مُردہ بھیڑیں جن کا پیٹ صاف کر کے پھرسی دیا جاتا ہے۔ نوجوان اُمرا۔ منصب دار گزبردار۔ اور اعصا بردار اُن پر تلوار سے اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں چورنگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کے بعد زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سواروں کو صرف دیکھتا ہی نہیں۔ بلکہ ان کے متعلق تفتیش حال بھی کرتا ہے۔ بلکہ جب سے لڑائی بند ہوئی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا نہیں جس کو بادشاہ نے بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو۔ چنانچہ اُس نے کسی کی تنخواہ بڑھا دی اور کسی کی کم کر دی اور کسی کو بالکل ہی موقوف کر دیا ہے۔

دادرسی اس موقعہ پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں۔ اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافتِ حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے۔ اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دُنیا غربا کی عرضیاں سنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چُن لئے جاتے ہیں اور جن کے پیش

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرنے کا کام ایک نیک دولت منداور مسن شخص کے سپرد ہے اور ایک دن عدل وانصاف کے کمرے میں جس کو "عدالت خانہ" کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھکر داد رسانی کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ اور اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ایشیائی بادشاہ جن کو ہم اہل یورپ جاہل اور ناترا شیدہ خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی داد دہی اور انصاف رسانی سے جو اُن پر واجب ہے غفلت نہیں کرتے۔

خوشامد لجاجت

جو حالات اس دربار عام وخاص میں گذرتے ہیں اور جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکروہ خوشامد اور لجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کا تذکرہ بھی مجھ پر فرض ہے۔ چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے منہ سے نکل جاتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے اُمرا آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا کر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اُس لفظ کو لے کر اور "کرامات کرامات" کہکر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس کو یہ بیت یاد نہ ہو اور وہ اس کو فخریہ طور پر نہ پڑھتا ہو۔

"اگر شہ روز را گوید شب ست ایں بباید گفت اینک ماہ و پروین"

یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتائے تو کہدینا چاہیے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آرہے ہیں۔ اور یہ خوشامد کا عیب کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھ سے معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارسطو اور بقراط اور بوعلی سینا ہیں۔ چنانچہ اول اول تو میں نے اس حرکت کو روکنا چاہا اور کہا کہ جس قدر آپ میری یہ تعریف کرتے ہیں میں ہرگز اس کے لائق نہیں ہوں۔ اور مجھ کو اُن بزرگوں سے کچھ نسبت نہیں۔ لیکن جب دیکھا کہ میرا انکسار اُن کو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے تو مجبوراً اپنے کانوں کو اُن کی خوشامدی باتیں سننے کا ویسا ہی عادی بنالیا جیسا کہ اُن کے موسیقی کے باجوں کے سننے کا۔ اس موقعہ پر ایک لطیفہ آپ کو سُناتا ہوں اس سے آپ کو یہاں کے لوگوں کا خاصہ طبعی معلوم ہو جائے گا۔ ایک پنڈت جس کی اپنے آقا سے میں نے ہی ملاقات کرائی تھی ایک روز اُس نے اپنے ایک اشلوک میں اوّل تو اُن کو اُن بڑے بڑے فتح مندوں سے جو دنیا میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوئے ہیں زیادہ بڑا بتایا۔ اور پھر سیکڑوں مہلات

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور واہیات بک کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہ کہا "کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپ کے قدموں کے نیچے زمین کانپنے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتھی جو اس کو اپنے سر پر اُٹھائے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اُٹھانے کی تاب نہیں لا سکتے"، جس کو سُن کر میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے "آغا" سے کہ میری طرح ان کو بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کہا کہ آپ ذرا سمجھ کر گھوڑے پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بھونچال آکر دنیا درہم برہم ہو جائے جس کے جواب میں اُنھوں نے فوراً یہ کہا کہ اسی وجہ سے تو میں پالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

خلوت خانہ

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے غسل خانہ[1] کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔ اور یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کے برابر نہیں ہے مگر وہاں کافی وسعت میں نہایت خوبصورت روغنی اور سنہری کام ہے اور ایک بڑے شہ نشیں کی طرح چار پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھکر وزرا سے جو ادھر اُدھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں اُمرا اور صوبہ داروں کے عرایض سنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے اور جس طرح صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر نہ ہونیکے باعث اُمرا پر جرمانہ کیا جاتا ہے، یہاں شام کو نہ حاضر ہونے پر سزا ملتی ہے البتہ صرف میرے "آغا" دانشمند خاں ایسے ہیں جن کو اُن کے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سرانجام امور ممالک غیر کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چہار شنبہ کو جو اُن کی چوکی کا دن ہے اُن کو بھی اور اُمرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے۔ یہ دو وقتہ حاضری کی رسم نہایت پُرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی ضروری کام یا سخت بیماری کی حالت کے دونوں وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں

---

[1] بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں قلعہ آگرہ میں محل سرا اور دیوان خانہ کے مابین ایک مکان تھا جس میں بادشاہ غسل کیا کرتا تھا اور خاص خاص لوگ اور وزیر اور بخشی بعض ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے شاہجہاں کے زمانہ میں جو نئی نئی عمارتیں بنائی گئیں تو اگرچہ بادشاہ نے اس مکان کا نام جہاں سلطنت کے نہایت مخفی اور اہم معاملات اُمرا اور وزرا کے مشورہ سے طے کئے جاتے تھے دولت خانہ خاص رکھا لیکن لوگ اس کو بھی غسل خانہ ہی کہتے رہے اور اس لئے اگر بادشاہ سفر میں بھی ہوتا تھا تو خیام شاہی میں سے ایک خیمہ غسل خانہ کے نام سے نامزد رہتا تھا اگرچہ اُس میں دربار خاص ہوتا تھا اور وہ غسل کے کام سے کچھ علاقہ نہ رکھتا تھا۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مقاموں میں نہیں تو ایک میں تو ضرور لوگ اُس کو اٹھا کر لے آتے تھے کیونکہ اُس نے رات دن میں کم از کم ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھا دینا واجب سمجھا تھا اس لئے کہ ایسا شدید بیمار تھا کہ اُس کا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا بھی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد کے پھیل جانے اور شہر میں ہڑتال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ غسل خانہ کے دربار کے موقعہ پر بادشاہ اُن امور میں مصروف رہتا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اس لئے اُمرا کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس وقت کے دربار کی یہ خاص رسم ہے کہ جن منصب داروں کی جو کی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قرینے اور ترتیب سے سامنے سے گذر جاتے ہیں۔ جن کے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقرئی چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جن میں سے دو بڑی مچھلی کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جس کو "اژدہا" کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض ترازو کی صورت کی اور بہت سی اور بے شمار وضع کی جن کے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بتاتے ہیں۔ ان لوگوں میں بہت سے گرز بردار بھی ہوتے ہیں جو قد آور اور وجیہ دیکھکر بھرتی کئے جاتے ہیں اور جن کا یہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچاتیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اُس کی تعمیل کریں۔

شاہی محل سرا

اب میں بڑی مسرت کے ساتھ آپ کو بادشاہی محل سرا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارات کی کرائی ہے۔ لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دید بیان کرنی ناممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونے کے وقت مجھے کئی دفعہ وہاں جانے کا موقعہ ملا۔ اور مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کی خاطر جو شدت مرض کی وجہ سے معمول کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانے کا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اڑھا دی گئی تھی کہ ایک لمبے سگارف (اوڑھنی) کی طرح پاؤں تک لٹکتی تھی اور ایک خواجہ سرا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لے گیا تھا جیسے کوئی اندھے کو لئے جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو صرف اُسی پر قناعت کرنی چاہیئے جو بعض خواجہ سراؤں سے سُن کر میں نے لکھا ہے اُن کا بیان ہے کہ محل سرا میں بیگمات کے مدارج اور حیثیت اور اُن کی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جن کے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار آرام گاہیں اور نہریں اور فوارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عمیق تہ خانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لئے اونچے اونچے صُفے اور صحن چبوترے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دل کش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو مطلقاً دخل نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے۔ حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جس میں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے کے ورق چڑھے ہوئے اور لاجوردی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں[1]۔

دربار اور تختِ طاؤس اب قبل اس کے کہ میں قلعہ کا بیان ختم کروں آپ کو دوبارہ عام خاص کی طرف متوجہ کرنا اور ان سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت سُنانی چاہتا ہوں جو میں نے اُس میں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھکر کوئی تماشا میں نے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اُس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اُس کی پوشاک نہایت نازک اور پھول دار ریشمی کپڑے کی تھی جس پر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا اور زری کار مندیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا جس میں ایک پکھراج ایسا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا ہے اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالا کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا۔

---

[1] آثار الصنادید میں اس برج کا نام برج طلا یا مثمن برج لکھا ہے اور سرتاپا سنگ مرمر کا بنایا ہے جس میں سونے کا کام اور پرچین سازی اور منبت کاری کی ہوئی ہے جو کلس سمیت باہر سے بھی سنہری ہے اور ہشت پہلو ہونے کے باعث مثمن برج کہلاتا ہے۔ تین ضلعے اس کی خواب گاہ کی عمارت کی طرف ہیں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بطور برآمدے کے دریا کے رخ بنا ہوا ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے۔ جن کو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جن میں یاقوت اور زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ مگر میں اُن کی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا کیونکہ کسی کو اس قدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ اُن کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور دوسرے جواہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اس کی قیمت چار کروڑ روپے جانچی گئی تھی۔ اور اُس کو اورنگ زیب کے باپ شاہجہاں نے اس لئے بنوایا تھا کہ بے شمار جواہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی لوٹ اور اُن پیش کشوں کے ذریعہ سے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص موقعوں پر نذریں گذرانی لازم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہو گئے تھے لوگ اُن کو دیکھیں مگر اُس کی ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے۔ البتہ دو مور جو موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ نقشے پر بنے ہیں اور ان کو ایک صناع نے بنایا تھا[1] جس کی کاریگری

---

[1] ملا عبدالحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہنامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے دلچسپ سمجھکر ہم اُس کو یہاں بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

"چوں بمرور ایام و کرور اعوام اقسام جواہر ثمینہ کہ ہریک شایستہ گوشوارہ ناہید و کمربند خورشید است درجواہر خانہ والا فراہم آمدہ بود۔ در آغاز جلوس مقدس بر ضمیر الہام پذیر منطبع گردید کہ از تحصیل چنیں تحف غریبہ دنگا ہداشتن ایں نفایس عجیبہ مطمح نظر دوربین جز دولت آرائی و زینت افزائی امرے دیگر نیست پس در جائے بکار باید برد کہ ہم تماشائیاں از حسن جہاں افروز ایں نتائج بصر و کان بہرہ برگیرند و ہم کارگاہ سلطنت را فروغے تازہ پدید آید۔ حکم شد کہ سوائے جواہر خاصہ کہ در جواہر خانہ مشکوئے سینو مثال مے باشند از قسم لعل و یاقوت و الماس و مروارید قیمتی و زمرد کہ" صد لک روپیہ قیمت آنست ہر چہ در تحویل خازنان بیرون است از نظر اطہر بگذرانند و جواہر ثمینہ گران سنگ را کہ پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہائے آں شدہ بود انتخاب نمودہ بہ بے بدل خاں داروغہ زرگر خانہ حوالہ فرمودند تا بیک لک تولہ طلائے ناب کہ دو صد پنجاہ ہزار مثقال ست و مبلغ چہاردہ لک روپیہ قیمت آں تختے بطول سہ گز و بعرض دو نیم گز و ارتفاع پنج گز سرکاری نمودہ بجواہر مذکورہ ترصیع نمایند و مقرر شد کہ سقف آں لاز وردوں بشیتر مینا کار و لختے مرصع و از بیرون بہ لعل و یاقوت و جز آں مرصع مغرق ساختہ بہ زمردایں اساطین دوازدہ گانہ برافراز دو بالائے آں دو پیکر طاؤس مکلل بزوا ہر جواہر و در میان ہر دو طاؤس درختے بجواہر آب دار ترتیب دہد۔ در مدت ہفت سال ایں تخت عرش مثال بہ مبلغ صد لک روپیہ کہ سہ صد و سی و سہ ہزار تومان عراق و چہار کرور خانی رائج ماوراء النہر است

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ صورت اتمام یافت ۔ از جملہ یازدہ تختہ مرصع کہ بردور آن برائے تکیہ نصب نمودہ اند تختہ میانگی کہ خاقان سلیمان مکان بر آن دست حق پرست گذاشتہ تکیہ زدہ می نشستند دہ لک روپیہ قیمت دارد دراز جواہر یکہ دریں تختہ نشاندہ اند لعلے است در وسط آں بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس والی ایران محبوب زنبیل بیگ برسم ارمغان نزد حضرت جنت مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلدوے فتح دکن بخاقان ممالک ستان حضرت صاحبقران ثانی

بدست علامی افضل خاں بدکن فرستادہ بودند تخت اسم سامی قطب الملۃ والدین حضرت صاحبقران اول و میرزا شاہ رخ و میرزا الغ بیگ بر آن منقوش بود بعد از آنکہ بانقلاب ایام انقضائے عوام بدست شاہ عباس افتاد او نیز نام خود و بر آن مرتسم گردانید ۔ چون بحضرت جنت مکانی رسید نام نامی خود را با نام سامی پدر بزرگوار بر آن نگاشتند اکنون باسم گرامی بادشاہ ہفت اقلیم شہنشاہ تخت و دیہیم آب و تاب تازہ زیب و زینت بے اندازہ دارد ۔ با مرخاقانی این مثنوی حاجی محمد جان قدسی کہ ختمش برتاریخ است برمینائے سبز و رون تخت کتابہ نمودہ اند ۔ مثنوی

زہے فرخندہ تختِ بادشاہی — کہ شد سامان بتائید الٰہی
فلک روزے کہ می کردش مکمل — زرِ خورشید را بگداخت اوّل
بحکمِ کارفرما صرف شد پاک — بہ مینا کاریش مینائے افلاک
خزاین تخت از زر و گوہر چہ مقصود — وجودِ بحر و کان را حکمت این بود
زیاقوتش کہ در قید بہا نیست — لبِ لعل بتان را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ — گہر انسر بسر خاتم بدیدہ
بخرجش عالمِ از زر شد چناں پاک — کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش — دہد خورشید مہ را رونمایش
سرافرازے کہ سر بر پایہ اش سود — ز گردوں پایۂ بر بخت افزود
خراج بحر و کان پیرایۂ او — پناہِ عرش و کرسی سایۂ او
ز انوارِ جواہر گشتہ الوان — چراغِ عالمی ہر دانۂ آن
دراطرافش بود گلہائے مینا — فروزاں چوں چراغ از طور سینا
چو می کرد از فرازش کوتہی دست — نگینِ خویش جم بر پایہ اش بست
شبِ تار از فروغِ لعل و گوہر — تواند صد فلک را داد اختر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ہنرمندی حیرت کے لائق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا اور جس نے یورپ کے بہت سے رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدے کر جن کو وہ ایک خاص حکمت سے تیار کرتا تھا خوب لوٹا تھا اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے ہاں آکر پناہ لی تھی اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی۔

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جس کے گرد چاندی کا کٹہرا لگا ہوا اور اوپر زری کی جھالر کا ایک پرزر سیع شامیانہ تنا ہوا تھا۔ امرا نہایت مکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے۔ اور مکان کے ستون زربفت سے منڈھے ہوتے اور ریشمی مشجر کے شامیانے جن میں ریشم اور زری کے پھندنے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قناتیں کھچے ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے "اسپک[1]" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے کبھی ٹھا ہے اس کی چھت کے ساتھ ملا کر لگایا ہوا تھا جو صحن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈھے ہوئے کٹہرے سے گھرا ہوا تھا اس کی جو بیں بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جن میں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مسئول اور باقی چھوٹی تھیں اس عالی شان خیمہ کے باہر کی طرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب مچھلی پٹن کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اور جس کے بیل بوٹے ایسے عمدہ اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختہ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب امرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبائش و آرائش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں اس لئے بادشاہ کی زیادہ تر زیادہ خوشنودی حاصل کرنے کے خیال سے ہر ایک

وہد شاہ جہاں را بود سہ بر پائے — ازاں شد پایۂ قدرش فلک سائے
کند شاہ جہاں بخشی جواں بخت — خراج عالمی را خرچ یک تخت
خداوندے کہ عرش و کرسی افراخت — تواند قدر ش تختے چنیں ساخت
اخر باقیست تا کون و مکاں را — بود بر تخت جا شاہجہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جایش — خراج ہفت کشور زیر پایش
چو تاریخش زبان پرسید از دل — بگفت او رنگ شاہنشاہ عادل

دیگرے ایں تاریخ یافتہ ء دسر بہ ہمایون صاحبقرانی وسنہ ۱۰۴۸ھ (س م ح)

[1] فارسی میں ایک بڑے خیمہ کو کہتے ہیں۔ غیاث اللغات (س م ح)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے دوسرے سے بڑھکر اُن کی زیب و زینت میں کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام دروازہ اوپر سے نیچے تک کمخواب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہو گیا۔

جشنِ شاہانہ جشن کے تیسرے دن اول بادشاہ اور اُس کے بعد اکثر اُمرا بڑے تکلف کے ساتھ بڑی بڑی ترازوؤں میں جن کے پلڑے اور بٹے سونے کے تھے تولے گئے اور مجھے یاد ہے کہ یہ دیکھکر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گذشتہ کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرت ظاہر کی۔ اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا۔ اور نہ اس قدر کبھی خرچ ہوا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کروفر کے ساتھ جشن کرنے سے یہ مقصود تھا کہ سوداگروں کو جن کا کمخاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے میں نہیں آیا تھا کچھ فائدہ ہو جائے! اس جشن میں اُمرا کو بہت خرچ پڑا آخر کار اُس کا ایک حصہ فوج کے غریب سواروں کے سر تھوپا گیا جن کو اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قباؤں کے واسطے کمخاب خریدنا پڑا۔

ان سالانہ جشنوں کے موقعہ پر ایک قدیم دستور ہے جس کو اُمرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُن کو ایک عمدہ پیش کش نذر کرنا پڑتی ہے جس کی قیمت بمناسبت اُن کی تنخواہوں کے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض امرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کرتے ہیں اور یہ نذرانے کبھی بغرض نمائش اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست بُرد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو اُنھوں نے اپنے برسرعہدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُس کے خوش کرنے اور اس طرح اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض تو عمدہ موتی اور ہیرے اور زمرد اور یاقوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونے کے مرصع برتن اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقعہ پر جو اورنگ زیب وزیر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے جعفر خاں کی نو تعمیر حویلی دیکھنے کے بہانے اُس کے ہاں گیا تو اُس نے ڈھائی لاکھ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھ عمدہ موتی اور ایک لعل جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ آنکی گئی تھی نذر کیا۔ مگر شاہجہاں نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اُس کی قیمت ساڑھے بارہ سو روپیہ سے بھی کم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تجویز کی جس کو سُن کر بڑے بڑے جوہری جنھوں نے اس کے جانچنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا حیران رہ گئے۔

مینا بازار کبھی کبھی ان جشنوں کے وقت محل سرا میں ایک فرضی بازار بھی لگا کرتا ہے جس میں امرا اور بڑے بڑے منصب داروں کی خوبصورت اور دل رُبا بیبیاں دوکانیں لگا کر بیٹھتی اور عمدہ کمخاب اور نئی نئی وضع اور عمدہ زردوزی کام کی چیزیں اور زری کار مندیلیں اور سفید باریک کپڑے جو امیرزادیوں کے استعمال میں آتے ہیں اور دوسری بیش قیمت چیزیں فروخت کرنے کو رکھتی ہیں اور بادشاہ اور اُس کی بیگمیں شاہزادیاں اور دوسری عالی رُتبہ خاتونیں خریدار بنتی ہیں۔ اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے تو اُس کی ماں اُس کو ضرور اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ تاکہ بادشاہ کی نظر پڑ جائے اور بیگمات سے بھی تعارف ہو جائے۔ اس میلہ کا بڑا لطف یہ ہے کہ ہنسی اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لئے جھگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بیگم صاحب بہت گراں فروش ہیں دوسری جگہ سے اس سے اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ نہ دیں گے اُدھر وہ کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی ہے کہ بادشاہ زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑھ جاتی ہے کہ یہ کہہ اٹھتی ہے کہ آپ اپنے برف پیچنے کی فکر کریں ان چیزوں کی قیمت آپ کیا جانیں اور یہ آپ کے لائق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور جگہ تلاش کریں اور بیگمیں بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں غرض کہ دونوں طرف سے ایسی گفتگو بڑھ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر آخر کار سودا طے ہو جاتا ہے۔ اور بادشاہ اور بادشاہزادیاں اور بیگمیں جو چیزیں اِدھر اُدھر سے خریدتی ہیں اُن کی قیمت فوراً دے دیتی ہیں اور روپیوں کی جگہ اشرفیاں اس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکان دار یا اُس کی بیٹی کے حسن و جمال نے اُن کو ایسا محو کر دیا ہے کہ روپیوں اور اشرفیوں کی تمیز ہی نہیں رہی اور ویسی ہی بے پروائی سے دوکان دار اُن کو اُٹھا لیتی ہے اور اسی طرح سے یہ جلسہ دل لگی اور چہل میں ختم ہو جاتا ہے۔

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا اگرچہ بعض امرا کو ناگوار گذرتا تھا مگر وہ ہر ایک جشن کے موقعہ پر یہ سوانگ کرایا ہی کرتا اور فی الواقع یہاں تک اعتدال سے گذر جاتا تھا کہ اس موقعہ پر اُن عورتوں کو بھی محل میں بُلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جن کو پہنچی"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں سونے سے لمع کی ہوئی اور پھول کی طرح کھلی ہوئی، گو یہ عورتیں بازاری نہ تھیں بلکہ باعزت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقعہ پر امرا اور منصب داروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لئے جاتی تھیں۔ ان کنچنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حسن و جمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ رکھتی ہیں اور گانے میں بھی اُن کو کمال ہے اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے لچکاتی اور اس سرعت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور تال و لے میں بھی دُرست رہتی ہیں مگر پھر بھی کسبی ہیں۔

شاہجہاں اسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ بدھ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات بھر کے لئے ٹھیرالیتا اور اُن کے ناچنے گانے سے حظ اُٹھاتا تھا لیکن اورنگ زیب باپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ اور اس نے ان کا محل میں آنا بالکل بند کر دیا ہے مگر معمول کے موافق چہار شنبہ کو دربار میں حاضر ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور صرف دُور سے سلام کرکے رخصت ہو جاتی ہیں۔

اب چونکہ میں جشن اور مینا بازار اور کنچنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو ہمارے ایک ہم وطن برنارڈ نامی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ میرے نزدیک بھی پلوٹارک[1] کا یہ قول صحیح ہے کہ "جزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اکثر

---

[1] پلوٹارک قدیم زمانہ کا ایک مشہور مصنف ہے یہ کرونیا کا رہنے والا تھا جو یونان کے ضلع بوئیا میں ایک شہر ہے اس کی پیدائش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی اڑتالیس سے لے کر تریپن سنہ ء تک کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور اس نے ایمونیس حکیم سے فلسفہ کے وہ اصول سیکھے جو نفس ناطقہ اور قوائے عقلی سے متعلق ہیں اور اس میں بڑی شہرت حاصل کی۔ علم اخلاق اور علم رجال میں اس کی بہت سی تصنیفات ہیں اور اس کی عمدگی خیالات اور مہارت علمی اور اس خاص طرز کی خوبی کا اثر جو اس کی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گرویدہ کر لیتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں سے جس کتاب نے اس کو حیات جاودانی بخشی وہ روم اور یونان کے چھیالیس مشہور و معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جس کے بہت سے ترجمے فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ اس کی وفات کا سال بھی معلوم نہیں مگر قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین رومی کے پانچویں سنہ جلوس میں ستر برس کی عمر میں مرا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و دکا کے باب میں صحت کے ساتھ رائے قائم کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے" اس لئے اگرچہ یہ ایک نہی کا قصہ ہے مگر تاہم سننے کے لائق ہے!

برنارڈ جہانگیر کے اخیر زمانہ میں ایک نامی اور فی الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اُس پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہو جاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے۔ اور بادشاہ کا یہ حال تھا کہ شب و روز عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بیگم نور جہاں کو سونپ رکھا تھا جس کی نسبت اُس کا یہ قول تھا کہ "اُس کی عقل و دانائی سلطنت کے انتظام کے لئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں" برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس روپیہ روز تھی مگر شاہی محل سرا میں اور اُمرا کے ہاں معالجہ کے لئے جانے کے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ نہ صرف اس کے طبیب ہونے کی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھ کر اُس کی تواضع کرتے تھے اُس کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھ بھی قدر نہ کرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا تھا اور اس لئے سب لوگ اُس کو عزیز جانتے تھے خصوصاً کنچن "جن کو اُس نے بہت کچھ کھلایا تھا۔ پس اُس کے ہاں ہمیشہ رات کو ان عورتوں کا جمگھٹ ہوتا تھا یہ اُن میں سے ایک نوخیز عورت پرجو نہایت حسین اور ناچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہو گیا اور ہر چند طرح طرح کی کوششیں کیں۔ لیکن اُس عورت کی ماں اس خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُس کے حسن و جمال اور تندرستی میں فرق نہ آ جائے ایک لحظہ اُس کو اپنی نظر سے علیحدہ نہ ہونے دیتی تھی۔ اسی حالت میں جب کہ برنارڈ معشوق کے وصال سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو سیر دربار اُس کے ایک بے نظیر علاج کے صلہ میں اُس کو انعام دینا چاہا تو اُس نے عرض کیا اُمیدوار ہوں کہ حضور معلی اس انعام سے معاف رکھیں اور بجائے اس کے میری یہ التجا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کنچنی جو ارباب نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوتی ہے مجھے عنایت ہو۔ تمام دربار اُس کے اس عذر اور ایسی درخواست کے کرنے سے جو اُس کے عیسائی اور اس کنچنی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شاہد ہی قابل قبول معلوم ہوتی تھی مسکرایا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن جہانگیر نے جس کو دین اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنجنی کو اس کے کاندھے پر بٹھا دو اور کہو کہ لے جائے۔ چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہ اُس کے کاندھے پر بٹھا دی گئی اور وہ اس انعام کو لے کر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا۔

ہاتھیوں کی لڑائی جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی پر جو عام خلقت کے سامنے جمعہ کی زیبی میں لڑائے جاتے ہیں۔ اور بادشاہ اور بیگمات اور تمام اُمرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہ تماشا دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اُس کے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جن پر دو دو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اس لئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا آنکس سے اُس کو چلائے۔ اور یہ لوگ کبھی تو اُن کو بڑھاوا دے کر اور کبھی بُرا بھلا کہکر اور پاؤں سے ٹھوکے دے کر آگے بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ یہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پہنچ کر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے اُن کا زندہ رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے یہ لڑائی اکثر وہ رہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخر کار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اُس کو پھاند کر حریف پر حملہ کرتا اور اُس کو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھے دباتا ہے کہ آتش بازی کی چرخیوں کے بغیر جو اُن کے بیچ میں چھوڑ دی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں بڑھتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کارآمد رہ گئے ہیں۔ اور اگرچہ سرانديپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں لے جانے سے پہلے برسوں تک ڈونکا لینے کے لئے اُن کے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔

ان عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بے دردی پر ہوتا ہے یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے مہاوت کو اپنی سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا لیتا اور فوراً پاؤں سے کچل ڈالتا ہے۔ مہاوتوں کا کام ایسا خطرناک ہے کہ یہ بدنصیب آدمی اپنے جورو بچوں سے اس طرح پر رخصت ہوتے ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل کو اس خیال

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے کسی قدر تسلی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُن کی کارگذاری سے راضی ہوا تو نہ صرف اُن کی تنخواہ بڑھ جائے گی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس روپے کے پیسوں کی ایک تھیلی مل جائے گی اور اگر کام آگئے تو اُن کی تنخواہ اُن کی بیوی کو ملتی رہے گی اور بیٹا اُن کی جگہ نوکر ہو جائے گا۔ اس تماشے میں مہاوتوں ہی کی جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان غضبناک جانوروں سے بچنے کے لئے ایسی سخت بھگدڑ پڑتی ہے اور پیدل اور سوار اس طرح بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پاؤں سے کچل جاتے ہیں۔ چنانچہ جب دوسری بار مجھکو اس تماشے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدمت گاروں کی کوشش کی بدولت میں بچ سکا تھا۔

جامع مسجد دہلی اب موقعہ ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کی طرف رجوع کروں جس کی دو عمارتوں کا ذکر کرنا اب تک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو بڑی مسجد[1] ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونے کے سبب سے

[1] اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شوال ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء شاہجہاں کے چوبیسویں سال جلوس میں رکھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راج مزدور بیل دار اور سنگ تراش کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ کے خرچ سے تیار ہوئی اس کے تین گنبد ہیں، نوے گز طول اور تیس گز کے عرض میں اور اندر کو سات محرابیں ہیں اور باہر صحن کی طرف گیارہ دروازے جن میں ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ پانچ اِدھر اُدھر والے ذرا نیچے ہیں اور بڑے دروازہ پر کلمہ "یا ہادی" بطور طغرا اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا کتبہ اور تاریخ تعمیر اور زر مصارف جس کو نور اللہ خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوش نما مینار ہیں جن میں اوپر جانے کے لئے زینے اور سروں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دلکشا بنی ہوئی ہیں۔ شمالی منارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ سرخ کا ہے۔ جا بجا سے بگڑ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں اُس مینار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا۔ اس مسجد میں چونکہ کوئی مکبر بنا ہوا نہ تھا اور اس وجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اس واسطے شاہزادہ مرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں بڑے دروازے کے بیچ میں ایک مکبر سنگِ باسی کا بہت خوش نما بنوا دیا ہے۔ مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اس میں سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مصلے بنا دیئے ہیں۔ منبر بھی سنگ مرمر کا بہت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بہت دور سے نظر آتی ہے اور اُس کی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کی سطح کو خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوکور میدان کھول دیا گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آن کر ملتے ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں اور وہ دونوں بغلی دروازوں کے محاذی اور اندر جانے کے لئے تینوں ضلعوں میں کوئی پچیس پچیس یا تیس تیس پتھر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑ کر اور خوب صاف کر کے لگائے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپ کر عمارت خوبصورت ہو گئی ہے۔ اس کے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے ہیں اور نہایت عالی شان ہیں اور اُن کے کواڑوں پر تانبے یا پیتل کی تپیاں جڑی ہوئی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ خوش قطع بنا ہوا ہے۔ شمالی دالان میں کچھ تبرکات جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے۔ مسجد کا صحن ایک سو چھتیس گز کے عرض وطول کا ہے اور اُس کے بیچ میں پندرہ اور بارہ گز کا نرے سنگ مرمر کا حوض ہے جس میں فوارہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور چاروں کونوں پر بارہ دری کے چار بُرج ہیں۔ جنوبی اور شرقی دالان کے سامنے دائرہ ہندی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں برنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازہ پر رہنے کے لائق حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور تینتیس سیڑھیاں ہیں جن پر تیسرے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے۔ اور بساطی اور فالودہ والے اور کبابی اور اصیل مرغ بیچنے والے اور شوقین جوان انڈے لڑانے والے آن کر جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں اور اس طرف اُنتالیس سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے اور سودے والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانوں کا ہوتا ہے۔ قصہ خوان مونڈھا بچھا کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر حمزہ یا قصہ حاتم طائی اور کہیں داستان بوستانِ خیال سُناتا ہے جس کے سننے کو سیکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں ایک طرف مداری تماشا کرتا ہے اور بھان متی کا کھیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بناتا ہے۔ شرقی دروازہ پر بھی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس کے آگے پنتیس سیڑھیاں ہیں جن پر ہر روز گزری لگتی ہے۔ جو گویا ہر روز کا میلا ہے۔ بزاز طرح طرح کے کپڑے الگنیوں پر ڈالتے ہیں اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور پنجروں میں لئے ہوئے سیر کرتے پھرتے ہیں۔ ایک طرف کبوتر والے کبوتر بیچتے ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لئے کھڑے ہیں

(آثار الصنادید) س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں مگر صدر دروازہ جس پر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوش نما معلوم ہوتی ہیں زیادہ شان دار ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جن کے اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی بہ نسبت بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لے کر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سفید سنگ مرمر کا (جس پر سنگ موسی کی تحریر سے مصلے بنے ہوئے ہیں) اور بیرونی حصہ میں سنگ سرخ کی سلوں کا فرش ہے۔

میں مانتا ہوں کہ یہ عمارت بموجب اُن اصول کے جن کو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اُس میں کچھ عیب بھی نہیں پاتا اس کے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اس کے نقشے پر بنایا جائے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب لوگوں کو پسند آئے۔ تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو سنگ مرمر کی ہیں باقی عمارت سنگ سرخ سے بنی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو سنگ مرمر کی بہ نسبت ذرا نرم ہے اور امتداد زمانہ سے اُس میں سے ورق جھڑنے لگ جاتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کا یہ قول ہے کہ جس کان سے یہ پتھر نکلتا ہے کچھ مدت بعد اُس میں پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو نہایت عجیب ہے اور غلط یا صحیح اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ برسات کے دنوں میں کان میں پانی بھر جاتا ہے مگر میں اس امر کی نسبت کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتا۔

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور جس راستہ سے اُس کا گذر ہوتا ہے اُس میں پہلے سے گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہو جانے کے لئے چھڑکاؤ کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازے سے لے کر مسجد تک تین یا چار سو سپاہی دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جن کے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت خوبصورت بندوقیں ہوتی ہیں جن پر سرخ بانات کا غلاف ہوتا ہے۔ اور اُس کے سرے پر ایک چھوٹا سا پھریرا۔ اور پانچ یا چھ عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سواری کے وقت راستہ کھلا اور صاف رکھیں اور وہ اتنے فاصلہ سے آگے آگے چلتے ہیں کہ اُن کی گرد سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے اور جب یہ سب تیاری ہو جاتی ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو بادشاہ قلعہ سے کبھی تو ہاتھی پر جو خوب سجایا ہوا اور جس پر سنہری اور منقش کام کی عماری کسی ہوئی ہوتی ہے سوار ہو کر نکلتا ہے۔ اور کبھی سنہری اور لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخاب یا ارغوانی رنگ کی مخمل وغیرہ سے منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جس کو آٹھ چیدہ اور بھاری بھاری وردیوں والے کہار کاندھے پر اٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے۔ اور پیچھے پیچھے بہت سے اُمرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعضے پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انھیں میں ملے جلے بہت سے منصب دار اور چاندی کی چھڑیوں والے چوب دار وغیرہ ہوتے ہیں۔ میں اس سواری کو سلطان روم کی باشان و شوکت سواری سے تشبیہ نہیں دے سکتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طرز کے جلوس سے کیونکہ اس کا تجمل اور شان و شوکت کچھ اور ہی طرح کی ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کاروانسرا دوسری قابل الذکر عمارت وہ کاروان سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے جس کا میں نے گذشتہ لڑائی کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی نہ صرف اس شاہزادی نے بلکہ اور اُمرا نے بھی بڑے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑھانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہ ہمارے پلیس رائل کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جس میں برابر برابر کوٹھریاں اور ان کے آگے علیحدہ علیحدہ برانڈے ہیں اور یہ دو منزلہ ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برانڈے نیچے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور دوسرے پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہ سمجھکر اس میں آن کر ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کاش پیرس میں کبھی دس بیس جگہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیوں کو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اس قدر حیرانی نہ ہوتی جس قدر کہ اب ہوتی ہے۔ یہ تاجر تا وقتیکہ دوست آشناؤں سے مل کر زیادہ آرام کا مکان مل جائے اسی میں ٹھیرتے ہیں اس کے علاوہ یہ ہر قسم کے مال تجارت کے ٹھیرنے اور پردیسی سوداگروں کے اترنے کے لئے ایک عمدہ اور آسائش کا مقام ہے۔

پیرس اور دہلی کا تقابل میرا خیال ہے کہ اس موقعہ پر آپ مجھ سے یہ ضرور دریافت کریں گے کہ اس شہر کی عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس دہلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسی کو بیان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرتا ہوں واضح ہو کہ پیرس کے تمام مکانات کے سہ منزلہ اور چہ منزلہ ہونے اور قریبًا سب طرح کے لوگوں سے معمور ہونے اور اسی طرح اس کے تین یا چار شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے عورت اور مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع واقسام کی گاڑیوں سے بھرے رہنے اور اس میں بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے بہت کم ہونے کی وجہ سے پیرس بھکو آدمیوں کے ایک بن کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے مجھے یقین نہیں کہ جیسے آدمی اس میں ہیں اتنے ہی دہلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اس دارالسلطنت کی وسعت اور بے شمار دوکانوں اور اس بات پر خیال کرتا ہوں کہ امرا کے علاوہ پینتیس ہزار سوار سے اس میں کبھی کم نہیں رہتے جو قریبًا سب کے سب عیال دار اور صاحب اولاد اور سب کے پاس بہت سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رہتے ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جس میں عورتیں اور لڑکے بالے موجود نہ ہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہو جاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کوچے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور پہیہ دار سواریاں (جن سے جگہ رُک جاتی ہے) بہت ہی کم دکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک طرح سے بتانا میرے لئے مشکل ہے کہ دہلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی نہیں تو کچھ زیادہ کم بھی نہ ہوں گے۔ البتہ اگر آسودہ حال لوگوں پر نظر کی جائے تو بے شک پیرس میں اور اس میں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھ آدمی کپڑے لتے سے درست اور معقول صورت نظر آتے ہیں لیکن دہلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں میں دکھائی دیتے ہیں جو بیچارے فوجی ملازمت کی خاطر یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وجیہ اور عمدہ اور ستھرا لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور نفر خدمت گار ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

اُمرا کی سواری جس وقت امرا اور راجہ اور منصب دار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ بارونق مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت سے منصب دار ساز و سامان سے درست

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور چار خوش پوشاک خدمت گار ساتھ لئے ہوئے جن میں سے دو پیچھے اور دو راستہ کھلا رکھنے کے لئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں۔ اُمرا اور راجہ بعضے تو گھوڑوں پر اور بعضے عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر منکتب پالکیوں میں جس کو چھ چھ کہار لگے ہوئے ہوتے ہیں زربفت کا تکیہ لگائے پان چباتے آتے ہیں۔ جس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ منہ خوشبودار اور ہونٹ سرخ ہو جائیں۔ اور پالکی کے ایک طرف تو ایک خدمت گار دانت خلال اور چاندی یا چینی کا آگالدان جس کا حقہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے لئے ہوئے ہوتا ہے اور دوسری جانب دو خدمت گار ہوتے ہیں جو اپنے آسائش پسند مالک کو پنکھا جھلتے یا گرد و غبار اور مکھیاں اُڑانے کو مورچھل ہلاتے ہیں اور تین چار پیارے راستہ کھلا رکھنے کے لئے آگے آگے دوڑتے اور کچھ منتخب اور وجیہ خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

مضافاتِ شہر دہلی کے نواح کی زمین نہایت زرخیز ہے اور اُس میں ایکتہ۔ گیہوں، جو، نیل، دھان، باجرہ، جوار، مونگ، ماش، اور موٹھ وغیرہ جو عام لوگوں کی خوراک ہے بافراط پیدا ہوتے ہیں۔ دہلی سے چھ میل آگرہ کے راستہ پر ایک مقام ہے جس کو مسلمان "قطب الدین" کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم عمارت[1] ہے جو کبھی

---

[1] مصنف کا مقصود غالباً وہ ہرا ہے جس کو ہندوستان کے مشہور راجہ پرتھی راج عرف رائے پتھورا نے سنہ ۱۱۷۰ بکرماجیتی مطابق سنہ ۱۱۱۳ء اور سنہ ۵۳۸ھ میں اپنے قلعہ کے ساتھ بنوایا تھا اور سنہ ۱۱۸۸ھ مطابق سنہ ۱۱۹۱ء اور موافق سنہ ۱۲۴۸ بکرماجیتی میں معزالدین بن سام عرف شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے جو آخر کار دہلی کا بادشاہ ہوا اور سلطان قطب الدین کہلایا۔ دہلی کو فتح کیا تو اس کو مسجد بنا دیا اور شرقی دروازہ پر فتح کی تاریخ اور اپنے نام کا کتبہ کھدوایا مگر کوئی ایسے حروف جن کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اس پر کہیں کندہ نہیں ہیں البتہ اس کے صحن میں ایک لاٹھ ہے جو سر سے پاؤں تک لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اور جو زمین پر سے بائیس فٹ چھ انچ بلند اور میں کی جڑ کی موٹائی کا محیط پانچ فٹ تین انچ ہے اور اس کی نسبت یہ کہانی مشہور ہے جو بالکل غلط ہے کہ رائے پتھورا کے وقت میں پنڈتوں نے اس کو پاسک ناگ کے سر پر اس غرض سے گاڑا تھا کہ رائے پتھورا کے خاندان کی عملداری کبھی نہ ٹلے۔ اس پر سنسکرت زبان اور ناگری حروف میں تین اشلوک کندہ ہیں۔ جن کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ سندھ کے راجہ نے راجہ دھاوا سے لڑنے کو فوج جمع کی تھی۔ بعد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہندوؤں کا دھرا تھا اور اُس پر ایسے حروف میں کچھ کھدا ہوا ہے جو ہندوستان کی مروجہ زبانوں کے حروف میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص اُن کو پڑھ سکتا ہے

شہر کے دوسری جانب ایک بادشاہی باغ ہے جس کو "شالامار"[1] کہتے ہیں اور جو ایک بہت خوبصورت اور عالی شان عمارت ہے لیکن "فونٹن بلو" اور "سینٹ جرمین" اور "ورسیلیس" کے مقابلہ کا نہیں۔ یقین کیجئے کہ دہلی کے نواح میں ایسے محل اور عالی شان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ، چینٹ لی۔ میوڈان۔ لانیکور۔ یا رومل ہیں اور نہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: لڑائی کے راجہ ڈہامالے فتح پائی اور یہ لاٹھ بطور یادگار اپنی فتح کے بنائی مگر اس کے بننے سے پہلے مرگیا۔ صاحب آثار الصنادید لکھتے ہیں کہ جیمس پرنسپ صاحب نے لکھا ہے کہ اس راجہ کا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا بجز اس کے کہ ہستنا پور کے راجاؤں میں کا ایک راجہ ہے اور اس قسم کے ناگری حرف تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں مروج تھے اور اس سبب سے انھوں نے خیال کیا ہے کہ یہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت دور بلکہ آٹھویں صدی میں بنی تھی مگر ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاؤں کی تاریخ ۱۰۱۷ء سے مسلمانوں کی عملداری ہونے تک بحث تمام ملتی ہے اور ان تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اس لاٹھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرماجیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرماجیت کے بعد سمت لکھنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرنے کا بالکل رواج ہو گیا تھا۔ اس کے سوا اُس زمانہ میں ہستنا پور کے راجاؤں کا راج بالکل جاتا رہا تھا۔ ان دلیلوں سے ہمارے نزدیک یہ لاٹھ راجہ میدہاری عرف راجہ داما کی بنائی ہوئی ہے۔ جو راجہ بشٹر کی اولاد میں سے انیسواں راجہ ہے اور اگرچہ یہ راجہ اندرپت میں آبسے تھے ورنہ قدیم تخت گاہ اُن کا ہستنا پور ہی تھا اور اسی سبب سے ہستنا پور کے راجہ کہلاتے تھے۔ مذہب اس راجہ کا بشنوی تھا اور اس لاٹھ کے کتبہ سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میدہاری ایک ہزار نو سو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا۔ لیکن انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جدبشٹر کی مسند نشینی کا نکالا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ آٹھ سو چالیس سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا تھا۔ اور اس سبب سے ہماری رائے میں یہ لاٹھ نویں صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام بنی۔ لیکن ناتمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ داما کا فتح نامہ جس مقصد سے اُس راجہ نے اس کو بنایا تھا کھدا کر لاٹھ کو نصب کر دیا۔ اور کچھ عجب نہیں کہ یہ بات تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو۔ جب لاٹ پتھورا

[1] اس لفظ کی تحقیق اس کتاب کے اُس مقام میں جہاں کشمیر کے باغ شالامار کا ذکر ہے کی گئی ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ویسے مختصر باغات ہیں جن کے مالک غیر ملازم شرفا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں۔ لیکن یہ کچھ جائے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسی کو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے۔

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستے دہلی اور آگرہ کے مابین جو ڈیڑھ سو یا ایک سو اسّی میل کا فاصلہ ہے اُس میں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر کو اس قدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اور دلچسپ مقام ہے البتہ متھرا جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالی شان مندر دیکھنے کے لئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطار میں درخت لگے ہوتے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لئے پختہ کنویں بنے ہوئے ہیں[1]

شہر آگرہ عرف اکبر آباد بنا نے دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اُسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اور عمارتیں بھی جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اس وجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے (جس نے اُس کو آباد کر کے اپنے نام پر اس کا نام[2] اکبر آباد رکھا تھا) بادشاہانِ ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اس کو وسعت اور کثرت عمارت میں جن کو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے۔ دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کاروان سرائیں بھی اس میں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کر سکتا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- نے اس لاٹھ کے قریب قلعے اور مندر بنایا تب یہ لاٹھ مندر کے صحن میں اور جب اُس کو توڑ قطب الدین ایبک نے مسجد بنائی تب مسجد کے صحن میں آگئی۔ چنانچہ اب تک وہیں موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ "اکبیرونی" نے غالباً اسی لاٹھ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲ س م ح

[1] یہ سڑک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے چودھویں سال مطابق ۱۰۲۸ھ میں اکبر آباد سے لاہور تک بنوائی تھی۔ اس کے بعض بعض منارے اب تک بھی کہیں کہیں موجود اور قائم ہیں۔ س م ح

[2] یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور موافق روایت صاحب بادشاہنامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہ نام جو بے معنی تھا بدل کر اکبر آباد نام رکھا تھا چنانچہ اسی روز سے اکبر آباد ہی مشہور ہے۔ ۲ س م ح۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ اور جن کا بیان میں آیندہ کروں گا لیکن اس کی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور امور میں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ پہلے سے کسی مجوزہ نقشہ پر نہیں بنایا گیا اس لئے دہلی کے سے متحد الوضع اور سیدھے اور وسیع بازار جن سے اس کو امتیاز حاصل ہے۔ اس میں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُن کی عمارتیں اچھی ہیں مگر اُن میں بیوپاری زیادہ بیٹھتے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے تنگ اور بے قاعدہ ہیں جن میں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اس سبب سے جب پادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجب کشمکش اور دھکا پیل رہتی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کر دی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گاؤں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا منظر گاؤں کی طرز کا اور خوش نما ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں میں سایہ کے لئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور امرا اور راجہ اور دوسرے دولت مند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک دوسرے سے فصل کے لئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر کوئی پرانی گڑھی۔

ایک گرمی سے جلے بھنے ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل کرنے کو آنکھیں خود بخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر بے شبہ دل کو ایک خاص طرح کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کر کے کہ دنیا کا ایک نہایت عمدہ اور خوش نما نظارہ دیکھنے میں آئے گا آپ کو پیرس کے چھوڑنے کی عزورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً آپ کو پونٹ نی آف پر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ ذرا دن کو اس پر جا کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ خلقت اور گاڑیوں کا کیا عجیب و غریب جمگھٹ اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھاڑ نظر سے گذرتی ہے اور پھر رات کو بیٹھکر ملاحظہ کریں تو بے شک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ فرمایئے اس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دکھائی دے سکتا ہے۔ اور اس پر سے مکانات کی بے شمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھئے تو وہ کیا لطف دکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دن کو رہتا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے وہی آدھی رات کو بھی نظر آتا ہے اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں۔ پیرس میں دیانت دار اہل شہر کی بیبیاں اور بیٹیاں چور اچکوں کے خوف اور کیچڑ وغیرہ کی تکلیف کے بغیر بے تکلف بازاروں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو چاروں طرف لال ٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔

مشفقِ من پیرس میں پونٹ نی آف پر کھڑے ہو کر بے شک آپ میری ذمہ داری پر دعوٰی سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا بنایا ہوا اس سے زیادہ خوش نما کوئی منظر نہیں ہے۔ لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا۔ کیونکہ میں نے اُن کو نہیں دیکھا اور اس کی خوبی اُس وقت اور بھی بڑھ جائے گی جب کہ لوائر کی تعمیر ختم ہو جائے گی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اس کے نقشہ کو دیکھکر کہتے تھے کہ یہ صرف کاغذ ہی کا غذ پر دکھائی دیتا رہے گا۔ حقیقتاً وجود میں آ جائے گا۔

انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید میں نے اس لئے لگائی ہے کہ دنیا کے عمدہ مناظر کے ذکر کے موقعہ پر اس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائنٹ ڈیسرٹیل سے مستثنٰی کر دینا ضروری ہے حقیقت یہ ہے کہ جب پہلے پہل میں نے قسطنطنیہ کے اس لمبے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی نہیں بھول سکتی اور میں نے اس کو ایک جادو کا بنایا ہوا ایمفی تھی ایٹر خیال کیا۔

لہ لیٹن زبان میں ایمفی بیضوی شکل کو کہتے ہیں۔ پس چونکہ یہ تھی ایٹر یعنی تماشا خانے بیضوی شکل کے بنائے جاتے تھے تاکہ لوگ اردگرد بیٹھکر آسانی کے ساتھ قریب سے تماشا دیکھ سکیں۔ اس لئے ان کا نام ایمفی تھی ایٹر جس کا نام کالی سی ایم ہے۔ اور جس کو بنے ہوئے بہت عرصہ ہوا مگر مصالحہ کی خوبی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اس کو کھنڈر کہنا مشکل ہے بلکہ اب تک شہر روم کی نہایت عالی شان عمارات میں سے ہے۔ اس وادی میں بنا ہوا ہے جو شہر روم کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ہے۔ یہ عمارت زمینوں کی طرح اس لئے درجہ بدرجہ بنی ہوئی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رتبہ کے موافق اپنی اپنی جگہ کہ جو اُن کے لئے مخصوص تھی بیٹھکر تماشا دیکھ سکیں۔ چنانچہ سب سے اول درجہ کے چبوترہ پر شہنشاہ تخت پر اور مہمانِ سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ مقدس کنواری عورتیں جو معبدوں کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ خدمت پر متعین رہتی تھیں سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیوں پر بیٹھتی تھیں۔ اور ان سے پیچھے کے چبوترہ پر وہ بہادر اور نام دار سپاہی بیٹھتے تھے جن کو نائٹ کہتے تھے اور ان کے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب سے اوپر اور اخیر کے چبوترہ پر عام شریف زادیاں جو تماشا کرنے والوں کے برہنہ ہونے کی وجہ سے قریب سے دیکھنا پسند نہ کرتی تھیں بیٹھتی تھیں غرض اسی طرح ملاح کلوں کے چلانے والے اور تماشاخانہ کے دوسرے اہل خدمت اس کے دونوں دروازوں کی چھتوں پر بیٹھتے تھے۔ اس عمارت کا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ جب کبھی یہ تماشائیوں سے بالکل بھری ہوئی ہوتی تھی تو ستاسی ہزار سے کم بیٹھنے والے نہ ہوتے تھے۔ اس عمارت کے بیچ کا میدان ارینا کہلاتا تھا کیونکہ خون کی بدبو روکنے کی غرض سے اس میں ابتدا کی زمانہ میں ارینا یعنی ریت بچھائی جاتی تھی مگر پھر یہاں تک تکلف بڑھ گیا کہ ریت کی عوض مختلف دھاتوں کا برادہ اور شنگرف بلکہ پسے ہوئے جواہرات کی تہہ بچھانے لگے۔ لیکن ایک ملائم قسم کے سفید پتھر کا چورا بچھایا جاتا جس سے ارینا کی سطح برف جیسی معلوم ہونے لگتی تھی۔ زیادہ پُر لطف خیال کیا جاتا تھا۔ اور چھت نہ ہونے کی وجہ سے جب اس پر ارغوانی رنگ کا ایک بڑا ریشمی زری کا شامیانہ تانا جاتا تھا تو اس میں سے دھوپ کی شعاع جو ارینا کے سفید اور شفاف سطح اور رومی عہدہ داروں کے سفید چغوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھاتی تھی۔ ارینا کے گرداگرد پانی کی نہر بنی ہوئی تھی جس میں سے پانی چھوڑ کر ارینا میں تماشا کرنے کے لئے جہاز لے آتے تھے۔ یہ تماشاخانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے خوں ریز اور خوفناک تماشوں کے دیکھنے کے بے اعتدالی کے ساتھ شایق تھے اس لئے ان کے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جس نے ان کو دنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے۔ سب سے پہلا تماشا دو سو ساٹھ برس قبل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور ۵۲۶ء میں جب کہ رومیوں نے کارتھیج والوں پر فتح پائی اور ان کے ہاں کی لوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشاخانہ میں داخل کئے گئے اور اس طرح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کئے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑانے ہی پر منحصر نہ رہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جن کا یہ پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہ لوگ گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور ان کے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانے کے لیے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے قیصر جولیس اور پامپی کے زمانہ میں یہ وحشیانہ اور خوفناک تماشے قابل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حیرت کثرت سے کئے جاتے تھے، تماشائی لوگ اکثر اس غرض سے اول وقت پر آتے تھے کہ بڑے بڑے اراکین سلطنت کو آتا ہوا دیکھیں جن کے آنے پر تحسین یا نفرین کا نعرہ بلند ہوتا تھا جو اُن کے افعال کی عام پسندی یا ناپسندی پر موقوف تھا۔ اور جب شہنشاہ آتا تو لوگ یہ فقرہ کہکر چلاتے کہ "اے سب کے مالک اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوش حال تیرے لئے خوشی اور فتح ہمیشہ ہو" جب بادشاہ آن کر بیٹھ جاتا تو طرح طرح کے تماشے ہونے لگتے چنانچہ کبھی نہر میں سے ارینا میں پانی چھوڑ دیا جاتا اور ایک جہاز آتا اور تباہ ہو کر اس میں سے ایک غول عجیب و غریب جانوروں کا نکل پڑتا۔ بعض اوقات زمین پھٹ کر درخت نکلتے اور اُن پر سنہری میوے لگے ہوئے ہوتے۔ کبھی انیوس کلانوت کا پُرانا عشقیہ قصہ بطور اصل کے دکھایا جاتا۔ اور یہ درخت اُس خوش آواز عاشق کے راگ اور دو تارے کے ساتھ ساتھ چلتے مگر تعجب یہ ہے کہ تماشے کے مکمل کرنے کے لئے آرفیوس کی طرح آخر میں سچ مچ اُس شخص کو جو آرفیوس بنتا تھا ریچھوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا اور اس کے بعد خونخوار اور اشتعال پسند رومی ارینا کے دروازے کھول دیتے اور قسم قسم کے وحشی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لئے چھوڑ دیتے جاتے اور لوگ نہایت بے رحمانہ شوق کے ساتھ اُن کے حملوں اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور بیدردی سے ان غریب حیوانات کے چیخنے اور شور و غل مچانے پر ترس کھانے کی جگہ نہایت خوش ہوتے اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی جانور پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کر دیتا تو چاروں طرف سے انعام کے طور پر یہ صدا بلند ہوتی کہ اس بہادر کو چھوڑ دو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے۔ یہ لوگ اسی پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے جو کوئی زرہ پہنے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی اپنی پھرتی اور چالاکی سے حریف پر غالب آتے تھے۔ لیکن اس پر بھی اس وحشت کا خاتمہ نہ تھا بلکہ اہل روم انسان کو مرتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گنہگار لوگ اور بیچارے عیسائی مذہب کے آدمی ان درندوں کا شکار کرائے جاتے تھے۔ اس کے بعد لاشیں اُٹھائی جاتی تھیں اور تمام ارینا میں وہ جواہرات اور سفید پتھر کا چورا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے خون کی بدبو رفع کرنے کے لئے بچھا دیا جاتا تھا۔ اور سب سے عمدہ تماشے کی نوبت آتی تھی۔ یعنی گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جن میں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بھاری زرہ پہنے ہوئے۔ کوئی گاڑی میں کوئی پیدل کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا۔ اور ارینا میں داخل ہو کر سب کے سب ہم آواز شہنشاہ کو یوں سلام کرتے تھے "مرحبا قیصر مرنے والے تجھکو سلام کرتے ہیں" ان پیشہ وروں میں بعض عام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہو کر کچھ روپے لے کر لڑتے تھے جن میں سے کبھی کوئی بچ بھی جاتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ویسا ہی اخیر وقت میں بھی نہ تھا اور باپ کی طرح اُس کا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پیغمبر بنا کر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ میں نے ایک مسلمان شخص کی زبانی جس کا باپ جہانگیر کا ملازم اور اُس کے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا سُنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس کو جس کی تندخوئی کی وجہ سے جہانگیر نے اس کا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اُس نے آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دین اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسوئیٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اُس کے تصفیہ کے لئے یہ عمدہ موقعہ ہے اور حکم دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اُس میں آگ جلائی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا قرآن بغل میں لے کر اُس میں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائے گا میں اُس کا مذہب قبول کرلوں گا۔ چنانچہ پادری آتش نے تو اس امتحان کو قبول کر لیا لیکن ملا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کر کے اس آزمایش سے باز آیا۔ یہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں جیسوئیٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اس وجہ سے اُن کو دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی امید تھی مگر اس زمانہ کے بعد باستثناء اُس ربط و ضبط کے جو دارا شکوہ اور نادر بوزی کے باہم تھا اس قسم کی اُمید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

عیسائی مبلغ اب چونکہ اس جگہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپ کو لکھنے کا ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کروں میری دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لئے جو یہ ایسے دور دراز ملک میں آتے ہیں بے شک تعریف کے لایق ہیں خصوصاً کیپوشین اور جیسوئیٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقاید مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر نہایت مسکینی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور تعصب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کاتھلک فرقہ کا ہو یا یونان یا ارمینیا کے چرچ کا مقلد ہو۔ اور نسٹورین ہو یا جیسکوبٹ محبت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں۔ اور پردیسی اور مفلوک الحال عیسائیوں کے پشت پناہ اور باعث تسلی ہیں۔ اور اپنے علم و فضل اور قابل تقلید خوش اخلاقی سے غیر مذہب کے بے ایمان اور عیاش لوگوں کے لئے شرم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا باعث ہیں مگر بدقسمتی سے بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جن کا بجائے مشن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان ونٹوں (خانقاہوں) ہی میں بند رہنا خوب ہے کیونکہ ان کا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے اور بجائے اس کے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُلٹے اُن کی گمراہی کا باعث ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مدعا کے لئے مضر ہیں اور اس کام کے لئے اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم و عمل میں ممتاز ہوں تو میں قطعاً پسند کرتا ہوں اور میرے نزدیک یہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لئے باعث فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و تلقین کے لئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس خوش فہمی میں اس قدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس قدر حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا اُتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث اُن کے دلوں کی تاریکی سے مجھے اس قدر واقفیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان بادشاہوں اور اُن کی مسلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیل مذہب کی اُمید نہیں اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اس لئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ "حضرت" صرف "عیسیٰ" کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح اس کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" تھے لیکن یہ اُمید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جس میں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں اور اُن کی دعا اور اِن کی طاقت اور دولت اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے بڑھانے میں صرف ہونی چاہئے مگر اس خرچ کا متحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مشنری لوگوں پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس کا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیئے کہ یہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر مجبور نہ ہوں اور صرف اُن کی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات حق کے لئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں کہیں موقعہ پائے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق سے محنت کرنے کی خواہشمند ہو اگرچہ یہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے

مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لئے ایک اور پُر افسوس سد راہ سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب اُن کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ڈچ تاجروں کی کوٹھی

آگرہ میں ڈچ لوگوں کی جو کے غلہ کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے جس میں اُن کے چار یا پانچ آدمی رہتے ہیں یہ پہلے باناتؔ اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپہلی لئیں اور آہنی چیزوں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو آگرہ کے قرب وجوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً بیانہ میں جو آگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں ان کی ایک اور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں۔ اور اب نہ صرف جلاپور بلکہ لکھنؤ سے بھی جو آگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی اُن کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں ان کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہا اور غالباً اس کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ ان کے مقابلہ میں ارمنی لوگوں کی تجارت بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ آگرہ سورت سے (جو ان کی اصل قیام گاہ ہے) بہت دور ہے اس لئے

لہ اور یہ دلی کیفیت غالباً اس جبر کا نتیجہ ہے جس کے متعلق مصنف کہہ آیا ہے کہ "یہ خوں ریز مذہب بزور شمشیر پھیلا" اور خود کے اعتراف کے مطابق محبت اور رضامندی سے پھیلنے والے دین کے پیروؤں میں خاص اپنی عبادت گاہوں میں "خلاف ادب طریقے" رائج ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

علاوہ ان کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوالیار اور برہان پور کی سیدھی سڑک چھوڑ کر احمد آباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عملداریوں میں سے ہوکر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود ان وقتوں کے میری دانست میں انگریزوں کی طرح آگرہ سے یہ اپنی کوٹھی کبھی نہیں اٹھائیں گے کیونکہ ان کو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت منفعت رہتی ہے اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کے اعتباری آدمی دربار شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ، پٹنہ سورت۔ یا احمد آباد میں جہاں ان کی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسی طرح کا ظلم یا ناانصافی ان کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اس کی شکایت دربار میں کر سکتے ہیں۔

روضہ تاج محل

اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب مقبروں کے ذکر پر جن کی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جس کو اس کے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہجہاں کی بیگم "تاج محل" کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور بادشاہ اس پر ایسا فریفتہ تھا کہ کبھی اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا یہاں تک کہ اس کی وفات کے وقت شدت غم سے قریب تھا کہ اس کے ساتھ خود بھی چل بسے۔ میں اکبر کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس میں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جس کا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں، آگرہ سے نکل کر مشرق کی طرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جس پر فرش لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے۔ جس کے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں ہمارے پلیس رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب تعمیر مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو ان محراب دار برانڈوں سے مشابہ ہیں جو دہلی کے بڑے بازاروں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہنچیں گے تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپ کو ایک بڑا دروازہ ملے گا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے۔ اور اس کے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہے جس میں سے ہوکر باغ میں جاتے ہیں اور جس کے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوئے ہیں۔ یہ مستطیل شکل کی عمارت ہے اور ایک ایسے پتھر سے بنی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوئی ہے جو سرخ سنگ[1] مرمر کے مشابہ ہے لیکن ویسا سخت نہیں ہے۔ اس عمارت کا پیش دالان سینٹ لوئیس کی عمارت کے پیش دالان کی بہ نسبت جو سینٹ اینٹونی کے کوچہ میں ہے میری دانست میں زیادہ لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالی شان ہے مگر بلندی میں اُسی قدر ہے اس کے ستون اور مرغول اور کارنسیں اگرچہ فی الواقع عمارت کے اُن اوضاع خمسہ کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع کی ہے لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری رائے میں یہ بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن عمارت کی کتابوں میں جگہ پائے اگرچہ قریبًا یہ تمام عمارات صدہا قسم کے مختلف الوضع دالانوں اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل ہے جو نیچے اوپر بنی ہوئی ہیں۔ مگر باوجود اس کے بہت عظیم الشان ہے اور اس کا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں۔ اور کوئی جگہ اس میں ایسی نہیں جو بدنما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوش نما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو میں نے اس کو جا کر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اس کی بھی یہی رائے تھی کہ یہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جس کی تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہنے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُس نے یہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا اور عظیم الشان مکان میں نے کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے گنبد کے نیچے پائیں گے جس کے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب دو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور جیسے ہی محراب میں سے آپ داخل ہوں گے ویسی ہی دوسری جانب پائیں گے جس میں سے گذر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہ روش جو آٹھ فرانسیسی فٹ کے قریب اونچی ہے اس قدر چکلی ہے کہ چھ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سرے سے لے کر اخیر تک بڑی بڑی چوکور سخت پتھروں کی سلوں کا فرش لگا ہوا ہے اور بیچوں بیچ نہر بنی ہوئی ہے جس کی روکار

---

[1] ولایت میں ایسے چکنے پتھر کو مرمر (ماربل) بولتے ہیں اور تعمیر با عتبار رنگ کر لیتے ہیں جیسے مرمر سفید و مرمر سیاہ اور مرمر سرخ جن کو ہم سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ وغیرہ بولتے ہیں۔ س م ع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے پتھر تمام گھڑنے ہوئے اور زیبائش کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوارے لگے ہوئے ہیں اور کوئی بیس یا پچیس[۲۵] قدم چل کر اور پشت کی طرف منہ پھیر کر اس دروازے کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں۔ کیونکہ دروازہ کی عمارت کی طرف بھی اگرچہ بیرونی رخ جیسی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور اُسی وضع کی ہے۔ دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دے کر لمبی اور چوڑی غلام گردشیں بنتی چلی گئی ہیں جن کے محرابی دروازے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور برسات کے موسم میں غربا اور مساکین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لئے شاہجہاں کی طرف سے جاری کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار ان میں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اب آپ پھر اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپ کو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئے گا جس میں بیگم کی قبر ہے اور جس کے دائیں بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے ویسی ہی دو بڑی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسی دروازہ کی عمارت ہے اور یہ دونوں پشت کی طرف باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور ان میں جانے کے لئے تین تین محراب دار دروازے ہیں۔ ان کے بعض حصے بالاخانوں کی طرح ایک دوسرے پر واقع ہیں جن میں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشیں ہیں ان عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرائشی کام بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریباً ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے اندر کے زیبائشی کام ہیں اس لئے میں اُن کا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جس کو میں تشبیہاً "واٹر پارٹیر"[۱] کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُس کے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بنا کر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیاریوں کے گرد "باکس" لگا ہوا ہے یہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اسی قدر اونچا ہے جس قدر کہ والدی[۲] گریس ہے اور

---

[۱] پارٹیر کے لغوی معنی ہموار اور مسطح زمین کے ہیں مگر اصطلاح میں اُس قسم کی چمن بندی کو کہتے ہیں۔ جو طرح طرح کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بنا کر امتیاز کے لئے اُن کے ادھر اُدھر سبز گھاس وغیرہ جمادی جاتی ہے جس کے عوض فرنگستان میں باکس جو ڈوڈ نیا کی طرح کی ایک بوٹی ہے لگاتے اور اُس کو تراش کر کیاریوں کے ارد گرد مختلف شکل کے حاشیے اور حد بندیاں بناتے ہیں۔ س م ح

[۲] شہر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ س م ح

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس کے گرداگرد سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہ کل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جن میں سے تین بالکل کھلی ہیں۔ اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے جس میں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کر دی گئی ہے جس میں کئی "ملا" تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہرا دلی ارادت کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بنا کر جمائے ہوتے ہیں جو نہایت خوش نما ہیں اور گنبد کا کالسہ اور اوپر سے نیچے تک تمام دیواروں کی روکار سنگِ مرمر کی ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حسن نہ رکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار کی روکار میں جو سنگ مرمر کی ہے زبرجد اور یشپ اور عقیق اور دوسری قسم کے بیش قیمت اور کمیاب پتھروں اور اُس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بے شمار وضع کی اور نہایت خوبصورت اور پُر نزاکت پچی کاری جس سے بڑھ کر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی کی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی چوکور سلوں کا ہے یہ پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایک بار بڑے تکلفات سے کھولا جاتا ہے اور چونکہ اس کے تقدس کی وجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں پاتا اس لئے میں بھی دیکھ نہیں سکا۔ لیکن سُنا ہے کہ اُس کی زیب و زینت اور آرائش و زیبائش بہت ہی اعلیٰ قسم کی ہے۔ اب آپ سے صرف اس چبوترہ کا ذکر کرنا باقی ہے جو گنبد سے لے کر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی پچیس قدم چوڑا اور اس سے کسی قدر زیادہ اونچا ہے۔ اس چبوترہ پر سے دریائے جمنا نیچے بہتا ہوا اور بے شمار سرسبز باغ جو دور تک چلے گئے ہیں۔ اور شہر آگرہ کا ایک حصہ اور قلعہ اور اُمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے ہیں تمام نظر آتے ہیں۔ اور جب کہ یہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اس کا تصفیہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟ یہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے ہندوستانی مذاق پیدا کر لیا ہو۔ لیکن میں یہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہ روضہ اہرام مصر کی بہ نسبت جو اَن گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پر بھی مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سے بجز اس کے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جن کے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دنیا کے عجائبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے[1]

[1] یہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کے ابتدا میں ہی شروع ہوئی تھی اور سولھویں سال جلوس مطابق ۱۰۵۲ھ میں بن کر ختم ہوئی بادشاہنامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اس پر خرچ ہوا اس کی مرمت اور مدام کی تنخواہ اور بیگم کے ختم فاتحہ کے خرچ کے لئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اس کے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے مل جل کر یہ ایک اچھا شہر بس گیا تھا اور جس کا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے وقف کر دی تھیں - س م ح فقط

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تقریظ

جناب خلیفہ سیّد محمّد حسن خاں صاحب

وزیر اعظم ریاست پٹیالہ

انسان جب مرجاتا ہے تو زندہ نہیں کہلاتا! مگر اہلِ تصنیف کی زندگی عجیب زندگی اور اُن کی موت عجیب موت ہے کہ مرنے پر بھی زندہ کہلاتے اور زندوں کی طرح بولتے چالتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فرانسس برنیئر ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دو سو برس کے قریب ہوئے کہ انتقال کر گئے مگر زندہ ہے۔ دنیا سے گئے گو ایک زمانہ گذرا مگر موجود ہے! زبان کو بند ہوئے عرصہ ہوا مگر بولتا ہے۔ اس کا کاغذی لباس پہنے ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا اور چپ چاپ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی اور کبھی انگریزی اور کبھی ہندوستانی بولی بولنا۔ اور بولنا بھی قلم کی زبان سے جس میں یہ خوبی ہے کہ آواز نہیں، اور سُنائی ہر کسی کو دیتا ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ اُس نے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کسی کو خوش قسمتی سے اُس کا ایک قطرہ بھی نصیب ہو گیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ یہ وہ چشمہ نہیں جس کو لوگ آبِ حیات کا چشمہ کہتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کا پانی پی لینے سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ ہے نہ اُس کو کبھی کسی نے دیکھا اور نہ اُس کا پانی پیا۔ مگر جس چشمہ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ حقیقی اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور اُس کا آبِ حیات سے زیادہ زندگی بخش پانی ہر خوش قسمت شخص کو میسّر آسکتا ہے۔ یہ چشمہ دوات ہے اور اس کا زندگی بخش پانی اس کی روشنائی ہے۔ جو اہلِ تصنیف ہمیشہ قلم کے پمپ کے ذریعہ سے اس میں سے نکالتے اور آبِ حیات کی طرح خود پیتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ جنھوں نے اس چشمہ کا پانی پیا ہے اور مبارک ہے اُن کی زندگی جو دنیا کی زندگی کے برخلاف بے غل و غش اور بے کلفت زندگی ہے مگر فاضل ڈاکٹر کو خوش نصیبی سے عمر بڑھانے کا ایک اور نسخہ بھی وہ مجرب اور تیر بہدف ہاتھ آیا ہے۔ اور یہ اُس کو استعمال بھی اس خوبی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے کرتا ہے کہ خطا کر ہی نہیں سکتا یعنی جب دیکھتا ہے کہ پہلا قالب کسی قدر دیرینہ اور بوسیدہ ہو چلا ہے تو کسی نہ کسی ڈھب سے اُس کو بدل ڈالتا اور نیا اختیار کر لیتا ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کو جو اب تک صرف ایک بات ہی بات تھی اور انسان کا مر کر دوسرے قالب میں چلا جانا دیکھا کسی نے بھی نہ تھا اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ پہلے پہل مسٹر اورنگ بُراک صاحب کی اعانت سے اپنی ہمسایہ قوم انگریز کا قالب اختیار کیا اور اُس عقلمند قوم کے لوگوں نے مورخ اور جہاں دیدہ جان کر قدر شناسی کی راہ سے اس کو اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا اور اس کی مفید اور تجربہ آمیز باتوں اور دلچسپ اور عبرت خیز حکایتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی اور اب ہمارے نہایت صاحب علم و فضل و جامع الکمالات دوست جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی و سی ایس آئی ترجمان جناب کمانڈر انچیف بہادر ہندوستان اور میرے چھوٹے بھائی مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ بدل لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اُردو بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پیرس کا رہنے والا ہے یا دلی کا۔ پس میرے عزیز ہم وطنوں تم کو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم بھی اس دانا اور تجربہ کار حکیم کی جس نے تمہاری خاطر تمہارا ہی روپ بدل لیا ہے اور تمہاری ہی بولی سیکھ لی ہے جان و دل سے خاطر و مدارات کرو اور اپنے ملک کے اگلے بادشاہوں اور راجاؤں اور امیروں اور ہر ایک درجہ کے لوگوں کی باتیں جو اُس کی آنکھوں دیکھی ہوتی ہیں اس کی زبان سے سنو! یہ تم کو بلا رو رعایت سچ سچ بتائے گا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے ملک کی کیا حالت تھی۔۔ سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا۔ زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا حال تھا۔ ملک کی دولت مندی کی کیا کیفیت تھی! راستے پُرامن تھے یا خطرناک اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے۔ سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں! عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی؟ اور اس کے لئے کچھ قوانین اور قاعدے مقرر تھے یا نہ تھے۔ اور اُن کی تعمیل کیسی ہوتی تھی۔ آزادی رائے جس میں مذہب کی آزادی بھی آگئی رعایا کو حاصل تھی یا نہیں۔ اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق و عادات کا کیا حال تھا۔ ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا بادشاہ کے ذاتی اور عیش و آرام کے کاموں میں، فوج کی کیا حالت تھی اور اُس کا نظم و نسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا اور صف آرائی اور جنگ آزمائی کے کیا طریقے تھے۔ بادشاہ دربار کس طرح کرتا تھا۔ اور اُس کی شان اور جلوس کیسا اور کس طور کا تھا۔ اور یہ باتیں تم کو یہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایسی تشریح اور تفصیل سے سُناتے گا کہ گویا اُن کا مرقع تمھارے سامنے کردے گا جس سے تم اُس وقت اور اس وقت کی حالت کا بخوبی موازنہ کرسکو گے۔ اور سمجھ سکو گے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جس کی نادیدہ تعریفوں اور خوبیوں کو سُن کر غالباً تم اپنے دل میں خیال کرتے ہو گے کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے نہایت ہی عمدہ اور خیروبرکت کا زمانہ تھا تمھارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی۔ اور اب کوئین وکٹوریہ بادشاہِ انگلستان اور قیصر ہند کے مبارک عہد میں جو تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے۔ والسلام

السید محمد حسن عفی عنہ

۲۵ - نومبر ۱۸۸۵ء

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri